[illegible]

۱

خدا بخش اورینٹل پبلک لائبریری، پٹنہ

۱۹۹۷ء

Khuda Bakhsh Annual Lectures, 1977

Khuda Bakhsh Annual Lectures
are delivered every year
by some eminent scholar of
Persian, Arabic or Islamic
Studies.

Mr. Qazi Abdul Wadood,
Dr. Md. Zubair Siddiqui,
Prof. A. A. A. Fyzee,
Dr. Nazir Ahmad,
Dr. S. A. H. Abidi and
Dr. S. H. Askari
were the forerunners
in the series to which
Dr. Hashim Amir Ali
Contributed in 1977.

فہرست

تعارف	از جناب قاضی عبدالودود	
فارسی اور ہندوستان	از ڈاکٹر نذیر احمد	۱
[illegible]	از جناب نصر اللہ [illegible]	۹۰
[illegible] حافظ شیراز [illegible]	ادارہ	۱۰۷
دیباچہ کلیات مرزا [illegible]	ادارہ	۱۱۵
طبقات الحنفیہ [illegible]	از ڈاکٹر عبدالرشید	۱۶۹
[illegible]	از جناب رضا بیدار	۱۸۷
موتی لال نہرو کی ایک اردو تقریر	ادارہ	۲۰۰
[illegible]ت جدیدہ : رہبر تحقیق	از جناب قاضی عبدالودود	۲۲۶
[illegible] و اضافہ : دیوان رضا	از جناب قاضی عبدالودود	۲۳۱
[illegible]د : ابوالکلام آزاد کی [illegible] تحریر		۲۳۳
: [illegible] تحریر (مہاتما گاندھی اور پنڈت نہرو)		۲۳۵

میرے والد (انگریزی)	از مرحوم صلاح الدین [illegible]	۱
مکتوبات مظہر [illegible] ایک مطالعہ (انگریزی)	از ڈاکٹر سید حسن عسکری	[illegible]

Our Countributors :

Prof. Kalimuddin Ahmad. B.A. (Cantab.) (*b*. 1909)
Sri Krishnapuri, Patna-13 (see pp. 71-72 Urdu Section)

Dr. Hashim Amir Ali, M.A. Ph. D., Hyderabad (*b*. 1903)
Ex-Director Rural Institute, Jamia Millia, Delhi; Trustee of the Private and Religious Trusts of Nizam.
Wrote several books on the *Qur'an* and sociological themes, among them : *Student's Qur'an* : *An Introduction*; *The message of the Quran*; *Meos of Mewat* : His life-work, almost his mission, is *the discovery of the lost Islamic Calendar*.

Mr. Muhammad Yunus Khalidi
Secretary, Azad Memorial Academy, Bashishar Nath Road, Lucknow.

For others, see Journal I.

مجلس [illegible]

- مفتی؟ عبدالودود (چیئرمین)
- سید حسن عسکری
- افسر الدولہ فیاض الدین حیدر
- عابد رضا بیدار (سکریٹری)

پہلا شمارہ: ۱۹۷۷ء

اِس سہ ماہی مجلّے میں انگریزی، اُردو، فارسی یا عربی میں ایسے مضامین شائع ہوں گے، جو خدابخش لائبریری کے نادر مواد پر مبنی ہوں یا لائبریری سے کسی نہ کسی قسم کا تعلق رکھتے ہوں۔

قیمت: پندرہ روپے

محبوب حسین نے اُردو جنتا [illegible] پریس [illegible] اور انگریزی حصہ [illegible] پریس [illegible]
میں چھپوا کر خدابخش لائبریری سے شائع کیا

Khuda Bakhsh Annual Lectures Series — 7

Upstream Downstream
Reconstruction of Islamic Chronology

by
Dr. Hashim Amir Ali
Hyderabad

تعارف

خدا بخش لائبریری بورڈ نے فیصلہ کیا ہے کہ خدا بخش لائبریری کی طرف سے ایک رسالہ "خدا بخش لائبریری جرنل" کے نام سے نکالا جائے۔ اور اس کی یہ خصوصیت ہو کہ اس کے مندرجات کا کسی طرح کا تعلق کتب خانہ مذکور سے ضرور ہو۔ اس تعلق کی نوعیت کیا ہوگی، دو تین شماروں کے آنے پر واضح ہو جائے گی۔ اس میں اُردو، فارسی، عربی اور انگریزی کے مضامین ہوں گے [illegible] مضامین یا مختصر رسالے بھی اس میں شامل ہوں گے، جو پہلے کہیں اور شائع ہو چکے ہیں۔

انگریزی کا پہلا مضمون صلاح الدین خدا بخش کا بانیٔ کتب خانہ سے متعلق ہے، یہ ان کے مجموعۂ مضامین میں جو مدت ہوئی شائع ہوا تھا، شامل ہے۔ مقالہ نگار نے اپنے دادا اور بانیٔ کتب خانہ کے والد محمد بخش کی بیاض کی نسبت تحریر کیا ہے کہ کتب خانے میں ہے [illegible] اور ان کا ارادہ ہے کہ اسے جلد شائع کریں۔ یہ کہیں شائع ہوئی اور نہ کتب خانے میں ہے۔ خدا بخش خاں نے بھی محبوب الالباب میں اس کا ذکر نہیں کیا۔ مقالہ نگار کا بیان ہے کہ خدا بخش اپنی عمر کے آخری زمانے میں شعر گوئی کی طرف توجہ کی اور انہوں نے اپنے اشعار کا ضخیم (bound) مجموعہ چھوڑا ہے، یہ تو مجھے یاد آتا ہے کہ کسی پرانے اخبار میں میں نے ایک مشاعرے کی روداد دیکھی تھی، اس میں خدا بخش خاں نے اپنے اشعار پڑھے تھے اور ان کا تخلص جمیل تھا۔ مگر کتب خانے میں یہ ضخیم جلد کا درکنار، ان کی کوئی مختصر بیاض اشعار بھی موجود نہیں۔

ڈاکٹر سید حسن عسکری نے ۱۹۸۶ء میں ۲ خدا بخش لکچر (انگریزی میں) دیے تھے، پہلا اس شمارے میں شامل ہے، دوسرا بعد کو شائع ہوں گے۔

پروفیسر ذیباسی نے [illegible] خدا بخش لکچر اُردو میں دیے تھے ان کو تینوں لکچر اس شمارے میں شامل ہیں۔ [illegible] کی مثنوی اس بنا پر شائع ہو رہی ہے کہ یہ کلیات غزالی کے معلوم نسخوں میں نہیں پایا، کتب خانے کے ایک مجموعے میں ہے۔

[illegible]

1. The Khuda Bakhsh Library Journal is a quarterly journal specialising oriental studies in Arabic, Persian and Urdu languages, covering meaning research based on the material preserved in the Khuda Bakhsh Oriental Pub Library, or having any concern with it.

2. Articles will be accepted in English, Arabic, Persian and Urdu.

3. No s and Addenda, by way of corrections and additions to any in *tion* blished in this Journal or in any publication of the Library e.g. gues will be a regular feature of the Journal.

Rs. 15.00 per copy

Printers : Tara Press, Tripolia, Patna-7 & Label Litho Press, Pa
Publisher : Mahboob Husain, for Khuda Bakhsh O.P. Library, P

[illegible] ین خدا بخش ایم اے ، ایم بی ای سابق ناظم محکمۂ تعلیم ۱۹۳۳ء [illegible]

[illegible] ۔ انگریزی میں دس سے زیادہ کتابیں مختلف تاریخی کتابوں کے ترجمے ، تمدن عرب ، ثقافت اسلامیہ [illegible]

[illegible] اسلام ، اقوال و الکامات ، اسلام میں سیاست ، خلفا کے وقت ملک مشرقیہ ، اسلام کی [illegible]

[illegible] ت ، ازمنہ وسطیٰ میں مسلمانوں کا نظام تعلیم ، مضامین دربارہ اسلام و ہندوستان ۔

◯ [illegible] قاضی عبدالودود بی ۔ اے (کینٹب) بار۔ ایٹ ۔ لا ، پٹنہ ۴ (پ ۱۸۹۶ء)

—— [illegible] و اُردو ادبیات کے معروف محقق ، صدر جمہوریہ کے سرٹیفیکیٹ آف میرٹ کے اعزاز یافتہ۔ تالیفات :

[illegible] ؛ جہانستان ؛ اشتر و سوزن ؛ قطعات دلدار ؛ مثنوی کیان کا نکھ ؛ دیوان رضا عظیم آبادی ؛ دیوان جوشش ؛ [illegible]

[illegible] شاد ؛ تاریخ بساں و مسائل متعلقہ ؛ تذکرۂ ابن طوفان ؛ شہر آشوب تلق ؛ تذکرۂ حسرت از قاضی عبدالودود ، آقائے عبدالحمید یزدانی (مرتبہ)

[illegible] قاضی عبدالودود ، مرتبہ پروفیسر کلیم الدین احمد ۔ علاوہ ازیں : رسالہ معیار ۱۹۳۶ء ۔ اور رسالہ تحقیق ۱۹۶۱ء

◯ ڈاکٹر سید حسن عسکری ایم ۔ اے ؛ بی ۔ ایل ؛ پٹنہ ۔ ۶ (پ ۱۹۰۱ء)

—— تاریخ ہند ، از منہ وسطیٰ کے معروف مورخ ؛ مگدھ یونیورسٹی سے ڈاکٹریٹ کی اعزازی ڈگری اور غالب ایوارڈ برائے تحقیق کے اعزاز یافتہ ۔ عہد سلطنت کی سیاسی و سماجی تاریخ اور صوفیائے بہار پر تقریباً ڈیڑھ سو مقالات کے مصنف

◯ ڈاکٹر نذیر احمد ایم ۔ اے ، ڈی لٹ ؛ پروفیسر و صدر شعبۂ فارسی مسلم یونیورسٹی علی گڑھ (پ ۱۹۱۶ء)۔

—— چند تالیفات :۔ ظہوری ؛ احوال و آثار ؛ دیوان سراجی ؛ مکاتیب سنائی ؛ دیوان حافظ ؛ فرہنگ قواس کتاب ، نورس ، مصنفہ ابراہیم عادل شاہ ، تلیکا و ادبی مقالے ، فرہنگ دستور الافاضل ۔

◯ عابد رضا بیدار ایم ۔ اے ؛ پی ۔ ایچ ۔ ڈی (ٹیگ) ڈائرکٹر خدا بخش اورینٹل پبلک لائبریری پٹنہ (پ ۱۹۳۴ء)

—— چند تالیفات :۔ نئے اور پرانے چراغ (تنقید) اُردو کے اہم ادبی رسالے اور اخبار ؛ خلیفہ عبدالرحمٰن ؛ [illegible] کا مسئلہ ؛ ہندوستانی مسلمان قیادت کی تلاش میں ؛ مسیحا کی تلاش ؛ ہندوستان کی عربی اسلامی درسگاہیں ؛ ابوالکلام آزاد ڈاکٹر ذاکر حسین ، ہندوستانی مسلمانوں کی سیاست کے مسائل ؛ قومی تہذیب اور ہندوستانی مسلمان ؛ غالبیات ؛ [illegible] علوم اسلامیہ کی ایک اردو انسائیکلوپیڈیا ؛ مصحف اور برہان کا اشاریہ ؛ دیوان تسکین دہلوی ؛ انتخاب قائم چاند پوری

◯ جناب افسر الدولہ فیاض الدین حیدر ، ایم ۔ اے ؛ ڈپلومہ (تہران) ، ڈائرکٹر ادارۂ تحقیقات عربی و فارسی پٹنہ (پ ۱۹۲۴ء)

—— ریسرچ کا موضوع : مغلوں کی تشکیل اداری ۔ علاوہ ازیں متعدد مقالات ۔

◯ ڈاکٹر عبدالرشید ایم ۔ اے ؛ پی ۔ ایچ ۔ ڈی ، فاضل دیوبند و لکھنؤ ، استاد شعبۂ عربی ، پٹنہ کالج (پ ۱۹۳۷ء)

—— طبقات الشافعیہ پر ڈاکٹریٹ کے لئے کام کرنے کے بعد اب طبقات الحنفیہ کی طرف توجہ کر [illegible]

CONTENTS

Reconstruction of Islamic Chronology: Upstream Downstream ... 1
—Dr. Hashim Amir Ali

My Criticism : A Retrospect (Urdu) ... 1
—Prof. Kalimuddin Ahmad

An Early Urdu Journal, *Adeeb* of Firozabad (Urdu) ... 73
—Dr. A. R. Bedar

Notes & Addenda : Regarding Maulana Azad's Letter (Urdu) ... 103
—Mr. Md. Yunus Khalidi

Corrections & Additions : Library Catalogue Vol. I/151 *Diwan of Hafiz* (Urdu) ... 104
—Mr. Q. A. Wadood (Bar-at-Law)

Review : *Farhang-i-Asafiyah-3* (Urdu) ... 105
—Mr. Q. A. Wadood (Bar-at-Law)

Autograph Impressions—Leaves from the Visitors' Register of the Library : Sir C. V. Raman (Scientist), Sir J. C. Bose (Scientist), R. E. Mortimer Wheeler (Archaeologist) and Sir John Simon (Chairman Simon Commission) ... 113

[illegible]

فارسی اور ہندوستان

ڈاکٹر نذیر احمد
صدر شعبۂ فارسی مسلم یونیورسٹی علیگڑھ

Khuda Bakhsh Library

Journal

4

1978

Khuda Bakhsh Oriental Public Library,
PATNA-800 004
(INDIA)

ہیں کہ راسخ تخلص ہے، مگر یہ تخلص نہیں، خانِ راسخ مہابت کا خطاب ہے، ان کے والد لطف اللہ خان صادق کے متعلق بھی بعض اصحاب کو یہ غلط فہمی ہوئی تھی کہ ان کا تخلص صادق ہے۔ حالانکہ خانِ راسخ کی طرح خانِ صادق کا بھی خطاب ہے۔

مرزا جان طپش دہلوی غالباً تیسرے ریختہ گو شاعر ہیں جنہوں نے اپنی کلیات کا دیباچہ خود لکھا ہے، گارساں دتاسی نے اپنی تاریخ ادبیات ہندوی و ہندوستانی کے مقدمے میں جو اپنے ماخذ کی فہرست دی ہے اس میں یہ دیباچہ بھی ہے۔ یہ کلیات کمیاب ہے، اس لئے یہ دیباچہ شائع کیا جا رہا ہے۔

'طبقات الحنفیہ و مولفوھا' ایک عربی مقالہ اس موضوع پر اس کتب خانے اور بعض دوسرے کتب خانوں میں [illegible]

'کشمیر درپن' ایک اردو ماہنامہ تھا، جس کے مدیر اول دسرا تیج بہادر سپرو تھے، اس کے متعلق مقالہ ہے اس میں اس کا مفصل تعارف کرایا گیا ہے۔

یوپی پراونشیل کانگریس کمیٹی کی پہلی کانفرنس جو منعقد ہوئی تھی، اس کے صدر پنڈت موتی لال تھے، ان کا خطبۂ صدارت جو اس شمارے میں شامل ہے 'کشمیر درپن' سے لیا گیا ہے۔ شرکا کی بہت بڑی اکثریت ہندو تھی، مگر خطبۂ صدارت کا آغاز ایک فارسی شعر سے ہوتا ہے، جس کی ابتدا ایک عربی جملے سے ہوتی ہے۔

'مطبوعات جدیدہ' کے تحت "رہبر تحقیق" کا تبصرہ ہے۔ آئندہ بھی کتابوں کے تبصرے شائع ہوتے رہیں گے۔

'تصحیح و اضافہ' کے تحت دیوان رضا سے متعلق فہرست نگار کتب خانہ کی ایک فاحش غلطی کا ذکر کیا گیا ہے۔ سلسلہ جاری رہے گا اور اس عنوان کے تحت مندرجات رسالہ کی غلطیوں اور فروگذاشتوں کا ذکر بھی ہوا کرے گا۔

'نوادر' کے تحت ابوالکلام آزاد کے ایک خط کا عکس اور روزنامچہ رجسٹر کے چند اقتباسات ہیں، ایسے نوادر آئندہ بھی شائع ہوا کریں گے۔

[illegible]

[illegible] کے [illegible]

[illegible] کے [illegible]

[illegible] کے [illegible]

[illegible] سلطنت کے [illegible]

[illegible] کی [illegible]

[illegible] کے [illegible]

[illegible] کے [illegible]

[illegible]

[illegible] کے [illegible]

[illegible] کے [illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible] خطبات — [illegible]

سالِ طباعت — ۱۹۷۶ء

خدا بخش لائبریری میں پچھلے چند برسوں سے خدا بخش سالانہ خطبات کا ایک سلسلہ قائم ہے جس میں عربی، فارسی یا علوم اسلامیہ کے کسی نامور عالم کو لکچر دینے کے لئے لائبریری میں مدعو کیا جاتا ہے۔ ۱۹۷۴ء میں اس کے لئے ڈاکٹر نذیر احمد منتخب ہوئے۔ ڈاکٹر نذیر احمد سے قبل پروفیسر آصف فیضی، ڈاکٹر زبیر صدیقی اور قاضی عبد الودود اس سلسلہ کے لکچر دے چکے ہیں۔

[illegible]

[illegible]

[illegible] حقیقت [illegible] نہ کیا جا سکے گا۔

غزنوی خاندان کے آخری تاجدار خسرو شاہ (۱۱۶۰ء - ۱۱۸۶ء) اور امیر خسرو ملک نے غزنی کے بجائے لاہور کو اپنا مستقل مستقر قرار دیا، اس کو بنا بریں [illegible] پھر [illegible] غوریوں کے قبضے میں آ گئی۔

اسی دور میں معز الدین محمد بن سام (م ۱۲۰۶ء) جو عام طور پر شہاب الدین محمد غوری کے نام سے مشہور ہے، ہندوستان پر حملہ آور ہوا۔ تب سے غوریوں نے غزنین کو تخت گاہ بنانے کے بجائے ہندوستان کو اپنا مستقل بنا لیا۔ پہلے لاہور اور پھر دہلی پر اپنا تسلط قائم کیا اور ساتھ ہی اس کے غلام قطب الدین ایبک نے ایک مستقل حکومت کی بنیاد ڈالی۔

شہاب الدین غوری کا جانشین قطب الدین ایبک ہندوستان کی تاریخ میں غیر معمولی اہمیت کا حامل ہے۔ ایک طرف تو اس نے مستقل اسلامی سلطنت کی بنا ڈالی، جو ساڑھے چھ سو برس تک قائم رہی، دوسری طرف ایران و ترک کی مشترک تہذیب کے پھیلنے کے وسائل پیدا کئے۔ قطب الدین ترک تھا، چنانچہ "ایبک" سوا اس کے نام کا جزو ہے اس کے ترک نژاد ہونے کا غماز ہے۔ قطب الدین ایبک کے جانشین ترک تھے۔ ان کے زمانے میں ہندوستان میں ترکی اثرات خوب پھیلے، اور باوجود [illegible] ترکی کی تہذیبی زبان فارسی تھی جس پر ترکی اثرات غالب تھے۔ یہی [illegible] اور رفتہ رفتہ اس کا اثر اتنا پھیلا کہ زندگی کے ہر شعبے میں اسی کا تسلط ہو گیا۔

ہندوستان میں فارسی زبان و ادب کے چھ سو سالہ تسلط کا زمانہ صرف ہندوستانی تہذیبی دنیا کی تاریخ کا اہم باب ہے بلکہ خود ایران کی تہذیبی تاریخ میں بھی بے پایاں اہمیت کا حامل ہے۔ [illegible] ابھی تک نہیں ہو سکا ہے، اس کی وجہ سے مشرق و مغرب کے [illegible] ہیں، لیکن اس کے باوجود ایک اعتبار سے ہندوستانی فارسی ادب [illegible] اہمیت [illegible]

[illegible]

[illegible] ہندوستانی [illegible] کا واضح ثبوت ان پہلوی کتبات سے فراہم [illegible] پائے جاتے ہیں، [illegible] سریانی کلیسا سے متعلق ہیں۔ ان میں سے کم از کم چھ مختصر [illegible] منقش ہیں۔ ان میں سے ایک مدراس کے قریب کوہ سینٹ ٹامس، دو ٹراونکور، دو کوٹایام میں پائے جاتے ہیں۔

ہندوستان و ایران کے قبل اسلام کے سیاسی و ثقافتی تعلقات کا مطالعہ نہایت دلچسپ موضوع ہے۔ لیکن فی الحال یہ ہماری گفتگو سے خارج ہے۔ ہماری گفتگو اسلامی عہد کے ایرانی اثرات کے ایک شعبے یعنی فارسی زبان تک محدود رہے گی۔ اس بحث میں فارسی زبان کے اثرات یہاں کے تمدن و معاشرت اور دیگر باتوں پر مختصر طور پر بیان کیے جائیں گے۔ اس لیے کہ یہ موضوع اتنا وسیع ہے کہ اس کے لیے مجلدات درکار ہیں۔

ہندوستان کے خطۂ سندھ پر محمد بن قاسم کا حملہ آٹھویں صدی عیسوی کے اوائل میں ہوا۔ اس حملے کے نتیجے میں ہندوستان کا جنوب و مغرب کا علاقہ عربی نفوذ کے تحت آیا، مگر اس [illegible] کے اثرات دور رس نہ تھے، البتہ جب دسویں و گیارہویں صدی میں محمود غزنوی نے ہندوستان پر مسلسل حملے شروع کیے، تو ایرانی تمدن و ایرانی زبان کے پھیلنے کے مواقع زیادہ ہوگئے۔ اہل ایران کو ہندوستانی مسائل سے دلچسپی پیدا ہوئی۔ ابوریحان بیرونی کی کتاب تحقیق ما للہند اور تاریخ الہند [illegible] گردیزی کی کتاب زین الاخبار کے بعض اجزا سے اس بات کا جزوی ثبوت فراہم ہوتا ہے۔ اگرچہ بعض صوفیوں نے اس عہد سے قبل ہی ہندوستان میں اپنی تبلیغی سرگرمیاں جاری کر رکھی تھیں، لیکن اس کے بعد یہ سرگرمیاں تیز تر ہوگئیں۔ ان صوفیوں میں سے زیادہ ممتاز شخصیت شیخ ابوالحسن ہجویری کی ہے [illegible] کو دنیا میں اپنی شہرۂ آفاق کشف المحجوب کی وجہ سے زندۂ جاوید ہوگئے ہیں۔ وہ لاہور میں مدفون ہیں اور حضرت داتا گنج لاہوری کے نام سے ان کا مزار مرجع خلائق ہے۔

غزنوی حکومت کے آخری دور میں لاہور ہندوستان کے [illegible] کی حیثیت اختیار [illegible] ہوچکا ہے، دو غزنویوں کے بعد سب سے بڑا اہم سیاسی اور غالباً ثقافتی و علمی مرکز بن جاتا ہے۔ [illegible] ایرانی و ہندی تہذیب کا سب سے بڑا سنگم بنتا ہے۔ مسعود سعد سلمان [illegible] ہندوی شاعر [illegible] کو الامتیاز دیکھی ہے، کیونکہ اس سے یہ حقیقت [illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible] کی [illegible] صاحب [illegible]

[illegible] صاحب [illegible] صاحب [illegible]

[illegible] صاحب [illegible] شہرت کے مالک ہیں، فارسی کے [illegible]

امیر خسرو، [illegible] فیضی، عرفی، نظیری، صائب، کلیم، بیدل، غالب، اقبال وغیرہ

[illegible] بیدل کی شاعری نے [illegible] افغان شعرا کو [illegible]

[illegible] شاعروں کے [illegible]

[illegible] بیدل [illegible] غالب [illegible]

[illegible]

[illegible] ایران میں [illegible] شاعری [illegible]

[illegible] ہیں۔

[illegible] ہندوستان میں [illegible] کے

[illegible] اس ادب کے بعض [illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible] کر دیا گیا ہے۔ گو بعض [illegible]
[illegible] کے نام سے منسوب کر کے [illegible]
[illegible] ممکن ہے۔ ایران کے دانشوروں نے [illegible]
[illegible] ہندوستان کے حصے میں آتی۔ ادبی کتب [illegible]
[illegible] کتب تھا اس کی پیروی ہندوستان، ایران، افغانستان اور [illegible]

ہندوستان میں فارسی کے تسلط کی طویل مدت میں فارسی زبان میں [illegible]
اہم کتابیں لکھی گئیں چنانچہ بعض اعتبار سے ہندوستانی فارسی ادب ایرانی [illegible]
[illegible] گیا ہے، ذیل میں بعض تالیفات اور مؤلفین کا ذکر کیا جاتا ہے [illegible]
کے حامل ہیں۔ ان کا مطالعہ محض ہندوستانی [illegible] کے لحاظ سے ہی نہیں [illegible]
سے بھی درخور اعتنا ہے۔

ہندوستان کی سب سے پہلی اور اہم نثری تالیف کشف المحجوب ہجویری [illegible]
کی قدیم ترین کتاب ہے اور سب سے پہلا تذکرہ شعرا لباب الالباب عوفی [illegible]
فارسی میں نہیں ملتا۔ فرہنگ قواس لغت نویسی کے دور کی قدیم ترین فرہنگ [illegible]
قدامت کے اعتبار سے چوتھی فرہنگ ہے؛ فرہنگ جہانگیری جو جہانگیر کے نام [illegible]
لحاظ سے فارسی کی سب سے اہم فرہنگ ہے۔ برہان قاطع [illegible]
ہندوستان ہی میں تالیف ہوئی۔ سراج الدین علی خان آرزو کی کتاب [illegible]
تعلق رکھتی ہے، فارسی میں اپنی نظیر نہیں رکھتی۔ ٹیک چند بہار کی فرہنگ بہار عجم [illegible]
لحاظ سے بے نظیر تالیف ہے۔ آداب الحرب والشجاعہ جو [illegible]
آداب جنگ پر فارسی میں قدیم ترین تالیف خیال کی جاتی ہے [illegible]
میں تھا۔ ان میں سے چند خصوصیت سے قابل ذکر ہیں۔ [illegible]
[illegible] قاسم [illegible] خطیب [illegible]
[illegible] ترجمہ [illegible] احیاء علوم الدین [illegible]
[illegible]

[illegible]

[illegible]

ہی مستعمل نہیں ہے [illegible] میں [illegible] ہے اس بنا پر [illegible] فارسی اثرات کی

[illegible] اس لئے کہ [illegible] میں [illegible] کے [illegible]

ایرانیوں کی وجہ سے ہوا۔ اس امر کی توضیح کے لئے چند مثالیں پیش کی جاتی ہیں۔

عربی میں مسلم، مومن، حاکم، ساحر کی طرح کے الفاظ کی جمع بالترتیب مسلمون، مومنون، حاکمون، ساحرون آتی ہے جو مفعولی و اضافی صورتوں میں مسلمین، مومنین، حاکمین، ساحرین بن جاتی ہے۔ آخر کی صورتیں فاعلی حالت کے طور پر استعمال نہیں ہوتیں۔ ایرانیوں کا یہ تصرف قابل لحاظ ہے کہ انھوں نے عربی کی فاعلی صورت مسلمون، مومنون، حاکمون، ساحرون کو ترک کر کے مفعولی حالت یعنی مسلمین، مومنین، حاکمین اور ساحرین کو فاعلی صورت میں استعمال کیا۔ جیسے مومنین گفتند، مسلمین نوشتند، حاکمین فرمودند، ساحرین سحر نمودند۔ عربی زبان کے اعتبار سے یہ صورتیں غلط ہیں اس لئے کہ یہ حالتیں فاعلی صورت کی نہیں، ان میں مفعولی یا اضافی شکلیں استعمال نہیں ہو سکتیں۔ یہی فارسی صورت ہندوستان میں مروج ہوئی۔ عربی فاعلی حالت یہاں مروج نہ ہو سکی۔ اردو میں یہی صورت فقط کی طرح فاعلی، مفعولی، اضافی تینوں حالتوں میں استعمال ہوتی ہے۔ صفت موصوف کے سلسلے میں ایرانیوں نے عربی قاعدے میں جو تبدیلی کی تھی، وہ بعینہ اردو میں آگئی۔ اسی کے ضمن میں عربی قاعدے تانیث کے فارسی والے حصے میں تبدیلی [illegible] کی طرح اردو میں بھی پائی جاتی ہے۔ اس سے یہ بات اچھی طرح ثابت ہوتی ہے کہ عربی کے الفاظ و فقرات ہندوستانی زبانوں میں فارسی کے توسط سے آئے اور اسی بنا پر ان کا استعمال فارسی اثرات کا غالب ہے۔

ہندوستانی زندگی پر فارسی زبان کے اثرات کی تحقیق کے سلسلے میں زندگی کے مختلف پہلو [illegible] کا ذکر [illegible] مستقل [illegible] باب کا ہے۔ اس لئے اس میں [illegible] الفاظ [illegible] کے لئے [illegible] پیش ہوگا۔ اس سلسلے میں معذرت خواہ ہوں۔

[illegible] نام کو بڑی اہمیت ہے۔ ہندوستانی مسلمانوں کے نام [illegible]

[illegible] جاتی ہے [illegible]

[illegible] یسی کے اعتبار سے ہندوستان نے [illegible]
[illegible] تذکرہ لباب الالباب محمد عوفی کا ہے جو [illegible] میں [illegible] کے قریب [illegible]
[illegible] تہران سے دوبارہ شائع ہوا ہے، دوسرے عام تذکرے [illegible]
[illegible] اور اس قسم کی کتابیں اس کی اشاعت میں حائل ہے [illegible]
[illegible] زیر [illegible] ہندوستان [illegible] تنقیدی متن شائع ہوا ہے
[illegible] عبدالنبی کا تذکرہ میخانہ دوبارہ تہران سے بھی شائع ہوا ہے۔ اس کے علاوہ بھی بہت سے بڑے بڑے تذکرے ہندوستان میں مرتب ہوئے ہیں جن کے مطالعے کے بغیر فارسی ادب کی تاریخ ادھوری اور نامکمل رہے گی۔

تفصیلات بالا سے اندازہ ہوگا کہ ہندوستان میں فارسی کے تسلط سے ایک طرف تو خود اس ادب میں قابل قدر اضافہ ہوا اور دوسری طرف اس نے ہندوستانی زندگی کے ہر شعبے کو غیر معمولی طور پر متاثر کیا۔ اگرچہ اس کے دور تسلط کو ختم ہوئے ایک صدی سے زیادہ ہوا۔ لیکن یہاں کی تہذیبی و معاشرتی زندگی کے ہر پہلو پر اس کے اثرات کے نقوش تازہ ہیں۔ یہی آج کی گفتگو کا موضوع ہے

ایرانی زبان اور ایرانی تمدن کے غیر معمولی نفوذ کے کئی اسباب ہیں۔

(۱) ہندوستان پر ایسے حکمرانوں کا تسلط جو ایرانی تہذیب و ایرانی زبان کے حامل تھے اس کی وجہ سے فارسی یہاں کی سرکاری و تہذیبی زبان ہوئی اور اس نے ہندوستانی زندگی کو [illegible]

(۲) جدید ایرانی تہذیب کا سرچشمہ اسلامی تہذیب و تمدن ہے۔ جس میں بے پناہ قوت و جاذبیت و تنوع ہے۔

(۳) ایران و ہندوستان ہم جوار ملک ہیں اور دونوں ملکوں کے باشندے ایک ہی نسل کے ہیں۔

(۴) ہندوستان کی زبانیں آریائی نسل کی ہیں اور فارسی بھی [illegible] یہاں کی سرکاری زبان ہوئی تو اس میں اور یہاں کی زبانوں میں [illegible] وجہ سے ایک دوسرے سے متاثر ہونے کے مواقع پیدا ہوئے۔

ضمناً یہ بات بھی قابل ذکر ہے کہ اس صحبت میں ان امور کا ذکر خاص طور پر [illegible]

[illegible]

[illegible] بیچارہ، ریبی، جان دلبر [illegible]

[illegible] نہیں [illegible] پھول [illegible]

[illegible] اس طرح کے [illegible] ہے۔ [illegible]

[illegible] اجنبیت کا اثر [illegible] اساس معنوی مستقل ہیں۔ [illegible]

اس کے متعلق قطعی فیصلہ مشکل ہے کہ ہندوستان میں ان کا چلن فارسی کی وجہ سے ہوا یا خود [illegible]

کتابوں سے [illegible] البتہ فارسی [illegible] ادب میں اکثر استعمال ہوا ہے [illegible]

[illegible] تقلید کی شکل ہے۔

[illegible] ہندی میں [illegible] کو بڑی اہمیت حاصل ہے [illegible]

[illegible] ہے کہ اس طرح [illegible] نہیں [illegible]

[illegible] کا رواج پایا جاتا ہے۔

[illegible] شامہ، باجی، بابا، [illegible] بابا، [illegible] ندو، [illegible]

[illegible] گھر والہ، خالہ، خالو۔

[illegible] کہ [illegible] ہے [illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible] ہیں بلکہ شستہ ہیں [illegible]
[illegible] رکھتے ہیں [illegible] بات نہیں اس لئے تو دراصل تہذیب [illegible]
[illegible] یہی وجہ ہے کہ جب ایرانی تہذیب ہندوستان میں [illegible]
[illegible] عنصر کا کچھ اثر ہندوستانی زندگی پر بھی پڑتا ہے [illegible]
[illegible] اور دوسری زبانیں عموماً قدیم ایرانی اثرات سے بڑی حد تک متاثر ہوئی ہیں چنانچہ [illegible]
[illegible] مقالے میں اس امر پر کسی قدر تفصیلی بحث کی ہے اس کے دہرانے کا اس وقت موقع نہیں

ذیل میں کچھ ایسے ہندوستانی نام دیئے جاتے ہیں، جو فارسی اثرات کے مظہر ہیں:

نوشابہ، ہوشنگ، جمشید، رستم، سہراب، کیقباد، فریدون، خسرو، پرویز، فرخندہ، آفریدہ، اختر، منیژہ، ناہید، خورشید، بہرام، آفتاب، ماہتاب، شاہ بانو، زرینہ، شاہین، شاہینہ، نوشین، فیروزہ، نورجہاں، شاہجہاں، شاہسوار، گلبدن، فرزانہ، شاہانہ، دلشاد، دلدار، دلنواز، اختر نواز، شاہنواز، مہری نواز، دولت یار، بخت یار، شہریار، شمشاد، یاسمین، نسرین، گلاب، مہرجہاں، جہاں، جہانگیر، بیدار بخت، بہادر شاہ، باز بہادر، شیر جنگ، شیر خان، دریا خان، شہباز، گلنار، نورنگ، مہر افروز، افسر بانو وغیرہ وغیرہ۔ بعض ہندوؤں کے نام بھی اسی انداز کے ہیں مثلاً لال بہادر، جنگ بہادر، شیر بہادر، شمشیر بہادر، [illegible] بہادر، [illegible] بہادر، بجرنگ بہادر، روشن لال، چمن لال، اقبال سنگھ، خوش وقت سنگھ، [illegible] وغیرہ۔

ہندوستانی خطابات میں فارسی کی جابجا آمیزش ملتی ہے۔ مثلاً خان بہادر، [illegible]، آصف جنگ، شمشیر جنگ، یار جنگ، بہادر جنگ، سالار جنگ، وغیرہ

میرے ایک دوست نے جو گڑھوال کی پہاڑیوں میں [illegible] بتایا کہ اکثر پہاڑیوں کے نام میں فارسی آمیزش ملتی ہے جیسے [illegible] سنگھ، [illegible] سنگھ، [illegible] علم سنگھ، قلم سنگھ وغیرہ، وہاں ان کو بتایا گیا کہ [illegible] کی فوج کے [illegible] امرا وغیرہ ان اطراف میں رہے تھے۔ اس وجہ سے اس طرح کے نام [illegible]
[illegible] انسانی اعضائے بدن یا جسم کے تعلقات کے متعلق [illegible]

... چھت، دالان، دہلیز، دالان، شہ نشین، تہ خانہ، صحن،
نشست، کرسی، نشست خانہ، پائے دست، چارپائی، غسل خانہ، پاخانہ، آبدار خانہ، بورچی خانہ،
حرم سرا، بالا خانہ، پائیں باغ، تالاب، گلشن، باغ، بہشت، نہر وغیرہ۔
گھر کے سامان میں جو مستعمل ہیں اکثر لفظ فارسی کے ہیں، چند مثالیں ملاحظہ
کیجیے: صراحی (دو زبانوں کا لفظ کہا جاتا ہے)، لگن، طشت، آفتابہ، سینی، کفگیر
ماہی تابہ، دستپناہ، سینی، قاب، پتیلہ (پاتیلے سے ماخوذ ہے)، دیگچی، دیگدان، سرپوش
(سرپوش)، پاندان، خاصدان، اگالدان، قلم دان۔
زیورات اور عطر کی چیزوں کے نام فارسی کے ہیں، مثلاً:
بندہ، بازوبند، گلوبند، ہار، انگشتر، انگشتری، آویزہ، دستبند، جوشن،
طوق، پازیب، ہیکل، عطر، مشک، مشک نافہ، نافہ، عنبر، زعفران۔
ہندوستانی پھلوں کے نام میں کچھ فارسی کے ہیں، بعض نام ایسے ہیں جن کا بدل
ہندوستانی زبان میں نہیں، اس سلسلے کی مثالیں ملاحظہ فرمائیے:
میوہ، سیب، انار، انگور، امرود، چلغوزہ، شفتالو، ناشپاتی، خوبانی،
شریفہ، بادام، کشمش، خربوزہ، تربوز، امرود، شہتوت، ہندوانہ۔
ہندوانہ کا لفظ ہندوستان میں عام نہیں، لیکن دکن کے بعض علاقے میں تربوز کی
جگہ بولا جاتا ہے۔ ایران، افغانستان، ماوراء النہر وغیرہ میں تربوز کی جگہ یہ لفظ مستعمل ہے،
وہاں اس کا شمار اچھے پھلوں میں ہوتا ہے اور دسترخوان کی زینت سمجھا جاتا ہے، اس سے بڑی
کثرت معلوم ہوتی ہے۔ ہندوستان کے بعض علاقے میں اس فارسی لفظ کا استعمال
کا وجہ معلوم ہوگی، لیکن یہ امر قابل توجہ اور دلچسپ ہے۔ [illegible] کے علاقے
میں [illegible] کہتے ہیں، اس کی وجہ تو معلوم ہو سکی، لیکن یہ حقیقت ہے کہ
فارسی [illegible] ہوتے ہیں۔
[illegible]

[illegible] مرغ، دم پخت، حلیم، شب دیگ۔

ہندوستان کے اکثر لباس اور اس کے متعلقات کے نام فارسی زبان سے ہی [illegible] گئے ہیں۔

پوشاک، پاجامہ، زیرجامہ، چادر جامہ، شلوار، قمیص، الفی، انگرکھا، پاتابہ، عمامہ، موزہ، جوراب، شیروانی، کت، جامہ، جیب، استر، ابرہ، لحاف، مشجر، دامن، کرتہ (پیرہن، پہناوے سے مقلوب ہے اور گاؤں میں مستعمل ہے)، جامہ، خیمہ، قنات، پشمینہ، سپید [illegible] قبا، تنزیب، مخمل، اطلس، زربفت، وغیرہ۔

ہندوستان کے بعض شہروں، قصبوں، اور محلوں کے نام فارسی سے لیے گئے ہیں۔ جب تک ان کا وجود ہے۔ فارسی کا اثر باقی رہے گا اور جب بھی کوئی ان کی وجہ تسمیہ سے بحث کرے گا، اسے فارسی ہی کا سہارا لینا پڑے گا۔ اس سلسلے کی چند مثالیں ملاحظہ ہوں:۔

آباد پر ختم ہونے والے نام:۔ احمد آباد، محمود آباد، حسن آباد، حیدر آباد، فیروز آباد، شاہجہاں آباد، الہ آباد، غازی آباد، فرخ آباد، فیض آباد، شمس آباد وغیرہ۔ (اس طرح کے نام ایران میں آج بھی پائے جاتے ہیں)۔

گنج پر مشتمل نام: نواب گنج، یحییٰ گنج، حضرت گنج، گنج مرادآباد، [illegible] گنج، کشن گنج۔ (بظاہر گنج وہی لفظ ہے جو فارسی میں خزانہ کے معنی میں مستعمل ہے)۔

پور پر ختم ہونے والے نام: جونپور، [illegible]، مرزا پور، [illegible]، محمود پور، بختیار پور، احمد پور، شاہجہاں پور، حسن پور وغیرہ۔

(بظاہر یہ نام شاپور کے قیاس پر فارسی ہیں اور ان کا [illegible] فارسی کے [illegible])

باغ پر ختم ہونے والے نام: قاضی باغ، صاحب باغ، [illegible] باغ، [illegible] زہرہ باغ، اردو باغ وغیرہ۔

سرائے پر مشتمل نام: کمیتا سرائے، [illegible] سرائے، مغل سرائے، [illegible]

(ان ناموں میں سرائے فارسی ہے، اور یہ شہر بھی ایرانی اثر کے تحت وجود میں آئے [illegible] گھر، وغیرہ کے متعلقات بھی فارسی اثر سے محفوظ نہ رہ سکے۔ اس سلسلے [illegible]

[illegible]

پیشہ ورانہ [illegible] کے اکثر [illegible] کے ہیں اس سلسلے کے

[illegible]:

منکہ، جاگیر (بلید)، نانبائی (نانبائی)، پاسی، [illegible]، قصاب

جلد، گھگی، [illegible] [illegible]، [illegible]، نانبائی، قلعی، [illegible]، جراح،

حلال خور، [illegible]، [illegible]، [illegible]، گاڑی بان، پیلبان وغیرہ۔

پیشہ ور [illegible] کا سبب، کچھ [illegible] کے متعلق سیکڑوں [illegible]

[illegible] کے [illegible] ان میں [illegible] الفاظ [illegible] کے ہیں۔ بہرحال یہ الفاظ

[illegible] کے زبان کے اثرات پر دلالت کرتے ہیں، اس سلسلے کی [illegible]

مثالیں یہ ہیں:

[illegible]، [illegible]، [illegible]، فصل، ربیع، خریف، [illegible]

[illegible]، [illegible]، [illegible]، [illegible]، تحصیل [illegible]، بقایا، [illegible]

رسم [illegible]، [illegible]، [illegible]، [illegible]، [illegible] وغیرہ۔

ہندوستان [illegible] کے اکثر نام [illegible] ہیں، ان میں اکثر [illegible] ہیں

لیکن [illegible] کے اثرات [illegible] ہیں۔ چند ایک ذکر

کیے گئے ہیں:

[illegible]، تحصیلدار، [illegible]، [illegible]، [illegible]، خان [illegible]

[illegible] اور یہاں سے [illegible]

[illegible] لیکن [illegible]

ہندوستان [illegible]

[illegible]

[illegible] استعمال جاتے ہیں [illegible]
[illegible] کے نام کثرت سے ملتے ہیں [illegible]
[illegible]

گلاب، گلِ داؤدی، گل شبّو، حسن حنا، لالہ، نیلوفر
ہندوستانی جانوروں اور پرندوں کے ناموں میں بعض [illegible] اور [illegible] عام ہیں کہ ہر شخص ان کو استعمال کرتا ہے۔ اس سے فارسی [illegible] کا اندازہ ہو سکتا ہے، مثلاً: بیجان، حیوان، جانور، جانزاد، شیر، خرگوش، شکر [illegible]، بلبل، باز، فاختہ، کبوتر، مرغابی، سیخ پر، تاز، شہباز، نیل سر، [illegible]، بط، مرغ زریں (اس نام کے سلسلے میں میرے دوست ڈاکٹر کرمانی نے بتایا کہ یہ [illegible] انہوں نے نیپال میں دیکھی اور اس کا یہ نام وہیں سنا)

ہندوستان میں پودوں اور درخت کی بڑی کثرت ہے اور ان کے بیشتر نام ہندی ہی ہیں لیکن خال خال فارسی نام بھی مل جاتے ہیں جیسے: [illegible]، [illegible] بعض سبزیاں فارسی نام کی حامل ہیں مثلاً شکر قند، زمین قند، شلجم، کدو [illegible] علاقوں میں گنجی کہتے ہیں جو بظاہر فارسی لفظ گنج سے بنا ہے۔"

ہندوستانی گالیوں اور تنبیہ کے کلمات میں فارسی کے [illegible] غیر معمولی اثرات کا پتہ دیتے ہیں، اس سلسلے کے بعض کلمات جو عام [illegible] اس طرح کے ہیں:

آوارہ، بدمعاش، حرامزادہ، بے شرم، بے حیا، کمینہ، بدذات، بیہودہ، نالائق، احمق، بدبخت، بدنصیب، مچھر، کمبخت، ناہنجار، [illegible] اٹھائی گیرا وغیرہ وغیرہ۔

ان کے مقابل میں تحسین کے کلمات نسبتاً کم ہیں مثلاً: [illegible] سبحان اللہ وغیرہ۔

سوداگری و دفتر کے سلسلے کے خاص الفاظ [illegible]

[illegible]

خویشتن گم است کرا رہبری کند ؛ آزمودہ را آزمودن جہل است ؛

بسلامت روی و باز آئی ؛ آفتاب لب بام ؛

بسیار سفر باید تا پختہ شود خامی ؛ با ہمہ مردان بباید ساخت ؛

پایان شب سیہ سفید است ؛ تا تریاق از عراق آوردہ شود مار گزیدہ مردہ شود ؛

جای است کہ دہان است ؛ جای تنگ است و مردمان بسیار ؛

چون بخت بد روی نماید کار دیگرگون کند ؛ چو دشمن [illegible] است بیابانہا ؛

چرا کاری کند عاقل کہ باز آید پشیمانی ؛ چہ نسبت خاک را با عالم پاک ؛

کم از کم [illegible] ؛ خوش [illegible] ؛ چون [illegible] بیاید [illegible] باشد ؛

خفتہ را خفتہ کی کند بیدار ؛ دیوار ہم گوش دارد ؛

در کار خیر حاجت ہیچ استخارہ نیست ؛ دیوانہ بکار خویش ہشیار ؛

دیدہ باید [illegible] ؛ دانہ دانہ جمع شود انبار ؛

سگ باش برادر خرد مباش ؛ زبان یار من ترکی و من ترکی نمی دانم ؛

شنیدہ کی بود مانند دیدہ ؛ صد [illegible] شنید صدا است ؛

سگ اصحاب کہف روزی چند ؛ پی نیکان گرفت مردم شد ؛

قدر [illegible] را ؛ [illegible] است ؛

[illegible] شود ؛ قطرہ قطرہ دریا می شود ؛

کس [illegible] ؛ کجا دانند حال ما سبکساران ساحلہا ؛

[illegible] ؛ لیلی را بچشم مجنون باید دید ؛

[illegible] ؛ مشک آنست کہ خود ببوید ؛

[illegible] سے "کو توالی" کا تلفظ کیا ہے۔

[illegible] میں اکثر ایسی اصطلاحات رائج ہیں جن کی اصل [illegible]
[illegible] چونکہ یہ عربی الفاظ اصطلاحات براہ راست عربی زبان سے نہیں بلکہ
[illegible] زبان کے وسیلے سے آئے، اس لئے ان کے استعمال سے فارسی کے اثرات [illegible]
ظاہر ہوا۔ بہرحال فارسی و عربی کے یہ الفاظ صدیوں سے ہندوستان کی زبانوں کا جز بن گئے
اور لوگوں کے عام استعمال میں ہیں۔ اس سلسلے کی چند مثالیں درج کی جاتی ہیں۔ جن
میں بعض کاشتکاری سے بھی متعلق ہیں۔

عدالتی و قانونی اصطلاحات: عدالت، قانون، مدعی، مدعا علیہ، منصفی، دیوانی، مال، وکیل، موکل، وکالت، وکالت نامہ، [illegible]، بیعنامہ، رہن نامہ، ملزم، شہادت، گواہ، الزام، گواہی، سزا، جرمانہ، ثبوت، حاضری، حاضر، دستاویز، ملزم، جرح، نقشہ، خسرہ، مسودہ، ہبہ، کاتب، گواہ، حاشیہ۔

تحریر و کتابت کی اصطلاحات: قلم، دوات، سیاہی، روشنائی، کتاب، کاغذ، خط، املا، دستخط، درس، استاد، مشق، مسطر، طالب علم، ورق، نسخہ، باب، سرخی، کتابت، جلد، شانِ خط، پشت، پشتہ، سرورق، دیباچہ، مقدمہ، متن، حاشیہ، فصل۔

نجاری کے متعلقات: رندہ، [illegible]، برمہ، کمانی، [illegible]، آری، [illegible]۔

معماری کے سلسلے کے الفاظ: راج، [illegible]، معمار، [illegible]، معار، آثار، مسطر، فصیل، ردہ، منزل۔

تعمیرات کے متعلقات: گنبد، منارہ، [illegible]، محراب۔

طبی اصطلاحات: نبض، قارورہ، پیشاب، پاخانہ، [illegible]۔

موسیقی: کمانچہ، ضرب، خیال، [illegible]۔

پیمانے: گز، میل، من، سیر، مکعب، مربع، پیالہ، [illegible]۔

[illegible]

[illegible]

ایسی [illegible] کے [illegible] جاتے ہیں [illegible] سے معلوم ہو
اس کے علاوہ [illegible] سنسکرت [illegible] عربی اور فارسی [illegible] کے اثرات کے سلسلے [illegible]
[illegible] طرح [illegible] جاتا ہے۔

چنانچہ [illegible] کے [illegible] اسم کے لاحقے کا جائزہ [illegible] ہیں۔ چونکہ
ہندی اور اردو کی بنیادی قواعد یکساں ہے، اس لئے اردو میں ان لاحقوں کی تشریح [illegible]

(۱) [illegible] اکثر صفت ذاتی سے [illegible] لاحقے سے اسم کیفیت بنانے کا [illegible]
دونوں میں یکساں ہے یعنی "ی" کے اضافے سے شاد آباد، بہادر بہادری [illegible] صفت کی
مثالیں [illegible] بہادری [illegible] اسم کیفیت کی مثالیں ہیں [illegible] کے ذیل
[illegible] صفات [illegible] ہیں جو ذاتی اسما ہیں "ی" کے اضافے سے بنائے جاتے ہیں جیسے
[illegible] وغیرہ۔

(۲) [illegible] سنسکرت سے مشتق ہیں جیسے: مالش، [illegible]، سوزش [illegible]
[illegible] آلائش، آمیزش، مالش اور اسی قیاس پر [illegible]ش۔

(۳) مصادر [illegible] ذاتی فعلوں سے بنائے گئے ہیں جیسے آنا، جانا، [illegible]
[illegible] وغیرہ۔

(۴) [illegible] استعمال ہوتے ہیں جیسے
[illegible] بس، [illegible] وغیرہ۔

(۵) [illegible] سے [illegible]
[illegible] وغیرہ

(۶) [illegible] جیسے [illegible]
[illegible]

[illegible]

[illegible] پرن پارسارا : زبان کی [illegible]
[illegible] ت بہان ہیگویم : [illegible]
[illegible] دہیں چو گان : یک انار صد بیمار

[illegible] ہندوستانی زندگی کے مختلف پہلوؤں پر فارسی میں قدر اثر انداز ہوئی ہے اس کا کسی قدر اندازہ اس وقت تک کی گفتگو سے ہو گیا ہو گا، لیکن سب سے زیادہ جو [illegible] زبانیں متأثر ہوئی ہیں۔ ہندوستانی زبانوں پر فارسی کا گہرا اثر ہوا ہے، ان میں شمال و جنوب دونوں خطوں کی زبانیں شامل ہیں ۔ دراوڑی زبانیں یعنی تامل، تیلگو، کنڑی، ملیالم اور براہوی بھی اس کے حلقۂ اثر میں آگئیں۔ زبان پر جو اثرات ہوئے ان کے علاوہ بعض زبانوں کے ادب بھی متأثر ہوئے بغیر نہ رہ سکے، ان میں اردو، ہندی، کشمیری، بنگالی اور پنجابی خصوصیت سے قابلِ ذکر ہیں ۔ لیکن یہ موضوع اتنا وسیع ہے کہ اس کے لیے جلدات درکار ہوں گے ۔ اس سلسلے کے بعض مطالعے سامنے آچکے ہیں، ڈاکٹر عبدالحق کا کتابچہ مرہٹی پر فارسی کے اثر کے عنوان سے عرصہ ہوا شائع ہو چکا ہے، حال ہی میں ڈاکٹر پاورنے بمبئی یونیورسٹی سے اسی موضوع پر کام کر کے ڈاکٹریٹ حاصل کی ہے۔ ان کے مقالے کا عنوان یہ ہے :- Impact of Persian on Marathi Bakh-ars and Arithasic Patna Voovhar

اس مقالے میں موصوف نے نہایت مفید اور مفصل معلومات فراہم کی ہیں [illegible] پر فارسی کے اثرات کے عنوان سے ڈاکٹر عطا کریم برق استاد کلکتہ یونیورسٹی نے تہران [illegible] میں ایک مقالہ پیش کیا، جو ڈاکٹریٹ کے لیے منظور ہوا ۔ [illegible] مقالات [illegible] ہے جو غیر ایرانی طلبہ پیش کرتے ہیں۔ کاشی کالج کے فارسی کے ایک استاد [illegible] ہندی پر فارسی کے اثر و نفوذ کے عنوان سے پی ایچ ڈی کے حصول کے لیے ایک مقالہ تیار کرنا چاہتے ہیں، فارسی نے ہندی کو جس طرح متأثر کیا ہے اس پر کئی دانشوروں کے کتابچے سامنے آئے ہیں۔ ان میں ڈاکٹر [illegible] کا مطالعہ خاصا دلچسپ ہے [illegible] بات البتہ قابلِ ذکر ہے کہ اردو پر فارسی نے سب سے زیادہ اثرات مرتب کئے [illegible]

ہندی	فارسی
[illegible]	ہر کس [illegible] ادب [illegible]
[illegible]	چو بیند [illegible] دل بر سرائے [illegible]
[illegible]	[illegible] آواز کوس

ہندی زبان پر اُن کے جو اثرات ہیں، وہ سب اُردو پر بھی ہیں۔ ان کے علاوہ اُردو حسب ذیل لحاظ سے مزید متاثر ہوئی ہے۔

(۱) فارسی اضافت کا اُردو میں آزادانہ استعمال ملتا ہے، جیسے حرفِ [illegible]، گلہائے [illegible] وغیرہ۔ عربی علامت 'ال' فارسی لفظوں کے ساتھ بھی کبھی مل جاتی ہے جیسے، حسب الفرمائش، حسب الفرمودہ، قریب المرگ وغیرہ۔

(۲) فارسی واو عطف اُردو میں برابر استعمال ہوا ہے جیسے پیچ و تاب، خد و خال، سرو پا، کرّ و فر، آب و ہوا، آب و رنگ، آب و دانہ، رفت و گزشت۔

(۳) فارسی اسم فاعل مرخم کی اُردو میں بہتات ہے۔ اس سلسلے کی یہ مثالیں دلکش، دلفریب، مے کش، دلربا، جانفزا وغیرہ وغیرہ۔ ان کی تعداد ہزاروں تک پہنچ جائے گی۔

(۴) فارسی اسم مفعول کی یہ مثالیں ملاحظہ فرمائیے، گزشتہ، پیوستہ، آزردہ، رفتہ، پژمردہ، آموختہ وغیرہ۔

(۵) فارسی صفات اُردو میں ہندی کے مقابلے میں کثرت سے استعمال ہوتی ہیں۔ اسی طرح صفات کے درجے بھی ہندی میں خال خال، لیکن اُردو میں زیادہ مروج ہیں جیسے بہ، بہتر، بہترین، کم، کمتر، کمترین، خوش، خوشتر، خوشترین، خوب، خوبتر، خوبترین وغیرہ۔

(۶) فارسی اسم حالیہ اُردو میں مروج ہے جیسے، لرزاں، خنداں، گریاں، نالاں [illegible]

(۷) فارسی حروف جار اُردو مرکبات میں کثرت سے مستعمل ہیں جیسے: در اصل، [illegible] بزور، [illegible]، بتفصیل، [illegible]، ہم [illegible]، پے در پے، بیش از بیش، کم از کم، [illegible]، [illegible]، قدم بقدم۔

[illegible] اس سلسلے کی مثالیں ملاحظہ فرمائیے:

[illegible] چاپٹ، بالا بنک، ہار الا [illegible]
[illegible] پشیونر دلپوند [illegible]
[illegible] اکالدان، پیکدان، پاندان، سنگاردان، سر دنی، بجر دانی، پاگل
[illegible] چنڈوخانہ، تاڑی خانہ، کھنڈسار، بہلچی، اڑدولی، بے ڈھب، بے ندل
بلاسبب، ہجولی وغیرہ۔

(۹) بعض اسم فاعل فارسی قاعدے کے ملتے ہیں جیسے، چوڑی گر، چاکلار،
منہ توڑ، سرتوڑ، تیس مار، مکھی مار، کفن کھسوٹ، تیتر کٹ، پتھر چٹ۔ بعض میں فاک
افعال کی آمیزش ہے جیسے: دھوکے باز، اٹکل باز، دگی باز، ٹھگے باز، گھڑی
جوڑی دار وغیرہ۔

(۱۰) بعض اوقات فارسی کی طرح مضاف، مضاف الیہ کی تقلیب سے لفظ بنے
ہیں، جیسے:- چور دروازہ، راج محل۔

(۱۱) بعض الفاظ میں یائے لیاقت کا استعمال قابلِ توجہ ہے جیسے: جھلنی،
کرنی، بھرنی۔

فارسی نے ہندی ادب کو ایک حد تک متاثر کیا ہے، بعض ہندی شعرا نے غزل
روایت اپنانے کی کوشش کی ہے۔ اِن میں پرتاپ نرائن مصرا، ایودھیا سنگھ اپادھ
نرالا وغیرہ خصوصیت سے قابلِ ذکر ہیں۔ بعض شعرا نے رباعی کے انداز میں شعر کہے ہیں
سلسلے میں رام شنکر شرما کا نام آتا ہے، بچن نے عمر خیام کی پیروی کی کوشش کی ہے جو بہت
میں نہایت درجہ مقبول ہوئی، ہندی صوفی شعرا کے لئے مثنوی خصوصیت سے قابلِ توجہ
رہی، بعض شعرا نے فارسی بحور کے استعمال کا تجربہ کیا، اِن میں پرتاپ نرائن مصرا، سری دھر
ایودھیا سنگھ اُپادھیا، بال مکند گپتا، نرالا وغیرہ قابلِ ذکر ہیں۔

بعض ہندی شاعروں نے فارسی اشعار کا ترجمہ کر لیا ہے، اسی سلسلے میں کبیر داس
خصوصیت سے قابلِ ذکر ہیں۔

چند مثالیں ملاحظہ ہوں:

[illegible]

[illegible] وغیرہ

(ہ) عربی تثنیہ کا صرف استعمال ہوا، بلکہ اس کی مشمولہ مثالیں تطبیق کی صورت میں ملتی ہیں۔ تصرف فارسی والوں کا تتبع کیا اور اردو میں بھی مروج ہو گئیں جیسے والدین، مشرقین، سابقین، غائبین، مشرقین، مقتولین، مجرمین، مسلمین وغیرہ

(و) صفت موصوف کی تطبیق اردو میں فارسی کی راہ سے آئی۔ اس سلسلے مثالیں یہ ہیں: والدۂ محترمہ، قوتِ ناطقہ، علوم اسلامیہ، ارشاداتِ عالیہ، حادثۂ ثانیہ وغیرہ۔

(ز) تطبیق صفت و موصوف کی تثنیہ کی ایک صورت اردو میں ملتی ہے:- حرمین شریفین۔

(ح) عربی تائے تانیث فارسی کی پیروی میں اردو میں ہائے مختفی میں تبدیل ہوئی، جیسے: والدہ، محترمہ، کلمہ، ناطقہ، ثانیہ وغیرہ۔

(ط) تنوین کا استعمال فارسی کی راہ سے آیا ہے، یہی حال علامت اضافت صفت و موصوف کا ہے۔

(۱۰) فارسی کے اکثر محاورے اردو میں ترجمہ ہو گئے ہیں۔ کچھ ہندی میں استعمال ہوتے ہیں۔

سر آمدن = سر آنا
قسم خوردن = قسم کھانا
دہان کشودن = دہان کھولنا

لہ کبھی کبھی عربی زبان کے قاعدے سے [illegible] کی بنا پر غلطی سرزد ہو جاتی [illegible] حال ہی میں [illegible] کی ترکیب نظر سے گزری، حالانکہ [illegible] یہ [illegible] ہوگا۔

[illegible]، عادۃً، فوراً، دفعتاً، حقیقتاً، مطلقاً، قطعاً، [illegible]
خصوصاً، اشارۃً، کنایۃً، اصلاً، مثلاً، [illegible]، [illegible]
وغیرہ۔ اسی عربی انداز کی فارسی کی یہ مثالیں بھی ہیں۔
نمونتہً، اندازاً۔ نمونہ اور انداز فارسی لفظ ہیں، یہ تنوین قبول نہیں کر سکتے۔

(۹) فارسی جمعیں کثرت سے اُردو میں مستعمل ہیں جیسے: سالہا سال، [illegible]، غلطیہائے مضامین، سخت جانیہا، ہزارہا، صدہا، والیان، فرمانروایان، صاحبان، صاحبزادگان، خواجگان، پس ماندگان، بندگان وغیرہ۔

بعض جمعیں عربی قاعدے سے بنائی گئی ہیں جیسے: باغات، بیگمات، [illegible]، فرمائشات، گزارشات، خواتین، خوانین، فرامین، فرمودات وغیرہ۔

اُردو میں جمع الجمع کا استعمال فارسی کے قیاس پر ہوا، عربی میں اس کا رواج نہیں، جیسے دو جہات فارسی میں مستند اساتذہ کے یہاں الفاظہا، عشاقان، اوقات، [illegible] کی طرح کی جمعیں پائی جاتی ہیں۔

(۱۰) عربی کے جو الفاظ و فقرات فارسی کے توسط سے اُردو میں آئے ہیں، ان کی نوعیت اس طرح ہے:

(الف)۔ کچھ الفاظ ہیں جن میں لفظی و صوری تبدیلی ہوئی جیسے مسلمان، ظاہر ہے کہ فارسی والوں نے اس کو مسلم کے معنی میں استعمال کیا اور یہی اُردو میں رائج ہوا۔

(ب) کچھ الفاظ ہیں جن میں معنوی تبدیلی ہوئی جیسے [illegible] [illegible] والی چیز کے ہیں، فارسی میں نیا لفظ [illegible] کے معنی میں استعمال ہوا۔ اُردو والوں نے اسے اپنایا۔

(ج) - عربی کی بعض جمعوں کی مفعولی صورت فاعلی شکل میں استعمال ہوئی جیسے [illegible] سامعین وغیرہ، ان کے بارے میں شروع میں عرض کیا جا چکا ہے۔

(د) . فارسی والوں نے فارسی الفاظ کی [illegible]

[illegible] ہے

پھر [illegible] سکندر ہوں ہے — [illegible]

اُنہیں حالات ہے [illegible] — کہ [illegible] دانا [illegible]

محبت [illegible] — محبت [illegible]

اُسی [illegible] دوست کی محبت — [illegible] ہے گلاس [illegible]

کوہکن گرسنہ مزدورِ طرب گاہِ رقیب — بیستوں آئینۂ خوابِ گرانِ شیریں

شرارِ سنگ [illegible] شیریں ہے — ہنوز اس تیشۂ فرہاد [illegible]

حسن [illegible] کا [illegible] — تو نے فرہاد دکھوا کبھی دیا دل

رہے نہ ایک دو [illegible] کے سر کے باقی — [illegible] شیریں ہے غمِ خسرو

ان کے علاوہ عربی و اسلامی تلمیحات بھی براہ راست اردو میں نہیں آئیں، یہ مدتوں فارسی ادب میں استعمال ہوئیں ان میں حسب ضرورت تبدیلیاں بھی ہوئیں۔ اس کے بعد اردو میں مروج ہوئیں اس بنا پر ان کا استعمال بھی فارسی کے اثرات کا مظہر ہے۔

(۴) اردو غزل کے تمام موضوعات و علامات فارسی سے لیے گئے ہیں۔ یہ اتنا عام ہے [illegible] کہ ہر شخص ان سے واقف ہے، پھر بھی مزید توضیح کے لیے چند مثالیں پیش کی جاتی ہیں۔

بادہ، ساغر، ساقی، غنچہ، نرگس، سنبل، حریف، میکدہ، پیرِ مغاں، سرو، چمن، [illegible] آفتاب، ابرو، چشم، سرو شمشاد، [illegible]، زلف، [illegible] وغیرہ وغیرہ۔ ان میں ہر ایک بطور علامت استعمال [illegible] ایک نیا [illegible] سکتا ہے [illegible]

راز کشودن	=	راز کھولنا
از پوست بر آوردن	=	پول کھولنا
پیدا شدن	=	پیدا ہونا
گوش دادن	=	کان دھرنا
حرف گرفتن	=	بات پکڑنا
شرط بستن	=	شرط باندھنا
نام نہادن	=	نام رکھنا
لاف زدن	=	ڈینگ مارنا
از عہدہ بر آمدن	=	عہدہ بر آ ہونا
آب آب شدن	=	پانی پانی ہونا
در پے شدن	=	درپے ہونا

ادبی اعتبار سے فارسی کے اثرات متنوع ہیں مثلاً :

(۱) فارسی کے سارے اصناف اُردو میں رائج ہیں، ویسے بعض اصناف عربی میں ہیں لیکن صراحتہً اردو نے فارسی نمونے اپنے سامنے رکھے۔

(۲) اُردو میں فارسی کے بحور متداول ہوئے، قوافی و ردیف کے معاملے میں اُردو نے فارسی ہی کی پیروی کی عربی کی نہیں، اگرچہ خود یہ اوزان اہلِ عرب کی ایجاد ہیں۔ لیکن فکرِ طباع نے ان میں خاصی تبدیلی کر لی ہے اور یہی تبدیل شدہ بحریں اُردو میں بھی رائج ہوئیں

(۳) اُردو میں قبلِ اسلام کی ایرانی روایت فارسی ہی کے وسیلے سے آئی۔ ان میں بعض اعلام ہیں۔ ان میں سے کچھ نام ہندوستان میں رائج ہیں جن کا ذکر ہو چکا۔ ان کے علاوہ بعض نام ادبیاتِ اُردو میں آتے ہیں جیسے ؛ انوشیرواں، ضحاک، کیکاؤس، اردشیر، مانی، مزدک، ایزد، [illegible]، [illegible]، [illegible]، بیستون، ترنج، ذرا تمثیہ خسرو، طلائے دست افشار، کسریٰ، انوشیرواں [illegible]

پھر پرسش جراحت دل کو چلا ہے عشق / سامان صد ہزار نمکداں کیے ہوئے
دل پھر طواف کوئے ملامت کو جائے ہے / پندار کا صنم کدہ ویراں کیے ہوئے
پھر شوق کر رہا ہے خریدار کی طلب / عرض متاع عقل و دل و جاں کیے ہوئے
مانگے ہے پھر کسی کو لب بام پر ہوس / زلف سیاہ رخ پہ پریشاں کیے ہوئے
چاہے ہے پھر کسی کو مقابل میں آرزو / سرمے سے تیز دشنۂ مژگاں کیے ہوئے
اک نوبہار ناز کو تاکے ہے پھر نگاہ / چہرہ فروغ مے سے گلستاں کیے ہوئے
پھر جی میں ہے کہ در پہ کسی کے پڑے رہیں / سر زیر بار منت درباں کیے ہوئے
جی ڈھونڈتا ہے پھر وہی فرصت کہ رات دن / بیٹھے رہیں تصور جاناں کیے ہوئے

غالب ہمیں نہ چھیڑ کہ پھر جوش اشک سے
بیٹھے ہیں ہم تہیۂ طوفاں کیے ہوئے

اس طرح کی غزلوں کو فارسی میں ترجمہ کر دیں تو ایرانی کے لیے اس سے محظوظ ہونے میں کوئی امر مانع نہ ہوگا۔

تفصیلات بالا سے بخوبی روشن ہوتا ہے کہ اردو کی ساری ادبی و شعری روایات فارسی ہی سے ماخوذ ہیں، اس سلسلے میں مزید ایک دو مثالیں پیش کی جاتی ہیں۔

فارسی کی ایک روایت یہ ہے کہ نظر بد سے بچنے کے لیے سپند (رائی) جلاتے ہیں اس روایت کو صدہا شاعروں نے برتا ہے، فارسی کے بہت قدیم شاعروں میں حنظلہ بادغیسی ہے، اس کے دو شعر ملاحظہ ہوں:

یارم سپند گرچہ بر آتش ہمی فگند / از بہر چشم تا نرسد مر ورا گزند
او را سپند و آتش ناید ہمی بکار / با روی ہمچو آتش و با خال چون سپند

[illegible] نے سپند کو اس طرح نظم کیا ہے:

[illegible] کیا واد سپند / [illegible]

[illegible]

آب حیات کا اقتباس پیش کیا جاتا ہے، اس سے ہمارے نظریات کی [illegible]
[illegible] کو اہل محبت کے جلسے میں ساقی کا آنا واجب ہے۔ اس کو چہرے [illegible]
رخسارے فروغ روشن ہے۔ مگر زلف کی شام بھی برابر مشک افشاں ہے،
صراحی کبھی سرکشی کرتی ہے، اس لئے جگر خون ہو کر ٹپکتا ہے کبھی جھکتی ہے
اور خندۂ قلقل سے ہنستی ہے، کبھی وہی قلقل قل حق ہو کر یاد الٰہی میں مصروف
ہوتی ہے مگر پیالہ اپنے کھلے منہ سے ہنستا ہے اور اس کے آگے دامن پھیلاتا
ہے، فلک، تیر حوادث کا ترکش لئے، کمان کہکشاں لگائے کھڑا ہے
مگر عاشق کا تیر آہ اس کے سینے کے پار ہو جاتا ہے، پیر زحل عروس کی آنکھ
نہیں پھوڑتی کہ عاشق کی بھی مراد روشن ہو۔ یہاں کی محفل میں شمع بیٹی فانوس
میں تاج سر پر رکھے کھڑی ہے۔ اس لئے پروانے کا آنا بھی واجب ہے۔
چراغ کو ہنساتے ہیں اور شمع کو عاشق کے غم میں رلاتے ہیں، وہ باوفا عشق
کے غم میں سراپا جلتی ہے، اس کی پتلی گھل گھل کر بہتی مگر پائے استقامت
اس کا نہیں ٹلتا۔ یہاں تک کہ سفیدۂ سحر کا کبھی کافور دیتا ہے اور
کبھی طباشیر، شمع کا دل اس لئے بھی گداز ہے کہ شب زندگی کا داغ بہت
چھوٹا ہے۔ لیکن صبح دونوں کے ہاتھ گریبان چاک کرتی ہے۔

کسی شاعر کی کوئی غزل لیجئے، اس میں فارسی غزل کی پوری پیروی ملتی ہے، غالب کے
یہاں خصوصیت سے فارسی غزل کی مکمل روایت پوری آب و تاب کے ساتھ پائی جاتی ہے،
حسب ذیل غزل بطور نمونہ پیش کی جاتی ہے:

مدت ہوئی ہے یار کو مہماں کیے ہوئے — جوش قدح سے بزم چراغاں کیے ہوئے
کرتا ہوں جمع پھر جگر لخت لخت کو — عرصہ ہوا ہے دعوت مژگاں کیے ہوئے
پھر وضع احتیاط سے رکنے لگا ہے دم — برسوں ہوئے ہیں چاک گریباں کیے ہوئے
پھر گرم نالہ ہائے شرر بار ہے نفس — مدت ہوئی ہے سیر چراغاں کیے ہوئے
پھر پرسش جراحت دل کو چلا ہے عشق — سامان صد ہزار نمکداں کیے ہوئے

۲

فارسی کے اثرات ہندوستان کے تمدنی و تہذیبی امور پر:

حضرات! کل کی گفتگو میں یہ واضح کرنے کی کوشش کی گئی تھی کہ ہندوستانی معاشرت اور ہندوستانی زبانوں پر فارسی نے نہایت دور رس اثرات چھوڑے ہیں جن کے گہرے مطالعے کے بغیر ہندوستانی معاشرت کی تاریخ اور ہندوستانی زبانوں کا جائزہ نامکمل رہے گا۔ آج ہندوستان کے بعض تمدنی و تہذیبی امور پر فارسی کے فروغ و نفوذ کا ذکر کیا جائے گا، یہ بات قابل ذکر ہے کہ یہ موضوع نہایت وسیع ہے اِس لئے اس سلسلے میں صرف بعض گوشوں پر روشنی ڈالنے کی کوشش کی جا رہی ہے۔

ہندوستان میں فارسی کے نفوذ کی ایک زندہ و جاوید مثال کتبات کی شکل میں ہے، یہ کتبات اس برصغیر کے طول و عرض میں پائے جاتے ہیں۔ یہاں تک کہ مشکل سے کوئی ایسا خطہ ہوگا جہاں ان کے نشان نہ ہوں۔ یہ کتبے مسجدوں، مدرسوں، خانقاہوں، مقبروں، چشموں، باؤلیوں، سرایوں، قلعوں، محلوں، دروازوں پر ملتے ہیں جن کا شمار کرنا بہت دشوار ہے ان کا سلسلہ مشرق میں بنگال و آسام تک اور پنجاب تک پھیلے ہوئے ہیں۔

ہندوستان میں فارسی کتبات کا مطالعہ اور ان سے متعلق معلومات [illegible]

گر بہ نثر [illegible] آتش کردہ بودیم   جہاں [illegible]

[illegible] معاملت میں کاغذی جامہ یا پیرہن کاغذی سب فریادی کی موضحہ [illegible]

[illegible] کردیں،

کاغذیں جامہ بخوناب بشوئیم کہ فلک   رہنمونیم بپائے علم داد نکرد

غالب کہتے ہیں:

چبھنے ہے پیرہن کاغذ ابری نیساں   یہ تکلف یہ ہے فریادی بجز عیش نثار

نقش فریادی ہے کس کی شوخیٔ تحریر کا   کاغذی ہے پیرہن ہر پیکرِ تصویر کا

تفصیلات بالا سے اردو زبان و ادب پر فارسی کے گہرے نقوش کا پتہ چلتا ہے، کوئی شخص جب تک فارسی زبان و ادب سے بخوبی واقف نہیں ہوتا اردو کے مسائل سے کما حقہ عہدہ بر آ نہیں ہو سکتا۔ اور جب ہم اپنے ماحول پر نظر ڈالتے ہیں، تو ہمیں سوائے مایوسی کے اور کچھ نظر نہیں آتا۔ اگر فارسی کی تعلیمات کی طرف پوری توجہ نہ ہوئی تو اردو کا مستقبل تاریک سے تاریک تر ہوتا جائے گا۔ کچھ کم دہلی میں یہی حال یہاں کی [illegible]۔ بالکل ہے۔

شکل میں بھی [illegible] پایا جاتا ہے۔

(۲) وہ کتبے جو [illegible]

میں جن میں آیات قرآنی [illegible]

یا احادیث کے حوالے ہوتے ہیں۔

(۳) وہ کتبے جو پہلے [illegible] پائے جاتے ہیں۔

(۴) وہ کتبے جو بادشاہوں، امیروں، وزیروں، شاعروں اور دوسرے لوگوں کے [illegible] میں لکھے ہیں۔

ہندوستان میں اسلامی دور کے ابتدائی دو سو سال تک اکثر کتبے عربی میں ہیں لیکن ساتویں صدی ہجری سے فارسی کتبوں کی اکثریت ہوتی ہے۔ [illegible] عربی کتبے کم ہو جاتے ہیں مثلاً [illegible] دور کے قریباً سبھی کتبے فارسی زبان میں ہیں۔ ابتدائی [illegible] کے فارسی کتبات میں نثری عنصر غالب ہے لیکن بعد کے کتبات میں شعر کا عنصر غالب ہو جاتا ہے۔

[illegible] پہلے [illegible] کی تحقیق کے اعتبار سے سب سے قدیم اسلامی کتبہ عربی زبان اور کوفی خط میں ہے۔ یہ دریائے سندھ کے کنارے ایک قدیم قریہ "بھنبھور" کے کنویں کی ایک [illegible] میں نصب تھا۔ ١٩٠٠ میں یہ کتبہ کشف ہوا اور ١٩١٢ میں [illegible] کے میوزیم میں منتقل ہو گیا۔ یہ کتبہ ٢٤٣ ہجری کا ہے اور ایک کنویں کی تعمیر سے متعلق ہے جس کو ابوجعفر محمد بن عبدالجبار نے [illegible] میں بنایا تھا۔ بہرحال چوتھی صدی کے بعد کے متعدد کتبے ہندوستان میں باقی رہ گئے ہیں جو عربی زبان میں ہیں اور کوفی، ثلث، نسخ خطوں میں پائے جاتے ہیں لیکن اب اس سے ایک قدیم کتبہ [illegible] کے اطراف میں [illegible] ہے، جو دوسری صدی ہجری کا بتایا جاتا ہے۔

[illegible] قدیم ترین کتبہ مسجد قوۃ الاسلام دہلی میں ہے جو ٥٨٧ ہجری میں تعمیر ہوئی۔ واضح ہو کہ یہ کتبہ قطب الدین ایبک کی تخت نشینی سے ١٥ سال قبل کا ہے۔ آخر کے الفاظ یہ ہیں:

[illegible] فی شہور سنہ

[illegible] قطب الدولۃ والدین

حکومتِ ہند کے [illegible] داستان شناسی کی دفتر قائم ہے اس محکمے کا ایک شعبہ کتبات فارسی کا ہے جس [illegible] کا مرکزی کتبات ہیں، لیکن اتنے عظیم کام سے صرف تنہا ہونے کے لئے منصوبہ بند ہونا چاہیئے اور ملک کے دوسرے اداروں اور دانش گاہوں کا تعاون حاصل کرنا چاہیئے۔ اس طرح جب ایک مدت میں اس سلسلے کا کام مکمل ہو جائے گا تو اس سے ایک طرف ہندوستان کی سیاسی و تمدنی تاریخ میں زبردست اضافے کی توقع ہے۔ دوسری طرف فارسی زبان کے غیر معمولی اثرات کا پتہ چلے گا۔

اس میں شبہہ نہیں کہ سر سید کی "آثار الصنادید"۔ علی اصغر حکمت کی کتاب "نقش پارسی بر احجار ہند" Epigraphica Indo Moslemica کے مختلف شماروں وغیرہ میں جو مواد جمع ہو چکا ہے، اس سے ان کتبات کی اہمیت و افادیت کا اندازہ ہو سکتا ہے لیکن جیسا کہ عرض ہو چکا ہے، جو کچھ ابھی تک ہوا ہے، وہ بکھرے ہوئے مواد کا ایک حقیر حصہ ہے۔ علی اصغر حکمت صاحب نے لکھا ہے "کلمات و جملات فارسی کہ منقوش بر چہرۂ سنگہا و رخسارۂ احجار است، و در طول و عرض این شبہ قارۂ وسیع پراگندہ می باشد از حد شمار و حساب بیرون است و احصاء دقیق و ثبت و ضبط آنہا محتاج بوقتی موسع و خاطری آسودہ و سفرہا بہ اطراف آن کشور می باشد کہ خواستنا این مقدمات برای صاحب این سطور فراہم نیست۔"

علی اصغر حکمت صاحب کے تحت الشعور میں یہ بات ہے کہ ایک یا دو آدمی کے ذریعہ اس کام کی تکمیل ہو سکتی ہے، لیکن میرے نزدیک یہ کام افراد کے بس کی بات نہیں اداروں کے توسط سے واضح منصوبہ بندی کے پیش نظر اس بڑے کام کی بجا آوری ممکن ہو سکتی ہے؛

گمان مبر کہ بپایان رسید کار مغان

ہزار بادۂ ناخوردہ در رگِ تاک است

ہندوستان میں جو فارسی کے کتبات نظم و نثر میں ہیں، ان کو چار حصوں میں تقسیم کیا جا سکتا ہے:

(۱) وہ کتبے جو بادشاہوں کے محلوں وغیرہ میں ہیں، یہ اکثر منظوم و منثور [illegible]

[illegible]

[illegible] جان تو [illegible] گو مباش

[illegible] گشت کل [illegible] گو مباش

با دو صورت [illegible] کشف شد اسرار غیب

کام دل [illegible] گوهر ریز [illegible] گو مباش

از [illegible] جان گوهر [illegible] عشق

در [illegible] گو مباش

چه لب جان [illegible] جام بقا

منزل دار فنا [illegible] گو مباش

از [illegible] است [illegible] وامان [illegible]

[illegible] وامان گو مباش

ای [illegible] دنیا و [illegible] قسمت

[illegible] سود و زیان گو مباش

[illegible] عشق [illegible] وحدت گفت

[illegible] گمان گو مباش

[illegible] در حریم کبریا

[illegible] گو مباش

[illegible] بر لست

[illegible] جهان گو مباش

[illegible]

[illegible] مکان گو مباش

[illegible]

[illegible]

امیر الامرا ایبک سلطانی اعز اللہ انصارہ ... بتخانہ
بتخانہ دو بار ہزار ہزار دلیوال صرف شدہ بود درین مسجد بکار بستہ شدہ
است خدای عز و جل بر آن بندہ رحمت کناد ہر کہ بر نیت بانی خیر دعای
ایمان گوید"

اس مسجد میں دو چھوٹے کتبے اس طرح کے ہیں:

(۱) این منار حضرت ابوالمعالی ......

(۲) این مسجد را بنیاد کرد قطب الدین ایبک، خدای بر آن بندہ رحمت کناد ہر کہ
بانی این خیر را دعای ایمان گوید۔

(۲)۔ لال قلعہ کے میوزیم میں کسی قدیم قبر کا ایک پتھر ہے۔ اس پر ۶۰۸ ہجری کا ایک عربی
کتبہ ہے، اس کے نیچے فارسی کی یہ عبارت ہے:

"بندہ برآمدہ کرد.. بقعہ برسد قطب الدین ایبک را دعا گوید"

ممکن ہے کہ اس پتھر کا تعلق قطب الدین ایبک کی قبر سے ہو اس لئے کہ اس کی وفات
۶۰۷ ہجری میں ہوئی اور قبر کا مذکورہ بالا کتبہ ۶۰۸ ہجری میں مرتب ہوا۔

(۳) تیسرا قدیم کتبہ بدایوں میں شیخ احمد خنداں کے مقبرے میں ہے جس کی صرف یہ عبارت
پڑھی جا سکی ہے جس میں تاریخ ۶۸۳ شامل ہے۔

"بیامرزاد کی بندہ تکین بانی این خیر را بدعا رحمت مرد دعا یہ کتب
فی الغرۃ من رمضان سنۃ ثلث وثمانین وستمائۃ"

بظاہر تکین سے مراد غیاث الدین بلبن کے دور کے ایک امیر جمال الدین
اتکین سے ہے، جو بلبن کے حکم سے ۶۸۱ ہجری میں مقتول ہوا۔

(۴) قصبہ کھمبایت (گجرات) کے ناحیہ کیرا میں ایک مقبرہ پیر دار شاہ کے نام سے
منسوب ہے۔ اس قبر کی دیوار میں دوسری قبروں کے پتھر نصب کر دیئے گئے ہیں،
ان میں سے ایک پتھر زین الدین علی بن سالار یزدی نامی کسی شخص کا مزار ہے
جس کی وفات ۶۸۵ ہجری میں ہوئی تھی۔ اس لوح میں پہلا حصہ ...

[illegible] ... [illegible]

جو استاد آباد [illegible] ۱۳۳ [illegible] کتبہ [illegible]

خاقان معظم قطب شاہ کے زمانے سے تعلق ... ڈاکٹر [illegible]

سے یکجا Epigraphica Indo Moslemica [illegible]

شائع ہو چکا ہے جو ذیل میں درج کیا جاتا ہے :

(۱) حصن حصین و معقل متین مرتفع ایں است کہ در عہد پادشاہ آفتاب

کلاہ ماہ انوار و زحل اقتدار و عطارد شعار قطب فلک مملکت

... [محمد] قلی قطب شاہ السلطان شید اثر ...... در دنیا

رفیع بنا حصار حصین استاد آباد کے کوکبہ کنگرہ اور بارہ فلک

(۲) ہم پہلو است دیر بہ باثبات ادبا ستانات گردون و ہم بالا و بجل

کوہی است کر تیغ خورشید کمر گیر ...... آب دیار خشت اساس

خاک ریز .... در دوازدہ او مفتاح ابواب جنان بار

دریاب بانی او معمار

(۳) قلعہ دین و ایمان فرمود من بنی حصنا الاسلام بنی اللہ لہ قصرا ...

[خا] قان خاقان معظم ...... معالیاو جل لہ الکرام موالیا گرچہ

تاریخ الفوز

(۴) من ذی الحجہ سنہ ثمان و ثلاثین و سبعمائۃ بکار فرمائی ضیا ......

...... خواجہ کو بعنت اعمار عمارت شد ۔

لہ دیکھو وصول خاقات و حصول سعادات تنقد فرمانان فرمود ...... [illegible]

بالا ۔ [illegible] استاد آباد [illegible] باشد ..... [illegible]

[illegible] ...... [illegible]

[illegible] استاد آباد [illegible]

ہذا [illegible] الکبیر المعروف سلطان [illegible] [illegible]
والسلاطین علی بن سالار [illegible] الیزدی [illegible]
الاحد الثالث عشرین ذی الحجہ سنۃ خمسین و ثمانین
و ثمانمائۃ ۸۵۵ھ

دائیں جانب کی رباعی کے چند الفاظ پڑھے جا سکتے ہیں:

.... دل ماست ....مکان و امکان منزل ماست
.... موالید فلک ....جنگی حاصل ماست

بائیں جانب کی رباعی یہ ہے:

ما بہر نظام کائنات آمدہ ایم باذات قدیم در صفات آمدہ ایم
خود بہر تو در سایہ، سایۂ ماست تو سایۂ عین کہ از ذات آمدہ ایم

ڈاکٹر ضیاء الدین ڈیسائی اور آقائی علی اصغر حکمت نے ان اشعار کو زین الدین علی بن سالار بن علی یزدی کی طرف منسوب کیا ہے، لیکن چونکہ غزل میں سالار آیا ہے۔ اس سے واضح ہے کہ شاعر کا تخلص سالار ہے اور جب تک یہ نہ ثابت ہو جائے کہ زین الدین علی کا تخلص سالاری تھا۔ اس وقت تک اس منظومہ کا انتساب اس کی طرف مشکوک رہے گا، زین الدین علی کے باپ کا نام سالار تھا، اس بنا پر آخر الذکر کا تخلص سالار زیادہ قرین قیاس ہوگا۔ بنابریں اس بات کا قوی امکان ہے کہ یہ غزل باپ کی بجائے بیٹے کی ہو۔

بہر حال غزل باپ کی ہو یا بیٹے کی، شعری اقتباسات میں کوئی خاص ادبی خوبی نہیں، لیکن ۸۵۵ ہجری کے قبل کی تصنیف ہونے کی بنا پر اس کو اہمیت حاصل ہے۔ سالاری سعدی کا ہمنام تھا، گجرات کے دور دراز کے علاقے میں سعدی کے ہم عصر کی یہ غزل تاریخی اعتبار سے نہایت اہم ہے:

(۵) دکن کے کتبات میں ایک منظوم کتبہ ہے، جو گلبرگہ ضلع کے [illegible] میں پایا جاتا ہے، یہ کتبہ ایک پتھر پر ہے جس کے بعض حصے منا [illegible]

(۲) یا اللہ [illegible] السلطان [illegible] سہیل [illegible]
[illegible]

(۳) یا اللہ السلطان خلد اللہ ملکہ وسلطانہ واعلیٰ امرہ وشانہ در نوبت اقطاع ملک

(۴) یا اللہ الشرق قوام الدولۃ والدین وزیر اقلیم دیوگیر عمّہ اللہ بندہ الضعیف الراجی الی رحمۃ

(۵) یا اللہ تعالیٰ والغفران احمد علی جنیری بتاریخ الغرۃ من صفر ختم اللہ بالخیر والظفر سنۃ ست وعشرین وسبعمائۃ

قطعہ

ہستی ہمہ در ساۂ تو خواہم کردن
آنرا کہ تو ہستی چہ کم آید ہستی

اس طرح کا کم اتفاق ہوتا ہے کہ ایک ہی وقت میں ایک سلسلے کے چند مسائل ایک ساتھ سے حل ہو جائیں جس طرح اس موقع پر ہوا کہ میرے مطالعے کی دو اہم گتھیاں ایک ہی ساتھ سلجھ گئیں یعنی استاد تاریخ جانے دقوع کا تعین ایک کتبے سے ہو گیا اور دوسرے کتبے سے محمد بن علی جنیری کی شخصیت متعین ہو گئی۔ ان دونوں کتبوں کو جو دو مختلف جگہوں پر موجود ہیں اور مختلف موقعوں پر لکھے گئے، ایک دوسرے سے بظاہر کوئی ربط نہ تھا، لیکن دستور منزل کی صراحت سے ان دونوں کے درمیان رابطہ بھی قائم ہو گیا اور میرے مسائل بھی حل ہو گئے۔

ہندوستان میں جو کتبات پائے جاتے ہیں، ان کا مطالعہ چند در چند وجوہ سے نہایت اہم ہے، مثلاً:

(۱) ہندوستان کی سیاسی و تمدنی تاریخ پر اس سے بڑی روشنی پڑتی ہے۔ بادشاہ، وزیروں، امیروں، عارفوں، صوفیوں، عالموں، اور دوسرے ایسے اشخاص جو زندگی [illegible] ان کی تاریخ وفات [illegible]

بظاہر [illegible] آستاد آباد کے نام سے [illegible] [illegible]
[illegible] ضیاء الدین [illegible] دیسائی واضح طور پر اس نظریے کے قائل ہیں۔ راقم حروف کو ایک عرصہ
سے شہر استاد آباد کے وجود و جائے وقوع کے بارے میں تلاش تھی اس لئے کہ حاجب خیرات
دہلوی کی دستور الافاضل اسی شہر میں ۷۴۳ ہجری میں مرتب ہوئی تھی۔ میرا قیاس یہ تھا کہ یہ
شہر دکن میں رہا ہوگا اس لئے کہ اس شہر میں پہنچنے کے قبل وہ قصبہ ایرچ میں رہ چکا تھا جہاں
آج تک اس آخری قصبے موجود ہے۔ بہرحال اس کتبے کی وجہ سے میری ایک مشکل حل ہوگئی۔
اسی دوران ڈاکٹر ڈیسائی نے مجھے ایک ایسے کتبے کی طرف رہنمائی کی جو احمد
بن علی بجنیری کے توسط سے ۷۲۶ ہجری میں مرتب ہوا تھا۔ یہ کتبہ ایک مسجد سے متعلق تھا
جس کی تعمیر سال مذکور میں ہوئی تھی۔ یہ بھی عجیب حسن اتفاق ہے کہ احمد بن علی بجنیری کا تعلق
اس لحاظ سے حاجب خیرات دہلوی مؤلف دستور الافاضل سے یہ ہے کہ آخر الذکر نے اپنی
فرہنگ استاد آباد کے صدر شمس الدین محمد کے نام پر لکھی اور خود حاجب خیرات کی صراحت[1]
کے بموجب شمس الدین محمد احمد بن علی بجنیری کا بیٹا تھا۔ چونکہ حاجب خیرات کی فرہنگ ۷۴۳ھ
میں مرتب ہوئی اور احمد بن علی بجنیری ۷۲۶ھ میں بقید حیات تھا، اس لئے تاریخی اعتبار سے
آخر الذکر کا شمس الدین محمد ممدوح حاجب خیرات کے باپ ہونے میں کوئی امر مانع نہیں۔
ان وجوہ کی بنا پر میرا خیال یہی ہے کہ احمد بن علی بجنیری جس نے ۷۲۷ ہجری میں مسجد بنائی تھی
اور مندرجہ ذیل کتبہ لکھوایا تھا، وہ شمس الدین محمد صدر استاد آباد کا باپ تھا۔ یہ کتبہ عربی
میں ہے، لیکن اس کے آخر میں ایک بیت فارسی میں ہے:

(۱) یا اللہ امر بهذه العمارة المسجد المبارکة المیمونة الشریفة
فی عهد سلطان السلاطین

---

[1] حاجب خیرات لکھتا ہے: "شمس الدولة والدین عز الاسلام والمسلمین ....
قرة عین الوزراء المتقدمین، ضیاء الملوک والسلاطین مخصوص بعنایت بادی محمد احمد بجنیری —
محمد بن [illegible] احمد بن علی
صدر آفاق شمس دولت و دین

[illegible]

[illegible]

پیدا ہے ... جاتی ہے، دوسرا طریقہ یہ بھی ہے کہ ... کتبے ...
... لکھوائیں ایک ... کا ... ہے ... کتاب ... آگے ... سے ...
... طرف ... ہے، اس کے ... پر حافظ کا یہ مشہور شعر کندہ ہے:

آسایش دو گیتی تفسیر این دو حرف است
با دوستان مروت با دشمنان مدارا

ہندوؤں کی بعض مذہبی عمارتوں میں بھی فارسی کتبات ملتے ہیں۔
نقش پارسی بر احجار ہند میں مرقوم ہے:

"بعضی از این کتیبه‌ها که مذہبی ... جالب توجه است
اینجا کتیبه‌های ابنیهٔ مذہبی ہند ... معابد ہندوی باشد ...
در زبان فارسی ... شاه عالم دوم (۱۷۸۸ء) ...
... شہر ... در سال ۱۲۲۲ھ ساخته
شده ... دارای کتیبهٔ فارسی می باشند"

یقین ہے کہ دقیق تحقیق سے مزید ایسی مذہبی عمارتیں نکلیں گی جو فارسی کتبوں سے مزین ہوں گی۔

اس سلسلے میں اکبر ... فارسی ... فرامین وغیرہ کا ذکر بیجا نہ ہوگا جو ... ہندو مذہبی عمارتوں کے نام مسلمان ... کی طرف سے جاری کیے گئے۔

(۲) ... فارسی کا اصل وطن ہے، وہاں کے ... کتبات ...
... ہے کہ ان ... آباد ... اسی بنا پر ... کی فہرست ...
[illegible]
[illegible]

[illegible] معلوم ہو جاتی ہے۔ [illegible] تاریخی شخصیات کے متعلق [illegible] کا [illegible] [illegible] اس کا مقابلہ اس نے مواد سے کیا جا سکتا ہے جس کی صحت و صداقت [illegible] کی گنجائش کم ہوتی ہے۔

(۲) جب تک ان تاریخی ابنیہ وغیرہ کا وجود باقی ہے، فارسی زبان کا اثر واضح سے واضح تر ہوتا رہے گا۔ یہ کتبات نقش کالحجر نہیں بلکہ ما فوق نقش برحجر ہیں [illegible] اعتبار سے ڈاکٹر علی اصغر حکمت کی کتاب کا عنوان نقش پارسی بر احجار ہند موزوں ہے۔ یہ عنوان فارسی کے گہرے اور نہ مٹنے والے اثر پر دلالت کرتا ہے۔

(۳) یہ کتبے محض ان عمارتوں پر نہیں، جو مسلمانوں سے منسوب ہیں بلکہ ایسی عمارتوں پر بھی کندہ ہیں، جو ہندوؤں سے تعلق رکھتی ہیں۔ اس سلسلے کی چند مثالیں یہ ہیں:۔

(الف) راجہ مان سنگھ، پسر راجہ بھگوان داس نے قلعۂ رہتاس میں ایک حرم سرا تعمیر کی تھی، اس کے دروازہ پر ایک فارسی قطعہ ہے، جو دروازہ کی تاریخ کا حامل ہے:

"دروازۂ مقیم بنای چو شد تمام　　دروازۂ سپہر [illegible] مستقیم شد
سال [illegible] چو نمودم بطبع گفت　　[illegible] بنای [illegible] شد"

تحریراً فی تاریخ بیست و ہشتم شہر رجب المرجب سنہ ہزار و پنج ہجری۔

(ب) جے پور کے والیان کا پائے تخت امیر تھا۔ وہاں کا قدیم محل ہندوستانی معماری کا نفیس نمونہ ہے۔ یہ محل ۱۰۰۸ ہجری کا ہے اور ۲ سال کے طویل عرصے میں مکمل ہوا تھا اس میں حسب ذیل کتبہ پایا جاتا ہے جس سے محل کی تاریخ بنا واضح ہوتی ہے:

"در عہد شہنشاہ سلاطین نشان جلال الدنیا والدین محمد اکبر بادشاہ خلد اللہ ملکہ بامر عالی بانی قصر سلطنت و کامرانی [illegible] مہاراجہ مان سنگھ ابن مہاراجہ ... خلد اللہ اقبالہ بتاریخ [illegible] سنہ ہزار و ہشت این بنای جنت مثال [illegible] سال در نہایت اہتمام [illegible] اتمام و [illegible] اختتام یافت [illegible]

[illegible]

[illegible] شعروں اسنادکے [illegible]

ہے کہ نہیں، دوسرے اور تیسرے درجے کے شاعر شعرا تھے [illegible]

ناکیں ادبی تاریخ میں ان کے فن و قبول کے بغیر تاریخ نامکمل رہتی ہے۔ اس بنا پر [illegible]

نے کے قابل نہیں۔ ہندوستانی فارسی کا ادبی تاریخ اس لحاظ سے ناقص ہے کہ اس میں [illegible]

بخلاف شعرا یا ادبا کے مصنفین سے متعلق کوئی یادداشت درست نہیں ہوئی ہے

ہندوستان میں فارسی زبان کے تسلط کا زمانہ چھ سو سال سے زائد رہا ہے۔ اس [illegible] وقت میں یہ زبان یہاں کی سرکاری اور تہذیبی زبان رہی ہے۔ اس کی بنا پر سارے سرکاری و غیر سرکاری کاروبار اسی زبان کے ذریعہ انجام پاتے رہے، اس کے نتیجے میں بے تعداد [illegible] دستاویزیں، پروانے، رقعے، خطوط اور آدکا پورے سے متعلق دوسرے مواد یہاں موجود ہیں۔ ان کی جمع آوری اور ان کے متعلق یادداشت تیار کرنے کے لئے مختلف ریاستوں کے ریکارڈ آفس اور مرکز میں نیشنل آرکائیوز اور انڈین ریکارڈس کمیشن موجود ہیں۔ لیکن اس مواد کی فراہمی کا کام ہندوستان میں دیر سے شروع ہوا۔ اس کے نتیجے میں قطعی مواد کثیر تلف ہو چکا۔ عہد مغلیہ کے قبل کا مواد بالکل نہیں ملتا، لیکن مغلیہ دور اور اس کے بعد کا وافر مواد ادھر ادھر منتشر ہے۔ اگر یہ سارا مواد جمع ہو جائے تو کئی کتب خانے تیار ہو سکتے ہیں، جن کے متعلق یادداشت کے لئے سیکڑوں مجلدات درکار ہوں گی۔ دفتر نیشنل آرکائیوز کی طرف سے انیسویں صدی کے کاغذات کے بارے میں بیس مجلدات شائع ہو چکے ہیں اور بیس جانے کتنے مجلدات کی تیاری ہو رہی ہے۔ شعبۂ تاریخ مسلم یونیورسٹی علی گڑھ میں ایک اسکیم کے تحت اورنگ زیب کے دربار کے اخبارات، مراسلے وغیرہ کے وکیل کے ذریعے بھیجے گئے تھے زیر ترتیب ہیں۔ ان اخبارات کے دو مجموعے موجود ہیں، ایک ایشیاٹک سوسائٹی لندن کے کتب خانے میں اور دوسرا راجستھان آرکائیوز بیکانیر میں۔ اول الذکر مجموعے کی تعداد تقریباً چار ہزار اور آخر الذکر کی [illegible] ہزار [illegible] ہیں۔ اس طرح کے سیکڑوں ہزاروں [illegible] فراہم [illegible] کی تکمیل [illegible] کا متقاضی ہے۔

سبب سے یہ علاقہ [illegible] کہا جاتا ہے کہ [illegible]
معروف ہیں۔ لیکن اب اس شہر کا کوئی نشان باقی نہیں۔ حال ہی میں فردوسی کا مزار [illegible]
مرمت کیا گیا ہے جس پر کوئی قدیم کتبہ موجود نہیں۔ امام محمد غزالی کے مزار کا تعلق یہ
خیال پیدا ہوا فردوسی کے مزار کو جاتے ہوئے سڑک کے کنارے ایک پرانی عمارت میں ایک
ایک پتھر نصب کیا گیا، جو امام غزالی کی طرف منسوب ہوا۔ لیکن مزید تحقیق سے معلوم ہوا کہ
یہ کسی دوسرے شخص کا سنگِ مزار ہے۔ دوسری مثال شہرِ رے کی ہے۔ یہ شہر سیاسی و ثقافتی
اہمیت کے لحاظ سے بے نظیر سمجھا جاتا ہے۔ لیکن اب بالکل ویران ہو چکا ہے اور تہران کا ایک حصہ
شامل ہو گیا ہے۔ یہاں حضرت عبدالعظیم کا مزار ہے۔ اس کے علاوہ کوئی تاریخی عمارت باقی نہیں۔
اور تحقیق ہوئی تو بعض آثار کا پتہ چلا ہے، جو ایک کتابی شکل میں مرتب ہو چکے ہیں۔ تیسری
مثال نیشاپور کی ہے۔ یہ شہر جو اسلامی عہد میں عظیم سیاسی و علمی مرکز تھا اب ایک چھوٹے قصبے
کی شکل میں باقی ہے۔ یہاں دو بڑی نامور شخصیتوں کے مزار درست کر دیے گئے۔ ایک عمر خیام
اور دوسرا عطار کا۔ خیام کے مزار کے سلسلے میں کوئی قدیم سند نہیں۔ البتہ عطار کے مزار کا
کتبہ نویں صدی ہجری میں تیموری شاہزادے بایسنغر مرزا کا تعمیر کردہ ہے۔

بہرحال اس ضمنی گفتگو سے ظاہر ہے کہ ایران میں نہ کتبات اتنی کثرت سے باقی ہیں
اور نہ ان میں اتنا تنوع ہے۔ گویا اس اعتبار سے فارسی اپنے وطن میں اتنی دخیل نہیں جتنی
ہندوستان میں۔

(۵) نثری کتبات محض تاریخی اہمیت کے حامل ہوتے ہیں، لیکن شعری کتبات کی
ادبی اہمیت بھی مسلم ہے۔ یہ سارا مواد اس لحاظ سے اچھوتا ہے کہ ان کے دوسرے ماخذ کا تصور
نہیں ہو سکتا، اس میں شبہ نہیں کہ خال خال ایسے کتبات مل جاتے ہیں، جن میں مشہور فارسی شعرا
حافظ، سعدی، خیام، عطار، کاتبی وغیرہ کے اشعار شامل ہو گئے ہیں۔ لیکن غالب حصہ
نئے کلام کا حامل ہے۔ یہ مواد اتنی کثرت میں ہے کہ اگر یہ سارا جمع کیا جا سکے تو کئی
ضخیم مجلدات کو حاوی ہوگا [illegible]
دستیاب ہوگا۔

[illegible]
[illegible] نے کچھ دنوں [illegible] کر دیا اور اس طرح [illegible] بہادر [illegible]
یہ چھاپ [illegible] کو ہر خریف کے موقع پر [illegible] سرکاری [illegible] سے
برات ملتے تھے۔

پاکستان ہسٹاریکل سوسائٹی جرنل کا [illegible] کے دو [illegible]
صاحب [illegible] پروانے شائع کیے ہیں۔ یہ دونوں پروانے ایک [illegible] سے تعلق رکھتے ہیں۔
[illegible] کی پانچ حویلیاں بنارس کے محلہ بالاجی حلقے میں تھیں۔ ان کا کرایہ پانچ سو روپے
ضبط کرکے یہ رقم بیت المال میں داخل کردی گئی۔ مٹھ کے سنیاسیوں نے اورنگ زیب کے
دربار میں حاضری دی اور بادشاہ سے فریاد رسی کی۔ بادشاہ ان سے متاثر ہوا اور اس
نے یہ معاملہ اقضی القضاۃ قاضی عبدالوہاب کے سپرد کیا۔ قاضی مذکور نے اس معاملہ کی
پوری تحقیقات کی۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ یہ حویلیاں سنیاسیوں کے حوالے کردی گئیں اور
پانچسو روپے کے کرایہ کی رقم جو بیت المال میں داخل کردی گئی تھی سنیاسیوں کو
واپس کی گئی۔

اس طرح کی لاکھوں سندیں اور پروانے ادھر اُدھر منتشر ہوں گے۔ ان کی
فراہمی اور بازیابی ہندوستان کی سیاسی تاریخ کی صحت کی ضمانت ہوگی اور ضمناً یہ بھی
معلوم ہوگا کہ فارسی زبان نے ہندوستان کی سیاسی و تمدنی زندگی پر کتنے گہرے نقوش
چھوڑے ہیں۔

[illegible] فارسی سے متعلق مواد کی کثرت کے اعتبار سے ہندوستان کا پلہ خود فارسی کے
اپنے وطن ایران سے کہیں بھاری ہے۔ یہ انکشاف اپنی جگہ پر نہایت دلچسپ ملاحظہ ہے۔
ہندوستان میں فارسی کے غیر معمولی نفوذ کی ایک بہتر مثال یہاں سے [illegible]
پیش کرتے ہیں۔ ایران میں ہزاروں فارسی قلمی کتابیں موجود ہیں۔ ان میں خاصی تعداد ایسے مصنفین
کی ہیں جو ہندوستانی تھے۔ [illegible] کتابیں ہندوستانی خطاطوں کے قلم کی یادگار ہیں اور
خاصی تعداد ایسی ہے جو ہندوستانی مصنفین کی تالیفیں اور [illegible] کے ساتھ ساتھ [illegible]

ہندوستان کے سلاطین اور دوسرے یورپی ممالک کے خطوط جو ہمارے یا دوسرے ہندوستان کے مختلف کتب خانوں میں محفوظ ہیں۔ ان کی اشاعت اس لحاظ سے کہ ہندوستان کی سیاسی و ثقافتی تاریخ میں بڑی اہمیت کی حامل ہے۔ ابھی تک ان سے بجا طور پر استفادہ نہیں ہوا ہے اس لئے ہندوستان کی تاریخ کا یہ اہم گوشہ پوری طرح روشنی میں نہیں آسکا۔ حال ہی میں راقم نے چند ایسے خطوط کو شائع کیا ہے جو دکنی سلاطین نے شاہ عباس کو لکھے تھے اور جن میں جہانگیر بادشاہ کے خلاف زبردست شکایت لکھی تھی۔ ان میں سے ایک خط کی روشنی میں جو ابراہیم عادل شاہ کی طرف سے شاہ عباس کی خدمت میں شاہ خلیل اللہ کی معرفت روانہ کیا گیا تھا، بعض امور کی وضاحت کی تھی۔ ان سے دکنی سلاطین اور مغل بادشاہ کے تعلقات پر مزید روشنی پڑتی ہے۔

اس ضمن میں ایک قابل توجہ امر یہ ہے کہ ایسے متعدد شاہی فرمان دستیاب ہوئے ہیں۔ جو ہندوؤں کے مذہبی عبادت خانوں کے مصارف کی کفالت وغیرہ کے متعلق جاری کئے ہوئے تھے، ان فرامین میں اورنگ زیب کے جاری کردہ فرمان بھی شامل ہیں۔ بمبئی کے ایک دانشمند جناب جینی چندرا نے گزشتہ چند سالوں میں اس سلسلے میں کافی دلچسپ مواد فراہم کیا ہے۔ پاکستان ہسٹاریکل سوسائٹی جرنل ج ۵ شمارہ ۴ میں انہوں نے اورنگ زیب کے دس ایسے فرمان کی نشاندہی کی ہے جو ہندو مندروں کے نام اورنگ زیب کے جاری کئے ہوئے ہیں۔ اسی جرنل کی چھٹی جلد حصہ اوّل میں موصوف نے اسی بادشاہ کے زمانے کے تیرہ پروانے اور سندیں شائع کی ہیں، جو مالوہ کے صوبہ دار وقت کی طرف سے جاری ہوئے تھے، یہ پروانے اجین کے ایک برہمن خاندان کی کفالت کی غرض سے لکھے گئے تھے، اسی خاندان کے لوگ آج تک اجین کے مہاکالیشور مندر کے پجاری ہیں۔ ان پروانوں سے ظاہر ہوتا ہے کہ نجابت خاں صوبہ دار مالوہ نے اورنگ زیب کے ساتویں سال جلوس میں کوکا نامی ایک برہمن کی روزمرہ ضروریات کے لئے چار مرادی ٹنکہ یومیہ منظور کئے تھے۔ دس سال بعد کوکا فوت ہوا، تو یہی رقم اس کے بیٹا کی کے لئے بحال ہوئی، انیسویں سال جلوس میں یہ رقم جاری شدہ میں کی دو گنی کر دی گئی

۔ اس دور کی عمارتوں میں خصوصیت سے تعمیر پر اسلامی و ایرانی اثرات کا واضح ثبوت [illegible]
ہے۔ گوالیار کا چبوترہ جہاں مان مندر کا محل جو پچھلی صدی کے اواخر میں تعمیر کیا گیا ہے
سنہ ۱۴۳۹ء میں میوار کے رانا کمبھا کے بنوائے ہوئے ایک جین دھرم کے ۲۱ مندر نے بنوایا تھا۔ اس
عمارت میں گنبد ہیں، جیسے کہ ستون احمد شاہ کی بنائی ہوئی جامع مسجد کے ستونوں کے مشابہ ہیں۔ دوسری
مثال گوالیار کے راجہ مان سنگھ کے محل کی ہے جس نے ۱۴۸۶ء سے ۱۵۱۶ء تک حکومت
کی تھی۔ اس محل کی تعمیر ہندو معماروں کی مرہون منت ہے، جنہوں نے اسلامی فن معماری میں کافی
دسترس پیدا کر رکھی تھی۔ یہ محل مشترک ہندو و اسلامی فن تعمیر کی عمدہ مثال ہے۔ بابر جب
یہاں گوالیار پہنچا، تو اس سے بہت متاثر ہوا، جس کا ثبوت اس کی تزک سے بخوبی فراہم ہوتا
ہے۔ دور قبل مغل کا مشترک ہندی و اسلامی و ایرانی فن تعمیر اکبر و جہانگیر کے دور میں اپنی انتہائی
عروج کو پہنچا جس کی متعدد مثالیں ملتی ہیں:

(۱) امبیر کا محل جو جے پور کے راجہ مان سنگھ کے حکم سے تعمیر ہوا۔

(۲) اکبر کے دور کے چار مندر بھی ہیں جن میں سے تین بندرابن اور ایک گووردھن میں تعمیر
ہوئے۔ ان میں سے پہلا مندر ۱۵۹۳ء میں راجہ مان سنگھ ہی کا بنوایا ہوا تھا۔

(۳) جہانگیر کے دور کا بندرابن کا مندر جس کی تعمیر ۱۶۲۷ء میں ہوئی۔

ہندوستان میں فن تعمیر پر جو ایرانی اثرات مترتب ہوئے، وہ ہمارے موضوع سے
خارج ہیں۔ لیکن اس سلسلے کی عمارتوں کے فارسی کتبات، اور ان کی دیواروں کے نقش و نگار
اور گل بوٹوں کی تصویریں جو کبھی کبھی فارسی عبارتوں سے مزین ہوتی ہیں اور فارسی خطاطی کے
دلکش نمونے جو بعض اوقات دیواروں کی زینت ہوتے ہیں، وہ یقیناً ہمارے موضوع گفتگو
میں شامل ہیں، یہ ہندوستانی تہذیب میں فارسی کے غیر معمولی نفوذ کے شاہد ہیں۔

ہندوستانی مصوری کی ترقی میں ایرانی عنصر کی گہری چھاپ ہے۔ اس قسم کی مصوری
مغلیہ عہد میں ترقی کی انتہائی منزل کو پہنچی، خصوصاً اکبر کے دور میں فرخ قلماق، عبدالصمد،
میر سید علی اور مسکین کے زیر تربیت ہندو مصوروں کی ایک بڑی جماعت تیار ہوئی جنہوں
نے [illegible] کو کافی ترقی دی۔ ان میں سے [illegible]، بساون، [illegible]

موجود ہیں۔ پٹنہ، مکتبہ علوم پور، علی گڑھ، حیدر آباد، بمبئی، مدراس کے کتب خانے مخطوطات کے اعتبار سے عالمگیر شہرت کے مالک ہیں۔ ان میں بعض ایسا بیش قیمت مخطوطہ موجود ہے جو دنیا کے کسی کتاب خانے میں نہیں پایا جاتا۔ پھر مخطوطات کی کثرت کے اعتبار سے ہندوستان علمی دنیا میں اہم مقام کا مالک ہے، کیونکہ بہر حال معلوم ہے کہ جس طرح مطبوعہ کتاب کی سب سے اہم خصوصیت ایک مرتبہ کی چھپی ہوئی کتابوں کا بالکلیہ یکساں ہے، اسی طرح مخطوطہ کی سب سے قابل ذکر خصوصیت یہ ہے کہ ہر مخطوطہ دوسرے مخطوطے سے مختلف منفرد ہوتا ہے خواہ کاتب اور منقول عنہ دونوں ایک ہی ہوں؛ اس سے یہ بات بالکل واضح ہو جاتی ہے کہ ہر مخطوطہ خواہ کیسے ہی درجے کا ہو، ایسے مواد کا حامل ہوتا ہے جو دوسرے مخطوطے کے ذریعے نہیں مل سکتا۔ بالفاظ دیگر یہ بات واضح ہے کہ ہندوستان کے بیش قیمت مطبوعات کے علاوہ یہاں کے کثیر مخطوطات اہم تحقیقی مواد کے حامل ہیں۔ یہ بات بھی قابل ذکر ہے کہ ہندوستان کے عمومی کتابخانوں کے علاوہ صدہا نجی کتابخانے ہیں جن میں نہ جانے کتنی قیمتی کتابیں پائی جاتی ہیں۔ ہندوستان میں فارسی کے جتنے مخطوطات ہیں وہ تعداد میں ایران سے کم نہ ہوں گے اور شاید یہاں کی کسی زبان میں اتنے متنوع قسم کے مخطوطے نہ ہوں جتنے کہ فارسی میں ہیں، یہ فارسی کے نفوذ کی زندہ مثال ہے۔

ہندوستان میں فارسی کی کتابوں کے چھاپنے کا کام بھی بڑی توجہ سے ہوا، نولکشور پریس نے اس ضمن میں جو کام کیا ہے، اس کی مثال ایران میں بھی نہیں ملتی اور اس حقیقت کا اعتراف کہ اگر یہ پریس فارسی کی کتابیں چھاپ کر عام نہ کر دیتا تو ہزاروں کتابیں معدوم ہو گئی ہوتیں، اس کا اعتراف سارے ایرانی دانشور کرتے ہیں؛ کسی کتابخانے میں جائیے آپ کو نول کشور کی مطبوعہ کتابیں ضرور ملیں گی۔ اس شاندار خدمت کی وجہ سے نولکشور کی ذات علمی دنیا میں غیر فانی ہو گئی اور اسی کی بنا پر ہندوستان کا نام بھی لازوال ہو گیا۔ فارسی کی یہ کتابیں اس زبان کے حلقۂ اثر کو وسیع کرنے کا موجب ہیں۔

ہندوستان میں فنون لطیفہ اور فن تعمیرات کی ترقی فارسی نفوذ پر دلالت کرتی ہے۔ قرون وسطیٰ کا ہندوستانی فن تعمیر ایرانی اثرات سے بھرپور ہے۔ ہندوستان ...

[illegible]

[illegible] میں شائع [illegible]

میں؛ اس میں [illegible] کے ۲۲ مصور صفحے ماسکو میں ۱۹۶۲ء میں شائع [illegible]
کے خزینے میں۔ ایک تہران میں، دوسرا پیرس میں۔ اکبرنامہ کا ایک مصور نسخہ لندن [illegible]
تاریخ الفی کا مصور نسخہ فریر آرٹ گیلری واشنگٹن میں ہے۔ اس کا ایک ورق کا عکس
Indian Miniature Painting میں شائع ہوا ہے۔ خمسۂ امیر خسرو کا ایک
مصور نسخہ بھی اسی آرٹ گیلری [illegible] جس میں داستان امیر حمزہ کا بھی عکس ملتا ہے۔ شائع ہوا
ہے۔ خمسۂ نظامی کا ایک مصور نسخہ تہران میوزیم میں ہے جو اکبری دور میں ۱۰۰۳ ہجری کے قریب
مرتب ہوا۔ اس کا ایک ورق Indian Miniatures of the
Moghul Court میں شائع ہوا۔ انوار سہیلی، گلستان، بہارستان وغیرہ
اکبری دور میں مصور شکل میں مرتب ہوئیں، یورپ کے بعض کتاب خانوں میں ملتے ہیں۔
ان مصور نسخوں سے ایک طرف مغل پادشاہوں کے فن مصوری سے بے پایاں لگاؤ کا
پتہ چلتا ہے، دوسری طرف فارسی زبان کے غیر معمولی نفوذ کا بھی وافر ثبوت فراہم ہوتا ہے۔
مصوری میں شبیہ کشی (Portrait making) کو بڑی اہمیت حاصل
ہے۔ جہانگیر کو اس فن سے بڑا شغف تھا۔ اس کے دربار کے خصوصی مصور فرخ بیگ، ابوالحسن
نادرالعصر، آقا رضا، استاد منصور وغیرہ جنہوں نے شبیہ کشی میں ماہری حاصل کی تھی خصوصیت
سے قابل ذکر ہیں۔ جہانگیر نے مرقع گلشن کے نام سے تصویروں اور خطاطی کا ایک نفیس مجموعہ
تیار کیا تھا لیکن دست برد زمانہ سے یہ مرقع محفوظ نہ رہ سکا البتہ اس کے حصے جا بجا
ایران اور یورپ کے عجائب خانوں میں محفوظ ہیں۔ اب تک اس کے ۱۲۰ اوراق کا پتہ چلا ہے
جن میں ۸۲ تہران میں موجود ہیں (۸۸ عجائب خانے میں اور ۸ کتاب خانہ سلطنتی میں) کچھ
اوراق یورپ اور امریکہ کے عجائب خانے کی زینت ہیں۔
مرقع گلشن اس دور کے نامور مصوروں اور خطاطوں کی یادگار ہے۔ خطاطوں
میں میر علی، سلطان علی مشہدی اور محمد حسین کشمیری قابل ذکر ہیں۔ خطاطی کے نمونے
[illegible]

گھنہ داس، جگناتھ، چترمنی، بھیم کرن، تارا، سانولا، ہرنس اور رام کے نام قابل ذکر ہیں۔ ان کے علاوہ کافی اور مصوروں کے نام مخطوطات کے ذریعے فراہم کئے جا سکتے ہیں۔ کتب خانۂ خدا بخش میں تیمور نامہ کا جو مصور نسخہ ہے اس میں بھی بسنت، مسکین، مہیش، بنواری، ابراہیم، شنکر، رام داس، بھوانی، نند، نتھا، جگجیون، دھرم داس، نارائن، جتن، مادھو، دیا، جیون، سرون، گنگا سنگھ، پارس، دھنا، بھیم، وغیرہ کی مصوری کے نمونے موجود ہیں۔

بابرنامہ (ترجمہ فارسی) کا ایک اعلیٰ درجہ کا نسخہ نیشنل میوزیم دہلی میں ہے، اس کی کتابت ۱۰۰۵ ہجری / ۱۵۹۶ء کی ہے، اس میں ۱۴۴ تصویریں اکبری عہد کے ۴۹ ممتاز مصوروں کی ہیں، ان میں سے ۳۶ نام نئے ہیں جو تیمور نامہ میں شامل نہیں۔ اللہ قلی، آننت، اسی، اسی کہار، بندے، بنواری، بھاک، بھگوان، بھوانی، بھورا، دولت، دھنراج، فرخ چیلہ، ختو، گوبند، حسین چیلہ، ابراہیم، ابراہیم کہار، جمیل، جمشید، کاسو کہار، خان، کھیرا، لچھمن، لوکھا، مکیا، منصور، محمد کشمیری، محمد پنڈت، نقی، نرسی، نرسنگھ، پریم، پریم گجراتی، شیو داس، تیمور استاد۔

جس طرح فن تعمیر پر ایرانی اثرات کا تعلق ہماری گفتگو سے خارج ہے، فن مصوری کی بھی یہی صورت ہے، لیکن ان مصوروں نے فارسی کے اہم مخطوطوں کی تصویر کشی کی اور مصور نسخے تیار کئے، اس کام کی ابتدا ہندوستان میں میر سید علی اور استاد عبدالصمد کے ذریعے ہوئی۔ چنانچہ بعض لوگوں کا خیال ہے کہ ہمایون کے دور میں اس کام کی ابتدا داستان امیر حمزہ کی تصویر کشی سے ہوئی۔ اس داستان میں ۱۴۰۰ تصویروں کے شامل کرنے کا منصوبہ تھا، معلوم نہیں کتنی تصویریں مکمل ہوئیں۔ مگر اس کے مصور اوراق جو مختلف عجائب خانوں میں ملتے ہیں ان کی تعداد تقریباً ۱۲۵ ہے۔ ایسا خیال ہے کہ یہ تصویر کشی ۱۵۸۲ء تک ہوتی رہی، اسی سال اکبر نے رامائن اور مہابھارت کے مصور کرنے کا فرمان جاری کیا اور ان دونوں کتابوں پر کام شروع ہو گیا۔ ان کے علاوہ داراب نامہ، شاہنامہ، بابرنامہ، جامع التواریخ، تیمور نامہ، تاریخ الفی، اکبر نامہ، خمسۂ امیر خسرو، خمسۂ نظامی، انوار سہیلی، گلستان، بہارستان وغیرہ کے اعلیٰ درجے کے مصور نسخے تیار ہوئے۔ داراب نامہ کا ایک نسخہ لندن میں ہے۔ شاہنامہ کا مصور نسخہ

(۵) ۱۰۱۹ھ میں ابراہیم عادل شاہ کی عمر ۲۰ سال کی ہوتی ہے، لیکن اس تصویر میں
سال سے زیادہ کا نہیں، جا ... یہ اس سند کی تصویر ہے۔ تو تصویر کی تحریر ہے
یہ سلسلہ ... جن کی بنیاد تصویر کی عبارت ہے۔ جنوبی ہندوستان کی مصوری کی تاریخ
میں کافی اہمیت کے حامل ہیں، ان سے خطاطی کے ارتقا کا بھی ثبوت فراہم ہوتا ہے۔

مرقع گلشن میں ایک شبیہہ بختر خاں کلاونت کی بھی شامل ہے، معلوم نہیں
جس پر جہانگیر کے ہاتھ کی تحریر ملتی ہے:

" ۱۰۲۴ شبیہہ بختر خاں کلاونت کہ داماد عادل خاں می شود در اجمیر کورنش
ملازمت نمود۔"

اس سلسلے میں حسب ذیل امور قابل ذکر ہیں:

(۱) جہانگیر نے عادل شاہی کلاونت کی شبیہہ اپنے البم میں شامل کی۔ اس سے ایک طرف اس کی فن مصوری اور دوسری طرف فن موسیقی سے دلچسپی کا ثبوت فراہم ہوتا ہے۔

(۲) حسب معمول وہ عام دکنی سلاطین کی طرح ابراہیم عادل شاہ کو عادل خاں لکھتا ہے، گویا اس کے الگ وجود کو تسلیم نہیں کرتا۔

(۳) یہ تحریر تزک جہانگیری کے نسخہ دہلی میوزیم کے عین مشابہ ہے، جو جہانگیر کی طرف منسوب ہے، اس سے آخر الذکر تحریر کی صداقت ظاہر ہوتی ہے۔

(۴) اس تحریر سے واضح ہوا کہ بختر خاں کلاونت ابراہیم عادل شاہ کا داماد تھا، آخر الذکر کتاب نورس کا مؤلف ہے اور موسیقی کا عالم تھا۔

(۵) تزک میں لکھا ہے کہ بختر خاں ۱۰۲۴ھ میں اجمیر میں شرف ملاقات سے مشرف ہوا، وہ ابراہیم عادل شاہ کی کتاب نورس کے مصرعے پڑھ کر سناتے وقت جہانگیر کو سناتا تھا۔ اور بادشاہ اس سے بے حد متاثر ہوتا تھا۔ تزک کے قول کی اس تحریر سے پوری تائید ہوتی ہے۔

اس تفصیل سے ایک طرف تو یہ ظاہر ہوتا ہے کہ بسا اوقات ضمنی تحریریں کارآمد ... تاریخی اعتبار سے کتنی اہم ثابت ہوتی ہیں۔ دوسری طرف ان سے

کا حامل ہوتی ہیں۔ اس شبیہ کی عبارتوں سے فن کا انکشاف ہوتا ہے۔ فرخ بیگ کے شاہکاروں کا ایک اعلیٰ نمونہ ابراہیم عادل شاہ ثانی کی شبیہ کا حامل ہے۔ مشہور انگریز نقاد رابرٹ اسکلٹن اور ان کے پیرو مشہور چیکوسلواکی نقاد لیوبرہاجیک کا خیال ہے کہ تصویر بیجاپور دکن میں کھینچی ہوئی تھی اور جہانگیر کے مرقع گلشن میں شامل ہوئی اور اسی سے ان دونوں نقادوں نے یہ نظریہ قائم کیا کہ ابراہیم عادل شاہ کے دربار کا مصور فرخ حسین جس کا ذکر ظہوری نے سہ نثر میں کیا ہے، وہی ہے جو دربار جہانگیری میں فرخ بیگ کے نام سے مشہور ہے۔ راقم حروف نے اسلامک کلچر کے ذریعے اس نظریے کی تردید کی تھی۔ بعد میں رابرٹ اسکلٹن نے اپنے خیال کی تائید میں فرخ بیگ کی بنائی ہوئی عادل شاہ کی تصویر پیش کی، مگر اس سے بھی ان کے اقوال صحیح نہیں قرار پاتے، چنانچہ راقم نے انڈو ایرانیکا کے ایک مضمون میں ان کے نظریے کی تردید کی۔ میرے قیاس کی بنیاد خود شبیہ کی فارسی عبارتیں ہیں۔ تصویر کے اوپر یہ تحریر ہے:

"اللہ اکبر شبیہ ابراہیم عادل خان دکنی طرف دار بیجاپور کہ در علم موسیقی دکن خود را سرامد اہل ان فن میداند"

تصویر کے نیچے یہ تحریر ہے:

"عمل فرخ بیگ فی سنہ جلوس مبارک موافق ۱۰۱۹ بندہ کمترین محمد حسین زریں قلم جہانگیر شاہی تحریر نمود"

اس سلسلے میں حسب ذیل امور قابل توجہ ہیں:

(۱) مغل بادشاہوں، مورخوں، اور امیروں نے دکن کی سلطنتوں کے الگ وجود کو تسلیم نہیں کیا تھا، چنانچہ ان کی تحریروں میں دکنی سلاطین کو خان لکھتے ہیں۔ بادشاہ نہیں، اس شبیہ میں بھی ابراہیم عادل شاہ، عادل خان کے نام سے یاد ہوا ہے۔

(۲) اس کو بادشاہ بیجاپور کے بجائے اس کو طرفدار لکھا گیا ہے۔

(۳) ۱۰۱۹ میں فرخ حسین مصور آگرہ میں موجود تھا، تزک میں اس کا ذکر ہے۔

(۴) کاتب محمد حسین زریں قلم ۱۰۱۹ میں تزک کی تصریح کے مطابق آگرہ میں تھا، جو خود کو واضحاً جہانگیر شاہی لکھتا ہے۔

[illegible] رحیم [illegible] خطاط مانا جاتا ہے۔

[illegible] ہندوستان میں مولانا محمد حسین کشمیری [illegible]

عبدالرحیم ہروی کو عنبریں قلم کا خطاب ملا تھا۔ اس کی خطاطی کا ایک اہم نمونہ [illegible] مخطوطے کی شکل میں ہے جو لندن میں Dyaen Perrins کے کتب خانے میں محفوظ ہے۔

اس طرح کے ہزاروں فارسی خطاطی کے خط کے نمونے دنیا کے مختلف کتب خانوں میں محفوظ ہیں جن سے فارسی کے نفوذ کی وسعت کا اندازہ ہو سکے گا۔

میری دور دراز کی گفتگو کا ماحصل یہ ہے

(۱) فارسی نے ہندوستان پر جو گہرے نقوش چھوڑے ہیں وہ کسی اور زبان کے نہیں۔

(۲) ہندوستان کے قرون وسطیٰ سے آج تک کی تمدنی و تہذیبی زندگی کے سلسلے میں اس زبان سے کماحقہٗ واقفیت کے بغیر کوئی معقول اقدام نہیں ہو سکتا اور جو اقدام اس کے بغیر ہوا ہے، یا آئندہ ہوگا، وہ ناقص ہوگا اور ناقابلِ اعتبار۔

(۳) ہندوستان کی زبانوں کی تحقیق کے مسائل سے عہدہ برآ ہونے کی ایک اہم شرط فارسی زبان سے واقفیت ہے۔

(۴) اس زبان سے تعلق رکھنے والوں کی جتنی ذمہ داریاں ہیں وہ کسی اور زبان والوں کی نہیں۔ عموماً ہمارے یہاں کے فارسی کے نصاب میں ادب کا حصہ زیادہ ہوتا ہے اس لیے ہمارے یہاں کا فارسی طالب علم شعر و شاعری کے کچھ مسائل سے واقف ہوتا ہے، عمیق مسائل سے عمومی طور پر واقفیت نہیں ہوتی، لیکن یہ محض زندگی کا ایک رخ ہے۔ فارسی والوں کو تاریخ، تمدن، معاشرت، فنون لطیفہ، ہندوستانی زبانوں وغیرہ کے مسائل سے واقف ہونا چاہیے اس لیے کہ ان مسائل کے مطالعے میں فارسی کو بے حد دخل ہے، لیکن بحالت موجودہ ہم ان کو حل کرنے سے قاصر ہیں۔ بلکہ افسوس اس کا ہے کہ ہم ان امور کو اپنے فرائض میں داخل نہیں سمجھتے۔ [illegible] ایک دوست نے ایک ایسے فارسی کے استاد پر سخت اعتراض کیا

فن خطاطی کی ترقی ایرانی خطاطی کے ذیل میں ہوئی، ایران کی طرح خطِ نستعلیق ہندوستان میں بہت زیادہ مقبول ہوا بقول ابوالفضل اکبر کو اس خط سے خاص لگاؤ تھا، اس کے نتیجے میں خطِ نستعلیق نے اس کے دور میں خصوصیت سے ترقی کی؛ دربارِ اکبری کا ایک ممتاز خطاط محمد حسین کشمیری ہے، جو زرّیں قلم کے خطاب سے نوازا گیا، اس کے معاصر تھا۔ ابوالفضل نے مولانا باقر، محمد امین مشہدی، میر حسین کلنکی، مولانا عبدالحی، مولانا داوری، مولانا عبدالرحیم، میر عبداللہ منظامی قزوینی، علی چین کشمیری، نوراللہ قاسم ارسلان کا ذکر کیا ہے، جہانگیر کے دور میں نستعلیق کی ترقی ہوتی گئی، اور اکبری دور کے بعض خطاط اس زمانے میں بھی اس فن کی خدمت کرتے رہے۔ ان میں محمد حسین کشمیری اور عبدالرحیم خصوصیت سے قابل ذکر ہیں۔ اِن دونوں خطاطوں کی خطاطی کے متعدد نمونے جہانگیر کے مرقع گلشن میں شامل ہیں۔ علاوہ بریں محمد حسین کشمیری کے بعض مخطوطے محفوظ ہیں، مثلاً:

(۱) بہارستان جامی کا ایک نسخہ باڈلین کتابخانے میں محفوظ ہیں جس کی کتابت ۹۸۳ میں ہوئی۔ یہ مصور نسخہ ہے جس کی تصویر کشی میں اکبری عہد کے ۱۶ مصوروں نے حصہ لیا تھا۔

(۲) کتابخانہ خدابخش خاں، بانکی پور، پٹنہ میں ایک بیاض کا نسخہ ہے جو محمد حسین کشمیری زرّیں قلم کی یادگار ہے، اس میں کل ۸۲ اوراق ہیں، تاریخ کتابت ۱۰۰۰ھ ہے اور اکبری عہد کے دو مصوروں یعنی فرخ اور شنکر کی تصویریں بھی شامل ہیں۔

(۳) کتابخانۂ خدابخش میں دیوان حسن کا نسخہ محمد حسین کی خطاطی کا نمونہ ہے۔ اس کی کتابت ۱۰۰۱ ہجری میں ہوئی، یہ اکبر کے ایک جنرل شیخ فرید بخاری کے کتابخانے کے لئے تیار ہوا تھا۔

(۴) باڈلین کتابخانے میں بہاءالدین عاملی کے نان و حلوا کا ایک نسخہ زریں قلم کی یادگار ہے۔ اس کے علاوہ اس کے خط کے اور نمونے ادھر ادھر ملتے ہیں۔

"میں بیاض کی [illegible] بخط مبارک [illegible] حضرت (فردوس مکانی)
بادشاه [illegible] است۔ حضرت شاه جہاں بن جہانگیر
بادشاه بن اکبر بادشاه بن ہمایون بادشاه بن بابر بادشاه"
ڈاکٹر عابد رضا بیدار، ڈائرکٹر کتابخانہ خدا بخش خان، پٹنہ کے توسط سے بالا [illegible]
کا عکس "ندیم [illegible]" میں شائع ہو چکا ہے۔

بابر کے بیٹے ہمایون کو علم سے شوق تھا۔ وہ صاحب دیوان شاعر بھی تھا۔ یہ بڑے افتخار کی بات ہے کہ اس دیوان کا واحد نسخہ آپ ہی کے صوبۂ بہار میں موجود تھا۔ جس کو ڈاکٹر ہادی حسن صاحب نے شائع کیا۔ ہمایون کے خط کے دو نمونے موجود ہیں؛ پہلا کتبہ خراسان میں جام نامی قصبہ میں حضرت جام ژندہ پیل کے مزار میں ہے۔ جو ذیل میں درج کیا جاتا ہے:

ای رحمت تو عذر پذیر همه کس ظاهر بجناب تو ضمیر همه کس
درگاه ودر تو قبله گاه همه خلق لطفت بکرشمه دستگیر همه کس

سرگشتهٔ بادیهٔ بی سرانجامی
محمد همایون ۶ اشوال سنه ۹۵۱

اس کتبہ کی قدیم ترین شہادت مآثر رحیمی کی حسب ذیل عبارت سے فراہم ہوتی ہے۔
"در پنجم ذی الحجه همین سال (۹۵۰ھ) زیارت مرقد منور حضرت شیخ احمد جام نمودند و بیتی مناسب حال بر سنگ مزار کثیر الانوار آن عارف آگاه

یہ رباعی خود ہمایون کی تصنیف معلوم ہوتی ہے۔ اس کے عین مطابق حسب ذیل رباعی ہے جو ڈاکٹر ہادی حسن (Unique Diwan، ص ۲۷) عمر خیام کی ہے یا ابو سعید کی:

ای واقف اسرار ضمیر همه کس در حالت عجز دستگیر همه کس
یارب تو مرا توبه ده و عذر پذیر ای توبه ده و عذر پذیر همه کس

• ابو الفضل نے بھی ذی الحجہ ۹۵۰ لکھی (بیورتج، اکبرنامہ ۱: ۴۳۴)
• [illegible] ہمایون کی [illegible] بیگم حمیدہ بانو کے اجداد میں تھے دیکھ: آئین اکبری ج ۱ ص ۱۲۱
[illegible] حاشیہ ۲، نیز اکبرنامہ ج ۱ ص ۴۲ (ترجمہ انگلیسی)

[illegible] کی روایت بہت قدیم ہے۔ [illegible] کے ساتھ ہی [illegible]
[illegible] کتابخانوں کا چلن ہوا، عموماً مسلمانوں کے دور میں کتابخانہ حکومت [illegible]
نشانی سمجھا جاتا تھا، شاہی کتابخانوں کے ساتھ شخصی کتابخانے قائم کرنے کا عام طریقہ
رائج تھا۔ لیکن مغلیہ دورِ حکومت سے قبل کسی بڑے کتابخانے کا نشان باقی نہیں اور
نہ کسی بادشاہ، امیر، عالم یا دانشمند کی کوئی تحریر مکشوف ہوئی ہے۔ یہ صورت حال
بہت عجیب و غریب ہے جس کی توجیہہ نہیں ہو سکتی۔ صدہا علمی شخصیات گذری ہیں،
جنہوں نے ہزاروں کتابیں اور رسالے لکھے ہوں گے، لیکن ان میں کسی کی اپنی کتابت
کی ہوئی کوئی چیز نہیں ملتی۔ سلطان التمش کے بیٹے سلطان ناصر الدین محمود (م: ۶۶۴ھ)
کے متعلق یہ روایت مشہور ہے کہ وہ سرکاری خزانہ سے کچھ نہیں لیتا، گذر اوقات
طریقہ کتابت پر تھا۔ اِس سے قیاس ہوتا ہے کہ اس کے ہاتھ کی متعدد کتابیں ہوں گی
لیکن اب اس کا دستخط تک نہیں ملتا، پوری تحریر کا کیا ذکر؛ خلاصۂ کلام یہ کہ مغلیہ عہد
کے قبل کی کسی نامور شخصیت کی کوئی تحریر تک مکشوف نہیں ہو سکی ہے۔

مغلیہ عہد میں حسب معمول کتابوں کے جمع کرنے کا شوق بادشاہوں، امیروں،
شاہزادوں، دانشمندوں وغیرہ میں پایا جاتا تھا اور قابلِ اطمینان بات یہ ہے کہ
اس دور کی متعدد یادگاریں، قلمی کتابوں کی شکل میں آج تک باقی ہیں۔ بابر ایک
زبردست فاضل گذرا ہے، اس کی توزک بابری اس کے علم و فضل پر شاہد عادل ہے۔ فنِ خط
سے اس کی دلچسپی تھی۔ چنانچہ وہ ایک خط کا موجد کہا جاتا ہے، جو خطِ بابری کے نام سے
مشہور ہے۔ اِس خط کے نمونے بعض کتابخانوں میں موجود ہیں۔ راقم نے مشہد میں نادرشاہ
کے عجائب خانے میں خطِ بابری کا نمونہ حال ہی میں دیکھا ہے۔ رضا لائبریری رامپور
میں دیوان بابر کا ایک نسخہ ہے۔ اس کے ساتھ ہی بابر کا ترجمہ کیا ہوا رسالہ والدیہ
بنام رسالہ والدیہ ترجمہ شامل ہے، اس میں بابر کے ہاتھ کی اصلاح و تصحیح ہے
اور آخر میں بابر ہی کے خط میں ایک رباعی ہے۔ اس خط کی شہادت شاہجہان
نے اِن الفاظ میں پیش کی تھی۔

و دارالسلطنت کی حیثیت سے ... ہو چکا تھا۔

ہمایوں لکھتا ہے:

"در اول صحت کہ بیک" ...... دیوان حافظ این شاہ بیت آمد

چنین بود ابیات مناسب آمد کہ اگر شرح آن خود کتابی شود، ان شاء

اللہ تعالیٰ بعد از فتح ولایات شرقی و ما بین ان ابیات بار دیگر گذارش شود

نہ از خوبی بخواجہ لسان الغیب فرستادہ شود و جمع آن تفاؤلات نیز

رقم کردہ شود بمنہ و توفیقہ شب دوشنبہ بیست و چہارم ذی الحجہ سنہ ۹۶۲

در شہر دین پناہ تحریر یافت"[2]

اس اہم تحریر سے ہمایوں کے دیوان حافظ سے گہری شیفتگی کا پتہ چلتا ہے۔ معلوم نہیں کہ اس کو خواجہ حافظ کے لئے نذر بھیجنے اور اپنے فال دیکھنے کے واقعات کے جمع کرنے کا موقع ملا یا نہیں، بہر حال اس اہم معاملے کے بارے میں کوئی واقفیت نہیں۔

اکبر اعظم، اگرچہ زیادہ پڑھا لکھا نہیں تھا۔ لیکن علم کا شوق رکھتا۔ اس کا کتابخانہ نفیس کتابوں کا زبردست ذخیرہ تھا، وہ ان کتابوں سے براہ راست استفادہ تو نہیں کر سکتا تھا لیکن لوگ مقرر تھے، جو اس کو ہر روز کتابیں پڑھ کر سنا تے تھے۔ اس سلسلے میں ابو الفضل نے آئین اکبری میں بڑی دلچسپ معلومات فراہم کی ہیں۔ آئین خط کے ذیل میں ابو الفضل لکھتا ہے:

"بادشاہ کا کتابخانہ کئی حصوں میں منقسم ہے۔ کچھ کتابیں حرم میں اور کچھ حرم سے باہر رہتی ہیں۔ کتابخانوں کے مختلف حصے تھے جو کتابوں کی ذاتی قیمت اور اس علم کے درجے کے لحاظ سے جس میں وہ کتاب ہوتی بٹتے مقرر

---

1 فتح دہلی کا واقعہ ۴ رمضان ۹۶۱ ہجری کو ہوا، گویا اس کے سوا سال بعد یہ تحریر لکھی گئی۔

2 ... ہمایوں ... ۹ ... سے معلوم ہوا کہ اس شہر کی تعمیر ہمایوں کے واسطے سے ۹۴۰ میں ہوئی۔ ... [illegible] ... معلوم ہے۔

۵ بخط شریف نوشته اند، اگرچہ آن بیت مستغاط راقم این نسخه شریف چون آن مشرف شدہ نماندہ است فاما نام نامی خود را کہ نوشته اند و دیباچه است ہمین عبارت است کہ سرگشته وادی بے سرانجام محمد ہمایون ، و نواب خان خانان بیرام خان نیز بیتی مناسب دیوانی قلمی نمودہ اند و راقم در سنه الف و عشرین آن ارقام سعادت انجام را دیباچه ہمایون دستور باقی است ...... و در محرم نہصد و پنجاہ و یک بزیارت روضه رضویه فائز گشته ۔

یہ عبارات مآثر رحیمی (جلد اول ص ۵۸۸) میں ہے، پھر جلد ۲ ص ۱۸ پر یہی قول دہرایا ہے۔ لیکن چونکہ عبدالباقی مؤلف مآثر رحیمی نے اپنے حافظ پر بھروسا کیا تھا، اس بنا پر اس سے کچھ سہو واقع ہو گیا۔ مثلاً ہمایوں کی مقبرہ احمد جام کی زیارت کی تاریخ ۵ ذی الحجہ ۹۵ لکھی، حالانکہ خود اصل کتبہ میں تاریخ ۱۴ شوال ۹۵۱ ہجری موجود ہے۔
عبدالباقی نے ایک بیت لکھے جانے کا ذکر کیا ہے، حالانکہ ہمایون نے ایک باعی درج کی ہے۔
عبدالباقی کے بقول ہمایون نے اپنے متعلق جو کلمات لکھے وہ یہ تھے، "سرگشتہ ی بی سرانجام" جو اصل سے خاصہ مختلف ہیں۔
بہر حال ہمایون کا کتبہ محفوظ ہے، لیکن خان خانان کے کتبے کا پتہ نہیں۔
ہمایون کی دو اور تحریریں دیوان حافظ کے اس اہم مخطوطے میں شامل ہیں جو کتابخانہ ، پور میں محفوظ ہے اور جس پر جہانگیر نے آٹھ یادداشتیں اپنے فال نکالنے کے سلسلے کی ج کی ہیں؛ یہ ہمایون کے ذاتی کتابخانے کا نسخہ تھا، جو بعد میں جہانگیر کو ورثہ میں ملا

---

۵ یہ رباعی درج کی تھی :

ای واقف اسرار نہان ہمہ کس | وی کاشف حال رالز دلان ہمہ کس
ای ذکر تو بر بسم زبان ہمہ کس | وی نام خوش تو حرز جان ہمہ کس

ہے۔ [illegible]

[illegible] نقیب خان کی کوشش [illegible] ہے [illegible]

[illegible] مہابھارت [illegible]

ہو سکا ہے [illegible] رامائن [illegible] کے ترجمے [illegible]

ہوا۔ ملا عبدالقادر بدایونی نے [illegible] چار برس [illegible]

کیا ہے اس کا ترجمہ کشمیری [illegible] کیا۔ نجم البلدان کا ترجمہ

کے [illegible] ملا احمد ٹھٹھوی [illegible] تمام [illegible]

کی کوشش سے [illegible] میں منتقل ہوا۔ ہری ونش [illegible] کے ساتھ [illegible]

پہلے اس کا ترجمہ [illegible] کے واسطے ہوا۔ کلیلہ و دمنہ کو ابوالفضل نے

نے انوار سہیلی [illegible] سے مرتب کیا۔ [illegible]

داستان کو فیضی نے نل دمن کے نام سے لیلیٰ مجنوں کی بحر میں نظم کیا۔

جب شہنشاہ اکبر کو تاریخی [illegible] ہوئے تو [illegible]

ہزار سال کے واقعات پر مشتمل ایک تاریخ مرتب کرنے کا حکم دیا۔ نقیب خان

اور [illegible] نے یہ کام شروع کیا۔ ایک بڑا حصہ ملا احمد ٹھٹھوی نے

انجام دیا۔ بالآخر جعفر بیگ آصف خان کے ہاتھوں یہ کام [illegible]

کے نام سے معروف ہے، انجام پایا۔

اس تفصیل سے شہنشاہ اکبر کے ذوق علمی کا پتہ چلتا ہے۔ اس بادشاہ کے عہد میں جتنا [illegible] علمی کام ہوا اتنا کسی اور عہد میں نہیں ہوا۔ علم و ادب کی [illegible] میں اس عہد میں اتنی ترقی ہوئی کہ اس کو بجا طور پر [illegible] کا سنہرا زمانہ کہا جا سکتا ہے [illegible] اہتمام [illegible] لیکن [illegible] کتابیں جو [illegible] ہو گئیں [illegible] یا کسی [illegible]

[illegible] ہو سکا ہے۔

ہر حصے میں نثر، کتب نظم، کتب ہندی، فارسی، کتب یونانی،
کشمیری، کتب عربی کتب علوم کے لحاظ سے جدا جدا تقسیم تھے۔ ان کی ترتیب
اور ان کی نگہداشت بھی ہوتی تھی۔ ہر روز ہوشیار و تجربہ کار لوگ ان کتابوں
کو بادشاہ کے حضور میں لاتے اور پڑھتے۔ بادشاہ ہر کتاب کو شروع سے
آخر تک سنتا۔ قاری جس صفحہ تک پہنچتا، بادشاہ وہاں اپنے قلم سے
ایک نشان لگاتا اور ہر قاری کو سونے یا چاندی میں پڑھے ہوئے اوراق
کے حساب سے انعام دیتا۔ اہم کتابوں میں کم کتابیں ہوں گی جو بادشاہ کے
حضور میں نہ پڑھی گئی ہوں۔ جس کا نتیجہ یہ ہے کہ ماضی کا کوئی اہم تاریخی واقعہ
یا سائنس کے عجائبات میں کوئی عجوبہ یا فلسفہ کے نکات میں سے کوئی نکتہ
ایسا نہیں جس سے بادشاہ واقفیت نہ رکھتا ہو۔ وہ کتابوں کے بار بار
سننے سے نہیں گھبراتا، بلکہ دوبارہ اس کی توجہ اور زیادہ ہو جاتی ہے۔
اخلاق ناصری، کیمیائے سعادت، قابوس نامہ، تالیفات شرف الدین
منیری، جام جم، بوستان، شاہنامہ، مثنویات شیخ نظامی، کلیات خسرو و جامی،
دیوان خاقانی، دیوان انوری، کے علاوہ متعدد کتب تاریخ اس کے حضور میں
برابر پڑھی جاتی ہیں۔ متعدد زبان شناس ہندی (سنسکرت) یونانی، عربی اور
فارسی کی کتابیں دوسری زبانوں میں ترجمہ کرنے میں برابر مشغول رہتے ہیں۔
زیج جدید مرزائی کا ترجمہ امیر فتح اللہ شیرازی کی نگرانی میں ہوا۔ کشن جوشی،
گنگادھر، مہیش، مہانند، ابوالفضل کی توجہ سے فارسی میں منتقل ہو گئی۔ اسی
سلسلے میں مہابھارت نے نقیب خان، عبدالقادر بدایونی، شیخ سلطان
تھانیسری کی توجہ سے فارسی کا جامہ پہنا۔ اس میں ایک لاکھ اشعار
ہیں اور حضور شہنشاہ اس کو "رزم نامہ" کہتے ہیں۔ انہیں حضرات
کی کوششوں سے رامائن بھی فارسی میں منتقل ہوئی۔ یہ کتاب
رام چندر کی زندگی کے علاوہ فلسفہ کے دلچسپ نکات سے معمور

دیوان حافظ سے برابر فال نکالی۔ چنانچہ آخر عمر کی فال کی تفصیل نسخے کے حاشیے پر درج کی ہے؛ اگر ہمایوں بھی اپنے تمام تفاؤلات نسخے کے اندر درج کر دیتا تو ہم ایک اہم میراث سے محروم نہ رہتے۔

جہانگیر کی سب سے قدیم فال وہ ہے، جو اس نے اکبر کے پاس آگرہ جاتے وقت ۱۰۱۳ھ میں دیکھی؛ اس کی تفصیل غزل بمطلع ذیل کے سامنے حاشیے میں اس طرح درج ہے:

چرا نہ در پی عزم دیار خود باشم
چرا نہ خاک کف پای یار خود باشم

"روزی کہ از الہ آباد بقصد ملازمت حضرت والد بزرگوار خواہشمند آگرہ بودم، در اثنای راہ بخاطر رسید کہ تفاؤل بدیوان حافظ باید نمود، این غزل برآمد، ہم سعادت خدمت و رضاجوئی و حاضر بودن در واقعۂ ناگزیر دست داد و ہم دولت ہر روزی روزی گشت کہ بعینہ مضمون این غزل بود، در عید الثانی گشودہ شد۔ راقمہ نور الدین جہانگیر ابن اکبر بادشاہ غازی"

اکبر، جہانگیر سے ناخوش تھا، اس وقت جب جہانگیر خدمت میں حاضر ہوا، تو بادشاہ کی رضا جوئی حاصل ہو گئی۔ جہانگیر کی موجودگی ہی میں تھوڑے ہی دنوں میں بادشاہ کا انتقال ہو گیا اور جہانگیر کو حکومت مل گئی۔ ان تمام باتوں کی طرف غزل میں اشارہ پایا جاتا ہے، جو ناظرین کی تفنن طبع کے لیے نقل کی جاتی ہے:

چرا نہ در پی عزم دیار خود باشم — چرا نہ خاک کف پای یار خود باشم
غم غریبی و غربت چو بر نمی‌تابم — بشہر خود روم و شہریار خود باشم
ز محرمان سراپردۂ وصال شوم — ز بندگان خداوندگار خود باشم
چو کار عمر نہ پیداست باری آن اولیٰ — کہ روز واقعہ پیش نگار خود باشم
ز دست بخت گران خواب و کار بی‌سامان — گرم بود گلہ‌ای رازدار خود باشم
ہمیشہ پیشۂ من عاشقی و رندی بود — دگر بکوشم و مشغول کار خود باشم

خط شناسی اور کتابت دوستی کے لحاظ سے نورالدین جہانگیر نہ صرف تمام مغل شاہوں میں سب سے ممتاز ہے، بلکہ دنیا کے کم بادشاہ ہوں گے جنہوں نے مخطوطات کا ایسا گہرا مطالعہ کیا ہو۔ آج بھی دنیا کے مختلف کتاب خانوں میں ایسے متعدد نسخے مل جاتے ہیں جو جہانگیر کی یادداشت سے مزین ہیں۔ وہ نسخے اس بادشاہ کے کتاب خانے کے ہیں اور وہ اس کے مطالعے میں رہ چکے ہیں۔ اس سلسلے کے کچھ مخطوطات سے متعلق ضروری گزارش ذیل میں پیش کی جاتی ہے:

۱- توزک جہانگیری بخط جہانگیر: یہ نفیس تاریخی مخطوطہ نیشنل میوزیم دہلی میں محفوظ ہے۔ اس میں ۲۷۳ ورق ہیں، سائز ۱۵×۲۸ سنٹی میٹر، حوض ۷×۱۴ سنٹی میٹر ہے۔ صفحے میں سطور کی تعداد مختلف ہے۔ ۱۲ سے ۱۷ سطریں ہیں۔ یہ مخطوطہ شاہی نسخے کے سارے خصوصیات کا حامل ہے۔ مطلا و مذہب ہے۔ حاشیہ مصور ہے۔ حاشیے کی تذہیب و مصوری جہانگیر کے البم مرقع گلشن کے مشابہ ہے۔ اور اگرچہ اس میں جہانگیر کا نام درج نہیں لیکن اس بادشاہ کے خط کے متعلق کسی قسم کا شبہ نہیں۔ جہانگیر کے خط کی خصوصیت حرفوں پر نقطوں کا عدم استعمال ہے؛ نسخۂ زیر نظر اس خصوصیت کا پوری طرح حامل ہے۔

جہانگیر کی وہ تحریر جو، ابراہیم عادل شاہ کے ایلچی بختر خاں کی نمیہ پر ۱۰۲۴ھ کی ملتی ہے، وہ توزک کی تحریر سے ہر جزئی باب میں کامل توافق رکھتی ہے۔ اس میں بھی نقطوں کا عدم استعمال نمایاں حیثیت رکھتا ہے۔ مختصر یہ نسخہ جہانگیر کے شخصی کتاب خانے کا اہم نسخہ ہے۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ یہ نسخہ کئی سال کی کوشش میں مرتب ہوا ہوگا، البتہ یہ قیاس مشکل سے تسلیم ہو سکتا ہے کہ یہی اصل نسخہ تھا جس کو جہانگیر نے اپنی متواتر یادداشتوں سے مرتب کیا ہے۔ بہرحال اس کی اہمیت اور افادیت مسلم ہے۔

۲- دیوان حافظ: دیوان حافظ کا یہ نسخہ بانکی پور دہلی ہے جس کا ذکر ہمایوں کے ضمن میں آچکا ہے، یہ خاندانی نسخہ دو جگہ ہمایوں کی تحریر اور آٹھ جگہ جہانگیر کی یادداشت سے مزین ہے۔ ہمایوں کی طرح جہانگیر نے بھی

لکھتے ہیں یہ نسخہ [illegible] ہے۔ ترقیمہ یہ ہے :

فی شہر محرم الحرام المنتظم فی سنۃ خمس و ماتین [illegible]

ماتین من الہجرۃ النبویۃ

بحمد اللہ کہ این فرخندہ نامہ ز نوک خامۂ من یافت تسوید

بجستم سال اتمامش خرد گفت کتابت ہای ما تاریخ گردید

...... : علی ید العبد المذنب الراجی رحمۃ ربہ الواہب

الٰہی الکاتب اغفر ذنوبہ واستر عیوبہ فی بلدۃ ہراۃ۔

اس نسخے پر جہانگیر کی یادداشت ملاحظہ ہو :

اللہ اکبر

خاصۂ دوم ۵ پنجم آذر سنہ ۱ داخل کتابخانۂ این نیازمند درگاہ الٰہی،

در دار الخلافہ آگرہ۔ حررہ نور الدین جہانگیر سنہ ۱۰۱۴ بن اکبر بادشاہ

اس کے سرورق پر مغل دور کے متعدد امرا کی یادداشتیں ہیں جن میں سے [illegible]،

محمد ہاشم، منعم بیگ، مراد بیگ، اعظم بیگ اور حسام الدین قابلِ ذکر ہیں۔

۴ ۔ سلطان حسین غازی متخلص حسینی کے ترکی دیوان کا پہلا ورق یونیورسٹی کے

کتابخانے میں محفوظ ہے۔ اس پر جہانگیر کی یہ یادداشت ثبت ہے :

اللہ اکبر

خاصۂ اول ۵ ۔ پنجم آذر سنہ ۱ داخل کتابخانۂ این نیازمند درگاہ الٰہی

شد، حررہ نور الدین جہانگیر ۱۰۱۴ بن اکبر بادشاہ۔

جہانگیر کی اپنی یادداشت سے واضح ہوتا ہے کہ مخطوطے کو کتابخانے میں شامل کرنے سے قبل وہ خود اس کی حیثیت کا تعین کرتا اور اسی کے مطابق وہ مخطوطہ کتابخانے میں اپنی جگہ پر محفوظ ہوتا۔ بظاہر خاصہ کے کئی درجے تھے۔ درجہ اول میں تو دیوان سلطان حسین [illegible] کا نسخہ تھا اور خاصۂ دوم میں بیاض [illegible]، دیوان سلطان حسین [illegible] کی مہر [illegible] کے دستخط سے مزین ہے

بود کہ لطف ازل رہنمون شود حافظ
وگرنہ تا با بد شرمسار خود باشم

جس صفحہ پر جہانگیر نے اپنی فال سے متعلق یادداشت قلمبند کی ہے، اسی صفحہ پر اس یادداشت کے نیچے جہانگیر نے ایک دلچسپ فال کے بارے میں حسب ذیل اطلاع بہم پہنچائی ہے۔

”ما جہانگیر بہ سرپانا رفتہ بودم در شکار تعویذ الماس تراشیدہ از سر من افتاد۔ شگون این را خوب ندانستہ تفاعل بہ دیوان خواجہ نمودم این غزل بر آمد:

(ستارہ ای بدرخشید و ماہ مجلس شد دل رمیدۂ ما را رفیق و مونس شد)

و روز دیگر تعویذ پیدا شد۔ حررہ نورالدین جہانگیر ابن اکبر بادشاہ

غازی فی محرم سنہ ۱۰۲۳ھ“

جہانگیر کے پوتے شاہزادہ دارا شکوہ نے سفینۃ الاولیا صفحہ ۲۱۶ پر جہانگیر کی اس فال کا ذکر کیا ہے اور ”باشم“ والی پوری غزل درج کی ہے۔ وہ مزید لکھتا ہے کہ دیوان حافظ کے حاشیہ پر اس نے جہانگیر کے خط میں یہ عبارت دیکھی ہے۔ اس سے ظاہر ہے کہ بانکی پور کا زیر نظر نسخہ وہی ہے جس کا حوالہ دارا شکوہ نے دیا ہے۔

اسی طرح کی چھ اور یادداشتیں جہانگیر کے قلم کی ہیں، ان سے عہد جہانگیر کے اہم سیاسی و تاریخی واقعات پر روشنی پڑتی ہے؛ اس نسخے کی اہمیت کی بنا پر اس کو عکسی طور پر چھاپ کر عام کر دینا چاہیے۔ دنیا بھر میں حافظ کا کوئی نسخہ اتنی اہمیت کا حامل نہیں ہے۔

۳ - جہانگیر کے جلوس اول کی ۵ دی آذر کو جو کتابیں شاہی کتابخانے میں داخل ہوئیں ان میں سے ایک فارسی بیاض اور سلطان حسین غازی کا ترکی دیوان کہ علی الترتیب [illegible] کے کتابخانے میں موجود ہیں؛ فارسی بیاض جو عراقی کی تین ترجیع اور اوحدی، خواجوی کرمانی اور امیر خسرو کی ایک ایک ترجیع پر مشتمل ہے مشہور خطاط اظہر کی نستعلیق خط میں لکھی ہوئی ہے۔ اظہر سلطان حسین مشہدی کا استاد تھا اور تیموری سلاطین و شاہزادگان کی خدمت میں رہ چکا تھا، ۸۸۰ ہجری کے کچھ بعد وہ فوت ہوا۔ اس کے خط کا ایک نمونہ [illegible]

۴۔ جو بعد میں شاہجہاں کے ہاتھ سے ہندوستان کا بادشاہ [illegible] اس کی بابر [illegible] تحریر ہے جو
دستیاب ہوئی ہے۔ اس سے اور اس طرح کے دوسرے مخطوطات سے اس کی کتاب دوستی
ظاہر ہوتی ہے۔

بعض مخطوطات ایسے دستیاب ہوئے ہیں، جو اولاً جہانگیر کے کتابخانے میں تھے اور
بعد میں شاہجہاں اور دوسروں کی تحریروں سے مزین ہیں، مثلاً:

(۷) صد پند لقمان، بخط میر علی کا ایک نسخہ رام پور (شمارہ ۷۵۶) کی
رضا لائبریری میں موجود ہے، اس کی کتابت ۹۴۱ میں ہوئی۔ یہ نسخہ ۱۵ ویں سال جلوس میں
جہانگیر کے کتابخانے میں داخل ہوا:

بتاریخ سوم محرم سنہ ۱۵ داخل کتابخانہ این نیازمند درگاہ الٰہی شد
حررہ جہانگیر ابن اکبر۔

سال بعد یہ شاہجہاں کے کتابخانے میں آیا، چنانچہ شاہجہاں لکھتا ہے:

”این پند نامہ لقمان حکیم وغیرہ کہ بخط خوب امیر علی است۔ بتاریخ بیست
و پنجم ماہ آبان الٰہی سنہ ۳ جلوس مطابق سلخ شہر ربیع الاول سنہ ۱۰۳۹ ہجری
در دار الخلافہ اکبر آباد داخل کتابخانہ این نیازمند درگاہ شد۔
حررہ شہاب الدین محمد شاہجہاں بادشاہ ابن جہانگیر ابن اکبر
بادشاہ غازی۔ قیمت ہزار روپیہ“

دوسرے سال بادشاہ نے اسے جہاں آرا بیگم کو ہدیہ کر دیا۔

این پندنامہ را در ذی الحجہ ۱۰۴۰ ہجری موافق سنہ ۴ جلوس مبارک
بفرزند ارجمند سعادت مند برخوردار کامگار بجان برابر بلکہ از جان بہتر
جہاں آرا بیگم [ہدیہ نمودم]

یہ شاہکار قلمی نسخہ ہے۔ اس پر جہاں آرا کی بھی حسب ذیل یاد داشت ثبت ہے:

این چند سخن کہ خواجہ عبداللہ انصاری شیخ الاسلام وقت خود گفتہ
است اگر ہزار زبان [illegible]

(۵) تفتازانی کی شرح مطول کا ایک نسخہ جہانگیر کے کتابخانہ میں ۱۰۲۳ ہجری میں داخل ہوا جیسا کہ جہانگیر کی یادداشت سے ظاہر ہوتا ہے:

اللہ اکبر

مطول در علم فصاحت و بلاغت بخط سید المحققین و سند المدققین میر سید شریف جرجانی .... بعد ملاحظہ داخل کتابخانۂ این نیازمند درگاہ الٰہی شد، سنہ ۱۰ جلوس مطابق ۱۰۲۳ ہجری حررہ نورالدین جہانگیر بن اکبر بادشاہ غازی۔

یہ نسخہ مسلم یونیورسٹی کتابخانہ کے ذخیرہ حبیب گنج میں محفوظ ہے۔ اور عنایت خاں شاہجہانی محمد حسین شاہجہانی، عبداللہ خان خازن شاہ عالمگیر کی مہر، عبداللہ چلپی کے عرض دیدہ اور منعم بیگ قلیچ خاں اور خواجہ انور کی یادداشتوں سے مزین ہے۔ سہیل کے خط میں یہ تحریر بھی اس میں موجود ہے: بتاریخ ۵ شہر ذی الحجہ سنہ ۱۶ جلوس مبارک ہمایون اشرف اقدس تحویل درگاہ سہیل شد۔

ترقیمہ یہ ہے:

تمت الکتاب بعون ملک الوہاب علی ید العبد الضعیف سید شریف یوم الجمعہ الرابع من شہر رمضان سنہ تسع و ثلاثین وثمانمائۃ فی بلدۃ ... الخ

اس نسخہ کا کاتب سید شریف جہانگیر کی تحریر میں سید شریف جرجانی شارح مطول قرار دیا گیا ہے، لیکن اس سلسلے میں ایک دشواری ہے کہ سید شریف جرجانی کی وفات ۸۱۶ میں ہوئی جب کہ نسخہ کی کتابت ۸۳۹ کی ہے، اسی بناء پر مولانا حبیب الرحمٰن شروانی نے مقالاتِ شروانی اور پروفیسر مختار الدین احمد نے مجلۂ علوم اسلامیہ ج ۸ میں کاتب نسخہ کو شریف جرجانی سے الگ شخصیت قرار دیا ہے۔

(۶) کتابخانۂ بانکی پور کی بیاض شمارہ ۱۰۹۱ جہانگیر کے کتبخانے میں پنجم آذر سنہ ۱۰۱۴ میں داخل ہوئی، اس پر شاہزادہ خرم کی یادداشت ہے:

پنجم آذر سنہ ۱۰۱۴ داخل کتابخانۂ اعلیٰ حضرت ظل اللہ نورالدین جہانگیر بادشاہ بن اکبر بادشاہ شد۔ حررہ بندہ خرم بن جہانگیر بادشاہ

اس پر حسب ذیل عبارتیں [illegible] کی تحریر ہیں:

"بتاریخ بست و نہم ماہ بہمن الٰہی سنہ ۴۴ [illegible]

داخل کتابخانہ اعتبار [illegible] شد"

"[illegible] بتاریخ ہفتم و بماہ الٰہی سنہ ۴ بعرض دیدہ شد"

"[illegible] اکبر بتاریخ [illegible] سنہ [illegible] بعرض دیدہ شد"

(۹) دیوان کامران کا یہ نسخہ بانکی پور میں ہے۔ یہ مشہور کاتب محمود بن اسحاق الشہابی الہروی کے قلم کی یادگار ہے۔ یہ نسخہ بظاہر اکبر، جہانگیر، شاہجہاں اور اورنگ زیب کے کتب خانوں میں رہ چکا ہے۔ اکبر کے کتب خانے کی مقبولیت کا ثبوت حسب ذیل یادداشت ہے: "تحویل جناب [illegible] از بابت تحویل میر [illegible] ۲۴ شہر ذی الحجہ سنہ ۹۹۹"۔ جہانگیر نے یہ عبارت ثبت کی ہے:

"دیوان میرزا کامران [illegible] بخط محمود اسحاق شہابی [illegible] نور الدین محمد جہانگیر [illegible] اکبر سنہ ۲۰ جلوس مطابق سنہ [illegible]"

شاہجہاں کی یادداشت ملاحظہ ہو:

"الحمد للہ الذی انزل علیٰ عبدہ الکتاب۔ حررہ

شاہجہاں ابن جہانگیر شاہ ابن اکبر شاہ"

ممکن ہے چند دنوں تک [illegible] بیگم کی ملک میں رہا ہو:

"[illegible] قیمت احوال [illegible] بیگم"

ذیل میں شاہجہاں کے کتب خانے کے بعض اور نسخوں کا ذکر کیا جاتا ہے۔ ان پر شاہجہاں کے دستخط موجود ہیں۔

(۱) شرح رسالہ السعدی کا ایک نسخہ بانکی پور، شمارہ ۲۰ [illegible] میں ہے۔ کاتب میر علی الکاتب بتایا گیا ہے۔ سال کتابت [illegible] ہے، مگر اس کی یہ نسبت غلط ہے۔ اس کا اصل کاتب [illegible] ہے، جیسا کہ شاہجہاں کی [illegible] تحریر سے واضح ہے:

"الحمد للہ الذی انزل علیٰ عبدہ الکتاب۔ حررہ"

عجیب خبر عید ہ اگر توفیق رفیق گردد۔ حررہ جہان آرا مرید حضرت
شیخ خواجہ معین الدین چشتی قدس سرہ۔

حسب ذیل یادداشت سے معلوم ہوتا ہے کہ کچھ دنوں حکیم ہمام کے پاس کا نسخہ تھا،
پند نامہ لقمان حکیم و سخنان عبداللہ انصاری کہ خط میر علی است از
[کتابخانۂ حکیم] ہمام است سنہ ۲۔

ملا صالح اور عنایت کا نام سرورق پر موجود ہے۔

(۸) مناجات خواجہ عبداللہ انصاری کا ایک نسخہ سلطان علی کے خط میں رضا لائبریری رامپور
(شمارہ ۵۰۷) میں موجود ہے جس کی کتابت ۹۲۱ ہجری میں ہوئی، یہ نسخہ نفیس خطاطی کا اعلیٰ
نمونہ ہونے کی بنا پر نہایت اہم ہے جو جہانگیر شاہ جہاں اور اورنگ زیب کے کتابخانوں
میں شامل رہا ہے۔ جہانگیر کو یہ نسخہ خان خاناں نے پیش کیا تھا، جہانگیر لکھتا ہے:

رسالۂ خواجہ عبداللہ انصاری خط ملا سلطان علی از پیشکش خان خاناں
بتاریخ ۲۴ جمادی الاول سنہ ۱۰۲۲۔ حررہ جہانگیر ابن اکبر بادشاہ۔

خان خاناں کے کتابخانے میں ۹۹۸ ہجری میں داخل ہوا تھا:

"بتاریخ ۲۵ الہی موافق سنہ ۹۹۸ ہجری این کتاب داخل
[کتابخانہ] شد........ بندگان درگاہ پای ایشان
عبدالرحیم ابن محمد بیرم خان عفی عنہ"

شاہجہاں کی یہ یادداشت ملاحظہ ہو:

بتاریخ بیست و پنجم اردیبهشت الہی موافق بیستم شہر جمادی الثانیہ سنہ ۱۰۳۷
کہ روز جلوس مبارک است داخل کتابخانۂ این نیازمند درگاہ شد،
حررہ شہاب الدین محمد شاہجہاں ابن جہانگیر شاہ بن اکبر شاہ

شاہجہاں اور اورنگ زیب کی مہریں بھی ہیں، جن کی عبارتیں یہ ہیں:
شہاب الدین محمد شاہ جہاں بادشاہ غازی صاحب قران ثانی
بندہ ابوالمظفر محی الدین محمد عالمگیر بادشاہ غازی

محمد شاہ جہاں بادشاہ ابن جہانگیر بادشاہ ابن اکبر بادشاہ۔
اس میں متعدد امرا کی مہریں ثبت ہیں جن میں آقا افضل خواجہ سہیل، عبداللہ اور محمد کے نام قابل ذکر ہیں۔ یہ معلوم ہو کہ [illegible] کتب خانہ کی زینت ہوگا۔

(۴) جہل مجلس کا ایک نسخہ جہانگیری عہد کے ایک کاتب عبدالرحیم [illegible] ہوا شاہ جہاں کے کتب خانے میں موجود تھا۔ اس نسخہ کی کتابت ۱۰۲۰ ہجری میں [illegible] شاہ جہاں کی یادداشت یہ ہے:

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

"الحمد للہ تاریخ بیست و پنجم بہمن ماہ الٰہی مطابق ۲۷ ربیع الثانی ۱۰۳۷ کہ
[روز جلوس] مبارک است داخل کتابخانۂ [نیاز مندا] درگاہ شد
حررہٗ شہاب الدین [محمد] شاہ جہاں ابن جہانگیر شاہ ابن اکبر بادشاہ"

اس میں مغل امرا کی یادداشتیں یا درعرض دیدہ ہیں، جن میں خواجہ سہیل، محمد تقی، محمد، عبداللہ چلپی، عزیز، دولت قابل ذکر ہیں۔ ایک یادداشت یہ ہے:

اللہ اکبر

ماہ فروردین سنہ ۲ مطابق ۱۰۳۹ ہجری حسب الحکم از [illegible]

دولت تحویلدار کتابخانہ عمل شد۔

اورنگ زیب بڑا ذی علم بادشاہ تھا۔ اس کے کتب خانے کی [illegible] ہیں، لیکن اس کی یادداشتیں نہیں ملتیں، البتہ خود اس کی مہریں [illegible] تحویلداروں کی مہریں مل جاتی ہیں۔ خود کاتب تھا، قرآن کی کتابت [illegible] چنانچہ اس کے ہاتھ کے بعض نسخے کتب خانوں میں محفوظ ہیں [illegible]

حال نامہ عارفی یا مثنوی گوی و چوگان کا ایک نسخہ جو [illegible]
مسلم یونیورسٹی لائبریری میں [illegible] علی الحسنی [illegible]
[illegible]

شہاب الدین محمد صاحب قران ثانی ...... خلد با قر پسر عالیت
نام اللہ الرشیدہ نام چند نوشتہ اند۔
مندرجۂ ذیل یاد داشت سے ظاہر ہوتا ہے کہ یہ عبدالرحیم خان خاناں کے پاس بھی رہ چکا ہے:-

"در شب یکشنبہ سنہ ۱۰۱۹ بکتابخانۂ نور دیدہ ...... متعلق ساخت۔ حررہٗ عبدالرحیم ......"

اور یہ پورنیں ۱۰۸۶ میں معرض دیدہ شدہ، چندے اورنگ زیب کے پاس بھی رہا تھا، جیسا کہ ابوالمظفر محی الدین عالمگیر بادشاہ کی مہر سے ظاہر ہوتا ہے، محمد رحیم بن محمد بیرم کی مہر بھی موجود ہے۔

(۲) ایک قیمتی فارسی بیاض کا ایک نسخہ بانکی پور (شمارہ ۱۰۸۹) میں محفوظ ہے، جس کو علی الکاتب نے لکھا تھا، یہ مجموعہ ۸ جمادی الثانی ۱۰۳۷ کو شاہ جہاں کے کتب خانہ میں داخل ہوا تھا، جیسا کہ ذیل کی تحریر سے واضح ہے:

"این مجموعۂ نفیس بتاریخ بیست و پنجم ماہ بہمن موافق ہشتم جمادی الثانیہ سنہ ۱۰۳۷ کہ روز جلوس مبارک است داخل کتابخانۂ این نیازمند درگاہ شد۔ حررہٗ شہاب الدین محمد شاہ جہان بادشاہ ابن جہانگیر بادشاہ ابن اکبر بادشاہ غازی، ۲۵ خرداد سنہ ۲ جلوس تحریر یافت۔"

یہ مجموعہ نور جہاں کے پاس بھی رہ چکا ہے، جیسا کہ ظاہر ہے:

"قیمت پانصد روپیہ از بابت نور جہان بیگم۔"

(۳) تاریخ خاندان تیموریہ کا جو نفیس مصور نسخہ بانکی پور میں ہے، اس پر شاہ جہاں کی حسب ذیل تحریر موجود ہے:

"این تاریخ کہ مشتمل است بر مجمل احوال حضرت صاحبقرانی گیتی ستان و اولاد و اجداد آن حضرت و سوانح ایام حضرت عرش آشیانی اکبر بادشاہ تا سال بیست و دوم در عہد دولت شاہ بابا تصنیف [illegible]

بیاکہ شاہزادے کے ... [illegible]

زمانے میں ہر کتب خانے کا ... جاتے ہیں ... [illegible]

...خال ... [illegible]

دکن کے بہمنی خاندان کے بادشاہ علم دوست تھے۔ سلطان محمود شاہ بہمنی کا ایک

... جو ذخیرہ حبیب گنج میں محفوظ ہے دستیاب ہو گئی ہے۔ اس کا نام مشکوٰۃ المصابیح ہے۔
مشکوٰۃ المصابیح کا ایک نسخہ ... شہر بیدر میں لکھا گیا۔ کاتب ابو سعید ... [illegible]
... یہ نسخہ سلطان محمود شاہ بہمنی (م ۹۲۴) کی خدمت میں نذر ہوا تھا۔

ہمایوں کی بیگم حمیدہ بانو بیگم کتابوں کی شائق تھی۔ چنانچہ میر علی ... کا مرتب کردہ
بیاض ... نیشنل میوزیم دہلی میں محفوظ ہے اس کے پاس کچھ دنوں رہا تھا، اس پر اس کی مہر
... ہے۔ مہر کی عبارت یہ ہے:

سطر اول خانہ باتوقیع

سطر دوم حمیدہ بانو بیگم

سطر سوم مہر لوح آئینہ چہرۂ دولت باشد

سطر چہارم ۹۶۸

مغل شاہزادوں میں دارا شکوہ بڑا عالم و فاضل گذرا ہے۔ تصوف سے اس کو خاص
... اس بنا پر وہ قادری کہلاتا تھا۔ اس کی دونوں کتابیں سفینۃ الاولیاء اور سکینۃ الاولیاء ... کے
... رجحانات کی مظہر ہیں۔ وہ سنسکرت کا بھی عالم تھا۔ چنانچہ اس نے اپنشد کو فارسی کا جامہ پہنایا ...
... حال ہی میں ایران سے ڈاکٹر تارا چند اور جلالی نائینی کی شرکت میں سر اکبر کے نام سے شائع
... ہے۔ دارا شکوہ کا کتب خانہ بھی تھا ... کتب خانے میں ... دیوان حافظ کا وہ نسخہ ... تھا
... میں ہمایوں اور جہانگیر کی تحریریں بھی تھیں۔ رضا لائبریری رام پور میں نفحات الانس کا ایک
... مخطوطہ ہے، وہ ۱۰۶۸ھ میں دارا شکوہ کے کتب خانے میں داخل ہوا تھا، جیسا کہ اس یادداشت
سے ظاہر ہوتا ہے:

این نفحات ... [illegible]

سے واضح ہے:

"کتاب ... دیوان ... کتب ... بابت ... خورشید ... سال سی و یکم جلوس اقبال تحویل سہیل نمودہ شد۔"

سہیل اس زمانے کا اہم امیر تھا جس کو کتابخانوں کی نگرانی کا عہدہ سپرد تھا جس کی تحویل میں بہت سے نسخے رہ چکے ہیں۔ ان میں دیوان حافظ (بانکی پور شمارہ ۱۵۱)، دیوان ... (بانکی پور شمارہ ۲۳۷) تاریخ خاندان تیموریان (بانکی پور شمارہ ۱۰۵) ... تحقیق ... مخطوطے کا تعارف پروفیسر ... احمد مجلہ علوم اسلامیہ ۱۹۶۲ء میں کرا چکے ہیں۔

(۲) مثنوی مولانا روم کا ایک نسخہ حبیب گنج کے ذخیرہ میں ہے۔ اس کی کتابت ۱۰۱۲ھ کی ہے۔ یہ عالمگیر بادشاہ کے کتابخانے میں شامل رہ چکا ہے چنانچہ اس پر اس بادشاہ کی چار مہریں ثبت ہیں۔ جن میں یہ الفاظ پائے جاتے ہیں: "محمد اورنگ زیب بادشاہ"

(۳) لوائح جامی کا ایک نسخہ حبیب گنج کے ذخیرہ میں ہے۔ اس کے اول پر یہ عبارت درج ہے:

"لوائح بابت گذرانید میر معز، چہاردہم ربیع الثانی ۱۰۹۶ داخل کتابخانۂ سرکار والا شد"

اس عبارت کے اوپر قابل خان خانہ زاد عالمگیر بادشاہ کی مہر ہے۔ ایک استفسار سے معلوم ہوتا ہے کہ سنہ ۲۸ جلوس میں شایستہ خان کے اموال کی بابت میر باقر کی تحویل میں ... کا گیا تھا۔ یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ ۱۰۹۶ھ میں شایستہ خاں کو رخصت ہوئی۔ بہر حال یہ نسخہ اورنگ زیب کے کتابخانے میں شامل رہ چکا ہے۔

(۴) حصن حصین، تالیف امام جزری کا ۸۹۰ھ کا لکھا ہوا ایک نسخہ میر کی ... کے قلم کا ... کے ساتھ، شاہزادہ اعظم شاہ نے عالمگیر بادشاہ کے ... جلوس میں پیش کیا تھا یہ نسخہ عالمگیری کتابخانے کا ہے اب مسلم یونیورسٹی کے ذخیرہ حبیب گنج میں محفوظ ہے۔

(۵) منہاج العابدین، تالیف امام غزالی کا ایک نسخہ ذخیرہ حبیب گنج میں موجود ہے یہ نسخہ ... نادر ... شاہ عالمگیر ... [illegible]

[illegible] زادہ بیدار شاہ [illegible] جنگ [illegible] ۱۱۱۹ھ ہجری میں قتل ہوئے۔

(۲) رضا [illegible] ہجری [illegible] عنی [illegible] سلطان [illegible]
فارسی [illegible] میں [illegible] ہے۔ [illegible] جہانگیر کی تحریر ہے [illegible] شاہجہاں کی
یادداشت ہے جس سے ظاہر ہوتا ہے کہ اس نے دوسرے سال جلوس میں یہ نسخہ جہاں آرا کو عطا
کر دیا تھا۔ جہاں آرا کی بھی کئی [illegible] اس پر موجود ہیں، جن کا ذکر قبل ازیں ہو چکا ہے۔

(۳) کتب خانہ مسلم یونیورسٹی ذخیرہ حبیب گنج میں اللہ الصمد [illegible] کا ایک
مجموعہ ہے، جو اپنے ابتدائی کلمات کی وجہ آیات بینات کے نام سے یاد کیا جاتا ہے۔ [illegible]
[illegible] مع فارسی شرح کے ہیں اور پہلا مجموعہ جہاں آرا کے خط میں ہے۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ
مجموعہ خود جہاں آرا نے شاہجہاں کے قلعۂ آگرہ میں نظربندی کے وقت بھیج دیا تھا جیسا
سرورق کی اس عبارت سے ظاہر ہے:

این آیات بینات و کلمات طیبات بخط [illegible] رقم مشکین رقم نواب عصمت
جناب مریم الزمانی بلقیس الدولتی جہان آرا بیگم بنت پادشاہ عادل باذل
مغفور حضرت شہاب الدین محمد شاہجہان پادشاہ الغازی صاحبقران ثانی
[illegible] کہ بہنگام عزلت و انزوا [illegible] قلعہ شہر [illegible] ذکر [illegible]
اوقات [illegible] ساعات [illegible] طاعت الٰہی [illegible] می گذرانید
متوجہ بتحریر آن گردیده اند۔

خاتمے کی تحریر سے سال کتابت ۱۰۷۳ معلوم ہوتا ہے:

کتبہ [illegible] جہان آرا [illegible] شہر رجب سنہ یکہزار و
ہفتاد و سہ ہجری تحریر یافت۔

اس مخطوطے کی تحریر سے ظاہر ہوتا ہے کہ عالمگیر (م: ۱۱۱۸) [illegible]
[illegible] کے کتب خانے میں شامل ہوا ہے، پھر محمد شاہ بادشاہ غازی (م: ۱۱۶۱) [illegible]
(م: [illegible]) کے پاس پہنچا [illegible] کے کتب خانے میں پہنچا ہے جیسا
نصیر [illegible] (م [illegible]) [illegible] (۱۲۳۲ [illegible]) کی مہر [illegible] میں [illegible]

بتاریخ بیست و پنجم شہر رمضان المبارک سنہ ۱۰۴۸ھ داخل کتابخانۂ این نیازمند درگاہ شد، حررہ دارا شکوہ

بتاریخ بیست و پنجم ماہ ذی قعدہ ۱۰۴۸ ہجری در مقام فوشہرہ توفیق اتمام یافت۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم

"الحمد للہ کہ از ابتدا تا انتہا مرتبہ ثانی بشرط مطالعہ این کتاب مستطاب کہ از جملہ تصانیف تمام فائدہ .... طلب این فقیر مستقیم .... الفقیر محمد (دارا شکوہ) قادری"

دارا شکوہ جامی کا معتقد تھا، چنانچہ سفینۃ الاولیاء میں جامی کے متعلق اس طرح کا اظہار کیا ہے:

"این فقیر ہمیشہ تصانیف نظم و نثر ایشان را مطالعہ می نماید و از برکت آن کلام حقیقت انتظام فائدہ ہا می رباید، و این کتاب (سفینۃ الاولیاء) را کہ می نویسد ہمہ از تتبع و شاگردی ایشان است"

اس عقیدت کی توثیق نفحات کے نسخے پر دارا شکوہ کی یادداشتوں سے بخوبی ہو جاتی ہے۔

مغل شاہزادیوں میں علمی اعتبار سے جہاں آرا کا نام نہایت مشہور ہے۔ وہ دو کتابوں کی مصنفہ ہے، ایک "مونس الارواح" اور دوسری "صاحبیہ"۔ اس کو کتابوں کا بہت شوق تھا۔ جہاں آرا کی کتابیں یا اس کی یادداشتیں بہت کم پائی جاتی ہیں، کم از کم دو مخطوطے خود اس کی کتابت کے ابھی تک موجود ہیں، بعض مخطوطے اس کی مہر سے مزین ہیں۔ ان میں قابل ذکر نسخے حسب ذیل ہیں:

(۱) بیاض مجموعہ فارسی: یہ فارسی بیاض بنارس ہندو یونیورسٹی کے کالج میں محفوظ ہے، اس پر بیگم جہاں آرا کی حسب ذیل یادداشت موجود ہے:

"اللہ محمد علی"

"این بیاض را بفرزند برخوردار قابل لائق بدر النساء بیگم دادم

تحریر الحقیر الفقیر جہاں آرا بنت شاہ جہاں بادشاہ غازی"

مثلاً ذیل میں خان خاناں کے کتب خانے کے بعض نسخوں کا پتہ چلتا ہے:

(۱) شش رسالہ سعدی کے نسخے پر اس کی یادداشت سے ظاہر ہوتا ہے کہ اس کا نسخہ اسی کے کتب خانہ میں تھا جو بالآخر شاہجہاں کی ملکیت ہوا اور جس پر اس نے اپنی تحریر ثبت کی، اس کا تعارف ہو چکا ہے۔

(۲) مناجات عبداللہ انصاری (۴۸۱ھ) جو جہانگیر اور شاہجہاں کے کتب خانے کی زینت رہی، وہ اولاً خان خاناں کے کتب خانے میں تھی چنانچہ ۹۹۸ ہجری کی یادداشت سے ظاہر ہوتا ہے کہ اس سنہ میں یہ نسخہ خان خاناں کے پاس آیا تھا۔

(۳) خان خاناں کے پاس میر علی الکاتب کے ہاتھ کا یوسف زلیخا کا ایک نفیس نسخہ تھا جس کو اس نے ۱۰۱۹ ہجری میں جہانگیر کی خدمت میں پیشکش کر دیا تھا، جیسا کہ مآثر رحیمی کی حسب ذیل عبارت سے معلوم ہوتا ہے:

در سنہ دو شنبہ دوم محرم سنہ ہزار و نوزدہ دار الخلافہ اکبرآباد بپایۂ چتر آسمان پایہ آرائش پذیرفت .... و در این وقت یوسف زلیخا بخط ملا میر علی مصور و مذہب کہ ہزار مہر قیمت داشت و سپہ سالار خان خاناں بطریق پیشکش ارسال داشتہ بود، معروض گردید۔

بانکی پور میں یوسف زلیخا جامی کا ایک عمدہ نسخہ میر علی کاتب کا لکھا ہوا ہے، اس [تا]ریخ کتابت ۹۳۰ اور مقام کتابت ہرات ہے، یہ نسخہ بہت مذہب اور مزین نسخہ ہے۔ [بانکی]پور کتب خانے کے کیٹلاگ کا خیال ہے کہ یہ وہی نسخہ ہے، جو صاحب مآثر رحیمی کے قول کے [مطابق]ت خان خاناں نے جہانگیر کو پیش کیا تھا لیکن خود نسخے سے اس سلسلے میں کوئی رہنمائی نہیں ہوتی۔

(۴) پٹیالہ میوزیم میں ایک بیاض ہے اس کا کاتب امام المنشی المرشدی اور [تاریخ] کتابت ۹۴۸ ہے۔ خان خاناں کو یہ بیاض گودا سے ہاتھ آئی جیسا کہ ذیل کی عبارت ظاہر ہوتا ہے:

در تاریخ [illegible] کہ [illegible] آباد بود بعض از خدمتگاران [illegible] اجناس اسباب [illegible] .... [illegible] پیشکش

گئے ہیں، ظاہر ہوتا ہے:

خوش است مُہر کتب خانۂ سلیمان جاہ
بہر کتاب مزین چو نقش بسم اللہ

ناسخ ہر مُہر شد چون شد مزین بر کتاب
خاتم امجد علی شاہ زمان عالی جناب

کتابخانۂ شاہانِ اودھ سے یہ نسخہ ٹونک کے حافظ عبداللہ البصیر کے پاس پہنچا، جہاں سے ۱۹۳۹ء میں کتابخانۂ حبیب گنج میں منتقل ہوتا ہے۔

(۴) کتابخانۂ خدابخش میں حسینی کے شہنشاہ نامہ کا ایک نسخہ ہے جس پر جہان آرا کی ایک مدور مُہر ہے جس میں یہ الفاظ ہیں:

جہان آرا بیگم بنت شہاب الدین محمد صاحب قران ثانی شاہجہاں بادشاہ غازی۔

یہ شاہی نسخہ ہے، جس پر مغل امراء کی تحریریں اور مُہریں ہیں، ان سے اندازہ ہوتا ہے کہ یہ نسخہ ترکی میں تھا، وہاں سے عہدِ شاہ جہاں میں ہندوستان آیا اور بالآخر جہان آرا کے استفادہ میں رہا۔

(۵) بیاض فارسی: یہ بیاض محمد اشرف صاحب انجینیر کے پاس تھی اب کان پور میں ایک سندھی صاحبِ ذوق کی ملک میں ہے؛ اس میں آخری صفحے پر دو مُہریں ہیں، ایک میں جہان آرا بنت شاہ جہاں اور دوسری میں محمد احسن اللہ خاں ۱۱۴۳ ہے۔ بیاض پر ایک یادداشت ہے، اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ یہ خود جہان آرا کے ہاتھ کا نسخہ ہے:

"این بیاض یا سواد سرکار دولت مدار نواب عصمت جناب بیگم صاحب زمان و ملکۂ جہان نواب جہان آرا بیگم بنت شاہ جہان بادشاہ غازی خلد اللہ ملکہ و سلطنتہ فی الواقع نادرۂ روزگار است، محفوظ اند۔"

دوسرا نسخہ دیوانِ شمس تبریزی کا ہے جس کی کتابت کا [illegible]
[illegible] (۱۰۲۱ھ) ہے گویا شاہ کی وفات سے تین سال پہلے اس کی کتابت [illegible]
ہر جا مر قابل توجہ نسخہ ہے، علاوہ ازیں یہ نسخہ مذکورہ بالا تینوں قطب شاہی سلاطین کے [illegible]
میں شامل رہ چکا ہے چنانچہ ابراہیم، محمد قلی اور محمد قطب شاہ تینوں کی مہریں اس پر ثبت ہیں۔
[illegible] کی مہر وقت سے دھندلی ہو چکی ہے، دوسری صاف ہے مگر تیسری پڑھی جا سکتی ہے [illegible]
[illegible] مجمع البحرین کا نسخہ تینوں بادشاہوں کے کتب خانے میں رہ چکا ہے، دیوان شمس کا یہ نسخہ
انہیں تینوں سے وابستہ ہے لیکن چوتھے بادشاہ عبداللہ کی مہر نہ اس نسخہ پر ہے اور نہ
مجمع البحرین پر جو اس کے کتب خانے کے عدم شمول پر دال ہے۔ عبداللہ قطب شاہ کی علم دوستی کا
سب سے بڑا ثبوت یہ ہے کہ حسین تبریزی نے اپنی شہرۂ آفاق فرہنگ برہان قاطع اسی بادشاہ
کے نام معنون کی ہے۔

تفسیر جلالین کا ایک مطلا و مذہب نسخہ ذخیرۂ حبیب گنج میں محفوظ ہے، [illegible]
[illegible] نے ۱۰۷۹ھ میں حیدرآباد میں اس کی کتابت کی تھی، اس پر دو جگہ سلطان ابوالحسن
عرف تانا شاہ کے طغرے ہیں۔

عادل شاہی خاندان کا سب سے [illegible] ابراہیم عادل شاہ ثانی ہے، وہ جامع
حیثیات شخصیت کا مالک تھا، مختلف علوم و فنون میں دخیل تھا۔ موسیقی اس کا محبوب مشغلہ [illegible]
اور اس کی کتاب نورس ہندوستانی موسیقی کی [illegible] میں سنگ میل کی حیثیت رکھتی ہے۔ اس کے
دربار میں ظہوری اور فرشتہ گزرے ہیں، اس کا کتب خانہ تھا، اس کی چند کتابوں کا واضح طور پر
پتہ چلا ہے؛ اس کے دربار کا خطاط شاہ خلیل اللہ تھا، جو ایران میں شاہ عباس کا [illegible] میں
استاد تھا، ابراہیم عادل شاہ کے دربار سے منسلک ہوا تو اس فن میں بڑی شہرت پائی [illegible]
نے اس دربار کی مشہور ترین شخصیات میں اس کو شمار کیا ہے؛ شاہ خلیل اللہ سیاسی کاموں
میں بھی دخیل تھا چنانچہ عادل شاہی سفیر کی حیثیت سے ایران بھی گیا ہے اور مغلوں کے
خلاف دکنی سلاطین کے ساتھ [illegible] وکالت کی ہے۔
[illegible] ابراہیم عادل شاہ کی کتاب نورس

[illegible] را فرستادہ بود و دست عالی گرفتہ بود و حالی [illegible]

حررہ عبدالرحیم بن محمد بیرم عفی عنہ۔

اس صفحے پر حسب ذیل یادداشت بھی منقول ہے:

در وقتی کہ جہانگیر پادشاہ این غریب را بخدمت دکن ہمراہ شاہزادہ پرویز فرستادہ بود این کلیات نواب خانخانان [illegible] عادل الملقب خان عالم فرستادہ۔

اس پر اعتماد خان، عنبر، منصور، خان عالم وغیرہ کی مہریں لعد عرض دیدہ ہیں۔

دکن کے بہمنی خاندان کے اکثر بادشاہ و امرا بڑے علم دوست و فاضل ہوئے ہیں [illegible] ان بادشاہوں کے کتب خانوں کی کتابیں بھی دستیاب ہوئی ہیں۔ سلطان محمود [illegible] کے بعد کی ایک کتاب ذخیرہ حبیب گنج مسلم یونیورسٹی لائبریری میں محفوظ ہے۔ اس کا نام [illegible] ہے، یہ مخطوطہ ۸۷۷ ہجری میں بیدر میں لکھا ہے، کاتب کا نام ابوسعید بن حسین ہے۔

[illegible] کے معاصر دکنی سلاطین میں شاہان گولکنڈہ جو قطب شاہ اور شاہان بیجاپور عادل شاہ کے لقب سے ملقب تھے، علم و فضل، شعر و ادب کے لحاظ سے کافی نامور ہیں [illegible] بادشاہوں کی کتب خانوں اور کتابوں سے دلچسپی کا کافی ثبوت فراہم ہوتا ہے۔ قطب شاہی [illegible] کے بعض مخطوطات ذخیرہ حبیب گنج میں موجود ہیں، ان میں سے ایک کتاب کی [illegible] اس پر ابراہیم قطب شاہ (۹۵۷-۹۸۸)، محمد قلی قطب شاہ (۹۸۸-۱۰۲۰)، اور محمد قطب [illegible] (۱۰۲۰-۱۰[illegible]) کی مہریں ہیں، جن میں یہ عبارتیں درج ہیں:

[illegible] کہ نقش نگین ساخت مہر آل مقیم
بود سپہر کرم قطب شاہ ابراہیم (ابراہیم قطب شاہ)

ملک جہان مرا کہ بزیر نگین شدہ
از حکم پادشاہ جہان آفرین شدہ (محمد قلی قطب شاہ)

ملک سلیمان زحق گشتہ میسر مرا
نقش نگین دل است حیدر صفدر مرا (محمد قطب شاہ)

ریہ سے واضح ہے:

"کتاب نوٹس خط دیوان صاحب عبدالرشید جلد سرخ با ترنج مذہب [illegible]
بابت جاہا ابراہیم عادل شاہ کتابخانۂ عامرہ شد۔ بتاریخ ۱۸ جمادی الاول ۱۰۲۴
اوراق سی و دو۔"

(۴) ابراہیم عادل شاہ کے کتابخانے کا ایک اور اہم نسخہ کتابخانہ دیوان صاحب باغ
اس میں راقم کی نظر سے گزرا، یہ خمسۂ امیر خسرو کا نہایت نفیس مصور نسخہ ہے جس پر ایک
داشت ہے جس سے ظاہر ہوتا ہے کہ یہ ابراہیم عادل شاہ کے کتابخانے کی زینت رہ
ہے۔ اس نسخے کی ایک بے نظیر خصوصیت یہ ہے کہ اس کی مصوری مغل دور سے قبل کی ہے۔
احتمال یہ ہے کہ شاید اس نسخہ کی کتابت اور تصویر کشی ہندوستان میں ہوئی ہو، چونکہ
ل دور سے قبل کے مصور نسخے نہیں ملتے۔ اس بنا پر اس کی اہمیت اور زیادہ بڑھ جاتی
ے، ابراہیم عادل شاہ خود بڑا صاحب نظر تھا، اس سے قیاس ہوتا ہے کہ یہ نسخہ یقیناً
ہت قیمتی ہوگا۔

ابراہیم عادل شاہ خطاط بھی تھا، چنانچہ اس کی خطاطی کے کافی نمونے دستیاب
ہو گئے ہیں، ۱۰۲۳ ہجری میں اس نے قرآن کریم کی دو سورتیں، سورۂ بقرہ، سورۂ انعام
نقل کی تھیں، اس کا نسخہ سالار جنگ میوزیم میں موجود ہے۔ اس کے ایک صفحہ کا عکس 'نذر ذاکر'
(ص ۱۴۴) میں راقم الحروف کے توسط سے شائع ہو گیا ہے۔

(۵) صحیح بخاری جلد اول کا ایک نسخہ حبیب گنج کے ذخیرہ میں موجود ہے۔ وہ
ابراہیم عادل شاہ ثانی کے کتابخانے کا ہے، جیسا کہ خاتمے کی تحریر سے ظاہر ہے:

" جلد اول صحیح بخاری بخط نسخ [illegible] کتاب خط حضرت شیخ المحدثین
عفیف الدین کازرونی است جلد سیاہ ترنج سرخ و جدول طلا [illegible]
بابت فتح شہر [illegible] المعروف بہ بیدر جمع کتابخانۂ معمورہ ظل اللہ
ابراہیم عادل شاہ [illegible] ۹/ شعبان ۱۰۲۸"

کتابخانۂ [illegible] ایک مشرقی کتابخانہ

ایک شاندار نسخہ تیار کیا جس پر اس کو بادشاہ کی طرف سے بڑا انعام ملا۔ اتفاق سے اس کے چند متفرق ورق کا پتہ حیدر آباد میں چلا، جو بعد میں نیشنل میوزیم نے خرید لئے، یہ اوراق خطاطی کا بہترین نمونہ ہیں اور اس کے حاشیہ کی تزئین سے واضح ہے کہ یہ شاہی نسخہ ہوگا۔ ہم نے ان اوراق کا عکس شاہ خلیل اللہ کی زندگی کی تفصیل کے ساتھ " نذیر ذاکر " (ص ۲۳۲-۳۸) میں شائع کر دیا ہے۔ خیال ہے کہ خلیل اللہ کا یہ مکشوف اوراق اسی نسخے کے ہوں گے، جو ابراہیم عادل شاہ کے لئے تیار ہوا تھا۔

(۱) آخری صفحہ موجود ہے، جس پر ترقیمہ یہ ہے:

"خلیل اللہ غفر اللہ ذنوبہ و ستر عیوبہ"

(۲) ابراہیم عادل شاہ کے کتب خانے کا کتاب نورس کا دوسرا نسخہ عبد اللطیف مصطفے کا لکھا ہوا ہے[۱]۔ یہ نسخہ خط نسخ "ثلث" میں ہے۔ اس کی خطاطی اور دوسرے اہتمام نسخے کی نفاست پر دلالت کرتے ہیں۔ یہ نسخہ سنٹرل ریکارڈس آف حیدرآباد میں تھا اور اس کے تہتر ورق عکس راقم کے پاس موجود ہے۔ اس نسخے کی یادداشت سے ظاہر ہے کہ خود ابراہیم عادل شاہ کے کتابخانے سے اس کا تعلق تھا۔

"کتاب نورس، دو قلمی خط عبد اللطیف جلد ندد با ترنج و زنجیر طلا نوبستہ اوراق جبل ح کتابخانۂ عامرہ شدہ بتاریخ ۲ محرم ۱۰۲۲ھ۔ اس پر عادل شاہ کی مہر ہے جس میں حسب ذیل فقرے درج ہیں: "عبد ابراہیم عادل شاہ مہر تبدیل"

(۳) ابراہیم کے دور کا ایک اہم خطاط عبد الرشید ہے، اس کے ہاتھ کے کئی مرقعے مرقع عادل شاہی میں موجود ہیں، ایک صفحہ میں کتاب "نورس" کی چار سطریں لکھی ہیں، اس نے نورس کا ایک مکمل نسخہ تیار کیا تھا، جو ابراہیم عادل شاہ کے کتابخانے میں شامل تھا۔ جیسا کہ حسب ذیل

---

[۱] ابراہیم عادل شاہ کے دور کے دو اور خطاطوں نے کتاب نورس لکھی تھی، ایک سلیمان تھا جس نے خود سپید میں لکھا تھا (ایک صفحہ کا عکس نذیر ذاکر (ص ۲۳۲) میں ملاحظہ فرمایئے۔ دوسرا عبد الحلیم پسر مصطفیٰ تھی، وقت کے اور لوگوں کی طرح یہ دونوں اپنے کو بادشاہ کا شاگرد لکھتے تھے۔

امجد علی شاہ کی مہر کی عبارت یہ ہے:

تا ابد بر مہر خط پیدا [illegible] بر کتاب

خاتم امجد علی شاہ زمان عالی جناب

واجد علی شاہ کی مہر کی عبارت یہ ہے:

ثبت دیہہ نور باد ۱۲۶۳ فروغ آفتاب

خاتم واجد علی سلطان عالم بر کتاب

(۲) کتاب الصیدنہ نسخہ: موزۂ برطانیہ کا یہ اہم نسخہ اودھ کے بادشاہوں کے کتابخانے کا ہے، چنانچہ شروع اور آخر میں نصیر الدین حیدر، امجد علی شاہ اور واجد علی شاہ کی مہریں بالا تحریر ہیں۔ کتاب الصیدنہ بیرونی کی عربی صیدنہ کی فارسی روایت ہے۔ مترجم ابوبکر بن عثمان بن علی کاشانی ہے، جس نے سلطان التتمش کے عہد میں اس کو فارسی کا جامہ پہنایا۔ بیرونی کا اصل عربی نسخہ بروصہ ترکی کے کتابخانے میں ہے، یہ عربی نسخہ اور فارسی روایت دونوں زیر طبع ہیں، برٹش میوزیم کے نسخہ کا عکس راقم کے ایک تفصیلی مقدمے کے ساتھ عنقریب شائع ہو جائے گا۔

(۳) جوامع العلوم ہمایونی: ایک شخص محمد فاضل بن محمد علی سمرقندی نے دائرۃ المعارف کے انداز کی یہ کتاب ہمایوں بادشاہ کے عہد میں ہندوستان میں تالیف کی۔ اس کا ایک اعلیٰ درجہ کا نسخہ جو ۸۱۶ اوراق پر مشتمل ہے، مسلم یونیورسٹی کے کتابخانے میں موجود ہے۔ جو قبلاً شمس العلماء پروفیسر عبد الغنی صاحب کی ملک میں تھا اور ان کے پاس شاہان اودھ کے کتابخانے سے منتقل ہوتا ہوا پہنچا تھا جیسا کہ شروع اور آخر کتاب میں نصیر الدین حیدر، امجد علی شاہ اور واجد علی شاہ کی مہروں سے ظاہر ہے۔ اس کے مندرجات کی تفصیل — اپنی History of Persian at the Mughal court کی جلد دوم میں پروفیسر موصوف نے درج کر دی ہے۔

(۴) دیوان امجد شاہی مرزا [illegible] کا ایک نسخہ حبیب گنج کے ذخیرے میں ہے۔ اس پر [illegible] نعمت اللہ [illegible] کی مہر کی عبارت یہ ہے

پتہ چلتا ہے جو ٹیپو سلطان کے کتب خانے کے نام سے معروف ہوا۔ اس کتب خانے کی ایک فہرست
انگریزی زبان میں مسٹر اسٹیورٹ نے تیار کر کے چھاپی۔ یہ مطبوعہ فہرست آج بعض کتب خانوں
میں مل جاتی ہے۔ لیکن ٹیپو سلطان کے کتب خانے کے قلمی نسخے منتشر ہوگئے۔ ان میں بیشتر کتابیں یورپ
کے کتب خانوں میں پہنچ گئیں، ممکن ہے کچھ مخطوطے ہندوستان کی بھی لائبریریوں میں مل جائیں
بہر حال میسور کا یہ قیمتی ذخیرہ اب ناپید ہے۔ گویا وہ خطہ ایک اہم علمی میراث
سے محروم ہوگیا۔

کتب خانۂ اودھ: لکھنؤ میں شاہانِ اودھ کا کتب خانہ بہت معروف
تھا، اس میں اہم قلمی نسخے موجود تھے۔ بڑا حصہ کتب خانۂ موتی محل میں تھا۔ اس کی ایک
جلد وضاحتی فہرست اسپرنگر نے غدر سے پہلے چھاپ دی تھی۔ لیکن بعد میں اس کی کتابیں
منتشر ہوگئیں، اس کے متعدد نسخے ہندوستان اور یورپ کے کتب خانوں میں محفوظ ہیں
میرے خیال میں یہ منتشر نسخے اتنی تعداد میں ہیں کہ ایک چھوٹا سا کتب خانہ بن سکتا ہے
ذیل میں کچھ کتابوں کا تعارف پیش کیا جاتا ہے:

۱۔ **اسولہ واجوبۂ رشیدی:** رشید الدین فضل اللہ وزیر غازان خان
بڑا ذی علم وزیر تھا، اس کی تاریخ جامع التواریخ اپنی وسعت اطلاع کے لحاظ سے فارسی
تاریخوں میں بے نظیر ہے، وہ کئی اور عربی و فارسی کتابوں کا مؤلف بھی ہے۔ اس کی ایک اہم
جلد کی کتاب "اسولہ واجوبہ رشیدی" ہے۔ جو علم و فن کا ایک طرح کا دائرۃ المعارف ہے
اس کا ایک فارسی نسخہ مسلم یونیورسٹی کے ذخیرہ اتاوہ میں موجود ہے۔ اسولہ و اجوبہ
ایک فارسی نسخہ تہران اور دو ترکی میں ہیں۔ ترکی میں عربی روایت میں موجود ہے۔ یہ نسخہ
شاہانِ اودھ کے کتب خانے میں رہ چکا ہے اور اس پر حسب ذیل تین بادشاہوں کی شروع
آخر کتاب میں مہریں لگی ہیں۔

نصیر الدین حیدر کی مہر کا سجع یہ ہے:

خوش است مہر کتب خانۂ سلیمانجاہ
بہر کتاب مزین چو نقش بسم اللہ

۴- رضا لائبریری رامپور-
۵- کتابخانہ مسلم یونیورسٹی، علی گڑھ-
۶- اسٹیٹ لائبریری، حیدرآباد-
۷- سالار جنگ میوزیم لائبریری حیدرآباد-
۸- کتابخانہ راجہ صاحب محمود آباد-
۹- سعیدیہ لائبریری (عربی) حیدرآباد
۱۰- عثمانیہ یونیورسٹی لائبریری حیدرآباد-
۱۱- دیوان صاحب باغ لائبریری، مدراس-
۱۲- گورنمنٹ اورینٹل لائبریری برائے مخطوطات، مدراس-
۱۳- بمبئی یونیورسٹی لائبریری، بمبئی-
۱۴- کاما انسٹی ٹیوٹ لائبریری، بمبئی-
۱۵- حمیدیہ کالج لائبریری، بھوپال
۱۶- کتب خانہ ندوۃ العلماء، لکھنؤ-

ان کے علاوہ ہزارہا چھوٹے بڑے شخصی کتابخانے ملک کے گوشے گوشے میں پھیلے [illegible] ہیں، جن کے قیمتی خزانے کے بارے میں کوئی قابل وثوق اطلاع نہیں پائی جاتی، مزید برآں [illegible] ام کتابخانوں اور شخصی ذخیروں میں جو قلمی نسخے ہوں گے، وہ شاید ہزاروں کے عدد سے متجاوز [illegible] ہیں، جن میں نہ جانے کیا کیا انمول موتی ہوں گے، یہ کتابیں اپنی افادیت کے اعتبار سے [illegible] یت درجہ اہم ہیں، کیونکہ جیسا کہ معلوم ہے ہر مخطوطہ اطلاع کے لحاظ سے دوسرے مخطوطے [illegible] کچھ نہ کچھ متفاوت ضرور ہوتا ہے-

خلاصہ یہ کہ قلمی ذخائر اور قیمتی مخطوطات کے اعتبار سے ہمارا ملک کسی اور ملک سے [illegible] نہیں، اس کے ساتھ اگر ہم ملک کی جغرافیائی حالت پر نظر رکھیں، تو ان ذخائر کی وقعت اور [illegible] بڑھ جاتی ہے یہاں کی آب و ہوا گرم، [illegible] کیڑوں مکوڑوں، دیمک اور [illegible] [illegible]

"یحییٰ خان بہادر ہژبر جنگ آصف الدولہ"

دوسری مہر نصیر الدین حیدر کی اور تیسری امجد علی شاہ کی، یہ آخری تینوں مہریں حسب دستور شگرف ہیں اور ان کی وہی عبارتیں ہیں، جو اوپر درج ہو چکی ہیں۔

(۵) بوستان شیخ سعدی کا ایک خوشخط نسخہ، ذخیرۂ حبیب گنج میں ہے جس پر نصیر الدین حیدر، امجد علی شاہ اور واجد علی شاہ کی مہریں ہیں، جن کی عبارتیں وہی ہیں جو اوپر درج ہو چکی ہیں۔

(۶) تاریخ فارس، کاتب خانہ زاد بارگاہ آسمان جاہ سلطانی حسین علی، یہ ایک انگریزی سفرنامہ کا ترجمہ ہے، جو غازی الدین حیدر بادشاہ لکھنؤ کے حکم سے ہوا۔ پورا ترجمہ بادشاہ کی اصلاح سے مزین ہے، اس نسخے پر شاہان اودھ کی چار مہریں ہیں۔ ایک نصیر الدین حیدر، دو امجد علی شاہ، چوتھی واجد علی شاہ کی۔

تفصیلات بالا سے ہندوستان کے قدیم کتابخانوں اور ان کی بعض اہم کتابوں کی بابت سرسری معلومات فراہم ہوتی ہیں۔ یہاں کی بیشتر کتابیں برباد ہو گئیں۔ کچھ انگریزوں کے توسط سے ۱۸ویں، ۱۹ویں صدی میں یورپ منتقل ہوئیں اور وہاں اہم مشرقی کتابخانے وجود میں آگئے، خصوصاً انڈیا آفس کا کتابخانہ یہیں کی گئی ہوئی کتابوں سے بھر لیا۔ ہمارے ملک کے عظیم شاعر ڈاکٹر محمد اقبال۔ ان کتابخانوں کی عربی و فارسی کی کثیر کتابوں کو دیکھ کر بہت متاثر ہوئے اور حیرت و حسرت کے جذبات سے لبریز ہو کر ایک نظم لکھی جس کے آخری دو بیت یہ ہیں:

مگر وہ علم کے موتی کتابیں اپنے آبا کی ۔۔۔ جو ان کو دیکھے یورپ میں دل ہوتا ہے سیپارہ

غنی روز سیاہ پیر کنعان را تماشہ کن ۔۔۔ کہ نور دیدہ اش روشن کند چشم زلیخا را

بہرحال ناموافق حالات کے باوجود ہندوستان میں بھی عربی و فارسی کے چند اہم کتابخانوں کی تشکیل ہوئی، جو عالمگیر شہرت کے حامل ہیں، ان میں حسب ذیل خصوصیت سے قابل ذکر ہیں:

۱۔ خدا بخش اورینٹل پبلک لائبریری، پٹنہ۔
۲۔ رائل ایشیاٹک سوسائٹی، کلکتہ۔
۳۔ بوہار کلیکشن نیشنل لائبریری کلکتہ۔

[illegible]
[illegible] ہیں [illegible]
سا ایران کی طرف سے اس کا عکس [illegible]
[illegible]

تیسرا قدیم نسخہ مخطوطہ [illegible] ہے، یہ کتاب [illegible]
رت منسوب تھی۔ لیکن چند سال ہوئے ترکی عالم مرحوم احمد آتش نے اس کا ایک قدیم
طہ ترکی میں کشف کیا ہے جس کی کتابت ۷۰۵ ہجری میں ہوئی تھی، اور جس کا کاتب
دیلسپار شاعر ہے۔ کتاب کی اہمیت اس اعتبار سے بہت زیادہ ہے کہ اسی کے
ق دلانے پر اسدی طوسی نے اپنی مشہور فرہنگ لغت فرس تالیف کی تھی۔

چوتھا قدیم مخطوطہ ابوبکر اخوینی کا کتابخانہ فاتح استنبول شمارہ ۳۶۳۲
۷، یہ ۲۷۲ اوراق پر مشتمل نسخہ ۵۱۰ ہجری کا مکتوبہ ہے۔

پانچویں اور اوائل چھٹی صدی ہجری کے یہ چار نسخے دنیا کے کتابخانوں میں محفوظ
یں۔ ان میں سے اتفاقاً کوئی بھی ایران میں نہیں۔ ایک وینا میں دوسرا آکسفورڈ میں اور
ی دونوں ترکی میں ہیں، پانچویں اور اوائل چھٹی صدی ہجری کے تقریباً چار نسخے میرے علم کے
طابق صرف ہندوستان میں محفوظ ہیں، ان میں سے تین پاکستان میں اور ایک بلیبھد میں ہے،
یل میں ان کے متعلق مختصر سی یادداشت درج کی جاتی ہے:

نسخہ شرح تعرف، مکتوبہ ۴۷۳ ہجری: ابو ابراہیم اسماعیل بن محمد
بداللہ المستملی نے ابوبکر کلاباذی کی عربی کتاب التعرف لمذہب التصوف کی شرح لکھی،
یاس کتاب کی شروح میں سب سے قدیم ہے۔ اس کتاب کا قدیم ترین مخطوطہ سید فضل صمدانی
دی کے کتابخانہ شہر شیخوپورہ میں ہے۔ اس نسخے کا ترقیمہ یہ ہے:

"وقع الفراغ عند نصف النہار من یوم الاربع والعشرین
من شوال سنہ ثلث وسبعین واربع مائۃ انتسختہ من
نسخۃ [illegible] الشیخ الامام ابی [illegible] عبد الملک

تو بہت جلد متاثر ہوتے ہیں اور ان کے تلف ہونے کے زیادہ امکانات ہوتے ہیں۔ غالباً یہی وجہ ہے کہ ایک تجربہ ہے کہ ہمارے ملک میں قدیم فارسی نسخے کم ملتے ہیں۔ جدید نسخوں کی تعداد بہت ہی زیادہ ہے۔ پھر بھی کچھ قیمتی دستاویز جو موجود ہیں، ان سے ملک کے وقار میں اضافہ ہوتا ہے۔ ذیل میں کچھ ایسے قیمتی مخطوطات کا تعارف کرایا جاتا ہے، جن کا تعلق براہ راست فارسی زبان و ادب سے ہے۔ اور جن کے بغیر اس سلسلے کی تحقیقات نامکمل رہتی ہیں۔ لیکن اس ضمن میں صرف وہ نسخے لئے جائیں گے، جو نویں صدی ہجری کے ربع اول تک لکھے گئے ہیں۔ البتہ یہ گذارش اس لحاظ سے جامع نہیں کہ بہت سے ایسے مخطوطات جو راقم کی دسترس سے باہر ہیں یا جن کے بارے میں کوئی علم نہیں۔ ان کا تعارف قدرتاً ممکن نہیں۔

میرے علم کے مطابق پانچویں صدی ہجری سے قبل کا کوئی فارسی مخطوطہ دنیا میں موجود نہیں۔ اس وقت تک کی تحقیقات کا نتیجہ یہ ہے کہ قدیم ترین فارسی مخطوطہ "کتاب الابنیہ عن حقائق الادویہ" ہے جس کا ۴۴۷ھ کا مکتوبہ اسدی طوسی کے خط میں "ویانا" میں موجود ہے۔ یہ خطِ نسخ شبیہ بہ کوفی میں لکھا گیا ہے۔ جس کا پڑھنا نہایت دشوار ہے۔ لیکن موسیو زیلگما نے اس کا نہایت نفیس ایڈیشن ء میں شائع کیا تھا، بنیاد فرہنگ ایران تہران نے اس کے زیادہ حصے کا عکس چھاپ دیا تھا۔ ایک سال ہوا جب اس کا تنقیدی متن دانشگاہ تہران سے شائع ہو گیا ہے۔ ابھی تک کتاب الابنیہ کا صرف یہی ایک نسخہ معلوم تھا، مگر اب اور قدیم نسخے کی دریافت ہو گئی ہے، جو تھوڑے ناقص الآخر ہے۔ کتاب الابنیہ مفرداتِ طب پر ہے۔

دوسرا قدیم فارسی مخطوطہ "ہدایت المتعلمین فی الطب" ہے جو بوڈلین آکسفورڈ میں موجود ہے۔ اس کا مؤلف ابو بکر ربیع بن احمد الاخوینی بخاری اور سالِ تالیف ۳۷۰ - ۷۱ ہجری ہے۔ طب کی یہ کتاب قدیم زمانے سے نہایت معروف رہی ہے۔ چنانچہ نظامی عروضی سمرقندی نے ۵۵۱ ہجری کے قریب اس کا شمار ان کتابوں میں کیا ہے جن کا مطالعہ طبیب کے لئے نہایت ضروری ہے۔ آکسفورڈ کا نسخہ ۴۷۸ ہجری کا مکتوبہ ہے، جس کا خط کتاب الابنیہ کے مشابہ ہے۔ ڈاکٹر جلال متینی استاد دانشگاہ مشہد نے اس کو

لندہ تھا جیسا کہ خود اس نسخے میں صراحت کی گئی ہے کہ یہ حسن ابن الفرج کے لئے [illegible]
میرزا محمد قزوینی نے بیست مقالۂ قزوینی کی جلد اوّل میں شامل ایک مقالے میں اس کو چوتھی صدی
کی تالیف اور اسی کتاب کی جلد دوم میں چوتھی صدی کی تالیف کو مشکوک اور پانچویں صدی کی
تالیف ہونے کو زیادہ قرین قیاس سمجھا ہے؛ آقای مجتبیٰ مینوی صراحتہً پانچویں صدی کے اواسط
کی تالیف قرار دیتے ہیں۔ راقم نے اس کتاب پر ایک مقالہ طبیہ کالج میگزین مسلم یونیورسٹی علی گڑھ
میں شائع کیا ہے جس میں ان سارے امور پر مفصل بحث کی ہے۔

بہر حال میرا خیال یہی ہے کہ کتاب الابنیہ کے مکتوبے کے بارے میں شک نہیں۔ یہ
۴۴۷ ہجری کا مکتوبہ ہے اور اسدی طوسی کا خط ہے، اس بنا پر اس کو فارسی کا قدیم ترین مخطوطہ
قرار دینے میں کوئی امر مانع نہیں۔ اس لئے میرے نزدیک پشاور کا شرح تعرف کا نسخہ دوسرا
سب سے قدیم تاریخ دار فارسی مخطوطہ سمجھنا چاہیے۔

تفسیر قرآن پاک: ایک گمنام مفسر کی تفسیر کے ۲۴۶ ورق دانشگاہ
تہران میں موجود ہیں۔ تفسیر سورۂ بقرہ کی آیت ۶۵ تا ۱۵۱ کی تفسیر ہے۔ ان اوراق کی سال
کتابت معلوم نہیں، لیکن ناقدین کے نزدیک اس کی تاریخ کتابت ۴۵۰ ہجری کے حدود کی معلوم
ہوتی ہے۔ اس کا عکسی چھاپہ بنیاد فرہنگ ایران تہران کی جانب سے سات سال قبل شائع ہوا
تھا۔ (شمارہ ۱)، پھر دوبارہ اسی کتبے کی طرف سے یہ کتاب ٹائپ میں چھپ کر عام کر دی گئی
ہے (شمارہ ۵۷)۔

چونکہ اس کتابت کی کوئی قطعی تاریخ نہیں ہے۔ اس لئے قدامت کے لحاظ سے اس کا
درجہ بتانا دشوار ہے، وثوق کے ساتھ نہیں کہا جا سکتا، البتہ اتنا مسلّم ہے کہ پانچویں صدی کا مکتوبہ
ہے اور اس لحاظ سے کتاب الابنیہ سے شاید مؤخر ہو، لیکن شرح تعرف اور ہدایۃ المتعلمین کا
ہم عصر ہوگا۔ بہر حال یہ قدیم نسخہ بھی ہندوستان ہی میں موجود ہے۔

تیسرا قدیم نسخہ وامق و عذرا (عنصری) کا ہے: محمود غزنوی کے ملک الشعراء کی یہ
مثنوی مدت سے نایاب تھی، اس کے کچھ اوراق پروفیسر محمد شفیع کے ذریعے مکشوف ہوئے
جو فی الحقیقت اس عہد کی بہت بیش بہا دریافت ہے۔ پروفیسر موصوف کو ایک نامعلوم مصنف

البزدوی رحمہ اللہ تعالیٰ مشائخ میں شیخنا الشیخ الکبیر شیخ ابو اسحاق الکلاباذی"

اس نسخے کا تفصیلی تعارف افغانی فاضل عبدالحی حبیبی ارمغان علمی میں ۹۵۵ تفصیلی طور پر کر چکے ہیں، وہ اس کی تاریخ کتابت کو صحیح سمجھتے ہیں۔ ان کے نزدیک اس خط، کاغذ، املا وغیرہ ساری جزئیات پانچویں صدی ہی کے ہیں۔ اس بنا پر وہ کتاب الابنیہ کے مکتوبے کے بعد فارسی کا سب سے قدیم مخطوطہ قرار دیتے ہیں، بلکہ لکھتے ہیں کہ چونکہ بعض ناقدین کو کتاب الابنیہ کے نسخے کے بارے میں شک ہے، اس لئے اس فارسی کا سب سے قدیم مخطوطہ شمار کرنا چاہیئے۔

"اما آنچہ در متن مقالہ راجع بہ اقدم مخطوطات پارسی نوشتیم کہ نسخۂ کتاب الابنیہ است، مخطوط ۴۴۷ھ، چون بعضی از محققین در آن خلافاً دارند۔ بنا بہ اقدم نسخ مکتوبہ خط پارسی را در کتب خانہ بادلی آکسفورد انگلستان یافتہ اند کہ نام آن ہدایۃ المتعلمین است در طب و مؤلف آن ہم ابوبکر ربیع بن احمد از اہل بخارا است کہ در قرن ۴ھ تالیف شدہ و نسخۂ موجود آن در ۴۷۸ھ کتابت گردید۔

اگر نظر انتقادی دانشمندان در بارۂ جرح قدمت کتاب الابنیہ معروض بصحت و قبول باشد پس ہمین نسخہ ما کہ فیہ پشاور را کہ در ۴۴۳ھ نوشتہ شدہ میتوان اقدم نسخ پارسی خطی مکتوبہ جہان شمرد زیرا مدت ۳۵ سال از تاریخ نوشتہ ہدایت المتعلمین نیز اسبق است"

راقم الحروف کے پیش نظر ان دانشمندوں کے دلائل نہیں جو کتاب الابنیہ کے نسخہ ویانا کی تاریخ کتابت کے بارے میں مشکوک ہیں۔ البتہ خود اس کتاب کی تاریخ تالیف کے بارے میں دو رائیں ہیں، بعض لوگ اسے منصور بن نوح (۳۵۰-۳۶۵ھ) کے عہد کی قرار دیتے ہیں، جبکہ بعض دانشوروں کے نزدیک یہ منصور کوئی دوسرا بادشاہ ہے سامانی خاندان کا بادشاہ نہیں۔ کتاب الابنیہ کا مولف اس کتاب کی کتابت کے ...

[illegible] کی [illegible] ہے [illegible]

تاریخی [illegible] کیا جا [illegible] ایسے ہی [illegible]

۱- کتابخانہ [illegible] میں شاہنامہ فردوسی کا ایک مصور نسخہ [illegible]

ندو صفحے نہیں لیکن آغائے مجتبیٰ مینوی نے گزشتہ سال اس سے استفادہ کیا تھا۔ ان کا خیال

کتابخانہ کے مصور نسخوں میں یہ سب سے قدیم ہے۔ ان کے قیاس کے مطابق یہ عہد مغول سے قبل

نسخوں میں ہے اور اس بنا پر برٹش میوزیم کے نسخے سے بھی جو ۶۷۵ کا مکتوبہ ہے قدیم تر

دارالکتب قاہرہ (قسمت تاریخ فارسی شمارہ ۷۳) کا نسخہ ۷۹۶ ہجری کا ہے اور توپ قاپو

استنبول کا نسخہ جس کی کتابت ۷۳۱ھ کی ہے، ان دونوں سے بھی قدیم ہے۔ اس نسخے کے

[illegible] میں ایک مختصر سی یادداشت مع دو صفحات کے عکس کے مجلہ ہنر و مردم تہران، شمارہ ۱۷۵

[illegible] ڈاکٹر [illegible] معاون [illegible] نے شائع کر دیے ہیں۔

۲- کشف المحجوب کا ایک نادر نسخہ پروفیسر محمد شفیع کے ذاتی کتابخانے میں محفوظ

ہے۔ اس نسخے کی اہم خصوصیت یہ ہے کہ یہ حضرت بہاء الدین زکریا ملتانی کے ہاتھ کا ہے

جس کی کتابت کی تاریخ ۶۷۵ ہجری ہے۔ اس نسخہ کی بنیاد پر پروفیسر محمد شفیع کے بیٹے

محمد [illegible] نے ۱۹۶۸ء میں لاہور سے اس کا ایک ایڈیشن شائع کیا ہے مگر یہ مکمل نہیں

ہے۔ اس وجہ سے اس کی افادیت میں کچھ کمی ہو جاتی ہے۔ اس کتاب میں اصل نسخے کے چند

ورق کے عکس بھی شامل ہیں۔ ایک چیز جو راقم کو کھٹکتی ہے وہ یہ ہے کہ حضرت بہاء الدین

کے املا میں "و" کے بجائے "ؤ" ہے۔ بہرحال کاتب کا نام اور اصل کتاب سب ایک

ہی خط میں ہیں جو نسخہ کی قدامت پر دلالت کرتے ہیں۔ علاوہ بریں اس پر قیمتی یادداشتیں

ہیں، جن سے نسخے کی اہمیت بھی پوری طرح ظاہر ہو جاتی ہے۔ یہ بات قابل ذکر ہے کہ

بہاء الدین زکریا کی تحریر کا کوئی نمونہ اب تک دستیاب نہیں ہو سکا ہے۔

۳- سیف الدین باخرزی (م: بعد ۶۵۹) کی رباعیات کا واحد نسخہ بانکی پور

کے کتابخانے میں محفوظ ہے۔ اس نسخہ کو پروفیسر نفیسی مرحوم نے ۱۳۴۲ شمسی میں [illegible]

اسلامیات [illegible] شائع کر دیا ہے۔

کہ کتاب اوقات القرآن کا ایک پرانا مخطوطہ دریافت کیا۔ مخطوطہ کی جو جلد [illegible]
چمڑے کی مضبوط بنائی گئی تھی، جب شیخ صاحب کی دقیقہ رس نظر اس کاغذ پر پڑی تو ان کو
ایک تجسس پیدا ہوا۔ ان اوراق کی تحریر خطِ نسخ میں تھی جس میں کوئی شک کی جھلک موجود [illegible]
انہوں نے بڑی احتیاط سے ان اوراق کو علیحدہ کیا اور یہ ایک تحقیق ہو [illegible] کی ابتدا [illegible]
بائیس اوراق تھے، جو عنصری کے وامق و عذرا کے اشعار کے حامل تھے۔ موصوف نے نسخہ
کی عبارت کو پڑھا، سیاق و سباق کے لحاظ سے انہیں ترتیب دیا اور ایک محققانہ مقدمہ
کے ساتھ اس کو مرتب کر دیا، مگر اس کی اشاعت کا کام ان کی وفات کے بعد ۱۹۶۷ میں انجام [illegible]

اگرچہ ان اوراق کی کتابت کی تاریخ معلوم نہیں لیکن پانچویں صدی ہجری کا خط
دینے میں بظاہر کوئی امر مانع نہیں۔ بہرحال اس کو نہایت اقدم فارسی مخطوطات میں
شمار کرنا چاہیئے۔

چوتھا قدیم نسخہ امام محمد غزالی کے بھائی احمد غزالی کے ایک نثری رسالے رسالۂ
العشقیہ کا ہے جو رامپور کے کتب خانے میں محفوظ ہے، اس کی کتابت کی تاریخ اوائل
صدی ہجری ہے۔ اور رامپور کا نسخہ نہ صرف قدیم ہے، بلکہ غالباً مؤلف کی زندگی کا ہے اس
کہ احمد غزالی کا انتقال بقول جامی ۵۱۷ھ میں اور بقول ابن خلکان و ابن الاثیر ۵۲۰ھ
واقع ہوا تھا۔

تفصیلات بالا سے واضح ہے کہ چوتھی اور اوائل پانچویں صدی کے کم از کم چار نسخے
صرف ہندوستان میں موجود ہیں، جب کہ ساری دنیا میں صرف چار ہی ایسے قدیم نسخوں کی موجودگی
کا علم ہے، جیسا کہ شروع میں عرض ہو چکا ہے۔ مخطوطات کی نگرانی کا کام یہاں جتنا مشکل ہے
سرد ملکوں میں اتنا مشکل نہیں، اس کے پیشِ نظر مخطوطات کی حفاظت کے سلسلے کی [illegible]
ملک کی خدمت نہایت وقیع قرار پاتی ہے۔

ان چار قدیم ترین نسخوں کے علاوہ خاصی تعداد میں ایسے قدیم نسخے ہیں جن کا
زبان و ادب سے گہرا تعلق ہے، یہ نسخے یا تو منحصر بفرد ہیں، یا کسی اہم [illegible]
کی تعداد کافی ہے اور ہندوستان کے طول و عرض میں پھیلی ہے، جو [illegible]

وہ نسبت تو ابتداً بتائی گئی ہے۔ خواندنی شعلے [illegible]
جری ہے۔ مخطوطے کے علاوہ امیر خسرو کے رسائل اعجاز میں اس [illegible]
سبت سے ہوا ہے۔

اس ترجمے کا بیشتر حصہ لاہور میں موجود ہے، شیرانی مرحوم کے پاس [illegible]
اب ہونے کے ساتھ ساتھ قدیم مکتوب ہے؛ پروفیسر محمد شفیع نے اس ترجمے پر ایک مفصل
دداشت ضمیمہ اورینٹل کالج میگزین میں شائع کی ہے جس سے لاہور والے مجلد ترجمے کے
بقے، جو ہزاروں صفحات سے زیادہ پر مشتمل ہے، کی پوری کیفیت واضح ہوتی ہے۔

۹۔ ترجمۂ عوارف المعارف: عوارف کا سب سے قدیم فارسی ترجمہ
ملتان میں حضرت بہاء الدین زکریا کے ایما پر قاسم داؤد خطیب نے ۶۲۹ھ سے قبل کیا، اس
جمے کے دو نسخے راقم کے توسط سے مکشوف ہوئے۔ ایک کتابخانۂ آصفیہ حیدرآباد اور
دوسرا ایک شمس اکبرآبادی صاحب کے پاس۔ یہ آخر الذکر نسخہ اب مسلم یونیورسٹی کے کتب خانے میں
ہے۔ یہ ترجمہ سلطان تاج الدین ابوبکر بن ایاز کے نام معنون ہے جو ۶۲۳ھ سے ۶۲۹
ھ ملتان، اچہ اور سندھ کے علاقے کا حکمراں تھا۔ یہ اہم تاریخی [illegible] اسی مخطوطے [illegible]
تاج الدین کی تعریف میں عمید لویکی کے دو قصیدے بھی ملتے ہیں۔ راقم نے ۱۹۴۳ء میں فکر ونظر
میں اور پھر سال گذشتہ انڈو ایرانیکا میں اسی موضوع پر مقالے لکھے ہیں۔

۱۰۔ فرہنگ قواس: یہ فرہنگ خلجی دور کی یادگار ہے مؤلف فخر الدین قواس
کمانگر ہے؛ فارسی سے فارسی لغت ہے اور قدامت کے لحاظ سے فارسی کے مکشوف لغات میں
دوسرے نمبر پر ہے۔ اپنے بعد کے بیشتر فرہنگ نگاروں کا ماخذ رہا ہے۔ اس کا ایک ناقص
الاول والآخر نسخہ بنگال ایشیاٹک سوسائٹی کے کتب خانے میں ہے، اس کے علاوہ کسی اور
نسخے کا پتہ نہیں چل سکا ہے، راقم نے عرصہ ہوا ایک تنقیدی متن تیار کرکے تہران میں غرض
اشاعت بھیج دیا ہے، بعض وجوہ سے اس کی اشاعت میں تعویق ہوئی۔ بنگاہ ترجمہ
نشر کتاب کی طرف یہ کتاب شائع ہو رہی ہے۔

۱۱۔ فرہنگ دستور الافاضل: یہ محمد تغلق کے دور میں [illegible]

۴- ترجمہ تاریخ طبری: تاریخ طبری کا ترجمہ ابو علی بلعمی نے کیا جو ... مطبعہ تہران میں طبع ہوا، اس ترجمے کے قلمی نسخے مل جاتے ہیں لیکن مانچسٹر میں ایک بہت قدیم نسخہ موجود ہے، اس کے مطالعہ کے بغیر اس تاریخ کا استنادی متن دستیاب نہیں ہو سکتا۔

۵- مکاتیب سنائی جو راقم کے اہتمام سے چھپ چکی ہے، اس کے نسخے کمیاب ہیں، ایران میں ایک بھی نہیں، برٹش میوزیم میں ایک نسخہ ہے اور ہندوستان میں دو، ایک ... یونیورسٹی لائبریری اور دوسرا مسلم یونیورسٹی لائبریری ذخیرۂ حبیب گنج میں۔ آخرالذکر نسخہ خاصہ قدیم ہے۔

۶- سراجی دہلی سلطنت کا سب سے قدیم شاعر ہے جس کا دیوان ملا ہے اور ... کالج سے شائع ہوا ہے۔ اس کے دو نسخے ملے ہیں، ایک مسلم یونیورسٹی کے کتاب خانہ ... میں دوسرا آقائے سعید نفیسی کے مجموعے تہران میں۔ سراجی قطب الدین ایبک کے دور سے قبل مکران (بلوچستان حالیہ) میں رہ چکا تھا اور اس کے اشعار سے وہاں کی سیاسی تاریخ کا ایک نیا باب تیار ہوتا ہے۔ بہرحال یہ قیمتی مسودہ ہے۔

۷- دیوان عمید لویکی: عمید لویکی سنامی التمش کے بیٹے ناصر الدین کے دور کا ایک شاعر ہے۔ اس کے اشعار منتخب التواریخ، مونس الاحرار، عرفات عاشقین وغیرہ میں شامل ہیں۔ اس پر ایک باب ڈاکٹر اقبال حسین صاحب کی تاریخ شعرائے قدیم ... میں ہے۔ اس شاعر کے اشعار ہمارے یہاں کی ایک طالبہ نے جمع کر لیے تھے، جو ایک ... ہو چکے تھے۔ حال میں راقم حروف نے اس کا ایک مختصر سا دیوان دریافت کیا، جو اب ... کے کتاب خانے کی ملک ہے۔ اس نسخے کی وجہ سے اس دور کی سیاسی و ادبی تاریخ میں اضافہ ہوا ہے۔ بہرحال امیر خسرو کے قبل کے سراجی و عمید دو صاحب دیوان شاعروں کے مطالعہ ... سے ہندوستان کے قبل مغل دور کی فارسی میں خاطر خواہ اضافہ ہوا۔

۸- غزالی کی احیاء علوم الدین کا فارسی ترجمہ التمش کے دور میں ... ہوا، لیکن اس کے کامل نسخے مفقود ہیں، البتہ جلد اوّل برٹش میوزیم میں موجود ہے ... بنیاد فرہنگ ایران کی جانب سے شائع ہو چکا ہے۔ لیکن اس میں مترجم ...

[illegible]

[illegible]

دیوان حافظ کے اس نسخے کی دریافت سے فارسی ادب میں قابل قدر اضافہ ہوا ہے۔ اب تک سب سے اول نسخہ، نسخۂ قزوینی ہے۔ اس کی بنیاد نسخۂ خلخالی ہے۔ بعد ازاں مرزا محمد قزوینی نے خلخالی کے نسخے کے علاوہ بعض اور دوسری غزلیں اور دیگر ... کو دیوان حافظ میں الحاقی قرار دے کر اپنے مرتبہ نسخے سے خارج کر دیا۔ چنانچہ وہ لکھتے ہیں:

"چون نسخۂ خلخالی کہ در سنہ ۸۲۷ کتابت شدہ تا کنون نسخۂ قدیم‌تری از آن بدست نیامدہ آن را باید قدیم‌ترین نسخ موجودۂ تاریخ‌دار دیوان حافظ در دنیا محسوب داشت لہٰذا من خود را ملتزم و مقید کردم کہ در خصوص کمیت اشعار یعنی از لحاظ عدۂ غزلیات و عدۂ ابیات ہر غزل از ابتدا تا انتہای کتاب فقط و منحصراً ہمان نسخہ را اساس کار خود قرار دہم و ہرچہ در آن نسخہ موجود است از غزلیات و مقطعات و مثنویات و رباعیات بدون ہیچ زیادہ و نقصان آنہا را چاپ کنم و ہرچہ در آن نسخہ موجود نیست خواہ غزلہای مستقل خواہ ابیات متفرقۂ بعضی غزلہا بدون ذکر آنہا را مطلقاً کان لم یکن انگاشتہ بکلی از آن صرف نظر نمایم زیرا کہ چون این نسخہ نسخۂ کامل تمامی است پس ہرچہ در این نسخہ نیست باحتمال بسیار قوی بلکہ تقریباً بنحو قطع و یقین الحاقی و اشعار دیگران است کہ بعدہا در دیوان خواجہ داخل کردہ‌اند"

قابل ذکر بات یہ ہے کہ نسخۂ آصفیہ منتخب ہے مکمل نہیں۔ اس لئے کہ اس میں صرف ۲۰۰ غزلیں ہیں جبکہ نسخۂ خلخالی میں ۴۹۵ غزلیں پائی جاتی ہیں۔ اس کے باوجود اس کی ... غزلیں، ۵ قطعے اور تین رباعیاں نسخۂ خلخالی میں شامل نہیں ہیں۔ گویا میرزا محمد قزوینی کے نزدیک الحاقی تھیں اس لئے نسخۂ قزوینی سے خارج ہیں۔ لیکن چونکہ نسخۂ خلخالی سے ... سال ... ہے اس لئے ان کا الحاقی ہونا ... نہیں ... میرزا قزوینی ...

[illegible] ہے جس نے استر آباد میں اس کو مکمل کیا [illegible] آباد
گرگان کا پرانا نام ہے، جو اس وقت استان مازندران میں ایک چھوٹا سا قریہ ہے۔ اس کا عام
نسخہ جس کے چند اوراق درمیان سے غائب ہیں، ایشیاٹک سوسائٹی میں موجود ہے۔ راقم
نے اس کا تنقیدی متن تیار کر کے بنیاد فرہنگ ایران کی طرف سے شائع کر دیا ہے۔

۲۔ آٹھویں صدی ہجری کا حافظ کا معاصر شاعر رکن الدین صائن ہے؛ اس
کے دیوان کے صرف تین نسخے معلوم ہیں، ان میں سے دو ہندوستان میں اور ایک انگلستان
(انڈیا آفس) میں ہے۔ ہندوستان کے نسخوں میں سے ایک بانکی پور اور دوسرا کلکتہ
وکٹوریہ میوزیم میں ہے؛ پروفیسر سید حسن صاحب نے ان نسخوں کی مدد سے اس کا ایک
انتقادی متن شائع کیا ہے؛ البتہ اس کا ایک منظومہ "[illegible]" ایران میں ہے،
غرض یہ ایرانی شاعر ہندوستان میں محفوظ مخطوطات اور ایک ہندوستانی دانشمند کی
کوشش سے زندہ ہوا۔

۳۔ فرہنگ زفان گویا: بدر ابراہیم کی یہ فرہنگ فارسی ـ
فارسی ہے یہ اس کی بھی تالیف ہندوستان میں ہوئی، بعد کے فرہنگ نگاروں نے اس سے
بہت استفادہ کیا ہے۔ خصوصاً صاحب مؤید الفضلا نے، اس فرہنگ کے دو نسخے
معلوم ہیں۔ ایک بانکی پور پٹنہ میں اور دوسرا لینن گراڈ میں۔ راقم حروف اس کو
ترتیب دے رہا ہے۔

۴۔ دیوان حافظ: کتابخانۂ آصفیہ حیدرآباد میں دیوان حافظ کا قدیم
مخطوطہ ہے۔ اس کی کتابت ۸۱۸ ہجری میں ہوئی، گویا باعتبار قدامت اب تک کے دریافت
شدہ نسخوں میں دوسرے یا تیسرے نمبر پر ہے۔ آیا صوفیا کا نسخہ، جو بظاہر [illegible]
کا ہے۔ قونیہ کا نسخہ ۸۱۹ کا مکتوبہ اس کے [illegible] کا ہے۔ یہ نسخہ ایک مجموعے میں ہے
جس کے متن میں کلیلہ و دمنہ (۱ – ۴۶۲) اور حاشیے میں (۱ – ۲۲۳) [illegible]
۴۶۲ دیوان حافظ ہے۔ کتابت کی تاریخ کلیلہ و دمنہ کے خاتمے پر (ص ۴۶۲ [illegible])
اس طرح درج ہے:

ہ بلسے یہاں حقیقت کی بنیاد اس قدیم نسخے کی نفاست ہے۔

خلاصہ یہ کہ نسخہ گنج بخش کی دریافت حافظیات کے سلسلے کی نہایت اہم کڑی ہے۔
س کی اہمیت کے پیش نظر راقم نے تہران کے مجلہ ایران شناسی میں اول ایک مضمون لکھا، پھر
س نسخے پر مبنی دیوان کا ایک استنادی متن کیا گیا، یہ دیوان آستانۂ قدس مشہد سے شائع ہوا،
اغذ و طباعت وغیرہ کی نفاست قابلِ دید ہے۔

۱۶۔ حافظیات کے سلسلے کا اہم ترین اضافہ باکی پور کا شاہی نسخہ ہے، جو
یوں اور جہانگیر کی تحریروں سے مزین ہے۔ ایران کا کیا ذکر دنیا میں اس اہمیت کا کوئی نسخہ
میں بھی نہیں موجود ہے۔

۱۷۔ مونس الاحرار: اس کا واحد نسخہ ذخیرۂ حبیب گنج میں موجود ہے۔
قدیم فارسی شعراء کی ایک اہم بیاض ہے، مولفہ محمد بن محمد کلاتی اصفہانی ہے۔ اس نے
حدائق السحر تالیف رشید وطواط (م: ۵۷۳) کی پیروی میں یہ مجموعہ تیار کیا تھا، حدائق السحر
نے ہر صنعت کی وضاحت کے لئے اساتذہ کے کلام سے صنائع وبدائع کے ہزارہا اشعار
تخب کر کے ایک ضخیم مجموعہ تیار کیا، جو تیس ابواب میں منقسم ہے؛ تاریخ ترتیب ربیع الآخر
۔۷ ہجری قرار دی ہے لیکن اس تاریخ کے بعد کے بھی اشعار اس میں شامل ہیں۔ اس سے اندازہ
یہ ہوتا ہے کہ شاید یہ مجموعہ ایک طویل مدت میں تیار ہوا ہو اور شروع کرنے کی تاریخ ۷۰۲ ہو، لیکن
ن ہے کہ دہائی کا عدد سہواً شامل ہونے سے رہ گیا ہو۔ گو تاریخ لفظوں میں اس طرح درج ہے:
سنہ اثنی وسبع مائۃ"

ایک عجیب اتفاق یہ ہے کہ محمد بن بدرالدین جاجرمی نے ۷۴۱ھ میں ایک مجموعۂ شعر
تیس ابواب پر مشتمل تیار کیا تھا، یہ مجموعہ نہایت مشہور ہے چنانچہ اس کے چند اہم نسخے
کی بنیاد پر آقای صالح طبسی کی ترتیب سے تہران سے دو جلدوں میں چھپ گیا ہے۔ جلد دوم
نادر ملی کی جانب سے شائع ہوئی ہے اس لئے عمدہ چھپی ہے۔

لیکن قابلِ غور امر یہ ہے کہ جاجرمی کا مقدمہ وہی ہے، جو کلاتی کا، البتہ کلاتی کے مقدمہ
پہلے ... جاجرمی کے یہاں ... غرض ... کلاتی کی ترتیب

تمل غلط پاتا ہے؛ آصفیہ کے علاوہ بعض اور قدیم نسخوں میں میرزا محمد قزوینی کے نادر شکے ہوئے اشعار شامل ہیں۔ مختصر یہ کہ نسخۂ آصفیہ دیوان حافظ کے مطالعے کے سلسلے کی اہم کڑی اور سلسلۂ معلومات میں قابل توجہ اضافہ ہے۔

۱۵۔ **دیوان حافظ:** گورکھپور کے خانوادۂ سبزپوش کے یہاں دیوان حافظ کا ایک مخطوطہ ہے، جو ۸۲۴ھ کا مکتوبہ ہے، یہ نسخہ اس لحاظ سے نہایت ہی اہم ہے کہ اس میں مقدمۂ جامع دیوان بھی شامل ہے، جو دسویں صدی کے بعض نسخوں میں ہے۔ اس سے قبل کے کسی نسخے میں نہیں، گویا حافظ کی زندگی اور کلام کے بارے میں ایک ماخذ کی نشاندہی ہوئی، جو شاعر کی وفات کے ۳۲ سال کے اندر کا ہے، اس نسخے کی دریافت سے نسخۂ قزوینی کے تمام و کمال ہونے کی روایت باطل ہوگئی۔ اس میں بھی ۱۳ غزلیں، ۷ قطعے ۴ رباعیاں اور ۲ مفرد ابیات نسخۂ خلخالی سے زیادہ ہیں۔ اگرچہ بحیثیت مجموعی نسخۂ آخرالذکر زیادہ ضخیم اور زیادہ اشعار کو حاوی ہے۔ نسخۂ آصفیہ اور نسخۂ گورکھپور دونوں میں نسخۂ خلخالی سے ۱۹ غزلیں، ۱۱ قطعے، ۷ رباعیاں اور دو فرد زیادہ ہیں۔ نسخۂ گورکھپور سے مزید جو فائدہ ہوا، وہ یہ ہے کہ میرزا محمد کا یہ قیاس کہ اصل مقدمہ میں جامع دیوان کا نام شامل نہیں، محمد گلندام جعلی شخص ہے۔ گورکھپور کے نسخے کے مقدمے میں محمد گل اندام کا نام سرے سے نہیں آیا، لہٰذا اس کے جعلی ہونے میں کوئی شبہ نہیں۔ البتہ بعض امور میں میرزا صاحب نے نسبتہً" قدیم تر نسخوں کو زیادہ قابل ترجیح دیا ہے؛ مثلاً جدید نسخوں کی یہ روایت کہ حافظ بادشاہ کو درس دیتے تھے۔ میرزا محمد کے نزدیک بعد کا اضافہ ہے؛ لیکن یہ قیاس صحت سے دور ہے، اس لئے نسخۂ گورکھپور سے یہی ظاہر ہوتا ہے کہ حافظ "شغل تعلیم سلطانی" میں مشغول رہتے تھے؛ اسی طرح متاخر نسخوں میں حافظ کی طرف دو حاشیے منسوب ہیں "تحشیہ مطالع و کشاف"۔ میرزا محمد اس کے بجائے "مطالعۂ کشاف و مطالع" زیادہ صحیح قرار دیتے ہیں، مگر اس نسخے کے مقدمے سے ظاہر ہے کہ متاخر نسخوں کی روایت درست ہے۔ اسی طرح میرزا محمد کا خیال ہے کہ متاخر نسخوں میں حافظ کی وفات ۷۹۱ بتائی گئی ہے، اس کے لئے کوئی قدیم اور معتبر روایت نہیں، اس مقدمے سے واضح ہے کہ ۷۹۱ قدیم روایت ہے؛ اس میں ۷۹۱ اور ۷۹۲ دونوں تاریخیں ملتی ہیں۔ بجز اس ممکن ہے کہ [illegible]

دوں کا [illegible] واضح ہے کہ [illegible]
باقی تھا۔ ان جناب پاس کا [illegible] سنا کا [illegible]
یہ نہایت ضخیم بیاض ہے جو کئی ہزار شعروں پر مشتمل ہے اور اس لحاظ سے نہایت اہم ہے کہ اس
میں ہندوستان کے مغلوں کے عہد کے قبل کے بیسیوں ایسے شاعروں کا ذکر ہے جو کسی اور
ذریعے سے ممکن نہ تھا۔ پھر ایسے شعرا جن کے کم اشعار ملتے ہیں ان کا بھی کلام اس میں شامل ہے۔
راقم نے اس کا مقدمہ [illegible] علمی تحقیق استاذان مشرق کے بعض گمنام شاعروں کا تعارف
مختلف مقالات کی شکل میں کرایا ہے۔ [illegible] کے دو نسخے ہیں ایک کابل یونیورسٹی میں
دوسرا برٹش میوزیم میں۔ راقم حروف کے پاس ان دونوں نسخوں کا [illegible] موجود ہے۔ پروفیسر
نفیسی کے علم میں نسخۂ کابل تھا لیکن [illegible] اس کا ذکر انہوں نے [illegible] علمی والے مقالات میں کیا ہے۔

اس گزارش سے اندازہ ہوا ہوگا کہ ہندوستان کے ذخائر میں ایسے اہم مخطوطے ہیں جن
کے مطالعے اور جن سے بجا طور پر استفادے کے بغیر ایرانی تاریخ ادب ناقص رہے گی۔ میری گزارش
صرف چند مخطوطوں تک محدود ہے، نہ جانے کتنے اہم اور نادر مخطوطے ہمارے ملک کے عام کتب خانوں
اور شخصی ذخیروں میں موجود ہیں جن تک ہماری رسائی نہیں۔ چند مخطوطات جو یہاں مذکور ہیں
وہ بطور نمونہ مشتے از خروارے ہیں۔ "مشتے از خروارے" مثل دھیان فرمایئے۔ دراصل ہزاروں
اور مخطوطات میں دس پندرہ مخطوطات وہی حیثیت رکھتے ہیں، جو مٹھی بھر دانے کو پورے
'کھلیان' سے ہوتا ہے۔

ہندوستان کے کونے کونے میں یہ ذخائر پھیلے ہوئے ہیں اور ان کی طرف قرار واقعی توجہ
نہ ہونے کی وجہ سے روز بروز برباد ہوتے جا رہے ہیں۔ ان کے جمع کرنے اور ان سے استفادہ
کرنے کے منہاج کے بارے میں منصوبہ بنانا چاہیے۔ اس سے اندازہ ہوگا کہ فارسی ادب کی
ہندوستان نے کتنی خدمت کی ہے! اس ملک نے نہ صرف ہزاروں شاعر و ادیب پیدا کیے بلکہ
فارسی کے علمی ذخائر کو محفوظ کر کے فارسی ادب تاریخ کے دامن کو وسیع کر دیا ہے۔

کی تاریخ شہ عسقلانی (وزیرِ لساتی) بتا پاتی کے متقدم ہونے کا سلسلہ بجا ضعیفی (راوندی) اسی تا حد بن بھاجوی نہ صرف ایک معروف شخصیت ہے، بلکہ ایک مجموعے کی قدیم نسخے پائے جاتے ہیں اور بعض تذکروں میں اس کا ذکر بھی ہے ۔ اس لئے اس کی صداقت مشتبہ نہیں ۔

بہرحال کوالی کا شعری مجموعہ اپنی جگہ پر خاصا اہم ہے ۔ اس میں چند شعرا ایسے ہیں جن کا کلام کسی اور ذریعے نہیں ملتا، اِس اعتبار سے فارسی تاریخ ادب میں اس کی وجہ خاص خاص مقصود ہے، آقای صالح طیبی نے راقم کے توجہ دلانے پر اس کو چھاپنے کا ارادہ کیا ہے جیساکہ جلد دوم کے مقدمے میں لکھا ہے ۔ راقم نے اس پر ایک تنقیدی مقالہ لکھا ہے، جو میرے مجموعہ "تاریخی و ادبی مطالعے" میں شامل ہے ۔

۱۸۔ بیاض محمد بن یغمور: یہ مجموعہ محمد بن یغمور کے توسط سے ترمذ میں مرتب ہوا، اِس کا واحد نسخہ گورنمنٹ اورینٹل لائبریری مخطوطات شمالی کتابخانہ دانش گاہ مدراس میں ہے، مرتب نے ایک معزز شخص کے لئے مرتب کیا ہے جس کا ذکر اس طرح کرتا ہے:

"یمین الامرا مقوی الغربا معین الدولہ اختیار الحضرۃ
شرف المعتدمین مجد الملۃ والدین شمس الاسلام و
المسلمین انیس الملوک والخواقین حرس اللہ مجدہ"

یہ مجموعہ سات "قسم" میں منقسم ہے ۔ جو اصناف شعر پر مبنی ہیں ۔ ساتویں قسم رباعیات پر ہے ۔ پروفیسر سعید نفیسی نے مونس الاحرار کاشانی اور مجموعہ "محمد بن یغمور" کا ذکر اپنے ایک مضمون (شمال نند علمی) میں کیا ہے ۔ انہوں نے اس مجموعہ کی تاریخ ترتیب قرن ہفتم اور اوائل قرن ہشتم قرار دی ہے، جو محل نظر ہے ۔ اس میں بعض ایسے شاعروں کا کلام شامل ہے جو اس عہد کے بعد گذرے ہیں ۔ بہرحال یہ مجموعہ اہم شعری مواد کا حامل ہے اور اسی بنا پر نہایت اہم ہے ۔ شاید اس کی ضخامت اس کی اشاعت میں حائل ہو ۔

۱۹۔ مجموعہ لطایف وسفینۂ ظرائف: یہ مجموعہ اس لئے ہماری بحث میں نہیں آتا کہ اس کا کوئی نسخہ ہندوستان میں موجود نہیں ۔ چونکہ اس کی ترتیب ہندوستان میں ہوئی تھی ۔ مولف فیروز شاہ تغلق (م: ۷۹۰) اور شہزادہ ملک [illegible]

می نمود چون آوازهٔ شعر غزالی بگوشش رسید او را بدربار خود دعوت نمود و قطعه‌ای که حاکی از این مطلب و از قرار ذیل است :-

ای غزالی بحق شاه نجف — که سوی بندگان بیچون آی
چونکه بیقدر گشته‌ای آنجا — سر خود را بگیر و بیرون آی

بنظم آورده با یکهزار روپیه و چند راس اسپ بسبیل خرج راه بدو فرستاد، غزالی آن را قبول نموده بجونپور آمد و زمانی در خدمت خانزمان و برادرش بهادرخان بسر برد، تا اینکه خانزمان باغوای دشمنان خود بجرم یاغیگری در ۹۷۴ھ مطابق ۱۵۶۷ میلادی بقتل رسید.

فیضی که بجهت غزالی را قائل بود و در شعرگوئی از وی تلمذ داشت. و شاید بوسیلهٔ او بدربار اکبری راه یافته بود و اولین شاعری بود که بمقام ملک الشعرای نایل آمد غزالی همه دستگاه شاهی بتنعم و ناز زندگانی خود را می گذرانید و ثروت هنگفتی را دارا بود و وقتی که در رکاب شاهی بگجرات رفته بود، ناگهان مرگش فرارسید و بساط عیش او در نوردید و همانجا در سرکهیج که مقبرهٔ مشایخ کبار و سلاطین) سلف بود، بخاک سپرده شد چون وارثی نداشت ثروت و مکنت که نهصد هزار روپیه علاوه بر اثاثیه بعنوان مرده ریگ بخزانهٔ شاهی درآمد و بقول مؤلف عرفات العاشقین " از نقدش هزار تومان سرخ و سپید مانده بود"[1]

فیضی قطعه‌ای در تاریخ وفاتش بنظم آورده است که موثق ترین مدرک راجع بتاریخ وفات غزالی در دست است چنانکه می گوید :

قدوهٔ نظم غزالی که سخن — همه از نطق خداداد نوشت
نامهٔ زندگی او ناگاه — آسمان بر ورق باد نوشت
عقل تاریخ وفاتش بهر طور — سنه نهصد و هشتاد نوشت

درباره تاریخ وفاتش هم اختلاف است بعضی نهصد و پنجاه و هفت نوشته‌اند ولی موثق ترین تاریخ همان سرودهٔ فیضی است :-

این قطعه گذشته از تاریخ وفات فیضی بجمال جراءت [illegible]

---

۱ خلاصة الکلام، [illegible] نمبر ۲۱۹ [illegible]

افسر الدوله فیاض الدین حیدر

غزالی مشهدی
و
مثنوی اش نقش بدیع

غزالی مشهدی از شعرای عهد طهماسپی بود، درباره احوال زندگانیش اطلاعات مفصلی در دست نیست - حتی اینکه مؤلفین تذکره‌ها نام اصلیش را هم ضبط نکرده‌اند[1] صاحب تذکره مخزن الغرائب که نام وی را علی رضا نوشته است - بیل[2] در کتاب ترجمه احوال شعرای فارسی نقل می کند که غزالی در یکی از قصاید خود که روضة الصفا عنوان دارد تاریخ تولد خودش را سنه ۹۳۰ھ، مطابق سنه ۱۵۲۴ع میلادی بنظم آورده است ولی آنچه از مندرجات تذکره‌ها بر می آید مشعر بر آنست که غزالی بنا بر تهمت لحد و الحاد، ایران را ترک گفته سر بدکن کشید، آنجا هم بعلت شایستگی از او تقدیر و تجلیل بعمل نیامد، و دکن را بجونپور که آن را 'شیراز هند' هم می نامند تحت فرمانفرمائی علی قلی بیگ سیستانی ملقب بخان زمان قرار داشت، خان زمان یکی از امرای فوق العاده، ذی نفوذ و از ابطال و عسکری دولت اکبری بود، او خود شاعر بود و سلطان تخلص می کرد و هم ادبا و شعرا را احترام

۱- نسخه خطی نمره ورق ۹۴ ب تا ۹۶ الف کتابخانه خدابخش

۲- BEALE'S BIOGRAPHICAL DICTIONARY, P. 144, LONDON 1894

داشت [illegible] و [illegible] است۔

غالباً این مثنوی عشق [illegible] است و [illegible] [illegible]
غزالی [illegible] [illegible] [illegible] ذکر [illegible] داشت [illegible] کرفت و [illegible]
می دهد که [illegible] الفاظ و شیوای و رسای [illegible] پیروی می کرد و احساسات و عواطف
خود را بهترین وجهی به تشبیهات بسیار لطیف و نازک جلوه گر ساخته است و این
غزالی به نحوه کلام وی صدق می نماید۔

بحریست ضمیر من که گوهر دارد — تیغست زبان من که جوهر دارد
اینک شود قلم [illegible] عشر دارد — مرغ ملکوتم سخن پر دارد

مثنوی "نقش بدیع" برای استحضار قارئین در ذیل نقل می گردد:۔

(۱) خاک دل آن روز که می بیختند — شبنمی از عشق بر او ریختند
(۲) دل چو بآن قطرهٔ غم اندود شد — بود کبابی که نمک سود شد
(۳) اینهمه شوری که کنون در دلست — اشک ز شور ابهٔ آن حاصلست
(۴) دیدهٔ عاشق که دهد خون ناب — هست همان خون که چکد از کباب
(۵) بی اثر مهر چه آب و چه گل — بی نمک عشق چه سنگ و چه دل
(۶) چند زنی قلب سیه بر محک — سنگ بود آنکه ندارد نمک
(۷) دل گهر درج نهاد کسیست — خاشی عشق [illegible] زندگیست
(۸) هرکه می عشق از این جام خورد — زندگی یافت که هرگز نمرد
(۹) آینه دوست دل دشمن است — دل که نه چون موم بود آهن است
(۱۰) تا نکنی طلب قرب شکست — گر شکند کار تو گردد درست
(۱۱) آینه شیشه چو یابد شکست — بر [illegible] آینه دیگر است
(۱۲) حسن [illegible] [illegible] کار — [illegible] صنعت [illegible]
(۱۳) [illegible] زیست — [illegible]

و چنانکه به نظریات خود آرایه داده است، رفعت فکرش را افزاداد، و در نظم سخن وی طرز و سبک خاصی شناخته است.

بنا بر قول صاحب عرفات العاشقین غزالی به قاسم کاهی ارادت داشت ولی معلوم نیست که چرا در میان ایشان شکرآبی شد. زیرا که از قاسم کاهی تاریخ وفاتش نقل کرده اند که در آن غزالی را سگ ملعون و مردود دنی گفته است:

در کشش غزالی آن سگ ملعون　　مست و جنب شد بسوی جهنم

کاهی سال وفاتش بنوشت　　مردود دنی رفت ز عالم

غزالی شاعر پرگو بوده است و در سایر فنون شاعری، قصیده، غزل، مثنوی، رباعی طبع آزمائی نموده است. تعداد ابیاتش را مؤلفین تاریخ و تذکره با اختلاف نوشته اند. صاحب طبقات اکبری تعداد ابیاتش را یک لک نوشته است. ولی مؤلفین ریاض العارفین، عرفات العاشقین و خلاصة الافکار تعداد اشعارش را هفتاد هزار ذکر نموده اند. علاوه بر آثار منظوم و منثور، غزالی مثنوی بنام "نقش بدیع" دارد که ذکرش در تذکره ها بکرات آمده ولی تا حالا اثری از آن پیدا نبود. در نسخه ی خطی دیوان غزالی که در کتابخانه ایشیاتک سوسائتی، کلکته وجود دارد و آقای ایوانوف در فهرست خود از آن نام برده در آن هم "نقش بدیع" یافت نمی شود.

ولی چندی پیش پژوهشگری از دانشگاه لکهنو آقای سلطان عباس این مثنوی را از نسخه بیاض خطی "مجموعه عاشقین" نمره ۱۹۹۱ متعلق کتابخانه خدابخش، پتنه سراغ گرفته اند. مثنوی نقش بدیع را غزالی در مدح خانزمان سروده است و می گویند که در ازای هر بیتی یک اشرفی طلائی بطور جایزه و انعام از ممدوح خود بگرفت ولی در مثنوی حاضر مشتمل بر یک صد و پانزده بیت می باشد هیچ جای سخنی از خانزمان نرفته و مطالبی دیگر [illegible] بیت با خود در آن یافت نمی شود. ممکن است که مکمل نباشد و اشعار دیگر هم

[illegible] عاشقین نسخه خطی جلد دوم نمره ۲۲۸، ۵۲۰ ورق [illegible] کتابخانه خدابخش

طبقات اکبری [illegible] مطبوعه نولکشور لکهنو سنه ۱۸۷۵ م

(۳۷) [illegible] لب [illegible] رنگ نیست — سوخته [illegible] از سنگ نیست

(۳۸) فارغ از عشق [illegible] — چاشنی عشق [illegible] کش است

(۳۹) خرمی [illegible] و بس — شادی دل ماتم عشق است و بس

(۴۰) غم دل [illegible] داند که چیست — قدر تن سوخته داند که چیست

(۴۱) بهر وفا جان بجفا میدهیم — دل بجفا جان بوفا میدهیم

(۴۲) لذت [illegible] بتان گرچه سراسر خوش است — کشته آنیم که عاشق کش است

(۴۳) هر [illegible] رعنا که جفا کیش تر — میل دل ما سوی او بیشتر

(۴۴) گرمی [illegible] خوشی [illegible] — شعله که سوزنده نباشد هباست

(۴۵) لاله عذاری که جفا جوی نیست — همچو گلی دان که در او بوی نیست

(۴۶) یاد گرفتم که بخوبی پریست — سوختن دل نمک دلبریست

(۴۷) در رخ بی فتنه چو گیسو مپیچ — ناله بی مشک نیرزد بهیچ

(۴۸) شورش تلخیست عزیز از شراب — ورنه بشیرینی ازو بهتر آب

(۴۹) ناله زنی [illegible] نکویان دو [illegible] — جور و جفا لازمه نیکوئیست

(۵۰) تا نه ره عشق ترا طی کنند — بر تو [illegible] که نه جفا کی کنند

(۵۱) دل نه بهر چشم سیه مبتلاست — تیر نگه کردن خوبان بلاست

(۵۲) جانب هر سوخته [illegible] بتاز — در دل پاره [illegible]

(۵۳) [illegible] لب [illegible] — دیدن [illegible] دیده بتاراج هوش

(۵۴) کرده [illegible] جفای دگر — قصد دل و دیده بجای دگر

(۵۵) [illegible] — لب [illegible] خوشی [illegible]

(۵۶) حسن [illegible] رخساره [illegible] افروختن — شور ره [illegible] بجهان سوختن

(۵۷) لعل [illegible] حسرت است — روی نکو آینه [illegible]

(۵۸) حسن [illegible] — عشق [illegible]

(۵۹) [illegible] — [illegible]

(۱۴) ذوق جنون از سر دیوانه پرس — لذت سوز از دل پروانه پرس

(۱۵) آنکه ز شمع تحفه نجاتش دهد — شعله بها از آب حیاتش دهد

(۱۶) کاسه چه داند که می ناب چیست — خاک سیه را چه خبر کآب چیست

(۱۷) باد که او میکشد از غنچه پست — در گذر غنچه چه داند چه پست

(۱۸) آیینه کاسد ز بتان روشنیش — نم نه کرد ناز دل آهنیش

(۱۹) ناله ز بیداد نباشد پسند — چند دل و دل چونهٔ صد بند

(۲۰) دل که ز عشق آتش سودا در اوست — قطرهٔ خون نیست که دریا در اوست

(۲۱) سبحه شماران ثریا گسل — مهرهٔ دل را نشمارند دل

(۲۲) غفلت دل تیرگی جوهر است — خاک بر آن لعل که بدگوهر است

(۲۳) نیست دل آن دل که بر آن داغ نیست — لالهٔ بیداغ درین باغ نیست

(۲۴) دل که هوا پیشه بود خرم است — غنچه که بی باد کشاید کم است

(۲۵) بر دل صد پاره مگو گریه کن — دل که نه خون است برو گریه کن

(۲۶) آتش خون است گل باغ دل — تا نبود جان نبود داغ دل

(۲۷) دور لقا رفت و فرو دل شد هوس — وای ز روی سینه نفس بر نفس

(۲۸) آهن و سنگی که شراری در اوست — بهتر از آن دل که نه ناری در اوست

(۲۹) موم گدازنده بود دل نه سنگ — شعلهٔ سوزنده رخ لاله رنگ

(۳۰) راه دل آنها که نشان داده اند — روی نکو دیده و جان داده اند

(۳۱) از رخ زیبا که جفای ندید — کیست که آن دید و بلای ندید

(۳۲) حسن بیک لمحه دگرگون شود — بر سر آتش فگنی چون شود

(۳۳) یا منگر سوی بتان تیز تیز — یا قدم دل بکش از رستخیز

(۳۴) ایکه بنظاره شدی دیده باز — سهل مبین در مژه های دراز

(۳۵) آن مژه در سینه چو کاوش کند — خون دل اندیشه تراوش کند

(۳۶) چهرهٔ گل گرچه تر و دلکش است — بلبل دل سوخته را آتش است

(۸۳) [illegible] از [illegible] دم — گرد کنی ذره [illegible] (۵۰۱)

(۸۴) عشق پدید آمد و [illegible] — [illegible] آمد ز [illegible] (۶۰۱)

(۸۵) [illegible] پرده [illegible] — هست [illegible] پرده‌کی دیده [illegible] (۷۰۱)

(۸۶) فتنه [illegible] جهان [illegible] — در دل [illegible] صد [illegible] (۸۰۱)

(۸۷) پرده‌کشا [illegible] — حیف [illegible] از اهل نظر [illegible] (۹۰۱)

(۸۸) هر که [illegible] از نظر [illegible] — هیچ [illegible] (۰۱۱)

(۸۹) هست جهان آینه [illegible] — بلکه جهان آینهٔ روی اوست (۱۱۱)

(۹۰) هر چه [illegible] عالم ز [illegible] — چیست [illegible] (۲۱۱)

(۹۱) عشق [illegible] گو [illegible] — قطره [illegible] (۶۱۱)

(۹۲) [illegible] دل چه تمنا کند — هم خود [illegible] آن به که تماشا کند (۶۱۱)

(۹۳) عقل و خرد محرم او نیستند — یک دمی بی غم او نیستند (۵۱۱)

(۹۴) وای بر آن کس غمش از دل شود — کشش بسر دیگری چو غافل شود

(۹۵) گر بشکافی دل هر ذرهٔ خاک — ریزد از آن رشحهٔ این جان پاک

(۹۶) چرخ درین سلسله پا در گلست — عقل درین میکده لایعقل است

(۹۷) جان [illegible] خستهٔ این برهمند — ملک و ملک سوختهٔ این غمند

(۹۸) گرمی گیرند که دارد نفس — قطرهٔ از ساغر عشق است و بس

(۹۹) هفت فلک پردهٔ یک ساز اوست — جنبش نه دائرهٔ یک ساز اوست

(۱۰۰) طفل [illegible] که چه راناست این — خفته چه آگه که چه ساز است این

(۱۰۱) هیچ نگه [illegible] ز ساز سروش — تا نکشی پنبهٔ غفلت ز گوش

(۱۰۲) هیچ بچشمت ننماید ز غیب — تا نکشی پردهٔ حرف غیب

(۱۰۳) عیب مکن گر ز خود اشکبار — آینهٔ حسن بر آرد غبار

(۱۰۴) خالیهٔ خط [illegible] — [illegible] دیباچهٔ صنع [illegible]

(۶۰) گره چو کاکل شان ناف نظر — خال کین کرده که بر دل نظر

(۶۱) غمزه شان به کسی دل انگیخت — چاه ذقن نیز بلای ریخت

(۶۲) گر نخوری دست به بابل بری — ثابت این چاه چه سان دلبری

(۶۳) لاله رخان گرچه که داغ دلند — روشنی چشم و چراغ دلند

(۶۴) موی عاشق ز جوانان خوش است — یک سر موی میانان خوشست

(۶۵) نازکیان چون مژه برهم زنند — شعله ز هر موی بعالم زنند

(۶۶) مه خجل از جبهه سیمین شان — تلخ می از خنده شیرین شان

(۶۷) لب همه به پیمانه و ساغر زنند — تلخی از آن زهر به شکر برند

(۶۸) از نظر اشک فشانان ملاک — کز لب شان قطره نیفتد بخاک

(۶۹) چون عرق آرند نمی بر جبین — مرغ هوس گردد از آن دانه چین

(۷۰) دیدن شان جنت کام غریب — عقل ز نادیدن شان با شکیب

(۷۱) بنشینند ملامت شود — ور بخرامند قیامت شود

(۷۲) مهر و جفا کاری شان دلفروز — دیدن و نادیدن شان سینه سوز

(۷۳) گر نگری جانب ایشان بلاست — ور سوی دل دست بری مبتلاست

(۷۴) چشم یکایک ستم انگیز تر — غمزه چون تیز و نظر تیز تر

(۷۵) تیز نظر باش که مردان راه — تیز نگردند درین سان نگاه

(۷۶) دامن از اندیشهٔ باطل بکش — دست از آلودگی دل بکش

(۷۷) در نظر کج نظران خاک به — دامن پاک و نظر پاک به

(۷۸) قدر خود آنها که قوی یافتند — از قدم پاک روی یافتند

(۷۹) کار چنان کن که درین تیره خاک — دامن عصمت نکنی چاک چاک

(۸۰) روی بتان آینه کبریاست — دیدن آن دیدهٔ دل را ضیاست

(۸۱) هر که گشوده است بمعنی نظر — دید از آن آینه روی دگر

(۸۲) وانکه گرفتار بصورت شده — آینه را گرد کدورت زده

فالنامۂ حافظ شیراز

مؤلفۂ عنایت خان راسخ

صحت نامہ غزالی مشہدی و مثنوی اشرف نقش ملیح

صفحہ / سطر	غلط	صحیح
۹۸ / حاشیہ	نمرہ ورق ۲۴۳	نمرہ ۲۸۴
۱۰۰ / ۳-۴	قاسم کوہی	قاسم کاہی
/ ۲۱	جا بیز	جایز
۱۰۱ / ۸	اینک شور	شور
۱۰۱ / ۹	مثنوی	اینک مثنوی
۱۰۱ / ۱۶	خاشنی	چاشنی
۱۰۲ / ۵	بکردند	بگردند
۱۰۳ / ۹	بچو گلی دان در	بچو گلی دان گہر
۱۰۴ / ۱	شکل شمائل	شکل و شمایل
/ ۲	آگہہت ... اہیت	آگہہت ... کہ ہیبت
/ ۱۲	بنشنید	گر بنشنید
/ ۲۴	درنیسان	ردیان

(۱۰۵) سادگی چهره چو گر دل برد — طره خود را بسلاسل برد
(۱۰۶) حسن به پیرایه چو گلشن درست — طره مشکین خوش و خط خوشتر است
(۱۰۷) دیدن بر ساده نشاید بسی — صفحه نانوشته نخواند کسی
(۱۰۸) گرچه رخ ساده بهاریست هم — سبزه و سنبل بی کاریست هم
(۱۰۹) خوب بود ساده دلی در نظر — از خط نورسته شود خوبتر
(۱۱۰) سلسله بندد ز خط عنبرین — بر ورق آهوی چین مشک چین
(۱۱۱) خط چو شود رسته شود رستخیز — غایت حسن است خط مشکبیز
(۱۱۲) خوش پسرانی که سمن غبغب اند — چون خطشان نیست تنک مشرب اند
(۱۱۳) بار اگر نو خط و گر ساده اند — هستی ما را بفنا داده اند
(۱۱۴) هرکس وا اندیشهٔ کاری دگر — باد ازین باده خماری دگر
(۱۱۵) سوخته جانیم بداغ هوس — کشتهٔ این ساده رخانیم و بس

(۱) تذکرہ یا مظفری (۲) بحر الزخار یا اخبار السلاطین جلد دوم از احوال ست محمد بیگ تا آخر سال ۱۲۱۱ھ/۱۷۹۶ء (۳) بحر المواج جلد سوم از ذکر سلطنت شاہ عالم تا ارتحال ۱۲۲۰ھ (۴) تاریخ آثار الصفیہ گویا ... ماخوذ است۔

اسلاف: ... بہ حسب ... ماخذ ... ہم ... مستند

... نسب نامہ ... درج ... من کتاب ... حضرت ... صادق ... تا ... بطول ...

ابو ایوب انصاری (صحابی رسول) ← ... امیر ... (معروف ...) ... خواجہ

... (وارد ... در ... بہ ... الدین ... شہید ... پانی پت) ← ... خواجہ ... الاسلام ...

خواجہ عبدالرزاق انصاری (معروف بہ خواجہ ...) ← ... نواز ... الطاف ... خان ←

صادق نیک نام ... جنگ

حضرت ... صادق

عنایت خان راسخ	ہدایت اللہ خان	فاخر خان	شاکر خان	... ابراہیم	... الدین خان

ہدایت اللہ خان: محمد ... ، محمد ... الحق ...

اخلاف: ... اکثر ... شاکر خان ... ابن ... عظیم آبادی ... احمد ...

تفصیل اخلاف خانِ راسخ و برادرش شاکر خان بہ تفصیل ذیل حاصل شدہ:

عنایت خانِ راسخ	شاکر خان
عزت ... خان	اسمٰعیل خان
... خان، ... خان	اسمٰعیل ...

(در این شاخ خاندان ... کسی نیست)

... خان ... بیگم (...) ... ... حسین خان ... حسن ... شاد

... نظیر احمد خان

... (خواہر زادہ ... شاد)

زیب گلشن هندستان

لطف الله خان صادق که ناظم دهلی بود زمانیکه نادرشاه در ۱۱۵۱ھ/۱۷۳۹م دهلی را تاراج کرد، عنایت خانِ راسخ یکی از دو فرزندان او هست.

و این خانه همه آفتاب است. از فرزندان خانِ صادق عنایت خانِ راسخ و شاکر خان هر دو به تصنیف و تالیف شغف داشتند. از خانِ راسخ: (۱) "رسالهٔ مغنیانِ هندوستان بهشت نشان"[۱] و (۲) "عنایت نامه" یا "رقعات عنایت خانی"[۲] (نامه‌ها از طرف یا بنام سلاطین تیموریه از همایون تا بهادر شاه اول)، و (۳) "عنایت نامه" دیگر که مشتمل بر انتخاب اشعار کتوبی استادان است و سال تالیفش ۱۱۵۳ھ[۳] — و اخیراً این رساله بابت (۴) "فالنامهٔ حافظ شیراز"[۴] که با رساله بابت مغنیان هند مجلد است و از دست همان کاتب مکتوب شده است — یادگار مانده.

و از شاکر خان چند کتب بصورت نسخه‌های خطی یافته شوند از آنجمله (۱) "تاریخ شاکر خانی" یا "تذکرهٔ شاکر خانی"[۵] که سال تالیفش ۱۱۷۹ھ/۱۷۶۵م است، و (۲) "گلشن صادق" که بطور مجمع العلوم است در ۱۱۸۷ھ تصنیف شده.

و فرزند سیوم، هدایت الله خان را خود شاید تصنیفی نبود، امّا فرزندش محمد علی انصاری چندیک کتب تاریخ تالیف نموده. کتابخانهٔ خدابخش دارای این چند مخطوطات است که یادگار از وست.

۱- نسخهٔ خطی کتابخانهٔ خدابخش، پتنه که بعنایت و اهتمام دکتر علی حیدر [illegible] بسال ۱۹۶۱م چاپ شده.

۲- نسخهٔ در موزهٔ بریتانیه و نسخهٔ دیگر در کتابخانهٔ دانشگاه پتنه یافته شود.

۳- نسخهٔ خطی در کتابخانهٔ خدابخش محفوظ است و نسخهٔ دیگر در کتابخانهٔ رضا یافته شود.

۴- نسخهٔ در موزهٔ بریتانیه محفوظ است و نسخهٔ دیگر که از آن منقول است از نسخهٔ که اغلباً در کتابخانهٔ آصفیه یافته شود، در کتابخانهٔ خدابخش محفوظ است.

۵- جلد اول گلشن صادق که دارای نصف اول باشد در کتابخانهٔ خدابخش محفوظ است، دیگر [illegible] است.

زد که از دست سواحیان نگهداشت که برای جنگ سندر جنگ فرستاده بود امر کرد که بجهت
شما برشش را جابجا اصل خان صادق می نمائیم ... الحال شما با بجای او بشود آنچه مقتضا باشد
بدانما بید کرده عرض آن لیس نمائید .... اگرچه از نادر شاه باقی داشتیم و همه فروخته حویلی با اعدامها آخر
اجائیکه دست رسید یک لک و دو هزار روپیه سرانجام کرده داخل خزانهٔ والا نمودیم۔
نقل سیاهه ... یادداشت آنکه فرد مهر عنایت خان راسخ بهادر وغیره رسید که ... حقیقت
این است که بتاریخ ۸ ماه ربیع الثانی سنه ... بجهت وصول تا ادای مبلغ یک لک و ده هزار روپیه بابت
پیشکش عطای جاگیرات والتمغای پانی پت و عظیم آباد وغیره برحویلی لطف الله خان مرحوم تورده شده
بود بعد آن ۲۶ شهر صدر عرضی عنایت خان راسخ وغیره ... رسیده که خانه زادان پسران لطف الله
خان صادق در جناب والا عرض می نمایند که بر کوٹھا های خان مرحوم و خانه زادان تا ادای پیشکش
صینه که بمنزله جاگیرات والتمغای پانی پت و عظیم آباد وغیره است مهر فدوی درگاه والا شده امیدوار
بنام فدوی درگاه بدستخط مزین شود که مهر توره و بریده مردم چوکی طلب نماید۔ مبلغ بیست و پنج هزار
داخل شده و باقی برداشتن چوکی و بریده شدن توره زود سرانجام می باید یا بدید ... توره از
کوٹھا برداشته شده و وکیل پسران خان مرحوم داخلای یک لک و سی هزار روپیه بابت پیشکش
عوض قیمت جاگیرات ...... مزید بعباد خاص بدست داده ...... واز آن واز دست فرزندان ما
هنوز آلودگی نشده بود که قضای آسمانی و تقدیر ربانی نوع دیگر پیش آمد که مانده وطن و جاهای سابق
نشان غنیمت نمی شمردیم ... چه از خاندان تیموریه واز وزارت گورگانیه این قسم کاهی نشده بود
که بی وجه جوز ا مال احدی شوند ۔ اما بادشاه غارت کرد و بادشاه را وزیر، تا در تاریخ ۲۰ شهر
ربیع الثانی روز پنجشنبه لشکر مرزا دلی ابدال .... استیلا یافت بر دار الخلافه ! .... وقت
چون تنگی و حسرت بنهایت رسید ..... متعلقان فدوی را همراه گرفتن و جلد راه ترک گرفتن
..... وعزیزان را وداع کردن روی داد ۔ این فقیر از شهر که مالوف بود دلکهنو را ۲۰ شهر شعبان
المعظم در عرض خطر ..... از راه بریلی دلکهنو تا تاریخ ۲۰ شوال المکرم در بلدهٔ بنارس رسید ....
چون امید از وطن مشغوف مسکن مالوف منقطع شد صلاح دولت و دین در آن دید که مسکن در
دیار ... گزیده آن شهر بنارس ... مقدسان ... شد .... والله

۱ - آقای ... می‌گوید که خان راسخ در مقام سونی پت اقامت گزیده شد و مدفنش نیز همان شهر است.

پدر بزرگوار عنایت خان راسخ، لطف الله خان صادق از شیخ زاده‌های انصاری پانی پت بود که بعهد بهادر شاه اول به دربار منسلک شد. در عهد جهاندار شاه چشم حاکم برگشته از نظر افتاده خانه نشین شده. خان صادق بدین سبب با فرخ سیر ساز کرده، در عهد کامرانی او به خلعت دهلی (مع سید عبدالله خان) سرافراز گشته ... و در عهد محمد شاه، خان صادق به عهدهٔ خانسامانی مامور شده و منصب شش هزاری و خطاب شمس الدوله بهادر شهامت جنگ یافته. و در دوران فتنهٔ نادرشاهی کارهای چنین از خان صادق ظهور آمده که از نظر عنایت افتاده. و وفاتش بعهد احمد شاه واقع شد ....

از فرزندانش عنایت خان راسخ و شاکر خان قدری ترقی کردند.[1]

سال پیدایش: و هرچه او در عنایت نامهٔ نثر نوشته، سال پیدایش خان راسخ بین یا پیش ۱۱۲۳ھ مستفاد میشود. میگوید: "بنده عاصی عنایت خان راسخ .... در این سنه ۱۱۶۳ھ چهل و ... مرحله از مسلک زندگانی طی نموده."[2]

احوال: و از احوالش چندان که معلوم است، همانیست که مشترکاً برادرش شاکر خان در تذکرهٔ خود بیان نموده. و هرچند که سوای داستان تنگی و عسرت بعد وفات پدرشان خان صادق (۱۱۶۶) چیزی دیگر از جملهٔ تفصیل بدست نمی‌آید، اما بصورتی که هیچ آثار دیگر یافته نمی‌شود این هم غنیمت شمرده ز تذکرهٔ شاکر خان منقول شود:

"چون علیه الرحمة عالم رحلت فرمود احمد شاه بهادر ما هر شش برادر را بحضور طلب فرموده عنایت خلاع .... سرافراز نموده ... مغلانیها فرستاده مذر ماتم داری ارشاد کرد، تا سه روز پیهم ... عنایت نمود که درباره هیچ خانه زادی این قسم تفضل نفرموده بود. بعد از این، از تنگ شده

---

۱ - مآثر الامرا — و پروفیسور سید حسن عسکری اینزاد میکند که ... خوش حال چند خان صادق را با لفاظ خوشش یاد نمی‌کند بل قدح میکند.

۲ - دکتر ... [illegible]

قرائت اشعار حافظ

متن اشعار حافظ که درین رساله وارد شده [illegible]
از قرائت نسخهٔ کرشنا [illegible]
هم از نسخه‌های دیگر. تفصیل اختلاف باین طور است:

فال نامه	دیوان حافظ
است	۱- [illegible] شرق و غرب [illegible]
مهری در برق [illegible]	۲- [illegible] در برق [illegible]
مقبل	۳- [illegible] از تو [illegible]
نهاده	۴- دولت [illegible]
یکسی نداشت	۵- بیدار [illegible]
مرهم	۶- [illegible]
شاه عالم [illegible]	۷- شاه عالم [illegible] ابهام گو
حافظ شیرین کلام [illegible] حاضر جواب	۸- حافظ شیرین کلام [illegible] حاضر جواب
[illegible]	۹- اگر [illegible] دل [illegible]
ساقی	۱۰- [illegible]
یا	۱۱- [illegible]
[illegible]	۱۲- این بیت [illegible] دیده نمی‌شود:

[illegible]

[illegible] از [illegible] آقای [illegible]

[illegible]

دیده پادشاه بسبب پرورده هم ظل گستر باشد... بی توقف رد بدین خط بخط وصل و رسید نمایان است
تولی برادر دلی و لوازم انبار چند فتوحات و ابیات مطولی شود. سبک گرد الیه بازار تادر پدر بازار
و اداره پایکاره بصوبی شوند چهار، تحریر شمار، بدستور راند، درکار، کو شمار اخرشوار، خریدار،
و دستور مدار، شمار..... تا اسم خاطر کرده باب بود باوجود دفتر خاص حضرت ظل الهی عالی
گوهر.... دستکار حسن تحریر فلک بهادر و تحریر و حسن تعین شوقی .... جاگیر ضبط بود، توقیع طعام
یک بعد سیاقت اسنار بر مابیق دیگر به رسد.....

باقی سلوک ادبیاته از سیادت عالی جناب... مهدی قلیخان بهادر حسنعلی بیگ و
احترام الدوله بهادر ظفر جنگ دیده و ملقب بعدی ازان بگوش حق نیوش رسیده.

نسخه فالنامه ـ نسخه خطی فالنامه حافظ مکتوبه محمد واسع الدین انصاری[2]
بلا تاریخ، بخط شکسته ـ کتابت کم سواد است و هم غلط نویس. تاریخ کتابت درحیات مولف
قرار باید چنانکه سطر آخرین مولف اشاره کند ـ مهری که تاریخ دارد و نام عبدالحکیم قادری[1] ازان
پیدا شود که این نسخه قبل از ۱۱۹۹ نوشته شده.

و نسخه فالنامه بصورت موجوده بر چهارده اوراق مشتمل است ـ و بعد ورق نهم یک
بعداوراق ندارد و هم بدین طور بعد از ورق سیزدهم اوراق چند ضائع شده.

نسخه دیوان حافظ کتابخانه رامپور ـ در هم زمانه متعارف خودش اشتهار کرده که جهانگیر
از آن تفاول نموده و از ثقات مسموع شد که در کتابخانه "بادشاهی موجود است"، حالا در
کتابخانه خدابخش است و چنانکه دارای خط جهانگیر و همایون پادشاه است و نسخه خطی خوش خط
و مزین و قدیم است، کتابخانه خدابخش اهتمام کرده است که برای حافظ شناسان این نسخه
بطور چاپ عکسی چاپ نماید.

۱ـ تذکره شاکرخان، ۱۳۸ ـ ۱۳۵
۲ـ لاحقه انصاری مشیر است که نسخه قرات دارای مولف باشد.

کوشش نمایند که دست تعدی رهائی بدون وصلی دیر یابد بسر منزل حقیقی پیوست آمد - دلیل انما اینک
وما بازگشت بخشیده و رضا به رای قرار داده طلب بنگر از نو نشناکفته بچگ کنید و صال وصیت بملکه
اتصال از تعلقات دار فنا و ساحت این مرحله پرخوف و خطر رخت اقامت برگیرند دیگر باره بشاد آباد
شهرستان انس و کشور روح پرور که قدس رسیده بشمول فیض و جمع مغفرت ایزدی کامیاب بسو یابند
وبهره مند حضور سرمدی شوند - بنا بر علیه روز یکشنبه بیست و هشتم صفر سنه هزار و سی و هفت هجری مورد
جلایل توفیقات ازلی مشمول الطاف نامتناهی سبحانی حضرت جنت مکانی که از کشمیر متوجه لاهور بودند، در منزل
چنگز هتی دل از دین کدورت سرای فانی برگرفته ندای ارجعی الی ربک راضیة مرضیة با کشاده
پیشانی اجابت کرده به بهشت برین و جوار رحمت رب العالمین پیوستند و به بهجت و سرور مورد و ایصال
در حضور مخلد فائز گشتند -

از آنجا که زمان جهان افروزی اجلال شاهجهانی و هنگام فروغ افزای اقبال صاحبقران ثانی
نزدیک رسیده بود نه پیوستن یمین الدوله امین الملک آصف خان در صدد بقای دولت و نظام کارخانه
سلطنت مساعی جمیله و کوشش جزیل نموده قطع رشته طول امل و تو ده عمل و کتابه شهریار و بیاق
حساب جلالی قی و ترک گرم حقانی بایسنغر زیاده سر بر ذمت همت والا نهمت خود حواله داشته همانند
بنارسی را که در تیز روی گوی سبقت از همگنان میربود بطریق ڈاک چکی بخدمت شاهجهان رخصت فرمود -
وچون فرصت نوشتن عرضداشت و تفصیل احوال نبود مهر خود را حواله نمود که بنظر اشرف در آورد و تا حال اعتقاد
گردد و التماس نماید که بدولت و اقبال بر جناح استعجال متوجه اورنگ خلافت شوند - بنارسی در عرض
بیست روز قطع مسافت نموده روز یکشنبه نوزدهم ربیع الاول سنه مذکور بمکان جنیر پیوست و علاوه گرد راه نخست
بمنزل مهابت خان خانخانان که بسبب بشوئی که از و سر زده بود از جناب جنت مکانی جدائی گزیده خود را
بخدمت شاهجهان رسانیده بود رفته این حقیقت را ظاهر ساخت و او فی الفور سوار شده بملازمت حضرت شتافت
آورده گویند درین وقت شاهجهان بسیر دیوان ... خواجه حافظ شیراز اشتغال داشتند
بعد توقف برین ماجرا نظر به بیتی افتاد که شکسته حال و بال ... شده و خیر ... سری برخوردار شاه
خانجهان لودی که بغرور کثرت سپاه و ... خود را ... ایشان ...
سلطنت [illegible]

فالنامهٔ حافظ شیراز

حضرت جنت مکانی جهانگیر بادشاه که در ایام بادشاهزادگی معروف بسلطان سلیم بودند بنا بر بعضی عوارض از والد ماجد خود انحراف ورزیده در اله آباد می گذرانیدند. حضرت عرش آشیانی بمقتضای شفقت یعقوبی مکرر از شوق مواصلت مرقوم فرمودند لیکن ایشان را ارکان دولت و ارباب مشورت پای وسواس ساخته از تحصیل این سعادت سرمدی باز می داشتند. سلطان سلیم بنا بر غلیانی که از تذبذب بخاطر داشتند تفاؤل بدیوان خواجه حافظ نمودند، غزلیکه سه بیت از آن درین جا ثبت شده و شعر ثالث بیت الغزل آن است برآمد

چرا نه در پی عزم دیار خود باشم — چرا نه خاک کف پای یار خود باشم
ز محرمان سراپردهٔ وصال شوم — ز بندگان خداوندگار خود باشم
غم غریبی و غربت چو بر نمی تابم — بشهر خود روم و شهریار خود باشم

طبع ایشان هم چون میل تمام در رغبت مآل الکلام بحصول این مرام داشت، خلاف مخالفت برای خود حل فرمود، احرام کعبهٔ مقصود بسته بملازمت پدر بزرگوار مستعد گردیدند و در اندک زمانی بمصداق خبر لسان الغیب بوالا پایهٔ شهریاری فائز گشتند. این حکایت بر حاشیهٔ دیوان حافظی که بر جای متصل غزل مذکور بخط خاص تعلیق فرموده بودند، از ثقات مسموع شد که در کتاب خانهٔ بادشاهی موجود است.

بیدار دلان هوشمند و خرد پروران حقیقت پیوند بیقین دانند که این ویرانه دیر سست بنیاد معموره نما که روزی چند مسکن و وطن آدمی گشته جاودان جای اقامت جان پاک و مقر این گوهر تابناک تواند بود بلکه منزلیست در ره گذر واردان غیبی که چون بتجرد نشاد ارواح و نفوس بر وفق تقدیر قادر ذو الجلال بعزم تحصیل معرفت و کمال از نزهت آباد کشور قدس دار الملک اقلیم جبروت در اهتزاز آیند و بمصلحت حکمت بالغه بر مراکب قوالب هیولانی و مطایای هیاکل جسمانی راکب گشته آهنگ سیر عوالم شهود و میل وادی نمود نمایند و بدین خطهٔ عاریت امان رسیده برسم مسافران علی سبیل نزول اندازند، و بعضی دست طیلسان تعلقات [illegible] بر دوش فطرت گرفته روزی چند بمقتضیات و احکام آن در سازند تا بدستیاری [illegible] و مددگاری حواس که کرین اکتساب معرفت رب الارباب است مشاهدهٔ غرائب صنع بیچون و عجایب [illegible] نموده بقدر حیثیت استعداد و شناخت و پرستش ایزد جهان آفرین که مقصد [illegible]

[illegible]

بی‌مثل [illegible]

وانتقام ایام سلطنت [illegible] حضرت [illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

کشیده [illegible]

[illegible] وخلعت استحقاق از جلیل [illegible]

این تمنا در سر داشته [illegible] تمام اختیار

سلطنت [illegible] استقلال آنحضرت [illegible]

[illegible]

یافته [illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

پر از آتش خشم زبانه کشید - زیاده بر آن [illegible]

داشتن [illegible] دولت [illegible] و کثرت

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

ببینیم تا کار سلطان جهان — درین آشکارا چه دارد نهان
ببینیم تا قیصر ... — [illegible]
ببینیم کز ... — [illegible]

[illegible] لسان الغیب خود در قصیده که ... [illegible]

[illegible] گردیده

[illegible] — از بهر تو سعادت شاه جهان ...
خاقان ... — [illegible]
دارای ... آفتاب ملک — خاقان ... شهنشاه نوجوان
[illegible] — [illegible]
ای صورت تو ملک جمال و جمال ملک — وی طلعت تو جان جهان و جهان جان

تو آفتاب ملکی ... — چون سایه از قفای تو دولت بود روان
[illegible] — [illegible]
[illegible] — [illegible]
ای خسرو ... جناب ... قدر — وی داور ... [illegible]
[illegible] — [illegible]
[illegible] — این ... [illegible] گران

داده فلک عنان ... بدست تو — یعنی ... [illegible]

سبحان الله در حقیقت لسان الغیب نظم این کلام ... [illegible] شاه جهان ... [illegible]

[illegible]

[illegible] آمده

هر جا که خدا ... — ... [illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

خطبای قدسیت [illegible] سکه [illegible] چهار تای شاه [illegible]
غازی بهادر [illegible] آفتاب ماهتاب سر [illegible] باهم گردد [illegible] سال [illegible]
بنیاد شهید مرحوم [illegible] بعد [illegible] پادشاه بحر و بر محمد فرخ السیر [illegible]
[illegible] جهان بانی [illegible] آب تیغ [illegible] تسلیم [illegible]
سلطان [illegible] محمد [illegible] الشان [illegible] نصرت انجام فتح [illegible] فیروزی [illegible] ظفر [illegible] افراخته
باب [illegible] خلافت [illegible] آسمان فرسای [illegible] سر بلند ساخت [illegible]
[illegible] کشور کشائی آن عالی [illegible] مسامع عالم و عالمیان رسیده [illegible] شوکت [illegible]
حشمت گیر [illegible] باکناف ممالک کشید، بزرگی در استظهار این معنی که کدامین ازین [illegible]
اوج عز و جلال [illegible] آمال [illegible] اقبال خواهد شد. دیوان معجز بیان لسان الغیب
راگشوده این بیت فرخ فال [illegible] مشیر [illegible] آن بحر جود و افضال برآمد :

اگر میل دل هر کس بجاییست　　بود میل دل ما سوی فرخ

آیینه ضمیر منیر دانشوران صاحب نظر و مرآت باطن تجلی موطن روشندلان دیده ور عکس پذیر
صورت این معنی است که هرچند صحایف خاطر قدسیان نقش حقایق دینوی مصفا است و الواح انتباع [illegible]
طبعا از نقش عوایق صوری [illegible] لیکن گاهی برای تسکین و تسلی ارباب اضطرار شاهد محجوب اسرار را به تلمیح
و اشاره جلوه شهود می دهند و عقده خاطر فاتر اصحاب افتقار با تامل فال بشارت گشود می بخشند. مصداق
این مقال فالی است که از دیوان حافظ شیراز برآمد یعنی در ایام سر بشورش برداشتن احمد افغان ابدالی
بداعیه تسخیر هندوستان جنت نشان که با چهل یا پنجاه هزار سوار جرار تا سهرند رسیده بود حضرت محمد شاه [illegible]
آرامگاه نیر اعظم خلافت ابوالنصر مجاهد الدین احمد شاه بهادر غازی را که در آن زمان فقط باسم گرامی
شاهی نامور بودند برای دفع و تنبیه ابدالی مذکور رخصت فرمودند لکن آنحضرت تا دمیدن صبح فتح و فیروزی
هر صباح و مسا جبین نیاز بهجت ظفر و نصرت پادشاهزاده کامگار و مغلوبی ابدالی می سودند. در همان ایام
روزی [illegible] نیر اعظم سپهر شوکت ضیاء الدوله سعد الدین خان بهادر خانسامان [illegible]
اختصاص داشتند که آنحضرت در [illegible] از دیوان [illegible] حافظ شیراز تفاول نمودند، این
غزل که [illegible]

چنین که شاه جد بزرگوار ساطنت از بنگاله و گجرات بهیمن مساعدت آن بزرگ پیر دید
که بالا آیات سعادت و جلادت باز یافته بد و فق فال خواجه آنچنان اورنگ و سریر جدیدی فی
تقدیر گردون مراد از میامن ادعای مادر زاد بود ذٰلِكَ فَضْلُ اللّٰهِ يُؤْتِيهِ مَنْ يَشَاءُ

روز جمعه بیست و هشتم شهر ذی قعده سنه یک هزار و یک صد و نوزدهم که حضرت خلد مکان ابو المظفر
عالمگیر بادشاه غازی دل ازین کدورت سرای فانی برگرفته در جوار رحمت ایزدی بگذشت زیب گاه بادشاهی
انتقال فرمودند شخصی از نمک پروردهای این دولت بطرز تفاول بدیوان حافظ شیرازی نمود که آیا زیب
سلطنت بکدام یکی از اخلاف آن فرزندان اسلاف که هر یک در عالم خود بادصاف حمیده سروری و
صفات پسندیده دادگستری کامل و شامل است رسد این بیت بر آمد

شاه عالم گنج بخش و نکته دان و تیز فهم ... حافظ شیرین کلام و بذله گو حاضر جواب

حقا که حضرت شاه عالم خلد منزل بشیر بهمین صفات فرخنده سمات گنج معنی و نکته دانی و تیز فهمی و حفظ
کلام الهی که سروش لسان الغیب خبر داد و اختصاص و اتصاف داشتند علیهم الرحمة و الغفران و بمصداق
این حکایت سراسر سعادت روایتی مستند بقید کتابت من در آورد که چون امر خطیر که انتظام سلسله
عالمی بآن متوسل و مربوط شده در ملک سر و عید هر یکی جهت رفاه خلق الله یا هوا داری ذو دولت
خواهی سلاطین بجا که فلاح همگنان در خیر آنست ناگزیر بعرض نعت ای صاحب حالی باستخاره و فال
می نماید بنا علیه عزیزی از احبه که حلقه بندگی سلاله کرام تیموریه در گوش و حاشیه اطاعت دودمان عالم
گورگانیه ابا عن جد بر دوش داشته همین استکشاف کرامت نشان کاز اخلاف حضرت خلد مکان کدام
معظم کرامی پور خلافت اورنگ آرای سلطنت خواهد شد دیوان خواجه را گشود این بیت که علاوه
معنی فال مرقومة الصدر است بر آمد

شاه عالم بالعطا و عز و ناز ... باد هر چیزی که خواهد زین قبیل

بحکم اذا جاء اجلهم لا يستأخرون ساعة و لا يستقدمون بیستم ماه محرم الحرام روز یکشنبه
سنه هزار و یکصد و بیست و چهار هجری که نقل جلال رحمت ایزدی بادت اعضای مکرمت سروری خسروگیتی پناه
خلد منزل شاه عالم بهادرشاه بباس حیات مستعار از تن کشیده دامن تعلقات از شهرستان دنیا چیده
بر چیده بگلگشت فرحت گاه جاودانی خرامید محمد جهاندار شاه در لاهور دار السلطنت لاهور

کارنامه یم ... [illegible] ... هم گشت تا مت فرت و استقامت اهل ایمان به
قَتَلَ قَتِیلاً فَلَهُ سَلَبُهُ غنیمت شمرده بجای اشتغال این نائرهٔ ضلال سعی افزودند و بنای آتش
مفسدهٔ جهان سوز از بر شعله گرده بود دانا کستر نشین گردانید میر احمد خان نائب ناظم خود جلادت
آمود بتسخیر و اعضار سرخیل فساد و تنبیه لشکر ظلالت و بیداد تعین فرمود - حسب اتفاق منصور نگشته
ناچار بهزیمت و فرار از آن دیار اختیار نمود - بعد از آن شاه پسند خان بخشی و متصدیان دیگر بمصلحت تدبیر
آمیز تدبیری انگیخته و بعیادی اهل التشیع که اکثر ازانها صاحب شمشیر و تدبیر اند بخیال استصلاح که قتل فرقه
مذکوره شکوه نخس دانستند - محمد شاه پسر شیر و قاضی شهر داعی و عمر طوفان و گروها با ایشان فا رفته همه
آنگروه غنایان بیک خلوت مناظره قتل و تاراج خیمه و انهدام بنیان ایشان جانفشانی نموده
شتافت - فصاحت خان راضی بنظم مثنوی این داستان فتنه نشان ابواب معانی جنوبر وجه اهیا
سخن کشاده و مانند انوری داد سخنوری داده و بجهت ادیاد و لطف کلام پارهٔ از اشعار آبدارش
درین مقام انتظام یافت -

بحکم نافذ خان معلی — متاع خانها کردند یغما
رساز خویه ایش گرمی بنار است — دعای بجیش در تهوار است (کذا)
زبس شد تیرباران بی تفاوت — نشان بیداد از سنگ نماست (کذا)
بنای کفر کنده تو بستان — نباشد گرچه جنگ خندق این است
چنان از زنده پوشان تجامعت — که گوئی غزوهٔ ذات الرقاع است
زبیر مای مهجار گرم کین است — بلی معنی جنگ بدر این است
بخاک افتاده اند از بسکه شیران — زمین پهلو زند با شیر میدان (کذا)
چو بود از زمرهٔ اثنا عشری — شکوه در قتل خانان ست نحیه
بشیون شد بدل آواز چینی — کباب امروز نبود جز حسینی (کذا)
جواقی زانها از بس تیغ تاب — اجل خود چون ورزها افگنده اند
چنان تا بلیغ بر روی زمین است — که گوئی پیش ما شور ایما است
کمین مستی نماند اعنی زرای — مگر زمعد شهید رالغنائی

[illegible] بادشاهی

[illegible] شاه عباس علیه الرحمة به تقریب تسخیر و شکار [illegible] عزیمت [illegible]
که تبریز جای تخت است و شروان از دست و کنون عاطل [illegible] داشت و تبریز فرمود - [illegible]
چنانچه [illegible] قلی بیگ [illegible] باشی قاچار [illegible] بود و از غرایب حالات است [illegible]
[illegible] این تقدیر [illegible] یافت مولانا [illegible] منجم [illegible] با وکیل [illegible] قلعه تبریز [illegible] بود [illegible]
[illegible] وکیل از بعض می‌کند که خبر آمدن شاه به تبریز در شهر [illegible] مذکور [illegible]
[illegible] غلط است. غرض این گفتگو در میان بود تا چون دولت خواهی آن دو دیوان [illegible]
[illegible] تفاؤل به دیوان حافظ نمود در اول صفحه همین این مقطع بر آمد:

عراق و فارس گرفتی به شعر خوش حافظ
بیا که نوبت بغداد و وقت تبریز است

حاصل کرد و اندک زمانی مطابق نوید آن زنده جاوید شاهد مقصود که در جلوه‌گاه ضمیر خورشید تنظیر بود با حسن
وجهی چهره [illegible] نمود.

بر ضمیر [illegible] حقیقت آشنا و خرد [illegible] پوشیده نیست که گرم و سرد [illegible] زمانه [illegible] باد و [illegible]
[illegible] عالم کون و فساد [illegible] است که [illegible] اشتغال کرده [illegible] تحمل [illegible]
[illegible] عنصری از [illegible] قرون [illegible] انقلاب [illegible] فساد
[illegible] آثار [illegible] قهرمان [illegible]
قهرمان [illegible] رعایای جهان پرور [illegible] آبادان گردد چنانکه آغاز
سلطنت پادشاه مظلوم محمد فرخ سیر شهید مرحوم که تاریخ سال [illegible] و تاریخ [illegible]
[illegible] آن خسرو شهید [illegible]:

دل با سر حق گفت تاریخ
[illegible]

[illegible] آغاز [illegible] محمد شاه بادشاه [illegible]
جنت [illegible] فضیلت نشان [illegible]

۱- ورقی چند بعد از اینجا در نسخهٔ [illegible] مفقود شده.

این لطیفه [illegible] مصرع [illegible]
زلف [illegible] [illegible]
هم بشوق تماشای [illegible] حاضر [illegible]
این مرتبه هم [illegible] حال [illegible]
درگرفت و بدگفت و شور بسیار قرار یافت که باز بهمان طور تفاؤل نمایند - حاصل که [illegible]
این شعر بر آمد:

گفته بودی که بیاییم و دو دوست بهم   وعده از حد بشد و ما نه دو دیدیم و نه یک

طرز غریبی از حلقهٔ می‌گساران بر خاست و شور و ملکت شیرینی ادای زیاده‌تر پا بدامن حیا کشیده در مقام خود داری نشست - آخر آن جرگهٔ بیباک از گردش گرفته دو بلبش را که در مطالعت رونق قصر کرمی شکست بر قد آن نشد جاوید سود ند -

حضرت ظل رحمت با آشنایان نواب برهان الملک [illegible] چند قطعه [illegible] متصل کابلی دروازه شاهجهان آباد داشتند - خواستند که دیگر قطعات حوالی آن را خریده نموده محل عظیم الشان و منزل رفیع المکان ....

.... تابان [illegible] خواستند که حل نمایند - حوالی خواجه باقی پیش آمده گفتگو فیمابین واقع شد - بعد [illegible] میان آمده مقرر نمودند که از دیوان تفاؤل بدیوان بردو گویا صاحب حال نمایند هرچه بر آید بمقتضای آن عمل نمایند - اول دیوان خواجه کشودند این بیت بر آمد:

رواق منظر چشم من آشیانهٔ تست   کرم نما و فرود آ که خانه خانهٔ تست

پس دیوان [illegible] کشودند این بیت بر آمد:

جانم بعذر واقفه پهلوی او کنید   او قبلهٔ من است رخم سوی او کنید

از وقوع این لطیفه [illegible] راضی شدند و در پهلوی خواجه بزرگوار بیت گذاشتند - رحمها الله تعالی -

---

۱- [illegible]

شرنگ تا بحشر داغ باقی | بود بر غلو وحشت جوانی
پی اصلاح آن عبد الصمد خان | بحکم پادشاه جهانیان
رسیده از دهلی فوج ... | قتل مفسد اکبر گشت ... (کردا)
سر حد تن زاهل ... یکی ... | چو تاریخ ... بیک لیل طلب
بفرمان خجسته است بردار | عیان بر خلق شد معنی سردار

دعا اگر در ان ایام فرات توام خواطر وضیع و شریف گشت مغموم گردید و دیده عبرت دیدگان اولوالابصار ازین کشت و خون چپ و چاپ پر آب گردید. معدن حقایق و معارف آگاه سید شاه ابو البقا قادری سالک شرایع از جنبه ی خواجه عبد الصمد نقش بندی ارتباط معنوی و اختلاط حقیقی با هم داشتند. در استبشار رفع اشرار دیوان سراپا اعجاز خواجه حافظ شیراز تفاؤل نمود. سر صفحه همین این بیت بر آمد:

خدا را شکر غم بیهوده از بخت می خواهم خورد
تا فخر دین عبد الصمد باشد که غم خوار کند

مردم متحیر از انطباق این فال خیر مآل بودند که در سنه ... آرامگاهی نواب عبد الصمد خان دلیر جنگ بهادر محمد شاهی برای دفع مفسده و قلع و قمع مفسدان از پیشگاه خلافت مرکز العنایات مامور شده بود و نسق ملک به آئین شائسته و روش بایسته فرمود.

غریب تر روایت الهی اسیادت خان نیشاپوری محمد شاهی نقل میکردند که بتقریبی رفتن ایشان بشیراز اتفاق افتاده بود روز پنجشنبه باتفاق بعضی از احباب برای فاتحه خوانی ولنواذ خواجه حافظ شیراز و سیر گلزمین مصلا رفتند. هنوز فراغ از زیارت حاصل نشده بود که پسری مقبول از دولتمند زادهای آنجا در کمال جمال و حسن مالا مال مست شراب با پیرایه مکلف و یاران موافق نیز همسایه یکی از همراهانش در مقام شوخی گفت که بوسه بر تربت حافظ بدهد. آن مهر سپهر رعنائی و زیبائی محجوب شد و اقدام بانجام نکرد. هم مشربانش ابرام کردند که شیوه مدام می خوارانست از حد بیرون شد. آخر ماجرا قرار بران گرفت که از دیوان حافظ تفاؤل کنند. آنچه خواجه فرماید بران عمل نماید. چنین کردند. این بیت بر آمد:

سرمست با قبای زرافشان چو بگذری | یک بوسه نذر حافظ پشمینه پوش کن

صحت‌نامه فالنامه حافظ شیراز

صفحه/سطر	غلط	صحیح
۷/۱۰	مشهور	متهور
۲۲/۱۱۴	آفرینش	از آفرینش
۲۳/۱۱۶	از یاد درآورد... بر دار	از یاد آمد... بردارد
۴/۱۱۷	صالحه	سانحه
۵/۱۱۷	مناظر	مناط
۹/۱۱۷	انبهار	انبهاد
۱۴/۱۱۷	داولاد	دولا
۱۵/۱۱۷	بهجت	ابهت
۱۷/۱۱۷	قضاهای	قضایای
۱۸/۱۱۷	زمانه	زبانه
۱۸/۱۱۷	حشقیه	عشیقه
۱۸/۱۱۷	فانی	نهانی
۲۰/۱۱۷	بهجت	ابهت
۲۰/۱۱۷	شاهی	بناهی
۳/۱۱۸	بود	ربود
۶/۱۱۸	بدلوان	بدیوان
۱۱/۱۱۸	دارد	داد
۲۱/۱۱۸	متجلی جلال	متحلی حلل
۲۱/۱۱۸	عفوف	معفوف
۱/۱۱۹	ونانیر	دنانیر
۲/۱۱۹	کرد	سود
۳/۱۱۹	برگزیده ددودمان	برگزیده دودمان
۷/۱۱۹	مسامع	بمسامع
۸/۱۱۹	گرد وارش	گیر و دارش
۱۲/۱۱۹	ودرعکس	درعکس
۱۵/۱۱۹	با تامل	را با تامل
۱۸/۱۱۹	در آنزمان	تا آنزمان
۳/۱۲۰	دست کنون	دست بدمیه کنون
۴/۱۲۰	چپتاخان	علی قلی خان
۱۰/۱۲۰	بینظیر	نظیر
۱۳/۱۲۰	انتقال	بانتقال
۱۴/۱۲۰	عنفری	عفری
۱۵/۱۲۰	دقی	ودقی
۱۶/۱۲۰	پردر	پرود
۱۸/۱۲۰	بقید	بعید
۳/۱۲۱	از بیرون	از حد بیرون
۴/۱۲۱	تسوزد	تسخر د
۱۰/۱۲۱	از دیاد ولطف	از دیاد لطف
۱۳/۱۲۱	ی بنازلیست	بی نیاز لیست
۱۳/۱۲۱	در تعبداز لیست	بیغبار لیست
۲/۱۲۲	جهانیان	جهانهان
۹/۱۲۲	دیوان	از دیوان
۸/۱۲۳	برغاست و	برغاست کن
۱/۱۲۴	زمانی	زمان
۸/۱۲۴	حسین	سلطان حسین

مولانا سیاوش از اعیان فضلای زمان بود. در خدمت سلطان حسین میرزا با قرب و منزلت عظیم داشت. وقتی در هرات برفض متهم گشت. علمای آنجا بالاتفاق قلم قتل او را قصد نمودند. سلطان حسین میرزا فرمود بدیوان حافظ تفاؤل کنیم هرچه برآید بر آن عمل نماییم. پس فرمود که دیوان حافظ بگشایند و تفاؤل نمایند. چنان کردند. این غزل برآمد:

ساقی از باده باندازه خورد نوشش باد — ورنه اندیشهٔ این کار فراموشش باد
پیر گفت خطا بر قلم صنع نرفت — آفرین بر نظر پاک خطاپوشش باد
شاه ترکان سخن مدعیان می‌شنود — شرمی از مظلمهٔ خون سیاوشش باد

حسین میرزا از جای درآمد و او را اطلاق فرمود و زر و خلعت بخشید.

این حکایات را بعینها ماخوذ حکایات فارسی ابن لطف الله خان صادق غفر الله الصمد.

راقمه
خلیفه محمد واسع الدین انصاری
غفر الله ذنوبه

دیباچۂ کلیاتِ طپش

مصنفہ مرزا جان طپش دہلوی

اُردو زبان کے ارتقا کے بارے میں قدیم ترین نثری دستاویز جو ہم تک پہنچی ہے شاہ حاتم کے قلم سے ہے ـــــ اس کے بعد یہ دوسری اہم دستاویز کلیاتِ طپش کا دیباچہ ہے، جو دیوانِ زادہ کے دیباچے کے تیس سال بعد کا ہے۔ اسی اہمیت کے پیشِ نظر اسے تمام و کمال شائع کیا جا رہا ہے۔

بغاوت اور اسیری: ۱۲۱۳ھ میں [illegible]

انگریزوں کی نہ بنی [illegible] وزیر علی کی شکست کے بعد [illegible] انگریزوں کی قید میں [illegible] ان کے ساتھ ہی قید ہوئے [illegible] ۱۲۲۱ھ میں رہائی پائی۔ رہائی کے بعد [illegible] رفاقت اختیار کرنے کے بجائے وہ کلکتہ میں مقیم ہو گئے۔

فورٹ ولیم کالج کے قیام کے وقت طپش قید میں تھے اور قید کا طول [illegible] کے بعد فورٹ ولیم کالج سے طپش کی وابستگی بعید از قیاس ہے۔ بہار دانش [illegible] ہے (۱۲۱۷ھ) لیکن یہ کام بطور خود اور کالج سے باہر کیا گیا ہے۔ آزاد داستان [illegible] جو اشعار ہیں جو بعد کا اضافہ ہو سکتے ہیں اور یہ اضافہ طپش نے ۱۲۲۱ھ میں قید سے رہائی کے بعد کیا ہوگا۔ فورٹ ولیم کالج اور کپتان ٹیلر کی مدح میں ایک ایک منظوم پیرا گراف صرف اتنا ظاہر کرتا ہے کہ طپش کسی طرح ۱۲۲۱ھ کے بعد یا تو کالج سے وابستہ ہو گئے یا ہونے کے امیدوار تھے یا کم سے کم بہار دانش کو کالج سے چھپوا دیکھنا چاہتے تھے۔ [illegible] جو خواہش پوری نہیں ہوئی۔ کالج نے ان کا دیوان شائع کیا۔ یہ بیان بھی ابھی تک ثبوت کا محتاج رہا ہے۔

کلکتہ، پٹنہ، بنارس: بیاض کی یادداشتوں کے بموجب کلکتہ میں وہ ۱۲۲۶ھ تک موجود تھے۔ ۲۷ شوال ۱۲۲۶ھ اور اس کے آس پاس عظیم آباد میں تھے اور ۱۲ ربیع الثانی ۱۲۲۸ھ کو اور اس کے آس پاس بنارس میں تھے۔

وفات: تذکرہ بینی نرائن جہاں کی تالیف ۱۲۲۶ھ تا ۱۲۲۹ھ کے وقت وہ زندہ تھے۔ [illegible] کی یادداشتوں سے بھی ظاہر ہے۔ مزید برآں بیاض طپش میں آخری یادداشت جو طپش نے اپنے ہاتھ سے تحریر کی ہے ۸ شعبان ۱۲۲۹ھ کی ہے۔ "بتاریخ ہشتم شعبان ۱۲۲۹ھ روز شنبہ یک پہر و سہ گھڑی از [illegible] [illegible]" بیاض الوفاق کے نام سے [illegible] انتخاب [illegible] تذکرہ شعرائے کلکتہ [illegible] میں ملتا ہے جس کے مطالعہ کے بعد [illegible] اس نتیجہ پر پہنچا کہ ۱۲۲۹ھ سے قبل طپش وفات پا چکے تھے۔ اس آخری بنیاد مذکورہ تذکرہ کا قطعہ تاریخ تالیف ہے جس سے ۱۲۲۹ھ نکلتا ہے۔ اس امکان کو پیش نظر رکھ کر کہ تذکرہ کا قطعہ تاریخی کے بعد بھی تکمیل پاتا رہا ہوگا اور ۸ شعبان ۱۲۲۹ھ کی بیاض طپش میں موجود ایک یادداشت کی شہادت

۱۔ مرزا [illegible] [illegible] [illegible] [illegible]

توقیت میں [illegible] [illegible] (جلد ۲ [illegible])

۲۔ یہ تذکرہ [illegible] [illegible] ۱۲۲۶ [illegible]

پیشگفتار

احوالِ طپش: مرزا محمد اسمٰعیل عرف مرزا جان طپش دہلی میں پیدا ہوئے۔ باپ مرزا یوسف بیگ بخاری کا سپاہی پیشہ تھے۔ طپش نے دہلی میں پرورش پائی۔ فن بلاغت مرزا محمد یار بیگ سائل سے اور فنِ شعر خواجہ میر درد اور شاہ ہدایت سے حاصل کیا۔ خوشنویسی بھی لیاقت سے سیکھی۔ خاندانی سپاہی تھے اس لئے فنونِ سپہگری سے بھی واقف تھے۔

بیاضِ طپش میں کچھ ہندی کلام بھی ملتا ہے، جس میں شاعر اپنا تخلص سدا اخیر استعمال کرتا ہے اگر کلام طپش کے علاوہ کسی دوسرے شخص کا ہے تو بھی اس سے ان کی ہندی سے دلچسپی اور واقفیت ضرور ظاہر ہوتی ہے۔

مرہٹوں کی تکمیل کے بعد شاہ عالم ثانی کے ولی عہد مرزا جوان بخت جہاندار شاہ کی ملازمت اختیار کر لی۔ جن کی سپاہ میں وہ افسرِ توپخانہ کے عہدے پر تھے۔ شاہزادے نے جب لکھنؤ کا سفر اختیار کیا، تو یہ اس کے ساتھ تھے اور اس کے بعد پھر وہاں سے بھی ساتھ گئے بنارس میں۔ شاہزادے کے انتقال ۱۲۰۱ھ تک ساتھ رہے۔ علی ابراہیم خاں سے بھی یہیں بنارس میں ملاقات ہوئی۔ شعر گو اور شعر فہم شاہزادے کے انتقال کے بعد یہ بنارس سے معاش کی تلاش میں نکلے اور مرشد آباد / ڈھاکہ پہنچ کر نواب امیر الملک شمس الدولہ مرزا اسمٰعیل خاں بہادر ذوالفقار جنگ کے متوسلین میں شامل ہو گئے۔ یہاں کے قیام میں ۱۲۰۷ھ میں انہوں نے اپنی ادبی تصنیف "شمس البیان فی مصطلحاتِ ہندوستان" لکھی۔

۱۔ مآخذ:۔ شعرائے اردو کے مشہور تذکروں، تذکرۂ ہندی (مصحفی)، مجموعۂ نغز (قاسم)، عمدۂ منتخبہ (سرور)، گلشنِ بے خار (شیفتہ)، طبقات الشعرائے ہند (فیلن۔ کریم الدین)، سخن شعرا، قطعۂ منتخب (ناسخ)، معیار الشعرا (ذکا)، تذکرۂ مصحفی، دیوانِ جہاں (بینی نرائن جہاں) ۔۔۔ اور بعض کتب جیسے سیر المصنفین (تنہا)، ارباب نثر اردو (سید محمد)، داستانِ تاریخ اردو (قادری) میں طپش کا تذکرہ ہے۔ علاوہ ازیں اشپرنگر کے "اودھ کیٹلاگ" اور گارساں دی تاسی کی "ہندوی اور ہندوستانی ادبیات کی تاریخ" اور بلوم ہارٹ کے برٹش میوزیم کیٹلاگ میں بھی تذکرہ ہے۔

اسی طرح بنگال میں اردو (اقبال عظیم)، متروکہ چہار دانش (خلیل الرحمٰن داؤدی) اور صحیفہ طپش کا تعارف (نجم الاسلام) قابلِ ذکر ہیں۔

دیباچهٔ کلیات طپش

بعد حمد خدای سخن آفرین و نعت رسول موید بکتاب مبین خاکپای سخن سنجان متخلص بطپش مدعو بمیرزا جان حقیقت حال به پیرایهٔ صدق مقال عرضه می دهد که :—

روزی که حضرت استاد این ابجد خوان لوح نادانی را به رَبِّ اشْرَحْ لِي صَدْرِي وَيَسِّرْ لِي أَمْرِي وَاحْلُلْ عُقْدَةً مِّن لِّسَانِي يَفْقَهُوا قَوْلِي تلقین فرمود و بشاشایهٔ مغز دولت نمود. اوّل بسم الله و الف قامت سهی قدان بحرف نخستین دیدم و نقطه های موعوده نیز خال زیر لب نوخطان فهمیدم آری دبستان عشق را اینست دیباچهٔ کتاب حسن تا حرفاً حرفاً رقم ازلی بنماید و بلطائف براعت استهلال انجام را در آغاز تقسیم فرماید دهین است که هر چند دران اوقات تمیز نظم از نثر کمتر بود، و تفریق موزون از ناموزون نمی توانست نمود، مع هذا دل را نکات درد آمیز از جا بردی، و خاطر را معانی نگریز بلبل درآوردی، گاهی چون طفل اشک بگریه دیگر می گذشت و زمانی این شعر عرفی:

عشق میخوانم و میگریم زار ‏ ‏ طفل نادانم و اول سبق است

برزبان می گذشت، تا آنکه فیضان بدرجهٔ اقدس راکرد. بهنگام خویش بود وقت خاص رسید و خاطر سرگرم نکته دانی آئینه دار فیض معانی گردید.

پس از آن شاهد غزالان معانی بلباس غزل جلوه گری فرمودند و شاهدان برجسته مضامین بحلیهٔ الفاظ [illegible]

بھی ہوتا ہے کہا جا سکتا ہے کہ شعبان ۱۲۷۹ھ کے کچھ روز کے بعد ڈھاکہ میں ان کا انتقال ہوا۔

سلسلۂ اخلاف: طپش کے کسی بیٹے مرزا اشرف کا ذکر تذکروں میں ملتا ہے۔ ڈھاکہ میں اس کے اولاد کے مقیم ہونے اور سلسلۂ شاعری پر "مشرقی بنگال میں اردو" (مصنفہ اقبال عظیم) نامی کتاب سے روشنی پڑتی ہے:

"مشرقی بنگال (اب بنگلہ دیش) کو اس بات پر فخر ہے کہ مرزا جان طپش جیسا معروف صاحب کمال استاد دارالحکومت ڈھاکہ میں ایک مدت تک مقیم رہ چکا ہے اور ان کے سلسلے سے کچھ ہی دنوں پہلے تک خواجہ حیدر کا خانوادہ شاعری میں مشہور چلا آرہا تھا۔ چنانچہ مرزا غلام حسین آتش ولد مرزا کریم اشرف بیگ وکیل عدالت دیوانی جو عین ڈھاکہ کے باشندے تھے، طپش دہلوی کے علاوہ شاگرد تھے اور آتش کے سلسلے میں مولوی فرحان علی تجوّد باشندہ بنارس پک ضلع سلہٹ، شیخ احمد جان عطش ساکن ڈھاکہ، مولوی رحمن علی طیش، مصنف "تواریخ ڈھاکہ" اور مرزا لطیف گستاخ باشندۂ ڈھاکہ سب کے سب بالواسطہ اسی خانوادہ سے متعلق ہیں۔"

تصانیف: شمس البیان فی مصطلحات ہندوستان[1]، قصہ یوسف زلیخا[2]، بہار دانش[3]، کلیات طپش[4]، بیاض طپش[5]۔

افادات: قاضی عبدالودود، نجم الاسلام، ڈاکٹر گراور داؤدی

مرتب: عابد رضا بیدار

۱۔ مطبوعہ نسخہ ایک کتب خانہ میں ہے ... مطبوعہ نسخہ تو موجود ہے جس کی نقل خدابخش کے لئے حاصل کر لی گئی ہے۔ انگریزی جرنل کے کسی شمارے میں اسے تمام و کمال دیا جا چکا ہے۔ اس لئے اس کی تفصیل یہاں لاحاصل ہے۔

۲۔ ستیاب ... کی اطلاع ہے کہ ... میں یوسف و زلیخا، لکھی۔ اس کی موجودگی کی اطلاع کہیں سے نہیں ملی۔

۳۔ ۱۲۰۵ھ اور اس کے بعد کی ... ۱۲۰۹ھ اور ۱۲۱۳ھ کی ... خلیل الرحمن داؤدی صاحب کو دستیاب ہوئیں ... کے ساتھ بہار دانش کا ایک معتبر ایڈیشن مجلس ترقی ادب لاہور نے ۱۹۶۳ء میں شائع کیا۔

۴۔ ... خدابخش ... میں ... ایک ... دیوان ہے اور دوسرا کلیات۔ کلیات کا ایک نسخہ "بنگال میں اردو" کے مصنف کی ... حکیم حبیب الرحمن صاحب ... مرحوم ... سے پروفیسر ... فاروقی کو۔ یہ کتاب بنگال میں اردو ... اقبال عظیم ... ۱۹۵۴ء میں شائع ہوئی۔ خلیل الرحمن داؤدی صاحب نے بہار دانش ۱۹۶۳ء میں ترتیب دیا لیکن اس نسخہ کی پاکستان میں موجودگی کی انہیں اس وقت بھی اطلاع نہ تھی۔ ممکن ہے اس وقت تک ضائع ہو چکا ہو۔ کلیات کا تفصیلی تعارف "جرنل" کے کسی شمارے میں کرایا جائے گا۔ اس لئے یہاں تفصیل سے گریز کیا جا رہا ہے۔

۵۔ بیاض کا ذکر تصانیف میں بہت زیادہ ... نہیں ہے لیکن ان کی ... چیز ہے۔ اسلئے اس کا ذکر ... خدابخش ... کا ایک ... ۱۹۶۷ء میں بیاض نجم الاسلام صاحب کو دیکھنے کو ملی جس کا تفصیلی تعارف انہوں نے "نقوش" ستمبر ۱۹۶۷ء کے شمارہ میں کرایا ہے۔

مغنیانِ جادو نوا به پرده‌های گوناگون نغمات دلکش می‌خواندند، و مطربانِ دلستان سرا به حسنِ مقام عالم و عالمیان را به وجد می‌آوردند، بخورِ مشعل‌های زرین و عود سوزهای مجمر آگین بر خیابان‌ها را معطر ساخته بود که نشرِ روایح از موجِ بادِ بهاری گوی سبقت می‌ربود، عطایای کامل‌تر از نثار و نثار به دامنِ امیدِ پرستانِ روزگار آن قدر رسید که عالمی مستغنی و بی‌نیاز گردید، بختِ غنوده هر جا بود به صدای حی علی المراد بیدارش فرمود، نقارچیانِ عشرت اندوز آوازِ کوسِ تهنیت به گوشِ زهره و ناهید رسانیدند، نائیان گلو سوزِ دل‌های جهانیان را به بادهٔ شوق مست و مدهوش گردانیدند.

دوران به بهار رنگ و بو داد — گلدسته به دستِ آرزو داد
جنبید صبا به گل‌فشانی — برخاست زمین به آسمانی
گل‌ها زود بوستان برافروخت — شمع آمد و دودمان برافروخت
بستند به روزگار آیین — اقلیم شده بهار آیین

هرگاه سواری مبارک با چنین فرِ قدوم میمنت لزوم که دولت و اقبال پیش طرقو طرقو بود به مهمان‌خانه منتهی شد، بارگاهی به نظر افتاد که به شکوه و رفعت و علو و عظمت ستونش عصای دستِ افلاک توانند بود و ایوان و کشایشش نزهتگاه فریدون و عشرت‌سرای کیخسرو از خاطرِ جهان پیرمحو می‌نمود، مسندی که در ایوان آن زینت‌افزا از سال‌های دراز انتظارِ این مقدم می‌کشید به حضرتِ جلوس رشک‌افزای تختِ کاووسی گردید، پس مه‌وشانِ دلفریب و تاراجیانِ صبر و شکیب، و نازنینانِ خورشید لقا و جادو نگاهانِ هوش‌ربا، یعنی طوایفِ دعاگویان که بالاتفاق هم چو گلدستهٔ نرگس نگهدار منتظرِ زمانِ خجسته و ساعتِ فرخنده بودند، یکبار به عشوه و ناز برخاسته طاووس وار به رقص درآمدند و در عرضِ مبارک بادِ دستور و معمولاتِ جشن هر دو دست دعا برداشتند، و مطربانِ ساحرکار سازندگانِ موسیقار را نار برپستند و نغمه‌های دلکش‌شکن دل‌های اعدا را شکستند و ظرفای لطیف‌الطبع نیز اهلِ بزم را بلطائف و ظرائف از خود بردند و ندمای بذله‌گو مجلسیان را بشغف و انبساط درآوردند، بدین حال نواب وزیرِ اعظم تحائفِ پیشکش را جلوه‌آرا گردانید گوناگون طبق‌ها پر از خوانِ اقمشهٔ نفایس و انفال و افراس و لوازم بی‌قیاس چندان که

گرفت، خورشید الهام بر خلوت کدهٔ ضمیر دمیدن آورد، نظم طبعی سرمایه اندوخت و شمع شهرت در محافل سخن سرائی افروخت در رفته رفته این ترانه های دلکش عاشقان سخن را چندان خو ترنم نمود که در افراد عالم یکی از لحجهٔ شنود، بحدی که قال قال این تذکار بگوش حقیقت نیوش گو هر سفت در یا شرف بخش سلسلهٔ چغتا، وارث تاج و افسر قاآنی، رافع لوای گورگانی، شمع تابان دودهٔ نور فروغ بخش آل تیمور، همای سمای بلند پروازی صاحب عالم میرزا جهاندار شاه ولی عهد شاه عالم بادشاه غازی که دارای دیگر جمعیت فنون و فضایل از حد افزون در نظم و نثر هم وحید روزگار و متخلص بجهاندار است، رسید و شایق دیدنهای این نادیدنی گردید.

پس بهادر بیگ خان غالب تخلص بن طالب جنگ بدخشی را که راقم آثم در آن هنگام بخدمتش گذرانیدی، اشارت عالی رفت تا این بی مقدار را بارگاه عالم پناه که هنرمندان را معیار علم و عمل است رساند، و در عداد حضوریان شامل گرداند. و چون از مادهٔ اتفاق همچنین بود بطرفة العین جلوهٔ ظهور نمود۔

باری عندلیب خوشنوا در تخت گاه چمن حضور شاهنشه گل رسید و ذره خورشید آبه پیشگاه ادب کورنش یاب سلطان خاور گردید۔

اے خدا قربان احسانت شوم   این چه احسانست قربانت شوم

و مزید برالطاف غیبیه اینکه همدر دان هنگام آن نیر عالمتاب سپهر جناب را بمعمورهٔ دلکشای لکهنو که فی زماننا غیرت گلزار نعیم و گلگونهٔ رخسار هفت اقلیم است، چون تحویل شمس به برج حمل گزر افتاد و نواب عالی جناب انیس و جلیس مجلس خاص محرم و دمساز خلوت سرای اخلاص مرتبه سنج آداب حضور سلطانی اعلم و علام مزاج دانی اعظم الامرا اشرف الوزرا ناصر الملک وزیر اعظم دستور معظم آصف الدوله بهادر در تکلفات استقبال و سامان نزول اجلال داد سلیقه و فراست بداعی روز در روز مسعود چندان تزئین شوکت شاهانه و تجمل خسروانه بکار فرمود که چشم فلک از بدو نظام آفرینش در صبح عید و نوروز ندیده بود، از خیم سرادقات اقبال تا دولت سرای جاه و جلال رفت و روب کوچه و بازار بر صفائی صحن گلزار طعنه زدی و نقش و نگار بر در و دیوار به آرایش پرده های زرتار در لمعانی درخشانی [illegible]

م میان خاطر [illegible] و التفات [illegible] اسامی [illegible] بعضی بالتزام [illegible] بوده [illegible]
نوری است، دیگر [illegible] سلاطین صفویه و سلاجقه و دیالمه [illegible] استدلال [illegible]
ن الدین نسبت بیرون نتوانست بود.

بالجمله آن انجمن دلگشا کدخدای معنیت هیچگاه خالی از ذکر شعر و سخن نیست.
نسبت به نظم فارسی بیشتر نظم ریخته مطبوع و کلام میر و میرزا مرغوب و اعتقاد [illegible] که
مصنفات استادی و منتزای درویش پادشاه منش و پادشاه درویش روش قبله
لفظ و کعبه معانی رب النوع سخن و سخندانی سروش نشار اسرار ابدی و ازلی کرامت یاب
فیضیات علمی و عملی امیر خرقه منزوی زاویه فقر و فنا مظهر کرامات مصدر امانات و منبع
اساس حقیقت‌شناس مجسم با شک گرم و آه سرد جناب مستطاب حضرت خواجه میر درد
دارند، و رای آن معتقدات است چه آن هر دو بزرگ اگرچه بغیر سخن اند، ذات عرشی
کمالش غذای سخن بلا اغراق رباعیش ماهیت ارکان اربع سخن [illegible] و مطلع غزلش
و شعشعه نور معنی نسبت بعقول و اذهان عزیزان بر مطلع خورشید فایق، حواس خمسه را
دولت پنج گنج از خمس حاصل، و پنجه حنائی آفتاب متقابل هر بندکش در دلگشی شرمسار و
منفعل، و رنگ تصوف در مایده کلام شور انگیزش چندان همه جا مانده که جای [illegible]
توحید از دست نرفته بلا اغراق هر ایما و اشارت که در فصوص الحکم شیخ ابن عربی است [illegible]
ذوق و رموز فهم با و در ریخته اش حاصل، و مثلا از دو معنی دست بدل، و چون راقم حقیر
منتسب بتربیت و افاضت همین جناب است، لهذا بیشتر مسئول و مخاطب می باشد و [illegible]
دیگر فصیح و تحقیقات بخود متنوع جواب عرض می دارد، و باین مشرف بهم زبانی خویش از اکثر [illegible]
مقربین و مخصوصین می شمارد، چنین است که وقتی از اوقات این بی مقدار حاضر بود، و
[illegible] اقتباس [illegible] فیوضات می نمود که [illegible] و در نیا المالک [illegible] بلا [illegible]
والتفات بی پایان ارشاد فرمود که آیا آنچه گفته ایم درست است یا هنوز آن معنی باریک
چون [illegible] پریشان و الکلام [illegible] کردم بلی همچنین است که قیاس فرموده اند
حضرت [illegible] که [illegible] کلام [illegible] این [illegible] را [illegible]

جهان سلطنت را بوجود مظهر اقدس آذرانید، ومن بعد بخلعت پادشاهی که مشهور لقب
جلیل و ذات است بر دوش خود پیراسته با رانگاه سعادت فرمود و از امرا سلف اعظم جهرکی
علی قدر مرتبت بتبرکات سلطانی قدر خویش افزود، والمنت لله که از آن تاریخ سلطان
خطیر که تخمیناً دو سال بران منقضی گردیده چشم بد دور اختلاط آصف و سلیمان بدستور داز
دنیا که دولت هر کس دل شاد و مسرور است هر صبح نوشتهٔ تا روز عیدی و هر
شام تازه شبستان عشرت را تمهید میگردد. و هر چند خاطر شاه و وزیر بعد انجاح مرام مغفر
دکبیره و ادای طاعت و عبادات در فراغ اوقات حسب تجویز عقلا و حکما بنابر شغل طبیعت
تمام مشاغل و انواع ملاعب را ندمای زمان بطرز گوناگون جلوه فرمائی ابداع است
تا خیلی که بیشتر با آن مستلذ افتاده خاص لذت سخن است. و چرا نبود که خدا سخن آفرینا
باشین با این استعداد صحبت فرمود و بدین عطیهٔ گرامی ممتاز نموده، و درین مقام چون خوب
ملاحظه کردیم متحقق شد که این هم بهر جانب از نسبت تمام نیست، اعنی مطالعه کنندگان تاریخ و
سیر نیکو دانند که ظهیر الدین بابر گیتی ستانی را درین فن ارجمند تا بچه حد دستگاه عالی و کمال قدرت
نسبت با اهل این فن بچه مثابه معاشرت و عنایت بوده است که در حضور آن حضرت
در سخنوران پای تخت بهتر از شاعر جلیل القدر به کرسی می‌نشست، و دلشوق تقاطب می‌بود
و همچنین از حضرت همایون جهانبانی تا حضرت نور الدین جهانگیر جنت مکانی و در طبقات
شاهزادگان ولیعهد اعلی حضرت دارا شکوه شهید قادری تخلص و نوزهٔ سلطنت
اورنگ زیب عالمگیر محمد اعظم شاه ملقب بعالی جاه تخلص باعظم باین والدی چگونه التفات
شعر و سخن نداشتند، درین عصر حضرت اولوالامر جهان پناه شاه عالم بادشاه که سریر سلطنت
بوجود مقدس آن حضرت گاهی خالی مباد هم بجهت فرط شوق معروف هر شام و سحر است که
انجمن نظامش باعتبار کتاب تخلص در افاضت نور معانی رشک افزای سلطان خاور
هم اتفاقاً دودمان وزارت نیز در اسلاف این نسبت لازمی خالی نداشته که از غلب
نظام الملک تا خانخانان منعم و نواب اسدخان آصف اسلام خان خاله و آصف خان جعفر و
حکیم خانجهان [illegible] وزیر [illegible] روشن تدبیر با جمعیت و فراغ از مهام سلطنت تخفیفاً [illegible]

چنانکہ امیر خسرو دہلوی علیہ الرحمہ کہ اواخر عمر متوسل سلطان تغلق شاہ غلجی بود، در ملی ریختہ متصل تاریخ وفات اوست و دراں ایام فرمودہ:

زحالِ مسکیں مکن تغافل درائے نیناں بنائے بتیاں
چو تاب ہجراں ندارم ای جاں نلیہو کاہے لگائے چھتیاں
یکایک از دل بچشم جادو بصد فریبم ببرد تسکیں
کسے پڑی ہے جو جا سنائے پیارے پی کو ہماری بتیاں
شبانِ ہجرش دراز چوں زلف و روز وصلش چو عمر کوتہ
سکھی پیا کو جو میں نہ دیکھوں تو کیسے کاٹوں اندھیری رتیاں
چو ذرہ حیراں چو شمع سوزاں بعشق آں ماہ گشتم آخر
نہ نیند نیناں نہ انگ چیناں نہ آپ آوے نہ بھیجے پتیاں

چوں سلطان محمد شاہ بن تغلق شاہ بر سریر فرمانروائی نشست و بظلم و ستم جلا وطن سکنۂ آں شہر روا داشتہ ہمہ را بدیو گیر معروف بدولت آباد فرستاد، و بعد مدتی قبل از زوال دولت خود باز بر گردانید، با ایں نقل و حرکت الفاظ دکھنی ہم در زبان اہل دہلی خلط پیدا کردند و ایں طرز گفتگو تا اواخر عہد جہانگیری ہمچناں بود، بعد ازیں چوں دارث سریر گورگانی اعلیحضرت شاہجہان صاحب قران ثانی در سال دوازدہم از جلوس میمنت مانوس گل زمینی بر ساحل دریای جون متصل ..... شمال رویہ انتخاب فرمودہ قلعۂ مبارک حادث و شہر را موسوم بشاہجہان آباد گردانید، و ہم بدہلی جونا میرد۔

آن دہلی قدیم کہ پہلوی اندرپت[۱] از آثار قدیمہ مستقر خلافت سلاطین پیشین بود و بعضی مؤرخین دہلی کہنہ نوشتہ اند، دیگر معطل افتادہ ملقب بشہر کہنہ و قلعہ کہنہ گردید و ایں شہر جدید باندک زمانی گلزار نعیم و رشک افزای ہفت اقلیم شد. خوبان ہر شہر و بلاد بدین معمورۂ بختہ بنیاد بروی امید آمدند و ممتازان ہر شہر و دیار متجاوز از حد شمار جمع آمدند، چنانچہ شاعری درین باب گفتہ:

خود جہاں ویران شد تا یک جہان آباد شد

---

[۱] [illegible]

ریاض ...... باسم الرجبت ترادیف این را از حضور تاکید شود منتهای تفضلات کثیر
عرض کردن بهان بود، وارشاد طلب آمدن بهمان، پس سمعاً وطاعةً بتالیف مسودات
پریشان پرداختم و بعد ترادیف وترتیب بگلزار مضامینش موسوم ساختم که فقرهٔ گلزار مضامین
هم دیوان را نام است و هم تاریخ اتمام وهوا هذا :

بحکم صاحب عالم جواں بخت — ولیعہد خدیو حامی دیں
از ارشاد وزیر اعظم ہند — وزارت کو ہے جس سے عظم و تمکیں
مرتب از الف تا یا ہوئی جب — یہ نظم سوزناک و درد آگیں
طپش نے بہر ضبط سال تاریخ — رکھا نام اس کا گلزار مضامیں
۱۱۹۶ھ

(۲)

واز آنجا که این نسخه در زبان اردو است و زبان اردو مرکب است بچندین لغت،
ونظمش نیز هر سخن گو را بعهد خویش بطرز خاص بوده لهذا تشریح ابتدای این زبان و هم چگونگی
مستعملات گذشتگان که اوایل چه بوده و باز در اواسط و اواخر چه صورت پیدا نموده
بنابر معلومات عزیزان علی الترتیب می طرازد، تا کسانی که بشرح و بسط آگاه نبوده‌اند برآنها
حالی سازد۔

پس باید دانست که زبان اردو عبارت از روزمره دهلیست و آن معموره‌ایست
عظیم از امصار قدیم بقول بعضی مورخین آباد کرده راجه دهلو، که معاصر اسکندر رومی گذشته
و در سالف ایام دارالحکومت رایان هند بوده و بانی که در آن عهد راج داشت
هندی الاصل بود، هرگاه ببشیت مالک الملوک آنکه :

یکی را بسر برنهد تاج بخت — یکی را بخاک اندر آرد ز تخت

سلطان معزالدین سام بر فوج هند وغالب آمد وکار راے پتهورا تمام کرد، ریاست
آن دارالملک منتقل بسلاطین غور گردید و بمرور ایام انفاس مبارک اهل اسلام آن زبان را
تغیر بخشید، وکم کم الفاظ عربی وفارسی را در کلام همگنان اختلاط پدید و مروج گردید

[^1]: که صورت بطور یک لفظ

فضلی گوید : سنگار ہوں نیم جان جانان تصدق تجھ پہ کرنے کو
کیا سب تن کو میں دیپ انجوں درسن پلائے چھل

تیرو آنکھاں و زلف کمان زنہار ساربہا ؛ اسلام اور تقوی کہاں گیا اور مسلمانی کدھر

خوشنود راست : سب رین جاگے سیج پر تو بی سجن (آیا) نہیں
چپ چپ کے دیکھی باٹ میں درسن کو دکھلایا نہیں

احمد راست : بھر پیالا (بن کی) چھگان سیوری ساتھ لے توشہ
کر تمت سے باندھے اور بٹ کی باٹ پر نکلے
نین کے ہاتھ لے کھپر پیار درسن کی بھکیاں کو
بنائے ایک در پر بھی، بھکاری در بدر نکلے

محمود راست : محمود تجھ میں پورا دستا ہنر وفا کا ؛ ہے کیا عجب جو بھاوے تو پی کو اس ہنر سے

سالک راست : پھروں بیکل ہو کر میں بدہنہ (یا ہدا) تیرے ؛ یقین ہو جو تمن پیا کے کہ سالک کو بھاتا ہے

ہاشم راست : دکھن اور ہند کے دلبرہن سے بے حجاب اچھے
کہ مکھڑے چاندسے پر ہن کے خط کیچ و تاب اچھے

اشرف راست : پیا من میرے تئیں بیراگ بھایا ہے، جو ہونی ہو سو ہو جاوے
بھبوت اب جوگیوں کا رنگ لایا ہے، جو ہونی ہو سو ہو جاوے

(جعفر) راست : غمزاں سے دیکھو شوخ جیے مار کر چلے ؛ مجروح تن پہ راہ کٹا مار کر چلے

عزیز اللہ گوید : مجھ نیم جان میں کیا سکت، بولوں جو ولیاں کی صفت
عاجز عزیز اللہ اوپر دکھن کے سب پیراں بسدد

احسن راست : ؟......... آوارہ ہوں ؛ یا بیگ پی آنا کرو یا مجھ کو (ہیں) بلوائیے

(۳)

گرد آورندہ احوال ولی دکنی اینست کہ اینی مرد شعرگو در اقران و امثال خود بودہ است۔

۵۔ آئینہ ......

و تاریخ تکمیل و ترمیم عمارات و بنا فنش عبارت ۲۔ شد شاہ جہان آباد ، از شاہجہان ۱۰۵۶ آباد یافتہ اند۔

پس باجماع این ہمہ اصناف مردم و اقسام عالم لونًا فیونًا محاورہ آن دیار نسبت بماضیات فرق بیّن پیدا میکرد، و ہندی قدیم متروک می شد، گر الفاظ دکنی بجہان بودند، و باعث ۳۔ فقدان آن الفاظ محض تخلیط کسانی بود کہ در آن وقت ہمرکاب سلاطین بممالک دکن آمدہ و نیز کلام شعرای دکن کہ سعدی و نطفی و فضلی و خوشنود و اسحٰق و محمود و سالک و ہاشم و اشرف، و جعفر و عزیز اللہ و آحسن باشند، بشاہجہان آباد متواتر میرسید۔ و بالبتہ عزیزان باعث رواج میگردید، چنانچہ یک یک دو دو بیت ازین صاحبان پوشتی از خروارہ می نویسد، سعدی دکنی فرماید :

ہمنا تمن کو دل دیا تم نے لیا اور دُکھ دیا
تم یہ کیا ہم وہ کیا، یہ ہی جگت کی ریت ہے
دو نین کے کھپرّ کروں، رو رو تجھ دل بھروں
چش سگ کو بیت دھروں، پیا سا نہ جائے میت ہے
سعدی غزل انگیختہ شیر و شکر آمیختہ
در ریختہ دُر ریختہ ، ہم شعر ہے ہم گیت ہے

نطفی گوید :-

تجھ عشق کی اگن سے شعلہ ہو جل اٹھا جیو
دل موم کے نمونے گل گل پگھل گیا ہے
جی کا چمن جلا کر ، جلتے انگار سے کر
اکلا کے آگ دینے ٹیسو جنگل گیا ہے
ہن عشق کی گلی میں گھائل پڑا تھا تس پر
جوبن کا ماتا آکر مجھ کو گھنول گیا ہے

۲۔ بیاض: بجد یک لفظ۔ ۳۔ آب زدہ: بقدر یک لفظ۔

ومدویک به رحمت حق پیوست - این دو بیت بسبیل ندامت تفننا فرموده:

بیت

از زلف سیاه تو بدل دھوم پڑی ہے
در خانہ آئینہ گھٹا جھوم پڑی ہے

دیگر

دو چیر ہندمرا بہ د موسو ی در گو ر　　صلای ینگی د میر با پرون گی چھوند

و ہمچنین جناب مستطاب حضرت مرزا عبد القادر بیدل نیز این دو بیت فرموده اند:

مت پوچھ دل کی باتیں وہ دل کہاں ہے ہم ہیں
اس تخم بے نشاں کا حاصل کہاں ہے ہم ہیں
جب دل کے آستاں پہ عشق آن کر پکارا
پردے سے یار بولا بیدل کہاں ہے ہم ہیں

دیگر میر جعفر زٹلی نیز از شعرای آں عہد است کہ ایں مثنوی در عسرت عہد شباب گفته-

نظم

دریغا کہ جوبن چلا دس کر　　الٹے ملے کا گھر تو کس کر
گیا جوبنا پھر کہاں پایئے　　اگر کانو ر دیس نکل جایئے

و میر مذکور اگرچہ سلیقہ فکر فارسی ہم درست داشت، چنانچہ بہ نگین بادشاہزاده محمد اعظم شاہ ایں بیت یافتہ:

نگین سلیمان کہ تابندہ بود　　ہمین اسم اعظم پر کندہ بود

مگر میلان خاطر بیشتر بہ نظم ریختہ داشت، و آں ہم مشتمل بر ہزل و ہجا مردم چنانچہ ہماں محمد اعظم شاہ ممدوح را ہجو ہم کرده، و ایں بیت از اں جاست:

چلا ہم بسر ڈومنی کا جنا　　بنے میں لیے چوں [illegible] میں [illegible]

بلکہ بادشاہ فرخ سیر را ہم نگذاشتہ کہ در ایام قحط سال ایں بیت نظم فرموده

[illegible]

بلکہ واقع ریختہ ہم اگر بگوییم من وجہ توانیم گفت چہ در تنظیمش غزلیست۔ بہ بیان و فصاحت نیز نسبت بدیگران فی الجملہ از کلامش ہویدا و دولت و شہرت قبول خاطر ہمہ در عہد مخصوص نصیب حال او گردیدہ، و این چند بیت از وست:

ولی:
غرورِ حسن نے تجھ کو کیا ہے اس قدر سرکش
کہ خاطر میں نہ لاوے تو اگر تجھ گھر ولی آوے

جس وقت اے سریجن تو بے حجاب ہوگا
ہر ذرہ تجھ جھلک سے جوں آفتاب ہوگا
مت جا چمن میں مالن بلبل پہ مت ستم کر
گرمی سے تجھ نگہ کی گل گل گلاب ہوگا

سن ولی رہنے کو دنیا میں مقام عاشق
کوچۂ زلف ہے، یا گوشۂ تنہائی ہے

و او در اواخر عہد اورنگ زیب عالم گیر از اورنگ آباد، بہ شاہجہان آباد آمد، و شرف صحبت حضرت شاہ گلشن صاحب قدس سرہٗ کہ "جای گلشن بہ بہشت ابدی" تاریخ ۱۱۴۳ھ وفات آن (حضرت) است، دریافت۔ و از کلام خود بطریق حصول میمنت و استفاضت برخی معروض داشت۔ آنجناب نظر بمناسبت طبعش اختلاط فرمودند کہ این ہمہ مضامین فارسی بیکار افتادہ اند، چرا در ریختہ خود بکار نمی بری، از تو کہ محاسبہ خواہد گرفت۔

بالجملہ رواج شعر ریختہ در شاہجہان آباد ہم از ان عہد کہ از عالمگیر بود می توان گفت، چہ بیشتر میلان طبایع باین طرف از ہمان عہد است۔ علی کہ مخزون ہمیں خان فطرت ہم کہ از سادات موسوی قم است و با میرزا شاہ نواز خان صفوی مصاحبت ... دہلی و در عہد عالمگیر بخدمت دیوانی ... و ہم دیوانی کلیہ پتنہ سرفرازی داشت، در ملک دکن بسال ...

بیت

دونوں طرف سے جو منہ پہ ہیں سبز جوں جالیاں | ابرو بہا بیر سے عشق کو زلفیں تبھایاں

ـۃ الدین علیخاں پیام گوید:

دلی کے کجکلاہ لڑکوں نے | کام عشاق کا تمام کیا

کوئی عاشق نظر نہیں آتا | ٹوپی والوں نے قتل عام کیا

ـۃ الدین مضمون گوید:

کرے ہے دلا بھی کاکل کو سر تاج | ہوا منصور سے نکتہ یہ حل کل

مرد نے بوجھ کڑا مشکل ہوا ہے جینا

یارو خدا کو سے (۱۲۵) بھلائے یہ مہینا

علیخاں نذکی گوید:

قضا کے راج کی صنعت گری دیکھ | نبی کے آل کی بارہ دری دیکھ

نبی کی آل پہ بجھ دار جاتا | اسی بارہ پلے سے پار جاتا

و بر ہمیں طرز و روش است دیگران را ہم کلام ہا افصح ترین و خوب ترین ایشان

ظہور الدین مشہور بشاہ حاتم است کہ لفظ ظہور خبر از سال ولادت او میدہد و باعتبار

ـن تقدم ہم دارد چنانکہ در ساہل عجم رودکی را آدم الشعرا گویند ہمچناں این بزرگ را

ابتقی میر ببیل شوخی بعنوان الشعرائی فرمایند مبنای ایہام گوئی در شعر ہندی

ہ ہمیں چند بزرگ است کہ آبرو و ناجی و حاتم و عبد الغنی بیگ باشند و حاتم را دو

دیوان گفتہ یکی بطرز قدیم و دیگری بطرز جدید دیوان - - - - ۶ - - - در گلزار

کثیر التلامیذ واقع شدہ اسمای شاگردان - - - - - - ۷ - - - بر پشت

لوح دیوان نگاشتہ وارشد و اکمل - - - - - - - - ۸ ریختہ و فی نفس الامر

است الذوق بہمہ - - - - - - - ۹ بیش از بیش طرح گرفت کہ اکثر صاحبان

- - - - ۱۰ - - - - چنانچہ قزلباش خاں امید مرد ملایت ناک

مطلع فرمودہ

۱- [illegible] ۳- ایضاً ۴- ایضاً ۵- ایضاً ۶- ایضاً ۷- ایضاً ۸- ایضاً

دیگر عطا نام او باشیست از عہد عالمگیر ایں بیت بنام او شنودہ:

اے در نبرد حسن تو کشا پچھاڑ چشم
زیر مژہ نہفتہ چو آہو پچھاڑ چشم

بہر کیف اوائل عہد محمد شاہ فردوس آرامگاہ در سال دویم جلوس میمنت مانوس چون دیوان ولی از دکن بشاہجہان آباد رسید رواج شعر بندی از سابق ہم بیشتر گردید۔ و سخنوران آن عہد میاں نجم الدین آبرو و محمد شاکر ناجی و مصطفی خان یکرنگ و میر سجاد و شرف الدین علیخان پیام و شرف الدین مضمون و جعفر علی خان زکی و دیگر چند کس بودا اند از ین بندگان نیز یک دو دو بیت می طرازد میاں نجم الدین آبرو گوید:

گر یہ ہے مسکرانا تو کس طرح جئیں گے
تم کو تو یہ ہنسی ہے پر ہے مرن ہمارا

جیونا مثل حباب اس جگ میں دم کا بیچ ہے
یہ گرہ کھل جائے تو دیکھو تماشا ہیچ ہے

محمد شاکر ناجی گوید:

نمکین حسن دیکھ کر پی کا
رنگ گل کا مجھے لگا پھینکا

بیت

تکلیف کھینچے حد سے زیادہ کے جوفیق
گو نام کو ہما ہے پہ کھاوے کیا اپنا اڑ

مصطفی خان یکرنگ گوید:

آتا ہے مست اپنے حسن کی مے سے سجن میرا
کہ کھاتا ہے بیان کرنے ستی لغزش سخن میرا

بیت

دل ہرا لے کے جو ڈبرے میں پڑے ہو اس بھانت
کیا سجن اس کا کوئی جگ میں خریدار نہیں

میر سجاد راست:

آ مستے ہو جیسے آگے کیا ہوا
خون دل اپنا [illegible]

تصرف دوم، در ترک افعال فارسی است، چوں دریں بیت:

نقاب اپنے رخ کا جو تو باز کرتا
تو گل اپنی خوبی پہ کیا ناز کرتا

ظاہر است کہ باز کردن بمعنی کشودن آمدہ، و لہجۂ فارسی است، باید در ہندی زبان نقاب کھولنا، یا نقاب منھ پر سے اٹھانا، یا دور کرنا، می گفت، دیگر چوں دریں بیت:

اب دم شمردگی سے مجھے کار و بار ہے
ہر دم مرے حساب میں روز شمار ہے

دم شمردگی بمعنی مصدری مستعمل فارسیان است، در ہندی دم گن نے گفتن فصیح۔

و دیگر چوں دریں بیت:

خراشیدن دل مضطر کا میری آہ سے پوچھو
نہ پوچھو آہ سے تو نالہ جان کاہ سے پوچھو

ترکیب خراشیدن دریں مصرع چنانکہ دل را بخراشد ظاہر است، حاجت بتصریح معلوم۔

تصرف سیوم، در ترک اسماء فارسی است، کہ بے مضاف و مضاف الیہ آوردنش درست نیست، مثلاً اگر کسے چنیں گوید۔

چشم دکھنے آئی تیرے منتظر کی صبح سے
آ کہیں دکھلا دے اپنے جلوۂ دیدار کو

لامحالہ مخل فصاحت خواہد بود، بہتر است بجای چشم آنکھ گویند، و گر چشم گویند باین طرز گویند۔

صبح سے ہے آج تیرے منتظر کو درد چشم
آ کہیں دکھلا دے اپنے جلوۂ دیدار کو

قس علی ہذا حال دیگر اسماء ہم۔

تصرف چہارم در ترک عطف و اضافت است، عند الترکیب لفظ ہندی مع فارسی و لفظ فارسی بلفظ ہندی، چوں، رنگ پھول و پھول خوش رنگ و تیر و تلوار، و تلوار و تیر۔

تصرف پنجم، در جواز ضمائر مشترکہ برای بعضی اسماء کہ ضمیرش ہم تذکیر و ہم تانیث ہر دو مستعمل شدہ، چوں فکر و قلم، و پیش قبض و مہی وغیرہ۔

تصرف ششم در ساختن بعضی حروف از بعضی الفاظ چوں تائے اتصال، فوقانی کہ بمعنی سے مستعمل بود چنانکہ دریں بیت یک رنگ:

یار بن مجکو عجب صحبت ہے

یار بنے اب صحبت ہے — یار بن مجکو عجب صحبت ہے

مگر با این ہمہ بجہتہ تنغل در عجب صحبت ہے ..... ۱۴ رای آنند رام مخلص وکیل نواب
وزیر اعتماد الدولہ کہ شاعر مسلم الثبوت فارسی لسان و از مستفیضان جناب مرزا بیدل بود نیز
بتقلید ہمدگر این مطلع سرانجام نمودہ:

دھوم آونے کی نرگس کے گلشن اندر پڑی ہے
ہاتھ اسکے کا پیالہ نرگس لئے کھڑی ہے

غرض اکثر اہل استعداد و ارباب فضل و کمال بتنظیم شعر ہندی دماغ گرم فرمودند، مگر
باانہم محاورہ قدیم بدستور بحیان بود، و علم اصلاحش بخاطر ہیچ کس نمی نمود، تا آنکہ ہمت عالی حضرت
مرزا مظہر جان جاں کہ در سلیقہ طبیعت و لطایف صحبت و حسن مقال و نزاکت خیال ممتاز
فصحا و ممیز ہر زشت و زیبا، و بہ نہایت قوت و استعداد کشور سخن را فرمان فرما بود، با جمیع شعرا
مصروف شد اول کسی کہ شعر ریختہ بہ تتبع فارسی مشتمل بر پیوند لفظ مانوس و ترکیبات مطبوع
گفتہ اوست بعد ازین آرائش و پیرائش دیگر جزئیات و تہذیبات باین تعلق ساز نازک
خیالی و حسن تدقیق جناب مستطاب استادی و مقتدای مرکز بلیغان سرآمد فصیحان حضرت
سید و سراج الدین علی خاں آرزو، و مرزا رفیع سودا، و محمد تقی میر صورت پذیرفت، ساکی

مصرع: بزاران نقطہ می باید بغیر از حسن زیبایی

و آنچہ از عالم ممنوع و متروک کہ در تزئین و تہذیب این زبان بکار بردہ اند مشتمل است
بر تصرف چند۔
تصرف اول در ترک حرف رابطہ است، چون از در بر، چون درین بیت موسوی خان

فطرت: بیت:

از زلف سیاہ تو بدل دھوم پڑی ہے
در خانۂ آئینہ گھٹا جھوم پڑی ہے

و چون درین بیت:

رات دن ہے بر زباں شکوہ تری بیداد کا
کون شنوا ہے ہمارے نالۂ و فریاد کا

۱۴۔ آب زدہ بقدر یک لفظ

یا را انداختند و پھر را بصیغۂ اقبال کردند چنانکہ درین بیت :

پھر اندھیری غم کی راتیں آئیاں — چھوڑ کر ہم کو ہیں دی تنہائیاں

تصرف ہفتم در فزودن حرف، اِتّا و اِتیا بکسر ہمزہ کہ بمعنی این قدر مستعمل بود، آن را نون بین التاء والف در آوردہ، اِتنا کردند، و کتنا، جتنا، کہ حاضرہ را می گفتند، چنانکہ درین بیت محمد حسین کلیم آمدہ،

میں کہتا تھا ساقی ایاغ اب کہاں ہے — پنٹ دیر کی تیں دماغ اب کہاں ہے

ہم موقوف، و بجای آن، تو و تونے مستعمل کردند۔

تصرف ہشتم، در تبدیل حرفی بحرفی چون باتاں و راتاں و آنکھاں و بجوان از میان الف و نون جمع الف را بیای مجہول بدل کردند، راتیں و باتیں، آنکھیں و بجویں، مستعمل نمودند۔

دیگر، سین، بیای مجہول، و سون، بواو مجہول ہر دو بنون غنہ کہ بمعنی سے بود، دیجو سوں، و مجھ سوں، و تجھ سیں، و مجھ سیں می گفتند، واو و نون، این را انداختہ فقط بیای مجہول داشتند، یعنی تجھ سے و مجھ سے۔

دیگر، ہای دیوانہ و فرزانہ و دستانہ و پیمانہ، را در جای کہ در ہمہ قوافی غزل آنا و جانا و امثال آن باشد، بالف بدل شدن جائز داشتند۔

دیگر، یای کہیں را بواو معروف در جای کہ قوافی گلو، و سبو و امثال آن باشد بدل کنند

دیگر، یای کہیں، را ہم بر حال قاعدہ بواو کہوں بدل نمودند، یعنی قافیہ چنوں و زبوں نمودند، چون درین بیت:

جب کہا میں کام میرا بھی کہوں ہو جائے گا
سنتے ہی ہنس کر کہا ہے اُس نے ہوں ہو جائے گا

دیگر، بای جب و تب و کب را در حالت قافیہ بدال مہملہ بدل کنند، چون درین بیت :

ناحق ستم کسو پہ [illegible] — دیتا ہے [illegible]

جب سے تو نگر خاں سے یار ہوا　　خلق کی بیں نظر میں خار ہوا

تا با انداختہ فقط تے بہماں معنی اعتبار کردند، دیگر، از ایدھر و اودھر، جیدھر و تیدھر یای معروف و واؤ معروف انداختہ، ادھر و ادھر، جدھر و تدھر ہم براں معنی جائز داشتند، چنانچہ حضرت دردراست:

جگ میں آکر اِدھر اُدھر دیکھا　　تو ہی آیا نظر، جدھر دیکھا

دیگر، پَر، کہ بمعنی لاکن است، حذف رای مہملہ بضرورت وزن از وجائز داشتند، چنانچہ سودا فرماید، مصرع:

دی تھی خدا نے آنکھ، پہ ناسور ہو گیا

یعنی خدا نے آنکھ تو دی تھی، پر ناسور ہو گیا۔

دیگر، لفظ اُوپر بمعنی علی کہ اشعار قدما مملوست ازین چون دریں ابیات تاجی گویند:

روا ہے کب، مجھ اوپر تیغ کو ہر دم علم کرنا

دیگر محمد نیز گوید، ع

برگِ حنا اوپر لکھو احوال دل میرا

اُو را ساقط کردہ، پَر، بہماں معنی پسندیدند۔

دیگر، واوی کہ در جیونا، و پیونا، و آؤنا و جاؤنا مستعمل بود، ثقیل یافتہ دور کردند و فقط جینا و پینا آنا و جانا کافی دانستند۔

دیگر، گا و گی، کہ در بیٹھیگا و بیٹھیگی بصیغہ واحد مذکر و واحد مونث، و گے بیای مجہول در بیٹھینگے، بصیغہ جمع استعمال میکردند، از ہر سہ جا کاستہ فقط، ہے در واحد مذکر و مؤنث، و ہیں در جمع بہماں معنی اعتبار نمودند۔

دیگر، از لفظ پھیر کہ بہای ہندی و یای مجہول، و سکون رای مہملہ، و معنی گردانیدن را امر است، و ہم بمعنی باز، چنانکہ دریں بیت:

راہ پڑے میں جو لیتا ہوں اُسے گھیر کبھی
ہنس کے کہتا ہے کہ اب کام ہے چل پھیر کبھی

این بیت که سید :

بیا ساقی که چشم پیر زالست   چو گل خون شد دماغ انتظارست

حضرت فرمود که اضافت چشم به پیرزالست از عالم صفت و موصوف معلوم می شود یعنی چشم که پیر زال
است، و بیان آنکه ارادهٔ شاعر اضافت بیانی است یعنی چشم عاشق تو که خود را پیر زال
گردانیده، پس شاعر را باید که از این چنین گفتگو احتراز نماید، که اراده چیزی باشد و چیزی دیگر
از زبان برآید، عبارات خود را مطابق عندیه خود چنانکه مفهومش بود، گفت زلالی از اهل
تکلیل بسته است میرزا فرمود، شما زلالی را موقوف دارید از خود حرف زنید، و لطف الهی
نه به اساتذه معلوم -

وجه تسمیه شعر هندی بلفظ ریخته: ریخته در عرف معمار و بنا عبارت از مصالح
است که بنا به استحکام سقف و دیوار اجزای چند باهم مخلوط کنند، پس بدین نسبت
وجه تسمیه در نظم این زبان ترکیب الفاظ عربی و فارسی و ترکی و هندی ناگزیر که از ما در حق بجاید
گذاشت ترکیب هم ترکیب خوشیست چون عطر مجموعه که نسبت عطر مفرد مطبوع تر آید
لهذا ترک هیچ کدام قسمی از اقسام الفاظش جایز نداشتند، حتی که بعضی لفظ هندی الاصل
را هم آنکه بکثرت استعمال مرغوب سامعه باشند، آوردن مضایقه ندانستند، چه در این
هندی از اجزای او است، و در ترکیب نقص راه می یافت، الا الفاظ دکن یکقلم متروک
کردند، زیرا که ثقالت آن ها بر آیینه ترتیب فصاحت کرد - حالا آمدیم بر بیان وجه تسمیه
اردو که خاص با این لفظ چرا نامیدند، پس مخفی نماند که اردو به زبان فارسی بمعنی لشکر است
لشکر پادشاهی مسمی باشد، چون این زبان مستعمل صوفیان و استادگان پای تخت پادشاهی
افتاد لهذا نسبت بآن دولت سرای عالی گویا مسمی باسم اردو کردند، و از این جاست که
صاحب دستور شرکت جایی که توضیح اقسام زبان فارسی نموده است در تعریف زبان
دری آورده که زبانی که مردم درگاه سلاطین کیان بآن تکلم می شدند، آن را دری گویند
یعنی منسوب به در دولت سلطان، پس همچنین است خصوصیت لفظ اردو تسمیه این زبان
دیگر ... حضرت ... از عالم اصول است ...

و نیز درین بیت :

لخت جگر سے خالی مژگاں یہ کہہ رہے ہیں
یہ چھوٹے چھوٹے پودے پھولوں میں لد رہے ہیں

دیگر، چون لفظ فارسی کہ از ادات تشبیہ است و قدما در ہندی ہمچنیں تلفظ میکنند آن را بجیم تازی و واو مجہول بدل کردند، و نون غنہ بدستور گذاشتند۔

دیگر، مکھ کہ فارسیش رو و چہرہ آمدہ بجای آن منہ گفتند۔

تصرف نہم در موقوفات سوں، بواو معروف و نون غنہ کہ بمعنی قسم می گفتند، یعنی، مجھے تیرے سر کی سوں، اور تجھے میرے سر کی سوں، و فقیہ صاحب دردمند در ساقی نامہ نیز ہمچنیں گفتہ :

تجھے عید کی شب کے چاؤں کی سوں || تجھے اپنے مہدی کے پاؤں کی سوں

این را بالمرہ ترک کردند و بدین معنی ہمان لفظ قسم و سوگند جاری داشتند۔

تصرف دہم، در ترک الفاظ ہندی الاصل کہ قوۃ ہندی باشد، چوں لالن، پیتم، درس، پاتی، دوتی، نس، رین، بہور، سانجھ، بھیتر، باجھ، من، تنگ، پیت، میت، برہ، اگن، بھن و امثال آن، و این کہ ازین الفاظ ممنوعہ خود در کلام این بزرگان شاذ و نادر نظر می آید، انصاف داند کہ خاص برای اینہا است، و دریافت لطف بندش آن موقوف سلیقہ طبیعت است، و حوالہ بوجدان، کہ مجرد شاعر قادر سخن و کامل این فن بکیفیت آن نرسد، این فہم فہم :

عارف داند آنچہ عارف دانست || ملا فہمید آنچہ ملا فہمید

برین تقدیر استعمال فرمودن این بزرگان نہ از عالم اجازت است، نسبت بعموم تلامذہ طبعان تا ہر نو مشقی بتقلید اینہا کار کند، الا وقتی، کہ ذوق کامل و تمیز دانی و قدرت کلی در تنظیم حاصل کند و لطف وقوع نکتہ برمحل و معرفت (خاص) از عالم بلاغت دریافتن تواند سلیقہ بندش و صفای تالیف و چستی ترکیب و نکات محل و چیز بہم رساند، الغرض سہل است کہ یکی از شعرای ہست نظم بخدمت حضرت مرزا بیدل بیتی چند از مثنوی خود عرض کرد

طبقات الحنفية ومؤلفوها

صحت نامه دیباچه کلیات مرزا جان طپش

صفحه/سطر	غلط	صحیح
۶/۱۲۹	بشناسا	شناسا
۲۳/۱۳۰	عروس	عروس یا
۱۲/۱۳۱	پیش ما قوقرقو	پیش پیش سرگرم قرقوقرقو
۱۳/۱۳۱	دکشایشی	دلکشایش
۱۴/۱۳۱	نزہت گاه	بزمگاه
۱۴/۱۳۱	لیومرثی	کیومرثی
۴/۱۳۱	نار	تار
۱/۱۳۲	چاررقب	چارقب
۲۱/۱۳۲	این	ازین
۲۲/۱۳۲	اسد	اسدو
۲/۱۳۳	شمارم	شماریم
۱۳/۱۳۳	مجمس	محمش
۱۸/۱۳۳	خویش از	خویش ما از
۴/۱۳۵	گاہے	گاہے
۱/۱۳۶	بساطمش	بساطش
۵/۱۳۶	باعث	باعث تعذر
۶/۱۳۶	آمدونیز	آمد وشده داشته ونیز
۹/۱۳۶	مشتی	مشتی نموده
۱۳/۱۳۸	به بهشت	بهشت
۱۳/۱۳۹	دفارسی	فارسی
۱۶/۱۴۱	بفواه	واه
۲۱/۱۴۱	بہندی	بہندی عبارت
۸/۱۴۲	کس	کس خطور
۴/۱۴۷	بیان	حال
۱۱/۱۴۷	بنساید	بنساید
۱۴/۱۴۷	برزبان	بزبان
۱۰/۱۴۸	ابر	بر

(٢) الثاني إذ كان عصرهم غير بعيد عن عصر النبي صلى الله عليه وسلم فكان أكثرهم أشتغل في معرفة الحديث والقرآن فكثر الأئمة المجتهدين في أيامهم لم يجب واجتماعة من التلاميذ والأشياع تفرقوا عنهم في البلاد -

(٣) الثالث لم تساعدهم الظروف السياسية -

[illegible] العصر العباسي فانتشر الفقه [illegible] العلوم [illegible]

باقی چون زیاده برین کلام تطویل می یافت لهذا بهمین قدر اکتفا رفت [illegible]
بالجمله سلسلهٔ سخن بس دراز است و از انواع احتیاط لازم سخن طراز حقیقت شناس خاطر
کند تا از الفاظ ایچ قدر بغور دل میسر گردد منظم سلسلهٔ معانی بجز مرتبهٔ جگر کاوی دست بهم ندهد،
لهذا گفته اند:

سخن بس دقیق است و معنی بلند　　مگر پی برد عاقلِ هوشمند

علاوه نفس قدسی باید تا بدین عطیهٔ مخصوص خود و مناسب بعالم علوی بود که بدین موهبت امتیاز
یابد، چنانکه سخنجان گداخته نفس سخن مربوط را بپایهٔ تصرف و کرامت برابر گرفته اند، و کلام طبع
موزون را با مرتبهٔ الهام برشمرده و ازین جاست که بزرگی فرموده که مرا از دنیا دو چیز خوش
آمده، سخن دل پذیر، و دل سخن پذیر، و نعم ما قیل:

عالم بالا ابر معنی پسند (کذا)　　نیست بغیر از سخنان بلند
سینه بکن تا گهر آری بدست　　بهتر از آن نیست که در سینه هست

اما، حیف که من مضیع الاوراق از مبادی عشق این فن تا غایت منتها قلم بخون جگر
برآلوده ام و چاک سینه با شکافت خامه برابر نموده، مع هذا هنوز لعوز اول و می دانم که
این بی بضاعت کرامت شعار نیست. الهی و قطره ایست از محیط اعظم؛ اما بحصول
قدر موهبت هم جناب مفیض در باب والنهایش تحرو سپاس گذارم، بوکه بحکم لئن شکرتم
لازیدنکم، بازدیاد این نعمات نوازند، و دولت قبول خاطر کرامت سازند.

پس از دیده وران بخلاف چشم آنست که هر جا حرف غلط و نکتهٔ دیوانه
حشو و زواید الاقتضا در صحت متانت مطالعه نمایند، بانصاف و الطاف نقش تحسین بر سر نکته
فقیدان بقلم عفو برکشایند، و جایی که از انعقام زلت الاقدام سخن لغزش پای ببینند، به
اصلاح الکلام نمایند، و به مراعات طریقهٔ لطف و کرم فرمایش نمایند که، ع

عیب پوشی براه عذر پوشی است

الاسديين ومنها ما أتينا به الآخر وفق حروف المعجم لا نعلم أكثر من اسماء مؤلفيها الى الآن بعد جهد بليغ -

(١) عبد الملك بن ابراهيم بن احمد الهمداني المتوفى قرن خمس (١) له "طبقات الحنفية" كما قال صاحب الفوائد البهية في ترجمة شيخه ابراهيم بن محمد الدهستاني المتوفى سنة ٥٠٣ هـ - أن عبد الملك بن ابراهيم الهمداني صاحب طبقات الحنفية والشافعية وفي الأثمار الجنية والجواهر المضية ان ولده محمد المتوفى سنة ٥٢١ هـ صاحب الطبقات طبقات الحنفية والشافعية - وقد ذكراه في ترجمة ابيه - ولم أجد ذكر طبقات الحنفية من تاليفاته في كتب أخرى وفي الاعلام (٧/ ١٢٧) وكشف الظنون (٢/ ١١٠٥) وهدية العارفين (٢/ ٨٥) وطبقات السبكي (٤/ ٨٠) ما يفيد أن من كتبه "طبقات الفقهاء" وأظن أنها طبقات الشافعية لأنه كان شافعيا، ولذلك ترجم له السبكي في طبقاته وحين ذكر هذا الكتاب لم يشر الى أن هذا في طبقات الفقهاء الحنفية، فالظاهر أن والده عبد الملك هو الذي ألف كتابين في طبقات الحنفية وطبقات الشافعية، ومحمد له كتاب في طبقات الحنفية -

(٢) ابراهيم بن علي بن عبد الواحد بن عبد المنعم الطرسوسي نجم الدين صاحب الفتاوى الطرسوسية" (٧٢١ - ٧٥٨)(٢) -

له "وفيات الأعيان في مذهب النعمان"

كشف الظنون ٢/ ٢٠٩٨ ، هدية العارفين ١/ ١٦)

---

(١) راجع ترجمته في الجواهر المضية ١/ ٣٣٢، الفوائد البهية ٤٧ و ١٥ في ترجمة شيخه ابراهيم والأثمار الجنية ، ١٣٧ (الف) (خطية مكتبة عكاشة)

(٢) الدرر الكامنة ١/ ٤٣ - الأعلام ١/ ٤٩ - الجواهر المضية ١/ ٨١ وفيه اسمه: ابراهيم بن علي ... صاحب الفتاوى ، وكلاهما أصح -

هت ونيه ونضجه فى هذا العصر وانتشر الفقه فى بلاد العراق و
صار الفقهاء والمجتهدون يجتهدون فى الأحكام ويستنبطون المسائل
فى ضوء القرآن والحديث وفق معرفتهم بهما - ففقهاء الحجاز كانوا أهل
فى الرواية تمسكوا بالقرآن والسنة ولم يرجعوا الى القياس حينما وجدوا
خبراً او أثراً ومن بينهم مالك بن أنس (٩٥ - ١٧٩) امام دار الهجرة،
وفقهاء العراق لكونهم أشداء فى قبول الرواية لصحتها وسقمها رجعوا
الى القياس - وامامهم الامام الاعظم ابو حنيفة النعمان الكوفى (٨٠-١٥٠)
ثم جاء الامام الشافعى (١٥٠- ٢٠٤) والامام احمد بن حنبل (١٦٤- ٢٤١)
وانفرد كل منهما بمذهب آخر- وهكذا تفرق الفقهاء والمجتهدون فى
مذاهب مختلفة واشهرها هذه المذاهب الاربعة المشهورة بين الناس-

ثم قام تلاميذهم ومتبعوهم وجمعوا تراجمهم واقوالهم فى الكتب،
فمنها ما عالج ترجمة امام واحد ومنها ما عالج تراجم الأئمة الأربعة، وبعد
ذلك أخذ والناس يدونوا تراجم الفقهاء والمجتهدين وفق مذاهبهم وسموا
تأليفاتهم بطبقات الفقهاء او تاريخ الفقهاء او مثلهما كما دونت الطبقات
فى العلوم الأخرى كطبقات الادباء وطبقات المحدثين وطبقات القراء
وغيرها - فالمالكية دونوا الطبقات المالكية والحنفية دونوا الطبقات الحنفية
وكذا الكتب فى الشوافع والحنابلة -

والآن أريد ان أذكر الكتب التى تعالج تراجم الفقهاء الحنفية و
قد بحثت عنها فى الكتب المختلفة ووجدتها عدداً كثيراً لكن الأسف انها
قد ضاعت أكثرها ولا توجد نسخة واحدة لأكثرها فى دار الكتب الشرقية
والغربية، ولا أجد لها أثراً غير أسمائها بل منها ما طويت اسمائها فى طى
الأيام ومنها ما طويت اسماء مؤلفيها فى طى الزمان كما سأبينها - فالكتب
التى عرفت بينها اسماء مؤلفيها وتاريخ السنين من وفياتهم

خطبة الجواهر المضية -

نسخة منها مصورة بمكتبة خدا بخش تحت الرقم ١٢٤٨-١٢٤٩

(الفهرس الانجليزي لمكتبة خدا بخش ١٢/٩٤)-

ونسخة بمكتبة برلن تحت الرقم ١٠٣٠ (فهرس مكتبة برلن ٩/٤٣٧)

ونسخة بمكتبة ايشيا تك سوسائتي (فهرس المكتبة ٤:٥)

ونسختان بالمكتبة الخديوية (فهرس المكتبة الخديوية ٥/٤٢)

طبعت من دائرة المعارف العثمانية بحيدر آباد سنة ١٣٣٢ هـ

(٦) ابراهيم بن محمد بن أيدمر العلائي، القاهري، الحنفي، الشهير

ب ابن دُقماق، الشيخ صارم الدين المتوفى سنة ٨٠٩ [(١)] -

له "نظم الجمان في طبقات أصحاب إمامنا النعمان"

كشف الظنون ٢/١٠٩٨ وفيه : وقفت على المجلد الاول والثالث منه

[و]له سماه "نظم الجمان" وفي هامش نظم الجمان بخط بعض العلماء ان

الشيخ محيي الدين ـــ سياق ذكره - إختصر طبقات الحافظ عبد القادر

وهو مختصر لا مبتكر لكن زاد عليه قليلاً - وابن الدقماق لم يزد عليه

[ذ]لك الا قليلا جداً - وأخبرني عبد الكريم بن قطب الدين قاضي العسكر

[ع]نده نسختين منها، فامتحن ابن دُقماق بسبب هذه الطبقات لأنه

[و]جد فيها خط شنيع على الامام الشافعي، فطولب بالجواب عن ذلك في

[مج]لس القاضي، فذكر أنه نقل من كتاب عند اولاد الطرابلسي فعزره

[ال]قاضي جلال الدين بالحبس والضرب - وذكرها صاحب الكشف مرة أخرى

(٢/١٩٦١) فقال : نظم الجمان في ثلاث مجلدات، أوله : الحمد لله

[ا]لذي رفع طبقات العلماء الاعلام الخ، المجلد الاول في مناقب ابي حنيفة

والثاني والثالث في أصحابه -

---

(١) حديقة الحنفيين ١٨١، الشذرات ١/١٨٨ - الأعلام ١/٦١

(٣) عبد الغني بن عثمان بن ابراهيم بن مفاخر الصالحي، الحنفي، صدر الدين، المتوفى سنة ٩٠٢هـ - من كتبه "طبقات الحنفية" - هدية العارفين ١/٥٩٦، الكشف ٢/١٠٩٨ -

(٤) مسعود بن شيبة بن الحسين، الامام عماد الدين السندي الملقب بشيخ الاسلام[١]. له مصنف في تراجم الحنفية - قال صاحب الجواهر: له كتاب "التعليم وطبقات اصحابنا" وفي كشف الظنون (٢/١٠٩٨): قال ابن الشحنة - سياق ذكره - في هوامش الجواهر: "جمع طبقات اصحابنا الامام مسعود بن شيبة، عماد الدين السندي، ثم قوله: وغالبه رجال الشقائق مأخوذ بالعالى زمانتا هذا على مذهب الحنفية "

(٥) عبد القادر بن محمد القرشي، المصري، الحنفي محي الدين، ابو محمد بن ابي الوفاء (٦٩٦ - ٧٧٥)[٢] -

له "الجواهر المضية في طبقات الحنفية" قال القرشي في خطبة الكتاب: "ولم أر احدًا اتتبع طبقات اصحابنا وهم امم لا يحصرون. فجمعها الحافظ الشيخ قطب الدين عبد الكريم الحلبي وابي العلاء الطاهري وابي الحسن السبكي وابي الحسن الماردني، فصار شيئًا كثيرا من التراجم والفوائد الفقهية" ويعني هذا بعينه انه اول من صنف في طبقات الحنفية وهكذا قال صاحب الاعلام وصاحب الكشف وصاحب الطبقات انهما قبله غير واحد - والقرشي هذا قد نص في ترجمة مسعود بن شيبة أن له "كتاب التعليم" و"طبقات اصحاب الحنفية" - وقد استفاد من كتاب التعليم في

---

(١) هدية العارفين ١/٥٩٦

(٢) لم اعثر على محل ولادة ووفاته، والظاهر أنه توفي قبل صاحب الجواهر؛ لأن له ترجمة في كتابه الجواهر المضية ٢/١٦٩

(٣) له ترجمة في الأعلام ٤/١٩٨، هدية العارفين ١/٥٩٥، البدر الطالع ...، ٢/٣٩٢

وفي الكشف (١/٩٩٦) هو مختصر جمعه من تذكرة شيخه التقي المقريزي في الجواهر المضية مقتصرا على تصرفه لتصنيف، وهو ثلاث مائة وثلاثون ترجمة -

نسخة منه محفوظة بمكتبة برلين تحت الرقم ٢٣ - ١٠ (فهرس مكتبة برلين ٩/٤٣٩)

ونسخة أخرى بمكتبة ويانة (؟) تحت الرقم ١١٧٤ (فهرس مكتبة ويانة ١/٤٣٩)

طبع من ليبسيك سنة ١٨٦٢ - وهو مطبوعات المانية وفهرستها الرجال للخواجة جوستاف فليجل -

(١٠) محمد بن محمود بن خليل القونوي، شمس الدين، المعروف بابن آجا، المتوفى سنة ٨٨١ -[1]

له "طبقات الحنفية" في ثلاث مجلدات -

(الأعلام ٧/٣٠٩، كشف الظنون ٢/١٠٩٨)

(١١) محمد بن محمد بن محمد بن محمود الحنفي، الحلبي، القاضي محب الدين، ابو الفضل المعروف بابن الشحنة (٨٠٤ - ٨٩٠)[2]

له "طبقات الحنفية" (ايضاح المكنون ٢/٧٨، الأعلام ٧/٢٧٩)

(١٢) احمد بن سليمان بن كمال باشا، شمس الدين، المتوفى سنة ٩٤٠[3]

له "طبقات الفقهاء" وهي مرتبة على سبع طبقات (الأعلام ١/١٣٠) -

نسخة منها محفوظة بمكتبة برلين تحت الرقم ٩٩٩٤ (فهرس برلين ٩/٤٣٢)

وله ايضا "طبقات المجتهدين" (الأعلام ١/١٣٠، كشف الظنون ٢/١١٠٦)

نسخة منها محفوظة بمكتبة برلين تحت الرقم ١٠٠٣٥ (فهرس برلين ٩/٤٣٩)

---

(١) الأعلام ٧/٣٠٩ - الضوء اللامع ١٠/٤٣

(٢) مقالة (؟) في الأعلام ٧/٢٧٩، ايضاح المكنون ٢/٧٨، شذرات الذهب ٧/٣٤٩، الضوء اللامع ٩/٢٩٥، البدر الطالع ٢/٢٦٣

(٣) الأعلام ١/١٣٠ - [illegible] ١/٣٥٥ - [illegible] ١/١٤٦ -

نسخة منه محفوظة بمكتبة برلين تحت الرقم ١٠٠٢٢ (فهرس مكتبة برلين ٩/٤٣٧)-

ونسخة أخرى محفوظة بمكتبة البارديس تحت الرقم ٢٠٩٦ (فهرس مكتبة البارديس ١/٣٧٢)

(٧) محمد بن يعقوب بن محمد بن ابراهيم بن عمر الفيروزآبادي، الشيرازي، الشافعي الشيخ مجد الدين، ابو طاهر، المتوفى سنة ٨١٧ -[1]

"له المرقاة الوفية في طبقات الحنفية"

(الأعلام ٨/١٩، هدية العارفين ٢/١٨٠، كشف الظنون ٢/١٠٩٨)-

وله كتاب آخر في تراجم الحنفية وهي "الألطاف الخفية في أشراف الحنفية" (الهداية ٢/١٨١، كشف الظنون ١/١٤٩، ذكرها مرتب الفهرس لمكتبة برلين (٩/٤٤٣) لكنه لم يذكر اسم المؤلف)

(٨) محمود بن احمد بن موسى بن أحمد العيني، القاضي بدر الدين ابو محمد، المتوفى سنة ٨٥٥ -[2]

له "طبقات الحنفية" (مفتاح السعادة ١/٢١٦، الضوء اللامع ١٠/١٣١)-

(٩) قاسم بن قطلوبغا بن عبد الله الحنفي، الشيخ زين الدين، ابو العدل (٨٠٢-٨٧٩)[3] له "تاج التراجم في طبقات الحنفية"-

---

(١) راجع ترجمته في شذرات الذهب ٧/١٢٦- البدر الطالع ٢/٢٨٠، الضوء اللامع ١٠/٧٩، مفتاح السعادة ١/١٠٣- هدية العارفين ٢/١٨٠- ١٨١- وفيها: له المرقات الوفية في طبقات الحنفية والمرقات الأرفعية في طبقات الشافعية، والألطاف الخفية في أشراف الحنفية

(٢) الشذرات ٧/٢٨٦ - الجواهر المضية ٢/١٩٥ - الضوء اللامع ١٠/١٣١ - [illegible] ٨/٢٩٦، مفتاح السعادة ١/٢٦٦

(٣) الأعلام ٦/١٨ - البدر الطالع ٢/٤٥ - الضوء اللامع ٦/١٨٤ -

بقة كتب فيه المشاهير بدأه بالإمام الأعظم وختم بأحمد بن سليمان كمال
باشا. أوله: الحمد لله رب العالمين.
فهذه العبارة تشير إلى أربعة أمور:-
(١) الأول أن الكتاب يبتدئ "بالحمد لله رب العالمين"
(٢) الثاني أن الكتاب مختصر جداً، ويحتوي على تراجم المشاهير فقط.
(٣) أن الترجمة الأولى هي ترجمة الإمام أبي حنيفة والترجمة الأخيرة هي
ترجمة أحمد بن كمال باشا المتوفى سنة ٩٤٠.
(٤) الرابع أن الكتاب مرتب على إحدى وعشرين طبقة.
فالأمور الأربعة هي المعالم التي تنكشف بها الغطاء عن مخطوطات
كثيرة يأتي ذكرها.
نسخة منه محفوظة بمكتبة ولي الدين تحت الرقم ٨١٢ (فهرس مكتبة ولي الدين
٢٥٢/٢) وفيه عنوان الكتاب: "مختصر في ذكر طبقات الحنفية" والظاهر أن
اسم المؤلف غير مذكور في الكتاب ولكن مرتب الفهرس قال: "أنه لابن الحنائي"
ثم ذكر أن أوله: الحمد لله رب العلمين والصلوة على سيدنا محمد وآله الخ
فهذا كتاب مختصر في ذكر طبقات الحنفية، ذكرت فيه المشاهير من الأئمة الذين
نقلوا إلى [علم] الشريعة من كل طبقة ونشروها [نشروها] بين الأمة مع
سلسلتهم على طبقاتهم وأحوالهم على درجاتهم الأقدم فالأقدم على الترتيب
البليغ والنظام الأحكم.
ثم ذكر شعراً بعد سطور:-

محمد ونعمان ومالك وأحمد
وسفيان وأخصر بعد داود تابعاً

وبعد ذلك صرح المرتب ان الترجمة الأولى تبتدئ بالإمام أبي حنيفة والترجمة
الأخيرة هي ترجمة أحمد بن كمال باشا المتوفى سنة ٩٤٠.

(١٣) محمد بن علي بن احمد بن طولون الدمشقي، الصالحي، الحنفي، شمس الدين
(٨٨٠-٩٥٣)[1] -

له "الغرف العلية في تراجم متأخري الحنفية"
(الأعلام ٧/١٨٤، كشف الظنون ٢/١٠٩٨)-
المجلد الثاني والثالث منها مخطوطات بمكتبة المتحف البريطاني تحت
رقم ٥٤٢٦ (فهرس المتحف البريطاني ١/٤٣٤) -

(١٤) ابراهيم بن محمد بن ابراهيم الحلبي، الحنفي، المتوفى سنة ٩٥٦[2] -
تصنيف في طبقات الحنفية -(الكشف ٢/١٠٩٨، فهرس مكتبة برلين
رقم ١٠٠٣١)-

(١٥) محمد بن أمر الله بن آق شمس الدين الرومي، المتوفى سنة ٩٥٩[3] -
كتاب في تراجم الحنفية سماه "طبقات الحنفية"
(ايضاح المكنون ٢/٢٤٤، كشف الظنون ٢/١٠٩٨)-

(١٦) علي بن أمر الله بن عبد القادر الرومي، المعروف بابن الحنائي،
(٩١٦-٩٧٩)[4] -

له تاليف في تراجم الحنفية - قد أشار إليه مرتب الفهرس لمكتبة برلين
(٩/٤٤٣) لكنه لم يذكر إسم الكتاب وقال في إسمه: علي بن أمر الله قنالي
زاده، [والصحيح حنائي زاده، راجع فهرس مكتبة ويَن ٢/٣٥٢)، وفي كشف الظنون
(٢/١٠٩٨): "جمع المولى علي بن أمر الله ابن الحنائي مختصراً على إحدى وعشرين

(١) الهدية ١/٢٠٢؛ الشذرات ٨/٢٩٨ - الفلك المشحون ترجمة لنفسه بتمامه - كشف الظنون
٢/٣٠٩ و٣٢٠ و٣٣١ وفيه إسمه: اسحاق بن حسن وما أثبتناه الحق فهرس الاعلام ٧/١٨٤ -
(٢) كشف الظنون ٢/١٨١٤، ١٠، الاعلام ١/٦٤ وفيه: له "مختصر طبقات الشافعية"
(٣) هدية العارفين ٢/٢٤٤
(٤) هدية العارفين ١/٧٤٨

واقل التراجم للامام الاعظم واكثرها الاجتهادات صاحب الكتاب
لابن الحنائى طبعه التى بينها فالسابق فلا نجد له السويدى فلا اكثر
من هذا السويدى، ولم أعثر على تحقيقات بذلك جهدى -

وأما ما يستفاد بقول مرتب الفهرس الانجليزى لمكتبة خدابخش أن
الكتاب مرتب على سبع طبقات فهو غلط فاحش، لأن هذا مما لا يعين المؤلف
بكلامه: فاعلم أن الفقهاء على سبعة طباق، الطبقة الأولى طبقة المجتهدين
فى الشرع الخ، بل مراده أن يبين درجات الفقهاء الحنفية ومراتبهم كما بينها
صاحب الفوائد البهية (ص: ١٠) وصاحب الجواهر المضية (٢/٥٥٨) وغيرهما
فى طبقاتهم - فمنهم من قسم الفقهاء فى ست طبقات ومنهم من قسم الفقهاء
فى سبع طبقات - والكتاب منقسم فى احدى وعشرين طبقة - وابن الحنائى
(مؤلف الكتاب) لم يشر الى هذه الطبقات فى الخطبة بل قال فى إبتداء كل
طبقة من هذه الطبقات بعد ترجمة الامام الاعظم: "ثم انتقل الفقه الى طبقة
فلان، وقد عددت كلام المؤلف هذا ورقا بعد ورق فوجدته فى ٢١ موضعا -
وما ذكره مرتب الفهرس لمكتبة برلن ان الكتاب مرتب فى ٢٢ طبقة، فلعله خطأ
فى تعديدها ويمكن ان يكون من اضافة الكاتب -

ونسخة أخرى منه محفوظة بالمكتبة الخديوية وعنوانها "مختصر
فى طبقات الحنفية" وعدد أوراقها ٣٨ - واسم المؤلف غير مذكور، وقال
مرتب الفهرس: ذكر فيه مؤلفه المشاهير من الأئمة الذين نقلوا علم الشريعة
فى كل طبقة ونشروها بين الأمة مع سلسلتهم على طبقاتهم وأحوالهم على ترتيبها
الأقدم فالأقدم - (فهرس المكتبة الخديوية ٥/١٤٤)
والنسخة الأخرى توجد بدار الكتب المصرية كما أشار بينهما الى الفرق ٣٦ -
ونسخة منه محفوظة بمكتبة بودلين (فهرس مكتبة بودلين ١/٢٠٦/٥٩٩) -
(١٧) محمد بن احمد بن قاضى زاده النعمان "الهندية" المكى الحنفى

فهذا الكتاب ليس المقال بلا شك لأنه جامع للأسماء التي بينها كشف الظنون إلا الرابع، بل هو حاو له ايضاً كما يظهر من النسخ الآتية.
نسخة أخرى منه محفوظة بمكتبة خدابخش تحت الرقم ٢٤٥٣.
واسم الكتاب على صفحة العنوان كذا: "طبقات الحنفية" لطاشكبري زاده" (المتوفى سنة ٩٦٢). وأظن أن هذا الانتساب غير صحيح لوجوه مختلفة.
(١) أولاً لم يجد ذكر هذا الكتاب في تاليفات طاشكبري زاده.
(٢) ثانياً أن العبارة المنقولة من نسخة ديتي توافق عبارة هذه النسخة من كل وجه.
(٣) ثالثاً أن هذه النسخة مرتبة على احدى وعشرين طبقة وهي مختصرة جداً وعدد أوراقها ٥٢، وتحتوي على تراجم المشاهير فقط. وعدا ذلك أنها تبتدى بترجمة الامام ابي حنيفة وتختم بترجمة احمد بن كمال باشا المتوفى سنة ٩٤٠.
فقد ظهر من هذا البيان ان النسخة المتقدمة وهذه النسخة كلتيهما حاملتان للامور الأربعة.
وقد وافق رأي مرتب الفهرس الانجليزي لمكتبة خدابخش (١٢/٩٧) حيث قال: أن هذا الكتاب ليس لطاشكبري زاده. لأنه لم يجد ذكراً في مصنفاته. لكنه ظن أن الكتاب لعبد الله السويدي المتوفى سنة ٩٥٠ والعنوان الصحيح "طبقات السادة الحنفية"، لأنه وجد نسخة أخرى منه بعينها في مكتبة برلن تحت الرقم ١٠٠٢٤ (فهرس مكتبة برلن ٤٣٩/٩) ومؤلفها عبد الله السويدي (م ٩٥٠) وعنوانها "طبقات السادة الحنفية".
والصحيح ان النسختين لكتاب واحد كما هو ظاهر بعبارة التكملة لكل واحدة منهما وقد ذكر مرتب الفهرس لمكتبة برلن ايضاً أن نسخة مرتبة على اثنتين وعشرين طبقة وكل طبقة منها يبتدى بالعبارة ... الى ...

ونسخة أخرى بمكتبة النورعثمانية تحت الرقم ٣٠ (فهرس المكتبة ص
١٢٥) ونسخة ثالثة بمكتبة ولي تحت الرقم ٨٧ (فهرس ولي ٢/١٧٢)
ونسخة رابعة بمكتبة برلن تحت الرقم ١٠٠٢٧ (فهرس برلن ٩/٢٣٠)

(١٩) محمود بن سليمان الكوفي

له "طبقات الكوفية في السادات الحنفية" — الفهرس الانجليزي لمكتبة
المدرسة العالية بكلكتة، المطبوع سنة ١٩٠٥ ص ٣٣ فيه: "ان في ورق
٩٥ (الف) لحاشية الفاضل الجلبي على المطول لحسن چلبي بن محمد شاه
الفناري المتوفى سنة ٨٨٦ ترجمة المؤلف (لعل المقصود المحشى) منقولة من
طبقات الكوفية في السادات الحنفية" لمحمود بن سليمان الكوفي —
لا أعرف من هذا الكوفي ولم أجد ترجمته في الكتب ذكرته

من الوجهين :-

(١) لأنه توفي بعد سنة ٨٨٦ بلا شك ولذا ألف كتابه يحتوى
على ترجمة الفناري المتوفى سنة ٨٨٦ -

(٢) وظني ان اللفظين "الكوفي" و"الكوفية" تحريف "الكفوي"
(المذكور سابقا) و"الكفوية" بادنى تغيير بتقديم "الواو" على "الفاء"

(٢٠) تقي الدين بن عبد القادر التميمي، الداري، المصري، الحنفي
قاضي الجيزة، المتوفى سنة ١٠١٠[1] -

كتابه "الطبقات السنية في تراجم السادة الحنفية"

في كشف الظنون (٢/١٠٩٨): ثم جاء تقي الدين بن عبد القادر المصري
وصنف في ذلك كتابا جمع فيه تراجم الحنفية، فادى وأجاد وهو

---

* نسخة خامسة بمكتبة عاطف افندي تحت الرقم ٢٥٥ (فهرس البحساس ؛ ٢٨٩)

نسخة سادسة بمكتبة الكتب الخديوية في مجلد -عدد أوراقها ٥٧٣ (فهرس الخديوية ٥/٣٠)

(١) راجع ترجمته في الأعلام ٢/٢٨ خلاصة الأثر ١/٤٧٩ هدية العارفين ١/٢٥٨

قطب الدين بن علاء الدين، المتوفى سنة ٩٨٨ھ.(١)

له "طبقات الحنفية" فى اربع مجلدات (هدية العارفين ٢/٢٥٥، ايضاح المكنون ٢/٧٨) وفى كشف الظنون (٢/١٠٩٨) وجمع قطب الدين محمد بن علاء الدين المكى كتابا فى اربع مجلدات، ثم احترق مع كتبه ثم كان فى مسودة لم يجد يدها.

(١٨) محمود بن سليمان الكفوى، الرومى، الحنفى، المتوفى سنة ٩٩٠ھ.(٢)

له "كتائب أعلام الاخيار من فقهاء مذهب النعمان المختار" وفى كشف الظنون (٢/١٤٧٢-١٤٧٣) اوله: الحمد لله الذى أرسل رسوله بالهدى ودين الحق الخ قال ومن نعم الله تعالى ان ساقنى الى جمع أخبار فقهاء الأمصار من ذوى الفتيا وقضاة الأمصار من لدن نبينا الى مشائخنا فى تلك الأونة. ولقد كنا فى اثناء بعض الليالى نسامر نا بأهالى البلاد التى يكون بها القاضى من ثمرات أفانين العلم، فكلما انساق عنان الكلام فى بيداء بيان الفقهاء وشيوخ الاسلام وجدنا اكثرهم غافلين من اصحابنا لا يفرقون التلميذ من الاستاذ، ولا يميزون ذوى التقليد من أهل الاجتهاد فحثونى على كتب "كتائب اعلام الأخيار وطبقات ذوى الفتيا وقضاة الأمصار" فجمعت مشائخنا المتقدمين والمتأخرين بأسانيدهم وصنفاتهم على حسب أعصارهم وطبقاتهم مع أرداف المسائل الغريبة المنقولة عنهم فى مشاهير الكتب الفتاوى وتذييل الحكايات العجيبة المسموعة فى حقهم عن جماهير العلماء.

نسخة منها محفوظة بمكتبة الباحث تحت الرقم ٢٠٩٧ (٧٢/١).

(١) راجع ترجمته فى الاعلام ٦/٢٣٥ - البدر الطالع ٢/٥٧ - ايضاح المكنون ٢/٧٨ - هدية العارفين ٢/٢٥ اسمه: محمد بن علاء الدين ... بن أحمد الخ

(٢) راجع ترجمته فى الاعلام ٨/٤٩ - هدية العارفين ٢/٤١٣.

نسخة أخرى مخطوطة بمكتبة البلار بكلكتة - تحت الرقم ١٥٠٣

(٢٢) عيسى بن محمد بن محمد المغربي، المالكي، جار الله أبو المهدي المتوفى سنة ١٠٨٠ه[1] - له "أسماء رواة الإمام أبي حنيفة"، لم أجد ذكرها في كشف الظنون وقد ذكرها مرتب الفهرس لمكتبة برلن تحت الرقم ١٠٣١ (الفهرس برلن ...)

(٢٣) خليل بن تاقيه بي صولاق محمد الرومي، الحنفي، المعروف بصولاق زادة - المتوفى سنة ١٠٩٥ه[2] -

له "طبقات الحنفية" - (ايضاح المكنون ٧٨/٢) - الهدية ٣٥٤/١) -

(٢٤) محمد كامي بن ابراهيم بن أحمد بن سنان بن محمود الأدرنوي الحنفي (١٠٥٩ - ١١٣٦)[3]

كتابه "محامد الفقهاء" في طبقات الحنفية - إختار فيه مؤلفه تراجم بعض فحول الحنفية ورتبه على حروف المعجم وجعل في آخر كل حرف فصلاً أورد فيه: أسماء الكتب الفقهية - (ايضاح المكنون ٤٣٨/٢)

نسخة منه في المكتبة الخديوية، تمت كتابتها سنة ١٢٩١، عدد أوراقها: ١١٦ (فهرس الخديوية ١٦٢/٥) -

(٢٥) عبد الحي بن محمد عبد الحليم الأنصاري، الهندي، أبو الحسنات (١٢٦٤ - ١٣٠٤)[4]

له "الفوائد البهية في تراجم الحنفية"

وهي تلخيص كتاب الأعلام للكفوي - المذكور سابقاً - لكنه زاد شيئاً كثيراً من كتب أخرى كما قال مؤلفها في خطبة الكتاب

---

(١) راجع ترجمته في الأعلام ٢٩٤/٥ - خلاصة الأثر ٢٤٠/٣

(٢) هدية العارفين ٣٥٤/١ - ايضاح المكنون ٧٨/٢

(٣) الأعلام ٢٣٦/٧ - " " ٦٠٨/٢ -

(٤) الأعلام ٩٥/٧ - الفوائد البهية ٢٤٨ - معجم المطبوعات ...

أجل الكتب المؤلفة في تراجم أهل الرأي - أدرج فيه رجال الشقائق ومن بعده الى زمانه وجميع رجاله ٢٥٢٣ أئمة سنة ٩٩٣، وسماه "طبقات السنية في تراجم الحنفية" وتم تأليفه بمدينة فوه وهو قاض بها في رجب سنة ٩٨٩ وقرظه المولى سعد الدين المعروف بخواجه آفندي، والمولى چوى زاده، والمولى زكريا، والمولى عبد الغني، والمولى أحمد الانصاري -

ثم ذكره حاجي خليفة مرة أخرى (٢/١٠٩٩) وقال: ذكر في أوله مقدمة تحتوي على أبواب وفصول، فيها فوائد مهمة تتعلق بفن التاريخ، لا يسع المؤرخ جهلها، وصدره باسم السلطان مراد خان بن سليم العثماني، ثم سيرة النبي عليه الصلوة والسلام اجمالاً مفيداً، ثم مناقب الامام أبي حنيفة كما في الجواهر المضية، ثم رتب الاسماء على الحروف وربما أكثر في بعض التراجم من الاشعار، وقصد بذلك أن لا يخلو كتابه من الأدب، وذكر في أوله: أنه أورد بالانساب والالقاب في آخر الكتاب -

نسخة منها محفوظة بمكتبة برلن تحت الرقم ١٠٠٢٩ (فهرس برلن ٩/٤٤١) ونسخة منها بمكتبة وين، رقم ١١٨٩ (فهرس وين ٢/٣٥٢)

ونسختان بمكتبة النور عثمانية، رقم ٣٣٩٠ - ٣٣٩١ (فهرس النور من ١٩٢١) وفيه اسم المؤلف: شمس الدين بن عبد القادر -

(٢١) علي بن سلطان محمد القاري، الهروي، المتوفى سنة ١٠١٤[1] - له "الاثمار الجنية في اسماء الحنفية"

نسخة منها في مكتبة خدابخش تحت الرقم ٢٤٥١ - الفهرس الانجليزي (١٢/١٢) عنوان الكتاب غير مذكور - لكن نجد ذكره في مؤلفات القاري في كتب أخرى - عدد أوراقها: ١٧٨ - نقلت سنة ١٠٧٩ - أوله الحمد لله رب الارض والسماء ذي الفضل والطول الخ

---

(١) هدية العارفين ١/٧٥١، معجم المطبوعات: ١٧٩١، الاعلام ٥/١٦٦، البدر الطالع ١/٤٤٥

(٢٧) "كتائب المجتهدين":

نسخة منها بمكتبة خدابخش، لم يذكر ناقلها اسم المؤلف ولا اسم الكتاب ومرتب فهرسها الانجليزي سماها بكتائب المجتهدين لان الكتاب يحتوي على خمس كتائب:

(١) الاولى كتيبة طبقة المجتهدين في الشرع -

(٢) الثانية كتيبة طبقة المجتهدين في المذهب -

(٣) الثالثة كتيبة طبقة المجتهدين في المسائل -

(٤) الرابعة كتيبة طبقة اصحاب التخريج -

(٥) الخامسة كتيبة طبقة المتبحرين في الفتوى، عدد اوراقها ١٩٣ (الفهرس الانجليزي ١٢/١٠١)

والظاهر ان الكتاب ماخوذ من كتائب الأعلام للكفوي و الدر المختار للحصكفي المتوفى سنة ١٠٨٨ -

(٢٨) "مختصر الجواهر المضية في طبقات العلماء الحنفية" نسخة منه بمكتبة ويني تحت الرقم ١١٧١ (٢/٣٣٦)

وكتاب اخر في مكتبة برلن تحت الرقم ١٠٠٢١ - قال مؤلفه في خطبة الكتاب: هذا كتاب أذكر فيه من عرف بنسبة من اصحابنا المذكورين في الجواهر فان كان تقدم - قلت تقدم وقد ينسب الى النسبة جماعة -

فيمكن ان يكون كلاهما مخطوطتين لكتاب واحد

(٢٩) "نادرة الايام في شمائل أئمة الاسلام ومشائخ الكرام العظام" النصف الاول منه محفوظ بمكتبة برلن تحت الرقم ١٠٠٢٨ (فهرس برلن [illegible])

قال مؤلفه بعد الحمد والصلوة: اما بعد فهذه رسالة منتقية منقحة ملخصة مستخرجة من كتاب المسمى باعلام الاخيار الخ [للكفوي]

Khuda Bakhsh Annual Lectures, 1977

Khuda Bakhsh Annual Lectures
are delivered every year
by some eminent scholar of
Persian, Arabic or Islamic
Studies.

Mr. Qazi Abdul Wadood,
Dr. Md. Zubair Siddiqui,
Prof. A. A. A. Fyzee,
Dr. Nazir Ahmad,
Dr. S. A. H. Abidi and
Dr. S. H. Askari
were the forerunners
in the series to which
Dr. Hashim Amir Ali
Contributed in 1977.

عابد رضا بیدار

سر تیج بہادر سپرو کا رسالہ

کشمیر درپن

"اُردو زبان ہندو مسلمانوں کا مشترک اور ناقابل تقسیم ترکہ ہے"۔ اس یادگار جملہ کے مصنف سر تیج بہادر سپرو، ایک اعتدال پسند محب وطن، ایک بڑے قانون داں اور اُردو تہذیب کے ایک معروف نام کی حیثیت سے کسی تعارف کے محتاج نہیں ہیں۔ ان کے سلسلے میں اسمبلی کی ممبری، وائسرائے کی مجلس عاملہ کی ممبری، پریوی کونسل کی ممبری کا تذکرہ شاید اتنا ضروری نہ ہو جتنا یہ امر کہ تقسیم ملک سے پہلے دو عرصے تک انجمن ترقی اُردو کے مستقل صدر رہے۔ ہندوستانی اکیڈمی کے بھی برسوں صدر رہے اور اُردو میں متعدد مقدمے اور دیباچے ان کی یادگار ہیں۔

بجنور کے رہنے والے تھے۔ ۱۷، ۱۸ سال کی عمر میں الہ آباد چلے گئے اور پھر ساری زندگی یہیں گذاردی۔ ۲۰ جنوری ۱۹۴۹ء کو الہ آباد ہی میں انتقال ہوا۔ ڈاکٹر اعجاز حسین نے انتقال کے وقت ۷۲ سال عمر دکھائی ہے (نقوش، شخصیات نمبر) اور معارف نے اپنے شذرات میں (فروری ۱۹۴۹ء) ۷۳ سال عمر لکھی ہے۔ اس طرح سال پیدائش ۱۸۷۶ء یا ۱۸۷۷ء ٹھہرتا ہے۔

خدابخش لائبریری میں "کشمیر درپن" کے مندرجہ ذیل شمارے محفوظ ہیں : جلد ۳، (۱۹۰۵ء) نمبر ۶ تا ۱۲ - جلد ۴، (۱۹۰۶ء) نمبر ۱، ۴، ۵ اور ۷ تا ۱۲ - جلد ۵، (۱۹۰۷ء) نمبر ۱ تا ۹ - اوّلین جلد مولانا آزاد لائبریری مسلم یونیورسٹی میں محفوظ ہے۔

(۳۰) "نزهة الأبرار فی مناقب الاخیار"

فهی ایضا فی تراجم الحنفیة - ذکرها مرتب الفهرس لمکتبة برلن تحت الرقم ۱۰۰۳۱ (فهرس برلن ۹/۴۴۳)

وقال صاحب کشف الظنون (۲/۱۹۳۸) - نزهة الابرار فی مناقب الأخیار" یعنی فی مناقب ابی حنیفة واصحابه مختصر - اوله: الحمد لله الذی هدانا لهذا وما کنا لنهتدی الخ -

صائب و مستقل قائم کی جائے گی۔ تعلیمی مضامین کے سلسلہ میں تاریخی مضامین اور دیگر ملکوں اور قوموں کے حالات وقتاً فوقتاً شائع ہوا کریں گے۔
اور تاکہ یہاں کی مستورات بھی اس سے فائدہ اٹھا سکیں، کالم صفحے اس رسالہ میں ہندی کے ہوں گے۔"

O

مندرجہ بالا سطروں سے ظاہر ہے کہ یہ رسالہ کشمیری قوم کی سوشل ریفارم کے لیے جاری کیا گیا تھا اور کشمیری قوم سے گویا کشمیری پنڈت مراد ہیں جو کشمیر میں اور کشمیر سے باہر خصوصاً دوآبہ کے علاقہ میں آباد تھے۔ ہندی کا حصہ "مستورات" کے لئے تھا، جس سے پتا چلتا ہے کہ اردو گویا کشمیری پنڈتوں کی زبان تھی اور مستورات میں ہندی کا رواج تھا۔ قاضی صاحب (قاضی عبدالودود) نے بتایا ہے کہ مسز کملا نہرو کے بھائی کول عرصے تک قاضی صاحب کے پڑوسی رہے ہیں، اور کول یہ کہتے تھے کہ ان کے گھروں میں عورتیں اردو کے سوا کوئی زبان جانتی ہی نہیں۔
رسالہ غالباً ۱۹۰۷ء کے ستمبر تک جاری رہا کہ یہی آخری شمارہ ہے، جو دستیاب ہو سکا ہے۔ اس کے بند ہونے کے آثار مئی ۱۹۰۷ء سے نظر آتے ہیں۔ جب مئی۔ جون کا مشترک شمارہ نکلا اور اس کے بعد جو آخری دستیاب شمارہ ہے، وہ جولائی، اگست۔ ستمبر تینوں مہینوں کا مشترک شمارہ ہے۔ مئی۔ جون ہی کے شمارہ سے مقامِ اشاعت کی تبدیلی بھی نظر آتی ہے۔ الہ آباد کی جگہ لکھنؤ نے لے لی ہے، جس کا اعلان اپریل کے شمارہ میں کیا گیا ہے۔ ایڈیٹر بھی مارچ تک تیج بہادر سپرو ہے۔ اپریل کے شمارہ میں ایڈیٹر کا نام ہی نہیں دیا گیا اور مئی۔ جون سے "ایڈیٹران: پنڈت بشن نرائن در بیرسٹر ایٹ لا اور پنڈت اقبال نرائن مسلدان بیرسٹر ایٹ لا کے نام آنے لگے اور آخر الذکر کے "اہتمام" سے جی پی ورما و برادران پریس امین آباد لکھنؤ شہر لکھنؤ میں چھپنے لگا۔ اور مقام و نام کی یہ تبدیلیاں غالباً دربن کو سزاوار نہ ہوئیں کہ اس تبدیلی کے ساتھ ہمیں صرف دو اشاعتیں میسر ہیں۔
ذیل میں ہم کشمیر دربن کے میسر شماروں کے مشمولات کا مکمل تذکرہ پیش

الہ آباد سے شائع ہونے والے ماہنامہ مخزن اور زمانہ جیسے وقیع پرچوں کا ہمعصر تھا۔ اشاعت جنوری ۱۹۱۳ء سے شروع ہوئی۔ رسالہ ہندی اور اردو دونوں رسم خط میں رہتا تھا۔ ہندی کا حصہ تقریباً تہائی ہوتا تھا، مگر زبان اسکی بھی اردو ہی جیسی ہوتی تھی" ایڈیٹر پنڈت تیج بہادر سپرو ایم۔ اے ایل ایل۔ بی۔ وکیل ہائیکورٹ" تھے۔ سائز زمانہ جیسا تھا سرورق پر ہی مضامین کی فہرست ہوتی تھی چندہ پیشگی" تین روپے تھا۔ ضخامت پہلے پرچے کی کل تیس صفحے تھی۔ جو بعد میں ۴۰ سے ۵۶ صفحے تک جاتی رہی۔

پہلے شمارہ میں کشمیر درپن کے اجرا کے مقصد کے بارے میں جو کچھ لکھا ہے، اس کا ضروری حصہ مندرجہ ذیل ہے:

"... اصلاح .... اس قسم کے اخبارات کی ضرورت کو ہماری قوم میں سب سے پہلے پنڈت شیو نرائن بہادر مرحوم لکھنوی نے محسوس کی ... مراسلہ کشمیر کی جو کچھ مخالفت ہوئی اس کے اعادہ کی ضرورت نہیں .... مراسلہ کے بعد دو اور قومی رسالے جاری ہوئے: سفیر کشمیر اور کشمیر پرکاش۔ اور ان دونوں نے اس کام کو جاری رکھا جو مراسلہ نے شروع کیا تھا.....

جہاں تک ہم کو علم ہے "کشمیر پرکاش" کا بھی کوئی پرچہ کئی مہینہ سے نہیں نکلا۔ اب اس وقت قوم میں نہ کوئی اخبار ہے، نہ کوئی انجمن .... سیکڑوں رسالے میگزین موجود ہیں مگر ہندو قوم لاتعداد ذاتوں اور فرقوں میں منقسم ہے اور ہر فرقہ کے رسم و رواج اور فرقوں سے کچھ نہ کچھ مختلف ہیں۔ کشمیری قوم کے جھگڑوں سے کسی بنگالی اخبار کو کیا مطلب، یا کسی مرہٹہ ریفارمر کا کہنا ہم اپنے مراسم کے تبدل و ترمیم میں کیوں ماننے لگے۔ اس وجہ سے علاوہ عام رسالوں اور اخباروں کے ایک قومی میگزین کی ضرورت ہے، اسی ضرورت کو پورا کرنے کے لئے یہ رسالہ جاری کیا گیا ہے ...."

فی زمانہ سوشل ریفارم ایسے دو لفظ ہیں جن سے بعض دلوں میں ہر قسم کے خوف پیدا ہو جاتے ہیں۔ اور بعض دلوں میں ہر قسم کے ولولہ و امید۔ اس رسالہ کی یہ کوشش ہوگی کہ مباحثہ کے ساتھ ہی سوشل اور تمدنی معاملات پر لائے

اور مضامین غیر کے تحت:

(۱) پنڈت پران ناتھ سرسوتی۔ (از پنڈت بشن نرائن صاحب چکبست) ——

سلسلۂ سخنوران کشمیر نمبر ۲ (۲) دماغی اشتغال۔ (از پنڈت برجموہن دتاتریہ) (۳)

مرقع کشمیر۔ (از آنریبل پنڈت بشمبھر ناتھ صاحب)

مہتمم اشاعت کا نام اس پرچہ میں "پنڈت راجناتھ تکرو" ہے۔

مئی، ۱۹۰۳ء

ایڈیٹوریل:

(۱) وفات پنڈت کدار ناتھ اوگرا (۲) پنڈت پران ناتھ پرنسپل وکٹوریہ کالج۔

(۳) سفر ولایت —— کشمیری نوجوانوں کے نام دیئے ہیں، جو لندن گئے۔ (۴) مسٹر کین صاحب

مرحوم —— شراب خواری کی بیخ کنی کرنے والے۔

ہندی میں بالکل معمولی شذرے ہیں۔ کبھی کبھی، جیسے خود اس شمارے میں، اردو مضامین

کا خلاصہ بھی دیا ہے۔

مضامین غیر:

مراسلۂ کشمیر۔ (از پنڈت پران ناتھ، پرنسپل وکٹوریہ کالج گوالیار)

"پنڈت شیو نرائن صاحب بہار ...... بہار خاندان میں متبنیٰ ہو کر کشمیر سے لکھنؤ آئے...

۱۸۷۵ء میں لکھنؤ ... (پھر) مراسلہ کشمیر جاری کیا .... عین جوانی کے زمانہ میں دماغ نے جواب دے دیا...

جوان مرگ ہوئے۔ مراسلہ کا انتظام بشن نرائن صاحب در نے اپنے ذمہ لیا .... بعد ازاں لچھمی نرائن جی در ...

اور پھر گنگا پرشاد جی تمینی نے .... پھر جناب شیام نرائن جی صاحب مسلدان (بھی شامل)"

نوجوانِ قوم۔ (از پنڈت منوہر لال زتشی ایم اے۔ پروفیسر ٹریننگ کالج الٰہ آباد)

کچکول۔ (از پنڈت بشمبھر ناتھ الٰہ آباد)

خط بسلسلۂ "التماس نسبت دقم امانت کشمیری کانفرنس لکھنؤ۔ (از پنڈت اندر نرائن

گرٹو سب جج فرخ آباد)

کر رہے ہیں :-

پہلے شمارہ کی تفصیل یہ ہے :

جلد ا - نمبرا - ۱۹۰۳ء :

"تبدل خیالات اور اس کے نتائج : (۱) رسالہ قومی ضرورت (۲) قومی اخبار (۳) جاپان میں ہندوستانی طلبا (۴) کاشمیری اور سول سروس (۵) جناب آنریبل پنڈت بشمبھر ناتھ صاحب (۶) مہاراجہ کشمیر کی خدمت میں کشمیری پنڈتوں کا ایڈریس (۷) نمائش گاہ دہلی" مضامین نثر کے عنوان سے "جگموہن ناتھ صاحب آگرہ" کا ایک مضمون ہے "خیالات ہندی" میں تین مضمون ہیں : (۱) نئے اور پرانے خیالات (۲) دِلّی دربار (۳) پرانے زمانے میں ہندو عورتوں کی حالت"۔ یہ تینوں مضمون آٹھ صفحوں میں آئے ہیں -

اندرونِ سرورق پر ایک پورے صفحہ کا اشتہار "کشمیری بنک لیمیٹڈ فیض آباد" کا ہے۔ ایک اشتہار آخری صفحہ پر ہے " خارِ غم" (ناول) (از گوری پرشاد "ہمدم" رئیس آگرہ) — "دامید وصال"۔

پہلے شمارہ میں یہ بھی اعلان ہے کہ : "رسالہ کا پہلا پرچہ مفت ناظرین کی خدمت میں نذر کیا جاتا ہے"۔

رسالہ "الہ آباد میں لاء جرنل پریس میں چھپا" اور "منشی اجودھیا پرشاد نے ۲۔الف سوتھ روڈ الہ آباد سے شائع کیا"۔

جلد ۱ : نمبر ۲ اپریل ۱۹۰۳ء

سرورق پر یہ رباعی ملتی ہے :-

اسرارِ خلوص دل کا گنجینہ ہو یہ
اے حسن صفا سینۂ بے کینہ ہو یہ
ہوں جوہرِ قوم صاف دیکھیں عیاں
تہذیب و ترقی کا اب آئینہ ہو یہ

سمبت ۱۹۵۹ بکرمی

اڈیٹوریل کے تحت :

بچوں کی تعلیم، اور (۲) ہمارے ذرائع معاش — صرف دو مضامین ہیں۔

(از چکبست)۔(۵) ہمارے معاصرین۔(۶) خط وکتابت۔(۷) بہارِ کشمیر (۸) گذشتہ (سیاسی حالات)۔(۹) اخبارِ قومی

بہارِ کشمیر کے تحت پنڈت لچھمن ناتھ کول کی نظم ـــــ ہے اور ـ کول کی ایک فارسی غزل
ہمارے معاصرین ہیں: اُردوئے معلیٰ، مخزن، عصرِ جدید، زمانہ، دکن ریویو، الناظر اور قند پارسی۔

جلد ۳۔ نمبر ۲:

(۱) سفرِ کشمیر (از پنڈت دیپ ناتھ بھٹ)۔(۲) پوشستانِ خیال (از ترلوکی ناتھ کول)۔(۳) سامانِ حرماں اور اس کا درماں۔(از شام پرشاد زتشی)۔(۴) قومی حالت اور تعلیم یافتہ نوجوانوں کے فرائض (از کنور کشن تکرو) (۵) تنقید۔(۶) بہارِ کشمیر اور دوسرے مستقل عنوان (پچھلے پرچہ کی مانند)

بہارِ کشمیر میں فارسی غزلیں دی ہیں۔ تنقید کے تحت "استری دھرم" (مصنفہ الٰہ آباد) اصلاحی کمرہ پر تبصرہ۔

جلد ۳۔ نمبر ۳:

(۱) مسٹر پارکر کی تقریر (ترجمہ اندر پرشاد کچلو)۔(۲) تربیتِ نسواں (از شام ناتھ مشران)۔(۳) کشمیری قوم کی حالت اور تعلیم یافتہ نوجوانوں کے فرائض۔(از مہاراجہ پٹھان)
(۴) حیات یا ممات (از ترلوکی ناتھ)۔(۵) سوشل اور مذہبی اصلاح قسط ۵ (از منوہر ناتھ زتشی)۔

جشن رانا ڈے اور انڈین سوشل کانفرنس،

جلد ۳۔ نمبر ۴:

(۱) مہاراجہ گیکواڑ کی تقریر۔(ترجمہ اقبال نرائن گرٹو)۔ انڈین نیشنل سوشل کانفرنس منعقدہ دسمبر ۱۹۰۴ء میں (۲) ہولی (از موہن کشن کول۔ (۴) تنقید گلزار نسیم مرتبہ پنڈت ترلوکی ناتھ کھنڈو؛ ـــ مخلصہ ایشور چندر ودیا ساگر (مستقلہ ادھرم) ؛ الحیات والممات (از شیو برت لال) ـــ الف بے کا کھلونا، لطائف

اگست ۱۹۰۳ء

اڈیٹوریل کے تحت صرف چند نوٹ ہیں۔

مضامین غیر کے تحت :۔

(۱) تذکرہ قومی (از شمبھو ناتھ مشران منصف کان پور) ـــ لکھنؤ میں اصلاح قوم کی کوشش ناخوشگوار۔ (۲) سفر نامۂ لندن (از پنڈت اقبال نرائن مسلدان) کانفرنس کی ضرورت ـــ کیا پنڈتانِ کشمیر کو کانفرنس کی ضرورت ہے؟ (از پنڈت پران ناتھ، گوالیار) کشمیر کی تباہی۔ (از پنڈت پردمن کشن کچلو بی۔اے ڈپٹی اسسٹنٹ کمشنر)۔ کارروائی مینجنگ کمیٹی سوشل کانفرنس لکھنؤ ـــ ضمیمہ دیئے : پنڈت موتی لال نہرو ایڈوکیٹ ہائیکورٹ الہ آباد کا خط : ـــ کشمیر کی تباہی پر ستر روپے کا چیک بھیجا ہے اور کہا ہے جلسہ کرو۔

جلد ۱۔ نمبر ۹ : ستمبر ۱۹۰۳ء

ایڈیٹوریل : "ہمارے صوبہ کا موجودہ نظام تعلیم (ب) سوشل کانفرنس کا پروگرام (ج) متفرقات ـــ مضامین : آنریبل پنڈت بشمبھر ناتھ صاحب (از خادم اڈیٹر) ـــ مشاہیر قوم کا سلسلہ، تصویریں ہیں ـــ لندن کا سفر قسط نمبر ۲ (از پنڈت اقبال نرائن مسلدان) ـــ سخندانانِ کشمیر قسط نمبر ۳ : پنڈت تربھون ناتھ ہجر (از چکبست) ـــ معمولی کاغذ پر فوٹو بھی۔ جلسۂ کانفرنس (از چکبست)۔ سوشل ترقی : ترجمہ تقریر گووند رینیڈے مرحوم۔ سوشل کانفرنس الہ آباد (از اقبال نرائن گرٹو)

خریداران سے التماس۔ (از منوہر لال زتشی، داراگنج الہ آباد)

ہندی میں : عام خبریں ہیں اور مندرجہ ذیل مضامین : (۱) زمین کی شکل (۲) ولایت کا سفر (۳) کشمیریوں کی سوشل کانفرنس۔

جلد ۳۔ نمبر ۱۔ جنوری ۱۹۰۵ء

بڑے دن کی تعطیل (۲) بمبئی۔ (از سیاح) (۳) بھیو سوشیل کنونشن بنارس (از پنڈت سورج نرائن بہادر)۔ (۴) اہلِ اسلام تعلیمی کانفرنس کا ۱۸واں اجلاس لکھنؤ

فصیح الملک کا نئے رسالے کی حیثیت سے تذکرہ ہے :۔

"مئی ۱۹۰۵ء سے ایک نیا رسالہ فصیح الملک لاہور سے حضرت داغ دہلوی مرحوم کی یادگار میں باہتمام سید احسن صاحب مارہروی شائع ہونا شروع ہوا ہے۔ اردو زبان اور اردو رسم خط کی اصلاح و ترقی اس رسالہ کا مقصد ہے، جیسا کہ پہلے اور دوسرے نمبر کے چند مضامین کی سرخیوں سے ظاہر ہے۔ مثلاً "جو بولو وہ لکھو"۔ "ہائے ہوز" "اردو الفاظ کی ترکیب"۔ علاوہ حصہ نظم کے اس رسالہ کے آخر میں فصیح اللغات کے چند صفحے بھی شروع ہوتے ہیں۔ فصیح الملک کی قیمت دو روپے سالانہ ہے اور حجم ۳۲ صفحے۔ لاہور ہی سے ایک اور رسالہ سائنس اور تعلیم نامی "سائنٹفک ٹیکنیکل ورکشاپ" کی طرف سے شائع ہونا شروع ہوا ہے۔ رسالہ کی غرض یہ ہے کہ "نئے معلومات اور مشاہدات سے اس کثیر التعداد جماعت کو جو انگریزی سے بے بہرہ ہے کسی قدر واقف اور آگاہ کیا جاوے۔ پہلے نمبر میں کلکتہ کے مشہور و معروف ماہر علوم طبیعی ڈاکٹر جگدیش چندر بوس کی سوانح عمری درج ہے اور اسی مضمون کے ساتھ ڈاکٹر صاحب ممدوح کی تصویر بھی ہدیۂ ناظرین کی گئی ہے۔ باقی مضامین سائنس۔ زلزلہ۔ اسباق الاشیاء وغیرہ کے متعلق ہیں۔ رسالہ کا حجم ۲۰ صفحے کا ہے اور اس کے ساتھ ساتھ ایک چار صفحہ کا انگریزی ضمیمہ بھی شائع ہوتا ہے جو ہمارے نزدیک غیر ضروری ہے۔ قیمت سالانہ صرف ایک روپیہ ہے۔"

جلد ۳۔ نمبر ۸ :

اڈیٹوریل : چند نوٹ۔ مضامین : گلزار نسیم (از چکبست) انتالیس صفحہ کا مقالہ۔ شرر پر چکبست کا یہ گویا پہلا مضمون ہے جو آگے چل کے معرکہ چکبست و شرر میں ڈھلا۔ خط وکتابت۔ ہمارے معاصرین اور دوسرے مستقل عنوانات۔

معاصرین پر تبصرہ کے ذیل میں گلزار نسیم پر احمد علی شوق قدوائی کا مضمون اودھ پنچ سے نقل کیا ہے جو معرکہ چکبست و شرر میں شامل اشاعت ہے۔

ہمارے معاصرین کے ذیل میں "اردوئے معلیٰ، عصر جدید اور دلگداز" کے مضامین کا تذکرہ ہے۔

"عصر جدید کے اس پرچہ میں چند مضمون قابل ذکر ہیں ایک شمس العلماء خان بہادر مولوی

بہارکشمیر اور دوسرے مستقل عنوانات۔

جلد ۳۔ نمبر ۵ :

(۱) تذکرۂ سکندر مقدونی (از کشن پرشاد کول (۲) مسئلۂ کرم پر چند خیالات (از سورج نرائن بہادر)۔

معاصرین میں تین سابق رسالوں کے علاوہ اس بار معاصر خاتون سے بھی اقتباسات

جلد ۳۔ نمبر ۶ :

باقاعدہ رنگین سرورق ۔ اڈیٹوریل : محض چند نوٹ۔

مضامین : اصلاح اور آزادی (از رائے برج نرائن گرٹو) نیکی بدی کا معیار بجائے اپنے ہر ایک کے ملک کی بہبودی قرار دیا جائے (۲) جاپانی تہمتن۔ (از پنڈت ترلوکی ناتھ کول (۳) خط و کتابت : "تاریک خیال بزرگان قوم" وغیرہ، مختلف اصحاب کے خطوط مختلف عنوانات پر (۴) بہار کشمیر : "مذہب شاعرانہ" (نظم)۔ (از برج نرائن چکبست) ہمارے معاصرین : "اردوئے معلیٰ ، زمانہ ، اور عصر جدید سے اقتباسات)۔ قومی اخبار۔ رسید نند وغیرہ

"نامی گرامی انڈین پریس الہ آباد میں طبع ہوا۔ اور منشی امجد ضیا پرشاد نے ۱۴ نمبر الگن روڈ الہ آباد سے شائع کیا"

جلد ۳۔ نمبر ۷ :

اڈیٹوریل : صرف چند نوٹ۔

مضامین : (۱) تعلیم نسواں کی ضرورت (از پنڈت پران ناتھ صاحب۔ (۲) برہما کی لڑکی۔ (از مونگ چو)۔ ملک برہما پر۔ (۳) شیو شمبھو کا چٹھا (۴) لکھنؤ کا کنیا پاٹھ شالہ۔ (از پنڈت سورج نرائن بہادر) (۵) کشمیر ریلیف فنڈ (۶) ہمارے معاصرین (۸) اخبار قومی (۹) رسید نند وغیرہ۔

معاصرین میں اردوئے معلیٰ ، دکن ریویو ، زمانہ ، عصر جدید ، فصیح الملک شامل ہیں۔

آباد ہے گی۔ شمس العلماء صاحب کی یہ منطق ہماری سمجھ میں نہیں آتی۔ مرزا سلطان احمد صاحب نے مذہب و قوم کی پیدائش اور نشو ونما کے اصولوں کو بہت عمدہ طریقے سے اپنے مضمون میں بیان کیا ہے۔ مولوی غلام محمد صاحب وکیل مدیر نقد الاعمار نے اپنے مضمون "نہ ختم ہونے والی کہانی" میں ایک بڑی فاش غلطی کی ہے۔ مسلمانوں میں گداگری کی روز افزوں ترقی کے اسباب میں سے ایک سبب آپ ہندوستان کے ہندو اقوام کے پڑوس کے اثر کو بتلاتے ہیں "کیونکہ تفریق ذات نے ان میں اس قسم کے اسباب پیدا کر دیئے تھے کہ بعض لوگ جو اپنے آپ کو شودر کہلائیں، وہ امراء سے مانگ کر گزارا کریں، چنانچہ مسلمانوں میں بھی زیادہ تر پیشہ ور گداگر ان ہی نومسلم اقوام میں ہیں، جو پہلے سے گداگری کیا کرتی تھیں۔" یہ تو ہم کو نہیں معلوم کہ مسلمانوں میں گداگر صرف نومسلم ہی ہوتے ہیں۔ گو اس امر کے متعلق ایک دلچسپ سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ اگر ہندوستان کے مسلمان گداگر نومسلم ہیں تو ایران اور وسط ایشیا کے درویش کس زمرہ میں ہیں۔ مگر اس سے قطع نظر کر کے مولوی صاحب کا یہ کہنا کہ ہندوؤں میں گداگری شودروں کا پیشہ ہے البتہ تعجب خیز ہے۔ کیا مولوی صاحب کو اتنا بھی نہیں معلوم کہ ہندوؤں میں بھیک مانگنا خاص برہمنوں کا حق ہے اور شودروں کا فرض دوسروں کی خدمت کر کے اپنا پیٹ بھرنا ہے۔ مولوی صاحب نے ہندوؤں کو مسلمانوں کی گداگری کا ذمہ دار عبث ٹھہرا دیا، مگر اس بات پر غور نہیں کیا کہ جن واقعات پر وہ اپنے اس فیصلہ کی بنیاد رکھتے ہیں وہ بالکل بے اصل ہیں۔

"دلگداز" میں گلزار نسیم کے متعلق ابھی تک بحث جاری ہے۔ یہ بحث زیادہ تر لفظی ہے۔ اس وجہ سے ہم اس کی نسبت کچھ عرض کرنا نہیں چاہتے۔ ہاں مثنوی مذکور کے متعلق مولوی عبدالحلیم صاحب شرر کے دو متضاد بیانات ناظرین کی دلچسپی کے لئے پیش کرتے ہیں۔ مارچ کے پرچہ میں مولانا صاحب نے لکھا تھا کہ "کوئی تعجب کی بات نہیں ہے اگر آتش نے اس دلبستگی کی بنیاد پر جو انہیں اپنے شاگرد سے تھی اس کی تحریک سے یا اس کی مشق اولین دیکھ کے اس مثنوی کو تفنن طبع کے طور پر کہا ہو۔ پھر اس میں متعدد لغزشیں دیکھ کے اسے بجائے اپنے اسی کی طرف منسوب کر دیا ہو جن دنوں یہ مثنوی کہی گئی ہے اُن دنوں شاعری کا یہ رنگ تھا کہ معائب محاسن پر غالب خیال کئے جاتے تھے اور شعراء کو کلام میں خوبیاں پیدا کرنے سے زیادہ فکر اس بات کی ہوتی تھی کہ کلام عیب سے پاک ہو۔ لہٰذا یہ خیال اس بات کا اچھا محرک ہو سکتا تھا کہ آتش

ذکاء اللہ کا مضمون " پریس اور رعایا " پر اور دوسرا خان صاحب مرزا سلطان احمد [illegible]
کا " مذہب اور مذہبی فرقہ بندیوں " پر۔

" شمس العلماء صاحب کی رائے میں تو ہمارے ملک کے انگریزی اخبارات جو ہندوستانیوں کے ہاتھ میں ہیں بالکل بیکار ہیں۔ کیونکہ ان کا بڑا مقصد ہے پولیٹکل ایجی ٹیشن پھیلانا اور یہ کوشش محض بیہودہ ہے کیونکہ آپ کے نزدیک " یہ تعلیم یافتہ آدمیوں کی غلطی ہے کہ وہ اپنی اس بلاغت و فصاحت کو عمل کا قائم مقام سمجھیں وہ خوب سمجھ لیں کہ جو باتیں ملک کے اصلی فائدے اور ترقی کی ہیں ان کا کرنا ان کے حد اختیار سے باہر ہے۔" مولوی ذکاء اللہ صاحب کا یہ فیصلہ ایسا ہے کہ اگر یہ صحیح ہو تو پولیٹکل ایجی ٹیشن کی کمر توڑ دینے کے لئے کافی ہے۔ مگر خوش قسمتی سے آگے چل کر آپ نے خود ہی اس بیان کی تردید کر دی ہے۔ مولوی صاحب فرماتے ہیں " یہ اخبار حکام ضلع کے کاموں کی بیجا خبر لیتے رہتے ہیں جس کے خوف کے سبب سے حکام اب کام پہلے کی نسبت زیادہ احتیاط سے کرنے لگے ہیں۔" اگر ایسا ہے تو نہ تو اخبار بیکار ثابت ہوئے اور نہ تعلیم یافتہ گروہ کی فصاحت و بلاغت رائیگاں گئی۔ کیونکہ ہندوستان ایسے ملک میں اخباروں کا ایک بڑا فرض یہ ہے کہ رعایا کو اس کے حقوق اور فرائض سے آگاہ کر کے اس قابل بنا دیں کہ وہ اپنے فرائض کو احسن طریقے سے انجام دے سکے اور اپنے حقوق کی نگرانی کر سکے اور حقوق کی نگرانی اور حفاظت کے لئے عوام کی رائے (پبلک اوپینین) میں ایسی قوت پیدا کی جاوے کہ حکام اس کا لحاظ کرنے کے لئے مجبور ہوں۔ اگرچہ ہندوستان کے اخباروں نے کسی حد تک یہ بات پیدا کر دی ہے تو جو باتیں اصلی فائدے اور ترقی کی ہیں وہ ان کی حد اختیار سے باہر نہیں ہیں۔

ہم کو یہ دیکھ کر تعجب ہوا کہ گو یہ مضمون عصر جدید میں چھپا ہے۔ مگر اس میں خیرات کے مروجہ بعض طریقوں اور شادی اور غمی کی فضول خرچیوں کی حمایت کی گئی ہے۔ مراسم شادی کی فضول خرچیوں کے نسبت آپ کی یہ رائے کہ " ان فضول خرچیوں پر بعض فرقوں کی معاش موقوف ہے۔ اگر وہ موقوف ہوں تو ان فرقوں پر دفعتاً بڑی مصیبت و آفت آ جائے۔" ہم نہیں جانتے کہ یہ دلیل کیا معنی و مطلب رکھتی ہے۔ کیا اس کے یہ معنی ہیں کہ چونکہ چوری اور قزاقی اور زنا پر بعض فرقوں کی معاش موقوف ہے اس لئے ان کا انسداد دیکھنا نہ چاہئے، ورنہ ان فرقوں پر بڑی مصیبت

صاحب شوق سے ہے۔ آپ ان چند لوگوں میں سے ہیں جن کی ذات پر لکھنؤ کو ناز ہے۔ ایک مدت تک اخبار "آزاد" کے اڈیٹر نامی کے ساتھ رہے ہیں اور پنچ میں جو آپ کے مضامین نکلے ہیں ان کا شمار ہر صورت سے اُردو کے اعلیٰ لٹریچر میں کیا جاتا ہے۔ علاوہ ازیں آپ ایک کہنہ مشق اور مشہور شاعر بھی ہیں۔ چنانچہ مثنوی ترانۂ شوق آپ سے یادگار ہے اور یہ مثنوی گلزارِ نسیم کے طرز میں آپ نے تحریر فرمائی ہے۔ لکھنؤ میں یہ مشہور ہے کہ ترانۂ شوق گلزارِ نسیم کے جواب میں لکھی گئی تھی اور اس لئے شاید مولوی عبدالحلیم صاحب کو حضرت شوق سے حمایت کی امید تھی۔ آپ نے جو مراسلہ پنچ میں اس بحث کے متعلق بھیجا ہے اور جس کو منشی سجّاد صاحب نے 'قولِ فیصل' مانا ہے ہم اس کو بجنسہٖ درج ذیل کرتے ہیں ــــــ"

ایک نئے رسالہ "المصباح" کا بھی نوٹس لیا گیا ہے :

"جولائی سے ایک نیا اُردو رسالہ "المصباح" نامی جے پور سے جاری ہوا ہے۔ اس رسالہ کی خاص غرض یہ ہے کہ "فلسفۂ جدید اور سائنس کی مدد سے دہریت کے خلاف مذہب پر عموماً اور متنازعہ اُمور پر خصوصاً روشنی ڈالی جاوے۔" مگر علاوہ "روحانی" مسائل کے ورزش، صنعت و حرفت، حفظِ صحت وغیرہ پر بھی مضامین شائع ہوا کریں گے اور "مشاہیرِ ہند کی باتصویر سوانحعمریاں" بھی ہدیۂ ناظرین کی جاویں گی۔ چنانچہ جولائی کے نمبر میں سر سید احمد خاں صاحب کی سوانحعمری شائع کی گئی ہے۔ قیمت سالانہ عام شائقین سے للعہ، طلبہ سے عہ"

جلد ۳ - نمبر ۹ :

سخنورانِ کشمیر: لچھمی رام سرور (از چکبست)۔ اُردو زبان (از دتاتریہ) بہارِ کشمیر:۔ (اس کے تحت بشن نرائن اور اثر لکھنوی کا کلام ہے) ۔ بقیہ پانچ مستقل عنوانات بدستور ہیں۔ "ہمارے معاصرین" کے تحت ایک نئے پرچہ کا نوٹس لیا گیا ہے :

"اس مرتبہ ہمارے پاس ایک نیا پرچہ آریہ سماچار نامی آیا ہے۔ یہ پرچہ دیانند انگلو ویدک کالج ٹرسٹ اینڈ مینجمنٹ سوسائٹی ممالکِ متحدہ کا ماہوار رسالہ ہے اور کانپور سے بابو آنند سروپ صاحب وکیل کے زیرِ اہتمام شائع ہوتا ہے۔ اس کے مضامین اکثر آریہ سماج

اس مثنوی کو کہیں اور اپنے کمسن شاگرد کو دیدیں" اگر ہمارا حافظہ غلطی نہیں کرتا، تو مولوی عبدالحلیم صاحب کی طرف سے یہ بھی کہا گیا ہے کہ اس مثنوی میں آتش کے سب شاگردوں کا کچھ نہ کچھ حصہ ہے اب جولائی کے دلگداز میں آپ کہتے ہیں کہ "اعتراضوں کے تسلیم کرنے کے ساتھ ان کے (اڈیٹر ریاض الاخبار کے) اس ارشاد کے نسبت کہ "جو اعتراضات شررؔ نے کئے ہیں گو موجودہ زمانے میں ان کا حرف حرف صحیح ہے مگر جس زمانے میں نسیم تھے اس وقت کی زبان اور طرز کلام اور تصرفات کو دیکھتے ہوئے ہم نسیم کی کوئی خطا نہیں دیکھتے" ہم کچھ کہنا چاہتے ہیں نسیم کو اتنا زمانہ نہیں گذرا کہ انکی طرف سے ایسی عذرداری جائز بھی ہو سکے۔ ایسے تصرفات ایسی لغزشیں اگر اس زمانہ میں جائز تھیں تو ضرور تھا کہ ان کے معاصرین اور دیگر شاگردان ناسخ و آتش کے کلام میں بھی پائی جاتیں"۔ اب ذرا غور طلب امر یہ ہے کہ مولوی عبدالحلیم صاحب کے یہ دونوں بیانات کہاں تک ایک دوسرے کی تنسیخ کرتے ہیں۔ اگر مثنوی آتش کی تصنیف ہے۔ یا اگر اس میں صبا، رند، خلیل کی شرکت ہے، تو اس کے معائب کے ذمہ دار یہ سب شعراء ہیں اور اگر نسیم کے معاصرین کا کلام ایسے تصرفات اور ایسی لغزشوں سے پاک ہے، تو گلزار نسیم میں ان کی شرکت تسلیم نہیں کی جا سکتی۔ معلوم ہوتا ہے کہ جولائی میں مضمون لکھتے ہوئے مارچ والے مضمون کا مولانا کو خیال نہیں رہا کیا ہو؟ غلبۂ ذکاوت سے کبھی کبھی ایسا ہو جاتا ہے۔ مگر ہمکو خوشی یہ ہے کہ اس بحث میں اودھ پنچ نے نہایت ہی بے تعصبی سے کام لیا ہے اور منشی سجاد حسین صاحب ایسے منصف مزاج انشاء پرداز سے امید بھی ایسی ہی تھی کہ منشی صاحب موصوف کی صحت میں فرق آ گیا ہے مگر خلقی ذہانت اور طبیعت داری میں فرق نہیں آیا ہے اور جس زور کے مضامین آپ کے قلم سے اس بحث میں نکلے ہیں ان سے ثابت ہوتا ہے کہ عالمانہ و محققانہ لیاقت کے ساتھ آپ کا آئینۂ دل مذہبی تعصب کے زنگ سے صاف ہے۔ یکم اگست ۱۹۰۵ء کے "اتحاد" میں جو بیہودہ گستاخی مولوی عبدالحلیم شررؔ نے منشی صاحب کی خدمت میں کی ہے اس کا جواب بس یہی ہے کہ :

اللہ ہے نگہباں اسلاف کی آبرو کا — منہ پر پڑا اسی کے جس نے فلک پہ تھوکا

علاوہ اڈیٹوریل مضامین کے اودھ پنچ میں ایک ایسے شخص کا مراسلہ شائع ہوا ہے جس کی طبیعت داری ذہانت اور قابلیت سے حضرت شررؔ اور ان کے ساتھیوں کو بھی انکار نہ ہو گا۔ ہماری مراد منشی

جلد ۴۔ نمبر ۱۔ جنوری ۱۹۰۶ء:

انڈین نیشنل کانگریس: اکیسویں اجلاس کانگریس پر (از چکبست)۔ محمڈن ایجوکیشنل کانفرنس: ۱۹۰۵ء کے اجلاس کی روداد (از منشی بدرالدین احمد بی۔ اے)۔ ٹمپرنس کانفرنس (از رتن ناتھ کول) انڈین سوشل کانفرنس (از منوہر لال زتشی) نمائش اور انڈسٹریل کانفرنس (از اقبال نرائن گرٹو)۔ ہمارے معاصرین اور دیگر مستقل عنوانات۔

جلد ۴۔ نمبر ۲:

دقیانوسی خیالات (از کول ہلالی)۔ ہندوستان جدید (از کشن پرشاد کول)۔ ہندوستانیوں کی اخلاقی تعلیم (از ترلوکی)۔ این ہم غنیمت است (از ت۔ ن۔ ک) تعلیم نسواں (از سورج نرائن بہادر)۔ بہار کشمیر اور دوسرے مستقل عنوانات۔

جلد ۴۔ نمبر ۳:

مسٹر اومیش چندر دت کی تقریر (از پنڈت اقبال نرائن گرٹو)۔ ہندوستانیوں کی اخلاقی تعلیم (از ترلوکی ناتھ کول)۔ ہمارے معاصرین اور دوسرے مستقل عنوانات۔

تنقید: "بھارت درپن" (از چکبست)۔ "دیسی ولایتی کھانڈ کا مقابلہ" (از ہیرا لال گپتا)۔

جلد ۴۔ نمبر ۴:

سناتن دھرم اور سوشل اصلاح: تقریریں سوشل کانفرنس (از جسٹس چندراورکر)۔ قوم کی موجودہ حالت (از اقبال کشن کول شرر)۔ تاریک خیالات (از کامتا پرشاد عرف سکھیا)۔ کشمیر و دگرہا (از منشی عبدالسلام رفیقی۔ اڈیٹر الرفیق، رنگون۔ فارسی نظم) یہ صرف ایک غیر پنڈت احتشام پورے فائل میں ملتا ہے۔ نظم ہے جو "منقول" ہے۔ دقیانوسی خیالات۔ (از دقیانوس)۔

جلد ۴۔ نمبر ۵:

اڈیٹوریل: مالویہ جی کی مجوزہ ہندو یونیورسٹی پر ـــــ لکھا ہے کہ تعلیم کو مذہب کے ساتھ آمیز کرنا ٹھیک نہیں۔ مضامین نثر (از شرر و شرر)۔ (پروفیسر مولوی سید حمید الدین

سے متعلق ہیں۔ ان میں سے ایک مضمون کا خاص طور سے ذکر کرنا چاہتے ہیں۔ اس کی سُرخی ہے "آریہ سماج بر دلعزیز کیونکر بن سکتا ہے" اور اس میں پنڈت بدری دت صاحب شرما نے جو خود آریہ سماجی ہیں اپنی سماج کی چند نقائص اور کمزوریوں کو نہایت صاف الفاظ میں بیان کیا ہے۔

'خط و کتابت' کے ذیل میں حوالہ ہے کہ "رسالہ کشمیر پرکاش مرحوم ... سب سے اوّل نمبر بابت جون و جولائی ۱۸۹۲ء" تھا۔ سفیر کشمیر کے نمبر مارچ و اپریل ۱۸۹۳ء کا حوالہ ہے۔

جلد ۳۔ نمبر ۱۰:

ہندوستان جدید (از کشن پرشاد کول) ۔مجذوب کی بڑ (از شام پرشاد زتشی) قیصر باغ کا قدیم نظارہ (منقول از زمانہ) خط و کتابت ، بہار کشمیر۔ اخبار قومی وغیرہ۔

'اخبار قومی' کے تحت ایک ذیلی عنوان ہے: نتیجۂ امتحانات الہ آباد یونیورسٹی۔ اس میں بغیر دوسرے کامیاب طلبا کے ناموں کے اندراجات بھی ہیں:

"بی۔ اے۔ پنڈت ہردے ناتھ کنزرو۔ آگرہ۔ درجہ دوئم" بی۔ ایس۔ سی۔ پنڈت ہردے ناتھ کنزرو۔ آگرہ۔ درجہ سوئم"

جلد ۳۔ نمبر ۱۱:

ہندوستان قدیم۔ (از کشن پرشاد کول)۔ تربیت اولاد: (از گوپی ناتھ کنزرو) چارلس ڈارون (منقول از رسالہ سائنس و تعلیم) خط و کتابت ۔ بہار کشمیر وغیرہ۔

جلد ۳۔ نمبر ۱۲:

اڈیٹوریل : ۔ لاجپت رائے اور گوکھلے۔ انگلستان سے واپس (ب) تقسیم بنگال کی ہندو مخالفت کر رہے ہیں۔ گوپال کرشن گوکھلے باتصویر (از اڈیٹر)

انڈین نیشنل کانگریس ۔(... لکھنے والے کے نام نہیں: غالباً اڈیٹر ہی قلم سے) الڈ کرزن کا عہد حکومت ۔۔(از برج نرائن گرٹو)۔ وطن آخر وطن ہے: ایک کہانی لاافریقن (ترجمہ از فرانسیسی ۔ از عبدالقادر) ہمارا سماج (منقول از دعوت ... ... زمانہ) اور دوسرے عنوانات۔

یہ کہ جو مضمون نگار پولیٹکل مقاصد واغراض کے حصول کے لئے کوشش کرنے کو سودے اور جنون سے تعبیر کرتا ہے' وہ دنیا کی تاریخ سے کس قدر ناواقف ہے اور اس نے برٹش گورنمنٹ کے اصول حکومت کے سمجھنے میں کس قدر غلطی کی ہے۔ کسی خاص مضمون یا بحث کا کسی رسالہ کے مقاصد واغراض کے خلاف ہونا اور بات ہے اور بلا سمجھے بوجھے کسی کو گالیاں دینا دوسری بات ہے۔ اسی نمبر میں دو اور مضمون شائع ہوئے ہیں' جو ایک دوسرے کے متضاد ہونے کی وجہ سے ضرور دلچسپ ہیں۔ محمد نبی خاں صاحب نے اپنے مضمون میں مسلمانوں کی تنزل کی وجہ ان کی لامذہبی کو قرار دیا ہے۔ آپ فرماتے ہیں کہ "اس واقعہ کے تمام پہلوؤں پر نظر کرنے کے ساتھ مجھے ان لوگوں کا بھی خیال پیدا ہوتا ہے جو خلعتِ زیبا سے پابندئ مذہب کو اتار کر سر سے پیر تک برہنہ ہوگئے اور ہمارے علمائے اسلام اور بزرگانِ عظام کے پند و نصائح کو نعوذ باللہ من ذٰلک' مجنون کی بڑ خیال کرتے ہیں" آگے چل کر آپ اپنے مضمون کا ماحصل یوں بیان کرتے ہیں "میری اس تحریر سے عنوان والے سوال (ہماری ترقی کیونکر ہوسکتی ہے) کا جواب حاصل ہو گیا کہ سوائے دین کی پابندی کے ہماری ترقی نہیں ہوسکتی" ان خیالات کا پورا پورا جواب اسی نمبر میں ہم کو تیجی مضمون حمت سے معلوم ہوتا ہے۔ کیونکہ اس میں ایک خاص مسئلہ کو ذہن میں رکھ کر قاعدے کے ساتھ اس پر بحث کی گئی ہے۔ ریڈیکل کی رائے ہے کہ "مذہب کی غایت اور اصل مقصد نبی نوع انسان کی روحانی اصلاح کرنا ہے۔ دنیوی معاملات وسلسلہ سبب ومسبب سے مذہب کا کوئی تعلق نہیں ہے۔ اور نہ کوئی مذہب ہمیشہ کے واسطے دنیوی معاشرت کا کوئی مستقل کوڈ مرتب کرنے کا ذمہ دار ہوسکتا ہے۔ یہ اور بات ہے کہ روحانی اصلاح کے واسطے جہاں تک دنیوی معاشرت میں دست اندازی کی ضرورت ہو' اس کے متعلق بھی مذہبی کتب میں کچھ احکام اور ہدایات مل جاویں۔ لیکن وہ احکام عام طور پر زمانہ کے واسطے موزوں اور قابل عمل ہوتے ہیں' جس زمانے میں وہ انسانوں پر نازل کئے گئے تھے۔ ہر زمانہ میں اُن کی پابندی قرین مصلحت اور موصل الی المقصود نہیں ہوسکتی" اس کے بعد اہل فنشیا یونان اور روم ۃ الکبریٰ کی ترقی

بسلسلۂ مضمون مصنفۂ چکبست دبحث ابن چکبست و شرر حکیم برہم وغیرہ — دقیانوسی خیالات (از سورج نرائن بہادر) اس عنوان سے کول جالی شمارہ ۲ میں لکھ چکے ہیں۔

آزادی (از اقبال نرائن بہادر دکشن پرشاد کول) — کشن پرشاد کول کے مضمون پر مراسلۂ اقبال نرائن اور پھر کول کا جواب شائع کیا ہے۔

بہارِ کشمیر، ہمارے معاصرین اور دوسرے عنوانات

'ہمارے معاصرین' کے تحت مخزن، دلگداز' وغیرہ کے علاوہ نئے پرچے تہذیب کا (جس کا مجمل تذکرہ پہلے بھی ہو چکا ہے) بھی تفصیلی حوالہ ہے:

"کئی ماہ سے ایک رسالہ تہذیب نامی رام پور سے شائع ہونا شروع ہوا ہے۔ اس رسالہ کے مئی نمبر میں کئی مضمون قابلِ ذکر ہیں۔ ایک مضمون "لبرل" کا لکھا ہوا ہے۔ جس کی سرخی ہے "تعلیم یافتوں کا رجحان" اور جس میں انگریزی پڑھے ہوئے نوجوانوں کی چند کمزوریاں بیان کی گئی ہیں۔ مثلاً مذہب کی طرف سے بے پرواہی، اسراف، قومی تعصب، وتنگ خیالی، نہ ان کمزوریوں کے وجود سے کسی کو انکار ہوسکتا ہے کہ ان کی اصلاح کو غیر ضروری یا ناپسندیدہ کہہ سکتا ہے لیکن مضمون نگار نے اس جائز شکایات پر اکتفا نہ کرکے پولیٹکل دائرہ میں کام کرنے والوں کو خواہ مخواہ گالیاں دی ہیں۔ مثلاً آپ فرماتے ہیں:۔ "نئے تعلیم یافتہ مذہب اور ملت سے زیادہ عزیز اپنے پولیٹکل مقاصد واغراض کو سمجھتے ہیں۔ جس کا بڑی طرح ان کے دماغوں میں سودا سمایا ہوا ہے۔ کوا چلا ہنس کی چال اپنی رفتار بھی بھولا اور وہ بھی نہ آئی لگا کُدکنے۔ وہی حال اس گروہ کا ہے کہ یورپ کے دولتمند صاحبِ علم وفضل اولوالعزم قوموں کی دیکھا دیکھی ان کو بھی زکام ہوا ہے اور ملک کے اختلافِ قومی وملکی سے غافل ہوکر ہر تعلیم یافتہ ہندو ہو یا مسلمان باغیانہ خیالات سے مدہوش ہو رہا ہے۔ ادب تہذیب متانت سے گذر کر اسی دُھن میں گرفتار ہے کہ ہمارا بھی حکومت کے پانچویں سواروں میں شمار ہو جائے۔" ان فقروں کو پڑھ کر دو قسم کے خیالات پیدا ہوتے ہیں۔ اوّل یہ کہ جو شخص تعلیم یافتہ ہندوؤں اور مسلمانوں کو باغیانہ خیالات سے مدہوش بتلاتا ہے، وہ ہندوستان کے پولیٹکل تحریک کے حالات سے کس قدر غافل ہے۔ دوسرے

نا اور اس کا علاوہ آخرہ اس مقصد کو دی جاتی تھی وہ امور مذہبی کی جانب توجہ کبھی ہرگز
سبب نہ ہوئی اور یہی حال لکھنؤ کی نیشنل کلب کا ہے۔ مراسلہ کشمیر نے سنہ ۱۸۷۲ء کے آخر میں
لیا اور اسی وقت سے تخفیف مصارف شادی کا مسئلہ معرض بحث میں ڈالا گیا۔ ہمارے
بل بحکم بزرگ جناب پنڈت بشمبر ناتھ عرف صاحب نے جن کی بزرگی اور فضیلت محتاج توصیف
نہیں ایک مفصل رسالہ میں اس مسئلہ پر بحث کی اور اسے چھپوا کر مراسلہ کے توسل سے
منظوری لانے کے لئے ساری برادری میں شائع کرایا[1]۔ عرصہ تک مراسلہ کے کالم اس مسودہ
تنقیح و تنقید سے مالا مال نکلتے رہے۔ اس کے چند ماہ بعد ہی ایک اور کتاب میں اس مضمون
اور مضامین کے ساتھ مفصل بحث کی گئی[2] ...

کشمیری پنڈت نیشنل ایسوسی ایشن لاہور ... ...
... ... (جسے بنظر اختصار قومی انجمن لاہور کے نام سے تعبیر کیا جائے گا) سنہ ۱۸۹۱ء کی
۱۲ جنوری کو (کہا جاتا ہے کہ سنکرانت کے مبارک دن) بمقام لاہور قائم ہوئی اور اس کا اعلان
دعوتِ شرکت ایک دو ورقہ گشتی چٹھی کی شکل میں سفر کشمیر بابت ماہ مارچ سنہ ۱۸۹۱ء کے ساتھ
شائع ہوا۔ اس کے صفحہ ۲ پر یہ اصول انجمن لکھے ہوئے تھے۔

- اوّل۔ اتفاق قومی کو پیدا کرنا۔
- دوّم۔ علمی اخلاقی اور صنعتی ذرائع کو تقویت پہنچانا۔
- سوّم۔ سوشل اصلاحات جو مذہب کے خلاف نہ ہوں اور بہبودی قوم کو وسعت دینا۔
- چہارم۔ قوم کی مفلس بیوگان اور بے مددیتیموں کی پرورش کے لئے ایک خیراتی سرمایہ کا بہم پہنچانا۔ ...

اوّل مسئلہ جو انجمن نے ہاتھ میں لیا وہ "تخفیف مصارف شادی کتخدائی دختر" تھا
اور اوّل مضمون جو اس نے شائع کیا وہ "رسم و رواج مہر" تھا[3]۔ یہ مسودہ پنڈت مہر پرشاد صاحب

---

[1] التماس بجز اساس۔ اہلی قوم کی خدمت سراپا افادت میں بزعم فکر اصلاح اسراف تزدیج اطفال کے ۱۸۷۲ء [2] تحفۃ الطالب موسوم بہ گلگیر کشمیر۔ مرتبہ کرشن لال جو ہر مطبوعہ ۱۸۷۳ء۔ [3] یہ مسودہ مضمون اردو کا کشمیری پنڈت ایسوسی ایشن مرتبہ سنہ ۱۸۹۱ء میں درج ہیں۔

کے حالات بیان کر کے لکھتے ہیں :- لیکن ان مشہور قوموں میں کوئی قوم کسی مذہب حق کی پیرو اور کتاب آسمانی کی متبع نہ تھی - حالانکہ خود مسلمانوں نے ابتدا سے ان کی تہذیب اور علمی تحقیقاتوں کو اپنے مذہبی لٹریچر میں نہایت راسخ الاعتقادی کے ساتھ جگہ دے رکھی ہے اور اُن کا منکر بھی ایک رُکن اسلام کے منکر کی طرح کفر والحاد کا مستوجب قرار پاتا ہے ..... مکہ معظمہ کے مسلمانوں کی راسخ الاعتقادی اور پابندِ شرع ہونے میں کس کو شبہہ ہو سکتا ہے - اگر خدانخواستہ وہ بھی پکے مسلمان نہ رہیں، تو پھر کون مسلمان رہ سکتا ہے

چو کفر از کعبہ برخیزد کجا ماند مسلمانی

لیکن اہل مکہ کی علمی اخلاقی تمدنی غرضکہ ہر قسم کی حالت نہایت خراب ہے اور تہذیب دنیا میں کسی طرح انکار نہیں ہو سکتا۔ اسی نمبر میں میر ناصر علی صاحب دہلوی کا ایک مضمون "تہذیب اسلام" کے عنوان سے چھپا ہے - بیان تو یہ کیا گیا ہے کہ یہ مضمون مولوی صلاح الدین خدابخش صاحب کی تصنیف Islamic civilization کا ریویو ہے لیکن مضمون کو پڑھ کر یہ خیال آتا ہے کہ اس مضمون کو ایسی قابل وقعت اور قابل غور کتاب کا ریویو کہنا فنِ تنقید کا منہ چڑھانا ہے۔

جلد ۴ - نمبر ۶ :

(۱) پنجاب میں اصلاح قومی۔ (از دتاتریہ) -(۲) جاپان نے کس طرح ترقی کی (از الف-پ) (۳) ہندوستانیوں کی اخلاقی تعلیم (مترجمہ ترلوکی ناتھ کول) -(۴) ہمارے معاصرین - بہارِ کشمیر وغیرہ۔

دتاتریہ کے مضمون "پنجاب میں اصلاح قومی" میں ضمناً چند رسالوں کا تفصیلی تذکرہ آگیا ہے:-

"مراسلہ کشمیر جاریہ جناب پنڈت شیونرائن صاحب بہار مرحوم کے صفِ لوح کی پشت پر اکثر اشاعتوں میں وہ مضامین ہدایتاً لکھ دیئے جاتے تھے جن پر نامہ نگاروں کی طبع آزمائی ہمیشہ مراسلہ کو منظور رہتی - اس فہرست میں اگرچہ ہم "امور مذہبی کی جانب توجہ ہو" بھی لکھا ہوا دیکھتے ہیں لیکن بہ لحاظ مندرجات ضمنی کے جو اہمیت کہ "بملاحظہ قانون کشمیر مصارف شادی کا بہ تخفیف تعین

رائے پنڈت اندر نرائن صاحب گرٹو مرحوم نے لکھا ہے:

"صاحب دہلوی نے الہ آباد سے حال میں جو مراسلہ بنام بنیاد التماس بجز اساس کے تصنیف کیا، ناظرین پر ظاہر ہے کہ وہ ایک کیسا عمدہ مختصر و مفید امتحان نامہ چھاپا گیا ہے۔ اور عجب کیا کہ اگر ارباب ہمت و دولت فہیم و ذی شعور لوگ بدل حامی ہوں ..... مگر تقسیم بالا صرف جو انھوں نے کی ہے، اب بھی رقم کثیر معلوم ہوتی ہے۔ مثلاً .....

پنڈت مدری ناتھ صاحب راز داں معروف بہ ٹوما تحصیلدار ضلع لاہور نے رائے دی:

"آپ پر روشن ہے کہ فضول خرچی بیاہ شادی کی بنیاد بھی زیادہ تر لکھنؤ سے اور اس سے کم دہلی سے اور اس سے کم لاہور سے اٹھی ہے پس بانی مبانی اعلیٰ درجہ کا شہر لکھنؤ ہے .... الاجہاں آپ مراسلہ میں لکھتے ہیں کہ دہلی میں ۱۲ رکا روپیہ اور لکھنؤ میں ہمار کا روپیہ اور لاہور میں ۸ ر کا روپیہ لوازمہ شادی میں صرف ہوتا ہے۔ اس صورت میں لاہور والوں کو ابھی تک ۴ - ۶ ر کا بہ نسبت لکھنؤ کے اور دہلی کے فائدہ ہے۔ پس اگر صاحبان لکھنؤ و دہلی شامل لاہور کے ہو جائیں تو سرِ دست کسی قدر مفاد نہیں حاصل ہو جائے گا۔"

"پنڈت شیام نرائن صاحب کول اکسٹرا اسسٹنٹ کمشنر کی رائے ہے:

"..... بیشک یہ اسراف (شادی) ایسا زبوں ہے جس کا بہت جلد دفع کرنا مناسب ہے۔ لہٰذا اس ہیچمداں نے مقصد مطلوب کے حاصل ہونے کی غرض سے ایک محضر دستور العمل مراسم شادی کا تیار کیا ہے ....." (آگے چل کر اس محضر کا مسودہ درج ہے جس پر بہ تعداد صالح دستخط ثبت ہونے تھے۔ مگر اس کا حشر نامعلوم ہے)۔

صاحب خیر طلب از گونڈہ کی رائے بہت تفصیل و تدلیل کے ساتھ ہے۔ خلاصہ سے اس کا لطف جاتا رہے گا۔ لہٰذا بجنسہٖ ملاحظہ ہو:

"پنڈت بشمبر ناتھ صاحب کول شرمز، تحریر می کنند کہ:

"از زمان سلف تا ایں ہنگام بہ آرام کہ نظر بہ تقاریب ماضی و حال نمودہ می آید از آں بخوبی صاف ظاہر کہ بہر دوران سپری کہ مراسم کو خلاف ذکور دوام تا حد امکانات ...

سی طبع سلیم کا نتیجہ تھا اور غالباً اس وقت تک کی اس قسم کی تجاویز کے تجربہ پر مبنی تھا۔ میں پہلے لکھ آیا ہوں کہ یہ تذکرہ اس لئے چھیڑا جاتا ہے کہ آئندہ کارکنوں کو گذشتہ تجربہ سے فائدہ پہنچے۔ اس لئے واقعات پر استدلال افادت سے خالی نہ ہوگا۔ افسوس سے کہنا پڑتا ہے کہ اس مسودہ سے کوئی عملی فائدہ مترتب نہ ہوا۔ ایسا کیوں ہوا اور سب سے پہلے ایسی کوششوں کا کیا نتیجہ ہوا تھا۔ ان سوالوں کے جواب دلچسپی سے خالی نہیں۔

یہی تخفیف مصارف کا مسئلہ جب ۴۰ سال قبل معرض بحث میں آیا تھا تو اس وقت اس پر زیادہ تفصیل کے ساتھ رائے زنی کی گئی تھی۔ جس کے چند نمونے مراسلہ کشمیری کرم خوردہ فائل سے نذر ناظرین کئے جاتے ہیں۔ "صاحب دہلوی" کے "التماس مجز اساس" کے شائع ہوتے ہی اکابرین قوم نے مراسلہ میں اس پر اظہار رائے شروع کر دیا۔ جس کا قدرے انتخاب یہاں بیان کیا جاتا ہے۔

"آگرہ سے ایک صاحب لکھتے ہیں:

"صاحب دہلوی کا ایک رسالہ طبع زاد جو متعلق بہ انسداد اسراف شادی وغیرہ ہے بندہ نے دیکھا۔ ہر چند یہ لاجواب ہے بلکہ عین ثواب ہے (خدا کرے کہ کامیاب ہو) مگر افسوس کہ بالفعل اوس سے کامیابی نظر نہیں آتی۔ کیونکہ ابھی وہ زمانہ نہیں آیا ہے کہ کوئی شخص اپنے تئیں احمق و ترک رسومات میں ہادی قرار دے اور انگشت نمائی جہاں سے خوف نہ کرے۔"

"پنڈت کالکا پرشاد صاحب کچلو مرحوم فرماتے ہیں:

"حقیقت میں اسراف (اصراف) شادی کے جو کچھ فی الحال ہیں، وہ اس درجہ تک پہنچ گئے ہیں کہ آئندہ آٹھ سال کے بعد ان کا بچنا محال معلوم ہوتا ہے اور اس پر بھی قناعت نہیں ہے۔ ہر سال کچھ نہ کچھ کوئی نہ کوئی نیا صیغہ صرف زائد کا نکلتا رہتا ہے ...... لیکن آخر میں (صاحب دہلوی نے) جو تجاویز دربابِ تعین مقدار شادی و دیگر مراتب کے ہیں، وہ ایسے نہیں ہیں کہ دفعتاً اس طرح سے مقبول طبیعت جملہ صاحبان برادران قوم ہو جائیں ...... مدار اس کا (یعنی دین شادی کا) منحصر اوپر بیان مستورات کے ہے لوگوں کا یہ حال ہے کہ زیادتی اور نئی بات میں وہ اپنے دین دنیا کی بھلائی سمجھتی ہیں۔"

"اس رسالہ میں ہندوستان کی پیاری بول چال میں ان باتوں پر بحث کی جائے گی جن
کی تشریح کرنے اور انہیں عمدہ طور پر سمجھانے کی قوم کی مستورات کو از حد مفید ہو۔
... یہ رسالہ صرف اُن رسوم کو جو قوم پر تیرہ و تار ابر سیاہ کی طرح چھائی ہوئی
ہیں صاف کر دے گا۔ بلکہ اس پردۂ تاریک کو جو اس زمانے میں مستورات کے
فہم و فکر پر پڑا ہوا ہے اور جس کی وجہ سے نہایت ضروری امور کے انجام دہی میں
ہرج کامل واقع ہو رہا ہے، دُور کر دے گا۔"

اس کے علاوہ جو کچھ اس رسالہ میں درج ہونا تھا وہ انجمن کی کارروائی تھی" اور بشرط گنجائش اُردو میں مفید مضامین متعلق قوم اور ترقی انجمن"۔ اب یہ قول بالکل صاف ہو گیا کہ کہ انجمن لاہور کے بانیوں نے اصلاح مراسم کے موانعات کی اصلیت کو پہلے سے محسوس اور دریافت کیا اور اس کی بیخ کنی کا سامان اصولی طور پر مہیا کر لیا تھا یعنی زنانہ جہالت کے دور کرنے کے لئے انہوں نے کشمیری پرکاش کی بنیاد ڈالی۔ کئی برس تک پرکاش جس آب و تاب سے نکلتا رہا اور جس پایہ کے مضامین اس میں شائع ہوتے رہے اس کے یاد دلانے کی ضرورت نہیں ہے۔ کیونکہ وہ بہت پرانا معاملہ نہیں ہے۔ یہ بھی یاد رکھنا چاہیئے کہ جس وقت پرکاش عرصۂ شہود میں جلوہ فرما ہوا تھا اس وقت ایک اور قومی رسالہ یعنی سفیر کشمیر کئی سال کی قامت کی طاقت کے ساتھ نکل رہا تھا اور اس نے مراسلہ کشمیر کے ان بہت سے مضامین نگاروں کو اپنے گرد سمیٹا ہوا تھا جن میں استقلال اور امید کی چمک ابھی تک قلیلے قلیل باقی رہ گئی تھی۔ لیکن کچھ عرصہ بعد سفیر کا چراغ ٹمٹمانے لگا اور قومی ہوا خواہی کے پروانے پرکاش کی نئی شمع کو چراغ ہدایت مان کر اس کے گرد جمع ہونے لگے۔ ہر دلعزیزی پرکاش ہی کا حصہ تھا کہ نہ صرف اس کو ہر جگہ کے آدمیوں نے اپنے اظہارِ خیالات کا مستند آلہ قرار دیا بلکہ قوم کی خواتین نے اسے اپنی تحریروں کا زیور پہنایا۔ یہ وہ تاج ہے جو آج تک کسی اور رسالے کے سر کو نصیب نہ ہوا ہے' نہ ہوا تھا اور پھر لطف یہ ہے کہ یہ مضامین انہیں امور پر تھے جو عورتوں کی فلاح سے متعلق اور پرکاش کی غرض و غایت کا عین مرکز تھے۔ بیاہ کے لین دین بیوگی کی آفتیں وغیرہ وغیرہ سال بسال بڑھ کر اس لئے حیثیت ان مضامین یا مباحثہ نے

ذیل تعین یافتہ معمول شدہ بظہور پیوستند۔ تاآن تاآن تاآن تیلق تیاق - و
تعداد معارف ہر قسم باہم یکدگر مغائر آمدہ۔ پس باصلاح تقرر مراتب کہ غذائی الیناثہ
الاقات شریف را بگماشتن موجب ہرج دیگر اصلاح عادات خلاف اخلاق است۔"

"خیالات ارباب دہلی بموجب ملتمسہ دہلی" ایں سخن دارند۔

قرار دادہ جات دربارہ اسراف شادی اطفال وجبہ با محال ودشوار است۔ باشد
کہ بایں رسم شایستہ طرف دتوع گیرد، ورنہ چنانکہ میگزرد میگزرد۔ واللہ اعلم
بالصواب۔ ظاہر است کہ فی زمانا تمام مرداں کار مغلوب التانیث و زناں ہشیار سر
غالب التذاکیر اند۔ پس ؎

چگونہ حل شود ایں کار مشکل

"التماس ماسی رتن ناتھ لکھنوی"۔ (یہہ تحریر ہندوستان کے لئے سرمایہ ناز عالیجناب پنڈت
رتن ناتھ صاحب "در" موجد فن ناول نگاری اُردو کی ہے۔ جو اوّل سے آخر تک موتیوں سے تولنے
کے قابل ہے۔ آپ لکھتے ہیں :

"مثل علوم متعارف ظاہر من الشمس ہے کہ سب اہل الرائے اصراف واسراف تزویج اطفال
کی طرف سے تہ دل سے متوجہ ہیں اور فضول اخراجات کی بیخ کنی میں سعی وافر اور کوشش
متکاثر کر رہے ہیں .... خالی بکھروں سے کیا ہوگا۔ کچھ نہ ہوگا۔ اصل تو یہ ہے کہ وہ
لوگ جن کو خدا نے پانچ اور سات نان کا مقدرت دیا ہے اگر اس بارے میں پیشقدمی
کریں، تو یہ رسم فوراً جاتی رہے۔ اور غریب آدمی تو اس معاملہ میں بڑے آدمیوں کی
تتبع بخوشی تمام کریں گے "....

رسالہ کشمیر پرکاش : تخفیف مصارف شادی کے متعلق جو کوششیں زمانہ سابق
میں بروئے کار آچکی تھیں۔ اُن کی کامیابی میں جو امر سب امور سے بڑھ کر مانع اور مزاحم
تھا وہ عورتوں کی عدم ہمخیالی تھی۔ اس لئے ارباب پنجاب نے اوّل اسی کی طرف توجہ کی
یعنی اپنی اوّل رپورٹ یا اعلان کے ساتھ ہی "ایک ہندی ماہواری رسالہ کشمیر پرکاش"
شائع کر دیا۔ اس رسالہ کے اغراض حسب ذیل تھیں :

کے لئے کھول دیا جائے گا۔ لیکن اس خاص نقص سے قطع نظر کر کے ہندو کالج کی ترقی ہر طرح سے قابل تعریف ہے اور اس کے معاونین کی کوشش و ہمت کی جس قدر ستائش و صفت کی جائے کم ہے۔ سنہ ۱۹۰۳ء میں اسکول کے طلبا کی تعداد ۳۹۱۔ اور کالج کے طلبا کی تعداد ۱۸۳ تھی۔

جلد ۴ - نمبر ۷

(۱) سوشل ریفارم۔ (از کشن پرشاد کول)۔ (۲) عمل۔ (از ڈی - این - ڈی)
(۳) جسٹس راناڈے کی پونا کی مشہور و معروف تقریر۔ (از پنڈت اقبال نرائن گرٹو)
(۴) ہندوستان جدید ۲ (از کشن پرشاد کول) - (۵) کشمیری بچوں کی تعلیم۔ ہمارے معاصرین - اور دوسرے مستقل عنوانات ۔ " نول کشور پریس الہ آباد میں چھپا "

'ہندوستان جدید' میں ایک پیراگراف یہ ہے:

"پہلا اخبار ہندوستانی زبان میں سنہ ۱۸۲۳ء میں بنگال سے شائع ہوا اور ہندوستان کی اخباری حالت اب تک نہایت طفولیت کے عالم میں ہے۔ اس کی خاص وجہ ملک کی مفلسی، اشتہارات کی کمی، اخبارات کی زیادتی اور خاص کر نالائق ایڈیٹروں کی بھرتی ہے۔ ہندوستانی اخبارات جو انگریزی میں شائع ہوتے ہیں ان میں بعض کی اشاعت مشکل سے ...ہم تک پہنچتی ہے۔ ایک دو ہفتہ وار اخباروں کی اشاعت ...۲ تک بھی پہنچی ہوئی ہے لیکن یہ محض غیر معمولی بات ہے۔ مرہٹی میں کیسری اخبار جس کے باعث کہ دو سال ہوئے اس قدر غوغا مچا تھا اشاعت میں ...۷ سے زائد نہ تھا۔ ان اخبارات میں سے بعض میری نظر سے گزرے ہیں۔ لیکن میں نے ان کو اپنی امیدوں سے نہایت کم رتبہ پایا۔ ہندوستانی اخبار نویس اقتصادی مسئلات و تاریخی حالات سے بالکل ناواقفیت ظاہر کرتا ہے۔ اور اس کے خیالات و طرز تحریر دونوں ذلیل ہیں۔ نہ اسباب و وجوہات میں منطق دلائل کا ڈھنگ ہے نہ عبارت میں ربط و دلکشی۔ نہ بیان میں سلاست۔ صرف بکھرے ہوئے استعارات و مبالغات کے پیوند لگے نظر آتے ہیں۔ یا زیادہ تر اخبار ذاتی حملوں سے بھرا ہوتا ہے۔ معلوم ہوتا ہے کہ ہندوستانی اخبار نویس نیویارک و سین فرانسسکو کے اخبارات کی تقلید کرتا ہے"

حاصل کی جو قریبًا دو سال کی مدت تک عورتوں کی تعلیم کی نسبت ہوتا رہا۔ عالمگیر دلچسپی اور خیالات کا ہیجان و جوش و خروش جو اس مباحثہ نے پیدا کیا اپنی آپ نظیر ہے جس کی تشریح کے لئے پرکاش کے کالم صرف ایک کمزور گراموفون کا حکم رکھتے ہیں۔ ان دنوں عورتوں میں اگر کسی بات کا ذکر تھا تو اس کا اور اگر کسی گفتگو سے ملاقاتیں شروع اور ختم ہوتی تھیں تو اس کے ساتھ۔ میری اس مباحثہ میں خاص حیثیت تھی اور میں ان نیچی آنکھوں کو دمکتے ہوئے چہروں کے ساتھ تقریروں کو کبھی نہیں بھولوں گا جن سے میری اندرونی کھٹوئیں جھڑ ہوئی۔

خلاصہ یہ کہ تخفیف مصارف اور تعلیم نسواں سے لے کر اشتہار و مضامین شادی ہوگا اور ہندوستانی برہمن بھنڈاری تک کے مضامین نے پرکاش کے کالموں کو اشاعت و صد دیا یا ..... اب نہ لاہور کی قومی انجمن ہے اور نہ بورڈنگ ہاؤس، نہ کرکٹ کلب اور نہ کشمیر پرکاش۔[1]

اِک شمع ہے دلیلِ سحر، سو خموش ہے

آنند لیس، باقی ہوس

کار دنیا کسے تمام نہ کرد

برجوہن دتاترے [2]

اڈیٹوریل نوٹس کے تحت سنٹرل ہندو کالج کا بھی ذکر ہے جس میں لکھا ہے:

"سنٹرل ہندو کالج میگزین کے ساتویں سال کی رپورٹ ہمارے پاس ریویو کی غرض سے آئی ہے۔ ہم کو یہ دیکھ کر نہایت خوشی ہوئی کہ کالج مذکور استقلال کے ساتھ ترقی کر رہا ہے۔ ہماری ذاتی رائے تو یہ ہے کہ مدرسوں میں مذہبی یا قومی تخصیص کسی قسم کی نہ ہونی چاہئے۔ اور اسی لئے ہم کو اس دن نہایت خوشی ہوگی جس دن ہندو کالج کا دروازہ غیر ہندو طلبہ

---

[1] وہ شور اشوری اس بے نمکی اور وہ گرما گرمی اس سرد مہری سے کیسے مبتدل ہوئی؟ اب کیا [illegible] یہ ایسے مضامین جن پر علیحدہ لکھنے کی ضرورت ہے۔ کشمیر بھائی اس پر غور کریں۔ میں بھی انشاء اللہ کبھی اس مضمون کو اختتام پر پہنچاؤں گا۔"

ہیں۔ گذارہ بھر کو ابھی رقم وصول ہو جاتی ہے۔ ہمارے قوم میں ایسے کم اصحاب ہیں جن کی اپنی دکانیں ہیں۔

"اب رہی ٹھیکیداری۔ ہمارے قوم کے تھوڑے سے اشخاص ٹھیکہ داری میں دخل رکھتے ہیں۔ لیکن اس قلیل تعداد سے بھی زیادہ اشخاص قرض لے کر ٹھیکہ لیتے ہیں۔ جو کچھ نفع ہوتا ہے وہ سود میں چلا جاتا ہے۔ اگر خدانخواستہ نقصان ہو جاتا ہے، تو دیوالہ نکل جاتا ہے اور مکان پر قرقی کی نوبت آ جاتی ہے۔

"اب رہی قرآنی۔ عمرات تو ظاہر ہے دن بھر بیٹھے رہتے ہیں۔ کوئی بھولا بھٹکا آ گیا تو خیر ورنہ اللہ اللہ خیر صلا۔ دودھ بیچنے والے اور پنساری اور نانبائی ان سب کی مالی حالت اتنی ہے جس سے کہ ان سب کا گذارہ چلا جاتا ہے۔

"ہمارے قوم کے بہت سے صاحبوں کو دکانداری کا ایسا شوق ہے کہ دو ایک نسوار کی بوتلیں، تھوڑے سے کپڑے دھونے والے صابون۔ دو ایک منہ دھونے والی صابون کی ٹکیاں۔ آٹا، دس تاگے کی گولیاں اور تھوڑا سا تمباکو لے کر بیٹھ جاتے ہیں۔ ان کی مالی حالت تو صاف ظاہر ہے اور نیز اس سب بیان سے یہ بھی ظاہر ہے کہ ہمارے قوم کی مالی حالت خاطر خواہ نہیں ہے۔ اب تعلیم ملاحظہ ہو:

"حضرات سامعین! ہمارے قوم کی تعلیمی حالت بھی واجبی ہی واجبی ہے۔ ہمارے قوم کی مالی حالت خراب ہونے کی وجہ سے تعلیم حاصل کرنے میں بہت سی رکاوٹیں پیدا ہو گئی ہیں۔ بہت سے طالب علم مڈل تک پڑھ کر تعلیم کو خیرباد کہنے پر مجبور ہو جاتے ہیں اور بہت سے انگریزی کی دو ایک کتابیں پڑھ کر ہمہ فاضل ہو جاتے ہیں اور بہت سے طالب علموں نے انٹرنس سے آگے پڑھنے کی قسم کھائی ہے۔ افسوس کا مقام ہے کہ سٹیٹ ہائی اسکول سے گذشتہ سال دو کشمیری مسلمان لاہور کالج میں داخل ہونے کی غرض سے گئے۔ لیکن ہمارے کشمیری بھائیوں کی ابھی تک باہر جانے کی ہمت نہیں کھلی ہے۔

"کل صوبہ کشمیر میں تین ہائی اسکول ہیں (۱) اسٹیٹ ہائی اسکول (۲) مشن اسکول۔ (۳) ملکہ ہائی اسکول۔ ان تینوں اسکولوں میں ہم کو دیکھنا چاہیے کہ ہر سال انٹرنس کے امتحان میں ہمارے قوم کے کتنے طلبا پاس ہوتے ہیں۔ اس سے تعلیم کا حال صاف معلوم ہو جائے گا۔

جلد ۴ - نمبر ۸ :

(۱) ہندوستانیوں کی اخلاقی تعلیم قسط ۴ (از ترلوکی ناتھ) - (۲) ہماری ضرورت تعلیم نسواں پر ایک بہن کا مراسلہ (از گمنام) (۳) تقریر پنڈت گوپی ناتھ طالب علم ہندو کالج سری نگر (از کشن کول) (۴) ماں ماں کا ایک سین (نظم) (از چکبست) - (۵) خط و کتابت وغیرہ - "نول کشور پریس"

پنڈت گوپی ناتھ کی تقریر کی مندرجہ ذیل سطریں قابلِ ذکر ہیں :

" ہمارے قوم کے بہت سے اصحاب کا آج کل یہ خیال ہے کہ بجلی اور ریل کا کام کھلنے سے ہمارے قوم کے غریبوں کا حال بہتر ہو جائے گا - ع

ایں خیال است و محال است و جنوں

یہ ناممکن بات ہے کیونکہ افسر لیا مستر باہر سے آئیں گے اور ادنیٰ اسامیاں کشمیریوں کے ہاتھ آئیں گی - اور جو کچھ پیدا کریں گے وہ فقط کھانے اور کپڑے ہی پر صرف ہو جائے گا - ترقی کیا ہوگی خاک اور علاوہ اس کے یہ زمانہ مستقبل کی بات ہے - دیکھئے آگے کیا ہو - اب قوم کی مالی حالت دیکھئے -

حضرات سامعین ! ہمارے قوم کی مالی حالت بھی خاطر خواہ نہیں ہے - لوگوں کا خیال ہے کہ ہمارے قوم میں بہت سے دولتمند رئیس ہیں - میں یہ کہنے کو تیار نہیں ہوں - اگر ہیں بھی تو گنتی کے دو چار رئیس ہیں ، وہ بھی دولتمند نہیں ہیں - اگر ہمارے قوم کے رئیس دولتمند ہوتے تو اپنے غریب بھائیوں کی مصیبت کے وقت کچھ نہ کچھ مالی امداد ضرور کرتے - جب سنہ ۱۹۰۳ء میں سیلاب آیا تھا اس وقت کا حال میرے دل پر بخوبی نقش ہے - کسی قومی رئیس کی اتنی بھی ہمت نہ ہوئی کہ دام لیتا یا کسی اور جگہ سے اناج لا کر اپنے غریب بھائیوں کے ہاتھ اصلی قیمت پر فروخت کرتا - اس سے یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ ہمارے رئیس بھی خود تکلیفوں میں گرفتار ہیں - ایمرا کدل - حبہ کدل - فتح کدل - زینہ کدل - عالی کدل اور مہاراج گنج پر جتنی دکانیں کپڑے کی دیکھتے ہیں اور جن کے دکاندار ہمارے قوم کے بھائی ہیں وہ سب پنجابی ساہوکاروں کا مال بیچتے ہیں یعنی وہ سب مال پنجابی ساہوکاروں کا ہوتا ہے اور یہ فقط بطور ایجنٹ کے کام کرتے

کی جاوے تو اگرچہ یہ کلیہً ہم نہیں ہوں گے۔ پھر بھی بہت کچھ دستیاب ہو جائیں گے۔ زمانہ حال کے قصص، قصیدے، غزلیات وغیرہ اس زبان میں موجود ہیں اور کتب اخلاق و دینی کے ترجمہ کرنے سے اُمید ہے کہ اس کا لٹریچر قائم کرنا بہت مشکل نہیں۔ خصوصاً جب کہ اس کی گرامر (صرف و نحو) ایک عالم فاضل کی سنسکرت ویاکرن کے اصول پر مرتب کی ہوئی موجود ہے۔ یہ سطور بدیں غرض اشاعت کئے گئے کہ بہت سے اصحاب کشمیری زبان کا اس طرح ایک تحریری زبان بنانا ایک اہم کام تصور کرتے ہیں۔ اگرچہ وہ اس کے فوائد کے پورے قائل ہیں۔ مجھے یقین ہے کہ جناب کا خیال اس بارے میں انجمن کی رائے کے موافق ہے۔"

جلد ۴۔ نمبر ۹:

(۱) مسٹر دادا بھائی نوروجی کے پولٹیکل مشاغل۔ (از "پارسی") (۲) ولایتی خیالات کول جلالی اور اقبال کشن شر غریب (از گمنام) (۳) قوم کی حالت زار (از راست گو) (۴) کشمیری بچوں کی تعلیم (۵) ہمارے معاصرین۔ عصر جدید، مخزن، اُردوئے معلّٰی)۔ اور دوسرے عنوانات ضمیمہ کارروائی جلسۂ سالانہ کشمیری ینگ مینز ایسوسی ایشن۔ تقاریر میں چکبست کی تقریر بھی ہے۔

جلد ۴۔ نمبر ۱۰:

(۱) کاسٹ سسٹم اور ہم (از الف۔پ) (۲) مغربی تعلیم و تہذیب کا اثر (از جگموہن ناتھ صاحب تکو)۔ (۳) برہما کے تیوہار (از مونگ چو) (۴) موجودہ حالت (از فناتم) ____ منروا سے منقول سات صفحے کا طویل مضمون ہے اور ہندو مسلم مسئلہ پر بہت اہم تحریر ہے اور نقل کئے جانے کے لائق ہے۔

(۵) طالب علم اور پالیٹکس۔ منقول از اُردوئے معلّٰی (از طالب علم) (۶) ہمارے معاصرین (اُردوئے معلّٰی، مخزن، عصر جدید، وغیرہ۔

"کاسٹ سسٹم" والے مضمون کا پہلا پیراگراف یہ ہے:

"حال کے ایک صاحب تصنیف نے کسی کتاب میں لکھا ہے کہ اہل اسلام نے ہندو کشمیر کو ہندوؤں کو مسلمان کیا۔ انگریزی عمل داری کی ایسی سیّٰی تحریری ہے کہ لوگ

تین سال سابقہ میں آپ کو بتا سکتا ہوں، غور کر کے سنئے؛

"سنہ ۱۹۰۹ء میں انٹرنس کے امتحان میں ہمارے قوم کے قریب (۱۰) طلباء کے پاس ہوئے تھے
سنہ ۱۹۰۸ء " " " " " " " " " (۹) " " "
سنہ ۱۹۰۷ء " " " " " " " " " (۴) " " " "

"اگر آپ صاحبان سنہ ۱۹۱۱ء کی مردم شماری کی رپورٹ ملاحظہ فرمائیں اور دیکھیں کہ کل صوبہ کشمیر میں کتنی آبادی ہے تو آپ کو معلوم ہوگا کہ کل صوبہ کشمیر میں ۱۱۵۷۳۹۴ کی آبادی ہے اور کل صوبہ کشمیر میں سناتن دھرم والوں کی تعداد ۶۰۶۸۲ ہے اور اس ۶۰۶۸۲ کی آبادی سے انٹرنس پاس شدہ طلباء کا اوسط سال میں ۸ ہے۔ اس سے ہماری قوم کی جہالت کا اندازہ ہو سکتا ہے اور یہ بھی ظاہر ہوتا ہے کہ ہمارے قوم کے لڑکوں کی تعلیم روز بروز گھٹتی جاتی ہے۔"

"آپ صاحبان اس بات کو پتھر کی لکیر جانئے کہ: ـــہ

شد بڑے فارسی کے چلے گا نہ کام اب
دعوتوں سے اور سبیلوں سے ہوگا نہ نام اب"

خط و کتابت کے ذیل میں سکریٹری اے، ایس دھر کا طویل خط، کشمیری ریفارم ایسوسی ایشن سرینگر بابت جس کا ایک مقصد کشمیری زبان کے لئے رسم الخط بھی رواج دینا ہے۔ اڈیٹر نے اپنے نوٹ میں اردو یا ہندی رسم الخط اپنانے پر زور دیا ہے، مکتوب نگار کا یہ پیراگراف اہم ہے:

"جناب پنڈت صاحب مکرم بندہ سلامت۔

نیازمندی۔ واضح رائے مبارک انجناب ہو چکا ہے کہ سری نگر کشمیر میں ایک انجمن مسمی کشمیر ریفارم ایسوسی ایشن" قائم ہوئی ہے۔

کشمیری زبان کے لٹریچر کے پیدا کرنے میں بالخصوص کوشش کی گئی ہے چنانچہ تعلیم نسواں اسی کے ذریعہ سے دی جائے گی۔ زبان کشمیری جیسا کہ جناب کو روشن ہوگا ایک پرانی زبان ہے، تواریخ کشمیر میں یہ باسم پراکرت بھاشا موسوم ہے۔ مہابھارت رامائن و دیگر پرانوں کے ترجمے اس زبان میں کئی سو برس کے بنے ہوئے تھے۔ اگر ان کے جمع کرنے کی کوشش

ہمارے معاصرین اور دیگر مستقل عنوانات -
کلکتہ مہاکانگریس اور ایجوکیشنل کانفرنس پر مضامین نقل کئے جانے کے لائق ہیں۔

جلد ۵ ؛ نمبر ۳ ؛

(۱) تذکرہ قومی (از پران ناتھ گوالیار) - (۲) کشمیر میں تعلیم کی اشاعت (از عبدالسلام رفیقی) (۳) ہماری موجودہ حالت (از نندہ کول) - (۴) بہار کشمیر وغیرہ مستقل عنوانات (۵) "تنقید" کے تحت مرزا محمد سعید کے ناول خواب ہستی پر طویل تبصرہ ہے، جو نقل کئے جانے کے لائق ہے - ایک مختصر تبصرہ بڑھوا بواہ پر بھی ہے، جو ڈاکٹر مرازی لال کان پور کی مرتب تقسیم ہونے والی تصنیف ہے - (۶) ضمیمہ میں: "پنڈت موتی لال نہرو ایڈووکیٹ ہائیکورٹ، صدر نشین جلسہ کی افتتاحی تقریر"

موتی لال نہرو کی یہ تقریر تمام وکمال اس مضمون کے آخر میں درج کی جارہی ہے -

جلد ۵ - نمبر ۴ :

(۱) ماضی و حال (از پنڈت برجموہن دتاتریہ (۲) قدامت پرستی (از پنڈت دوارکا ناتھ صاحب ٹکو - (۳) ایک دلچسپ مکالمہ (از مخبر سنبھل پور) - (۴) ریفارم کی ضرورت (سری کشن گرٹو) - (۵) بہار کشمیر و دیگر مستقل عنوانات (۶) "تنقید" کے تحت دیوان چند ایم اے کی کتاب "دنیا کے ۹ مہاپرش" پر طویل تبصرہ ہے - اختلاف اللسان (مصنفہ وجاہت حسین صاحب جھنجھانوی - "سبھدہ دیوی کی سوانحعمری" مصنفہ سردھ پرکاش جی، اور مکتوبات آزاد پر بھی تبصرے ہیں۔ پنڈت اجودھیا ناتھ کنزرو، اور پنڈت بشن نرائن در کی تصویریں شائع کی ہیں - پنڈت دوارکا ناتھ ٹکو کے انتقال کی اطلاع دی ہے -

منیجر "کشمیر درپن" کا اعلان کہ "آئندہ کشمیر درپن لکھنؤ سے شائع ہوگا۔ اس کے متعلق خط وکتابت پنڈت اقبال نرائن صاحب مسلدان بیرسٹر ایٹ لا گولا گنج لکھنؤ سے کی جاوے - معاصرین بھی مہربانی کر کے اپنے رسالے اور اخبار تبادلہ میں اسی پتہ سے ارسال کریں"

جلد ۵ - نمبر ۵ - ۶

(۱) خلاصۂ تقریر رانا ڈے بہ اجلاس سوشل کانفرنس کلکتہ ۱۸۹۶ء - (۲) نسبانہ موجودہ

بلا ب خاطر ہندو دین سے علیحدہ ہوئے جاتے ہیں اور قیود لازمہ اہل ہنود بلا تردد خود توڑتے جاتے ہیں۔ سوامی دیانند سرسوتی کا خدا بھلا کرے جس نے ہزاروں ہندوؤں کو عیسائی یا مسلمان ہونے سے بچایا اور جو ہوتے ہیں اُن کو شُدّھی کے ذریعہ سے یہ ہندو بنانے کا طریقہ نکالا"

جلد ۴۔ نمبر ۱۱:

(۱) زبان اُردو۔ مخزن کے ایک مضمون "سیر گلفروشاں" پر تنقید۔ (از حق پسند) (۲) قدامت پرستی۔ (از پنڈت دوارکا ناتھ تکو۔ (۳) ہندو مذہب (از پ۔ الف۔ ک۔ کشمیری) (۴) ہمارا سودیشی رتھ کیوں اُڑ گیا ہے (از منوہر ناتھ کول دتاتریہ۔ (۵) مضمون نگار بہنوں سے ایک التجا (از ناصح)۔ (۶) سرگورو داس بنرجی (از درگا پرشاد مشران) (۷) ہمارے معاصرین (مخزن، اُردوئے معلّٰی، عصر جدید) اور دوسرے مستقل عنوانات۔

جلد ۴۔ نمبر ۱۲:

(۱) سوشل اصلاح کے متعلق مہاراجہ گیکواڑ کے خیالات (از جگجیون ناتھ ککرد)۔ (۲) ہندوستان جدید، قسط ۳ (۳) پدمنی: نظم منقول از مخزن (از سرور جہان آبادی) (۴) ہمارے معاصرین (اُردوئے معلّٰی۔ مخزن۔ دکن ریویو)۔ وغیرہ۔

جلد ۵۔ نمبر ۱۔ ۱۹۰۷ء:۔

(۱) دادا بھائی نوروجی (از پنڈت برج نرائن چکبست) (۲) قدامت پرستی۔ (از پنڈت دوارکا ناتھ تکو) (۳) طالب علم اور پالیٹکس (از ابوجہل لکھنوی) (۴) شرر و سرشار (منقول از مخزن) (۵) ہمارے معاصرین اور دوسرے مستقل عنوانات۔

چکبست کا مضمون نقل کئے جانے کے لائق ہے۔

جلد ۵۔ نمبر ۲:

(۱) کلکتہ کی کانگریس پر ایک سرسری نظر (از چکبست) (۲) انڈسٹریل کانفرنس (از سیاست مدن)۔ (۳) نمائش صنعت و حرفت کلکتہ ۱۹۰۶ء (از پنڈت منوہر ناتھ سپرو) (۴) انڈین سوشل کانفرنس (از ماسٹر بشن نرائن گرٹو) (۵) آل انڈیا محمڈن ایجوکیشنل کانفرنس کا بیسواں اجلاس (از ظہور احمد) (۶) ہندوستان کی ترقی (از مینڈ ام مکنلام)

ہندوستان کی تعلیمی حالت دیکھ کر یہ امر ضرور باعث خوشی ہے کہ اڈیٹر رسالہ ایک خاتون صاحبہ ہیں۔ اکثر رسالے اور مضامین تعلیم نسواں کی عمدگی کے بیان میں مردوں نے چھاپے۔ مگر عورتوں میں بہت کم ان ممالک اور پنجاب میں ایسی ہیں جن کو کہ تعلیم یافتہ ہونے کا خطاب دیا جا سکتا ہو۔ مگر رسالہ زیر ریویو کی اڈیٹر چونکہ اناث میں سے ہیں۔ لہٰذا بہت اطمینان کی بات ہے اور خوشی بھی ہے کہ ہمارے ملک میں اس قدر تعلیم نسواں نے ترقی کی ہے کہ وہ زمانہ بھی آ گیا کہ عورتیں کار ایڈیٹری کو عمدہ طور پر کرنے لگیں۔ باوجود اس کے ہم انکار نہیں کر سکتے کہ ابھی بہت تعلیم کی ضرورت ہے۔ اس رسالہ میں جس طرح کے مضامین نکلتے ہیں، وہ صرف لڑکیوں کے لئے مفید نہیں ہیں۔ بلکہ سن رسیدہ عورتیں بھی، جن کی تعلیم معقول نہیں ہوئی ہے اس سے فائدہ اٹھا سکتی ہیں۔

"ہندوستان میں ہندو اور مسلمان دو بڑی قومیں ہیں۔ ان کے رسوم اور طریقے قدرے مختلف بھی ہیں۔ اس لحاظ سے مسلمان لکھنے والے کے خیالات ہر موقع پر ہندو دیکھنے والے کے موافق نہ ہوں گے اور یہی وجہ ہے کہ رسالہ 'تہذیب النسواں' میں مضامین زیادہ تر ان ہی حالات اور خیالات کا اظہار کرتے ہیں جو کہ مسلمانوں میں موجود ہیں۔ یا ان میں پیدا کرنے کی کوشش ہے۔ بہرحال جہاں تک ہم نے پڑھا ہم کو معلوم ہوا کہ بحیثیت مجموعی یہ رسالہ ضرور مفید ہے اور ہر عورت کو چاہئیے کہ اس کا مطالعہ کیا کرے۔ مضامین کی زبان شستہ اور عام فہم ہے۔ کاغذ بھی برا نہیں ہے۔ لکھائی بہت صاف اور روشن ہے۔ مگر ہماری رائے میں بجائے کالم کے اگر پورا صفحہ مع جدول ہو تو زیادہ بہتر معلوم ہو۔ اس رسالہ کا چندہ ہے سالانہ ہے اور رفاہ عام اسٹیم پریس لاہور کے مینجر صاحب کو خط لکھنے پر یہ پرچہ مل سکتا ہے۔"

لاہور سے کشمیری میگزین محمد الدین فوق نے غالباً کشمیر درپن کے توڑ میں جنوری ۱۹۰۶ء سے نکالنا شروع کیا جو ۱۹۱۱ء تک جاری تھا۔ کشمیر درپن میں اگر کشمیری پنڈت اہل قلم چھائے ہوئے تھے تو کشمیری میگزین مسلمان مضمون نگاروں سے بھرا رہتا تھا۔ درپن میں کشمیری 'ایک قوم' سمجھے جاتے تھے۔ اور اس قوم میں صرف کشمیری پنڈت شامل تھے (الا ماشاء اللہ)۔

کی دماغی اخلاقی اور سوشل تغیرات (پہلی قسط) : (ترجمہ مضمون پنڈت بشن نرائن در ۳۔)
ماضی و حال کا شامرہ (از ابوجہل۔ لکھنؤ) (۴) پھولوں کی سیر (از کشن کاک (۵) ایک کھلا
خط بنام پنڈت موتی لال صاحب نہرو : موتی لال نہرو کی اسپیچ پر (از جانکی ناتھ اٹل)۔
(۶) ایک خط دیوان چند ایم اے کا ہے جس میں پچھلے شمارہ کی تنقید کا جواب ہے۔اس کے
آخر میں ایڈیٹر کا نوٹ "پنجابی اُردو" پر ہے۔(۷) دولت ہمہ از اتفاق خیزد۔(شیام پرشاد
زتشی)۔ -آزادیٔ خیالات و افعال۔ (از ترلوکی ناتھ کول (۹) نیشنل فنڈ کیوں قائم کیا جائے
اور وہ کس کام میں لایا جائے۔(از جانکی ناتھ اٹل) (۱۰) بہار کشمیر وغیرہ۔

"ماضی و حال کشامرہ" تمام و کمال نقل کئے جانے کے لائق ہے۔لیکن صفحات کی
تنگی حائل ہے۔

جلد ۵۔ نمبر ۷ – ۹ :-

(۱) زمانہ موجودہ کے دماغی و سوشل تغیرات : بشن نرائن در کے مضمون کی دوسری قسط
اور ہنوز ناتمام۔(۲) تعلیم نسواں (۳) دیوالی (از جیون لال مٹو) (۴) قومی حالت (از لہ
(از رام ناتھ آفذ) (۵) سودیشی (از پنڈت جیون لال مٹو) (۶) دیوالی (از پنڈت منوہر لال
کول عرف کیا بی (۷) سفر اورنگ آباد (از برج ناتھ فرفذ) (۸) مسٹر دیوان چند ایم۔اے
اور اُردو کی انشا پردازی۔(از منوہر لال زتشی)۔ پچھلے دو شماروں میں جاری بحث کے
سلسلہ میں (۹) ریویو : ارمغان دیوالی یعنی دریدوزیتی کا ترجمہ (مانک راؤ وٹھل راؤ حیدرآبادی)
(۱۰) چند سبق آموز مضمون : امریکہ کے ایک ماہوار رسالہ سے مندرجہ ذیل عنوانات پر نقل : "زندگی
کیا ہے"، "اپنے اوپر بھروسہ کرنا کامیابی کا راز ہے" اور "مفلسی بھی ایک نعمت ہے"
(۱۱) ایڈیٹوریل نوٹ میں کنیا پاٹ شالہ کا ذکر ہے۔(۱۲) "ترجمہ مضمون ڈاکٹر تیج بہادر سپرو مطبوعہ
ماڈرن ریویو" مضمون پنڈت بشمبر ناتھ پر ہے۔(۱۳) رسالہ "تہذیب نسواں" کا ریویو : جو
مندرجہ ذیل ہے :-

"لاہور سے ہر شنبہ کو رسالہ تہذیب النسواں شائع ہوتا ہے۔اس رسالہ کی ایڈیٹر ایک
شریف بی بی صاحبہ ہیں۔اس عنوان کے پڑھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ لڑکیوں کے لئے یہ رسالہ جاری کیا گیا ہے

پنڈت موتی لال صاحب نہرو ایڈوکیٹ ہائیکورٹ

صدر نشین جلسہ کی افتتاحی تقریر

للہ الحمد ہر آن چیز کہ خاطر می خواست
آخر آمد ز پس پردۂ تقدیر پدید

حضرات! آپ نے صوبجات متحدہ کی پہلی پراونشل کانفرنس کا پریسیڈنٹ منتخب کرکے جو عزت مجھ کو بخشی ہے، اس کا میں تہہ دل سے شکریہ ادا کرتا ہوں۔ ساتھ ہی اس کے جب میں اپنے ارد گرد ان دوستوں کو بیٹھے ہوئے دیکھتا ہوں، جن میں سے ہر ایک اپنے فرائض کو مجھ سے بدرجہا بہتر انجام دے سکتا ہے، تو مجھ کو بار بار اپنی بے بضاعتی کا خیال آتا ہے۔ لیکن میں آپ کے انتخاب کو فرمانِ قومی سے تعبیر کرتا ہوں اور اس کی تعمیل کو اپنے اوپر فرض سمجھتا ہوں اور محض یہی وجہ ہے کہ میں نے ایک ایسی عزت کو قبول کر لیا ہے، جس کے قابل میں اپنے تئیں نہیں سمجھتا۔

میں آپ کو اس کامیابی پر مبارکباد دیتا ہوں، جو اس پہلی پراونشل کانفرنس کے منعقد کرنے میں حاصل ہوئی ہے۔ اس میں شک نہیں کہ ممالک متحدہ کی طرف سے کانگریس کے اجلاسوں میں خصوصیت سے دلچسپی ظاہر کی گئی، چار مرتبہ اس قومی مجلس کو ہم اپنے صوبہ میں مدعو کر چکے ہیں۔ جہاں جہاں سالہائے گذشتہ میں کانگریس منعقد ہوئی، وہاں وہاں ہمارے صوبہ کے منتخب اشخاص خاص مجلسوں میں شریک ہو کر اپنے ملک اور قوم کی پوری پوری خدمت کی، لیکن ساتھ ہی اس کے ہم کو ماننا پڑیگا

یو پی میں
انڈین نیشنل کانگریس کی پہلی صوبائی کانفرنس
کا
خطبۂ صدارت

"وہ کون سی بات ہے جو دو بھائیوں کو خوشی خوشی ملنے اور پیاری ماں کی خدمت کے لئے تیار ہونے سے مانع آتی ہے؟ اس کی وجہ بجز اس کے کہ حکام والا شان سے خوشنودی مزاج کے پروانے حاصل کئے جاویں اور کچھ نہیں ہے۔ اور ایسی جیسی ذلتیں کہ اس جد و جہد میں نصیب ہوتی ہیں اس کا حال کچھ چوٹ کھائے ہوئے دلوں سے پوچھئے۔ اے میرے مسلمان دوستو! ذرا اپنے عنایت فرماؤں سے ہوشیار رہنا۔ گو دو چار اعلیٰ عہدے آپ کے ہم مذہبوں کو مل گئے، تو کیا ہوا، بحیثیت مجموعی مسلمانوں کا اس میں نفع نہیں ہے بلکہ نقصان ہے۔ قومی ترقی سرکاری عہدوں کے بھروسے نہیں ہو سکتی۔ اس کا راستہ دوسرا ہے:

چھو لیا دھوکے سے دامانِ صبا تو نے تو کیا
غنچۂ گل کبھی مٹھی میں ہوا آتی ہے

ضرورت اس بات کی ہے کہ آپس کی بے اعتباری دور ہو اور دونوں جماعتوں کے لیڈر خلوص اور نیک نیتی کے ساتھ مل کر کام کرنے کی کوشش کریں۔"

پنڈت موتی لال نہرو

ضروریات اور تجاویز ہوتی ہیں، جو مقامی ہونے کی وجہ سے انڈین نیشنل کانگریس میں پیش نہیں ہو سکتیں اور جن کے طے کرنے کے لئے پروانشل کانفرنسوں کا ہونا ضروری ہے۔ ان دو فوائد کے علاوہ تیسرا فائدہ اس تحریک کا یہ ہے کہ اس کے ذریعہ سے ملک میں پولیٹکل تعلیم پھیلتی ہے۔ ہم میں سے جن لوگوں کو کانگریس سے قبل کا زمانہ یاد ہے وہ جانتے ہیں کہ اس زمانے میں پولیٹکل مسائل کا چرچا محض برائے نام تھا۔ اس کے برخلاف آج دیکھئے کہ ہر طرف سے پولیٹکل تحریکوں کی صدا آ رہی ہے۔ اس عظیم تغیر کے کیا باعث ہیں۔
اس میں شک نہیں کہ تعلیم کی اشاعت نے ایک حد تک اس کام میں مدد دی ہے، لیکن کیا ہم بغیر کانگریس کی ایسی مجلس کے اپنے مشترکہ اور مجموعی اغراض کا یکجائی اظہار کر سکتے تھے؟ کیا بغیر کانگریس کی قومیت کا پاکیزہ خیال ہندوستانیوں کے دلوں میں جگہ پا سکتا تھا؟ وہ کونسی قوت ہے جس نے ہماری پولیٹکل زندگی کے چھوٹے چھوٹے چشموں کو مجتمع کر کے آج اتنا بڑا بحر ذخار بنا دیا ہے کہ جس کی صولت کا ہمارے کافرے کافر نکتہ چین تک کو اقرار کرنا پڑتا ہے؟ اس قوت کا نام "کانگریس" ہے۔ میں انڈین نیشنل کانگریس کو عملی پالیٹکس کے صیغہ میں ہندوستان کا قومی دارالعلوم خیال کرتا ہوں۔ کانگریس تو اپنا کام کر رہی ہے لیکن اس کام کے تکمیل کے لئے ضروری ہے کہ کانگریس کے ماتحت مختلف صوبوں میں مقامی انجمنیں قائم کی جائیں اور اس لئے میں آپ کو پروانشل کانفرنس کے انعقاد پر مبارکباد دیتا ہوں۔
لیکن جس طرح کہ کانگریس سال میں ایک مرتبہ ہونے کی وجہ سے ہماری ضروریات کو پورا کرنے کے لئے ناکافی ہے، وہی حال پراونشل کانفرنسوں کا بھی ہے۔ ضرورت اس بات کی ہے کہ کچھ نہ کچھ کام برابر سال بھر تک ہوتا رہے۔ اور یہ تب ہی ہو سکتا ہے جب ہر سال کانفرنس میں ایک سنٹرل کمیٹی مقرر کی جاوے۔ اور ہر ضلع میں ایک ایک مقامی انجمن اس غرض سے منعقد ہو کہ وہ اپنے ضلع کے حالات اور ضروریات سے برابر سنٹرل کمیٹی کو مطلع کرتی رہے۔ کچھ دن ہوئے ان صوبجات میں ایک انجمن یونائیٹڈ پراونسز ایسوسی ایشن کے نام سے اسی غرض سے قائم کی گئی تھی۔ لیکن یہ انجمن کچھ شروع ہی سے بجھی سی ہوئی تھی، اس طرح کی کارروائی سے اب کام نہیں چل سکتا۔ کیا یہ ہماری ذلت نہیں ہے کہ پروانشل کانفرنسیں اور صوبوں میں برسوں سے قائم ہیں۔ لیکن اس کا افتتاح ہمارے یہاں آج ہو رہا ہے؟ اگر ہم اپنی سستی دور کر کے اب بھی کام کرنے کے لئے کمربستہ نہیں ہو سکتے، تو یہ کانفرنس محض بازیچۂ اطفال ہے۔ لیکن جس جوش اور خلوص کا اظہار آج ہو رہا ہے اس سے مجھے یقین ہوتا ہے

کہ ان سالانہ جلسوں کی شرکت کے علاوہ اپنے خاص صوبہ کی ضروریات کے پورا کرنے کے لئے ہم نے ابھی تک کچھ نہیں کیا ہے۔ یہ سچ ہے کہ بہت سی ہماری خاص ضرورتیں ملک کی عام ضرورتوں کے ساتھ مشترک ہیں۔ لیکن چاہے ضرورتیں عام ہوں یا خاص، مقامی انجمنوں اور مقامی جلسوں کے فائدے سے کسی کو انکار نہیں ہو سکتا۔

نیشنل کانگریس کا جلسہ سال میں ایک مرتبہ ہوتا ہے اور یہ ظاہر ہے کہ اس قومی مجلس کا جلسہ سال میں ایک مرتبہ سے زیادہ نہیں ہو سکتا۔ لیکن شاید آپ جانتے ہوں گے کہ انگریزوں کی ایک فطری خاصیت ہے کہ یہ لوگ نہ جلدی سنتے ہیں اور نہ جلدی سمجھتے ہیں۔ سال میں ایک مرتبہ جب کانگریس کا شور و غل ان کے کانوں تک پہنچتا ہے، تو یہ حضرات ایک دفعہ چونک پڑتے ہیں اور ان میں سے اکثر سوچنے لگتے ہیں کہ ہو نہ ہو کچھ دال میں کالا ہے، لیکن قبل اس کے کہ وہ ہمارے اغراض و مطالب کو پوری طرح سے سمجھ سکیں، کانگریس کا اجلاس ختم ہو جاتا ہے اور سال بھر کے لئے پھر خاموشی کا عالم طاری ہو جاتا ہے۔ میرے اس کہنے سے آپ لوگ یہ نہ سمجھیں کہ میں کانگریس کی کوشش کو بیکار یا بیسود خیال کرتا ہوں، کانگریس کو بیشک دو صیغوں میں ایک معقول حد تک کامیابی حاصل ہوئی ہے، اوّل ہمارے اہلِ ملک کو بیدار کرنے میں، اور دوسرے حکامِ وقت سے چند اصلاحوں کے حاصل کرنے میں۔ اگر اس دوسرے صیغے میں خاطر خواہ کامیابی نہیں ہوئی، تو میرے لئے میں اس کی وجہ یہ ہے کہ اہلِ انگلستان کی توجہ ہماری طرف پوری طور سے مبذول نہیں ہوئی ہے۔ یہ میرا عقیدہ ہے کہ انگلستان کے لوگوں کی نیت بخیر ہے اور یہ عقیدہ صرف میرا ہی نہیں، بلکہ میرے ان تمام ذی وقار ہم وطنوں کا بھی یہی خیال ہے، جنہوں نے انگلستان جاکر خود اپنی آنکھوں سے وہاں کے لوگوں کو دیکھا ہے۔ جیسا کہ میں اوپر عرض کر چکا ہوں، اہلِ انگلستان بات کو ذرا دیر میں سمجھتے ہیں۔ لیکن جہاں ایک مرتبہ بات ان کے سمجھ میں آگئی پھر کوئی شخص ان کو حق بات کہنے اور کرنے سے باز نہیں رکھ سکتا۔ البتہ اس بات کی ضرورت ہے کہ اگر آپ ان کو کوئی بات سمجھانا چاہتے ہیں، تو اس کو بار بار صبح سے شام تک ان سے کہتے رہیے۔ لہٰذا ہمارے لئے ضروری ہے کہ علاوہ انڈین نیشنل کانگریس کے ہم ہر صوبہ میں اور اگر ممکن ہو تو ہر ضلع میں چھوٹی چھوٹی کانگریسیں منعقد کیا کریں، چاہے اس میں ہم کو محض ایک ہی بات کو بار بار دہرانا پڑے۔ لیکن ہم کو یہ بھی یاد رکھنا چاہیئے کہ علاوہ ان مشترکہ اغراض کے جن کا ذکر ہر کانگریس اور کانفرنس میں ہوتا ہے، ہر صوبہ کے متعلق کچھ نہ کچھ خاص

جو اپنے حقوق حاصل کرنے کے لئے زبردست اور ناپسندیدہ طریقے عمل میں لانا چاہتا ہے۔ اس کا
نام لوگوں نے فریقِ گرم رکھا ہے اور معتدل گروہ فریقِ نرم کے نام سے موسوم ہے۔ الٰہ آباد کے طلبہ
میں اکثر فریقِ گرم کے پیرو موجود ہیں۔ میں امید کرتا ہوں کہ آنریبل مسٹر گوکھلے کے حکیمانہ اقوال اور
نیک صلاح پر ان اصحاب نے کچھ نہ کچھ غور کیا ہوگا۔ لیکن ہنوز ہم اپنے طریق عمل پر تمام و کمال متفق نہیں
ہیں۔ حضرات! اس وقت میری یہ خواہش نہیں ہے کہ میں ان اصحاب کو اپنا ہم خیال بنانے کے لئے
آپ صاحبوں کے سامنے وعظ دوں۔ یہ کام اُن اصحاب کا ہے جو مجھ سے زیادہ قابل اور لائق ہیں۔
اور ظاہر ہے کہ مسٹر گوکھلے سے زیادہ فائق واعظ معتدل اُصولوں کا نہیں ہو سکتا۔ میں ہرگز اس
امر کا ادعا نہیں کر سکتا کہ اس مسئلہ کے ہر پہلو کو میں اس سے زیادہ وضاحت کے ساتھ پیش کر سکتا
ہوں جیسا کہ انہوں نے اپنے بلیغ اور مدلل لکچروں میں حال ہی میں ان صوبجات کے مختلف حصص
میں بیان فرمایا ہے۔ میرے لئے یہ کہنا کافی ہوگا کہ میں اپنے غیر معتدل احباب کے اکثر و بیشتر اصولوں
سے متفق نہیں ہوں، اور یہ کہ میں نہایت خلوص کے ساتھ امید اور یقین کرتا ہوں کہ میرے اہلِ ملک کی
کثیر جماعت ایسا ہی کرے گی۔ مگر اس کے ساتھ ہی میں غیر معتدلین کو موجودہ کیفیات اور ملک کا
فطرتی نتیجہ سمجھتا ہوں۔ وہ تحریک جس کے وہ محرک ہیں، بنگال میں پیدا ہوئی۔ جہاں گذشتہ چند سالوں
کے رنجیدہ واقعات نے ایک بڑے گروہ کو قعرِ ناامیدی میں گرا دیا ہے۔ یہ گرم اور معتدل فریق
اسی ناامیدی کا خلق کیا ہوا ہے اور یہ نتیجہ ہے ان مصنوعی اسباب کا جن سے زبردستی رعایا کا گلا
گھونٹا جاتا ہے۔ میرے خیال میں فریقِ گرم کی پیدائش سے آثارِ زمانہ کا اظہار ہوتا ہے، اور اس
سے گورنمنٹ اور رعایا دونوں کو سبق حاصل کرنا چاہیئے۔ ایک طرف تو اس فریق کی موجودگی اس
بے چینی کا پتہ دیتی ہے، جو اس وقت سارے ملک میں پھیلی ہوئی ہے اور دوسری طرف اس کا طرزِ عمل
ثابت کرتا ہے کہ ناامیدی اور یاس کے جوش میں جو طریقہ کام کرنے کا تجویز کیا گیا ہے، وہ ایک نوعمر
اور ہونہار قوم کے شان کے ہرگز شایاں نہیں ہے۔ میرا مطلب اس جگہ فریقِ گرم کے چند خاص اطوار سے
ہے۔ کیونکہ ان کے بعض طریقے جائز پسندیدہ اور ہر محبِ وطن کے اختیار کرنے کے قابل ہیں۔
پس ہم کہہ سکتے ہیں کہ باوجود نقائص کے ہمارے گرم دوست ہمارے لئے ترقی اور بہبودی کا
پیغام لے کر آئے ہیں۔ نتیجہ اس کا یہی ہوگا کہ [illegible]

کہ دوسرے صوبہ جات کی طرح ہمارے صوبہ کے باشندے بھی اب واقعی بیدار ہو چلے ہیں اور میں امید کرتا ہوں کہ ہم نہ صرف اس کانفرنس اور اس کی کمیٹیوں کو مستحکم اور مضبوط بنیاد پر قائم کریں گے۔ بلکہ اپنی کوشش اور محنت سے اس کمی کو پورا کریں گے جو کہ دیر سے کام شروع کرنے سے پیدا ہو گئی ہے۔

گو ہم نے کام دیر سے شروع کیا ہے تاہم اس کانگریس کے لئے یہ ایک فال نیک ہے کہ اس کا افتتاح ایک ایسے حاکم کے عہد میں ہوتا ہے کہ جس کے دور حکومت میں ہم کو ہمدردی اور ترقی حاصل کرنے کی پوری پوری امید ہے اور اس لئے میں اپنا فرض سمجھتا ہوں کہ ان صوبہ جات کی جانب سے اس اجلاس میں سر جان ہیوٹ صاحب بہادر کا خیر مقدم کروں۔ سر جان ہیوٹ کا زمانۂ ملازمت سنہ ۱۸۷۷ء میں انہیں صوبہ جات میں شروع ہوا تھا اور گو اس وقت وہ یہاں صرف سات برس ادنیٰ عہدوں پر متعین رہے تاہم میں وثوق کے ساتھ کہہ سکتا ہوں کہ جن لوگوں پر ان کو آخر میں حکومت کرنا تھا ان کے لئے اسی وقت سے ان کے دل میں ہمدردی شروع ہو گئی تھی۔ سر جان ہیوٹ سنہ ۱۸۸۴ء میں ان صوبہ جات سے نکل گئے اور اب کئی ایک اعلیٰ اور معزز عہدوں پر کام کرنے کے بعد وہ ہمارے صوبہ میں لفٹیننٹ گورنر ہو کر تشریف لائے ہیں ایسے عالی دماغ اور تجربہ کار مدبر سے ہم صرف یہی نہیں امید کرتے ہیں کہ وہ ایک منتظم حاکم ہوگا، بلکہ ہم کو یہ بھی امید ہے کہ اس کے زمانۂ حکومت میں انصاف سے کام لیا جاوے گا۔ ہماری پہلی کانفرنس کا ایک ایسے دور حکومت کے شروع میں افتتاح ہونا ایک اچھا شگون ہے۔ ہماری نئی کانفرنس اور یہ نیا دور حکومت، دونوں ہونہار نظر آتے ہیں اور مجھے قوی امید ہے کہ اپنے اپنے ادائے فرض میں دونوں اس طرح کاربند ہوں گے کہ ایک کو دوسرے سے نفع اور تقویت حاصل ہوگی۔

اب مجھ کو ان فرائض کے متعلق عرض کرنا ہے جن کو کانفرنس ادا کرے گی۔ یہاں تک کہ کسی گورنمنٹ یا کسی انجمن سے اصول عامہ کا تعلق ہے سب صاحب اس سے واقف ہیں اور مجھ کو اس کے متعلق بیان کرنے کی کچھ ضرورت نہیں ہے۔ لیکن اس کانفرنس کے اغراض و مقاصد اور طریقۂ کار کے متعلق کچھ کہنا میرا فرض ہے۔ آپ لوگ اس اختلاف سے واقف ہوں گے جو کہ ہمارے گزشتہ دنوں چند روز سے پیدا ہو گیا ہے اور جس کی نسبت کہ میں مختصر طور سے کچھ عرض کرنا چاہتا ہوں۔

ملک میں آج کل ایک جدید فرقہ پیدا ہو گیا ہے۔ جو غیر معتدل اصول کی پیروی کرتا ہے اور

سودیشی اور بائیکاٹ ایک حد تک مشترک ہیں، کیونکہ سودیشی اشیاء کے استعمال کے معنی یہی ہیں کہ غیر ممالک کی چیزیں خریدنے سے پرہیز کیا جائے۔ لیکن بائیکاٹ کے اصلی معنی یہ نہیں ہیں اور نہ ہمارے دوست اس لفظ کو محض ان معنوں میں استعمال کرتے ہیں۔ بائیکاٹ کو ان لوگوں نے دو حصوں میں تقسیم کر رکھا ہے۔ اوّل تجارتی، دوم پولیٹیکل۔ اگر آپ محض تجارتی بائیکاٹ کا خیال کیجئے تو اس سے سودیشی تحریک کو کچھ نہ کچھ مدد ملتی معلوم ہوتی ہے۔ لیکن کیا حب الوطنی کے پاک اور روحانی جذبہ کی جس پر سودیشی کا دارومدار ہے۔ ذاتی قوت کافی نہیں ہے کہ ہم اس میں دشمنی اور عداوت کے ادنیٰ جذبوں کو شریک کرتے ہیں؟ اگر واقعی حالت یہ ہے تو مجھ کو یہ کہنے میں ذرا بھی تامل نہیں ہے کہ ساری دنیا کی خصومت اور دشمنی سودیشی تحریک کو قائم نہیں رکھ سکتی۔ آپ کا جوش قوانین قدرت پر غالب نہیں آسکتا، یہ قدرت کا مسلمہ قانون ہے کہ کشاکش حیات میں قوی، کمزور پر غالب آتا ہے۔ اگر ایک بالشت بھر کا بونا، چاہے اس کے دل میں دنیا بھر کی عداوت اور خصومت بھری ہوئی ہو، ایک تنکا لے کر ایک ایسے دیو سے مقابلہ کرنے کو کھڑا ہو جو اچھے سے اچھے اسلحۂ جدیدہ سے مسلح ہو تو اس کا حشر کیا ہوگا؟ انگریزی مال کے بائیکاٹ کے یہ معنی ہیں کہ آپ دنیا کی سب سے بڑی تجارتی قوت سے، جو اس وقت آپ پر حکمراں بھی ہے، مقابلہ کرنے کے لئے تیار ہیں۔ مگر یہ کہنا کہ چونکہ آپ کے دل میں خصومت اور عداوت کے جذبے بھرے ہوئے ہیں اس لئے آپ اپنے ننھے ننھے کرگھوں اور ٹوٹے پھوٹے کارخانوں کے زور سے انگریزی تجارت کو مٹا دیں گے، بچوں کی سی باتیں کرنی ہیں۔ میں اس جوش اور ایثار کی قدر کرتا ہوں جو لوگوں کو اپنے ملک کی خراب اور مہنگی چیزوں کو غیر ممالک کی عمدہ اور سستی چیزوں پر ترجیح دینے پر آمادہ کرتا ہے، اور ایسے لوگوں کی تعداد میں جہاں تک اضافہ ہو اچھا ہے۔ لیکن ذرا ان صوبجات کی آبادی کا خیال کیجئے اور پھر سوچئے کہ ان کروڑوں آدمیوں کے مقابلہ میں ان چند ہزار کی تعداد کیا ہے جو اس قسم کے ایثار سے کمربستہ ہو سکتے ہیں؟ اگر آپ ایسا کریں گے، تو آپ پر ظاہر ہو جائے گا کہ بائیکاٹ کے ذریعے بدیسی مال کی درآمد نہیں رک سکتی۔ بڑے بڑے شہروں میں آپ کو چند آدمی ایسے مل جائیں گے جو اس قسم کے ایثار پر تیار ہوں لیکن بدیسی اشیاء اب ہر ضلع کے دور افتادہ مقامات تک میں پہنچ گئی ہیں، اور ان کا روکنا کسی کے بس کی بات نہیں۔ کسی کے بس میں زیادہ

قائم رہے گی۔ لوگ جوش و خروش کے ساتھ ناپسندیدہ طریقے اختیار کرتے جاویں گے اور ان ناپسندیدہ طریقوں پر کارروائی کرنے کی ضرورت پڑے گی۔

میں سمجھتا ہوں کہ ان نئے طریقوں کا ذکر مجھ کو کسی قدر تفصیل کے ساتھ کرنا چاہیئے۔ جہاں تک سودیشی کا تعلق ہے مجھ کو یہ کہنے میں ذرا بھی تامل نہیں ہے کہ اس طریقے کو اختیار کرنا ہر محب وطن کا فرض ہے۔ بقول مسٹر گوکھلے کے سودیشی کے اعلیٰ ترین معنی ہیں۔ وطن کا پُر جوش اور کامل عشق۔ ظاہر ہے کہ ایسی سودیشی سے کس کافر کو انکار ہو سکتا ہے۔ انگریز تو اس کے ہرگز ہرگز منکر نہیں ہو سکتے کیونکہ وہ خود پکے سودیشی ہیں۔ اگر آپ انگلستان جایئے تو وہاں ریلوے اسٹیشنوں پر تھیئٹروں کے باہر گاڑیوں پر، غرض کہ ہر چیز پر لکھا ہوا ملے گا "اپنے ملک کی چیزیں خریدو" اور آج تک کسی انگریز کی، حتیٰ کہ لارڈ کرزن کی بھی یہ ہمت نہیں پڑی کہ وہ سچی اور خالص سودیشی کے خلاف ایک حرف بھی زبان سے نکالیں۔ بلکہ وہ لوگ اور ان میں لارڈ کرزن بھی شامل ہیں بار بار سودیشی کی امداد کا وعدہ کرتے رہے ہیں۔ سودیشی کا خیال تو ہمارے ملک میں عرصہ سے موجود ہے لیکن اس نئی تحریک نے جس کا میں نے اوپر ذکر کیا ہے اس میں ایک نئی رُوح پھونکی ہے، اور اس کے اثر سے ملک کے مختلف حصص میں بہت سے نئے کارخانے کھل گئے ہیں اور دستی حرفتوں کی ترقی کی از سر نو فکر ہونے لگی ہے۔ اس نئے جوش کے ساتھ نئے نئے کارخانے ہمارے ملک میں قائم ہوں گے، ملک کی خام پیداوار بجائے ملک کے باہر جانے کے ملک کے اندر ہی رہے گی، اور آخر کار ہم ایک نہ ایک دن اس قابل ہو جاویں گے کہ غیر ممالک کے لوگوں سے تجارت میں کھلے بندوں مقابلہ کر سکیں۔ سچ تو یہ ہے کہ بدیشی چیزوں کی آمد تب ہی قطعی بند ہو سکتی ہے جب سودیشی چیزیں اُن سے اچھی اور سستی بننے لگیں، جب ہم اس قابل ہو جاویں گے، تو بدیشی چیزوں کی آمد روکنے کے لئے بائیکاٹ کی کوئی ضرورت نہ رہے گی اور ہم کو اپنے اغراض حاصل کرنے کے لئے ناپسندیدہ اور ناجائز طریقے استعمال نہیں کرنے پڑیں گے۔ یہ ہے وہ ترقی کا معیار جس کے لئے ہر ہندوستانی کو کوشش کرنی چاہیئے اور جہاں تک اس کے حصول میں فریق گرم مدد دیتا ہے، وہاں تک میں اس کا مشکور ہوں، لیکن جب وہ سودیشی سے گذر کر بائیکاٹ کی اشاعت شروع کرتا ہے، تو مجھ کو مجبوراً اُس کا ساتھ چھوڑ دینا پڑتا ہے۔

بعض لوگ کہتے ہیں بائیکاٹ سودیشی میں شامل ہے۔ اور بظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ

ایسے سیاسی حربہ سے جو ایک خاص غرض کے حصول کے لئے استعمال کیا جاتا ہے تعبیر کیا تھا، اور یہ بھی ارشاد فرمایا تھا کہ لحاظ اقتضاتِ موجودہ ہمارے بنگالی احباب اپنے اس فعل کے لئے معذور ہیں۔ واقعات موجودہ کی تشریح انہوں نے یوں فرمائی تھی :

"ہم سب جانتے ہیں کہ جب ہمارے بنگالی بھائیوں کو یہ معلوم ہوا کہ سابق وائسرائے کو کوئی چیز تقسیم بنگالہ سے باز نہیں رکھ سکتی اور اخبارات اور لکچروں میں اس کا اظہار بیزاری ان کی سب موضداشتیں بجنسہٖ معروض الیہ و سکریٹری ہند و پارلیمنٹ بیکار ہیں اور یہ کہ گورنمنٹ اپنی جابرانہ قوت ان کے دلی خوبیوں کو کچلنے اور ان کو نقصان پہنچانے میں صرف کرے گی، اور کہیں سے کسی قسم کا بچاؤ ان کو نہیں مل سکا تو مجبوراً و بالآخر انہوں نے تحریک بائیکاٹ سے کام لیا۔ اس کانگریس میں مسٹر سریندرو ناتھ بنرجی و دیگر مقررین نے ایسی ہی تقریریں کیں اور اس تمام بحث کا نتیجہ ذیل کی تجویز کی شکل میں ظاہر ہوا، تجویز ہوا کہ یہ کانگریس نہایت زور سے اپنی بیزاری کا اظہار اُن جابرانہ کارروائیوں کے خلاف کرتی ہے جو حکام نے بنگالہ میں اس وقت کیں جب کہ وہاں کے باشندے بدیسی اشیاء کے بائیکاٹ پر بطور آخری اظہار بیزاری مجبور ہو گئے تھے اور اُن کے لئے کوئی مناسب و جائز وسیلہ اہلِ انگلستان کی توجہ گورنمنٹ ہند کی حرکات کی طرف مائل کرنے کا باقی نہیں رہا تھا۔"

حضرات! اب ایک لحظہ کے لئے آپ یہ سمجھ لیں کہ موجودہ گورنمنٹ الہام سے متنبہ ہو کر سابق گورنمنٹ کی اس بڑی بھاری ناانصافی سے واقف ہو جائے، جو ہمارے بنگالی بھائیوں کے ساتھ کی گئی ہے اور تقسیم بنگال کے حکم کو منسوخ کر دے کیا ایسی صورت میں ہمارے بنگالی بھائیوں کا یہ فرض نہ ہوگا کہ وہ بائیکاٹ سے درگذر کریں؟ اور پھر سودیشی تحریک کا کیا حشر ہوگا جب کہ وہ اتنی بڑی حد تک بائیکاٹ پر منحصر ہے؟ یا تو اس کا وجود بغیر بائیکاٹ کے ممکن ہے یا ناممکن اگر ناممکن ہے تو کیا آپ سودیشی ملت کو جس کی بنیاد خالص عمیق اور محیط محبتِ وطن پر ہے حصولِ انتقام پر قربان و نثار کر دیں گے؟ بائیکاٹ کا منشا جیسا کہ مسٹر سریندرو ناتھ بنرجی نے بیان

استعمال کرنے والے عوام الناس ہی ہوا کرتے ہیں۔ اس لئے جب تک عوام میں بھی ایثار کا وہی جوش نہ پیدا ہو جیسا کہ اُس عالی نثار جماعت میں ہے جس کا میں نے ابھی تذکرہ کیا ہے اس وقت تک کوئی بیچ کی مال درآمد میں نہیں ہو سکتی۔ ہم اور آپ دونوں ہی اس امر سے خوب واقف ہیں کہ جماعت عامہ کو افلاس کی بیماری نے ایسا تباہ کر رکھا ہے کہ وہ باوجود اپنی دلی خواہش کے ایسا کرنے پر مجبور ہیں۔

ابھی اس امر کو بہت زمانہ باقی ہے کہ کسی دیہاتی کے قلب پر خیالات نقش کی جاسکے کہ اُسے اپنے ملک کے فائدہ کی غرض سے لنکا شیر کی بنی ہوئی دھوتی لینے سے پرہیز کرنا چاہیئے، اور اپنے خاندان کو اشد ضروریات پر ترجیح دے کر دیسی اشیاء پر اپنی گاڑھی کمائی کا زیادہ تر حصہ صرف کرنا چاہیئے۔ خیر یہ بھی سہی، ہم ایک قدم اور بڑھ کر تھوڑی سی دیر کے لئے مانے لیتے ہیں کہ ایک معمولی ہندوستانی گنوار کو آپ ایسا یقین دلانے میں کامیاب ہو بھی گئے۔ مگر تب اس سوال کا جواب کیا ہوگا کہ کیا صدا اُس طلب کے لئے کافی بھی ہوگی جسے ہم یوں معرض وجود میں لاتے ہیں؟

حضرات! کسی تجارتی کاروبار کی کامیابی تجارتی ہی اصول پر منحصر ہے اور سیاسی اصول کا اس میں دخل نہیں ہو سکتا۔ جب تک کہ انسانی فطرت برقرار ہے وہی تاجر کامیاب ہوگا، خواہ اُس کے سیاسی اصول اور اُس کی قومیت کچھ ہی کیوں نہ ہو، جس سے خریدار کو اپنی قیمت کے معاوضہ میں سب سے اچھی اور سستی چیز وصول ہوتی ہے۔

علاوہ بریں یہ بھی یاد رکھنا چاہیئے کہ ایسا صناع اپنی کاریگری میں کچھ ترقی نہ کرے گا جس کی بھونڈی اور بھدی اشیاء غیر مکمل ناقص اوزاروں سے بنی ہوئی آسانی سے فروخت ہو جایا کرتی ہیں۔ اس کی آزادی سے سرپرستی کرنے کا یہ نتیجہ ہوگا کہ آپ نہ صرف اپنی کاریگری اور اپنی ساختہ اشیاء کو دائماً ناقص رکھنے میں مدد دیں گے۔ بلکہ اُس سے اس کی قوت محرکہ کو بھی چھین لیں گے محض جس پر اُس کی ترقی کا دارومدار ہے۔ پھر یہ بھی ظاہر ہے کہ وہ حضرات جو سودیشی اور بائیکاٹ کے تو شل کے قائل ہیں۔ اول الذکر تحریک کے مقصد اور غرض کو بھولے ہوئے ہیں۔ ان کے قول کے مطابق بطور ایک سیاسی اسلحہ کے استعمال کیا گیا ہے اور تجارتی کا معیار سے اس کو کچھ نوعی نہیں۔ آنریبل مسٹر گوکھلے نے اپنی صدارتی تقریر میں بمقام بنارس بائیکاٹ کو ایک

اب ہمیں اس مسئلہ پر غور کرنا ہے کہ کیا ان صوبہ جات میں ہم کو بائیکاٹ کی بلا سیاسی حربہ کے، ضرورت ہے؟ اور کن کن صورتوں میں بائیکاٹ کا استعمال جائز ہے؟ ہم متذکرہ بالا ہر دو بنگالی کے بجنسہ الفاظ اس سوال کے جواب میں نقل کرنا چاہتے ہیں۔ مسٹر سریندر ناتھ بنرجی فرماتے ہیں:

"بائیکاٹ ایک سیاسی حربہ ہمارے قبضہ میں ہے اور ہم اشد ضرورت پر اس کے استعمال پر آمادہ ہیں۔ مگر اس وقت کہ جب اور سب کوششیں بیسود ہو چکی ہوں اور عوام الناس کی کافی اور قوی حمایت اس کے استعمال کو جائز اور اس کی کامیابی کو یقینی قرار دے۔"

مسٹر گوکھلے فرماتے ہیں:

"ایسے حربہ کو خاص خاص اوقات کے لئے رکھ چھوڑنا چاہیئے، اس کی ناکامیابی نہایت پُرخطر ہے اور کامیابی کے لئے عوام میں غیر معمولی جوش و خروش کی ضرورت ہے۔ جب بائیکاٹ کا استعمال کیا جائے گا، تو جن کے خلاف بائیکاٹ ہوگا ان سے ضرور دشمنی پیدا ہوگی اور کوئی شخص بلا خاص اور اشد ضرورت کے ایسے جذبات کے پیدا کرنے کی ذمہ داری نہیں لے سکتا۔"

حضرات اب آپ ذرا اس مسئلہ پر غور فرمایئے کہ ہمارے صوبہ میں کوئی ایسی خاص اور اشد ضرورت ہے کہ جو ہم کو گورنمنٹ کے خلاف ایسا خطرناک حربہ استعمال کرنے کے لئے مجبور کرتی ہے کہ جس سے ہم کو زخمی ہونے کا اندیشہ ہے؟ کوئی صاحب مجھ کو یہ بتلائیں کہ اس صوبہ میں عوام میں وہ غیر معمولی جوش و خروش گورنمنٹ کے خلاف کہاں ہے کہ جس کے بھروسہ پر ہی خواہانِ ملک اس پُرخطر طرزِ عمل کے اختیار کرنے کی صلاح دیں جس سے فریقِ ثانی کے دلوں میں غصہ اور دشمنی پیدا ہونا لازمی ہے؟ یہ ضرور ہے کہ ہم کو گورنمنٹ سے اکثر شکایتیں ہیں ہماری جائز اور ضروری درخواستوں پر توجہ نہیں کی جاتی اور ہمارے ساتھ حکام کا سلوک اچھا نہیں ہوتا۔ لیکن ہم نے ان شکایات کے دور کرنے کی اب تک کیا تدابیر کیں ہیں؟ سچ تو یہ ہے کہ سوائے کانگریس میں چند تجاویز پاس کر دینے کے ہم نے کچھ بھی نہیں کیا ہے۔ پس ہم کو کیا حق ہے کہ ہم باقاعدہ اور جائز طریقوں سے بیزاری ظاہر کرکے بائیکاٹ ایسے ناپسندیدہ طریقے کے پیچھے دوڑیں؟ دوسرا سوال یہ ہے کہ اگر ہم کو اپنے صوبہ میں کوئی ایسی خاص شکایت نہیں ہے، تو کیا ہم کو اہلِ بنگال سے ہمدردی ظاہر کرنے کے لئے اس طریقے کو اختیار کرنا چاہیئے؟ میں اس موقعہ پر اس سوال پر بحث نہیں

کیا ہے صرف اہلِ برطانیہ کی اس لاپروائی کے خلاف جو ان میں ہندوستانی اُمور سے ہوا کرتی ہے ناراضی کا اظہار کرنا ہے۔ اگر یہ غرض حاصل ہو گئی تو ایمانداری اس بات کی مقتضی ہو گی کہ اس کو بند کر دیا جائے اور اس کے خاتمے کے ساتھ ہی سودیشی کی ساری عمارت کا خاک میں مل جانا لازمی ہے۔ لیکن اگر سودیشی بعد تنسیخ تقسیم بنگالہ کے بغیر بائیکاٹ کے معرض وجود میں رہ سکتی ہے اور سچ تو یہ ہے کہ سودیشی ملت محبت وطن کی سب سے اعلیٰ تخیل کا نتیجہ ہے اور یہ ذرہ برابر بھی بائیکاٹ پر منحصر نہیں ہے۔ آخر الذکر اگرچہ ایک نہایت عمدہ قومی سیاسی آلہ ہو۔ مگر تاہم وہ ادنیٰ جذبات نفرت و انتقام سے منتج ہے، تجارتی و اقتصادی حیثیت سے سودیشی اور بائیکاٹ کا کوئی تعلق نہیں ہے، واحد اور سچا ذریعہ سودیشی تحریک کی مدد کا یہ ہے کہ ملکی حرفتوں اور صنعتوں کو زمانۂ جدید کے مطابق ترقی دی جائے، ہم کو اپنی ساری قوتیں اس میں صرف کرنی چاہئیں اور ہمارے مہاجنوں کو نئے کارخانے قائم کرنے اور ملکی اجناس خام کو ملک کے اندر ہی صرف کرنے کے تدابیر میں روپیہ خرچ کرنا چاہیئے۔ ایسے پرانے زمینداروں اور تعلقہ داروں کو جن کے پاس اب بھی سونا چاندی بہت گڑھا ہوا ہے اپنے مال و دولت کو نکال کر اس طرح صرف کرنا چاہیئے کہ انہیں اور اُن کے وطن دونوں ہی کو فائدہ پہنچے، کیونکہ ایسے باہمت اور اولوالعزم اصحاب کی تعداد بہت ہی قلیل ہے، جو اپنے وطن کی محبت میں اپنی دولت خرچ کر ڈالیں۔ ہم اپنے ملک میں ایسے دارالصناعات بنا دیں، جن میں ہمارے نوجوان کو جدید صنعت و حرفت کی تعلیم و تربیت دی جائے۔

حضرات! اس قسم کے چند اصلی اور واقعی طریقے ہیں۔ جن کی مدد سے سودیشی کی بنیاد مستحکم ہو سکتی ہے۔ آپ اس تحریک کو چند روز کے غصہ اور جوش سے فائدہ نہیں پہنچا سکتے۔ جس سے ایک جھوٹی خواہش تو پیدا ہو جاوے گی لیکن علت کے معدوم ہونے پر وہ خود بھی غائب ہو جاوے گی۔ ہماری اصلی مشکل کچھ تو ہمارے ہی اہلِ ملک بالخصوص دولتمند حضرات کی وجہ سے پیدا ہوتی ہے اور کچھ سرکار سے کافی مدد ابتدائی اور صنعتی تعلیم کی توسیع کے نہ ملنے سے بائیکاٹ ہماری خفیہ قوتوں کو بیدار نہیں کر سکتی اور ہندوستانی اہلِ دوَل کے پرانے تعصب کو دور نہیں کر سکتی۔ مگر اس میں کوئی شبہ نہیں کہ اس کی وجہ سے سرکار کی ہمدردی بالکل مفقود ہو جائے گی۔ پھر میں سمجھ نہیں سکتا کہ سودیشی کے مقاصد عُلویٰ کو اس کی کیا ضرورت ہے اور کیا حاجت ہے۔

انگریزوں کی حکومت کے شروع میں یہی سبب کہ اسکولوں میونسپل بورڈوں اور کونسلوں کے ہندوستانی ممبروں کا وجود بھی نہ تھا۔ یہ حالت اُس حالت سے خراب ہوگی۔ یہ یاد رکھئے کہ جو کچھ ہمکو پچھلے سو برس میں ملا ہے اس کا ہم کو نہایت بیش بہا معاوضہ دینا پڑا ہے۔ اگر ہم اِن چیزوں سے بلا سوچے سمجھے دستکش ہو جاویں گے تو بالواسطہ اور بلاواسطہ دونوں طرح ہمارا سخت نقصان ہوگا۔ اس تمام بحث کا نتیجہ یہ ہے کہ گو سودیشی کا کشادہ پیشانی سے خیر مقدم کرنا چاہیئے۔ لیکن بائیکاٹ ایسے پُرخطر حربہ کو ہاتھ نہیں لگانا چاہیئے۔ ہمارا فرض ہے کہ ہم اپنی تحریک کو جائز اور پسندیدہ طریقوں تک محدود رکھیں، میں تو یہاں تک کہوں گا کہ ان صوبجات میں ہم کو اپنا کام گورنمنٹ کے ساتھ ہمدردی اور اس کی نیت پر بھروسہ رکھ کر شروع کرنا چاہیئے۔

حضرات! میں گورنمنٹ کا طرفدار نہیں ہوں اور نہ گورنمنٹ کا وکالت نامہ میرے پاس ہے۔ میں آپ سے یہ ہرگز نہیں کہتا کہ آپ ذلت اور کمینہ پن کے ساتھ گورنمنٹ کی خوشامد کیجئے۔ آپ مرد ہیں اور مردانگی آپ کا جوہر ہے۔ آپ اپنے حقوق کے مالک ہیں اور ان حقوق پر آپ کو مردانگی کے ساتھ قائم رہنا چاہیئے۔ آپ کو جو کچھ شکایتیں ہیں ان کو مردانگی کے ساتھ بیان کرنا چاہیئے، جو اصلاحیں آپ چاہتے ہیں ان کو بیان کرنے میں اور نیز عملی جامہ پہنانے میں جرأت، ہمت اور استقلال سے کام لینا چاہیئے حق بات کہنے اور کرنے میں کسی کا خوف نہ کیجئے، اس کا مرتبہ کتنا ہی اعلیٰ ہو۔ حق کی قوت پر بھروسہ کیجئے اور اس کو نہ چھوڑیئے، چاہے اس کے پیچھے جان ہی کیوں نہ جاتی رہے۔ اپنے دل میں ارادہ کر لیجئے کہ آئندہ ہندوستان کے ساتھ ناانصافی نہ ہونے دیں گے۔ اور اس ارادہ کو پورا کرنے کے لئے نئے قوت اور قابلیت کہیں باہر سے نہیں پیدا ہوگی۔ بلکہ رفتہ رفتہ آپ ہی کے سرشت سے پیدا ہوگی بشرطیکہ آپ ایثار کے واسطے تیار ہوں۔ جس قوت اور قابلیت کا میں نے ذکر کیا ہے اس کے یہ معنی نہیں ہیں کہ آپ حکام کو گالیاں دینا شروع کر دیں۔ حاکم وقت سے مؤدبانہ برتاؤ کرنا مردانگی کے خلاف نہیں ہے۔ ہماری جو کچھ شکایتیں ہیں ان کے اصلاح کی فکر ضرور کرنی چاہیئے مگر ہم کو یہ یاد رکھنا چاہیئے کہ انگریزی حکومت میں ہم کو بہت سی برکتیں بھی حاصل ہوئی ہیں، جو کہ اس کے پیشتر ہم کو نصیب نہیں تھیں۔ مثلاً ہم سب پبلک کے جلسوں میں جمع ہو کر حکام وقت پر نکتہ چینی کر سکتے ہیں ہم کو چاہیئے کہ جو حقوق رفتہ رفتہ ہم کو مل چکے ہیں اس کے لئے شکر گذار ہوں اور انصاف اور حق پسندی کے

سنا چاہتا کہ اہل بنگال کا یہ فعل کہاں تک معقول اور قابل تعریف ہے؟ مگر ان لوگوں نے جو کچھ کیا ہے
بنی پوری ذمہ داری محسوس کر کے کیا ہے اور اُن کا بیان ہے کہ ان کے صوبہ میں عوام میں اس قدر جوش و
خروش موجود ہے کہ جو اس طریقہ کو عمل میں لانے کے لئے ضروری ہے۔ لیکن ہمارے یہاں تو جوش و خروش عامہ
ن کی موجودگی کامیابی میں شرط ہے مفقود ہے اور جب یہ کیفیت ہے تو ہم اس حربہ کے استعمال سے اہل بنگال
کوئی فائدہ نہیں پہنچا سکتے۔ ہمارے لئے بائیکاٹ کا طریقہ جاری کرنا پتھروں سے سر ٹکرانا ہے۔ ہندوستان
کسی اور صوبہ نے اس شکل میں بنگال سے ہمدردی نہیں ظاہر کی ہے اور ہمارے لئے بھی یہی بہتر ہے
ہم بالفعل اپنے سے زیادہ ترقی یافتہ صوبوں کی تقلید کریں۔

میں نے ابھی تک یہ ثابت کرنے کی کوشش کی ہے کہ بائیکاٹ اس "نرم" صورت میں بھی
جس کو کانگریس کی دو پچھلی اجلاسوں میں پسندیدگی کی نگاہ سے دیکھا گیا ہے) ہمارے صوبہ کے لئے
سب نہیں ہے، لیکن فریق گرم جس بائیکاٹ کا وعدہ کرتا ہے وہ اس "نرم" بائیکاٹ سے کہیں
ھ کر ہے۔ اس کا مطلب بائیکاٹ سے محض تجارتی بائیکاٹ نہیں ہے بلکہ وہ ہر انگریزی چیز کو بائیکاٹ
نے کی صلاح دیتا ہے اور کہتا ہے کہ ہم گورنمنٹ کا انتظام چلنے نہیں دیں گے۔ کبھی یہ بزرگ مزاحمت
ل (Passive Resistance) کا ذکر بھی کرتے ہیں جو معلوم تو اس قدر معنی خیز ہوتا ہے
در اصل بالکل بے معنی ہے۔ لیکن جب آپ سے یہ کہا جاتا ہے کہ گورنمنٹ سے کوئی تعلق نہ رکھئے تو اس
ایک نا ئک سا فرق بھی نکالا جاتا ہے، اور وہ یہ کہ محض اعزازی عہدوں کو چھوڑنے کی صلاح دی جاتی
لیکن فرائض حب الوطنی کے ادا کرنے کے لئے تنخواہ اور درماہہ کی رکاوٹ کیا معنی۔ ایک صاحب
تے ہیں کہ اگر طوائف الملوکی کے ساتھ آسودگی ہو تو طوائف الملوکی اس امن سے بہتر ہے جس کے ساتھ
س موجود ہو۔ لیکن بھلا کوئی ان سے یہ پوچھے کہ طوائف الملوکی کی حالت میں سوائے چور ٹھگوں کے
ہ حال کون ہو سکتا ہے؟ یہ بیانات اس قدر لغو ہیں کہ زبان سے نکلتے ہی ان کی تردید خود بخود ہو جاتی
مگر تعجب یہ ہے کہ ایسی لغویات سنجیدگی کے ساتھ بیان کی جاتی ہیں۔ میں تو یہ صاف صاف کہتا ہوں
رے ملک کی اس حالت پر خیال کرتے ہوئے دل دہلتا ہے جبکہ سب سرکاری اور امدادی اسکول اور
بند ہو جاویں گے، میونسپل اور ڈسٹرکٹ بورڈ ٹوٹ جاویں گے اور ہماری مجالس واضعان قانون
بلیا میں ہندوستانی نظر نہ آوے گا۔ اس وقت ہماری کیا حالت ہوگی "ناگفتہ بہ" جو کچھ ہماری حالت

میں سودیشی اور بائیکاٹ کی بحث کو اس قدر طول نہ دیتا اگر آج کل ملک میں ان کا اس قدر چرچا نہ ہوتا۔ اس بات کی اشد ضرورت ہے کہ ہم اپنی پہلی پراونشل کانفرنس میں ان دونوں مسائل کے متعلق اپنی رائے کو صاف صاف ظاہر کردیں میں نے اپنی رائے آپ کے سامنے بیان کردی:

اب مان نہ مان تو ہے مختار

اب میں آپ کی توجہ ایک ایسے مسئلہ کی طرف منعطف کرنا چاہتا ہوں جس کو میں خصوصاً ان صوبجات میں اور تمام مسائل سے زیادہ ضروری خیال کرتا ہوں اور یہ ہندو مسلمانوں کے اتحاد واتفاق کا مسئلہ ہے۔ اس اتحاد سے جیسا کچھ نفع ہوگا اس سے کبھی کسی نے انکار نہیں کیا ہے اصولاً تو ہر شخص اس کے ماننے کے لئے تیار ہے۔ ہندؤں اور مسلمانوں کے واجبی اور جائز تعلقات کا اظہار سر سید احمد خاں مرحوم نے نہایت پسندیدہ پیرایہ میں ذیل کے الفاظ میں کیا ہے:

"ہندو اور مسلمان، ہندوستان کی دو آنکھیں ہیں، اگر ایک کو ضرر پہنچے گا، تو دوسرے کو بھی کچھ نہ کچھ نقصان ہوگا"

ایک دوسرے موقع پر بھی صاحب موصوف نے اپنی رائے ظاہر کی تھی کہ:

"ہندو مسلمانوں کو مل کر کام کرنا چاہیئے اگر متفق ہو کر رہیں گے، تو ایک دوسرے سے مدد پہنچے گی، ورنہ دونوں پر تباہی آوے گی"

یہ سچ ہے کہ بعد میں سر سید احمد خاں صاحب نے کانگریس سے مخالفت کی تھی لیکن میں نے ان کی جس رائے کا اوپر ذکر کیا ہے اور جس کا اظہار انہوں نے ۱۸۸۴ء میں کیا تھا اس کی صداقت میں کبھی فرق نہیں آسکتا۔

ہز مجسٹی امیر کابل ابھی تھوڑے دن ہوئے ہندوستان تشریف لائے تھے ان کی عزت جیسے کہ مسلمانوں نے کی ویسے ہی ہندؤں نے کی اس مشرقی بادشاہ نے جس فراخدلی کا اظہار کیا اس پر کسی مغربی حکمران کو ناز ہو سکتا ہے۔ ہز مجسٹی امیر کابل نے ایک آن واحد میں کل معاملہ کو سمجھ لیا اور بار بار ہندو مسلمانوں کے اتحاد و اتفاق پر زور دیتے رہے۔ کلکتہ میں انہوں نے پشتو کا ایک شعر پڑھا تھا جس کے معنی ہیں کہ: کوئی گلی کوچہ کوئی جگہ ایسی نہیں ہے کہ جہاں ہندو مسلمان مل کر نہ رہ سکتے ہوں۔

اس شعر کا جو کچھ مطلب ہے ظاہر ہے، اس قول کی صداقت اظہر من الشمس ہے لیکن افسوس

اصولوں سے قوت مزید حاصل کر کے آئندہ اور حقوق طلب کریں۔

آپ جانتے ہیں کہ یہ ہماری پہلی کانفرنس ہے اگر میں آپ سے درخواست کرتا ہوں کہ آپ اپنا کام گورنمنٹ سے ہمدردی کے ساتھ شروع کیجئے، تو اس کے معنی یہ نہیں ہیں کہ آپ گورنمنٹ کے ساتھ شرفا کا برتاؤ کیجئے۔ ہم اپنی پولیٹیکل تحریک میں جائز اور صحیح طریقے برتنے چاہتے ہیں اور ہمارا منشا یہ ہے کہ حکام وقت کے ذریعہ سے اصلاحیں عمل میں لائی جاویں۔ اس حالت میں ہم کو گورنمنٹ سے قدم قدم پر سابقہ ہے۔ حکام وقت بھی آخر انسان ہیں اور ان کا یہ امید کرنا کہ آپ مہذبانہ اور معتدل طریقے سے اپنی خواہشوں کا اظہار کریں گے کچھ بے جا نہیں ہے۔ اس لئے مناسب معلوم ہوتا ہے کہ آپ جو حقوق طلب کریں وہ جائز اور مناسب ہوں اور آپ کا طرز گفتگو جادۂ اعتدال سے تجاوز نہ کرے۔ جب وکیل زیادہ شور و غل مچاتا ہے، تو جج فوراً سمجھ جاتا ہے کہ اس کا مقدمہ کمزور ہے۔ یہ تو آپ کو ماننا پڑے گا کہ حکومت کرنا کوئی آسان کام نہیں ہے۔ گورنمنٹ بھی اپنی دقتوں اور مصیبتوں میں مبتلا ہے اور اس کا منشا ہے کہ جس طرح آپ یہ چاہتے ہیں کہ گورنمنٹ آپ کی دقتوں کو محسوس کرے اسی طرح آپ کو اس کی دقتیں بھی محسوس کرنی چاہئیں۔ جو کچھ کہ میں نے آپ کے سامنے گورنمنٹ اور رعایا کے تعلقات کی نسبت بیان کیا ہے اس کا اطلاق خصوصاً اس وقت ہماری کانفرنس اور ہمارے صوبہ کی گورنمنٹ پر ہوتا ہے۔ ہماری کانفرنس نئی ہے اور ہمارے صوبہ کا حکمران بھی نیا ہے اور ابھی تک کوئی صریح اور معین پالیسی ایک نے دوسرے کے خلاف یا موافق اختیار نہیں کی ہے۔ میں آپ سے عرض کرتا ہوں کہ آپ اپنی کارروائی میں یا اپنی تجاویز میں کوئی بات ایسی نہ کیجئے کہ جس سے گورنمنٹ خواہ مخواہ آپ سے بھڑک جاوے۔ گورنمنٹ کو موقع دیجئے کہ وہ آپ کی مدد کرے۔ اگر اس کے بعد بھی آپ کی امیدوں کی برآری نہ ہو، تو آپ کو اختیار ہے کہ آپ اپنے حقوق کے حصول کے لئے پوری کوشش اور جد و جہد کیجئے۔ ساتھ ہی اس کے یاد رکھئے کہ اگر جو کچھ آپ چاہتے ہیں وہ آپ کو اپنی زندگی میں نہ ملے، تو یاس کا کوئی سبب نہیں ہے۔ اپنی اولاد کے لئے آپ بہترین ورثہ بھی چھوڑ سکتے ہیں کہ جو پیڑ آپ لگاتے ہیں وہ ان کے زمانے میں بارآور ہو۔ میں پھر آپ سے بصد ادب کہوں گا کہ تحریک کو کامیاب بنانے کے لئے ناجائز نہیں بلکہ جائز طریقے اختیار کیجئے۔ جو کچھ کہو تہذیب کو کام میں لائیں۔ اپنی عزت کا گر ساتھ ہی دوسرے کی عزت کا بھی خیال رکھئے۔

بڑھتا جاتا ہے۔ میں یہ نہیں کہتا کہ وہ ایسا دیدہ دانستہ کرتے ہیں۔ ہندو اور مسلمان دونوں کی پرانی تہذیب اور علم و ادب میں بہت سی ایسی باتیں ہیں کہ جو قابلِ ستائش و تعریف ہیں، ممکن ہے کسی حاکم کو ان میں سے ایک کے علم و ادب کے تحصیل کرنے کا شوق ہو اور اس وجہ سے اس کو ایک خاص گروہ سے خاص دلچسپی پیدا ہو گئی ہو۔ ممکن ہے کہ کسی حاکم نے محض عدل اور انصاف پسندی کے بنا پر بلا تفریق مذہب و ملت محض قابل اور لائق اشخاص کو ان کی قابلیت اور لیاقت کا صلہ دینا چاہا، لیکن اس فعل سے بلا اس کے ذاتی ارادے کے ایک گروہ بمقابلہ دوسرے گروہ کے زیادہ نفع پہنچا ہو۔ یہ ناممکن ہے کہ کسی حاکم کا تقرر ایسے حاکم کی جگہ پر ہوا ہو جو ہندوؤں کا طرفدار مشہور تھا اور اس حاکم کو بار بار یہ سنایا گیا ہو کہ مسلمانوں کی امیدیں اس کی ذات سے وابستہ ہیں اور آخر کار وہ یہ سنتے سنتے مسلمانوں کا طرفدار ہو گیا ہو۔ جہاں تک ان حکام کی ذات کو تعلق ہے یہ باتیں قابلِ اعتراض نہیں معلوم ہوتیں، لیکن رعایا کے دلوں میں اس قسم کی اعانت اور مخالفت سے دشمنی اور حسد پیدا ہوتا ہے۔ اگر سچ پوچھیے تو حکام کی طرفداری سے واقعی فائدہ کسی گروہ کو نہیں ہوتا ہے۔ اگر ایک گروہ کو دو چار عہدے زائد مل گئے یا کوئی برائے نام رعایت اس کے ساتھ کر دی گئی تو اس سے نہ تو اس گروہ کی اصلی ترقی میں اضافہ ہوتا ہے اور نہ گروہ مخالف کی واقعی ترقی رک سکتی ہے۔ فرض کیجیے کہ ایک حاکم ہندوؤں کا طرفدار ہو اور اس کے بعد مثل حکام نے مسلمانوں کی اعانت کی تب بھی قانونِ مساوات کے مطابق چند سال میں لیکھا ڈیوڑھا برابر ہو جاوے گا اور آخر میں دونوں کی حالت وہی ہو جاوے گی جو اعانت اور مخالفت شروع ہونے کے قبل تھی۔ یہ سب کچھ صحیح لیکن آئینہ دل میں زنگ کدورت باقی رہتا ہے اور خصومت و عداوت کا خمیازہ نسلاً بعد نسلاً ہم کو اٹھانا پڑتا ہے۔ اس سب کی وجہ یہ ہے کہ سرکاری نوکری کے معاملہ میں سمجھدار بھی ناسمجھی سے کام لے کر ایک دوسرے سے جھگڑا کرتے ہیں اور ان حکام کو جنہیں ہندوستان کے متحد اور متفق دیکھنے کی زیادہ خواہش نہیں ہے، مسرور کرتے ہیں۔ میری رائے میں سر ہنری کاٹن نے اپنی کتاب "نیو انڈیا" (ہندوستانِ جدید) میں جو کچھ اس مسئلہ پر لکھا ہے اس سے اس مرض کی جڑ کا پتہ لگتا ہے۔ صاحب موصوف فرماتے ہیں:

"سید احمد کے سے ذی عقل آدمی نے فوراً محسوس کیا کہ جب پولیٹیکل تحریک سے حکام ناراض ہیں اس کی مخالفت کر کے ایک قلیل جماعت قومی نفع حاصل کر سکتی

یہ ہے کہ ہم ایسے کام کرنے والے نہیں پاتے اس اعلیٰ قول پر عمل کرنے میں اور اس اعلیٰ خیال کو عمل میں لانے کے لئے کوشاں ہوں۔ آخر اس کی وجہ کیا ہے؟ مجھ کو مجبوراً قبول کرنا پڑتا ہے کہ گو مجھے اس بات کا یقین اعتقاد کے درجہ تک ہے کہ ہندوستان قعرِ ذلت سے نکل کر ضرور ترقی کرے گا اور گو ناامیدیوں سے میں جلدی گھبراتا نہیں ہوں تاہم جس وقت میں ہندو مسلمانوں کے نفاق کے اصلی اسباب پر غور کرتا ہوں اس وقت صبر و استقلال اور امید کا دامن مجھ کو اپنے ہاتھوں سے چھوٹتا نظر آتا ہے۔ اکثر اوقات حق بات کڑوی معلوم ہوتی ہے۔ لیکن سچ تو یہ ہے کہ موجودہ حالت دونوں گروہوں کے لیڈروں کے لئے باعثِ شرم ہے، خصوصاً اس وجہ سے کہ جو کچھ کشیدگی ہے وہ جہلا کی جہالت کا نہیں، بلکہ تعلیم یافتہ اصحاب کی غلطیوں کا نتیجہ ہے۔ کسی گاؤں میں جائیے آپ ہندو مسلمانوں کو ہنسی خوشی زندگی بسر کرتے ہوئے دیکھیں گے۔ اس کے برخلاف بڑے شہروں میں تعلیم و تہذیب کے اثر سے ظاہری برتاؤ تو آپ اچھا پاویں گے لیکن ذرا سے غور کے بعد آپ کو معلوم ہو جائے گا کہ ایک کو دوسرے کی طرف سے بے اعتباری ہے اور ہر وقت یہ خوف لگا رہتا ہے کہ فریق مخالف کسی سازش کی فکر میں ہے۔ ظاہر ہے کہ اس کیفیت کا اثر عوام پر بھی پڑتا ہے کیونکہ بہت سی باتوں میں عوام خواص کے مطیع ہوتے ہیں اور نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ جہلا میں بعض وقت جنگ و جدل تک نوبت آ جاتی ہے۔

لیکن گو میں نے لیڈروں کو اس معاملہ میں قصوروار ٹھہرایا ہے تاہم میں گورنمنٹ کے حکام کو بالکل بے قصور نہیں کہہ سکتا۔ ۱۷ مارچ ۱۹۰۷ء کو زمینداران بنگال کے سالانہ جلسہ میں مہاراجہ دربھنگہ نے اسی خیال کو ان الفاظ میں ظاہر کیا تھا:

> "ہم اس بات کو پوشیدہ نہیں رکھ سکتے کہ اکثر لوگوں کا یہ خیال ہے کہ گو دراصل یہ غلط ہی کیوں نہ ہو کہ کہیں کہیں حکام کی طرف سے ہندوؤں کو مسلمانوں سے اور مسلمانوں کو ہندوؤں سے لڑانے کی کوشش کی جا رہی ہے۔"

ممکن ہے کہ یہ کوشش ہر جگہ جان بوجھ کر نہ کی جاتی ہو۔ لیکن ان صوبجات میں ہم ایسے کلکٹروں، کمشنروں حتیٰ کہ لفٹنٹ گورنروں سے واقف ہیں کہ جو اپنے زمانۂ حکومت میں ہندو یا مسلمانوں کی طرفداری کرتے تھے اور کرتے ہیں، اور جن کے حرکات کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ ہندو مسلمانوں میں قیلولہ

لحاظ کر کے چند روز کے لئے "خاموشی" کی پالیسی قائم کرنے کی ترغیب دی تھی۔ وہ اسباب اب موجود نہیں ہیں اور سرسید کی پالیسی آزمائش کے بعد غلط ثابت ہو چکی ہے، پھر آخر کیا وجہ ہے کہ ساری آزمائشوں کے بعد بھی آپ اس بات کے روادار نہیں ہیں کہ "ہندوستان کی دو آنکھوں" میں ایک دوسرے کے لئے ہمدردی پیدا ہو؟ وہ کون سی بات ہے جو دو بھائیوں کو خوشی خوشی ملنے اور پیار سے ان کی خدمت کے لئے تیار ہونے سے مانع آتی ہے؟ اس کی وجہ سوائے اس کے کہ حکام والاشان سے خوشنودیٔ مزاج کے پروانے حاصل کئے جاویں اور کچھ نہیں ہے۔ اور جیسی جیسی ذلتیں کہ اس جدوجہد میں نصیب ہوتی ہیں اس کا حال کچھ چوٹ کھائے ہوئے دلوں سے پوچھئے۔ اے میرے مسلمان دوستو خدا اپنی عنایت فرمائے سے ہوشیار رہنا۔ اینگلو انڈین اخبارات اس وقت اپنے مطلب کے لئے تمہاری خوشامد کر رہے ہیں ان کے فقرے میں کہیں نہ آ جانا یہ یقین رکھئے کہ جس دن آپ کے گروہ میں اصلی قومی زندگی کے آثار پیدا ہوں گے اس دن آپ کو بھی "تلواروں کی آنچ" کی دھمکی دی جاوے گی۔ گو دو چار اعلیٰ عہدے آپ کے ہم مذہبوں کو مل گئے، تو کیا ہوا! بحیثیت مجموعی مسلمانوں کا اس میں نفع نہیں ہے۔ بلکہ نقصان ہے۔ قومی ترقی سرکاری عہدوں کے بھروسے نہیں ہو سکتی۔ اس کا راستہ دوسرا ہے: ؎

چھو لیا دھوکے سے دامنِ صبا تو نے تو کیا غنچۂ گل کہیں مٹھی میں ہوا آتی ہے

ضرورت اس بات کی ہے کہ آپس کی بے اعتباری دور ہو اور دونوں جماعتوں کے لیڈر خلوص اور نیک نیتی کے ساتھ مل کر کام کرنے کی کوشش کریں۔ جس دن یہ ہوا اس دن ہندوستان کے سارے مسلمان اور ہندو شیر و شکر ہو جاویں گے اور اتفاق کی قوت ان کو ایسا قوی بنا دے گی کہ دنیا دیکھ کر عش عش کرے گی۔ اگر ایسا نہ ہوا اور مسلمان اور ہندو ایک دوسرے سے اسی طرح لڑتے جھگڑتے رہے، تو وہ کبھی اس قعرِ ذلت سے نہیں نکل سکیں گے جس میں کہ اس وقت دونوں پڑے ہوئے ہیں۔

زمانۂ گذشتہ میں جو کوششیں دونوں جماعتوں کے لیڈروں کو یکجا کرنے کی، کی گئیں، وہ بے سود ثابت ہوئیں۔ مثلاً ۱۸۸۵ء میں شاہزادہ سر جہان قدر مرزا محمد واحد علی بہادر نے کونسل میں سوال کر کے یہ خواہش ظاہر کی تھی کہ لوکل گورنمنٹوں کو ہدایت کی جائے کہ وہ مسلمانوں اور ہندوؤں میں اتحاد و اتفاق بڑھانے کے لئے مختلف شہروں میں کمیٹیاں مقرر کریں۔ گورنمنٹ کی طرف سے اس کا یہ جواب دیا گیا تھا کہ گورنمنٹ کا کام ملک میں امن و امان قائم رکھنا ہے۔ ہندو مسلمانوں میں اتحاد پھیلانے

> ہے اور یہ سمجھ کر انہوں نے اپنی پوری قوت اس قومی تحریک (یعنی انڈین نیشنل کانگریس) کی مخالفت میں صرف کردی۔ جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ ان کے ہم مذہبوں کے ایک گروہ کثیر نے ان کے مشورہ پر کاربند ہونا پسند کیا۔"

کوئی ایسی پالیسی جو مصلحتِ وقت پر مبنی ہو، دیرپا نہیں ہو سکتی۔ لیکن شروع شروع میں حکامِ وقت کی طرف سے جس طرح کانگریس کی مخالفت کی گئی ہے اس کو خیال کر کے سر سید احمد ایسے دور اندیش بزرگ کو بھی ایک حد تک ہم معذور خیال کر سکتے ہیں۔ مگر اب زمانہ بدل گیا ہے کانگریس کی پولیٹکل تحریک کے جواز پر موجودہ سکریٹری آف اسٹیٹ اور دوسرے انگریزی مدبروں کی مہر لگ چکی ہے۔ اس میں شک نہیں کہ ہمارے پرانے عنایت فرما اینگلو انڈین اخبارات وہی پرانا "لداگ الاپے جاتے ہیں" اور جب پرانے فرسودہ دلائل بیان کرتے کرتے تھک جاتے ہیں تو تلوار کی آنچ کی دھمکی دینے لگتے ہیں۔ لیکن ان صاحبوں کی "ایڈیٹرانہ" تلوار کی آنچ ہماری نظروں میں وہی وقعت رکھتی ہے، جو ان کے قلم سے نکلا ہوا زہر۔ ہندوستان میں آج کل مختلف قسم کی وبائیں پھیلی ہوئی ہیں اینگلو انڈین اخبارات کا شمار بھی انہیں میں ہے۔ سا اینگلو انڈین اخبارات کو چھوڑ کر ہم یہ کہہ سکتے ہیں کہ عموماً انگریز چاہے وہ سرکاری عہدیدار ہوں یا نہ ہوں، کانگریس کی تحریک کو جائز اور واجب خیال کرتے ہیں۔ پس معلوم ہوا کہ جس چیز نے سر سید احمد کو کانگریس کی مخالفت پر آمادہ کیا تھا وہ اب نہیں ہے۔ سر سید کے شاگرد بیس برس سے اسی پالیسی پر چل رہے ہیں لیکن آج بھی ان کی پولیٹکل حالت ویسی ہی ہے جیسی کہ پہلے ہی دن تھی۔ صرف یہی نہیں بلکہ جہاں تک پولیٹکل تحریک سے پرہیز کرنے کا تعلق ہے ہمارے مسلمان احباب بھی سر سید کے مشورہ پر کاربند ہونے کو آمادہ نہیں ہیں۔ انہوں نے اپنا کعبہ الگ بنانا شروع کیا ہے اور اس نئی کانگریس کے ذریعہ سے وہی حقوق اب طلب کئے جاویں گے جن کو ۲۰ برس سے مانگتے مانگتے ہندوؤں کا گلا بیٹھ گیا ہے۔ یہ سب کچھ صحیح مگر مسلمان احباب اس بات پر اڑے ہوئے ہیں کہ انڈین نیشنل کانگریس میں نہ شریک ہوں گے۔ اس اسلامی کانگریس کا نام "آل انڈیا مسلم لیگ" ہے۔ لیکن بقول شیکسپیر کے گلاب کا نام آپ کچھ ہی رکھیئے رنگ و بو میں فرق نہیں آوے گا۔

> وہی اک ریسماں ہے جس کو ہم تم تار کہتے ہیں   کہیں تسبیح کا رشتہ کہیں زنار کہتے ہیں

اصلیت یہ ہے کہ جیسا میں اوپر عرض کر چکا ہوں جن اسباب نے سر سید کو مصلحتِ وقت کا

ممکن ہے کہ وہ ہندوؤں کے بالکل برابر نہ ہوں، لیکن وہ روز بروز ترقی کر رہے ہیں، ان میں اچھے
مدبّر، جج اور مقنن پیدا ہو چکے ہیں۔ ابتدائی تعلیم میں ہندو اور مسلمان دونوں یکساں پیچھے ہیں۔ ان صوبوں
کی پچھلی مردم شماری سے معلوم ہوتا ہے کہ ہندوؤں میں دس ہزار میں ۱۹۷، اور مسلمانوں میں ۱۸۲ ایسے
ہیں جو پڑھ لکھ سکتے ہیں۔ دس ہزار میں پندرہ کا فرق کچھ بھی نہیں ہے۔ اصلی فرق دونوں گروہوں کی
تعداد میں ہے۔ اگر ہم ان صوبجات کی آبادی کو لیویں تو دس ہزار میں ۸۵۲۲ ہندو اور ۱۲۱۱ مسلمان
اور باقی جَین، سِکھ، آریہ اور بدھسٹ ہیں، جن کو اگر سچ پوچھیے تو ہم ہندوؤں میں شامل کر سکتے
ہیں۔ دونوں جماعتوں کی جب تعداد میں اس قدر فرق ہے، تو اعلیٰ تعلیم پانے والوں کی تعداد
کیونکر برابر ہو سکتی ہے۔ تعلیم یافتہ ہندوؤں کی تعداد ضرور مسلمانوں سے زیادہ ہوگی۔ اس وجہ سے
نہیں کہ مسلمان تعلیم میں پیچھے ہیں، بلکہ اس وجہ سے کہ ہندوؤں کی آبادی مسلمانوں سے کئی گنا زیادہ
ہے۔ پس امتحان مقابلہ کے خلاف جو دوسرا اعتراض پیش کیا جاتا ہے، وہ بھی کچھ وقعت کے
قابل نہیں ہے۔ جو تناسب اس وقت فریقین کے تعلیم یافتہ گروہوں کی تعداد میں قائم ہے وہ ہمیشہ
قائم رہے گا اور امتحان مقابلہ کے لئے جتنے مسلمان آج تیار ہیں تعداد کا لحاظ کر کے اس سے
زیادہ تیار کبھی نہیں ہو سکتے۔ اور جتنا ہی جلد وہ ہندوؤں کے ہم آواز ہو کر مقابلہ کے امتحان
کی اجرا کی کوشش کریں، اتنا ہی ملک کے لئے بہتر ہے۔ نامزدگی کا طریقہ جو آج کل جاری ہے
اس کے معنی محض یہ ہیں کہ سرکاری نوکری میں خاص خاص حکّام کے آوردوں کی بھرتی کی جاوے۔
اور پھر یہ بھی سوچیے کہ ملازمت سرکاری سے کسی قوم کا بیڑا پار نہیں ہو سکتا، اب وقت
آگیا ہے کہ ہندو اور مسلمان اپنی توجہ دوسرے شعبوں کی طرف مائل کریں۔ سرکاری عہدوں کی تعداد
اتنی بھی تو نہیں ہے کہ اگر وہ محض ایک ہی جماعت کے لوگوں کو دیئے جاویں، تو اس جماعت کے کل
تعلیم یافتہ لوگوں کے لئے کافی ہوں۔ اس لئے ہندوؤں اور مسلمانوں دونوں کو یا تو وکالت، طبابت، ڈاکٹری
اور دیگر علمی پیشوں کی طرف توجہ کرنی چاہیئے، یا صنعت اور حرفت کے میدان میں قدم رکھنا چاہیئے۔
اگر کام کرنے والا ہو تو اس میدان میں ابھی بہت گنجائش ہے۔ سرکاری عہدوں کے لئے جھگڑنے میں
جو وقت اور قوت صرف ہوتی ہے، وہ اگر کسی اچھے کام میں لگائی جاوے، تو اس سے کچھ نفع حاصل
ہو سکتا ہے۔ ہندوؤں کو اس معاملہ میں مسلمانوں کے ساتھ رعایت کرنی چاہیئے۔ اس حقیقی مسئلہ

ان کے لیڈروں کا کام ہے، تاہم گورنمنٹ کے طرف سے خصوصاً ممالک مغربی و شمالی میں مذہبی ا[illegible] دور کرنے کی غرض سے لوکل کمیٹیاں قائم کی جا رہی ہیں۔

جو کچھ گورنمنٹ نے مذہبی اختلافات پر کہا تھا، وہی پولیٹکل اختلافات پر بھی صادق آ[illegible] مجھ کو نہیں معلوم کہ ان لوکل کمیٹیوں کا کیا حشر ہوا، اور ان کو اپنے کام میں کہاں تک کامیابی حاصل بہرحال اس وقت اس قسم کی کمیٹیاں موجود نہیں ہیں اور مذہبی جھگڑوں کے دور کرنے کے لئے ان کی ضرورت نہیں ہے، کیونکہ خوش قسمتی سے مذہبی جھگڑے روز بروز کم ہوتے جاتے ہیں۔ لیکن اگر اس قسم کی کمیٹیاں یا انجمنیں پولیٹکل اختلافات کے دور کرنے کے لئے قائم ہوں تو ان سے بہت کچھ فائدہ کی امید ہو سکتی ہے۔ آپ کو یاد ہوگا کہ میں نے اپنی اسپیچ کے شروع میں کانفرنس کے متعلق لوکل کمیٹیاں قائم کرنے کی رائے دی ہے، ہر ضلع کے ہندو اور مسلمان لیڈروں کو ان کمیٹیوں میں شریک ہونے کی دعوت دی جا سکتی ہے اور یہی کمیٹیاں اتحاد و اتفاق کا آلہ بن سکتی ہیں۔ بشرطیکہ جو لوگ ان میں داخل ہوں، وہ داخل ہوتے وقت اس بات کا صدق دل سے وعدہ کریں کہ مذہبی اختلافات و تعصبات کو کمیٹی سے دور رکھیں گے۔

یہاں تک تو کچھ زیادہ دقت نہیں ہے، اصل مشکل اس وقت پڑتی ہے جب کہ ہندو مسلمانوں کے پولیٹکل اختلاف پر غور کیا جاتا ہے۔ اختلاف زیادہ تر دو معاملوں کے نسبت ہے اول امر کا تعلق نوکریوں سے دوسرے کونسلوں، میونسپل بورڈوں اور ڈسٹرکٹ بورڈوں میں ممبروں کا انتخاب۔ یہ سب مانتے ہیں کہ سرکاری کام بہترین طریقے سے اسی وقت ہو سکتا ہے جب کہ لائق سے لائق آدمی جو مل سکیں نوکر رکھے جائیں۔ اسی بنا پر ہندو چاہتے ہیں کہ امتحان مقابلہ سرکاری ملازمت کا ذریعہ قرار دیا جاوے۔ مسلمان اس کے خلاف دو اعتراض کرتے ہیں۔ اوّل یہ کہ مقابلہ کے امتحان میں ہر طرح کی قابلیت، لیاقت کا پورا پورا اظہار نہیں ہو سکتا اور دوسرے یہ کہ مسلمان ہندوؤں سے تعلیم میں پیچھے ہیں۔ پہلا اعتراض صحیح ہے۔ لیکن دقت یہ ہے کہ امتحان مقابلہ گو ناقص ہے تاہم لیاقت کی لیاقت دریافت کرنے کا کوئی طریقہ اس سے بہتر آج تک دریافت نہیں ہوا ہے۔ انگلستان میں سرکاری ملازمت کے لئے اور نیز انڈین سول سروس کے لئے یہی طریقہ رائج ہے۔ دوسرا اعتراض اس کے متعلق مجھ کو یہ عرض کرنا ہے کہ مسلمان ہندوؤں سے اتنے پیچھے نہیں ہیں، جتنا کہ وہ سمجھتے ہیں

فائدہ و نفع کے لئے کیا ہے، اس پر اظہار شکر و امتنان کیا جائے۔ گذشتہ چند روز کے اندر گورنمنٹ کی طرف سے چند ایسی کارروائیوں کا جو عمل میں آچکی ہیں یا جو عنقریب عمل میں لائی جائیں گی، اعلان کیا گیا ہے۔ نمک کا محصول تخفیف ہو کر ایک روپیہ فی من رہ گیا ہے۔ جس کے لئے سچے دل سے ہم احسان مند ہیں۔ ہم امید کرتے ہیں کہ آئندہ اس محصول کی تنسیخ کی طرف قدم اٹھایا جائے گا۔ کیونکہ یہ محصول گو کتنا ہی قلیل کیوں نہ ہو، ہمیشہ غرباء کے لئے باعثِ تکلیف ہے۔

اس کے بعد انتظام قحط کے متعلق ایک نظام جدید کی اشاعت کی گئی ہے۔ اس کا انتظام یوں ہو گا کہ ہر صوبہ میں ایک مستقل فنڈ قائم کیا جائے گا اور سالانہ ایک رقم خاص ہر صوبہ کو دی جایا کرے گی تاکہ ضرورت کے وقت اور حالت قحط و تکلیف میں کام آئے۔ اس کا بھی انتظام کیا گیا ہے کہ اگر سخت قحط پڑنے کی وجہ سے کسی خاص صوبہ کی جمع شدہ امانت ختم ہو جائے، تو ملکی خزانے سے نصف خرچ ادا کیا جائے گا۔ ان صوبجات کو ساڑھے چار لاکھ روپیہ سالانہ اس فنڈ کے لئے ملے گا اور کل رقم جمع ہو کر آخر میں تیس لاکھ ہو گی۔ یہ بیشک ایک نہایت عادلانہ انتظام ہے اور موجودہ طریقہ سے کہیں بہتر ہے۔ جس کی وجہ سے اکثر صوبوں کا قریب قریب دیوالیہ نکل جایا کرتا تھا اور لہٰذا ہم کو انتظام جدید کے لئے شکر گذار ہونا چاہیئے۔ لیکن اگرچہ یہ انتظام عین سخاوت پر مبنی ہے، تاہم اس کا مجوزہ علاج کافی نہیں ہے۔ ابھی کچھ اور کرنا باقی ہے، جس کا ہم کو نہایت بے چینی کے ساتھ انتظار ہے۔ وہ یہ کہ خوشحالی کے زمانہ میں اس قسم کی امداد رعایا کو دی جائے کہ تکلیف یا مصیبت کے وقت وہ اس کی چنداں پرواہ نہ کریں اور اس کا مقابلہ زیادہ آمادگی کے ساتھ کر سکیں اور اس کی صرف یہی ایک صورت ہے کہ سرکاری مال گذاری کا بوجھ ہلکا کر دیا جائے۔

صیغۂ تعلیم میں جو اصلاح عنقریب رائج ہوا چاہتی ہے وہ بھی نہایت اہم اور قابلِ غور ہے۔ ابتدائی تعلیم تمام ہندوستان میں بلا فیس جاری کر دی جائے گی۔ اس کا ذکر سب سے پہلے آنریبل مسٹر بیکر نے اپنی تقریر میں وائسرائے کی کونسل میں بجٹ پیش کرتے ہوئے ۲۰ تاریخ ماہ حال کو کیا تھا۔ اس امر کا اعلان کیا گیا ہے کہ اگرچہ بجٹ میں کوئی رقم اس مد میں متعلق مہیا نہیں کی گئی ہے جس کا خرچ تنسیخ فیس ہائے ابتدائی مدارس کی وجہ سے بڑھ جاوے گا۔ تاہم سکریٹری آف اسٹیٹ ہند نے یقین دلایا ہے کہ اگر مالی حیثیت سے کوئی مناسب انتظام و ترکیب قابلِ عمل تجویز کی گئی تو وہ سال کے اندر ہی اس کا نفاذ

کا حل یوں ہی ممکن ہے کہ دونوں طرف سے رعایت کا خیال پیدا ہو اور دونوں کو ایک دوسرے کا پاس خاطر مدنظر ہو۔ امتحان مقابلہ کے ساتھ ہی ساتھ یہ بھی ممکن ہے کہ مسلمانوں کی خاطر سے ہر دو فریق کے لئے ایک خاص تعداد سرکاری عہدوں کی مقرر کر دی جائے۔ مگر یہ تبھی ہو سکتا ہے جب ہندو اور مسلمان لیڈر نیک نیتی اور خلوص کے ساتھ ایک جگہ جمع ہو کر اس کے طے کرنے کی کوشش کریں۔ ایسے موقع پر ہندوؤں پر فرض ہو گا کہ وہ ملازمت سرکاری کے معاملہ میں آبادی کے تناسب پر زور نہ دیں اور مسلمانوں کا یہ فرض ہو گا کہ آبادی کے تناسب کا خیال رکھ کر مساوات کا خیال چھوڑ دیں۔

دوسرا سوال کونسلوں کے ممبروں کے انتخاب کے متعلق پیدا ہوتا ہے، اور اس کے لئے بعض ہمارے مسلمان دوستوں کے بڑے بڑے دعوے ہیں۔ ان کی طرف سے یہ خواہش ظاہر کی گئی ہے کہ نہ صرف مسلمان ممبروں کے انتخاب کے لئے مسلمانوں کی انتخاب کرنے والی جماعتیں الگ مقرر کی جاویں بلکہ باوجود آبادی کے بین فرق کے ہندو مسلمان ممبروں کی تعداد مساوی رکھی جاوے۔ یہ ضرور ہے کہ جس گروہ کی تعداد کم ہو اس کے حقوق کی حفاظت کا خاص طور سے خیال رکھا جانا چاہیئے۔ لیکن ساتھ ہی اس کے انتخاب کا اصول اس بات کی اجازت نہیں دے سکتا کہ جس گروہ کی آبادی زیادہ ہو اس کے حقوق کو کم تعداد والے گروہ کے مقابلہ میں قربان کر دیا جاوے۔ اس موقعہ پر اس مسئلہ کی بحث فضول ہے۔ کیونکہ یہاں اس صوبہ کے مسلمان لیڈر موجود نہیں ہیں اور ان کی غیر حاضری میں کوئی نتیجہ اس مباحثہ سے پیدا نہیں ہو سکتا۔ میں صرف اس قدر کہہ دینا کافی سمجھتا ہوں کہ یہ قضیہ بھی طے ہو سکتی ہے۔ بشرطیکہ ہندو اور مسلمان لیڈر ایک جگہ جمع ہو کر خلوص اور نیک نیتی کے ساتھ اس کے طے کرنے کی کوشش کریں۔

حضرات! اب تک میں نے آپ کا عزیز وقت اور گراں بہا توجہ پر مداخلت بیجا ایسے امور کے متعلق کی ہے، جنہیں اندرونی یا داخلی کہہ سکتے ہیں۔ میں یہ ضروری سمجھتا ہوں کہ پہلے ہم اپنے گھر کا انتظام درست کریں اور اس کے بعد خارجی اصلاحات شروع کی جاویں۔ آپ نہایت قابلیت کی تقریریں، مختلف تجاویز کی تائید میں جو کانفرنس کے سامنے پیش ہوں گی، سنیں گے، اس لئے میں نہایت ضروری مسائل زیر غور پر اس وقت مختصر سی بحث کرنا کافی تصور کرتا ہوں۔

ان مسائل پر بحث کرنے سے قبل اور سب سے پہلے ہمارا یہ فرض ہے کہ جو کچھ سرکار نے ہمارے

[illegible] کالج کو آئندہ تعلیم پہنچانا۔ دہلی کے [illegible] کالج [illegible] سکول میں تعلیم علم الٰہیات کے لئے وظیفہ کا تقرر اور صوبہ کی صنعتوں اور دستکاریوں کو ترقی دینے کے لئے کمیٹی پر اس کی منظوری کی بابت صوبہ [illegible] مالی تخمینہ جو کہ شب گذشتہ کو کونسل میں پیش ہوا تھا اور جس پر بحث ہوگی میں اس پر اس وقت تفصیلی بحث کرنا نہیں چاہتا۔ لیکن تین خاص مدات پر میں توجہ مبذول کرانا چاہتا ہوں کیونکہ وہ واقعی نہایت تعجب انگیز ہیں۔ وہ مدیں حسب ذیل ہیں:

ہز آنر لیفٹننٹ گورنر کے لئے ایک نئی ٹرین کی تیاری کا خرچ ۷۰۰۰۰

لکھنؤ میں گورنمنٹ ہاؤس کے باغ کی توسیع ۱۵۰۰۰

دہرہ دون میں نئی سرکٹ ہاؤس کی تعمیر ۷۵۰۰۰ میزان ۲۹۵۰۰۰

اب ملاحظہ فرمائیے کہ اس تقریباً تین لاکھ روپے کی منظوری کو اس ۲۵۰۰۰ کی رقم سے کیا نسبت ہے جو ۰۰۰۰۰۰ [illegible] کی صنعتی و حرفتی ترقی کے لئے منظوری ہوئی ہے۔ ہم کو امید کرنی چاہیے کہ آئندہ اس سے بہت بڑی رقم حرفت و صنعت کی ترقی اور فوری اصلاحات کے لئے منظور کی جاوے گی۔

اب میں چند دیگر سوالات کی جانب متوجہ ہوتا ہوں جن پر ہمیں غور کرنا ہے اور جو بہت ہی فوری اور مفید ہونے کے علاوہ نہایت ہی وسیع بھی ہیں۔ وہ مسائل یہ ہیں:

صوبہ کی مالی حالت ۔ لوکل اور میونسپل بورڈوں کی حالت ۔
مال گذاری۔ تعلیم ۔ مجالس وضع قوانین۔ سرکاری ملازمت۔
عدالت۔ تحریک سودیشی۔ ہائی کورٹ اور عدالت جوڈیشنل کمشنر کا
الحاق۔ طریقہ بیگار۔ آبپاشی۔ آبکاری۔ اور تیسرے درجہ
کے مسافرین ریل کی تکلیفات۔

یہ سب وہ امور ہیں جن پر ہم بحث کریں گے۔ میں نے ابھی ان میں سے چند کا ذکر گورنمنٹ کے طرز عمل کے متعلق کیا ہے۔ اگر میں ہر ایک مسئلہ پر کچھ نہ کچھ بحث کروں تو میری تقریر بہت زیادہ طویل ہو جائے گی۔ مگر میں مختصراً [illegible] صوبہ کی مالی حالت اور تعلیم کے متعلق جو ہم [illegible] [illegible]

[illegible] کے اس اعلان کے بعد ہی نہایت قابلِ تعریف سرعت اور تیزی کے ساتھ گورنمنٹ ہند نے ایک ڈکسٹی چٹھی تمام لوکل گورنمنٹوں کے نام ان کی رائے دریافت کرنے کی غرض سے جاری کی ہے۔ یہ بلاشبہ ایک ایسی اصلاح بجملہ دیگر اصلاحات کے ہے جس کے لئے ہم کو موجودہ لبرل گورنمنٹ کا نہایت شکرگزار ہونا چاہیئے۔ فیس کی تنسیخ کے بعد جبریہ تعلیم کا نمبر ہے۔ جب ہماری معلومات بتلاتی ہے کہ مفت کی تعلیم کا انگلستان سے ملک پر اس وقت تک چنداں اثر نہیں پڑا اور نہ اس کو کافی ہی سمجھا گیا جب تک وہ جبریہ قرار نہ دی گئی، تو ہم یہ نتیجہ اخذ کرسکتے ہیں کہ ہندوستان کے عوام الناس بھی اس سے بغیر بالائی جبر و دباؤ کے منتفع نہ ہوں گے۔ نظر بریں امر کہ تجویز زیر غور کا نفاذ صرف موجودہ مدارس سے متعلق ہوگا جن کی تعداد اس وقت بہت زیادہ نہیں ہے، میرے خیال میں خرچ کے لحاظ سے بہت تھوڑا فرق ہوگا اگر ان خطوں میں جہاں ابتدائی مدارس موجود ہیں، لڑکوں اور لڑکیوں کی تعلیم جبریہ کردی جائے۔ یہ تو اصلاح کی ابتدا میں ہو، اور بعد ازاں اس انتظام کو ان حصص ملک میں بھی جاری کیا جائے جہاں فی الحال اسکولوں کا وجود نہیں ہے۔ بلکہ ہمارا یہاں تک منشاء ہے کہ ہندوستان میں ہر درجہ و طبقہ کے لئے ابتدائی تعلیم جبریہ قرار دی جاوے۔

دو اور نہایت ضروری اور بڑی اصلاحیں گورنمنٹ کے زیر غور ہیں۔ یعنی اصلاح و توسیع مجلس واضعان قوانین اور ایگزیکٹو و جوڈیشل اختیارات کی علیحدگی۔ ابھی یہ نہیں معلوم کہ دونوں مسئلے کس طرح کی صورت و شکل اختیار کریں گے، لیکن اینگلو انڈین ممبر پارلیمنٹ کی گھبراہٹ ان اصلاحات کے متعلق کچھ دیتی ہے کہ ان کے متعلق کوئی مفید تغیر جلد واقع ہونے والا ہے۔ ہم جانتے ہیں کہ گورنمنٹ ہند کی مراسلت مجلس واضعان قوانین کی اصلاح کے متعلق انگلستان روانہ ہوچکی ہے، لیکن اس کی کیا ضرورت ہے کہ ہم فیصلہ قطعی کے انتظار میں ہاتھ پر ہاتھ دھرے بیٹھے رہیں۔ ہمیں اپنے دعاوی و خواہشات کے اظہار کو برابر جاری رکھنا چاہیئے، جن کا بجا ہونا اب بلاشبہ تسلیم کرلیا گیا ہے۔

یہ دو نہایت ضروری اصلاحیں ہیں، جن کا افتتاح گورنمنٹ کے ہاتھوں سے ہوا ہے۔ لیکن ہم اپنے صوبہ کی گورنمنٹ کی ان مساعی کو جو اس جانب ہوئیں نظرانداز کرنا نہیں چاہتے بلکہ ان کے نہایت شکرگزار ہیں۔ ان مساعی کی تفصیل یہ ہے کہ ترقی زراعت کی انتظام میں روپیہ خرچ

برابر نا قابل برداشت حد تک بڑھتا جا رہا تھا، بہ الفاظ دیگر [illegible]۔

تعلیمی معاملات میں مسٹر گوکھلے صاحب کی معلومات [illegible] بہت بڑے معلومات تھے۔ ۱۹۰۱ء کے سالانہ بجٹ میں انہوں نے اس صوبے کی تعلیمی ضرورتوں کو بیان کیا جو اس وقت اشد ضروری خیال کی جاتی تھیں۔ ان سب اصلاحات و ترقیات کے اجرا کے واسطے جن کی انہوں نے سفارش کی تھی (جن میں فنی تعلیم، صنعتی و حرفتی، عام ابتدائی و ثانوی تعلیم اور خرچ تعمیر وغیرہ سب شامل تھے) ۲۴ لاکھ سالانہ [illegible] تخمینہ کیے گئے تھے اور یہ بھی کہا گیا کہ باوجود اس ضروریات کے بھی کل خرچ تعلیم پر سرکاری خزانے سے ۱۰ لاکھ سالانہ یعنی آبادی کے فی کس [illegible] پر پڑتے تھے اس پہلے سے اگر سب نہیں تو اکثر صوبوں میں تعلیم کا خرچ بڑھتا جا رہا ہے۔ مگر اس صوبے کی گورنمنٹ اس قدر خرچ کو منظوری بھی نہ دے گی۔

تین سال کے بعد اسی مضمون پر بحث کرتے ہوئے اپنی بجٹ تقریر میں مسٹر گوکھلے نے ذکر کیا کیا کہ میں اپنا فرض سمجھتا ہوں کہ سرکار کی توجہ اس بدانتظامی کے جانب مبذول کراؤں جو سب خرابیوں کی وجہ موجب ہے۔ اس بمبئی [illegible] میں تعلیمی مد میں [illegible] خرچ کم ہوتا ہے جو اس نسبت کم ہے جو اسی مد میں دیگر حصص ہندوستان میں ہوتا ہے۔ میرے پاس صحیح [illegible] کوئی بحث کی نہیں ہے تاہم یہ ظاہر ہے کہ اصل حالت واقعات تک ابھی کوئی نہیں پہنچا ہے۔ ہندوستان کے تمام حصص میں صوبجات متحدہ کو چھوڑ کے کم کی گئی ہے اور اس کو ۸۰ روپیہ فی ہزار آبادی پر تعلیمی خرچ کے لئے ملتا ہے۔ حالانکہ بمبئی میں [illegible] روپیہ فی ہزار آبادی پر اسی غرض کے لئے صرف ہوتا ہے۔ یہ حالت دور ہو جانی چاہئے کہ ترقی مسٹر گوکھلے کا بیان ہے اس نقص کو دور کرنے اور صوبجات متحدہ کی خاطر خواہ حد تک پہنچانے کے لئے تعلیمی خرچ کو [illegible] لاکھ کے بجائے ایک کروڑ [illegible] کر دینا چاہئے۔

اس کمی کے متعلق چند منصفانہ زبردستی کو ظاہر کرنے کے بعد مسٹر گوکھلے فرماتے ہیں:

[illegible]

کا مطالبات جاری کرنا بہت کچھ ادب پر منحصر ہے۔ کوئی اصلاح خواہ کتنی ہی ضروری ہو
ہم شروع نہیں کر سکتے جب تک کہ اس کے اجراء کے لئے ہمارے پاس روپیہ موجود نہ ہو۔
مختلف صوبوں کی گورنمنٹیں بہت کچھ کثرت اور کاشت جات اپنی آمدنی کے اس حصہ میں کیا کرتی
ہیں جو موجودہ معاہدہ کے مطابق گورنمنٹ ہند ان کو عطا کرتی ہے۔ کیونکہ اسی کے اندر ان کو سب خرچ
پورا کرنا پڑتا ہے۔ لیکن جو سلوک گورنمنٹ ہند اس معاملہ میں ہمارے صوبجات کے ساتھ کیا کرتی ہے
وہ نہایت ہی قابل شرم ہے۔ ہم شاہی خزانے کو سب سے بڑی رقم ادا کرتے ہیں اور اس کے عوض
میں اس قدر قلیل عطیے ہمیں ملتے ہیں کہ وہ ہمارے روزافزوں ضروریات کے لئے بالکل ناکافی ہیں۔
ان قلیل عطیات کا نتیجہ یہ ہے کہ ضرورت کے موافق ہم تعلیم، حفظ صحت، لوکل سلف
گورنمنٹ اور دوسری اندرونی انتظامات میں ترقی نہیں کر سکتے۔ گورنمنٹ ہند کے اس ناواجب
سلوک کے مقابلے میں لوکل گورنمنٹ اور مختلف محکموں کے حکام کی ہمدردی ہمارے طرفدار ہوں
نے وقتاً فوقتاً ناکامیابی کے ساتھ مگر نہایت زور سے اس معاملہ میں ہماری وکالت کی ہے۔ مگر ہم
موجودہ حالت پر صبر و شکر کئے بیٹھے ہیں ایک لفظ بھی اس کی مخالفت میں نہیں زبان پر لائے۔
پانیر نے مجبوراً اس عطیہ کے متعلق جو امداد قحط کے لئے گورنمنٹ ہند نے اس صوبہ کو دیا ہے یہ کہا کہ
گورنمنٹ ہند بھی بالآخر مجبوراً ہوئی کہ ان مصیبت زدہ صوبجات کی حالت پر غور فرمائے جو باقاعدہ
حکومت کا ایک نمونہ ہیں اور جن سے ایام گذشتہ میں دل کھول کر روپیہ وصول کیا گیا ہے۔ سچ ہے
نیکوں کے ساتھ اکثر ایسا ہی سلوک کیا جاتا ہے۔
کسی مہذب ملک کی گورنمنٹ کا سب سے پہلا اور مقدم فرض یہ ہے کہ مناسب ذرائع تعلیم
اور حفظ صحت کے بہم پہنچائے۔ جو جسمانی اور دماغی ترقی کے لئے اشد ضروری ہے۔ مگر انہیں معاملات
میں ہم نہ صرف دوسرے ممالک کے بلکہ خود ہندوستان کے دیگر صوبجات سے کافی فنڈ نہ ہونے
کی وجہ سے بہت ہی پیچھے ہیں۔ اگر اب تک کوئی بات بیماریوں کے متعلق یقینی دریافت
ہوئی ہے تو وہ یہ ہے کہ بیماری ایسی ہی جگہوں پر پھیلتی ہے جہاں کہ حفظ صحت کا انتظام حسب
اطمینان نہیں ہوتا۔ مگر تاہم مقامی لوکل میونسپل مجالس کو طاعون اور تپ کا مقابلہ چھوڑ دیا گیا ہے کہ
وبا کو دور کرنے کے لئے اپنی محدود ذرائع سے کام لیں۔ یہاں کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ ...

ہے کہ یہ کانگریس صوبہ کی اپنی حیثیت سے فرض سے سبکدوش کر دیتا ہے

سائمن جن صاحبان کا گمان ہے کہ حکومت مرکزی ہی ہے اس کے دلائل پر مسٹر ہیوس کے گمان کا اظہار ہوتا۔ ان

تعلیم بلا فیس کے مسئلہ پر مسٹر گورنمنٹ ہند کے اس چٹھی کا تذکرہ کیا ہے جو لوکل گورنمنٹو

کے نام جاری ہوئی ہے۔ بلا فیس تعلیم دیئے جانے کے موافق تحریک اب برابر تیزی سے پھیل رہی

ہے جیسا کہ مسٹر ہیوس نے لکھا تھا فیس کی آمدنی کا میزان ابتدائی مدارس میں نہایت قلیل ہے

یہ رقم ۱۹۰۶-۰۷ء میں صرف ۱۳۴۸۰ روپیہ تھی اور چونکہ شرح فیس اپر پرائمری درجوں

میں زیادہ ہے لہٰذا ہم کہہ سکتے ہیں کہ نصف صرف ۳۰۰۰۰ روپیہ آمدنی لوئر پرائمری درجوں کی

فیس سے ہوتی ہے جن میں ⅞ حصہ کل طلبہ کا پایا جاتا ہے۔ اس لئے گورنمنٹ کو بہت ہی

تھوڑا خرچ کرنا پڑے گا، جس سے لوکل بورڈ اس قابل ہو جاویں گے کہ ہر جگہ ابتدائی تعلیم

بلا فیس دی جا سکے اور اگر تھوڑا سا روپیہ خرچ کیا جاوے تو تمام صوبہ میں ادنیٰ اور اعلیٰ

دونوں ہی قسم کی تعلیم بلا فیس ہو سکتی ہے۔ ظاہر ہے کہ یہ خرچ اس ترقی کے مقابلہ میں کچھ

بھی نہیں ہے جو تعلیم کو بحیثیت مجموعی حاصل ہوگی ہم لوکل گورنمنٹ پر زور ڈالنا چاہتے

ہیں کہ وہ گورنمنٹ ہند کی اس تحریک کا بڑی گرمجوشی سے استقبال کرے اور اس کی تائید

کرے۔ ابتدائی تعلیم کو جبریہ قرار دینے کے متعلق ہمارا یہ فرض ہے کہ گورنمنٹ پر یہ اچھی طرح سے

واضح کر دیا جائے کہ رائے عامہ نہ صرف اس کا اعادہ (؟) کے لئے آمادہ ہے بلکہ عملاً اور نہایت

جوش و خروش سے دعویٰ کرتی ہے کہ اس پر فی الفور سرعت سے عمل کیا جائے۔

اب ہم تعلیم نسواں کی طرف متوجہ ہوتے ہیں مسٹر ہیوس کے اس رپورٹ پر

نظر ڈالتے ہوئے جس میں انہوں نے بیان کیا تھا کہ لڑکوں کی طرح سے تعلیم نسواں کے لئے یہ صوبہ

دیگر صوبہ جات کے بہت پیچھے ہے گورنمنٹ نے اپنی حمایت کی کوشش ان الفاظ میں کی ہے:

"ہز آنر صاحب کہتے ہیں کہ تعلیم نسواں پر بھی اس صوبہ جات میں بہ نسبت

دیگر صوبہ جات کے [illegible] صرف میں نہیں خرچ کیا جاتا

[illegible] پیدا کرنے کے لئے

[illegible]

"ہندوستان کو سیاسی تعلیمی خصوصیت اس وقت تک مکمل نہیں ہو سکتی نہ ہو سکتی جب تک کہ ان صوبجات کے بعد تعلیمات کی کوئی ترقی نہ کی جائے جو بلحاظ تعلیم کے ہندوستان کے کسی صوبہ سے کم نہیں ہیں۔"

ایک سال بعد اپنی آخری رپورٹ میں قبل از پنشن لینے کے مسٹر [illegible] صاحب نے مفصلہ فرما کر واقعی حالات کا بیان یوں فرماتے ہیں:

"آٹھ سال کے بعد اب بھی ہم صوبجات متحدہ کو اسی حالت میں پاتے ہیں جس میں کہ وہ ابتدا میں تھے اور اس کی جگہ اب بھی باستثناء جدید صوبہ سرحدی کے فہرست کے آخر میں ہے۔ لیکن آخر الذکر بھی ابتدا ہی میں اس منزل کے قریب پہنچ گیا ہے جہاں ہمارا صوبہ مقیم ہے۔ یہ سچ ہے کہ اس آٹھ سال کے زمانہ میں فی ہزار آبادی پر تعلیمی خرچ ۸۰ روپیہ سے بڑھ کر ۹۹ تک پہنچ گیا ہے لیکن اس کے مقابل میں بمبئی کا خرچ جس کا نمبر اول ہی ۱۶۳ روپیہ سے بڑھ کر ۲۲۵ روپیہ کی رقم پر جا پہنچا ہے۔"

ان سب واقعات پر غور کر کے اس سے انکار نہیں ہو سکتا کہ ہمارے صوبہ کے ساتھ نہایت بے انصافی ہوئی ہے۔ یہ عین موقع ہے کہ اس بے انصافی کو لوکل گورنمنٹ ہند دور کرے۔ آخر الذکر کے ساتھ ہمارے معاہدے کی ترمیم ضرور ہونی چاہیئے جس کا وقت سال رواں میں آئے گا، تاکہ تعلیمی اخراجات کے لئے زیادہ رقم مہیا کی جا سکے۔

میری رائے ہے کہ ہم لوگوں کو مسٹر [illegible] کا نہایت مشکور ہونا چاہیئے کہ انہوں نے اپنے زمانہ ڈائرکٹری میں برابر مردانہ وار ان واقعات کو گورنمنٹ کے سامنے پیش کرتے رہے اور یہ کہتے رہے کہ [illegible] تعلیم کی رقم کے مقرر کرنے میں انصاف سے کام لیا جانا چاہیئے۔ چنانچہ اپنی رپورٹ میں مسٹر [illegible] لکھتے ہیں:

"میں کہا بہت مضبوط [illegible] لیکن اس کے [illegible] صوبجات کو [illegible] اور جن کے حقوق [illegible]

یہ کرنا باقی ہے کہ تعلیم داں کو خلاف ہونا ہے دہ کوئی کارروائی کر کے اس کو عملی شکل میں تبدیل کرا دیں کم از کم اس ترمیم شدہ نظام کو جو ترقی تعلیم نسواں جیسا کہ ڈاکٹر صاحب نے تیار کیا تھا عمل میں لا دے۔

الغرض ہم کو یہ کبھی فراموش نہ کرنا چاہیے کہ اس نیک کام میں ہم کو خود بھی بہت کچھ کرنا ہے۔ سب سے پہلا کام یہ ہوگا کہ عوام میں دلچسپی پیدا کریں اور بعد ازاں گورنمنٹ کو عملی اور ہمدردانہ مدد دیں جس کے بغیر ہماری عورتوں کی تعلیم کا مسئلہ جو ہمارے وطن کے لئے بہت ضروری اور مفید ہے اطمینان کے ساتھ حل نہیں ہو سکتا۔

صنعتی تعلیم و تربیت کا مسئلہ میری رائے میں ان سب مسائل میں بہت زیادہ ضروری اور مفید ہے جس پر اس کانفرنس کی توجہ مبذول کی جائے گی۔ اس کے فائدہ کا انحصار صرف اس کے اس اثر پر ہے جو ملک کی اصلی اور تجارتی فلاح پر پڑے گا بلکہ اگر اس سے زیادہ نہیں تو کم از کم اسی قدر اس عام اثر پر بھی جو ہماری تمامی قومی زندگی پر پڑے گا۔ کیونکہ جب تک ہمارے یہ نوجوان یہ یقین رکھیں گے کہ اس جہان میں نشو و نما حاصل کرنے کے لئے اصلی اور اعلیٰ درجہ کا طریقہ اگر سرکاری ملازمت کے سوا کچھ ہے تو وہ طبابت اور پیشہ قانونی ہے اس وقت تک یہ ناممکن نظر آتا ہے کہ سچا جوش آزادی کا اور اپنے اوپر بھروسہ کرنے کا قوم میں پیدا ہو سکے۔ اگر ہمارے نوجوان سرکار کی ماتحتی میں حصول معاش پر نظر رکھیں گے تو یہ ظاہر ہے کہ وہ تمام عمر دوسروں پر بھروسہ کرتے رہیں گے اور حکام کے عنایات پر ترقی اور حصول معاش پر نظر رکھیں گے تو یہ ظاہر ہے کہ وہ تمام عمر دوسروں پر بھروسہ کرتے رہیں گے اور حکام کے عنایات پر ترقی اور حصول معاش کے لئے ان کی نظر رہے گی، اور بدیں وجہ وہ اپنے پیروں پر کھڑے نہیں ہو سکیں گے۔ اور یاد رکھنا چاہیے کہ یہ حالت برابر جاری رہے گی خواہ کتنی ہی زیادہ تعداد عہدوں کی کیوں نہ ہو اور کتنے ہی اعلیٰ درجہ کے عہدے ہندوستانیوں کے قبضہ میں کیوں نہ ہوں جب تک کہ ہماری تعلیم یافتہ جماعت ان بیڑیوں میں پھنسی ہے اس وقت تک کامل زندگی اور خود مختار اور خود عمل کا احساس حاصل نہیں ہو سکتا علاوہ بریں سالہائے جدید ملک میں اصلی عمل بغاوت اور شریف بزدل ان طبقوں سے نکالا جاتا ہے جو سرکاری ملازمت کی تعلیم

ممکن ہے کہ ۱۹۰۲ء میں اس بیان میں کچھ صداقت ہو۔ لیکن کیا یہ بات بدیہی حقیقت
دو ہے؟ جیسا کہ ۱۹۰۴ء کی رپورٹ میں نہایت شرح طور سے مسٹر لیکس نے ظاہر کیا
ہے۔ وہ بیان کرتے ہیں کہ اب تعلیم نسواں کی ترقی کے لئے معتد بہ رقوم کا مہیا کرنا ایک ساتھ
کرنے کے طریقے اور راستے موجود ہیں۔

کوئی شبہ نہیں ہو سکتا کہ لوکل گورنمنٹ نے واقعی اس امر کو تسلیم کر لیا ہے کہ اس
کمیٹی کی قابل تعریف رپورٹ جو بصدارت رائے بہادر بابو گیندر ناتھ چکرورتی گورنمنٹ
کو عملی اور یقینی طریقہ توسیع تعلیم نسواں کے متعلق صلاح دینے کے لئے منعقد ہوئی تھی صرف
یہ بات ہی ظاہر نہیں کرتی کہ اب تعلیم نسواں کی مانگ تیزی سے بڑھ رہی ہے بلکہ یہ بھی
واضح کرتی ہے کہ کیونکر عقلاً و نقلاً اس کو ترقی دی جائے اور نیز قابل عمل طریقوں کا نہایت
مفید خاکہ بھی اس میں موجود ہے۔ اس کی تمام سفارشوں پر واقعی اور پورے طور سے عمل کرنے
میں مسٹر لیکس کے بیان کے بموجب چھ لاکھ روپیہ سالانہ کا صرف ہے اور یہ رقم ایسے کام
کے لئے کسی طرح زیادہ نہ تھی، لیکن چونکہ یہ رقم گورنمنٹ کے بساط سے بڑھ کر تھی
اس لئے مسٹر لیکس نے ایک ترمیم شدہ نظام تیار کیا جس کے متعلق نصف رقم یعنی صرف
تین لاکھ سالانہ خرچ کرنا پڑتا۔ لیکن یہ رقم بھی بہت زیادہ تھی اور گورنمنٹ نے افسوس
کے ساتھ اعلان کیا کہ سال آئندہ کے واسطے نظام مذکورہ کے لئے روپیہ موجود نہیں ہے۔

اس موقع پر پھر وہی بدنصیب پالیسی ان صوبجات میں صیغہ تعلیم کو بیکار کر دینے
کی برتی گئی جو متعدد بار ظاہر اور موجود ہو چکی ہے۔ بیشک یہ زیادہ تر بوجہ ہمارے معاہدہ کی
اور سخت شرائط کے ہے جو گورنمنٹ ہند سے کیا گیا ہے اور جیسا کہ میں نے ابھی بیان
کیا ہے اس کی زیادہ انصافانہ اور مساویانہ شرائط پر ترمیم کرنے کے لئے زور دینا چاہیئے
جو ہماری آبادی اور محصولات کے حسب حال ہو۔ لیکن ہماری لوکل گورنمنٹ بھی الزام سے
بری نہیں ہو سکتی۔ یہ ہمارا فرض ہے کہ اس معاملہ کو ہم ہر طریقہ اور ہر ذریعہ سے اپنے حکام کے
قلب پر نقش کر دیں۔ بلا نظام مذکورہ کے عام تعلیم نسواں [illegible] کرنا
قسم کی تعلیم کے متعلق ہماری گورنمنٹ کا برتاؤ [illegible]

بتا دیں گے کہ بہت حد تک تعلیمی حیثیت سے بلند ہے جو دوسرے صوبوں کے لئے پہلے ہی سے اسکیم ... اس معاملہ میں ان سے کیا جاتا ہے اور اپنے منصفانہ اور معقول دعوٰی کو گورنمنٹ کے سامنے بغرض توجہ برابر پیش کرتے رہیں گے۔

حضرات! مجھے خوف ہے کہ میں نے آپ کے صبر و تحمل کی انتہا کر دی ہے۔ لیکن میں التجا کرتا ہوں کہ تھوڑا سا اور عرض کرنے کی اجازت ہو۔ اس وقت ہمارا کام اور ہمارا فرض یہی ہے کہ ہم ایک ایسی قوم بنا کر تیار کریں جو اقوام دنیا میں معزز رتبہ حاصل کر سکے۔ یہ کہنا آسان ہے لیکن کرنا مشکل ہے۔ کیونکہ اس کے معنی یہ ہیں کہ ایک خاص قومی کیریکٹر بنا دیا جائے، افراد اور فرقوں کے اختلافات مٹا دیئے جائیں اور مشترکہ خیالات کا ایک ایسا مجموعہ تیار کیا جائے، جو کل اقوام اور مذاہب پر حاوی ہو اور جس میں اختلافات کی گنجائش نہ ہو، جس کے معنی دوسرے لفظوں میں یہ ہوئے کہ ملکی معاشرتی اور تمدنی ترقی کی کوشش کی جاوے۔

اب سوال یہ ہے کہ ہم نے کس قدر ترقی ہندوستانیوں کو ایک قوم بنانے میں کی ہے۔ میرا جواب تو یہ ہے کہ اب تک بہت تھوڑا کام کیا گیا ہے۔ لیکن اس وقت بالخصوص ہم کو اس سوال کے دو جوابات پر غور کرنا ہے۔ یہ ایک دوسرے سے بالکل مخالف ہیں اور مخالفت انتہا اور حد کو پہنچی ہوئی ہے۔ ایک طرف تو ہمارے انگریز دوست دعوٰی کرتے ہیں کہ ابھی کچھ بھی نہیں ہوا ہے اور یہ کہ ہندوستانیوں کی زندگی میں قومیت کا نشان تک نہیں ہے۔ دوسرے جانب فریق گرم کے اصحاب ہیں جو اپنے طرز عمل سے یہ یقین دلانا چاہتے ہیں کہ یہ کام گویا اختتام کو پہنچ گیا ہے۔ میرے خیال میں یہ دونوں باتیں بالکل لغو اور سخت شر انگیز ہیں۔ میں اپنے انگریز دوستوں سے عرض کرتا ہوں کہ اگر آپ صرف آنکھ کھولنے کی تکلیف گوارا فرمائیں گے، تو آپ پر ظاہر ہو جائے گا کہ ایسی قوتیں اس وقت بھی برسرِ کار ہیں کہ اگر ان کو مجتمع کر کے ان سے کام لیا جائے تو وہ وقت دور نہیں کہ ایک بڑی شاندار قوم دنیا میں پیدا ہو جائے۔ یہ سچ ہے کہ عوام الناس جاہل ہیں اور ہندوستان کے ہر صوبے میں مذہبی اور ذاتی اختلافات موجود ہیں۔ لیکن یہ بحث کرنا ایک فضول بحث ہے کہ ہر شہر اور قصبہ میں حتّٰی کہ خود ہمارے کم ترقی یافتہ صوبے میں ایسے افراد ہر مذہب اور ذات کے جن کی تعداد میں روز بروز اضافہ ہوتا جاتا ہے موجود نہیں ہیں، جن میں قومی [illegible] پیدا ہو گیا ہے اور مناسب موقعوں میں ان کو یہ قابلیت حاصل ہے کہ وہ اپنے سارے

میں بیٹھے ہیں اور ان لوگوں کو حاصل ہوتا جاتا ہے جو حکام سے کسی رعایت کے خواہاں نہیں ہیں اور گورنمنٹ سے کچھ نہیں چاہتے ہیں۔ بلکہ نہایت مضبوطی اور استقلال کے ساتھ اپنے ہی پیروں کے بل کھڑے ہو کر اپنی لیاقت اور قوت کے بھروسہ پر معاش اور رتبہ حاصل کرتے ہیں لیکن ایسا بھی زمینداروں اور تاجروں اور صنعت و حرفت پیشہ لوگوں ہی میں سے ہو سکتا ہے اور انہیں کے لئے صنعتی تعلیم اور تربیت اعلیٰ درجہ کی نہایت ضروری اور مفید ہے۔ کیونکہ وہ زمانہ بہت عرصہ ہوا کہ گذر چکا ہے جب پرانے مروجہ قاعدوں کا علم اور ناتربیت یافتہ ذہن صنعت و حرفت کے میدان میں کامیابی کی تکمیل کے لئے کافی سمجھے جاتے تھے۔

اس لئے یہ ہمارے لئے بحیثیت ایک مجلس کے بالخصوص ضروری ہے کہ کسی ممکن الحصول موقع اور مدد کو ان نوجوانوں کے ہاتھ سے جانے نہ دیں جو ہمارے جانشین ہونے والے ہیں تاکہ وہ ہماری قومی زندگی کے اس بڑے بھاری نقص کو دور کر سکیں۔ میرے خیال میں ہمارے ملک کے آئندہ ترقی کے لئے یہ بات ضروری ہے کہ ہم میں سے ہر ایک اس کو خوب اچھی طرح سے سمجھ لے۔ واقعات کے معاملہ میں آنکھیں بند کرنا یا یہ خیال کرنا کہ ہم ہمیشہ ایسے لوگوں سے جو ضرورت زمانہ کے لحاظ سے ہمیشہ حکام کے پاس اپنی خواہشات اور ضروریات کے لئے مدد کرتے ہیں مضبوط قوم بنا سکیں گے ایک فضول اور عبث فعل ہے۔

خوش قسمتی سے گورنمنٹ نے اس جانب کارروائی کرنے کی خواہش ظاہر کی ہے جس کی تکمیل کے لئے ایک نیا کلاس رڑکی کالج میں کھولا گیا ہے اور حرفتی اسکول لکھنؤ میں قائم ہے۔ اس سے گورنمنٹ کی صداقت اور نیک نیتی ثابت ہوتی ہے۔ گورنمنٹ نے صرف تحریک پیدا کی ہے چلنا اس پر ہمیں کو ہے اور وہ ہم ہیں جو اپنے گرم جوشی اور ہمدردی اور عملی مدد کے ذریعے سے عوام الناس کو سکھا پڑھا کر سمجھا بجھا کر اس تحریک میں جان ڈال دیں گے اور اس کا سرسبز اور زندگی کے لئے ضروری طاقت پیدا کریں گے۔ اس لئے ہم کو فوراً کسی قابل عمل ذریعہ کا اختیار کرنا چاہیئے اور یہ خواہش کرنی چاہیئے کہ کل سازو سامان سے لیس ایک صنعتی مدرسہ ان صوبجات میں قائم کیا جائے اور ایک اسکول ہر قصبہ میں بنایا جائے یہ خواہش کچھ غیر مناسب نہیں ہے اور اس سے کم پر ہم قناعت کر سکتے ہیں مگر گورنمنٹ [illegible] کی کمی کا لحاظ کر کے [illegible]

کو کافی ہے۔ درس سیاست کا سب سے اہم ترین اصول یہ ہے کہ قومی اطمینان کو حکومت

غالب آجاتی ہیں جو اگر واقعات کے نشوونما سے صحیح مناسبت کو ملحوظ رکھے اور کر سکتا

پیشین گوئیاں بن جاتی ہیں کہ ان کو فراموش کرنا جیسا کہ ایک طاقت ور قوم کا کام ہے۔

حضرات! تقریباً نصف صدی سے اب تک ہم بہ طیب خاطر دیانت کے ساتھ کام کیا ہے اس نے آہستہ آہستہ (اقبال عظمت) تبدیل واقعات قائم کر دیئے اور اب جیسا کہ اس تبدیلی کا منشاء ہے وہ ترقی اور اصلاحات کی مدعی ہے۔ اس نے طبقۂ حکام انگریز سے باوجود اس کے سبقت لے گیا ہے مگر یہ فرق اتنا آہستہ نہ ہے کہ واقعات کے نشوونما کے مطابق اپنے آپ کو اب تک تبدیل نہیں کر سکا ہے۔ اس نے ہمارے ان ہم وطنوں سے بھی جنہوں نے کرتے کچھ دیا ہے جو اس سے زیادہ تیز چلنے کے خواہشمند ہیں جتنا کہ واقعات کی نشوونما اجازت دیتی ہے۔ دونوں کو لازم ہے کہ اس تنبیہ سے متنبہ ہو کر اپنے مہرے ان کی زد سے ہٹا لیں۔ ان دونوں میں سے کسی کو بھی تقریباً عظیم الشان کام کے پیدا ہونے میں رکاوٹ نہ پیدا کرنی چاہیئے اور لارڈ مکالے کی اس پیشین گوئی کے پورا ہونے میں حارج نہ ہونا چاہیئے جو ان قابل یادگار الفاظ میں موجود ہے:

"جب کبھی وہ دن آوے گا انگریزی تاریخ میں وہ سب سے زیادہ قابل فخر ہوگا
ایک ایسی بڑی قوم پر جو غلامی اور ضعیف الاعتقادی کے قعر میں پڑی ہوئی حکومت کر کے
اس کو اس قابل بنا دینا کہ وہ آزادی کے حقوق کی خواہشمند ہو اور ان حقوق کے
حاصل کرنے کے قابل بن جاوے، بلاشبہ ہم کو تحسین و آفرین کا مستحق بنا دے گا۔"

تاریخ انگلستان کا وہ نہایت قابل فخر دن جو اس کے لئے خاص شوکت کا باعث اور قوم برطانیہ کی اعلیٰ ترین میراث ہوگا، اب محض خواب و خیال نہیں ہے۔ تقدیر یکو روز بروز اس دن سے قریب لئے جا رہی ہے طبقۂ حکام کو اس صبح صادق کے گرد و غبار سے آنکھ نہ چرانی چاہیئے اور نہ ہمارے ہم وطنوں کو غلطی سے اس کو آفتاب نصف النہار قیاس کر لینا چاہیئے۔ بلکہ دونوں کو متفق ہو کر تیرہ اختری کی سیاہی کو شمع نا امیدی کے سامنے سے دور کرنے کی کوشش کرنی چاہیئے۔ دونوں کو جھک کر خوش آمدید صبح طالع کا استقبال کرنا چاہیئے اور کہنا چاہیئے کہ: اے آمدنت باعث آبادی ما

کشمیر درپن الہ آباد جلد ۳ شمارہ ۲ فروری ۱۹۰۷ء

یو پی میں انڈین نیشنل کانگریس کی
پہلی صوبائی کانفرنس کا خطبہ صدارت

ہم وطنوں کے دلوں کو اسی جذبے سے معمور کر دیں۔ اپنے "گرم" دوستوں سے یہ کہوں گا کہ گو ہر انصاف پسند شخص ان طاقتوں کی موجودگی کا اقرار کرے گا۔ مگر اس کے ساتھ ہی اس امر کا بھی اقرار کرنا ہو گا کہ یہ طاقتیں بالذات قوم نہیں کہا سکتیں۔ انگریزوں سے ہم یہ کہتے ہیں کہ ان طاقتوں کو آپ نے ہی بنایا ہے جو نہایت استقلال اور تیقن کے ساتھ ہند کی نجات کا باعث ہو رہی ہیں۔ آپ نے نہ صرف ان کو خلق ہی کیا ہے، بلکہ ان کو ایسی قوت اور کثرت کے ساتھ مجتمع ہونے دیا ہے کہ اب ان کا روکنا اور دبانا آپ کی طاقت سے باہر ہو گیا ہے۔ نہایت احسان مندی کے ساتھ ہم اقرار کرتے ہیں کہ انگلستان نے ہم کو اعلیٰ درجہ کی تعلیم اپنی زبان، اپنے علم ادب، اپنے علوم و فنون اور سب سے زیادہ اپنے آزاد اصول حکومت کے ذریعہ سے دی ہے۔ ایک مدت سے ہمارے دماغ کی پرورش اسی تعلیم سے ہو رہی ہے۔ اب ہم بلوغ کے قریب پہنچ چکے ہیں۔ اب ہم اس قابل نہیں ہیں کہ وہی بچوں کے سے کپڑے پہنیں، جو انگلستان نے ایک زمانے میں ہم کو عطا کئے تھے اور فطرتاً ہم نہ صرف مردانہ لباس کے خواہشمند ہیں۔ بلکہ اپنی ان دن دونی رات چوگنی ترقی کرنے والی تحریکات کے لئے زیادہ آزادی چاہتے ہیں، جن کا تعلق اس دائرہ علوم سے ہے جس میں ہم نے پرورش پائی ہے۔ موجودہ لبرل گورنمنٹ کو اس تنبیہ سے سبق حاصل کرنا چاہیئے جو ۳۰ برس پہلے ایک کنسرویٹو وائسرائے کی زبان سے نکلی تھی۔ ایک نہایت مشہور تقریر میں لارڈ لٹن نے دربار کونسل میں فرمایا تھا:

"گورنمنٹ ہند ایک اعلیٰ درجہ کی کنسرویٹو گورنمنٹ ہے اور میں امید کرتا ہوں کہ ہمیشہ ایسی ہی رہے گی۔ لیکن میں ایک ضرب المثل کا اعادہ کرنا چاہتا ہوں جس کی صحت پر سب کی کہنگی دلالت کرتی ہے، وہ یہ کہ تبدیل واقعات سے بالاصل جو ترقیاں ظہور میں آئی ہیں، وہ ایک کنسرویٹو حکمت عملی کی بہترین بنیاد ہیں اور کسی طرح بھی اس کے مخالف نہیں ہیں۔ کوئی حکومت واقعی کنسرویٹو ہو سکتی ہے جبتک اس کی حکمت نہایت دور بینی اور پیش بینی کے ساتھ چارہ ساز نہ ہو۔ وقت پر چارہ سازی کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ سخت انقلابات رک جاتے ہیں۔ قضا و قدر نہایت ایماندار شاطر ہیں اور کسی قوم کو، کسی گورنمنٹ کو اور کسی طبقہ کو شہ دئے بغیر مات نہیں دیا کرتے۔ یہ ہمارا فرض ہے اور بہتری اسی میں ہے کہ اس اطلاع سے مطلع ہو کر اپنے مہروں

میرے مضمون کی اشاعت کی اجازت بھی نہ لی گئی ... رہبر میں ... کا یہ کہنا

کی تحقیق بھی ہے، اختلاف ہے یا اس صحت بیانی سے قطع نظر نہیں اور میں نے کچھ نوٹ کر لیے کہ جا بجا اغلاط طباعت رہبر میں پائی وہ اس میں بھی ہیں یا نہیں۔ اگر ہیں، اور اشاعت کی اجازت مجھ سے لی گئی ہوتی، تو میں اس کی تصحیح کر دیتا، اور یہ بھی ممکن ہے کہ کچھ ترمیم کر دیتا۔ میرا مضمون رہبر میں بہت غلط چھپا ہے۔ بعض اغلاط کا اس جگہ ذکر کیا جاتا ہے۔ میں نے دہلی کی ... "ہما" کا ایک اقتباس یا اس کے مطالب اپنی عبارت میں پیش کیے اور اس کے بعد میں نے اپنی طرف سے کچھ اضافہ کیا تھا۔ رہبر میں یہ سب اس طرح چھپا ہے کہ پڑھنے والا اگر وہ پہلے اس مضمون کو دیکھ نہیں چکا ہے تو سمجھے گا کہ میں نے جو اضافہ کیا تھا، وہ بھی "ہما" میں [illegible] میں نے جو کچھ لیا تھا وہ ... ختم ہو گیا ہے، اس کے بعد جو کچھ ہے وہ اضافہ ہے۔ مضمون کا اقتباس ذیل میں "موصوف نے" سے قبل ایک لفظ چھوٹ گیا ہے۔

"جناب ڈاکٹر ذاکر حسین جس زمانے میں ... ایک استاد سے ... اس کی زبان سے صرف ایک لفظ نکل گیا تھا، موصوف نے (اس کے ... اس کا یہ غلط مطلب لیا کہ وہ تعارف کرا رہا ہے، اور گدھا اس کا نام ہے)، فوراً کہا ذاکر حسین، وہ بہت خوش ہوا اور ان کا دوست بن گیا۔ مسٹر ... احمد ... کہتے تھے کہ میں نے موصوف سے اس کے متعلق دریافت کیا تھا، انہوں نے کہا کہ یہ جرمنی کا پرانا لطیفہ ہے، میرا اس سے کچھ تعلق نہیں۔" ص ۱۲۱

میرے مضمون میں غالب کے ... کا ایک اقتباس درج ہے، اس کا خاتمہ اس فارسی مصرع پر ہوتا ہے: "چشم جاناں بیا ناز و بہ تیر" یہ اقتباس رہبر کی ۴ سطروں میں آیا ہے، سطر ۵ میں صرف یہ الفاظ ہیں: "چشم جاناں بیا ناز" اور اس کے بعد ... ہے (ایک سطر چھوڑ کر) ص ۱۵، ۱۶ سطر ۴ مصرع سطر ۶ میں تمام ہوا ہے، اور "بہ تیر" کی جگہ "بہ زیر" مرقوم ہے، مگر اس کے بعد "نہیں" ص ۱۲۲ میں ... چھپا ہے۔

ایک صاحب نے "حالی بحیثیت شاعر" پر تبصرہ لکھا تھا، اس کا ایک اقتباس رہبر کے ص ۱۲۵ میں شائع ہوا ہے: "دیگر ... حاصل کرنے کے لیے جو ... ان میں عموماً دو قوتیں کام کرتی ہیں: ایک تو قوت ... ہے جس کا تعلق احساسات کی ... سے ہے (کذا)، دوسری قوت ... ذہنی ہے جس کا تعلق ... ہے، لیکن ایک تیسری قوت ... ہے جو ... کو پیش کرتی ہے کہ ... اپنی جگہ ... اور اس قوت کا نام ... ہے ... کر دامن بھر لینا آسان ہے۔"

مطبوعات جدید

رہبر تحقیق —— تبصرہ: [illegible]

رہبر تحقیق[1] (۔۔ رہبر) اُردو سوسائٹی، شعبۂ اُردو، لکھنؤ یونیورسٹی (۔۔ سوسائٹی) کی شائع کی ہوئی کتاب
سوسائٹی کے کنوینر ایک پروفیسر ہیں، اس کی مجلس اشاعت میں ایک پروفیسر اور ۳ پی ایچ۔ ڈی ہیں؛
معلومات ایک پی ایچ۔ ڈی اور ۲ ریسرچ اسکالروں پر مشتمل ہے۔ رہبر کی اشاعت خالی ان طلبہ کی
رہی ہے جو تحقیق کے میدان میں قدم رکھ چکے ہیں یا رکھنے والے ہیں۔ یہ ۱۷ اصحاب کی تحریروں کا مجموعہ ہے ان میں
ایک خاص طور پر رہبر کے لیے لکھی گئی ہے اور دوسروں کے رشحات قلم سے ہے۔ "حرفِ چند" [illegible] کا لکھا ہوا
اس میں "چھپنا، ایڈیٹر" کو الفاظ میں داد دی گئی ہے۔ ڈاکٹر [illegible] دلچسپی [illegible] انداز مشقت اور
کی مسلسل انکار کی وجہ سے یہ مجموعہ ترتیب و طباعت کے ہفت خواں[2] طے کر سکا۔ [illegible] سطور ذیل [illegible]
بالائے [illegible] ہو سکیگا کہ لکھنؤ میں "ہفت خواں" کس کو سمجھتے ہیں، اور مرتبین نے انھیں کس طرح طے کیا ہے، مگر یہ بات
اختصار سے کام لونگا، اور جو عبارتیں رہبر سے نقل ہونگی، ان کا املا وہی ہوگا جو رہبر میں ہے۔

فہرست مندرجات سے معلوم ہوتا ہے کہ ص [illegible] میں ایک خطبۂ صدارت کا اقتباس [illegible] اور تحقیق [illegible]
لیکن، نہ یہ اس صفحہ میں ہے، نہ کہیں اور، ص۲۵ میں ایک دوسرے خطبۂ صدارت کا اقتباس البتہ موجود ہے۔

"حرفِ چند" ص [illegible] سے معلوم ہوتا ہے کہ [illegible] ذریعہ [illegible] تھا۔ سب کا سب [illegible] اس کا انتخاب رہبر
شامل کیا ہے۔ پروفیسر نذیر احمد کے ۲ مقالوں (ان کا ذکر بعض مقالوں میں ہے) کا عدم شمول حیرت انگیز ہے۔

سیم ولر، ڈکنس کا ایک مشہور مخلوق ذہنی (رجوع بہ پکوک پیپرس) نے عدالت میں گواہی دیتے ہوئے اپنے
نام کے متعلق کہا تھا: [illegible] spells it [illegible] 'W' سے لکھتے تو [illegible] اس پر [illegible]
پر مالی کا املا ہی نہیں کیا، ساتھ ساتھ ایک سنگین [illegible] قاعدہ کی خلاف ورزی بھی کی، یعنی یہ کہ ضمیر واحد
کے لیے فعل جمع کی جگہ فعل واحد استعمال کیا۔ اُردو میں سیم ولر کے نقش قدم پر چلنے والے ہزاروں ہیں، ان
کا ذکر فضول ہے، مگر ایک انگریزی لفظ catalogue کی جو ایک نئی شکل رہبر میں ص۲۶ میں [illegible] جگہ
ہے، اس سے میں ناظرین کو ناواقف نہیں رکھنا چاہتا، یہ "کیٹالاگ" ہے۔

۱۔ دو چار سطروں میں "حرفِ چند" وغیرہ، مقالات وغیرہ ۱۶۵ صفحات میں، تقطیع [illegible] قیمت ۱۰ روپیہ
۲۔ ہفت خواں کی جگہ "ہفتخان" [illegible] بجواب فرہنگ فارسی جلد [illegible] مؤلفہ ڈاکٹر محمد معین، طبع ایران

مضمون نگاروں نے شاید یہ سمجھا تھا کہ یہ قول نہیں تھا کہ بعض کو برا کہنا اچھوں کے ساتھ زیادتی ہے
اور بظاہر وہ اس جملے کی صداقت سے قائل معلوم ہوتے ہیں کہ میعار تلاش انگلستان کا الاشیہ فرانس سے مقابلہ کر کے
ہوئے کہا تھا کہ ان دونوں ملکوں میں علمی مباحث کی سطح انگلستان سے اس لیے بلند تر ہے کہ وہاں مقابلہ سخت گیر
زیادہ ہوتی ہے۔ ہندوستان میں نرمی کی نہیں سختی کی ضرورت ہے، بلکہ بہتوں سے طنزیہ الفاظ میں نہیں صاف
صاف کہہ دینا چاہیے کہ تحقیق آپ کے بس کا روگ نہیں، آپ نے کوئی اور کام کرنا چاہیے۔ بہتوں کا دماغ جھوٹی
تعریفوں نے خراب کر دیا ہے، وہ محققین کی صف نعال میں بھی بیٹھنے کا حق نہیں رکھتے، لیکن وہ اپنے کو صف اولین
میں ایک ممتاز جگہ کا سزاوار سمجھتے ہیں، ایسے لوگ اپنی اصلاح کیا کریں گے؟ کتنے ہی نرم الفاظ میں اظہار کی
نشاندہی کیوں نہ ہو، وہ معترض کے دشمن ہو جاتے ہیں۔

مضمون نگاروں سے میری گزارش ہے کہ میرے مقالہ متعلق مصحفی و انشا (شائع کردہ اردو ادب)
کو پیش نظر رکھتے ہوئے کسی ایک شخص کا بھی نام بتائیں جس نے دشت تحقیق کو انشا و مصحفی کے معرکے کا میدان بنا دیا ہے
ایک مضمون نگار نے ص ۱۸ میں EVALUATIVE کا ترجمہ توضیحی کیا ہے، کتنی گمراہ کن بات ہے۔
مبادیات کا لفظ خلاف اصحاب نے استعمال کیا ہے ص ۳۸ وغیرہ، یہ کوئی لفظ نہیں، اس کی جگہ مبادی لکھنا تھا۔
ایک صاحب فرماتے ہیں کہ "میں ان لوگوں میں سے نہیں ہوں، جو یونیورسٹیوں میں ریسرچ کے معیار کو
.... (رہبر میں اسی طرح) حقارت کی نظر سے دیکھتے ہیں۔ میرے نزدیک یونیورسٹیوں میں اچھی اور معیاری
ریسرچ کے نمونے خاصی تعداد میں مل جائیں گے" ص ۳۸ انھیں تحقیق سے دور کا بھی سروکار نہیں یہ معلوم کرنا دلچسپی کا
موجب ہوگا کہ وہ کن مقالوں کو معیاری ریسرچ کا نمونہ سمجھتے ہیں۔

ایک مضمون میں ہے کہ غالب "نظیر آبادی کے متعلق بہت بری رای رکھتے تھے" ص ۱۲۱ لکھتے ہوں گے
مگر اس کا ثبوت کیا ہے؟ ایک مضمون میں کئی جگہ ہجری سنہ کے ساتھ ایک عیسوی سنہ دیا گیا ہے ص ۱۲۵ وغیرہ۔ میں
کہیں لکھ چکا ہوں کہ خاص سنین سے جن کی تعداد کم ہے، چنانچہ (اور بعض کی تاریخ بھی) معلوم نہ ہو تو دو عیسوی
سنہ لکھنے چاہئیں۔ بیسویں صدی عیسوی میں اس جنت نشان ملک میں بے حسرائی کس حد تک جا سکتی ہے
اس کا اندازہ اس سے ہو سکتا ہے کہ اس مضمون میں شبلی کی ۴ کتابوں الامون، سوانح مولانا روم وغیرہ کے
بارے میں یہ راز ظاہر کیا گیا ہے کہ "اب ان موضوعوں سے متعلق کچھ اور لکھنا محال ہے" ص ۱۴۳

لیکن ان کو خاص سلیقہ و حسن کے ساتھ گلدستہ (کذا) کی صورت دینا بڑا ذوق سلیم چاہتا ہے۔

اس سے بھی بحث نہیں کہ "کس قوت" کی کیا اہمیت ہے، اگر کوئی صاحب یہ بتا سکیں کہ تبصرہ نگار کے نزدیک "تیسری قوت" کس متلازمہ کار رہی ہے؟ تو میں ممنون ہوں گا۔

ایک صاحب لکھتے ہیں: "اور جہاں تک میرا سوال ہے میں اس احساس برتری سے محروم ہوں کہ رشید حسن خاں، نثار احمد فاروقی، ڈاکٹر فہمیدہ سلطانہ، ڈاکٹر مسیح الزماں، ڈاکٹر شجاعت علی سندیلوی، ڈاکٹر محمد الٰہی، ڈاکٹر حنیف قتیل، ڈاکٹر فضا السید احمد، ڈاکٹر تنویر علوی، ڈاکٹر خلیق انجم، ڈاکٹر انصار اللہ نظر اور ان جیسے دوسرے حضرات کی تحقیقات کو نظر انداز کر سکوں۔" ص ۱۱ اس سے رشید حسن خاں وغیرہ کی جو توہین ہوتی ہے، ممکن ہے کہ انھیں اپنی "برتری" کی طرح، اس کا احساس نہ ہو کہ وہ جن کی تعریف کرنا چاہتے ہیں ان کے الفاظ سے ان کی توہین ہو رہی ہے۔ ان کے قلم سے جملہ مذکور اس کی جگہ یہ لکھا جا سکتا تھا "رشید حسن خاں وغیرہ کی تحقیقات کسی طرح نظر انداز نہیں کی جا سکتیں"۔

یہی صاحب ص ۲ میں رقم طراز ہیں: "ضروری ہے کہ اغلاط کی نشاندہی میں احساس برتری یا طنز و تمسخر کا شائبہ نہ ہو۔ غلطی کون نہیں کرتا، اغلاط کی طرف ہمدردی و دلسوزی کے ساتھ اشارہ کیا جائے، تو اس سے اصلاح ہو گی۔ پھبتے ہوئے الفاظ میں وہی بات کہی گئی، تو مشار الیہ چڑھ کر اپنی بات پر اڑ جائے گا، گویا انشائیہ[1] کا حق ادا ہو جائے گا۔ لیکن اعتراض کا مدعا خبط[2] ہو جائے گا۔ یہ نہایت ضروری ہے کہ تحقیقی بحث میں ذاتی حملے نہ کیے جائیں۔ دشت تحقیق کو انتشار و بغض کے معرکوں کا میدان نہ بنایا جائے"۔

اگر کوئی اس مشورے پر عمل کرنا چاہے تو کتاب خواہ اغلاط فاحش سے کتنی ہی مملو کیوں نہ ہو، اس پر تبصرے کا آغاز کچھ اس طرح کرے "جناب والا کو نہایت ادب سے اطلاع دی جاتی ہے کہ جناب والا کی کتاب (نام) میں بکثرت اغلاط فاحش نظر آتی ہیں، یہ تو ممکن ہی نہیں کہ جناب والا سے یہ غلطیاں سرزد ہوئی ہوں، کاپی اور پروف کی تصحیح کا کام جن صاحب کے سپرد ہوا، بظاہر کثرت مشاغل کی وجہ سے وہ اس کے لیے کافی وقت نہ نکال سکے۔ جناب والا اس سے بے خبر نہ ہوں گے کہ اس ملک میں حاسدوں کی کمی نہیں، وہ موقع کی تاک میں رہتے ہیں، اور چھاپے کی غلطیوں کو مصنف والا کی غلطیاں قرار دینے میں انھیں مطلق تامل نہیں ہوتا، احقر کا باادب مشورہ ہے کہ آئندہ تصحیح کا کام ایسے لوگوں کے سپرد ہو، جو اس کے لیے وقت نکال سکیں۔

۱۔ "انشائیہ" سے کیا مراد ہے؟ اور طنز و تمسخر سے کس طرح اس کا حق ادا ہوتا ہے؟

۲۔ خبط نہیں، فوت کا محل ہے، مگر ممکن ہے چھاپے کی غلطی ہو۔

قاضی عبدالودود (پٹنہ)

تصحیح و اضافہ

دیوان رضا

کتبخانہ خدا بخش کی فہرست مخطوطات فارسی جلد ۳ کے ضمیمے میں دیوان رضا عظیم آبادی کا ذکر ہے (۹۴۴، صفحہ ۲۵۷) فہرست نگار کی رای میں یہ دیوان رضا عظیم آبادی کا ہے، جس کے حالات زندگی انہوں نے نشتر عشق تذکرۂ شعرای فارسی کے حوالے سے درج فہرست کیے ہیں:

میر محمد رضا، معروف بہ میر محمدی نے ابتدائی تعلیم میر ضیاء الدین شاہجہان آبادی سے پائی۔ میر محمدی عظیم آباد سے مرشد آباد گئے، جہاں سنہ ۱۲۱۶ھ میں ان کی وفات ہوئی۔ مادۂ تاریخ وفات "افسوس از رضا" اس وقت ان کی عمر ۵۳ سال کے قریب تھی۔

یہ صحیح نہیں کہ ابتدائی تعلیم میر ضیاء الدین سے پائی۔ نشتر عشق میں مرقوم ہے:

"در بدو حال صرف و نحو فارسی تحصیل نمودہ، رغبت بانشای نظم ریختہ پیدا کرد، و اصلاح از میر ضیاء الدین ضیا تخلص شاہجہان آبادی کہ شعر ریختہ بسیار خوب میگفت، و بعد از خرابیٔ دہلی بعظیم آباد آمدہ بود و باش اختیار کردہ بود میگرفت"

نشتر عشق میں رضا عظیم آبادی کے دیوان فارسی کا مطلقاً ذکر نہیں، اور ان کا صرف ایک فارسی شعر مندرج ہے:

"کشتن چہ لازم است باین خشم و کین مرا — از ناز چون نمیکشی ای نازنین مرا"

یہ شعر نسخۂ زیر بحث میں نہیں، اور ورق ۴۹ الف میں شعر ذیل ہے، جس سے رضا کا بلگرامی ہونا قطعی طور پر ثابت ہے:

از شفائی ببرد گوی سخنگو یہا — بلگرامیست رضا گرچہ صفاہانی نیست

رضا بلگرامی کا صاحب دیوان فارسی ہونا صفیر بلگرامی سے ثابت ہے اور نسخۂ زیر بحث انہیں کا ہے، صفیر نے ان کے متعلق جو کچھ لکھا ہے، درج ذیل ہے:

"اگرچہ یہ اردو میں مصحفی کے شاگرد تھے، مگر فارسی کہتے تھے اور فارسی کے شاعر تھے۔ لکھنو میں

یہ دیکھا جاوے کہ حضرت ﷺ نے ابوبکر کو کیا تاکید کی رضی اللہ تعالیٰ کی مرضی سے بحث۔

ایک اور صاحب فرماتے ہیں کہ مسیلمہ کذاب تک رسائی ناممکن ہو گئی صفحہ ۱۲۸ سے۔ "خلافت" سے کیا مراد ہے۔ اور "ناممکن" کے کیا معنی لکھنے والے کے ذہن میں تھے، اس کی خبر نہیں، مگر یہ واضح رہے کہ وہ عربی سے قطعاً ناواقف تھے اور فارسی برائے نام جانتے تھے۔

کتاب میں تکرار مطالب اس قدر ہے کہ پڑھنے والا اکتا جاتا ہے، غلطت املا اور انشا کی اغلاط بھی موجود ہیں، اگر لکھنے والے ان کے ذمہ دار ہیں یا ترجمان کی نشاندہی کر کے ان کی تصحیح کرا لینی تھی اور اغلاط طباعت کی درستی کے لیے غلط نامہ ہونا تھا۔ اس سے ڈر تھا کہ بعض اصحاب اس سے چڑ جاتے ہیں اور غلطیوں کا شمول ان کی برہمی کا باعث ہو گا۔

غلط نامہ فارسی اور ہندوستان

صفحہ/سطر	غلط	صحیح
۵/۸	تخت	تاخت
۶/۴	جہاں	جہان
۶/۱۳	فرسں کے	فرسں کی
۷/۸-۹	کیا کیا	کیا
۱۳/۱۷	ہیں	میں
۱۵/۲۰	فارسی یہ	فارسی سے یہ
۱۷/۵	گم	گمو
۱۷/۸	مرد	مردہ
۱۷/۱۲	رود؛ چوں	رود چوں
۱۷/۱۸	چند؛ پی	چند پیٔ
۱۹/۲۰	دل چلا	دل جلا
۱۹/۲۳	کھینچاتانی	کھینچا تانی
۲۰/۲	PRCPIXES	PREFIXES
	SUPPIXES	SUFFIXES
۲۰/۴	دول	ڈول
۲۰/۱۵	اوپادھیا	او پادھیای
۲۴/۱۷	بحریں	بحرین
۲۵/۴	خویستن	خویشتن
۲۵/۵	محیت	محبت
۲۵/۱۳	عام میں	عام ہیں
۲۶/۱۳	سہتی	بہتی ہے
۲۶/۱۳	ملتا	بلتا
۲۸/۶	ابری؛ جوش	ابر پوش
۳۰/۸	EPIARAPHICA INDO MOSLEMICA	EPIGRAPHICA INDO MOSLEMICA
۳۱/۳	مزارعل	مزارول
۳۱/۱۳	کوفی خط	کوفی خط
۳۱/۱۶	سکتے	کتبے
۳۳/۲۲	سنتہ	سنہ

صفحہ/سطر	غلط	صحیح
۳۳/۱۴	نوبہر	نوبر
۳۴/۱۶	حریم	حرم
۳۵/۶	کے	کر
۳۵/۹	حظ کے	خط کر
۳۷/۱۵	بجیزی	بچیزی
۳۸/۲۱	ابن	ابن
۳۹/۱	پنای	بنای
۳۹/۹-۱۰	کتبہ	کتیبہ
۳۹/۱۲	سنہ	سنتہ
۴۱/۱۰	خطو	خطوط
۴۱/۱۷	آکاریوز	آر یوز
۴۴/۲۲	نفوز	نفوذ
۴۳/	تغیر	تعمیر
۴۵/۱	جبارتیں	عبارتیں
۴۶/۴	چترراامن	چترمن
۴۶/۱۶	اس کاکام	اس کا کام
۴۷/۱	میں پرس	میپرس
۴۷/۵	Miniltare	Miniature
۴۷/۸	coure	court
۴۸/۱۲	اٰن	آن
۵۰/۶	معاصری	معاصرین میں
۵۲/۲	ہوجاتا	ہوتا
۵۲/۴	ہے۔اس	ہے، اس
۵۶/۴	مردہ	نمودہ
۵۶/۷	کشتند	گشتند
۵۶/۹	حافط	حافظ
۵۷/۲	قال	فال
۵۷/۴	شاعر	شاعر

کلکتہ تشریف لے گئے اور سرکار سعادت علی خاں میں بہت دنوں تک توسل رہا۔ آخر اپنی شادی کی وجہ سے گھر و ضلع شاہ آباد میں آ گئے اور پھر نہ گئے۔ یہاں ایک انگریز نے ان کو زبان اردو سیکھنے اور فارسی پڑھنے کے لئے نوکر رکھا۔ آخر اس کے ذریعہ سے گماشتۂ افیون مقرر ہوئے اور یہیں چند روز قبل غدر کے بہ نیکنامی تمام و فراغت مالاکلام علیگنج سیوان سے بیمار ہو کر آئے اور آرہ میں انتقال کیا۔ یہ مولف کے بزرگوں میں ہیں۔ سید تبارک حسین والد سید محمد رضا بلگرامی کے ہیں۔ میرے پردادا کے والد سید خورشید علی خورشید ان کے حقیقی ماموں تھے۔ خاندان نواب نورالحسن خاں بلگرامی کا اہتمام بعد سید خورشید علی کے سید تبارک حسین کے ہاتھ سے ہوا۔ اور وقت انتقال نواب صاحب تک یہی مدار المہام رہے۔ سید محمد رضا بڑے قابلیت والے اور خوش خلق اور منکسر اور متین تھے۔ فارسی میں ایک دیوان اور دو مثنویاں فارسی ایک کا نام ولاشوب عاشقانہ دوسرے کا نام '۔۔!۔' [۱] اس میں اپنے بھائی سید غلام رضا کی حقیقی خالہ پر مکان کے گرنے کی کیفیت بہت فصاحت کے ساتھ لکھی ہے اور ایک قصہ گنجینۂ محبت نام بزبان اردو اور چند اوراق غزلیات اردو کے۔ مولف نے ان سے پڑھا بھی ہے اور اصلاح بھی لی ہے۔ کلام اردو آپ کا یہ ہے:

گر کرے زیب گلو وہ نوجوان سبزہ رنگ ___ فیض رنگ سبز سے تسبیح مرجاں سبز ہو
ماہرو میں نے کہا تم کو تو عالم نے کہا ___ میرے ہی کہنے سے صاحب عرش کو تلے ہو
نام میں مینں گے لب نوشیں کی قسم ہے ___ شیر ہو تلخی تیری ہاتھ سے لے اسم ہے"[۲]

۱- کذا، بیاض - ۲- جلوۂ خضر ج ۱: ص ۱۹۸-۱۹۷

۱۱ - کولوٹولہ اسٹریٹ - کلکتہ

جناب مکرم

افسوس ہے کہ کثرت کار اور ہجوم احباب سے اتنی فرصت نہیں ملتی
کہ خود بالتفصیل پریس کی نسبت ضروری معلومات بہم پہنچا سکوں
اور صرف ایک گھنٹہ کا کام رہ گیا ہے - میں اسکو ابھی طے کر دیتا
مگر ہجوم احباب ایک گھنٹہ کا وقت نہیں دیتا - اسلئے آج شام کو ڈاک کو
روانہ ہونگا اور پھر جمعہ کو یقیناً واپس آجاؤنگا - پھر ۱۷ ار
کا وقت ہے اور انشاء اللہ عنقریب جلد قیام پریس کی صورت ہو جائیگی
لیکن ایک نہایت ضروری معاملہ ہے جو اس وقت اس خط کے
لکھنے پر مجبور کر رہا ہے - اگر ضرورت متقاضی نہ ہوتی تو میری خودداری
اسکے لکھنے سے سخت مانع آتی
میں چاہتا ہوں کہ قریب ایک ماہ کی تنخواہ متعلق "اخبار" مجھے اس وقت مل سکے
دیدیں تاکہ [illegible] میں کوئی ادائیگی ہو [illegible] واپسی پر

صفحہ/سطر	غلط	صحیح
۶/۵۷	لسان العیب	لسان الغیب
۲۲/۵۷	تاریخ ے تغلق	تاریخ تغلق
۵/۵۸	آخیر	اخیر
۱۲/۵۹	کو تاریخی	تاریخی
۷/۶۰	نعیس	نفیس
۴/۶۱	۱۰۱۴	۱۰۱۴ھ
۸/۶۱	والار	والد
۲۳/۶۱	بیشہ	پیشہ
۷/۶۳	عفر	غفر
۱۱/۶۶	ملا یسلطان	ملا سلطان
۱۳/۶۷	شاہزادویل	شاہزادیوں
۶/۷۳	میں اور اردو	میں اردو
۷/۷۳	کی وجہ	کی وجہ سے
۸/۷۳	ہوا	ہوتا
۱۸/۷۳	الفیقرا	الفقرا
۱۰/۷۴	صاحب قران	صاحبقران
۱۹/۷۵	پٹھیالہ	پٹیالہ

صفحہ/سطر	غلط	صحیح
۵/۷۴	فرستاد	فرستادم
۵/۷۷	بڑھی	پڑھی
۱۶/۷۷	بسنگ	سنگ
۷/۷۸	صیغو	صعوہ
۷/۸۶	الاجبیہ	الانبیہ
۲۳/۸۸	اول	اول میں
۱۳/۹۰	التمش	التتمش
۱۶/۹۱	فارسی۔فارسی	فارسی بہ فارسی
۱۵/۹۲	معلوم ہیں	معلوم کیے ہیں
۲۱/۹۲	متن	منطق
۸/۹۳	خلقانی	خلفا لی
۴/۹۵	متن کیا	متن تیار کیا
۵/۹۶	ذریعے نہیں	ذریعے سے نہیں
۱۳/۹۶	الملتہ	الملة
۲۱/۹۶	ظرائف	ظرایف

-ful library mine
have had the desire
-eat joy to be able
- of rare books
-ently and so kindly
- works of art. The
colouring about
-n and Shah Jamah
the eye. I revere
founder who has
to present India
-tion.

M.K.Gandhi

اخبار جاری ہو جائیگا - اور انشاء اللہ چھ ماہ میں یہ رقم وصول ہو جائیگی -

میں سمجھتا ہوں کہ آپکو اس میں عذر نہ ہوگا بالخصوص اس حالت میں کہ یہ پیشگی رقم

اس وقت میرے لئے ازحد کفایت کا باعث اور بیحد مفید رقم ہوگی -

اگر اظہار کی خریداری فروخت بھی سمجھا کہ آپکی درخواست نہ ہو تو جواب کا ممنون ہوں

اور ممنون ہوں گا

۲۵ دسمبر ۱۹۱۲ء

ابوالکلام آزاد دہلوی

gales whereas the invincible house of the sustainer of the cosmos is strong. The ridge pole of the house is low. It is leaking and the drops are falling like strings of pearls (the worn out home gives way to the torrential rains which break it in the middle.

5. Jārun Tor Chalkai Jālun Bikat Katār; Jehi Karot so tas Bhākhe Tehi Bha'o Bhinsār i.e. The unsteady glittering overflowing water appears as a clawlike dagger; whatever one does or performs, one continues to speak about that till the coming of the dawn.

6. Āmi Kaun Tan Pakherwān Jangal Karanh Udās; Kankar Chunh Jal Beenh Dhani, Na Chho'u Na Bās i.e. Of what body am I; the bird in my physical frame is like a forest which becomes desolate when forsaken. I pick up the pebbles to purify or raise the level of the water without there being any temptation or desire to remove all obstacles in the path of knowledge or union.

7. Jaith Asādh Na Ā'inyān Pātan Bhar Bhar-Bānh Tai'yi Bhari Bisār (Tusār) Dhani Tehki Jal thal Nānh i.e. Even before the advent of the oppressive months of Jaith and Asadh there has been a luxuriant growth of the leaves (infinite blessings of the Lord). For him it is not a big thing to make a marshy ground half covered with water and to keep plentiful frost or snow concealed within the clouds.

In a fairly long letter (63) full of highly abstruse, mystical and spiritual sentiments regarding self-abnegation and absorption in the Deity, the writer refers to what may have been an important Hindi Distich, for we are told "the lives of hundreds and thousands of travellers of this high path may be offered as a sacrifice (qurbān) for the sake of this single Duhra (Doha). Unfortunately, only a portion of it, and even that difficult to decipher and render correctly, has been given : "Sāyeen Aik Halak Rāji Taras Kun Teh Ā'o" (The worshipful Lord is one; cling to Him; and come in the row; and lose yourself in Him (Sic !).

●

Notes : Of the five copies of the Maktubat, seen by the present writer, he Abdali manuscript of Manersharif is incomplete; that of Biharsharif is now no longer available, while the Patna manuscript of Khudabakhsh Oriental Public Library, though complete is defective in that a few folios are disarranged, and the missing and torn portions of many pages, here and there, have been pasted by white or tissue papers. Its first three folios contain the copies of the 56th and some other letters of Shah Husain Muiz entitled Nausha-i-Tauheed, the compiler of the Maktubat of his peternal uncle, Maulana Muzaffar Shams Balkhi. The fly leaf gives 1264 F, 17 Safar as the date of the binding and also the name of the seribe as Masihullah. The colophon gives the name, parentage and the geneological table of the transcriber, alongwith the final resting place of his ancestors, including Saiyed Ahmed Jajneri. The variations in the contents of this and those of the Balkhi manuscript of Fatuha Khanqah which is by far the best, the oldest, and the most reliable of all that the writer has come across, are very few, almost negligible. The first seven folios of this manuscript consist of a very well written copy of the table talks of Makhdum Shāh Āmun, one of the Chief disciples of Hazrat Shaikh Makhdūm Maneri. The colophon also contains many seals and what are more important, miscellaneous scribblings of the original owners, particularly of the famous theologian, mystic and logician of mid 18th century Bihar named Maulana Ghulam Yahya. There are many marginal notes of this well known Bihari, Scholar. This manuscript, written in good Nastaliq, has a full list of the contents in the beginning as is the case with the manuscript of Khuda Bakhsh Library.

would fall into misfortune and difficulty (from which you cannot extricate yourself). When you admit them in your nearness they would like to involve you in sin. Don't entrust a work into the hands of the infidels by reason of which they would become a wāli (Governor—ruler or superior) over the Musalmans, exercise their authority in their affairs, and impose their command over them. As God says in the Qurān, 'It is not proper for a believer to trust an infidel as his friend and wāli, and those who do so have no place in the estimation of God'. Hear God and be devout and pious; very severe warnings have come in the Kitāb (holy book) and traditions against the appointment of infidels as a ruler over the believers. For the pious and the abstinent God opens out such a path of support and subsistance as can scarcely be thought about".

Historically, the mention of the end of the eighth century (Hisad tamām shud) and the warnings given to the Sultan by the writer, who claimed to speak under divine guidance, against elevating a Hindu official to the highest place and nearest to himself, are of capital importance. There is some controversy about the date and manner of the death of Sultan Ghayāsuddin Azam Shah. His coins have been found with dates as late as 813-1411. As his reign in Sonargaon and Satgaon ran parallel to that of his father during the last four years of the latter who died resisting his rebel son in 795, the references in the letter to the timing and to the martyrdom of Sultan Sikandar are in accord with what is given in recorded history. The last farewell letter dercribed as Widā'ī or valedictory, must have been written in or just after 800 for he soon left for Aden where he died in 803. Sultan Ghayāsuddin is said to have been succeeded by his son, Saifuddin, who was followed by two other non-entities, the last of whom was dethroned after an ephemeral reign of barely a year by the dominating Hindu Wazir, Kans or Raja Ganesh of Bhaturiah. If the author of Riyāz-us-Salatin is to be believed, this powerful Hindu chief had risen to great height, even under Sultan Ghayāsuddin, and after causing his death by his machination and treating his sons and successors as mere puppets on the throne, usurped the regal position. The pretender had, however, to give way before the joint pressure of Nur Qutb Alam, the saint of Pandua, and his supporter, Sultan Ibrāhim Sharqi of Jaunpur; and he handed over power to his twelve years old son, a Muslim convert, who founded a new dynasty of rulers in Bengal. The saintly writer cannot be credited with predicting the future events in any way, but there was probably much in the then exciting situation which might have

led him to foreshadow the coming debacle of the Ilyās Shāhi dynasty. The history of this period of Bengal history is very confused and controversial.

We may conclude this paper which has already become too long, with a very important feature of this collection of correspondence, and that is the occurrence of more than half a dozen of Hindi Dohras, in three or four letters, 121, 172, 173 and 63. It is difficultt to determine the exact or correct reading of these Dohras specially the first of the series though they appear to be much like the same in the two manuscripts which have been consulted and collated. Nor is it possible to say anything about their authorship. What can be said at best is that both the writer and his Pir who have been mentioned in connection with the first verse, despite their orthodoxy, were quite familiar with, and even appreciative of, the indigenous language what ever it might be, which was current in their environment. It is for the Hindi scholars, specialists in linguistics, to give them a correct reading and also rendering, and to see if they are or are not specimens of old Brijbhasha with some sprinklings of the two of the triple Behari dilaects, Bhojpuri, Maithili and Magahi. They read as follows :

1. Aikat Kandi Bedhiya Bahutar Bhar ke Gā'in; Jatā (Chintā) Heen Man Ranjhiyā(Ichcha) Maran Tetahi Nahāin, i.e. Strictly collecting one's self (gathering together of ideas) in various ways, and to his heart's content, he sang (glories of the Lord). Being free from anxieties and attachments, and abandoning his desires he became submerged in the great mysterious unknown.

2. Bāt Bhali Par Sānkari, Nagar Bhalā Par Dūr; Nānh Bhalā Par Pātlā, Māri Kar Har Chūr i.e. The path is good, but it is narrow and difficult. (The road to infinity is glorious but shrunken); the town (other world) is good, but it is at a distance The Lord is good and beningn, but He is subtle, one has to break one's self into pieces to reach Him.

3. Sānkar Ku'e Patāl Pāni, Lākhanh Bund Bikā'e; Bajar Paro Teh Mathura Nagari, Kānhā Piyāsā Jā'e i.e. The well is narrow; the water is deep down the earth; and drops are well over lakhs. May lightning fall on the town of Mathura from which Krishna has to go thirsty.

4. Kahā Yon (Kahā Pavana) Āpan Ghar Thatthar, Kahā yon (Kahā pavana) Nisat Tuhār (bahtar); Beech Balandya Ghar Chuve, Bund pare Ratanhār i.e. To such a degree is my thatched house (frail frame of my body) tottering that it cannot withstand the terrific

"One or two important affairs (Muhim) which you had to face due to your obvious position in the state were really momentous, and they may be taken to be affairs of Islam. The Darvesh is with you and is a virtual sharer with you, and physical separation does not count. By the grace of God you will accomplish your purpose. Whenever any important affair confronts you, you may send the information about that to me at Mecca either through letter or through individual messenger. After achieving success you should occupy yourself with the uprooting of heresies (bida'āt) and suppression of all innovations not prescribed by Law (Muhaddasāt-i-nā-mashru); you should enforce the payment of the prescribed alms (Zakāt). Oh my son ! you should keep in mind the counsels offered by this humble poor man, Muzaffar Shams, who is your well-wisher from the earliest time upto this day. It has been a tradition that such men as were learned, worthy of company and love had nearness for spiritual secrets and opinion, in the eyes of the Prophets, saints, and Sultans have been God-fearing, pious and just people and they have wished well for the slaves of God, and not every self-centred, haughty and avaricious persons... In my opinion among the rulers of the earth, these gifts have been bestowed by the Almighty God upon you, for your good deeds have been met with approbation. Those wretched people who take pride in the apparent dominion they have and that has been given by God even to infidels are totally destitute of all good things of great signification. The fitting robe of learning, liberality, munificence, intrepidity and a heart of lion have been gifts of God to you.

"Sultan Firoz (Tughlaq), may God pardon his sins, had been very much devoted to Mashā'ikhs (saintly personages). For a few days His Holiness Saiyid Jalāluddin (Bukhāri), may God keep the place of his eternal repose cool ! had come to him. He was associated with him and derived many (spiritual) things from him, and he constantly acted upon the same. He had developed a habit that when he was in a furious mood he talked about punishment by killing and retribution. But before the order could be put into execution he hastened to admit that his words should not be construed as his orders, for what he had said might be taken as wrong accusations (Qazaf). On this occasion in such matters he sought the Decrees of judges and the expositions of laws by their expounders, and he pressed them for precedents, and then issued his orders. He would exclaim "Oh God, it is not your slave, Firuz, who gives orders; it is the religious law (Shara) which so orders. At the time the Saiyid had

came he had become very old, aged about ninety. The sultan caused a proclamation to be issued at Delhi to the effect that whosoever had any grievance against him, he should come, catch hold of his shirt, and put forward his claim, and he would be too glad to satisfy him.

"The extent of affection which the poor fellow bears for you is best known to you. He is your well-wisher. Correct affection and well-wishing lie in speaking the truth and disclosing prudent measures : otherwise it would be a betrayal of just claims. The eighth century has passed out and the signs of the coming Resurrection are increasingly visible. An Empire like that of Delhi with all its expanse and abundance, spiritual and physical comfort, peace and tranquillity has turned upside down (is in a topsy-turvy condition). Infidelity has now come to hold the field; the condition of other countries is no better. Now is the time, and this is the opportunity. I, the slave of God, used to see that Sheikh-ul-Islam Sheikh Sharful Haq, may God sanctify his secrets in his grave! had ever been favourably inclined towards this land and this country had also been favoured by God. He had kept Sheikh Sharfuddin, the advance guard (of spirituality) in this land. Howsoever much Sultan Firoz (Tughlaq) and others on his side wished that he should write something specially for them so that they might keep these as a memento he never wrote anything specially for or sent that to them On the other hand, he felt hearty pleasures in writing letters to the martyred Sultan (Sikandar, father of the addressee). You have had the effects and legacy of those blessings on yourself."

The long letter concludes with the following important observation and counsel. "God the great and Almighty has said 'Oh believers, don't catch hold of the lining of the garment of those who are low and vile'. The substance of what has come in the tradition and commentaries is this : Oh believers, don't make strangers, that is infidels, your confidential favourites and ministers of state. They say that they don't allow any to approach or come near to them and become favourite courtiers; but it was done evidently and for expediency and worldly exigency of the Sultanate that they are entrusted with some affairs". To this the reply is this that according to God it is neither expediency nor exigency but the reverse of it; that is an evil and pernicious thing (tending to disturb or corrupt). Therefore it was incumbent on us that in this matter we should listen to what God has said and keep our flimsy pleas aside. He says 'Wadoo mā 'anittum', i.e. they would choose for you that by which you

We, however, get an interesting reference to SultanFiruz Tughlaq which is confirmatory as well as supplementary. Not the least in importance is the opinion expressed and the advice offered to the royal addressee, on the perusal of which it is likely for one to question as to whether catholicity of views, broad-mindedness and the spirit of toleration had as strong a hold on this Firdausi saint of Bihar as on most of the Sufis of major orders, with possibly a single exception of Abdul Quddus Gangohi of the Sabiria section of the Chishti order, as is revealed from the gratuitous counsel he offered to Emperor Babar. Considering the time and condition under which the two wrote about not appointing Hindus to high places in administration and the need of preventing them from domineering over the Musalmans much can be said by way of allowances and explanations.

It is not possible to deal with even the important extracts of all the letters and, therefore, we would confine our attention to two. The moving references in the following passages in letter 151 speak for themselves. "The auspicious farman has been received. It is beyond the writer to couch the reply with words and expressions which are polite, suitable and affable. For both the hand and the pen are weak and infirm and the love-sick heart is in anguish". The farman of the King was charged and replete with pearls and jewels of significations. It included a quatrain which is this "Ai-mast-i-Sharāb i-Zauq-i-bātin—Sarkhush ba madām shauq-i-bātin—Yak jur'a ba kām-i-īn gadā rez--Ai Khusraw-i-jooq jooq bātin" (i.e. "oh you who are intoxicated with the wine of esoteric tastes (flavour)—you who are merry-headed having a perennial yearning for the inward parts of things; Pour a drop on the palate of this beggar—Oh kingly soul fully imbued with secret (mystic) thought which come to you in lots (groups)". Although I was sober and sensible, the quatrain threw me into a state of inebriation. How and by whom can the drop be offered and to whom—the cups and the goblets are bound to come close to the goers (travellers : Sāliks) who set aside ego and self conceit and traverse the road of the dictum "Die before death comes". I can bear witness to the fact that the sacred and the Almighty God has granted to the King plentiful dozes of tastes and pleasures in mystical and spiritual matters, and has endowed him with an increasing share in understanding the import of apparently enigmatical discourses of the Darweshes. In the farman you have referred to your affection for me and your eagerness to see me, the poor fellow...... By God it is the love of God and yearning to meet God which really counts, with this poor man. So far as you are

concerned this is just the beginning and serves as a preamble of love; and God willing, the fruit would one day ripen and you may some day partake of it".

Leaving aside the numerous allusions in other letters which are not absolutely devoid of interest and are pregnant with observations and instructions on matters mostly spiritual and mystical, we may proceed to letter 163 which was sent in reply to one received from the Sultan. It contains many statements not necessarily linked on to one an other in a consecutive chain; and statement is complete in itself. "In the previous letter something has been written about the path of God pursued by goers (Sabil-ul-Lāh) By God the great... this kind of attention and favours which the King has displayed and the affection and yearning for meeting me that you have evinced has been expressed repeatedly in all the Farmans, specially the one just in hand, which deals with pangs of separation in lyrical poems, bidding farewell, give indication of maturity of composition. This would have influenced me, had the matter lain in my hands, and I would not have passed out of the King's threshold. But God's will overcomes all other affairs. Ill-circumstanced and afflicted in mind as I am I, nevertheless, know that such sonnets are not to be taken as merely metaphorical or superficial, but are the outcome of genuine and real feeling. The tone of the farewell poem is like a heart-piercing arrow; but what can this slave of God do; the reins of action and decision lie elsewhere. You did a great thing in that you did not give me a place very close to yourself, but have found a place in me, a madman; because of me you have become a beloved of my friends......

"In my opinion, by the gifts of God, the cherisher of mankind, you have developed a capacity of looking at the inside of things of the pure faith and the understanding of things of manifold signification. It appears that my heart would be opened out to you. A pious inspired man, Abdul Malik, has been a recipient of my letters which might form a volume: It may be at Pandua or at Muazzamabad, but I don't remember where it exactly is. Oh my son, get the permission and go through its contents. Something of my inward part may be opened out to you. You are the second person on whom I have poured out my secret (mystic) thoughts. It behoves you not to disclose my discourses to anyone else. Everytime that you go through my writings you will have fresh and new pickings and you may think that you had not correctly comprehended the real import on the earlier-reading.

Bihar near the Rauza (shrine) so as to make frequent religious visitations. Such a thing is open and is being resorted to by both Musalmans and Hindus". Thus this refers to his visit of some places in Oudh. In letter 42 he tells us about his wanderings, "I flee from a city to city, from a village to village, from one wilderness to another". In letter 115 he refers to a 'Kunj' (a corner or confined place) in which he, "a resourceless, totally destitute, without domicile, had kept himself confined for some years", and he had no such body of men for whose "necessary expenses for living (Nafaqa) he might be responsible according to the religious law (Shara)"; and as for those who were around him, "they were as helpless and unprovided for as he himself". By the blessing of the Sheikh, may his grave be hallowed, he had, however, no worldly attachments.

This 'Kunj' must have been somewhere in Bengal. In letter 152, addressed to Sultan Ghayāsuddin Āzam Shāh he writes, "I, the helpless one, have already bid adiue to you, exalted of God, at Gangura. Now the season is near at hand. You may do the favour of sending a farman to the agents or directors (Kārkunān) of Chatgāon to the effect that this poor man, along with a few Darveshes, is intent upon undertaking a journey to Ka'ba; that all the Faqirs have been assembled; and all should be put into the ship of the first season". Addressing the same Sultan in letter 148, he writes, "the four months of the ship season are ahead of us; there are eight months still left; during all this while I have spent my life as a guest in the auspicious threshold of your majesty; may not your exaltation lessen ! I have revived from my illness after four months; it is for God Himself to afford cure and give illness". In letter No. 167 which deals mainly with the question of Zainab, a wife of the Prophet there is an important personal reference. "This house where the King, may God the most high preserve him ! has made me halt is outside this city. It is an airy solitary place a pleasent corner of retirement without hinderaces whatsoever. Was it in the vicinity of Chittagang ? In letter 180 we get a more definite information. "This poor man arrived at Muzzamabad by the grace of God. A further march forward of the bridle of design lies in the hands of impelling destiny as in the past".

Reference here is to the earlier journey to Arabia and the first visit to the holy sanctuary at Mecca. Letter 81 says, "It has been the ardent desire of this helpless man that he should again undertake a journey towards the Qibla (Ka'ba in Mecca towards which the Muslims turn their face when in prayer). Perhaps I may fall into

the saltish shore and thus come out purified of all my contamination. But my black (vicious) sins followed my steps. I do not know when such a thing would happen. Ah. Alas! I know not whether I would achieve my object through the will of God or in the desire I would die.....one thing is certain. If God so wills, and I proceed towards that place for a second time I would go there to die". There is a cryptic reference to the first visit in letter 140, "this poor man has always had blessings and prayers of friends from the land of Arabia to this land". There is a reference in letter 165 also to his having bid adiu to the Sultan and left for the house of God to be devoutly employed (Mujāwarat) there. In letter 165 the writer refers to a dream in which the Prophet appeared to have invited him to the Arabian land. These dreams, as he writes. "have brought me upto this place in this far off kingdom and placed me in the auspicious royal threshold during the past two years. Now I request for leave so that by way of charity the king may give me a send off towards Chatgaon, and to this effect a farman may kindly be issued. All the hairs of this helpless one have become completely white; the teeth have left off their roots; the old age has brought blindness very near".

Apart from the theological, moral and mystical essences which form the central theme and are the heart of the work, there are thus certain biographical touches and incidental references which shed some light on the practical aspects of social life which attract one's attention. But more important to a student of history and culture are the dozen letters addressed to the third Sultan of the Ilyās Shāhi dynasty of Bengal, containing matters which show the Sufism of the writer in its historical form. In two or three letters there is no clear mention of the addressee's name but the context establishes his identity. The letters are numbered 148, 163, 165-167, 179, the last being the longest. They reveal that Sultan Ghayāsuddin Shah was a religious-minded ruler, deeply interested in Islamic mysticism, and he was also a man of literary tastes who could compose good and meaningful verses in Persian. He was frequently in correspondence with the Balkhi saint, the distinguished and prolific writer of mystic letters, as his father, Sultan Sikandar, had been allowed by H. Sharfuddin Maneri to be in communication with him on religious and mystical subjects. The saint of Bihar loved Bengal and there was frequent exchange of letters, written and received by the Bengal ruler. Unfortunately, all traces of such written dialogues between the two are now lost and the various volumes of the Maktubāt of the Maneri saint give no clue to such a thing.

self with questions of date and location. Therefore, it is difficult to say exactly as to when the letter 21 saying "for twenty and some years that I pursued this one way track" letter 42 telling "this was the confounding twentieth year of this luckless fellow"; and letter 71 indicating "I, the helpless one, had been straying and felt stupified, night and day, for 20 years in this very pursuit", were written. The letter 118 also says, "for years in the past I had heard from my spiritual Master, the Sheikh, may God sanctify his grave, that these were times bubbling (overflowing) with mischiefs and calamities, and the latest that I heard such a thing would be about twenty years". How are all ,these to be reconciled with what we get in letter 85, which appears to have been addressed to his Pir or Murshid obviously before his death in 782/1381, "for about 30 years I stirred about and struggled, sometimes in all sincerity, and sometimes under false pretences; but I, your attendant, by sitting at your feet and following your ways, was in a position to realise and ascertain it as a truth and as a verified verity that whosoever, either outwardly or inwardly, showed any clinging, even in the least, to things other than of Allah, he would remain attached to and hanging upon that to the last, and would be farthest from God". There are, however, some letters shedding light on time and location. In letter 2 the writer refers to "Haft-Sadiyān" or men of the 7th century, and says "Mā Hi-sadyān aim" i.e. we are men of the eighth century; and also that "the people of Delhi are nearer than us, the people of Bihar, to the sanctuary of Kaaba". Letter 23, addressed to one Prince Khizr, says, "the period of repose and rest of mind is over; O my brother ! today is the end of the eighth century (hi-sadi); that Qarn (ten Qarns generally identified with a sadi) is over; and the people of that age are gone away". This proves conclusively that the commonly accepted date of death of the Balkhi saint, 782 or 785 is without any basis.

Letter 80, addressed to somebody in Bihar on the commotion of love says "You have asked as to what made me come to this side without bidding farewell to the friends—verse; my ill-luck did not spare me to remain in your lane; otherwise I would have continued my stay longer in your threshold". Letter 82 indicates that for some time after the death of his Pir he kept on rendering spiritual service at the place of his eternal rest, for he says, "I was bodily close to and devoutly employed as an attendant (Mujāwir) at the shrine, but really and in my heart I was at a distance of thousand farsakhs (each a league—1800 ft.), and, therefore, I lessened my troubles in the

'Astāna' and carried the contamination of myself from that place". The question arises as to when and where he went. In an important letter (132) he acknowledges the addressee's letter along with a present in the form of an Egyptian prayer-carpet (Musalla-i-Misri) through Khwaja Hisāmuddin Bazzāz (a dealer in clothes) and says "It is about five months that I came here and have occupied a place in old Delhi (Dehli-i-Kuhna) under the conviction and in expectation of pursuing the paths of the mendicants". It is difficult to say as to when this happened. In letter 101 he practically invited a disciple to Delhi, "what measure of distance lies between him and Dehli ? Let him fasten the girdle, come and stay there for sometime and gain something from associations with religious Divines who are mendicants". The author of Manāqib-ul-Asfiā says that his Pir had advised him to leave Bihar for his old place; this time to acquire spiritual learning for he was already a past master in worldy learning. We get also some details of the journey. But we get nowhere any reference to this in the letter.

But this letter was written when the eighth century was about to end for among many other things it says "Hi-Sadi Tamām Mi-Shawad", the day of resurrection is near; death lies in ambush; and provisions for support in the journey is lacking". It appears that after he suddenly left Bihar he first travelled towards the West and then turned towards the East. He writes in letter 138, "I, the helpless one, by reason of ill-luck had been held captive in this land of Hindustan amidst creatures with Satanic, ignoble, and lustful desires..... However much as I wanted to come out of this country and land in Arabia, such a fortune did not come to my hands". The letter 78 addressed to Maulana Alam says, "your letter contained a friendly reproof for abandoning the Pir's ground (Qadam) and settling down here in Awadh. Oh my simple friend! You are keeping your pace below the foot of the Pir; but does this imply mere presence in front of the doors and walls or in the neighbourhood of the Pir's shrine ? Know it for certain that had I really found the track or trace of effects under the feet of the Pir I would never have abandoned that place. As I was thousands of farsakh distant from the feet of my spiritual guide I decided to cast away at a distance from that holy vicinity of the pious personage my own contaminated and impure self. As regards what you have hinted about my firmly staying in Awadh, you should know that for one so luckless and distracted person as me there is no firm or chief place of stay. You take 'Qadam-i-Pir' to mean that one should remain constantly in

lusts this might be a necessity and in this there is no blemish either in this world or the next". In this letter he also writes—"I'tikaf (seclusion in house for devoting) does not mean that you should refuse to meet persons who come to you; you should appologize for the delay, if any, and even put up with if there is anything unpalatable". To Qāzi Zainuddin, "the dearest son", he writes (125)—I have heard that you have been vexed much by sexual urge and the ascendancy of youthful passion, and consequently you are highly discomposed, disturbed in mind. May it be known to you that Taqi, son of Sirāj, had also fallen in such a condition, and my spiritual guide, the Sheikh, had directed him to observe the 'Tai' (continuous) fasts. He did so but felt hopelessly exhausted. The matter was again put before the venerable Sheikh, and he directed him to fulfill the great need and purchase a slave-girl so that he might escape from this evil (affliction). Subsequently he might give her up. This he did not do; had he done that he would have been spared from what you are now experiencing; he suffered for not heeding the advice. Now I have to say some similar things to you. It behoves you to purchase a slave-girl. Beware; otherwise when you are in the anguish of soul and gasping in agonies of death the austerities of years would become fruitless and would be blown away by the wind of lust; then you would have to bewail and face a misfortune; what would you gain ? Your mother and friends do not take cognizance of your condition and you are helpless; be sober and sensible".

Again, dealing with the point that wives and sons are not necessarily to be taken as a veil or curtain he writes in letter 169 to a disciple, Khwaja Hamid—"It has been reported to me that you have performed a good action; you sent letters about it to your friends, but perhaps felt shy and did not write to me anything concerning it. Why should you be bashful ? One should feel ashamed in doing something contrary to the law (religion; but you, my son, have done what is necessary to be performed, according to tradition. Nikāh or lawful matrimony is in accord with the apostolic traditions. Many pious religious men of probity and honour have been householders, possessing a numerous family (Ma'īlān) and some remained celibate and unmarried. Family or household can be no screen covering God from Man.

Emphasizing upon the need of having trust in God and resignation to the Divine Will he inculcated on his disciple, Qāzi Zainuddin, the need of thrift and avoidance of extravagance (129)

"But you must keep in mind this one word. In regard to the garment for your self and your family members you should shun exhuberance. If you can get the wearing clothes of Khadi (coarse cloth) worth 3 Jitals (a small coin, 25 of which make a Dām), the same should be put on your body and those of your wife and children; more if more be necessary; less if less be needed. In the matter of costume you should abstain from the ways and habits of other people so that you may be at rest and contented".

"Two things count in the life of a man", says a passage in letter 47 on poverty, "and they are either advantageous or harmful. One finds life to be profitable who had delicious food and had enough of it for full satisfaction, enjoys a sound sleep for long hours, and possesses good wearing garments, a spacious house, lovely women, gardens, orchards to walk in, cultivated agricultural land, trades and business, from all of which they derive comfort and satisfaction. As regards the harms received, these arise from destitution, frustration, infamy, disparagement by God's creatures of tattered clothes, hunger, starvation and from all these they fear and refrain".

There are also many revealing references such as the clapping of the hands (Dastaki zadan) and inducing men to rotate on their legs (raqs) in audience assemblies (74). Sama (117) with and without musician (Mutrib), was forbidden to the worshipper of lust and ego and was counted dangerous (makhtur) in law. It was, however, permissible under certain condition to men of piety given to solitude. Then there is the question of auspiciousness or omens of days and times which has come from astronomers and astrologers. In orthodox Islam there is no day or week which is auspicious or inauspicious. Another thing of importance is the reference to the accumulation of the works of Hadis on Traditions with the spiritual guide of the writer. He wanted on loan the copy of Sahih Muslim and some other books on Hadis which had been brought to his Pir by Maulana Zainuddin of Dewa and also permission to take some notes therefrom (139). We are also told (154) that the Jāma (garment) sent by the Sultan of Bengal was worn by the writer who, however, sent probably as a return (151) a valuable present in the form of the mirror which once the barber while dressing the hair of H. Sharfuddin Maneri used to show him (151).

We have no means of information to fix a chronological order for the letters in the present volume, nor do we know the places of their origin as to whence they were despatched from. Neither the writer nor the compiler of the religious correspondence vexed him-

Khans and Maliks with something written to them. Why should I, a contaminated dog, make myself known, and why should I set my steps near them and at their lofty vestibule so as to recall something to their mind ? But what can I do ? My excuse lies with two verses cited above. It would have been a better sign if Almighty God had enabled me to become unmindful of them, and them to give up all thoughts about me, so that this should not have occurred. But it so happens that I had to write something and send it to persons of worldly positions. But I know not how to write with propriety and politeness in soft worded, appropriate and deserving terms of reproof. This much is, however, certain. I have no desire or covetiousness of any kind from them. It was on the request of a dear friendly person who was going towards that side that I had to write something.

In the preceding (113) letter, on seeking the will of God, he writes, "Even the path or Suluk which a man pursues without any greed and desire for worldly recompense, is 'Sabilul-lāh', such as exertions made in the affairs of the poor and distressed ones, providing food for the hungry, placing water on the roads for the thirsty, founding mosques, running about to acquire the necessary means of supporting the life of his family and children so as to discharge his duty, and so on and so forth. The saintly writer gave a letter for a Malik to Qāzi Sadr Sharaf who had suffered from an accident and recommended him to the addressee's notice so that he might not be put to blush among his relations (32). Similarly, in letter 171 he recommended the case of a man named Kabiruddin Naqib who carried the letter to an addressee and was described as a good and pious person, dedicated to devotion and service to God who had at that time become so disspirited and tired of the affairs of the world that he had given up his job and was on his travels with a view to paying a visit to the mausoleum of the Sheikh (in Bihar Sharif). This was his main object. The addressee was requested to help him in his affairs.

Now let us see what the saintly writer with all his self-effacing other-worldly attitude thought and said on the question of 'Kasb' (avocation, earning. and acquisition). In his very first letter on true faith and trust in God he distinguishes between the habit of the common folk who are deeply concerned with those things which are necessary for the support of life, such as good clothes, lodging for the family and children, those who take to trade or cultivation and earn their bread by serving as learners or teachers or in civil administration

(Diwan) and on the other hand those who tread the path pursued by religious mendicants. The seeker of a livelihood takes to business and brings all his deeds and knowledge to bear upon acquisition and earning. But the Faqirs (Darweshes) entrust themselves, their wives and children to God. There are many infidels who have dedicated and devoted themselves entirely to their idols but God gives them livelihood without work or earning. Three things were inevitable, resurrection day, death and support or subsistence. A much more explicit observation occurs in letter 132 wherein we get a reference to Khwaja Hisāmuddin (a cloth merchant: Bazzāz), "Oh brother ! do look well at this. If your apprehensions are set on the next world most of your deeds would be for that other invisible world; and if you are more concerned with the thoughts of trade and professions of this world and in regard to the food that you are to take and the garments that you are to wear and the profession that you have to pursue then you are to be said as one of concourse and a man of the world...But if anyone labours to earn with the motive that he should acquire the necessary expenses of living for his family and children and does not throw his own burden and needs upon others and his labour or earning provides and supplies what is needed and suffices for his worldly necessities so that his faith and action should be pure and be a responsibility of God, then such an earning with such intention, I hope, would be conjoined with the recorded deeds of the other world. Such a toiling acquirer would be reckoned upon as other-worldly not worldly". The writer gives in letter 177 some details about the three prophets of the past, David, Solomon and Joseph who were kings but ate what they earned by their hands. As regards the Prophet of Islam, wedded to poverty as he was, he swept the house with broom, helped a slave-girl in grinding corns, lit the fire under the cauldron, slept on a mat, put on clothes which were short of the body, and the Izār (trouser) quite above the ankle, covering only about half of the leg. He used to go to the market to have what was absolutely necessary for the living of his family and carried the things himself.

The self-restrained, dedicated, religious zealot was also a practical person, who was quite concious of the promptings of sex and did not advise total abstinence in such matters. Giving his advice to a young disciple, he writes (130)—"You, my son, are in the prime of your youthful life, and it behoves you not to keep yourself off from the slave-girl that has been taken. I am glad that you have had her; and you have my approval. So long as the age of adolescence

God...... I am an humble poor fellow having no son or family, am seeking not the world, rank or position, and have in this world no work, concern or commendation. I, the slave of God, keep my madness concealed under the Dastār (turban) and Bārāni (cloak for keeping off rains) and have taken vow before my God that I would not come out of my seclusion except for three places—congregational assembly, Friday prayer, and grave. I have settled that the grave would be my place of residence and I am moving and measuring my steps in such a way as to die before death......" To an addressee in Bengal he wrote, "In my seclusion I pray for your Lordship (Khidmat Malik) but am reluctant to render you any open service. I hope you would excuse and exempt me from your invitation and assembly".

In a letter to Qāzi Alam in Bihar (83) he writes from Bengal, "I, the poor man, came to this side, having made up my mind to undertake the journey towards the Qibla (the sanctuary of Mecca). My relatives and friends stood in my way and I had to postpone it and stay on for sometime waiting for the suitable opportunity, and also for some words through my brother from my Sheikh (spiritual guide) who is there in his Āstāna (saintly threshold)....though you had written that many friends there had become displeased with me for leaving that place, I myself feel displeased with myself; they need not feel angered against me; what should I do; there is no rest or stability in my mind; but I want that this restlessness and instability should increase further."

To one, brother Rājan, he writes in letter 79, "your letter has been received and its content has been learnt. There was much of eagerness to meet and affliction at separation which was, however, destined by fate. Much as you, my brother, endeavoured that I, the resourceless, wandering one, should have rest and repose, and stay somewhere there, and I, whose affairs are in a bad train, also made much effort, but it could not happen.. .Now there should not be some such suspicion that if this helpless one did not settle down there he would have some stability here. Far be the day when such a thing should happen. It has come as alms from the Sheikh and the Godly persons that there lies no thought in my mind for staying quietly in any place; there is nothing but perplexity and distraction". The letter No. 107 on Tajrid and Tafrid says, "It has taken me a long time to write any letter to you; some find fault with me for I am ill-fortuned (badroz) as all my life I have been measuring the air (acted as a traveller); I have had no specific work nor any

matter of significance anywhere; I resemble the drum which is empty from within and without but fills the world with its sound....I wished that I should have this town spared from my malignancy and arrive at that land. But I feel broken-hearted at the thought that even after such troubles and vagrancy from town to town if I die here what would be my condition".

Khāspur appears to have been an important place at the time in Bengal for it has been mentioned in several letters. The distinguished Balkhi letter-writer must have paid a visit to it, and he had several friends there. In a recommendatory letter (92), addressed to Khawaja Bahrām, we get this—"There is in Khāspur Khwaja Sirāj, an old, abstemeous man of probity and honour who is popularly known as Saudāgar (merchant), but is really a Darwesh in the true sense of the word, as his house is a virtual hospice for poor and indigent travellers and way-farers. His 'Kurar' land (a plot of ground with a raised border for sowing vegetables) had been subjected to a tax by an innovator against what is prescribed by law and the officers of the Diwāni began to realise it. The writer had brought him out of this plight, and the agents of Government (Kārkunān) after entering into some argument had at last granted him an exemption. Now it is being reported that this affair has been entrusted to you. I request you to exempt the aforesaid Khwaja Sirāj, his men and dependents, as they were excused by others. A man should be judged not by his external appearance but by his inward qualities."

Amidst the plethora of such themes as theological devotional, mystical and spiritual experiences, abstruse matters of esoteric Islam requiring knowledge of hidden and the manifest meaning of words and expressions of the Quran and apostolic traditions as well as lofty moral ideas of self-sacrifice, dedication to, and love of, God, there are many revealing passages in several letters indicating that the writer lived in but was outside the world. The letter addressed to 'dear son', Maulana Karimuddin (114) on the subject of rendering assistance in the affairs of Musalmans begin with the verse "with every breath the emperean heaven, liable to be stricken, changes its hues—every mean arranger of words (loose-talker) becomes more despisable for his vile words". Then he writes, "From continual apprehension that such and so may happen, the heart in the bosom of a wise man bleeds; oh friend and fellow-wearer of patched habits! know for certain that I, the ill-fortuned one, obscure, ignorant, unemployed, idle and inactive, have had no business to approach

threads running through the book are matters spiritualistic and mystical of the usual pattern. To some the repetitive passages, and serried array of quotations from the Quran and Hadis may seem to be arid, tiresome and monotonous; but to others who have made special studies of Islamic mysticism there is much in these 'Lettre Familiarie' which are meaningful and illuminating. Many of the letters are self-explanatory but one comes across some obscure references due to the highly abstruse matters dealt with therein. Though the contents defy any effort at analytical summarization of the main drift and detailed exposition of views, comments and observations, a student of history and culture can break the components into some such categories as affairs of mystic discipline, personal references, and things descriptive and narrative. For him the charm and interest of the letter lies in numerous bits and flashes such as the personality and nobility of the character of the writer who seems to have been an ideal spokesman of his age, and there are occasionally some new and original information, which the letters provide. Of special interest to a student of history is the body of dozen letters, iucluding one which is the longest in volume, which was addressed by the saintly writer to Sultan Ghayāsuddin A'zam Shah, the son of Sultan Sikandar, and the third of the Ilyās Shahi Kings of Bengal. A very valuable and original tid bid is furnished by the reference to the letters which the celebrated Firdausi saint of Bihar, Sharfuddin Maneri, wrote to Ghayāsuddin's father, Sultan Sikandar, who used to be in correspondence with him and had become his favourite. Another original, though very laconic reference, is found in letter No. 162 on the subject of the Diwānagān or inspired and distracted ones, mostly antinomian in practice. Such a venerable personage was Sheikh Sharfuddin Bu-Ali-Qalandar of Panipat who is alleged to have abstained from cooked food for about three decades. He had a great hold on the masses, and Sultan Alāuddin Khalji managed to employ Amir Khusrau to convey a letter to the saint of Panipat to get some word from him for himself. After writing that the saint had referred in his reply to the Sultan as "Alā-e-Khalj, Khūta-e-Dehli" he stops short with the remark "this story is quite well-known and is widely spread in our land". He quotes the Persian verses of the Panipat's saintly Qalandar and explains the real hidden meaning of the verses spoken extemporaneously; but he does not give the dialogue in the Panjabi emanating from the saint "Khusrau Pheri Kotrā" and "Munda Hunh Bujhanda Hunh". But the Balkhi saint of Bihar compensates for this, as we shall see hereafter, by giving us as many as seven

Hindi *Dohras* including one which was sung and played upon by an itinerant fiddler at which his spiritual guide had been moved with tears trickling down his cheek. A student of linguistics cannot but feel attracted towards the language of the Hindavi Dohras, and a student of, history cannot but feel interested in the new information supplied by the saintly writer about Firuz Shah Tughlaq in letter 167.

Thus a close and careful study of the letters can enable one to dig up many things which are quite new and real discoveries of historical and cultural import. Turning from general to particular, we may consider the passages which contain personal references, his agitated mood and movements and from which the personality of the writer comes into view. Fettered by traditional views and mainly concerned with things of mystical and ethical standard, the Sufis are generally reticent and noncommunicative about themselves; but the present Maktūbāt enable us to piece together something about the life and conditions of the writer. That his family had not only the odour of sanctity but also the royal blood in the veins of its members is evident from letter 30 wherein he refers to his ancestor, Ibrāhim Adham, the Abu bin Adhem of the poem of Leigh Hunt. That he had forsaken his throne and kingship along with his wife, sons, territory and land has been referred to. Again, in letter 73 on the theme of recall and bestowal he writes, "whoever parts with one dirham in the way of God which is all that belongs to him", that dirham is on a level with that which the King of Balkh, Ibrāhim Adham, abandoned in the land of Balkh the whole of which belonged to him". He also refers to himself in that very letter "I, the helpless one, dedicated to the Darweshes, felt so much agitated and distracted *in the head that I abandoned" the means of subsistence*, some cultivable land, left nothing in that country, made a good bye to the ancient home and habitation, came out with a certain motive and made an entry into this city". I, the remediless one, have no wife or son, brother or family, nor have I with me money nor materials. I want neither spiritual leadership or discipleship, nor asceticism or renunciation for devotion. What I want is to do away with the infidel ego which makes one an enemy of God...... . It has taken me, helpless one, twenty years to be straying as a vagabond, night and day, in such a quest. There are four veils between the Creatures and the Almighty God, namely world, creations, satan or ego and carnal desires, and these constituting as great idols remove repose and tranquillity from those who are distracted in the path of

(a hospice) by the then military Governor, Muqti Zainuddin Majdul Mulk, at the order of Emperor Muhammad Tughluq. Courted by Kings and nobles, but keeping himself aloof from them, he continued till his death, in 1381, to expound his views on Wujudi or Unitarian Theory of Hama-ūst (Everything is Him) as distinct from the Shuhudi doctrine of Hama as-ūst (everything is from Him) and act as the religious preceptor of all and sundry. Deeply absorbed in thoughts of God he was also a practical mystic, quite alive to the reality of the situation and even ready to give correct guidance to the devotees for rendering service to the people as a part of mystic discipline. Though a Wujudi he followed in the wake of Junaid (d. 900) and Al-Ghazzāli (1057-1112) in reconciling Sufism with orthodox Islam and saying that the basis of Sufism was the Quran, the Shara or religious law, the tradition, and that God stands in the same relation to phenomenal objects as the spirit to the body. He used to say "he who knows more stands closer to Him than he who knows. less" "In the stage of immediate vision......a slave remains a slave and God remains God". His Maktūbāt-i-Sadi has been highly extolled by the learned posterity including Abul Fazl and was ever kept by his side by scholarly Aurangzeb.

But it is not his letters but those of his most learned spiritual disciple and his first and immediate successor, Maulana Muzaffar Shams Balkhi, which forms the main subject of this paper. He has been noticed briefly in Akhbār-ul-Akhyār, Akhbār-ul-Asfiā, Mirat-ul-Asrār, Ā'īn-i-Akbari, and more particularly in Manāquib-ul-Asfiā, Munis-ul-Qulub, Ganj-i-Lā yakhfā, Kāshif-ul-Asrār, Risala-i-Bahram, Matlub-ul-Mubārak and also in later published works like Khazinat-ul-Asfiā, Muqtabas-ul-Anwār, etc. He is said to have been born at Balkh and was ninth in direct descent from the famous mystic, Ibrahim bin Adham, and twenty-fourth from Ali and Fatima. Nothing definite is known about the date of his birth, education, teaching and learning and domestic life except that while his father, after the immigration of his family, settled down at Biharsharif and became a disciple of the Suhrawardi saint of Amber, Ahmad Chirmposh, he stayed at Delhi, and being an erudite scholar, was employed in the College of Firuz Shah and began to lead a married life. On the invitation of his father he gave up the Lecturer's job, came to Bihar, and turned a new leaf in his life by attaching himself to Chirmposh's first cousin, Sharfuddin Yahyā Maneri. The Spiritual Guide of his choice used always to address him as Maulana but in order to assuage his restless spirit and put down his overwea-

ng pride in his scholarship subjected him to very strict austerities
ıd severe discipline. After the purgative period he became a
ıanged man. He married more than once, but when he found
mself excessively attached to any, he divorced her and got her
arried with some one else. He would not allow any one to stand
etween him and God. Being without any issue of his own, he
stowed his utmost care and attention on his brother's son, Maulana
usain Muiz Balkhi. On several occasions he gave away in charity
erything that he had in his house. As a true Sufi he believed in
sinterested service, love and benevolence, abandonment of the
orld, and its vanities, and self mortification. He paid visits to the
rabian land more than once and at one time during his four years'
y in the sacred enclosure of the sanctuary of Mecca he imparted
ssons on Hadis or Tradition. The one great desire that he had
as to spend the last years of his life in the precincts of the sacred
nctuary of Kaaba, but in his last journey, undertaken via Chitta-
ong through sea, he had not gone beyond Aden when he died and
as buried there in 803/1400. One of his last acts was to grant a
ritten authority and certificate for lecturing on Traditions (Sanad-i-
adis) to Maulana Husain Muiz Balkhi, the original copy whereof
ıs come down to us.

As regards the Maktubāt or Collection of Correspondence
ere are two manuscripts, the one in Futuha Khanquah library, and
e other in Khuda Bakhsh Oriental Public library, Patna, before us,
ving in most cases the names of the addressees, and indicating what
exactly intended in each letter. Each of the volumes, one of 206
lios, the other of 213, embraces as many as 181 letters which vary in
ngth, the shortest hardly exceeding a page and the longest spread
ver about 16 pages. The longer letter breaks into several sections,
esignated with the heading of 'Hadis' which perhaps means new
newly given.

And so far as concerns the contents of the letters which are the
pies of the autographs of the writer's later years, it is difficult to
any certain boundries between staggering variety of topics of
ystical theosophy, dealing mostly with love, Repentance, content-
ent, retiring and solitude, or devotion, putting away worldly things,
usalmāni, Sheikhi, Darweshi, Qalandari, the way and definition
a Sufi etc. These are all concerned with mystic discipline, moral
ıd religious ideals, and ritualistic observances. There is some
verlapping in the treatment which may be accounted for by the need
for emphasis and clarity demanded by the topics. The dominant

and being to the soul itself, which thus sought to gain a conformity to the Supreme Being, and more and more to severe itself from the things of earth, like a wearied traveller, seeking to terminate the period of exile from its original. The final object of the Sufi devotee is to attain the Light of Heaven, towards which he must press forward till perfect knowledge is reached in his Union with God, to be consummated, after death, in absorption into the Divine Being."

Islamic mysticism or the School of inner spirit, giving an inner and esoteric interpretation of the teachings of the Quran and the sayings and practices of the prophet, and challenging very often the power of the school of formal or externalist theologians, arose as a revitalising current in Islam between the 9th and 10th centuries and attained its fullest and classical form in the 12th and 13th centuries from the works of a group of intellectuals to whom the terminology of Mystics could be applied. They consisted of most educated men, emotional writers, and poets in Persia, Central Asia and throughout the East. By the time it came to India Muslim mystic thought and philosophy, regarded as embodying the vital flexible spirit of Islam, the core of the belief whereof was the relationship of 'I' and 'Thou' had already been well established outside our country. The great theorists were Abu Nasr Sarrāj, Qushairi, Muhāsibi, Junaid, Māruf Karkhi, Zunnun Misri, Abu Tālib Makki, Abu Yāzid Bustāmi, Shihābuddin Suhrawardi, Abdul Qādir Jilāni, Ibn Arabi, Al-Ghazzali and Ali Hujwiri etc; they had already set a pattern to the Sufi thought. Of these the last, popularly called Dātā Ganj Bakhsh of Ghazna, lies buried in a mausoleum built by Sultan Ibrahim Ghaznavi, a successor of Masud, son of Mahmud, outside the Bhatti Gate in Lahore; his death occured in 1072 A.D. His book Kashful-Mahjub or Revelation of the Hidden, translated by Nicholson, is the earliest compendium containing the essentials of Sufi principles and practices in Persian as al-Luma' was the first of its kind on the subject in Arabic language. Khwaja Muinuddin Ajmeri (1142-1236), the pioneer of the Chishti Order in India, practised Chilla or 40 days meditation and austerities at his tomb before proceeding towards Delhi and thence to Ajmer. Some of the above great Sufi personalities were the founders of the Sufi Confraternities or Orders like the Chishti, Qādri, Suhrawardi. The earliest and the most celebrated Sufi of Suhrawardi Order in India was Sheikh Bahāuddin Zakariā of Multan. The Shuttāri and the Firdausi Orders were branches of the main Suhrawardi Order. Perhaps the most important phase of the development of Sufism next to the mystic

thought was the organisation of Sufis into Silsilas or Orders whose founders were those who were regarded as having travelled the farthest through virtue and practice of devotion, and were supposed to be nearest to God for their saintly virtues namely seclusion, service, love, knowledge, resignation; and it is they who offered spiritual guidance either in groups or alone to those who sought for it. Hujwiri has marked 12 such figures from whom new orders had emerged. Abul Fazl gives 16. Each Order was distinguished by some specific discipline which the founder and his successors called Sheikh, Pir, or Murshid had laid down for the novice and the disciple called Murid. Another category of confraternity—Sufi Brotherhood—mentioned was that of the Derveshes or Faquirs (poor in the sight of God rather than of Man) who were divided into two great classes; the Bā-Shara (with the Law), or those who governed their conduct according to the principles of Islam, and the Be-Shara (without the Law), or those who did not rule their lives according to the principles of orthodox Islamic creed and were sometimes designated as Malāmatis. These latter allowed themselves to be reproached by concealing their devotions; they made no parade of anything good and hid nothing bad.

Not only the Bā-Shara Order such as the Chistis, the Suhrawardis, the Qādris, and the Naqshbandis and also the Firdausis and the Shuttāris, flourished in Bihar, but also one of the best representatives of the Be-Shara Order rose in the person of Jaman or Jamal Jati, a saint of Hilsa, one of the chief disciples of Badiuddin Madrās, the saint of Makanpur. Bihar, however, was the chief centre of the activities of the Firdausia Order and here emerged the remarkable mystic personality of Hazrat Sharfuddin Yahyā Maneri, a spiritual disciple of Khwaja Najībuddin Firdausi. A long-lived (661-782 A. H.), erudite scholar and a prolific writer, whose numerous Malfuzāt and Maktubāt and the Magnum Opus, Sharh-i-Ādābul-Muridīn, popularised the principles of mysticism and the idea of the Unity in essence of the Creator and the created (Wahdat-ul-Wajud) of Ibn-i-Arabi (1165-1240) and of the Ishrāqian (illuminities) like Shihābuddin Maqtul and Ain-ul-Quzzāt Hamadāni in plain and simple language. Having completed his education at Sonārgaon (Bengal), under his namesake, Sharfuddin Tawwāma, one of the greatest savants of his time, he returned to Bihar, practised severe austerities and self-mortification in the hills and jungles of Rajgir for about 12 years, and then was persuaded to settle down at Biharsharif where a Do-Chapra, the place of his sermonization. was replaced by a Khānqah

Khuda Bakhsh Annual Lectures, 1976

Khuda Bakhsh Annual Lectures
are delivered every year
by some eminent scholar of
Persian, Arabic or Islamic
Studies.

Mr. Qazi Abdul Wadood,
Dr. Md. Zubair Siddiqui,
Prof. A. A. A. Fyzee,
Dr. Nazir Ahmad, and
Dr. S. A. H. Abidi
were the forerunners
in the series to which

Prof. Syed Hasan Askari
contributed in 1976.

The Maktubat of a Sufi of Firdausi Order of Bihar

By PROF. S. H. ASKARI

The advent of Islam in India was followed by that of Sufism, the name given to the mystical, humanistic, speculative or rational and spiritual movement in the religion founded by the Prophet of Arabia. The suffix 'ism' suggests it to be a sect or creed, dogma or doctrine, definite and systematised; it is neither. Mysticism in Islam as in other religions, is less a doctrine than a certain mode of thinking feeling and acting. It is an art or way to find out and attain God. The term mystical signifies a doctrine concerning the way to God in perfections derived from inner experiences, and interpretations rather than from deduction or reasoning. The earliest Sufis were a sect of ascetics and quietists as well as those whose aim was to purify and spiritualise Islam from within and give it a deeper mystical interpretation' and infuse in it a spirit of love. Prof. Arberry defines Mysticism as a "constant and unvaryling phenomena of the universal yearning of the human spirit for personal communion with God". Sufism was originally a practical system of religious beliefs and not a speculative system. It was a system of thought or action based on the noble ideals of human nature, holding that man is capable of self fulfilment and of ethical conduct. It absorbed the essence of Islamic teachings, the wisdom of the ancient Masters and the learning of the humanists. It assimilated many a divergent ingredient and presented them in a new dress. A time soon came when it broke with the formal, dogmatic theory by giving a new and fresh interpretation of the Creator and the Creation. It became Monistic rather than dualistic, believing in identity and fusion rather than separation like orthodox Islam. The theologians, jurists and traditionalists adhered to the letter of the law and detailed formulas and set rules of rituals and ceremonies which were fixed and were to be followed in daily life. There grew a new tendency of pantheistic mysticism which, according to Stobbart, "developed itself chiefly in a search for metaphysical purity for illumination of the mind, for calmness of soul, and for subjugation of passions by the exercise of painful austerities and the adoption of ascetic life". The adherents of the system believed that the Divine nature pervaded all things and gave its very essence

Research publications of Idara Tahqiqat-e-Urdu etc.

Ayaristan—by Qazi Abdul Wadood (Urdu) 181p	Rs. 5/-
Usthtur-o-Sozan—by Qazi Abdul Wadood	Rs. 5/-
Qit'at-e-Dildar—by Qazi Abdul Wadood	Re. 1/-
Tazkira Ibn Tufan—edited by Qazi Abdul Wadood	Rs.
Fihrist-e-Numayish Idara Tahqiqat-e-Urdu—compiled by Qazi Md. Saeed	Rs. 5/-
Khutba-e-Sadarat-e-Idara—Dr. Zakir Husain	Rs. 0/50p
Tarikh-e-Farrukh Siyar wa Awa'il-e-'Ahd-e-Mohammad Shah (Shahnama Munawwar Kalam) : by Shiv Das Lakhnavi—edited by Prof. Syed Hasan Askari	Rs. 10/-
Mu'asir Qazi Abdul Wadood Number	Rs. 25/-

Forthcoming :

Complete works of Qazi Abdul Wadood

—comp. by Prof. Kalimuddin Ahmad

Vol. I : Review of Ph.D. Thesis
Vol. II : (i) Azad as a Researcher (Muhaqqiq)
(ii) Abdul Haq as a Researcher (Muhaqqiq).
Vol. III : Ghalibiyat
Vol. IV : Review of Tazkiras
Vol. V : Reviews General
Vol. VI :
Vol. VII : Miscellaneous Articles
Vol. VIII : Risale Aur Akhbar
Vol. IX : Persian Poets
Vol. X : Insha & Mus'hafi
Vol. XI : Meer & Sauda
Vol. XII : Linguistics and Lexicography.

Complete Works of Prof. S. H. Askari

—compiled by Dr. Md. Hasnain.

Khuda Bakhsh Annual Lectures Series—6

Maktub Literature
.s a source of Socio-political History
—The Maktubat of a Sufi of
Firdausi Order of Bihar
—*A case study*

by

Prof. S. H. Askari

Patna

Hassan Khan;[26] and Moulvi Syed Wahiduddin,[27] with whom he had the privilege of free social intercourse, fail to produce great and indeed abiding influence on his habits and character. Evening after evening, after the day's work was done, did my father, still young in years, enjoy the benefit of their society. They were the old class of Indians who, unaffected by the modern spirit of materialism, with its concomitant vices of ambition, jealousy and self seeking, never acted but in accordance with the dictates of honour and humility, of ardent public spirit and lofty public virtue. Such a conclave of pure and disinterested and virtuous men, who would ornament any society, were the guardians or guides of my father in his early youth.

Ever since his enrolment at the Patna Bar public life divided his thoughts with literature, and when in later years the world loaded him with its envied prizes, he never ceased to mention that those privileges were the fruit, not of favour or inheritance, but of personal industry and ability.

He stood at the confines of the fast retreating old world and the incoming new world of ours, and as such his life is of special interest and value. I greatly deplore the loss of the autobiography which he commenced to write shortly before his death. Though only fragmentary—death did not enable him to complete it—it was yet a store of information which the world would not have willingly allowed to perish. I am therefore left to my own recollections of that lost treasure, but I do not propose, at the end of my paper, to draw upon my memory and thereby exhaust the patience, and perhaps the indulgence, of my reader. I reserve my information for a fuller and a more complete life which I hope before long to publish.

I have not discussed his work as Chief Justice of Hyderabad, Deccan, nor have I dealt with him as a poet. Four stout volumes of odes, elegies, and *kasidas* he has left behind him, composed at intervals during the last five years of his life; and these, indeed, lead me to believe that his rank in the profession, his position in public life would not have been ill-exchanged for a place in the world of letters. Situated as he was, the distractions of the profession allowed but little leisure for the peaceful pursuit of pacific culture; but though not voluminous, his writings are enough to ensure for him a niche in the temple of fame.

---

26. Father of Syed Husain Bilgrami, of India Council.

27. Father of Shamsul Ulama Syed Imdad Imam, of Patna.

A powerful mind in ruins is the most heart-breaking thing which it is possible to conceive, and such, indeed, was the case with him during the last two years. These were the years of trouble, of sorrow, even of gloom, due chiefly to his self-imposed poverty. 'Failing health, failing eye-sight, the sense of being helpless and useless after an active and beneficent career; the consciousness of dependence upon others at an age when the moral disadvantages of poverty are felt even more keenly than youth feels its material discomforts;—such were the clouds that darkened the close of a life which had never been without its trials."

When, at last, the end came, he passed from this vale of tears as peacefully as he had lived in it, nobly and gloriously; illustrating the well-worn principle, strong with the strength and immortal with the immortality of truth, that to the just and the God-fearing death inspires neither terror nor the grave the uncertainty that lies beyond it.

One word and I have done. To the long list of distinctions which the late founder of the Oriental Public Library achieved in his illustrious career, there was added, on Monday, the 3rd of August, 1908, the crowning honour, namely, of burial within the library premises. There, amid all the associations which the library enshrines; there, under the shadow of that literary pantheon, in the exalted companionship of the great writers of Islam, he rests at the end of his life's voyage. A more fitting or a more worthy place could not have been selected for him !

نہ دے نامے کو اتنا طول غالب مختصر لکھ دے
کہ حسرت سنج ہوں عرض ستمہاے جدائی کا

●

Oriental texts are too costly to be within the reach of ordinary students, and the result is a very superficial scholarship. If the Government, however, could see its way to establishing a printin press at Bankipore or elsewhere, for the publication of Arabic and Persian books, under the supervision of a competent staff, it would do a lasting service to Oriental learning which, the present writer apprehends, will otherwise either completely disappear from India or in course of time be reduced to a mere mockery. Even on political grounds the Government should seriously consider this proposal. So far the Mohamedans, as a body, have kept aloof from politics, and this, the present writer is inclined to believe, is mainly owing to the want of English education among them. Ignorance, prejudice, call it what you will, has hitherto kept the Mohamedans back, as a class, from the study of English, which they, rightly or wrongly, believe to be destructive of their religious beliefs. But, decade by decade, sheer necessity and instincts of self-preservation are opening their eyes to the indispensability of English education, without which they can not hope for any rise or prospect in life. Arabic and Persian learning, however tempting, is steadily declining, inasmach as it offers no prospect. This, chiefly, because Oriental learning, out here now, is so sadly deficient and so thoroughly imperfect. It neither makes them finished scholars nor useful members of society; nor does it put them in a position to earn their livelihood in any respectable or lucrative walk of life. It merely turns out a band of unreasonable fanatics who rove about the country preaching the worst gospels of fanaticism and intolerance. The result, naturally, is that the so-called Oriental scholars have entirely ceased to command the respect of the educated public. They are discredited and distrusted, and are looked upon as fit only for either teaching in village schools or serving as registrars of births and marriages. The condition of Oriental learning imperatively demands the immediate attention of the Government. It must be made sufficiently scholarly and attractive to draw students to it, and this can only be done by placing it on a wide and broad basis.

Nothing is more desirable than to keep the Orientals as Orientals. Western learning is, indeed, a desideratum, but not at the sacrifice of Eastern culture. The thin veneer of European civilisation can scarcely regenerate the Indians. It will only tend to produce a class of people who are neither one thing nor another, and who will unite in themselves the vices of the two wholly opposed civilisations without the redeeming virtues of either. Mohamedans should be

encouraged in the study of their own language and literature, and that result can only be achieved by making those studies profitable and attractive. Surely it is not an extravagant request to ask the Government to consider the question of establishing a professorship of Arabic and Persian at Bankipur, where the students might receive direction in regard to their studies and learn to carry on Oriental researches upon European principles under the professor's control and supervision. Perhaps it will be urged as an objection to my proposal, that even if the Government were prepared to appoint a professor,—where are the students ? But there will be no scarcity of students if Oriental learning receive patronage from the Government.

It is strange, nay, deplorable, that while Indian students are throughly conversant with the history of the American War of Independence and thrilling stories of the Freneh Revolution, they know nothing or next to nothing about their own history and its abiding lessons. Could we not have Bankipur, with its magnificent library, as a centre of Oriental learning, for at least the province of Behar ?

VI.

In this short sketch I have given nothing but the merest outline of my father's life. Nor was it possible to do more in the space at my disposal. It would require almost a volume to deal fully and exhaustively with the history of a career which was alike instructive in lessons and fruitful in results. The period covered by the lives of my father and grand-father—almost a century—has been the most significant and the most important in the literary history of the Muslims of India, and the biographer has not merely to recount the events of Khuda Bukhsh's life but to discuss them in their relations to the literary and intellectual activity of his co-religionists; to compare, to contrast and to illustrate the conditions and circumstances as they stood before the Mutiny with the conditions and circumstances as they stand now. A whole generation of Indians has passed away, and with them the old order of things, yielding place to new. It was directly under my grand-father that my father was brought up and trained, and it was under him that he learnt those lessons of self-knowledge, accuracy of mind and habits of strong intellectual exertion which throughout his life stood him in good stead and which made him what he became. Nor did the society of a selcct and distinguished band of Indians, such as Nawab Syed Feda Hassan Khan,[25] Syed Azmuddin Hassan Khan, C. S. I., Syed Zainuddin

25. Afterwards Chief Justice of Nizam's High Court.

y well be congratulated on the success achieved by his pupil [illegible] Muqtadir. Among the remarkable works noticed in this issue Dr. Ross mentions—

1. A splendid copy of the **Shah Namah** (No. I.) which **Ali Mardan Khan** presented to the Emperor **Shahjahan**.

2. A copy of **Ruba'is** (No. 56) of **Saifuddin Bakharzi** of which no other copy is known[23].

3. A splendid copy of the **Haftband of Kashi**, notable for its superb caligraphy (No. 114).

4. A very old copy of the lyrical poems of **Salman Sawah**, written 33 years after the poet's death (No. 147).

5. A unique copy of the **Divan of Ruknuddin Sa'in** (No. 149).

6. A very valuable and interesting copy of the **Divan** of **Hafiz**, from which the Emperors Humayun and Jahangir took omens, and on which they made notes with their own hands (No. 157).[24]

---

23. I have edited the **Ruba'is** in Vol. 59 (1905) of the Z.D.M.G., pp. 345—354.

24. Here is a letter of Sir Charles Lyall which cannot be without interest to the reader.

82, Cornwall Gardens, S. W.
22nd November, 1906.

Dear Maulvi Saheb,

I was much pleased to get your letter of the 1st instant, though very sorry to hear that you were not well. I also am getting old—in my 62nd year, and shall begin my 63rd in March next.

أودى الشباب حميدا ذو التعاجيب ⟡ أودى و ذلك شأو غير مطلوب

The MS. of Hafiz which you describe in it must indeed be most interesting, and I congratulate you heartily on acquiring it for your library. I know the custom to which you allude of taking omens from the Divan of Hafiz. I hope you will be so kind as to let me have a copy of the commentary on ذوالرمة which you mention, when it is printed at Hyderabad. I daresay the **Kasidah** is the one beginning

ما بال عينك منها الماء ينسكب ⟡ كأنه من كلى مفرية سرب

I know this poem very well and have copied and translated it; but it is a difficult piece, and I should be very glad to have a good commentary. There is a MS. from India of **Dhur-Rummah's Divan** in the India Office Library, but the text teems with stupid mistakes. There is another in the British Museum, two at Leiden, and one in Egypt. A good critical edition of the poet is very much wanted. It would be a work of some difficulty, requiring a good knowledge of the old poetry whence **Dhur-Rummah** drew his models. I am getting on with the المفضليات but the work progresses slowly, as I am very busy with other things.

Sincerely yours,
C. J. Lyall.

This extremely valuable MS. was presented to the library by [illegible] Khan of Gorakhpur and bears marginal notes in the handwriting of the Emperors Humayun and Jahangir who, after consulting the odes (according to the popular belief of the Mohamedans they reveal the hidden secrets of fate like an oracle) have made notes on the margin which explain, in most cases, the particular reasons for consulting the odes and the results that followed after consulting them. There is an autographic note on a fly-leaf at the end by Sultan Husayn Bayqra. True, the catalogue is now in the course of publication, but though Lord Curzon in 1903 wrote that "he discussed with the donor the means by which its advantages may be made even more accessible than they now are to the scholar and student" more than five years have rolled away and nothing has yet been done to bring nearer home the valued treasures of the library. The present writer, moreover, apprehends that nothing can be done unless the Government seriously addresses itself to the task of making some satisfactory arrangements for the publication of rare and useful MSS. Nor is this an unreasonable demand for us to make. The British Government has even more Mohamedan subjects than the Sultan of Turkey, and if the French Government, with only Algeria as its possession, can spend money for the publication of Oriental texts and their translation, might we not ask the Government of Bengal to follow the example of France in this direction. Let the Government first satisfy itself about the value and importance of the books I have suggested for publication, by appointing a committee, or otherwise as it thinks fit, and when once assured of their value and importance let the books be printed. A library, such as the Bankipore Library, can only be a useful institution if the public employ it as such. The Patna society is still too intellectually backward to appreciate its value, or to make use of its treasures. But such is not the case with the educated public outside Patna, who can neither afford time nor find opportunity to visit the library. For such persons, both here and in Europe, the publication of useful works in the Bankipore Library would be of incalculable advantage. It would be a solid acquisition to the domain of Oriental learning, which is almost dying out of India. Though India has produced some eminent Arabic scholars, who would have held their own with the choicest products of Al-Azahr, none perhaps would deny the fact that very narrow and circumscribed is the range of studies known to the average student of Oriental languages in India. This is due to two causes : to poverty first, and secondly to scarcity of books. European publications of

mentaries on the Qur'an. Among others we have Tafsir Bahr-ul-Haqa'iq of Najmuddin Abdullah Dayah. It is a commentary according to the Sufi principles and is absolutely unknown. No other library seems to possess a copy of it. Then we have the Tafsir Haqa'iq-ul-Qur'an of Mohamed b. Hussain as Salami.[22] It is dated 823 A.H. This list might be indefinitely multiplied, but I trust I have said enough to convey to the reader the importance of the Bankipur Liabrary.

In 1893 Sir Antony (now Lord) Macdonell visited the library, and on August 11th, 1893, he wrote to my father :—

BELVEDERE, CALCUTTA,
August 11*th*, 1893

DEAR MOULVIE,

I must write you a line of thanks for the great treat that you gave me in going through with me the Oriental Library which, with rare public spirit, you have presented to Patna. I had not expected to see anything so fine. The collection of English literature is very good and made with the excellent judgement, but the feature of the library is the magnificent collection of Oriental MSS. which it contains. **I have seen nothing like it out of Europe**, and it bears lasting testimony to your reverence for the great teachers of Islam and to your love of the lighter products of I assure you that I spent a delightful hour with you among these imperishable treasures. I shall direct that a copy of important literary works published by the Bengal Government shall be presented, as they appear, to your library.

I remain,
Dear Moulvie,
Yours sincerely,
A. P. MACDONELL.

In 1903 one of India's greatest Viceroys honoured the library with his visit, and his remarks, which I place below, are worthy of all attention : "While at Patna I inspected with great pleasure the library which the liberality of **Khuda Bukhsh** has presented to the public, and I was shown many of the rare and valuable treasures which it contains. **I discussed with the generous donor the means by which the collection may be preserved from risk of fire or any other**

22. Brockelmann, Vol. I, p. 200.

Khuda Bakhsh Library

Journal

4

1978

Khuda Bakhsh Oriental Public Library,
PATNA-800 004
(INDIA)

theology, science and medicine, which are absolutely unique and in most cases unknown to the world of letters. On the life of the Prophet, among others, we possess Kitab-ul-Wasila of Mulla and Zad-ul-Ma'ad of Ibn Qayyim which throw a flood of light on his public and private life. Connected with the life of the prophet is the history of the Qur'an, and on this subject too we can boast of Kitab Taisir-ul-Bayan fi Takhrij-Ayat-il Qura'n of Mauza'i and Ahkam-ul-Qura'n of Jassas Razi[11]. Of the historical works among others, our library is the proud possessor of Ibn Hazm's Jamharat-un-Nasab, Zahabi's Duwal-ul-Islamiyya, and a whole mine of odd and interesting information in the unique MS. called Kitab Ra'amal-in-Nadim. The collection of works on Fiqh is specially noteworthy, but I shall only mention two: Al Mahsul fil-Usul of Fakhruddin Razi[12] and Maratib-ul-Ijma of Ibn Hazm. I have alluded to these books with no other object than this, that the Government may be pleased to consider, for the present at least, the scheme of their publication. These are rare and valuable books, and their publication would be an acquisition to Oriental learning. This list does not, by any means exhaust the rare curiosities of the Oriental Public Library, and as the catalogue comes out the Orientalists of Europe will undoubtedly discover more and more treasures and feel more and more interest in that depository of learning.

Permit me now to draw the attention of Orientalists to a few other rare MSS. of the library. In medicine we have the Kitab-ul-Mushajjar (كتاب المشجر), a treatise on medicine in tabular form by Ibn Masawayh who died A. H. 237 (A.D. 857) at Samarra[13]; Kitab-

---

were all greatly interested. It is full of information and very much to the point. You have a noble tradition in your family of booklovers, and your father and grandfather have done a splendid work in founding the library at Patna, of which you sent me the first volume of the judge's Persian Catalogue—full of interest to me. I hope he will get his wish and see a printing press established in connexion with the library. May I ask you to tell me whether H. E. Lord Curzon has been approached on this subject, and whether there is any chance of the Government taking it up. I hope to say something about it in a London Journal, and anything I can do in support of your father's public-spirited scheme I need not say will be a pleasure.

Yours truly,
STANLEY LANE POOLE.

11. Brockelmann, Vol. I, p. 191.

12. Brockelmann, Vol. I, p. 506.

13. Brockelmann, (Arab. Litt., Vol. I, p. 232) does not mention this in the list of Ibn Masawayh's works.

at-Tasrif (كتاب التصريف لمن عجز عن التأليف), which is a complete copy of Albucasis's great work. The portion dealing with the practice of medicine is in Maghrabi character; that which treat of surgical practice is in an Old Arabian hand, 584 A.D. is the date of transcription. The illustrations of surgical instruments are splendidly drawn and beautifully coloured[14]. Then we have the Talwih-ut-Tib (تلويح الطب) of Al Khujandi, a very rare MS. dealing with the system of medicine current among the Arabs[15]; and Kitab-ul-Hasha'ish (كتاب الحشائش), Dioscorides' Materia Medica was, for the first time, translated by Stephen, the son of Basil, whose translation was revised by Humayn Ibn Ishaq. It was, further revised and improved upon by Natili Husain b. Ibrahim b. Husain An-Natili. Our copy is the last revised and improved version. It is a very rare and old copy with coloured drawings of plants and animals.

Specially interesting and note-worthy is our collection of biographical works. Among others we have the Kitab-ul-Mu'talif-wal-Mukhtalif (كتاب المؤتلف والمختلف) of Ali b. Omar ad-Darqutni[16] containing the lives of the Companions of the Prophet and the Traditionists generally. It is a very old and rare copy. Then we have the Tabaqat-ul-Hanabilah (a very rare copy) of Mohamed b. Husain Abu Ya'la[17] and As-Suhubul Wabilah of Mohammed Abdullah An-Najdi, a modern writer. The latter is a continuation of Ibn-Rajab's biography of the Hambalites and covers almost six centuries (748—1295 A.H.).

Besides the historical works that I have already mentioned I shall here notice the Kitab-ut-Tawarikh of Abu Ishaaq Ibrahim Abi'd-Dam. It is a history of Islam from the time of Mohammed down to the Ayyubide Sultan Muzaffur (A.H. 1-628).[18] I must not omit to refer to the unique copy of Abu Ali al Farisi's Kitab-ul-Hujjah which our library possesses. Neither Ibn Khallikan[19] nor Brockelmann[20] mention this book in their list of Abu Ali's works. The only reference that I have been able to find to this book is in the Al muhtasab fi arab-ush-Shawaz (Bankipore MS.) of Abu Ali's devoted disciple Ibn Jinni.[21] The Kitab-ul-Hujjah treats of Qiraat or the seven early readings of the Qur'an. Equally valuable is our collection of com-

14. Ibid., Vol. I, p. 239.
15. Ibid., Vol. I, p 458.
16. Ibid., Vol. I, p. 165.
17. Ibid., Vol. I, p. 398.
18. Ibid., Vol. I, p. 346.
19. Ibn Khallikan, Vol. I, p. 39.
20. Brockelmann, Vol. I, p. 113.
21. Dr. Probster's Introduction to Ibn Jinni's Kitabul Mughtasab, p. viii.

The work of **Zahravi** on surgery is a manuscript which requires particular attention. This copy bears 584 A.H. as the date of execution. In this MS. the pictures of the surgical instruments are carefully drawn, and the marvellous similarity which some of the instruments bear to those which are supposed to be of modern invention tempts us to believe that the Muslims of Spain were not entirely unfamiliar with them. There is another old MS. which it may be worth our while to mention here. It is the work of **Dioscorides** on medicinal plants, and which was translated by the Arabs during the Caliphate of **Harun-ul-Rashid**. It is the very MS. which was once deposited in the charitable dispensary established by **Jalaluddin Shirwan Shah** in **Shiraz**, some six hundred years ago. **Muslim** writers made this book the basis of their future inquiries on medicinal plants, and the library possesses the most important and authoritative works written by **Muslims** on this subject. Further, this library possesses a very old manuscript of the treatises of **Thabit Ibn Kurra** and some of the writings of **Abu Nasr Farabi** and **Abu Raihan Bairuni**. I am told by a well-known Orientalist of England that our copy of **Nahhas's** commentary on the **Moallakat** is far superior to any that exists in the libraries of Europe[9]. There are, moreover, MSS. which used to belong to the Emperors of Delhi : for instance the poetical work of **Mirza Kamran**, brother of **Humayun**, written by **Mohamed Ishaq Shabi**, was with the Emperors of Delhi from **Akbar** to **Mohamed Shah**. This MS. bears the signatures of **Jahangir** and **Shahjahan**. There are other books, too, bearing signatures of **Shahjahan Abdur Rahim Khan Khanan**, Kinds of the **Adil Shahi**, and some of the members of the **Kutub Shahi** family which are in the library.

Jahangir, in his autobiography, makes mention as a copy of the **Zulaikha**, which from the description given by him, I consider to be identical with the one in the library. This book, according to the estimate of **Jahangir**. was valued at 20,C00 Rupees.

---

9. Here is a letter from Sir Charles Lyall which will be of some interest to our readers. It is dated 13th April, 1905.

MY DEAR MOULAVI SAHEB

I have to thank you for your letter received by last mail and your kind enquiries after my health. By God's blessing I am very well, though like all of us growing older. My family has also been spared the trials of illness; and we are able to take part in life with a quiet mind. I am very busy, partly with official work relating to the affairs of India, which give me plenty of employment, and partly with the preparation of an edition of the **Mufaddaliyat** (المفضليات) with the commentary of **Al Anbari**, a task on which I have now been

Of poetical works the library possesses over 400 MSS; some of them are sumptuously illuminated and magnificently bound in the oriental style. The Mohamedan works on religion—namely, the **Hadis** (tradition), the **Fiqh** (law), the **Usul** (jurisprudence), and **Tafsir** (commentary on the Koran)—are many in number, bearing the signatures of the best authors, such as **Subki**, **Zahabi**, **Ibn Hajar**, and others. The collection of historical works is worthy of notice. **History of India**, written by various Muslim writers, and also the biographies of the Emperors of the **Mogul** dynasty, constitute the most important portion of this collection.

These are rare books, and unless care is taken for their preservation they are likely to be all but extinct, after the lapse of half-a-century. The library would indeed fulfil its mission if an arrangement is made to edit and publish them. I fondly hope that before long the Government of India will turn its serious attention towards the publication of the important literary and historical works which lie buried in the library. It will only be doing its duty in bringing within the reach of the public books which deserve attention of every person who is at all interested in the history of the Eastern nations."[10]

Rare and charming as are the specimens of Eastern painting and Persian penmanship, the value and importance of the library lie in its vast store of works on law and history, philosophy and

---

employed for some time. When the work is printed, I shall take care that a copy is provided to the library at Bankipur. You will find some account of it in a paper which appeared in the Journal of the Royal Asiatic Society in April 1904. I am returning to the library, duly registered, the very valuable MS. of the commentary of **An-Nahhas** on the **Moallakat**, and beg you to accept my hearty thanks for having been allowed to keep it for so long. It is indeed a most valuable MS., better than any known to me in Europe. I should think from the character of the writing that it must date from about the end of the 5th or the beginning of the 6th century **Hegira**; and it is probably a MS. written in Persia. I have had in my hands for the **Mufaddaliyat** a MS. dated 471 H., which corresponds in a remarkable manner in its style of writing with your MS. of **Nahhas**; and I think that the two must belong to the same age and country.

With all good wishes,
I am sincerely yours,
C. J. Lyall.

10. In acknowledging the receipt of a copy of this article which I sent to Professor Stanley Lane Poole he writes to me :—

March 25th, 1902.

Dear Sir,

I am very much obliged to you for sending me a copy of your distinguished father's essay on Islamic Libraries which I read aloud to some friends, and wer

Bengal Government to the worth and value of the library and induced that Government to become its patron and sponsor. I regret the loss of correspondence between my father and the Bengal Government which preceded the opening ceremony in 1891 by the then Lieutenant Governor, Sir Charles Elliot, when my father's and grand-father's collection of Oriental MSS. was opened to the public under the name of Khuda Bukhsh's Oriental Public Library. In 1891 the library contained 4,000 MSS., but the number has since then increased, and there are now over 5,000 MSS., besides the collection of English books amounting to over 2,500. I may here mention that my father had a peculiar weakness for fine binding. He insisted on his books being excellently bound, and the library can boast of rare specimens not only of Oriental but also of European binding. It were idle to try to convey in a few pages any adequate idea of the imperishable treasures which the library possesses, and I shall not embark upon a task which I consider so hopelessly impossible, but, at the same time, this paper would lose its value if no mention were made of at least some of our literary gems.

Before I make my own observations I shall here quote from my father's article on the Islamic Libraries, published some years ago, in the Nineteenth century, and which has become all but unknown : "True it is, indeed, that the Moguls never rose to the same eminence in culture as the Muslims of Baghdad or Cairo or Cordova; nevertheless they held themselves up, after their iconoclastic work was done, as the patrons of letters. The descendants of Gengis Khan and grandsons of Tamerlane embraced Islam and encouraged learning. It was under them that Nasiruddin Tusi, Kutbuddin Shirazi, Saduddin Taftazani and others flourished. The Mogul dynasty in India likewise extended protection to arts and sciences, and took deep interest in the progress of culture. The Emperor Shahjahan was, indeed, a well-read man and extremely fond of books. The Adil Shahi and Kutub Shahi, Kings of the Deccan, also followed the example of the Mogul princes as far as the encouragement of learning was concerned. In India there existed several well-known libraries, but no traces of these libraries were found after the Mutiny. In those times, of which history has a doleful tale to tell, these libraries were either destroyed or books were taken out of the country. The few that remained in the country were sold at miserably low prices, owing to poverty no less than want of education. Thus, to-day in India, as far as I am aware, there is no library of Oriental books which can stand comparison with the libraries either at Medina or Cairo or Constantinople.

I hope I shall not be deemed guilty of want of modesty if I describe the library which I have given to the city of Patna. It is not vanity, but the desire of bringing it to the notice of the Orientalists in Europe, that impels me to mention it in this paper. Though the library is now under the control of the Government of India, and though every possible precaution which wisdom or foresight can dictate is taken to assure its safety and permanence, still the library is incomplete without a printing press. Let us hope that ere long we shall possess a press to multiply the copies of valuable works and so bring them within the reach of the reading public. The idea of founding a library long floated before the vision of my father. The greater portion of his income he spent in the collection of MSS. which numbered 1,400 at the time of his death in July 1876. On his death-bed he entrusted these MSS. to me, and asked me to convert his library for the use of the community, whenever I should find myself in a position to do so. I inherited to the fullest extent my father's passion for collecting books, and since his death I have been making large additions to it. In 1891 the library was opened to the public. It then contained nearly 4,000 MSS. The number of MSS. now is over 5,000. The collection of English books, though not very large, is indeed respectable, including nearly all the most important literary and scientific works. The library, further, possesses select MSS. which formerly belonged to great Orientalists like De Sacy, Sir Gore Ousely and Mr. Blochmann of the Calcutta Madrasah, and many indeed are the notes in the handwriting of those men.

I have spoken above of the destruction to which libraries in Muslim countries were constantly liable during the periods of political excitement. In addition to oft-recurring internal dissensions, the ravages of the Moguls and the fanaticism of the Christians obliterated countles books. Owing to these misfortunes productions of Muslim writers from the second to the seventh century of the Hegira have become exceedingly rare. The Mohamedan books now extant are chiefly the writings of the authors who flourished from the middle of the seventh to the end of the eleventh century of the Hegira. I have succeeded in securing some MSS. of earlier dates which treat of astronomy, surgery, medicine, metaphysics and mixed mathematics. Many of the manuscripts are written by the most famous scribes and are exquisitely done. In the first volume of the catalogue which I have published I have dealt at length with these manuscripts. If time and health permit me I shall soon bring out the second volume. I shall mention a few here as I have a limited space at my disposal.

September number of the *Modern Review*, Prof. Jadunath Sircar has forestalled me, and I shall here quote some of the romantic incidents connected with the library which the Professor has so admirably described in his article. "There are many romances connected with the growth and history of the library. The most precious MSS. in India were undoubtedly those of the Mogul library in Delhi. Thither, through the 16th and 17th centuries, came all rare and fine specimens of caligraphy and illumination in the East. Some were purchased, others were executed by artists retained in the Imperial service, some were secured by conquest (as of Golconda and Hyderabad in Aurangzib's reign); and many by the confiscation of the goods of great nobles on their death. (On the death of Akbar's poet-laureate Faizi, his 4,300 volumes were added to the Emperor's library). Thus was formed the largest library in the East at that period, for while Central Asia, Persia and Arabia were torn by incessant wars, India enjoyed peace under the Moguls. In the 18th century many of these found their way to the library of the Nawabs of Oudh. But the Sepoy Mutiny of 1857 brought about the fall of Delhi and Lucknow. The Imperial and Nawabi treasures were dispersed. The Nawab of Rampur (Rohil Khand), who had joined the English, got the best of the *loot*, as he had proclaimed among the victorious sepoys that he would pay oue rupee for every MS. brought to him. Khuda Bukhsh began his collection much later; but there was the greatest rivalry between him and the Nawab. At last Khuda Bukhsh won over from the Nawab's side that jewel of a book-hunter, Mohamed Maqi, an Arab, and paid him a regular salary of Rs. 50 a month besides commission for 18 years, and employed him in searching for rare MSS. (mostly Arabic) in Syria, Arabia, Egypt and Persia (specially Bayrut and Cairo). It was Khuda Bukhsh's invariable practice to pay double railway fare to every manuscript-seller who visited Bankipur. Thus his fame spread throughout India, and he was given the first choice of every MS. on sale in any part of the country. Curiously enough, one year the library was broken open by a former book-binder, and some of the best MSS. stolen. The thief sent them for sale to a broker or merchant at Lahore, and the latter unsuspectingly offered them to Khuda Bukhsh as the likeliest person to buy them. So in the end the honest man came by his own, and the thief was punished. In another case divine justice was secured by a similar round-about process. Mr. J. B. Elliot (a great book-collector and donor to the Bodleian) borrowed a unique MS. of the odes of Kamaluddin Ismail Isfahani from Mohamed Bukhsh and

afterwards refused to return it, offering a large price for it. The owner indignantly declined but held his peace. When Elliot retired he packed his choicest MSS. in some cases and shipped them to England; while his worthless books were put in another case and left at Patna to be sold by auction. By the irony of fate or the Will of God, call it what you will, not only the extorted volume of the odes but some other rare MSS. as well (such as the **Majalis-i-Khamsa** bearing **Shah Jahan's** autograph) got into the wrong case, and Mohamed Bukhsh bought them. On reaching England Elliot discovered his mistake, only to fret and fume in vain. One day when **Khuda Bukhsh** was driving back from the High Court at Hyderabad, his eyes, ever on the lookout for books, discovered a bundle of volumes on a sack of flour in a grocer's shops. He stopped, turned the books over, and asked the price. The owner shrewdly answered : "To any other man I should have sold these old and rotten papers for Rs. 3. But as your Lordship is interested in them they must contain something of value. I want Rs. 20 for them." A true guess, for along with some worthless things the bundle contained an old work on **Arabic** bibliography not to be found elsewhere. Immediately after **Khuda Bukhsh's** purchase Rs. 400 was offered for it by the **Nizam** but in vain." So far **Prof. Sircar** and I vouch for the correctness of these statements. Besides the rare MSS. with which **Mohamed Maqi** enriched our library, MSS. poured in, in torrents, from all parts of India, and my father paid fancy prices for them. As years went by the number of MSS. increased, and the idea of building a special house for his library laid hold of my father's mind, somewhere in 1886, and he at once commenced work. In 1888 that magnificent building, "a worthy setting for the jewels they contain," was completed, and the books were then removed from our dwelling-house to the building which is now known as the Oriental Library. It was about 1888 that he asked Mr. Campbell, the then Opium Agent of Patna, and a dear friend of my father, to bring the library to the notice of the Government. What the actual results of Mr. Campbell's negotiations were I am unable to ascertain, but within a year or so **Sir Charles Lyall** visited the library. An accomplished Arabic scholar, **Sir Charles** was charmed with the invaluable treasures that he found there, and since then he has taken a keen and lively interest in the library and its founder. It is impossible for us adequately to convey in words the gratitude which we feel for the many obligations under which that great scholar has laid us, and I am convinced that it was he who first drew the attention of the

he manifold blessings of advancing civilisation, nor work togethe
n concert and harmony. Nor is the Government ever likely to ge
it the real feelings and sentiments of the Indians so long as a socia
barrier divides the two races, notwithstanding the stupendous net
work of the espionage system and the Criminal Investigatio
Department.

Loyal addresses, flattering opinions, unqualified approval an assent, my father always distrusted, and refused to accept them a infallible guides. He traced three-fourths of these addresses an opinions to the industrious zeal of some aspirant or other to high office, a seat in Council, or, perchance, to some title or decoration These are unsafe channels of popular opinion, and should rather be iscouraged than countenanced.

He divided the Indian population into three classes: (1) the narticulate masses who are only one remove from barbarism; (2) the ver-zealous loyalists who are constantly professing deep devotion d passionate attachment to the Government; and (3) the extremists hom nothing short of Swaraj will satisfy. He declined to believe at the present political distemper in Bengal is due to the Partition Bengal, but rather, he thought, it was the result of the treatment eted out to the Indians by the ruling class, and their exclusion from e higher offices of the State. The cure for the existing malady is t coercion and repression, but rather conciliatory measures, gentler eans and kindlier methods. Terror of Law may, for a time, silence at will never wholly succeed in quenching the flames of popular iscontent. My father fully endorsed the opinion of Prince Hohenhe in this: that "Just as a man, however carefully brought up, aches a stage when he insists on shaping his own destiny, so in the story of every nation there comes a moment when the best intenons of government are ignored, the most zealous discharge of its ities by a tutelary bureaucracy is contemned, because the governent and the bureaucracy will not recognize that the nation has tained to its majority." But if this is only partially applicable to dia, at the present stage of her civilisation, it is beyond doubt that ings are fast drifting to it, and in these troublous times careful otage is a condition precedent to future peace and prosperity. e policy which was necessary or even wholesome fifty years ago nnot now be adopted or pursued in its entirety. Reasonable changes modifications must be the answer to altered circumstances. ver was truth told more openly than by Lord Salisbury when he d: "The axioms of the last age are the fallacies of the present; the

principles which save one generation may be the ruin of the next. There is nothing abiding in political science but the necessity of truth, purity and justice. The evils by which the body-politic is threatened are in a state of constant change, and with them the remedies by which those evils must be cured. Such changes operate very rapidly in these days."

V.

I now pass on to the history of the Bankipore Oriental Library, which is the greatest achievement of my father's life, and upon which must rest his title to fame and his claims upon the gratitude of the literary world. My grandfather was essentially a man of letters,[8] and he spent the greater portion of his income in purchasing MSS. which at the time of his death, in 1876, numbered 1,400. "On his death-bed my falher (writes the founder in his article on the Islamic Libraries) entrusted them to me, and asked me to convert his library into a public library for the use of the community whenever I should find myself in a position to do so." My father never forgot this pious trust, and since 1876 his one constant endeavour was to carry it out. By his sketch of my father's life, published in the

8. My grandfather (1815-1876) was an excellent Persian and Arabic Scholar, and his Bayadh, which I hope to publish shortly, shcws at once his wide reading and sound judgment. The Bayadh contains selections from Persian poets and covers the whole range of Persian poetry from the earliest times down to Ghalib, his contemporary. He himself occasionally composed verses which were mostly religious. His pcem on our Saint Shaikh Mohiuddin Jilani, I place here below :—

جمال خویش بنما یا محی‌الدین جیلانی ◊ نگاهی از کرم سوی من ای محبوب سبحانی
تویی سلطان و سید خواجه و مخدوم الثابت ◊ بود در خلق ثابت قطب عالم غوث صمدانی
غریب و شیخ و مولانا ولی درویش و هم شاهی ◊ که بر قد تو می زیبد لباس اعظم الشانی
بحسن خلق چون احمد علی سیرت حسن بانی ◊ بخوبی چون حسینی و در صباحت یوسف ثانی
رخش تفسیر والشمس و دلش شرح الم نشرح ◊ دو دستش دستگیر خلق و قامت سرو ایمانی
همه موجود عالم حلقه در گوش اند پیش تو ◊ که دارد نام تو خاصیت مهر سلیمانی
غلامی از غلامانت گدائی از گدایانت ◊ منم مسکین مسکینان تو شاهنشاه شاهانی
علاجی کن مرا ای در لب تو معجز عیسی ◊ که جان من بلب آمد ز اندوه گران جانی
ز گرداب غم برکش که هستی نوح کشتی بان ◊ بسیلاب حوادث زورق من گشت طوفانی
ز پا افتاده‌ام دستم بگیر و سرفرازم کن ◊ که نام تست پیر دستگیر ای قطب ربانی
غلام خواجگان چشتیم تسلیم پیر من ◊ دلاور شاه مولی حاجی و مشهور پنهانی

'Confidence begets confidence,' and these were the men who trusted and encouraged the Indians, received them with open arms, sympathised with their hopes and aspirations, saved many families from impending ruin and starvation, and went out of their way to assist them.

They were not men of the modern Civil Service type, who with their formal 'dear sir' and the equally formal 'how do you do ?'—their superior Olympic air—their cold repulsive mannerisms—their supercilious, contemptuous smile—their rough, blunt ways—once a week condescend to receive either in their portico or their dismal officer room a few of the many thousand Indians committed to their charge. The present writer does not, for one moment, suggest that there are no exceptions to this most unfortunate rule, and he himself knows more than a dozen men high in office who are perfect models of kindness and sympathy and genuine regard for Indians and their feelings; but he must, at the same time, add that these are noble examples of men who have risen above their surroundings. I may be permitted, here, to relate one of my own experiences which is quite pertinent to the point I am making. I had, once, the misfortune of appearing before a young civilian whose conceit, I must frankly confess, was something quite out of the common, and whom I do not hold up as the average type of his fellows in the Service. My pleader and I went to the court-room exactly at 10-30. About a quarter of an hour after, his arrival was announced, and there was an unusual stir and commotion and excitement in the court premises, such as to tempt one to believe that either the Viceroy or the Lieutenant-Governor had paid a sudden and unexpected visit to a forlorn and forgotten building in India. The reader can well imagine our anxiety to mark the various stages of this most interesting comedy—and a veritable comedy it was. Soon after the announcement the great functionary sailed in into the court-room, but the most noticeable feature was his peculiar gait, which at once reminded me of the lazy, languid stroll of the frequenters of **Piccadilly** or the **Burlington Arcade**. There was only three of us there (the magistrate, the pleader and myself).[7] He completely ignored our existence, turned his back towards us, pulled out his cigarette-case, and began to smoke leisurely with an absolute disregard of the two other mortals that were there. For ten minutes or so he remained in that room, then

---

7. It may be interesting to know that I was not unknown to the magistrate, having been introduced to him shortly before, by an English Judge of the Calcutta High Court.

got up and marched out in the same fashion as that in which he had entered. Perhaps it was offensive to his dignity to stay in the same room with a couple of Indians, before the actual court work began, or perhaps he did not care to make any further exhibition of his folly and silliness. *I ask the reader's forgiveness for this digression.*

My father used always to say that Indians are not very hard to please; one kind word, a little courtesy, a little sympathy is all that is needed to gain full control and perfect sway alike over their heart and their mind. My father was far too practical to be given to abstract theories, universal doctrines, watch-words and shibboleths of any kind, and he was firmly persuaded that nothing was more needed, now, than genuine sympathy, kindly feelings and affectionate regards on the one side; implicit confidence, unshaken trust and absolute faith on the other. England, he said, has a noble mission to fulfil—none other than the education and elevation of the people of India—social intellectual and moral elevation—the creation of a sense of corporate and national unity out of divergent and discordant elements, to enable India to form an inseparable and integral part of her Island Kingdom : bound to it by the ties of love and gratitude, rooted to it by the blessings of culture and civilisation, and not held and retained at the point of the bayonet. This indeed, is the true mission of England, and this ought to be the animating, guiding and controlling spirit of her rule in India. Often did he wax eloquent when comparing and contrasting the Anglo-Indians of the days previous to the Mutiny, with those of his own times, deeply deploring the change for the worse that has taken place. While the Anglo-Indians of those earlier days mixed freely with the people, treated them with kindness and consideration, tried their uttermost to enter into their feelings, shared in their festivities and joined in their griefs; the generality of young civilians of the present day stand coldly aloof, regarding the people more as 'hewers of wood and drawers of water' than as rational and thinking beings with a brilliant and glorious past. He was thoroughly convinced that nothing was more necessary than a freer social intercourse between the English and the Indians; since out of it alone can come that warmth of mutual feeling which disarms suspicion, fosters regard, and kindles love. Moreover, as things are, it is hopeless to expect that the rulers and the ruled can ever know and appreciate each other. Conventional courtesy, fictitious adoration and obsequious submission are not calculated to ensure mutual esteem and regard, without which neither the Government nor the people can reap the full harvest of

Western influence upon the Indian Social System appeared to my father of a more durable character. It has completely transformed the domestic life of educated India and is steadily undermining the basis of Eastern family life. The Eastern family, unlike the Western, includes all the descendants of one common ancestor. Bound by the tie of kinship, in most cases they live together under the tender care of the head of the family, who is usually its oldest member and is invested with Patria Potestas, short of the power of life or death possessed by the Roman father. He decides disputes, enforces discipline, and his command has the force of law. He is the sole custodian of the family honour and prestige, and he is the one to whom the members of the family look up for help and guidance. A strong tendency towards decentralization has set in, and it is too

---

that the new Indian historical literature is the direct outcome of English influence. Prof. Shibli may be regarded as the founder of the historical school in India. He has lighted the torch, and it is he who has handed it on to others—men like Moulvie Chirag Ali and Moulvie Abdur Razzaq. Moulvie Chirag Ali deserves more than a passing notice. He has written two books of great excellence and great merit—'A Critical Exposition of the Jehad' and 'Reforms under Muslim Rule.' In the latter he discusses with much learning and breadth of view the weak points of the Islamic Government and advocates certain reforms which he considers imperative for the salvation and preservation of Mohamedans as a community. This work exemplifies, indeed, the spirit of compromise and shows the extent to which it is prepared to go. The burden of the book is to prove to his co-religionists the necessity of moving with the age in which they are living. He urges them to consider whether institutions thirteen hundred years old can be accepted in their entirety without change or modification. He points out the enormous changes through which Mohamedans have passed, and advocates that circumstances having changed, they must needs modify, alter or even do away with institutions which are no longer in harmony with existing conditions and requirements. No sane person will deny the soundness of this proposition, but, for our purposes, we need only note that such views are clear indications of the changes that have come over the tone and temper of the Mohamedan community. But if the study of history has, under English influence, been placed upon a modern basis, we cannot fail to trace English influence in the rich crop of novels that have appeared in the Urdu language. True, these novels contain no shrewd criticisms of life, nor do they deal with the various and varying shades of human character. They do not possess cleverness of design, nor mastery of finish; but we should not forget that this art is still in its infancy and has a future before it. These are, indeed, infallible signs of a new age which is dawning upon the Mohamedans. It is an age of silent revolution in which old habits are shaken, old views overthrown, ancient assumptions rudely questioned, and ancient inferences utterly denied. The result is an impatient anxiety to put an end to the slavish devotion of the past which, so far, stifled growth and destroyed that adaptability to changing circumstances which is the condition precedent of progress and success."

[illegible] to be mistaken or missed. Whether it will lead to results—good or bad—it is, indeed, premature to predict; but one thing is certain—this most charming feature of oriental life cannot last long.

Further, the introduction of the competitive system appeared to him largely responsible for the decline and decay of the old Hindu and Mohamedan aristocratic families. While it has brought men of very indifferent birth and position in life to the forefront, and has secured for them high stations in Government employ, it has left the cream and flower of the Indians to wither away unprotected and unprovided for. They find it hopeless successfully to compete in examinations with the Novi Homines; with the result that they must end their days either as Sub Inspectors of Police, or, if they are fortunate enough, as Registrars in some remote and outlying districts of Behar or Bengal. My father never attached much importance to examinations; nor did he believe that mere book-learning was a safe guarantee for the qualities needed to make either a good judicial or executive officer. It required, he thought, many generations to breed high qualities of the mind or body, and if the Government seriously gave a trial to the scions of old Hindu and Mohamedan families it would find in them not merely thoroughly competent to discharge their duties but scrupulously honest, strictly impartial, severely just, and eminently fitted for any duties that might be entrusted to them. He frequently referred, as instances, to the old subordinate judges who, though they wrote judgments in Persian, yet possessed a remarkable insight, and a rare knowledge of law and human life, and whose decisions not even their Lordships of the Privy Council felt inclined to disturb or vary. These men were not crammers; who by sheer dint of memory had passed examinations, but were descendants of the old Hindu and Mohamedan families, and as such commanded and fully justified the respect and confidence reposed in them by the public. The admission of such men, in larger numbers, would at once raise the tone of the public service, and impress upon it a character which the sons of weavers, petty tradesmen and the like, could scarcely hope to impart to it. Often did my father say, Where would Sir Salar Jung, Sir Syed Ahmed and Mohsin-ul-Mulk be if examinations alone were the test of statesmanship or high judicial and executive qualities ?

Moreover, my father never ceased to regret that men of the stamp of Sir Ashley Eden and Sir Antony (now Lord) Macdonell, Sir Charles Lyall and Sir Henry Prinsep, Mr. Beveredge and Mr. Inglis are becoming rarer and rarer in the Indian Civil Service.

European civilisation and the majestic march of democratic ideas. This being the position of affairs educated Indians, secretly if not openly, resent the social distinctions and social disabilites which divide them from their rulers. They naturally crave, so he thought, for a share in shaping the policy of the Government, and a fair reperesentation in the higher offices of the State. True, this feeling is yet confined to a narrow and limited class of educated men, but decade by decade, education is fast increasing, and is penetrating larger and larger areas. It was here, more than anywhere else, that my father saw a source of danger alike to the people and the Government. Nevertheless, he hoped that as time went by, Government would make greater concessions and allow greater privileges to the people than it is, at present, prepared to concede.

Keenly alive as he was to the incalculable advantages which have flowed from British rule in India,—namely, the enlargement of the intellectual outlook, the impetus to trade and commerce, the general and widespread prosperity of the country and the people, a universal sense of security of person and property, the growth of civic life and its necessary concomitants,, the unmistakable progress towards the recognition of the rights and status of women,—with all these cheering and cheerful results which promise still brighter prospects for the future, he was, at the same time, not insensible to the destructive results of European influence.

Of such results he found the most clear and cogent evidence in two directions: firstly on the religion, and secondly on the social systems of the Indians[6]. Western influence has made a vigorous assault on the religions of India, notably on Hinduism. It has shaken

6. I shall here quote from my article on 'The Mohamedan Awakening' published in the *Empire* of the 15th and 22nd November 1906: "Misconceived ideas of Islam prevented the Mohamedans from applying themselves to the study of English. This prejudice against it continued for some time after the Mutiny. It was reserved for Sir Syed Ahmed to bring home to the Mohamedans the utter folly of the position they had taken up. He pointed out to them, in season and out of season, the blazing indiscretion which was wrecking their career as a people. He met with opposition and was cried down as a setter forth of strange things, but he continued to preach and eventually succeeded in bringing round his people to his own mode of thought. The political life of the Mohamedans could only be saved from extinction, so thought Sir Syed, by participating in and not discarding Western education and Western culture. To plant his teaching on a permanent and abiding basis he established the Aligarh College. Here were the two streams of Eastern and Western culture to meet, and unite and broaden into a mighty channel for the general benefit of his people. The result has completely justified his hopes and wishes, and at Aligarh

the middle class Hinduism to its deepest foundations. It has unsettled the belief of the partially educated classes, without substituting anything in its place. Nor has it failed to leaven Islam. To this influence did he ascribe the growing religious scepticism, agnosticism and even atheism in educated circles. But he considered it as a mere passing phase, to be followed by the return of an orthodoxy of a perhaps more reasonable and permanent character.

---

we have the most harmonious blending of European and Eastern education. If Sir Syed was the premier advocate and founder of Muslim education on modern lines he was also the first in India to remove the crust of superstition and bigotry with its thousand incidents which overlaid and disfigured the original simplicity of Islam. A new life was poured into Islam, and Sir Syed must be regarded and reckoned as one of the apostles of our age. The impulse which he has given to modern education and the interpretation which he has put upon Islam and its tenets have borne a rich harvest. The narrow and straight-laced doctrines of the doctors and divines were scattered to the winds, and a new era set in, the watchword of which was reform in all directions; reform in social life, reform in religion and advance in matters intellectual. The upward march is always slow, but even the least reflective of observers would scarcely fail to notice that there is an appreciable advance towards progress. Nor are the Mohamedans insensible, now, of their political position. This, indeed, is only natural. With education come political hopes, ambitions and aspirations. They have rightly refrained, so far, from adopting methods of political agitation with which, of late, we have become only too familiar. But that is due mainly to their belief that conciliatory steps and respectful requests are more profitable and effective than clamorous speeches and seditious advocacy. In the interest of both the Government and our Mohamedan fellow-subjects we hope that this feeling of trust and confidence on the one hand, and help and sympathy on the other, will continue without a break.

Notable, indeed, is the spirit in which modern Mohamedan writers have addressed themselves to the task of writing history. We, of course, expect modern treatment of history from Mr. Ameer Ali who is abreast of modern culture and has had the advantage of an English education, and whose historical works might be favourably compared with works of recognized European historians. But the Modern spirit, so to speak, is in the air, and is not confined to men who have been to Europe or have received their training at European or English Universities. We have got, indeed, Mohamedan historians who have never set foot on European soil saturated with the same spirit. This fact, to be sure, can only be accounted for by the influence of European or rather English education, which has been steadily gaining ground here, and which has been affecting all classes and conditions of men. In Prof. Shibli, who might be called a disciple of Sir Syed, we have the triumph of modern historical method. Though ill-acquainted with English, Prof. Shibli is in line with modern historical criticism. He has opened a new vein in Indian historical criticism, and his canons of historical criticism would be accepted without demur or hesitation even by the Regius Professor of History at Oxford. It scarcely admits of a doubt

ness, self respect, self-reliance, respect for womanhood, regard for religion, fellow-feeling and mutual toleration—these are the qualities, he would frequently say, the Indians must possess before they can hope to rise or reasonably call for Self-Government. With the Swadeshi movement, namely, the movement which aims at reviving the faded industries and forgotten arts and crafts of India, he was in perfect sympathy, but he had nothing but unmixed contempt for a movement which, under cover of promoting native industries avowedly has for its end and aim the excitement of racial jealousy and racial hatred. He never attached any importance or gave a second thought to the wild excesses recently perpetrated in Bengal, but, at the same time, he believed that throughout the country there existed a general feeling that the claims of the people were not fully considered nor their wishes always consulted.

بچون کی کرے اور ہمیشہ ہدایت معقول لڑکونکی مان کو اس باب مین دے - کیونکہ ہندوستانکی بیبیان عدم تعلیم کی وجہ سے اور نیز پردہ نشینی کے باعث سے دنیا سے واقفیت نہین رکھتین - ایسی پردہ نشین بی بی کسی فعل کے نتیجہ کو کیا سمجھہ سکتی ہے جب بچہ دایہ کی گود سے الگ ہو تو پھر اسکو. عورتونکے پاس رہنا کسیطرح جایز نہین اور ہم ہندوستانیونکے گھر مین لونڈیان دائیان مامائین مغلانیان کثرت سے ہین ہمیشہ والدین کو ایسی کوشش کرنی چاہئے کہ اس فرقہ سے لڑکے اور بچے الگ رہین - بعد مکتب بچون کو مہذب لوگونکی صحبت مین رکھنا چاہئے اور ہمیشہ یہ خیال کرنا چاہئے کہ خانہزاد اور غلام بچون کے ساتھہ نہ رہین - اور جو طلبا بچون کے ساتھہ پڑھین جیسا کہ عموماً مسلمان گھرون مین دستور ہے انکی وضع کی بھی نگرانی کرین ہمیشہ ایسے اسکولون مین لڑکونکو دینا چاہئے کہ خوش اطواری اور اخلاق حمیدہ اُن کے بڑھین - اور ماسٹرون کا یا مدرسون کا یہ ایک فرض منصبی ہونا چاہئے ◊

حضرات ایک انگریزی قول یہ ہے کہ اگر کوئی اپنے بچون کے اخلاق درست کیا چاہے تو پہلے اپنے اخلاق درست کرے - افسوس ہے کہ مائیں تو تعلیم یافتہ ہین ہی نہین کہ وہ غریب اس کے نکات کو سمجھین باقی رہے بچون کے باپ وہ ان اقسام کے لوگ ہین دولتمند نوکری پیشہ تجارت پیشہ یا مزدور - دولتمندونکو ہندوستان کے اپنے بچونکی تعلیم کیطرف توجہ نہین - ہر شخص اپنے گریبان مین سر ڈالکر خود اپنے اطوار کو دیکھہ سکتا ہے اور ناظرین اسکو خوب خیال فرماسکتے ہین - وہ غریب بچے جنہون نے آنکھہ کھلتے ہی باپ کا سامان عیش و عشرت دیکھا فرمائیے اوسکا جی پڑھنے لکھنے مین کیونکر لگ سکتا ہے اوس نے تو یہہ سمجھہ لیا کہ دنیا مین یہی چیز ہے ورنہ ہمارا باپ کیون کرتا - بچون کا دل مثل صفحۂ کاغذ کے ہے اوسپر جیسے نشان پڑینگے وہ نقش کالحجر ہوجاونگے پس لازم ہے کہ باپ اپنے

He did not, however, believe that a wave of discontent or disloyalty was passing over the country, or that there was any genuine or widespread unrest among the people, but he apprehended that if the misunderstanding between Government and people were to continue long unremoved difficulties might arise in the remote if not near future. He took a lively interest in the **Russo-Japanese War**, and in his letter of the 1st of November 1906 he writes to me: "My house is a solitary confinement in holidays, and I regret to say that the first volume of the **Russo-Japanese War** which I have been reading is now over." He did not, like some writers, ascribe this new phase of thought to the victories of **Japan**, but mainly to the growth of education among the people. India has been suddenly drawn into the main current of European thought, and the influence of European civilisation has had a pronounced and decisive influence over her. English is universally studied out here, even to the neglect and exclusion of **Arabic** and **Sanskrit**. People have suddenly risen from their long slumber and see before them the dazzling briliance of

---

اطوار کی اصلاح کرے اگر یہ چاہتا ہو کہ بیٹا معقول اور خوش وضع ہو - ناظرین معاف فرمائینگے یہ ایک میرے سامنے کا واقعہ ہے کہ جس سے ناظرین خیال کرینگے کہ باپ کے افعال آئینۂ دل پر بچوں کے ویسا ہی جاگزین ہوتے ہیں جیسا فوٹو کی تصویر کاغذ پر اُترتی ہے - میں اتفاق سے ایک رئیس کی ملاقات کو حاضر ہوا - میں نے دیکھا کہ چند مصاحب جمع ہیں اور نفیس حقے اور ایک ارباب نشاط میں سے جو وجیہۃالصورت تھی وہاں بیٹھی ہے - مجھہ سے اونسے ایک مقدمہ کے بارے میں باتیں ہونے لگیں - ایک صاحب نے آکر اُن سے عرض کیا کہ صاحبزادے کے پاس ایک زن بازاری بیٹھی ہوئی ہے وہ نہایت غضب میں آئے کھڑے ہوگئے اور فرمانے لگے کہ لاٹھی لاؤ - غرض لاٹھی آئی میں بھی کھڑا ہوگیا - اور میں نے اُنکا ہاتھہ تھام کر یہ پوچھا کہ جناب اس لاٹھی سے آپ کسے مارنے جاتے ہیں اُوس زن بازاری کو یا صاحبزادے کو - اس پر وہ کچھہ متامل ہوئے - تو میں نے اُنکی خدمت میں عرض کیا کہ پہلے جناب اس لاٹھی سے اس زن بازاری کو جو آپکی صحبت میں بیٹھی ہے مار کر نکالئے اوسکے بعد بے کسی زحمت کے وہ زن بازاری جو مجلس میں آپکے صاحبزادیکے ہے خود چلی جائیگی - افسوسناک حالت یہ ہے کہ ہمارے فرقۂ اسلام میں جو چیزیں ضروری ہیں اوامر اور نواہی انکا حال بقول غالب بھی ہوگیا :

لا تقربوا الصلوٰۃ ز فہم بخاطر است ◊ و ز امر یاد مانده کلوا و اشربوا مرا

ارباب بصیرت کی خدمت میں صرف اسیقدر التماس ہے کہ جب انتہائی حالت مسلمانوں کی ایسی ہوگئی ہے تو اون سی توقع ہے کہ اُس قوم کے بچے اچھی تعلیم پائینگے اور سر بر آوردہ نکلینگے ◊

IV

Marked with a sanity of judgment and a clarity of vision were his views alike regarding religion and politics. He took a liberal and extended view of religion—a practical view of politics. He was firmly persuaded that English rule was an unqualified blessing for India, and that its withdrawal would at once evoke the undying passions of opposing creeds and all the smouldering ambitions of the warlike races. In other words, India, without the English, would become the theatre of the wildest anarchy and the scene of the most unspeakable horrors. He admired the English sense of duty which shirked no danger and feared no obstacle, and he always told me that it was his rarest privilege to count among his friends some of the great Anglo-Indians who have served the Indian Empire. Nor was this feeling onesided. His English friends had a genuine regard for him, and always showed him the greatest consideration. They appreciated his dis-interested and public-spirited action in giving to the public his magnificent collection of books and the enormous self-sacrifice that it involved. It was his deep-rooted conviction that India, at this stage of her career, stood in the greatest need of social reform, and he regretted the enormous waste of energy on the part of the so-called 'Politicians,' and the itinerant preachers of Swaraj and Boycott, who, he thought, were doing positive harm to the country. He believed that the time was not yet ripe for India to immix herself in politics, and half-a-dozen fluent and facile orators could not give to 'the three hundred millions whom the Imperial Sceptre sways' that political turn of mind which, for its formation, requires centuries of discipline and training, and which can alone create unity of action and unity of purpose. India, with her numerous communities, each looking askance at the other, with an intensity that had its roots founded in deep differentiations of character, faculty and condition, was hardly prepared yet to embark on a political mission, and it was criminal folly to establish secret societies and to have recourse to the dagger of the assassin. Such are not the methods by which he thought India could realise her legitimate ambition or the Indians their legitimate dues. These would serve merely to retard progress by creating a feeling of suspicion and distrust on the part of our rulers. He always admired the patience and forbearance, the self-restraint and self-control which those at the helm of the State display under most trying and irritating circumstances; and he pointed to the action of the present Government in connection with the recent bomb

outrages and the discovery of a secret anarchial society as a signal proof of the English sense of justice and equity. He never, however, for one moment, doubted that the country as a whole was loyal to the core, and regarded the mad melodrama enacted in Bengal as the outcome of temporary brain-storm and diseased fancy. He held firmly by constitutional principles, and those he did not consider that our Government is perfect or flawless (that no Government is), he yet had an unbounded faith and confiidence in the English character; and was firmly convinced that any grievances properly represented, or any demand honestly made, would meet with the serious attention of the Government. He thought it would do good to the people who talk glibly about **Swaraj** carefully to study and inwardly to digest **Bagehot's "Physics and Politics"** and take its lessons seriously to heart.

In the following passage of that remarkable book he found a deep lesson for the overweening politicians of our age :—"What are called in European politics the principles of 1789 are fitted only to the new world in whcih society has gone through its early task; when the inherited organisation is already confirmed and fixed; when the soft minds and strong passions of youthful nations are fixed and guided by hard transmitted instincts. Till then not equality before the law is necessary but inequality, for what is most wanted is an elevated *elite* who know the law : not a good Government seeking the happiness of its subjects, but a dignified and overawing Government getting its subjects to obey : not a good law, but a comprehensive law binding all life to one routine. **Later are the ages of freedom; first are the ages of servitude.**" The energy expended and the time wasted on political propaganda might profitably be employed both by **Hindus** and **Mohamedans** on social and intellectual advancement, without which politics were barren, ineffectual and unavailling. He insisted on the purity of the home[5] and regarded character as of greater moment than a University degree. Honesty, strightforward-

5. Extracts from my father's article on طریقۂ پرورش اطفال published in دبدبۂ آصفیہ number 9, 1320 A. H. (Hydrabad Deccan)

نیپولین جب سر برآوردہ ہوا اور تمام فرانس اسکے قبضہ میں آیا اور یورپ پر بڑا
دباؤ اسکا پڑا اور اوسکا تجربہ بہت وسیع ہوا اسکا قول یہ تھا کہ فرانس میں افسوس بچوں
کی پرورش کے لئے مائیں نہیں ہیں اس میں کچھہ شک نہیں کہ بچوںکی پرورش اور
اُنکی نگرانی خصوصاً اُس زمانے میں کہ جبتک وہ پانچ چھہ برس کی عمر کو پہونچیں
ماؤں سے بہتر کوئی نہیں کرسکتا اسلئے اسکی شدید ضرورت ہے کہ باپ خود نگرانی

you to be scornful, whose virtue is a deficiency of temptation, whose success may be a chance, whose rank may be an ancestor's accident, whose prosperity is very likely a satire." Oft did I hear him recite the couplet of Zauq ذوق :—

ہاں ذوق کسکو چشم حقارت سے دیکھیے
سب ہم سے ہیں زیادہ کوئی ہم سے کم نہیں

Nothing excited his emotion or stirred his compassion more than the sight of poverty, and he frequently told me that he could not understand the strange dispensation of Providence under which some were rolling in wealth and others grovelling in absolute penury. But this observation was invariably qualified by the remark that "He knoweth his ways best." To the poor and the suffering he never grudged help if it lay in his power, and I well remember some years ago the visit of a friend of his youth who was in sore distress. The man was too proud to beg, and he brought with him a MS. which he wanted to sell to my father, and the only reason for the sale that he assigned was his immediate want of money. My father looked at the MS. and told him that he had better copies in his possession. (I believe it was a copy of either Sadi or Jami's works). He then returned the book to him, and with it a hundred-rupee note. He believed in the brotherhood of humanity, and never suffered religion to be a barrier to a genuine friendship or intimate social intercourse. Religion, he thought, was a matter between man and his God, and a thing too sacred and too holy to be dragged into the details of life. On more than one occasion he allayed passions and smoothed difficulties between Hindus and Mohamedans, and in 1893 he took a prominent part in bringing that hateful cow-killing question—the fruitful source of so many disturbances in India—to a happy and peaceful settlement. It was on that occasion that Sir Antony Macdonell, the then Lieutenant-Governor, addressed to him a letter, a copy of which I give below :—

LIEUTENANT-GOVERNOR'S CAMP, BENGAL.
August 7th, 1893.

DEAR KHAN BAHADUR,

I thank you for your letter of the 3rd instant, and for the valued and loyal promise of your assistance in removing the feelings of irritation which here and there have arisen between Mohamedans and Hindus in connexion with the slaughter of cows. I think that there has been some misapprehension of the meaning of the Maha-

rajah of Darbhanga. His wish and object, he assures me, was not to make any imputations, which, in the circumstances in which he spoke, would be altogether out of place, but to indicate the points on which friction might possibly occur between Hindus and Mohamedans, and so, by anticipation, to guard against its occurrence. This explanation will, I am sure, be accepted by Mohamedans and others in the conciliatory spirit in which it has been offered to me. Please convey to your many Mohamedan friends my best thanks for the marked courtesy and friendliness with which they received me at Patna, and believe me to be,

Yours sincerely,
A. P. MACDONELL.

My father was wont to say that he had a strain of Brahmin blood in him, and throughout his life he showed a pronounced partiality towards the Hindus among whom were some of his best and devoted friends. The story runs thus. My grandfather, as infant, was suckled by a Brahmin lady, and out of deference to the memory of his foster-mother neither my father nor my grand-father ever took beef; and this family scruple and family prejudice against cow's flesh has continued unchanged.

My father was of an essentially didactic turn of mind, and he would often tell me that he considered nothing a greater sin than to wound the feelings of others, or "to blend our pleasure or our pride with the sorrows of the meanest thing that feels"; and these occasional sermons were constantly wound up either with the charming Qat'a of Imad or the equally charming lines of Sawda or Rasikh :—

بر لوح جان نوشته‌ام از گفتهٔ پدر ◊ روز ازل که تربیت او باد عنبرین
گفت ای پسر بصحبت افتاده گر رسی ◊ شوخی مکن بچشم حقارت درو مبین
بر شیر ازان شدند بزرگان دین سوار ◊ کاهسته تر ز مور گذشتند بر زمین
گر در جهان دلی ز تو خرم نمی شود ◊ باری چنان مکن که شود خاطری حزین
یاری بجز خدا نگران خواستن مباد ◊ یا مستعان عرفک ایاک نستعین

کعبہ گیا جو ٹوٹ تو کیا جاے غم ہے شیخ
یہ قصر دل نہیں کہ بنایا نہ جائیگا

جو ہے تعمیر دو عرش عظیم ◊ سو ہے ٹوٹے ہوئے دل ہی کا حریم

ایمان کالمولم بکھی ظہور مطلق سازد .

حررہ خدا بخش عفی عنہ المرقوم تاریخ ۱۳ اپریل سنہ ۱۸۹۳ ع

With rapturous enthusiasm did he always quote the following Ruba'i :—

ای مطلع آفتاب ذات احدی ◊ صبح ازلی چراغ شام ابدی
کس نیست بجز تو دستگیرے ما را ◊ یا ختم رسل خذ بیدی خذ بیدی

On the 10th Mohurrum my father never allowed us children to see the Mohurrum procession, which he regarded as a mockery and travesty of religion, and for which he never found language sufficiently condemnatory. He thought it wicked to a degree to convert the anniversary of one of the greatest tragedies in the history of Islam into a day of carnival and festivity, instead of observing it scrupulously as one of veritable mourning; and perhaps it would surprise the reader to know that up to now I have not seen the Patna Mohurrum procession which, I am told, is almost unique in grandeur and magnificence. On the anniversary of that terrible day he occupied himself in the study of the Qur'an and other religious books.

It was one of his deepest regrets that he could never visit the two holi cities of Mekka and Medina. Here I may mention an instance of my father's extreme religious tolerance. In 1894, when I returned home from England for the summer vacation, I often had discussions with him on religious subjects, and he found fault with my views as being somewhat unorthodox, but he never lost his temper or showed the least sign of displeasure. On the contrary he purchased for me Sir William Muir's "Life of Mohamed," Koelle's "Life of Mohamed," and Dodd's "Buddha, Christ and Mohamed," books by no means favourable to the Prophet; but at the same time, he asked me to study the other side of the question as well before making up my mind one way or the other. Among Muslim authors whom he suggested that I should study, he laid special stress on the following : Ibn Hisham, the Shifa of Kadhi Iyadh, Kitab-ul-Wasila of Mulla (a unique MS. in our library); Zad-ul-Ma'ad of Ibn Qyyam (another rare MS. in our library); and the collection of Muslim traditions which he said, reveal the inner life of the Prophet, his intense religious conviction, his glorious self-sacrifice, his stoical firmness in defeat, his magnanimity in victory, his simple unostentatious life, the entire absence of pride, ambition, arrogance and vindictiveness from his character, and his passionate devotion and

loving fondness for his followers. Moreover, in Islam he found a religion which set before its followers an ideal neither too difficult to attain nor at the same time impossible to realise. In it he saw not merely 'counsels of perfection' but a religion which might scrupulously be followed without renouncing the duties and responsibilities of the world. But with all his attachment to Islam he was not one of those who relegated the professors of other religions to eternal damnation. He could not conceive that God, whom we are taught to believe as just, loving, and merciful, would commit the major portion of mankind to the everlasting torments of hell-fire because they happen to hold a different creed or to worship Him in some manner other than the one prescribed Islam, and often would he quote in support of his view the noble utterances of **Sana'i**, **Dard**, and **Ghalib** :—

سخن کز بهر دین گوئی چه عبرانی چه سریانی
مکان کز بهر حق جوئی چه جابلقا چه جابلسا

شیخ کعبه هو کے پهونچا هم کنشت دلمین هو
درد منزل ایک تهی تک راه هی کا پهیر تها

وفاداری بشرط استواری اصل ایمان هے
مرے بت خانه مین تو کعبه مین گاڑو برهمن کو

His whole view of life was deeply coloured by religion. Resignation to the will of God was his watch-word, and never was his faith shaken, however bitter the trial, however acute the suffering. He never worried about the mystery of pain, of evil, of the future life, of the brevity of existence. For these he did not go to philosophy to seek a solution, but to religion; and there he found all that was necessary to give him inward wealth and joy and sweet content. 'Whatever is, is right' was his philosophy of life, and he took joys and successes, sorrows, misfortunes and bereavements with a cool head and a calm fortitude; in other words, he always preserved a temper "cool in arduous and reasonable in prosperous circumstances."

The guiding principle of his conduct towards others might well be summed up in the language of Thackeray : "Be gentle with those who are less lucky, if not more deserving. Think what right have

have themselves failed to attain, realised in their sons, as if in this way they could live their early experience." He advised me, on the eve of my departure for England, to study French and German, and recommended me to write a history of Islam from the standpoint of a Muslim. He regretted the spirit in which the life of the Prophet and the history of Islam were treated by European writers, and he was firmly persuaded that it was almost impossible for Western writers to do full justice to, or to handle, either of these subjects in a dispassionate spirit. The East and the West, he thought, were as widely apart from each other as they could be. Eastern thoughts and Eastern traditions, Eastern ideals and Eastern sentiments, were so utterly different and even opposed to the Western current of thought, that it was perhaps a hopeless task for a European really to enter into or fully realise the feelings and sentiments of the Oriental. Moreover, the strong hold which religion has over people in Eastern countries, is something quite foreign and inexplicable to a European; and its dominating sway over the minutest details of their life is something inconceivable and enigmatical to him. While religion is no more than a social function in the West, in the East it is the very essence of life. In this I am entirely disposed to agree with my father, and I ascribe the failure of European writers in comprehending the character of the Prophet and the phenomenal success of the Islam, to a complete misconception of the Eastern character and Eastern sentiments. Very truly does Bagehot say: "National character is a deep thing—a shy thing; you cannot exhibit much of it to people who have a difficulty in understanding your language; you are in strange society, and you will not be understood."[3] "Let an English gentleman," writes Thackeray, "who has dwelt two or four or ten years in Paris, say at the end of any given period, how much he knows of French society, how many French houses he has entered, and how many French friends he has made. Intimacy there is none; we see but the outside of the people. Year by year we live in France, and grow grey and see no more. We play écarté with Monsieur de Trêfle every night; but what do we know of the heart of the man—of the inward ways, thoughts, and customs of Trêfle? We have danced with Countess Flicflac, Tuesdays and Thursdays, ever since the peace; and how far are we advanced in her acquaintance since we first twirled her round a room? We know her velvet gown and her diamonds; we know her smiles and her simpers and her rouge, but the real, rougeless, *intime* Flicflac we know not."

---

3. Bagehot, "Literary Studies," vol. ii, pp. 44-45.

If this is the case—and undoubtedly it is so—between such close neighbours as the English and the French, we need not marvel to the inability of the Western writers rightly to understand that strange and complex quantity—Oriental character—without which they can neither intelligibly interpret their life nor with any reasonable accuracy expound their history. It was the intensity of religious belief alone, unalloyed by baser considerations which was the real propelling force of the life of the Prophet, and it would be an error to ascribe his actions, as it has been done, to motives other than religious. We often read of certain measures of the Prophet attributed to political foresight and reasons of statesmanship, but neither politics nor statecraft had any meaning or significance in those days of sweet simplicity.

The error lies in introducing preconceived notions into the study of the history of those times, and it is singular that even so careful and circumspect a writer as **Von Kremer** ascribes the conversion of the **Arabs** mainly to their love of money and the boundless prospect of booty which the early militant Islam offered to them, and equally singular is it that so sound and thorough a scholar as **Dr. Goldziher** seriously argues from the similarity between certain Muslim Traditions and Biblical passages that the former were necessarily borrowed from the latter.[1]

Were I to discuss this subject here I would be taken far afield, and I therefore leave it for a more seasonable occasion.

Though my father could not, for one moment, sympathise with religious bigotry and intolerance, he was yet a Muslim through and through. For the Prophet and his family he entertained the most devout reverence, and to the last he never missed the five daily prayers. After the morning prayer he would regularly read the **Qur'an** for half-an-hour, and a magnificent copy of the **Qur'an** was one of the gifts which I received from him on the eve of my departure for England. On the fly-leaf he wrote :—

قران مجید زاد الله شرفه و عظمته به فرزند ارجمند خود صلاح الدین مد عمره
بروز روانگی ولایت بغرض تلاوت فرزند عزیز مذبور بخشیدم - خداوند تعالی به
برکت این مصحف شریف فرزند مد عمره را در امن خود نگاه دارد و بسلامتی

4. "It has been the fashion," says Deutsch, "to ascribe whatever is Islam to Christianity. We fear this theory is not compatible with the results of honest investigation. For of Arabian Christianity, at the time of Mohamed, the less said, perhaps, the better. By the side of it even modern Amharic Christianity of which we possess such astounding accounts, appears pure and exalted."

جلال الدین رومی در تفسیر آیه کریمه عسی ان تکرهوا شیئا و هو خیر لکم
بسلک نظم کشیده اند مبالغه قلم به بعضی از خیالات که بالا گذشت دارد پس
نخواستم که دریلجا ثبت تا گرهی خوش بکنم :

دان تو حیرانی که ناصح اختر ست ♦ او بزخم چوب زفت و لمتر ست
تا که چرمش میزانی چرنه شود ♦ او ز زخم خویشتن فربه شود
نفس مومن اشقری آمد یقین ♦ کو بزخم چوب شادست و سمین
پوست از دارو بلاکش میشود ♦ چون ادیم طائفی خوش می شود
اینکه تلخ و تیز مالیدی برو ♦ گنده گشتی نا خوش و ناپاک بو
آدمی را نیز چون آن پوست دان ♦ چونکه مدت ها شدی زشت و گران
تلخ و تیز و مالش بسیار ده ♦ تا شود پاک و لطیف و با فره

کسی را که از جوهر علم و هنر حلی بسته باشند چرا بزین سنگریزه های
رنگارنگ فریفته شود - درین باب آنکه بلند پرواز ساخت معنی حکیم میرزا
محمد المشتهر به نعمت خان العالی بعالی در مثنوی خود مسمی بسفر
عالی میفرماید برای تفتنی طبع ارباب بینش بقلم می آمد ♦

انچه ناصح هر کسی دولت نهاد ♦ جمع حیوان و نبات ست و جماد
هر که فخر و ناز بر اینها کند ♦ گوئیا ترجیح بر خود می دهد
چیست آخر معنی این افتخار ♦ یعنی از خود می ندارم اعتبار
از طفیل گاو خر آدم شدم ♦ آه از سنگ و گیاهی کم شدم
ننگ دار ای جان که پرپی غیرتی ست ♦ هر که در انها ست غیرت در تو نیست

An accomplished **Arabic** and **Persian** scholar he was by no means unacquainted with English literature. Among English poets he admired Byron most, but he was not insensible to the lyrical intensity of **Shelley**, the fascinating elegance of **Keats**, the sweet reasonableness of **Wordsworth**, the ineffable charms of **Tennyson**, and the robust manliness, mingled with a dash of scepticism, of **Swinburne** whom he likened to **Qa'ani** — both supreme and matchless in their fine and forcible diction. For **Gibbon** he had an unbounded admiration, and almost the whole of the chapter on the **'Rise of Islam'** he committed to memory. In his address as President of the **Anjuman Islam**, Patna, he said :—

گبن (Gibbon) نے آیات کریمہ کے ترجمہ کو پڑھکر یہہ عبارت اپنی تاریخ میں
لکھی ہے جسکا ترجمہ یہ ہے : رسول مکی نے پرستش (اصنام) اشخاص اور ستارہ کو
اس معقول دلیل پر ممتنع کر دیا کہ جسکو عروج ہے اسکو زوال بھی ہے - جس شخص

کے لئے طلوع ہے اوسکے لئے غروب بھی ضروری ہے - جو متولد ہوئی موت ساتھ لئی
ہوتی ہے اور ہر انقلاب پذیر چیز کا مادہ اضمحلال ، فنا لوازم ہے - اسکے بعد وہ یہ
لکھتا ہے کہ مذہب اسلام وہ مذہب ہے کہ جسکو ایک مرحلہ فلسفی بے تکلف قبول
کر سکتا ہے -

The language of Gibbon had a fascinating hold upon his mind, and Gibbon's sympathetic treatment of Islam and its heroes could not fail to appeal to a Muslim. As a boy I remember learning by heart passages from the "Roman Empire" selected by my father.

We read together **Mill's** Autobiography, **Goethe's** "Truth and Poetry" (Dichtung und Wahrheit) and the autobiography of **Benevenuto Cellini**; and he was never weary of impressing upon me the lesson drawn from the lives of these great masters. He considered biographies as the most instructive of all studies, and used to refer to Goethe's preface to "Truth and poetry" where the great sage of **Weimar** says: "For this seems to be the main object of biography, to exhibit the man in relation to the features of his time, and to show to what extent they have opposed or favoured his progress; what view of mankind and the world he has formed from them, and how far he himself, if an artist, poet or author, may externally reflect them. But for this is required what is scarcely attainable—namely, that the individual should know himself and his age; himself so far as he has remained the same under all circumstances; his age, as that which carries along with it, determines and fashions both the willing and unwilling, so that one may venture to pronounce that any person born ten years earlier or later would have been quite a different being both as regards his own culture and his influence on others." Thus it is that the study of biographies and autobiographies written by great masters yield the richest harvest. They trace the gradual evolution of the minds of great men and serve to exercise a healthy and stimulating influence on others. He found an inexhaustible source of pleasure in the noble lines of Wordsworth:

> "There is one great society alone on earth,
> The noble living and the noble dead"

and in the immortal couplet of the poet **Mutanabbi**:

أعز مكان فی الدنا سرج سابح ✧ و خیر جلیس فی الزمان کتاب

He impressed upon me, in season and out of season, that life would not be worth living were it not for intellectual pursuits, and as Goethe says, "it is the pious wish of all fathers to see what they

بعقلوت دارد ♦ بر بزای برهن مصاحب دزاوار تر بود • مشهور رفهی که مستقل المزاج است با زن خود بیشتر الفت کند • چنانکه در ترجمه پرلتیسکز مسطور است که او بهر زن خود را بر حیات جاودانی مرجح میداشت ♦ زنان ذی عصمت در اکثر اوقات غرور و شوخیها بکار برند؛ مگر ایشان بر طلب خود می نازند یا بنگاهداشت عصمت - مطیع و منقاد شوهر بودن بهترین صفت زنانست - اگر زوجه زوج خود را طفیل پندارد بسکی صورت انقیاد آراست و اگر بدش داند کار بر اطاعت که انجامد ♦ زن جوانان به شاهد و شیوخ به مصاحب و پیران به دایه ماند ♦ پس وجه معقول که دالت بر زن خواستگی کند آن باشد ♦

شخصیکه بدانائی و فهم اشتهار و اختصاص داشت در جواب یکی که سوالش متعلق به تزوج بود گفته ♦ قوله : شاید که زن نخواسته رتبه شیطوخت نیافته ♦ بارها به تجربه رسیده که بد مزاج شوی زن نیک سیرت دارد مگر نظر توجه همچنین شوهر که کمتر بر زنان خود اندازند پیش شان قدری و قیمتی گرانی دارد ♦ یا همچنین زنان بر تجمل خود انتظار دارند • و بر سکوت ورزی بیشتر کوشند ♦ زنی که زوج درشت خوی بصلاح رای اقارب خود خواسته باشد بار بیشتر می آمیزد چه برتری دیگر ندارد که بد آن علاج سبکسری خود توان کرد ♦

لمولفه

اشهب کلک بیکی از میدان قرطاس عطف عنان نمود - و شبدیز خامه لم بر ساحت بیاض جلوه ریز جولانان معنی بعطهای عباسی بر رخش الفاظ در وسعت صفحه رونق بخش کاغذ , مداد - اگر جلوهٔ ایشان پسند طبع خوش طبعان افتد زهی وخهی ورنه :

کلفتی بود که آمد شد و رفت

دانستنیست که بفحوای خلق الانسان من ماء دافق یخرج من بین الصلب و الترائب بوسیله خلقت آدم و تعمیر هوا آبادانی عالم و آشکارا کردن صور گونا گون که هنوز در کتم عدم محجوب است , بود منظور صانع جز و کل است - و بان که کار بسهولت بر آید بمقتضاء خلقنا کم ازواجاً هر فرد بجفت خویش تشریف خلقت پوشید - پس ابا نمودن از تزوج سلسلهٔ اتحاد را بر هم می کند - ازینجاست که پیغمبر ما صلعم میفرماید النکاح من سنتی فمن رغب عن سنتی فلیس

مثلی - سید علی همدانی که از اجل صوفیه بود در شعر امیر حسنه نموده که کسیکه ازین کار رو بپیچد گفته بر زمین افگنده و کسانی بزرگ کرده چه نکاح از جلوه شیاطین باز دارد و باعث بقای وجود انام و تکثیر نسل نوع انسان است - ای عزیز اگر از گناه سر مصئون ماندن داری رو بمطلوب آری زوجه انجام کار خود بینی ◊

در باب ترک و تجرید

قول سنیکا بر وفق اصول فلسفهٔ اسٹائک بسی بلند است میگوید خوبی ها که از دولت خیزد تمنا را شاید مگر آنچه از ترک و تجرید زاید مدح فراوان را شایان باشد - چه معجزات که همین تصرف بر مواد طبیعی ست در حالت تجرید بیشتر بظهور رسد اسپی این قولش بالا تر ست از قول سابق بلکه از خدا تا پرست خیلی عجیب قوله براستی بزرگست کسیکه با ضعف فطرت انسانی استقلال خدائی داشته باشد این گونه بلند پروازیها خیالات شاعری را سزاوار ست چنان که شعرای قدیم باین قول کارها داشته اند اگر بدیدهٔ دقیقه رس دریابی این قول باین حکایت ماند که سخن عهد پیشینه در نظم خود جلوه داده اند و خالی از خفا نیست بلکه بمضایل دین حقه خیلی مشابهت دارد گویند که هرکیولیز بهر رهائی پرامیتهس بر کاسهٔ گلی عبور بحر محیط کرده - انسان هم باستعانت استقلال عقیدهٔ دینی بحر بیکنار دنیا را که پر از تلاطم امواج اختلاف ست با شکسته زورق جسم خاکی طی کردهٔ خود را بساحل سلامت می برد - و بالاخر در یسر اعتدال و در عسر استقلال شعارند محمود و در مصائب بضبط بسر بردن همت ست مردانه - آسایش شادباشی ست در زبور - و زحمت فرخندهٔ پیامی ست در انجیل - رحمت الهی و عواطف جناب احدیت تعالی شانه که نامتناهی ست منوط باین ست - با این همه اگر بر صحیفهٔ داؤد نظر افگنی مرثیه های با سرود را با نغمه های مسرت انگیز مساوی یابی - کاتب قدرت در تحریر مصایب ایوب بیشتر از آسایش سلیمان کوشیدهٔ - دولت را خوف ها و بی مزگی ها ست در پهلو - و ترک و تجرید را امید و طمانیت است در بغل - کار سوزن و زر بافت بر زمین ماتمی و تیرهٔ رنگ خوش نما تر ازان افتد که بر پارچه شوخ رنگ کار کم نما کنند - ظاهر ست که آنچه بدیدن خوش نیاید بدل مرغوب نباشد - صفات انسانی مثل عود و مشک ست که تا نسایند و نسوزند نبوید - همچنین ست که آسایش باعث ازدیاد عیوب ست و عسرت سبب فروغ نکوئی - بیکن اینجا قلم در کشید - حالا نقطه که حضرت

تمرلنه

اینک تحریر بیگی بپایان رسید : چونکه او خود هم در سیاست مدن دست رسی کامل داشت تحریرش هم برای انتظام سلطنتم و سر انجام کارهای مملکت بیشتر مفید است عموماً و تحریر هذا خصوصاً تعلق باصول حکمرانی دارد ◈ و تلیکه کار بجاه طلبان آویزد چندانکه ضرر و نفع حب جاه دریخها ثبت شده تعلق به سلطنت دارد : و آنچه با مملکت دل مقسم است بقلم نیامده ◈ واضح و لایح است که اگر خواهش بهر حصول جاه بصغوا ماند در نشاندن از پا جملگی صفات انسانی را بصفراء زنجاریه که از قسم صفرای ردیه است مشابهت دارد زور بر انگیختن بر محسن کشی : کمر چست کردن بر مرگ پدر : حبس برادر : قتل فرزند - قیام نمودن پیش جاه طلبان آسان تر از حرف زدن باشد مگر ارتکاب چنین قبایح باعث برار کار شان گردد - از دیدن باستانی نامها هویدا گشته که انجام جاه طلبی نیکو نیست - اگر چنین نبودی عاقبت کار بر سکندر و قیصر و نپولین تلک نشدی - و دانستنی است که اینها با حلم جلیل الشان عالی همت والا منش بودند ای کاش حب جاه نداشتند اگر بر افزایش ملک و مال حریص نمی بودند با بیلن جای وفات سکندر نبودی بروتس دست خود از خون قیصر نیالودی و جزیرهٔ سنت هلنا مدفن نپولین نشدی همینکه هوای جاه در سر ماتحرک گشت چشم عقل بر دوخته شد و ارتکاب ناکردنیها بنظر آسان آمدندی - قطعهٔ شیخ نظامی گنجوی که یکی از ارکان اربعهٔ شاعریست مناسبت تام باینمقام دارد بزبان خامه بعرض میرسد :

جهان چیست بگذر ز نیرنگ او ◈ رهائی بچنگ آر از چنگ او
یکایک ورقهای پارین درخت ◈ بزیر اوفتند چون وزد باد سخت
مقیمی نه بینی درین باغ کس ◈ تماشا کناد هر یکی یک نفس
فلک در بلندی زمین در مغاک ◈ یکی مشت پر خون یکی پر ز خاک
نوشته درین زهر آلوده طشت ◈ ز خون سیاوش یکی سر گذشت
دمی گر بصناعت برون آورد ◈ همه خاک در زیر خون آورد
دو در دارد این باغ آراسته ◈ درو بند زین هر دو برخاسته
در آ از در باغ بنگر تمام ◈ ز دیگر در باغ بیرون خرام
همین است رسم این گذرگاه را ◈ که بندد باندیشه این راه را
یکی را در آرد بهنگامه تیز ◈ دگر را ز هنگامه گوید که خیز

اجتناب از اطناب کلام نموده بر این یک شعر حکیم سنائی که در برابر دفتری

میتوان داشت از حدیقه اش که بوستانیست همیشه بهار التماس نموده درج میکنم
خالی از مذاق نیست :

هر که از حب مال و جاه برست ◈ رفت و بر مسند ابد بنشست

در تزوج و تجرد

کسی که عیال و اطفال دارد از ایشان یرغمالی پیش دولت میگذارد چه اینها مهمات عظیم را که بد باشد یا نیک سنگ راه هستند - الحق بهترین کارهائی اعیان که برای عوام کثیر النفع باشد از آنان صدور یافت که در تجرد زیست کردند یا اولاد نداشتند ◈ شکی نیست که همچنین کسان بیشتر تعلق به بنی نوع خویش دارند ◈ کسان ذی ولد خیلی فکر زمان آینده کنند ◈ چه ایشان دران عهد از اطفال خویش بهترین ودیعت گذارند ◈ آن یکی هست که با اینکه تنها زندگانی کند خیالاتش محدود بذات خودش باشد ◈ مگر چیزی را که وقوعش بزور مستقل امکان ندارد بخود متعلق نداند و آن یکی از افراط طمع و عدم وقوف بر لا ولدیت خود افتخار کند و جگر گوشگان را سبب کمی دولت انگارد تا که در نظر مردم بیشتر دولتمند نماید ◈ مگر کلام این نهج آویزهٔ گوشش شده باشد که فلان متمول است ◈ و دیگری که هست از افراط اولاد خرج پروا دارد بدتر است ازان دیگری که زن و فرزند را صرف رقومات اخراجات پندارد ◈ با آزادگی بسر بردن متعارف ترین وجه من الوجوه تجرد است ◈ خصوصاً کسانی را که طالع شان علو خاصی دارد و مزاج شان بمقداری ذکی الحس افتد که هیچ کمر بند را هم سلسلهٔ پا شمارند ◈.

آن که زن ندارد مولی مترحم خادم مستعد دوست مخلص بیشتر باشد ◈ مگر رعیت معتبر کمتر ◈ چه سبکبار است و زود قرار بر فرار نهد ◈ و پیوسته گریز پایان را حالت همین بوده است ◈ رهبانان را نباید که زن خواهند ◈ چه زمین دیگران از چشمهٔ فیض وجودگی نمی یابد وتلیکه سیرابی حوض خانهٔ خود مدِّ پیش نظر است - تجرد و تجوز حکام مساویست ◈ اگر ایشان طبیعت به دارند خدام شان از ازواج شان بدتر کارها کنند ◈ بیشتر امیران فوج را یافته ام که حین زجر و ملامت مرد سپاهی را عیال و اطفالش یاد میدهند ◈ و گمانم می برد که تنفراز تزوج که درمیان ترکان شیوع یافته کیله لشکری ایشانرا زیاده تر بیغیرت میسازد ◈ فی الواقع عیال و اطفال آدمی را ادیب هستند در باز داشتن از خصایل بد ◈ بدانکه او را نه زن است و نه فرزند خرج کمتر دارد ◈ و نیاز بیشتر باشد ◈ مگر رحم طبیعش بکار نیاید ◈ خیلی میک

اليوم رفيع القدر في ذروة العليا
غداً عظيم الشان في رتبة المجد
خدا بخش

حب جاه - بزبان پارسی

مترجمه از تحریر انگریزی لارڈ بیکن صاحب

حب جاه صفرا را ماند - و آن خلطیست که اگر باز داشته نشود آدمی را پر از بشاشت و موصوف بچابکی و بجد و جهد میکند و اگر باز داشته شد مخرج طبیعی نیافت و کیفیت سمی درو پدید آمد - همچنان آنانکه حب جاه دارند اگر سبیل بحصول مرتبت یابند پیوسته در مدارج ترقیها کنند از ایشان خوف و خطر متصور نباشد - و اگر شبدیز آرزوی ایشانرا لگامی دهند آثار نارضامندی از سیمای شان پیدا شود : و اشخاص و اسباب را آنها بنظر بد بینند و از تنزل در امور بیشتر مسرور باشند - و اینست بد ترین خصایل در خدام شاهان و مملکت ⁂ شاهان را باید که اگر جاه طلبان را بکاری تعین نمایند نظم کار بر نهجی دارند که ایشان در حصول مراتبت قدم بیشتر گذارند و پس پا نمانند : چون این نظم بی زحمت صورت نه بندد بهتر است که این قسم طبایع را دخل ندهند - چه عدم ترقی اینها در خدمات باعث تنزل خدمات خواهد شد • و چون عموماً ازین قسم مردم جاه طلب را مدخل دادن در امورات سلطنت مصلحت نیست بگویم که در کدام مواقع ضروری بکار آیند - افسران فوج هرچند حب جاه داشته باشند بخدمت افسری فوج شایانند : چه در برابر خدمات شان از دیگر صفات قطع نظر باید کرد : لشکری جاه ناطلب سواریست بی مهمیز - در امورات حسد انگیز و خطرناک جاه طلبان محافظ شاهان باشند - چه کسی درین امر شریک نشود مگر شخصی که مثل فاخته بر دوخته چشم باشد که چپ و راست نه بیند و بالا تر همی پرد • آنانکه حب جاه دارند نیز بر انداختن کسی که در مملکت سر بر افراخته باشد هم بکار آیند - چنانکه تایبریس که قیصر سوم است تا اینکه سجینس را از پا در آورده ماکرو را برابرش بر آورد ⁂ چون معین کردن مردم جاه طلب در بعضی کارها چنانکه گفته شد ناگزیر است بگویم که چه طور بندی بر پای شان گذارند که ایشانرا

ضرر کمتر رساند ◊ هوای افزایش رتبت در حریف خطرناک تر است تا
در رذیل - و در مردم خوش خلق و نیکنام ازآنکه در درشت خو - و
شخص که در علو مرتبه ثباتی و قیامی بود در کارها تجربه ها حاصل کرده ؛
ازآنکه در نوخیز ◊ گویند که بعضی از خواص خود را نسبت بدیگران مورد عنا
خسروانه گردانیدن نشان ضعف عقل پادشاه است - مگر دانستنیست
برای دفع ضرر اعیان جاه طلب تدبیری بهتر ازین نباشد : چه رقا
رضامندی ، تا رضامندی را ذریعه جز ندیم مقرب نیست تا ممکن که اح
کسی از حد اعتدال تجاوز کند ◊ روشی دیگر برای ضبط هوا ، هوس جاه طل
اینست که موازنه آنها با دیگران که متعلق بالخلق مذبوره باشد
شود مگر درینصورت که درمیان هر دو واسطه باشند دیگران نیز ناگزیراند
چه بغیر این بار گران کشتی نظم سلطنت خیلی ته و بالا گردد ◊ بالجمله شاه
باید که مردم رذیل را بپرورند که رخسار جاه طلبان را طپانچه باشد
داشتن اینها در محل امید و بیم در صورت بودن شان پر خوف و هراس آ
بود - واگر قوی دل و دلیر طبیعت افتند تدبیر خود را قبل از زوال خویش
برند و سلطنت را بخطر اندازند - اگر مهمات مملکت بر این تقاضا کند که ز
فروغ ایشان از بیخ بر کنده شود ، بیخطر اینصورت نه بندد طریق آن جز
نیست که گاهی انسان را مبذول عواطف ساخته باوج عزت برند و
معاتب کرده در حضیض مذلت در آورند - تا ندانند که امروز چه زاید و
چه پدید آید : و همواره در ورطهٔ حیرت مانند ◊ دعوی پیش قدمی در ا
سترگ قسمیست از حب جاه که مضرت کمتر دارد نسبت بان دیگری که
جمله کارها باشد - چه ازین یکی بی انتظامی خیزد و کار را ماند - کسی
جاه طلبش در امضاء مهمات عظیم باشد کمتر خطرناک است نسبت بآ
که توجهه او باملاک و تعلقات است - و آنکه در زمرهٔ ارکان دولت فروغ -
کاری بزرگ در پیش دارد - و برای رفاه عام این مصلحت است - و آنکه
مجمع بیکاران سر بر آوردن خواهد سبب انحطاط مردم عهد خود گردد
وقار سه چیز دارد اول موقع نفع رسانی دوم قرب پادشاه و اعیان
کاسهٔ خود پر کردن از زر - آنکه طالب این مرتبه است و نیتش نیکو
این هر سه باشد مرد دیانت دار همانست - و پادشاهی که نیت مردم
یابد البته آن پادشاه است با دانش فراوان : پادشاهان را چنین وزیری
گرفتن باید که در اطوار شان نمایش نه نماید و انجام امورات متعلق خو
بر ترقی منصب مرجح دارد - ، هم ایشانرا لازم است که کسی که بر بجا
کار تازه ازان امتیاز کنند که منشاء و غایت مهمات سلطنت بیند -

friendship was marked with true love and devotion to each other, and was tested by every possible variation of good and evil fortune. Animated by one common desire—the social, moral and intellectual amelioration of their co-religionists—they worked together with perfect harmony and earnest zeal, and achieved substantial results. **Kazi Reza** and **Moulvi Mohamed Hassan** were constant visitors at our house, and twice a week, at least, did I see them. I can recall the zeal, the earnestness, the enthusiasm with which they discussed questions affecting the interest of the Mohamedans. Not to speak of a number of Muslim students, whom they educated at their own expense, they successfully combated that unreasoning and unreasonable Orthodoxy which regarded with distrust and suspicion the spread of English education. It was they who first lighted the lamp of learning in Behar, and though it still burns but dimly there, yet in process of time, we doubt not, it will shine with its wonted brilliance.

In spite of a very large and extensive practice my father never neglected his stutdies. Immediately on returning from court he dined, and after resting for an hour or so he would retire to his Library, which, in earlier days, was in our dwelling-house. There he would generally be either reading or writing notes on books, or conversing with visitors on subjects religious and historical. On no account would he see clients after sunset, or attend to professional work. Surrounded by his books he was for those few hours, absolutely happy and cheerful. In that Eden of bliss there was no room for the cold, calculating cares of life, or the disquieting anxieties of the lengthening chain of existence. His love of letters and learning enabled him to find in the pursuit of knowledge a relief from anxiety and a solace under disappointments. **Hafiz** and **Mowlana Rum** were his inseparable companions, and he read them every day with almost religious regularity. He was a better **Persian** than **Arabic** scholar, though his knowledge of **Arabic** was by no means contemptible. He was perfectly at home with the whole range of Persian literature, and stupendous and encyclopaedic was his memory. He could recite Arabic and Persian poetry for hours, and what is so rare in India, he could write **Persian** with almost the ease and elegance of a native. There are passages in his **Mahbub-ul-Albab** which would be accepted by competent critics as the high-water mark of Persian prose. **Mahbub-ul-Albab** is a descriptive catalogue of the **Arabic** and **Persian** MSS. in his Library. It extends over 500 pages, and gives the lines of the authors with an exhaustive critical analysis of their

works. It involved immense labour, and my father was justly proud of his performance. Owing to a variety of causes, the foremost of them being his departure to Hyderabad Deccan, he was unable to complete it.

I propose, here, to offer to the reader some specimens of my father's Persian composition. First I select the letters which passed between Professor Browne and my father on the occasion of the former sending to the Library Volume I of the Literary History of Persia, and secondly a specimen of my father's Persian translation of Lord Bacon's Essays, which shows at once his command both over English and Persian :

لنا ندماء ما نمل حديثهم ◊ امينون مامونون غيباً و مشهدا

حسب اشارهٔ عالیجناب معارف ماب مکارم انتساب خان بهادر مولوی خدا بخش خان صاحب میر مجلس عدالت عالیهٔ حیدر آباد دکن ادام الله برکاته الشریف و اعلی الله مقامه اللطیف از طرف مؤلف بطریق ارمغان و یادگار فرستاده شد •

۳ شعبان سنه ۱۳۲۰

همی شرم دارم که پای ملخ را ◊ سوی بارگاه سلیمان فرستم
همی ترسم از ریش خند ریاحین ◊ که خار مغیلان به بستان فرستم

EDWARD G. BROWNE,
November, 6th, 1902. *Pembroke College, Cambridge.*

الحمد لله که امروز سحر گاه
مکتوب تو آورد صبا سلمه الله

باد کرسی پایهٔ از مسند عالی تو ◊ عرشیانرا آستانه مجلس تعلیم گاه

نازم برخود که جناب شما این از نظر دور افتاده را باین الطاف و شفقت یاد فرمودند بر خود بالیدم و چه نازشها نبود که بر علو قسمت خود نکردم ارمغانیکه فرستادند تحفه ایست بقول سعدی :

نه قندیکه مردم بصورت خورند ◊ که ارباب معنی بکاغذ برند

هدیهٔ جناب شما چنانست که از عهدهٔ شکرش این هیچمیرز کم مچ زبان کی بیرون آید از اینکه سطور چند که از دست خاص خود بر صفحهٔ اول کتاب تاریخ ادب فارسی زبان که دران داد سخنوری داده اند بقلم معجز رقم نوشته اند کتاب را زینت و کتابخانه را رونق بخشیدند شکریهٔ این عنایت بیغایت نه از طرف این هیچمدانست بلکه از جمیع افراد انجمن انتظامیهٔ کتابخانه پیشکش خدمت است قبول فرمایند •

namely to found a public library, was an accomplished fact. My grandfather's favourite couplet was :—

زنده ست کسیکه در تبارش ♦ ماند خلفی بیادگارش

and time has amply justified its application to his case. My father not only maintained the family reputation but secured for it an honourable place in the literary history of India.

III

So far I have said nothing regarding our family history. A few words will suffice. Unlike most of our countrymen, we do not trace our descent either from the Prophet of Arabia or from some great hero of Islam, or from some spoliating despot of a by-gone age. Nor do we need such meretricious trappings. The Province of **Behar** (I may be permitted to say without vanity) can scarcely point to another Mohamedan family which can count three generations of learned men. I mean men who enjoy not merely local but Indian, if not European, fame. Traditition traces our descent from **Kazi Hibatullah**, one of the compilers of the **Fatawa-i-Alamgiri**, but I am not prepared to treat this seriously. There is, so for as I can see, no sufficient date for the establishment of any such claim, and I must therefore reject it as unproven, if not as a pure fiction.[2]

---

2. In my grandfather's *Bayadh*, written in a fine *Shikasta Amiz Nastaliq*, I find an account of our family. MS. Bankipore Library. Besides the passage in the Bayadh I have no other authority, so far, which connects our family with Kazi Hibatullah, one of the compilers of the Fatawa-i-Alamgiri, and curiously enough the passage under discussion does not throw any light as to who Kazi Hibatullah, our ancestor, was. This much is clear, that our family originally came from Delhi, settled down at Chapra, and eventually removed to Bankipore. It is also clear that from the earliest times the members of our family have been, more or less, noted for learning, and as such were men of position and influence. My father never set much value on unauthenticated traditions, and believed more in personal distinction and individual merit than in proud pedigrees or fanciful descent. The passage in the Bayadh runs thus:—

نسب نامهٔ بندهٔ محمد بخش خان این ست که بنده ولد جناب علی بخش مرحوم
ابن شیخ رمضان علی ابن شیخ محمد باقر ابن قاضی شیخ هبت الله مرحوم مغفور صدیقی
نسباً و دهلی وطناً - از دهلی آمده اولاً بمقام ارکهی ضلع سارن مقیم شدند - شادی دختر شاه
بی بی جنگلی از ملا بهکو صاحب که از اولاد مولانا مجدالدین ساکن دربهنگه ضلع ترهت
بودند شد - و شادی جد مرحوم از دختر برادر خرد موسومه بی بی عاصمه نمودند و شادی
جناب علی بخش مرحوم از بی بی حلیمه بنت شیخ محمد عوض صاحب ساکن قصبه مانجهی
ضلع سارن - و حال نسب علی اینست که مولانا قطب و مولانا محمود فاروقی دو برادر بودند -

My father, though thoroughly aristocratic in his ways and habits, always deplored and deprecated the tendency of his countrymen to invent a pedigree or claim fanciful descent. He regarded such a tendency as the surest sign of national decadence and demoralization, and the last refuge of the unworthy and the incompetent. In this connection he often used to quote the famous lines of Amir-ibn Tufail, one of the noblest of the Quraish :—

و انی و ان کنت ابن سید عامر ◊ و فارسها المشهور فی کل موکب
فما سودتنی عامر عن وراثة ◊ ابی الله ان اسمو بام ولا اب
و لکننی احمی حماها , اتقی ◊ اذا ها و ارمی من رماها بمنکب

Kazi Reza Hussain, Moulvi Mohamed Hassan, and my father, constitute a noble trio. They were true friends, and their

---

از اولاد مولانا قطب شیخ محمد عیوض صاحب و از اولاد مولانا محمود صاحب شیخ قبول محمد بوجود آمد - شیخ قبول محمد صاحب یک دختر باسم بی بی حبیبه و یک پسر نام فتح محمد و دختر که بود منسوب شیخ محمد عیوض شد - ازان دختر تولد شد باسم بی بی حلیمه والدهٔ ماجدهٔ کمترین و شیخ فتح محمد را پسری بنام شیخ مخدوم بخش که ازیشان منسوب به همشیرهٔ میر الهی بخش صاحب ساکن رتن پوره شدند - ازان شیخ مولا بخش صاحب برادر صوبی موجود اند که شادی شان از دختر شیخ قطب بخش موضع شاه نواز پور شد و شیخ محمد عیوض را همشیرهٔ حقیقی بی بی باصرة بود که بموضع حسن پوره منسوب شدند - از نبیرگان شان سید بهادر علی و سید عنایت حسین و تجمل حسین صاحب , شیخ بخشش حسین صاحب و دیگر صاحبان ساکنان جک مران و حسن پوره هستند - از ملا بهتو صاحب شیخ ولی الله پسر بوجود آمدند و شادی شان بموضع کوه‌تا از دختر شیخ شمس الدین صاحب که یکی از اولاد قاضی عبدالرحمان قدوه بودند گردید - و شادی کمترین از دختر شیخ ولی الله صاحب مرحوم مغفور است و از بی بی باصرة چهار دختر است یکی بی بی پلوا زوجهٔ شیخ پیر بخش ساکن مبارکپور مادر مولوی علی احمد صاحب و حسین بخش - و مسماة خیرن زوجهٔ سید پیر علی ساکن جک موان فقط و دیگری بی بی املان عرف بی بی کوما زوجهٔ سید فتح علی عرف میر گهانسی ساکن موضع جک حیوان پرگنه بار - از بطن شان سید بهادر علی مرحوم و سید عنایت حسین - سیومی بی بی نعیما زوجهٔ مولوی غلام اشرف ساکن حسن پوره ا بطن شان منشی بخشش حسین پسر و چهار دختران یکی مسماة بی بی بهیکن زوجهٔ شیخ علی جان ساکن موضع شیخپوره دیگری بی بی ننو زوجهٔ مولوی علی احمد صاحب سیوم بی بی صبیرن زوجهٔ سید عنایت حسین و چهارمی دختر بی بی باصرة مسماة سکینه پیش از تولد فوت کردند ◆

II

My father was born at Chapra on the 2nd of August, 1842. Soon after his birth the family removed to Bankipore, where my father was brought up under the direct supervision of my grandfather, a distinguished pleader, a man of letters, and a passionate lover of books. In 1854 Mr. Travers, the then District Judge of Patna induced my grandfather to send his son to the Patna High School where he studied till 1859. Owing to the disturbances and commotions consequent upon the Mutiny, the Patna High School was that year abolished, and my father had to wend his way to Calcutta, which was not then, as it is now, the City of Palaces, the centre of fashion and the headquarters of commerce.

In those days there was no direct railway communication between Calcutta and Patna, and the journey was, as might be expected, at once costly and perilous. With wallet and staff, the young student nevertheless undertook the pilgrimage in quest of learning. At Calcutta he was placed under the charge of Nawab Amir Ali Khan who treated him with the utmost kindness and consideration. In 1861 he passed the Entrance Examination of the Calcutta University, but his stay in Calcutta had to be cut short as the climate never agreed with him, and he returned to Bankipore. On his return he joined the Law Class with a view to qualifying as a pleader. Between 1861–1868, when my father was admitted to the Patna Bar, he passed through great hardships and sore trials. My grandfather's health began to fail, and as time went by, he found it more and more difficult to attend to professional work—the only support and maintenance of the family. The whole burden fell on my father, and it was with the greatest difficulty that he managed to keep the family together. In spite of accumulating woes and miseries he attended Law Classes and at the same time earned a small income. It was during this period that he applied for the post of Naib under a Munsiff, but, as fate would have it, his application was refused. He, however, obtained the post of Peshkar to the District Judge, but he and Mr. Latour, the Judge, could not agree, and he had to throw up his post. The next appointment that he held was that of a Deputy Inspector of Schools, but this was also for only a period of fifteen months. Misfortunes and disappointments, instead of depressing his spirits, only stirred him into fresh activity, and he determined to fight the battle of life. It was always with emotion that he referred lo the sad experiences of those times—the mental anguish, the bitter privations, the terrible sufferings through which he had passed. These

unhappy days, however, were to end, and they did end with his enrolment at the Patna Bar in 1868. There was a sudden change of fortune, and his progress in the profession was rapid and assured. Within a couple of years he was perfectly well-established, and commanded almost the largest civil practice in Patna. Nor was this unexpected; he inherited to the fullest extent not only his father's passion for books but also his talents.

He obtained a certificate of honour for his work on the School Committe in 1877, and when local self-governing bodies were created by Lord Ripon he was appointed the first Vice-Chairman of the Patna Municipality and of the Patna District Board. Almost all the qualities of a successful advocate he possessed, and possessed in a remarkable degree. He had keen intelligence, ready wit, a remarkable memory, a wonderful grasp of facts, and a rare power of advocacy. While ever avoiding friction witht he court he nevertheless always stood up for his rights.

On the civil side he was reckoned almost without a peer, but he always had a horror of criminal practice, and never seriously took to it. In 1880 he was appointed Government Pleader of Patna, and in 1881, for public sevices, he was made a Khan Bahadur. In 1891 he founded the Oriental Public Library, of which we shall here more in the sequel, and in 1895 he was appointed Chief Justice of the Nizam's High Court for a term of three years. In 1898, on his return from Hyderabad he reverted to the Bar, but a stroke of paralysis, which he had that year, so completely shattered his nerves that he never felt himself again. He recovered, but his health began to decline, and he grew weaker and weaker. His demise would perhaps have come much earlier than it actually did had it not been for the anxious care and tender solicitude of my brother Shahabuddin and his wife. They were always with him and took the greatest care of his health. In 1903 the title of C. I. E. was conferred on him, and the Government of India was pleased to appoint him Secretary of the Library on a salary of Rs. 200, and to make him a grant of Rs. 8,000 in liquidation of his debts.

For the last fifteen months his health was fast giving way. He was growing feebler and feebler, and he had to cease from attending court; but he could not be idle, and during this period he spent most of his time in the Library, reading books and writing articles.

As early as 1874, as Mr. Macdonell's letter shows, my father's reputation was made. But seventeen years had yet to elapse before my grand-father's wish, expressed on his death-bed to his son,

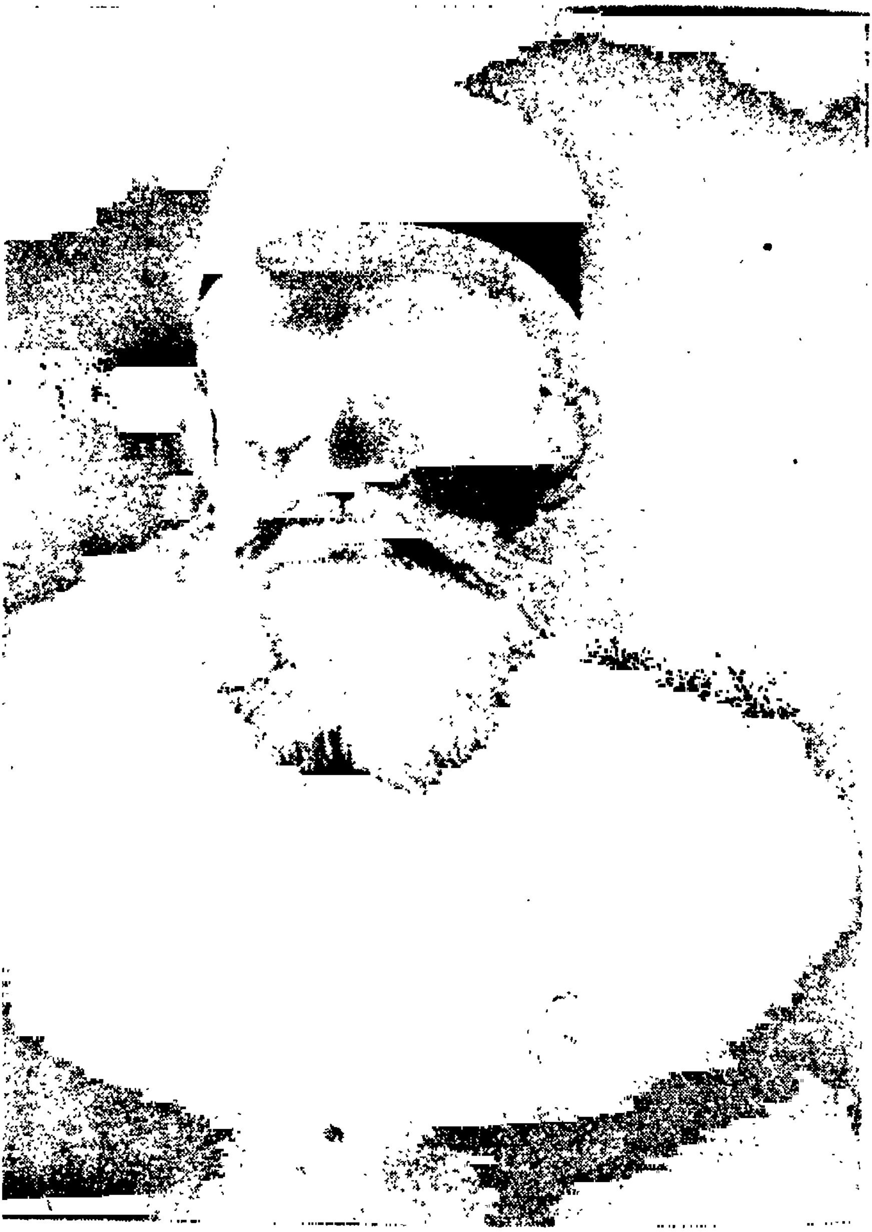
subjects to be dealt with by others more competent than myself to weigh, to sift, to focus, to adjust; but the outer world, after all, never secures more than a partial glimpse of a man's life. It can never, unassisted, hope to know the man in his true inwardness—his varied relations with his friends, relatives and dependants. Nor is that world expected, to have an idea of the subtle influences which a man of commanding intellect and powerful will exercises over his immediate and more private entourage, the secret springs of his actions and deeds, his tone and temper, his religious beliefs, his unexpressed political views, a thousand little kindnesses secretly done, and good offices privately performed. But these are just the things which reveal the true nature of the man and the nobility of his soul. Moreover, the public sees only the ultimate result of a life's labour. It knows not the slow and painful steps through which that result was achieved, the innumerable obstacles that lay in the path of success, the strange reverses of fortune, and the strength of will and purpose, dauntless courage and unflinching pertinacity needed finally to conquer and triumph. In other words the public sees only the last act in a series of failures, otherwise known as success; but it is the intermediary stages which are alike interesting and instructive, and a lesson and an example to others. A life of the donor of the Bankipore Library, written even by me, would scarcely fail to bring out those qualities of the mind and the heart which made him the idol of his friends and one of the most interesting figures of his time. Fraud and imposture can never long continue to impose upon the credulity of mankind. It is the sterling qualities of the mind and the heart alone which win for a man a place in the annals of his community, or the history of his nation. "Call no man happy until he is dead" is as true of my father as of any other mortal. His life's voyage, like that of others, was not, and as things are, could not be all prosperous. He had his moments of deep despondency and blank despair. He had his share of sorrows and griefs, bitter disappointments, and sad vicissitudes. In the following pages I shall recount the story of that life which, in early manhood, was overcast with heavy unmoving banks of cloud impervious to any ray of sunlight, but which was destined to end in peace, serenity and honour. Among the heralds and pioneers of Muslim learning in India, history, I doubt not, will assign him a place next to Sir Syed Ahmad and Mohsin-ul-Mulk. Like Sir Syed he devoted himself to the cause of the Mohamedans, and like him, too, he spent his fortune for their benefit and advancement. Throughout life he

... an active courage, a resolute endurance, a cheerful self-... ..., and an exulting self-sacrifice. He ignored the claims of ...mily for the higher and nobler claims of his community, and ... suggest no better and more fitting epitaph for his grave than ...llowing words of a great French philosopher: "I loved my ... more than myself, my country more than my family, and ...nity more than my country" (I quote from memory). His ... life was but a commentary on these words. It was neither ...t of purse nor length of pedigree which brought him to the ...ont, but his own inherent qualities and intrinsic merits, his ...-minded devotion to learning, and his overmastering passion ...oks.

The most charming feature of his life was his central trust in ... He never allowed himself to be anxious for the morrow, or to ... the well-known text of the Qur'an و على الله فليتوكل المومنون, to ...rom his mind. To the last he believed that in purity of heart ... than in outward cleansing, and in spirit rather than in the ... lay the real strength of religious beliefs.

"When the end comes," wrote John Stuart Mill, to a friend ...nsive vein[1], "the whole life will appear but as a day, and the ... question of any moment to us then will be: Has that day been ...d? Wasted it has not been by those who have been, for ...ver short a time, a source of happiness and moral good even to ...rrowest circle. But there is only one plain rule of life eternally ...ng, and independent of all variations of creed, embracing ...y the greatest moralities and the smallest; it is this: "Try ...f unweariedly till thou findest the highest thing thou art ...e of doing, faculties and circumstances being both duly ...lered, and then do it." Be this our standard now, and let the ... pronounce his own judgment. In the Oriental Public Library ...nkipore, where under one roof are collected, as though in a ..., the literary remains of the great savants of Islam, he has built ...nself a monument which will last so long at least as the destiny ...lia is linked with that of Great Britain, if, perchance, no ...r. There, in course of time, as the mists of ignorance lift, will ... school of Oriental learning; and thence will radiate beams of ... which will illumine the whole of the Indian Peninsula. The ... of the founder of the Oriental Library on the gratitude of the ...ms, nay, of the entire literary world, nothing but jealousy can ...ok or disparage. I now proceed to details.

1. Lord Morley, "Miscellanies," 4th series, p. 151.



KHUDA BAKHSH

([illegible])

My Father : His Life and Reminiscences

By SALAHUDDIN KHUDA BUKHSH

بایین رواق زبرجد نوشته اند بزر
که جز نکوئی اهل کرم نخواهد ماند

"The most precious and intimate recollection of each man's memory is his series of recollected portraits and biographies of persons he has individually known. A peculiar sacredness attaches to these recollections of persons when they themselves are dead . . . . Every living man or woman can reckon up those select of the dead who are most memorable to him or to her; and sometimes there may be a duty, or at least an impulse, that one should speak to others of the dead whom *he* remembers, and of whom *they* know little or nothing."—PROF. MASSON.

I

In writing this short sketch of my father's life I have been actuated neither by vanity nor self-glorification, but simply by that sense of duty which I owe to him and to those numerous friends of his who have been good enough to ask me to give them a brief account of his earthly pilgrimage. It is always a delicate and difficult task to write the life of a contemporary; much more so is it for a son to attempt the biography of his father. The tenderest ties of filial duty and devotion necessarily render him unfit for such a task. We can scarcely hope to find in him the severe impartiality of a historian, or the equally unbiassed mentality of a judge. I must, therefore, at once, inform my readers that, though I lay claim neither to the impartiality of a historian, nor to the impersonal attitude of a judge, still, in these pages, I have endeavoured to give a true and faithful account of the career which has so recently yet all too soon ended. I have abstained alike from extravagant laudation and captious criticism. I have merely placed the facts before the reader, and have left him to draw his own conclusions. My father's public services, his rank and position in the profession to which he belonged, his literary works, and the history of the Oriental Public Library at Bankipore, are too well known to require my interposition or to call for my assistance; and I might easily have left these

S. Khuda Bakhsh, M.A., B.C.L. (Oxon), Bar-at-law (*d.* 1931)
Eldest son of the Founder of the Library and an eminent orientalist; author of several books on Islamics, among them : *Contribution to the History of Islamic Culture; History of the Islamic People; The Renaissance of Islam; Politics in Islam; Orient under the Caliphs; Essays : Indian and Islamic.*

Mr. Q. A. Wadood, B. A. (Cantab), Bar-at-law, Patna-4 (*b.* 1896)
Eminent scholar of Urdu and Persian; honoured with the *'Certificate of Merit'* by the President of India; author of several hundred research papers and several books, among them : *Ma'asir-i-Ghalib; Ushtur-o-Suzan; 'Ayaristan; Qit'at-i-Dildar; Diwan-i-Riza Azimabadi; Kalam-i-Shad; Maqalat-i-Qazi Abdul Wadood ed. by Prof. K. Ahmad, 8 vols. (in press).*

Dr. S.H. Askari, M.A., B.L., Patna-6 (*b.* 1901)
An eminent historian of medieval India; honoured with the degree of *Honoris Causa* by Magadh University & *Ghalib Award* for research by *Aiwan-i-Ghalib*; writer of more than a hundred learned papers on medieval India specially on Sufism in Bihar.

Dr. Nazeer Ahmad, M.A., D. Litt. (*b.* 1916)
Professor of Persian, Aligarh Muslim University; writer of several books and more than a hundred papers dealing with Persian language and literature and Deccani literature, among them : *Zuhuri : Life and Works; Diwan-i-Siraji; Makatib-i-Sana'i; Diwan-i-Hafiz; Farhang-i-Dustur ul-Afazil; Historical and Literary Studies.*

Mr. A. F. Haider, M.A., Dip-Litt. (Tehran) (*b.* 1924)
Director, Institute of Post-Graduate Studies and Research in Arabic and Persian Learning, Patna-6; writing a thesis on *Institutional Organisation of Safwis;* several papers on Indo-Persian Literature.

Dr. A. R. Bedar, M.A., Ph.D. (Alig.) (*b.* 1934)
Director, Khuda Bakhsh Oriental Public Library, Patna-4
Author of several books on Indo-Islamics and Urdu Literature, among them : *Important Literary Magazines and Journals of Urdu; The Aligarh Problem; Indian Muslims in Search of Leadership; Abul Kalam Azad; Zakir Husain; National Culture and Indian Muslims; Ghalib Literature; An Urdu Encyclopaedia of Islamic Studies; Traditional Muslim Education in India and Its Reform.*

Dr. Abdur Rashid, Fazil, M.A., Ph.D., (*b.* 1937)
Lecturer, Department of Arabic, Patna College, Patna.
Thesis for the degree of Ph.D. on *Biographical Dictionaries of Shafi'ite Jurists;* Several papers on Arabic literature.

CONTENTS

My Father ... 1
—Late Salahuddin Khuda Bakhsh

Maktub Literature as a Source of Socio-Political History : The Maktub of a Sufi of Firdausi Order of Bihar—A Case Study. ... 53
—Dr. S. H. Askari

Persian Language and Literature in India (Urdu) ... 1
—Dr. Nazeer Ahmad

An Unpublished Masnavi of Ghazali Mashhadi (Persian) ... 98
—Mr. A. F. Haider

Omens from the Diwan of Hafiz (Persian) ... 107
—Inayat Khan-i-Rasikh

Prologue to the Works of an Early Urdu Poet (Persian) ... 125
—Mirza Jan Tapish

The Biographical Dictionaries of the Hanafite Jurists (Arabic). ... 149
—Dr. Abdur Rashid

Kashmiri Pandits Reform Movement (1875-1910) : A Study through the Pages of the Monthly *Kashmir Darpan* of Sir Tej Bahadur Sapru (Urdu) ... 167
—Dr. A. R. Bedar

An Urdu Speech of Pandit Motilal Nehru (Urdu) ... 200

Review : Rahbar-i-Tahqiq (Urdu) ... 236
—Mr. Q. A. Wadood

Corrections and Additions to the Library Catalogue : Volume III/318—*Diwan* of *Riza* (Urdu) ... 241
—Mr. Q. A. Wadood

An Autograph Letter of Abul Kalam Azad ... 243

Autograph Impressions—Leaves from the Visitors' Register of the Library : Gandhiji; Pandit Nehru ... 245

1. The Khuda Bakhsh Library Journal is a quarterly journal specialising in oriental studies in Arabic, Persian and Urdu languages, covering meaningful research based on the material preserved in the Khuda Bakhsh Oriental Public Library, or having any concern with it.

2. Articles will be accepted in English, Arabic, Persian and Urdu.

3. Notes and Addenda, by way of corrections and/additions to any information published in this Journal or in any publication of the Library e.g. Catalogues, will be a regular feature of the Journal.

Rs. 15.00 per copy

Printers : Tara Press, Tripolia, Patna-7 & Label Litho Press, Patna-4
Publisher : Mahboob Husain, for Khuda Bakhsh O.P. Library, Patna.

Message

From

the Governor of Bihar,
Chairman, Khuda Bakhsh Library Board

RAJ BHAVAN
PATNA

Message

I am glad to know that the first issue of the Library Journal of Khuda Bakhsh Oriental Public Library is going to be published soon. I hope it will be both interesting and instructive. I wish the efforts of the members all success.

(Jagan Nath Kaushal)
Governor of Bihar.

خدابخش لائبریری جرنل

۲

خدابخش اورینٹل پبلک لائبریری، پٹنہ

۱۹۷۷ء

Khuda Bakhsh Library

Journal

1

1977

Khuda Bakhsh Oriental Public Library,
PATNA-800 004
(INDIA)

فہرست

باغ معانی: تذکرۂ شعرای فارسی — ادارہ، ۱
مولفۂ نقش علی

شمس البیان فی مصطلحات الہندوستان — ادارہ، ۱۲۹
مولفۂ مرزا جان طپش دہلوی

عصمت الانبیاء: — از ڈاکٹر سید عبدالباری، ۱۷۷
عہد ہمایونی کا ایک نادر و نایاب نسخہ

مطبوعات جدیدہ: فرہنگ آصفیہ — از جناب قاضی عبدالودود، ۱۹۳

تعمیر و اضافہ: دیوان انوری — از جناب قاضی عبدالودود، ۲۰۱

نوادر: میر یونس کا ایک قطعہ — از جناب قاضی عبدالودود، ۱۹۲

: لائبریری کی وزیٹرز رجسٹر سے ماخوذ عکسی تحریریں — ادارہ ۲۰۳
رابندر ناتھ ٹیگور؛ علی اصغر حکمت (ایران)؛ لیاقت علی خان (پاکستان)؛
سر ظفر اللہ خان (پاکستان)؛ اے۔ کے فضل الحق (بنگلہ دیش)

خدا بخش لائبریری: ایک تعارف (انگریزی) — از مرحوم لیفٹیننٹ کرنل اسکاٹ او کونر، ۱

دوسرا شمارہ : ۱۹۷۷ء

اس سہ ماہی مجلے میں انگریزی، اُردو، فارسی یا عربی میں ایسے مضامین شائع ہوں گے، جو خدابخش لائبریری کے نادر مواد پر مبنی ہوں یا لائبریری سے کسی نہ کسی قسم کا تعلق رکھتے ہوں۔

قیمت: پندرہ رُپے

محبوب حسین نے اُردو حصّہ پٹنہ لیتھو پریس رمنا لین پٹنہ ۴ ۔ اور انگریزی حصّہ تاما پریس ترپولیہ پٹنہ میں چھپوا کر خدابخش لائبریری سے شائع کیا

باغ معانی

تذکرۂ شعرای فارسی

سدۂ دوازدہم

— مؤلفہ —

نقش علی

تصحیح و ترتیب:

عابد رضا بیدار
مدیر کتابخانۂ خدا بخش، پٹنہ

ہمارے مقالہ نگار

مرحوم ونسینٹ کلارنس اسکاٹ اوکونر (م ۱۹۴۵ء)
—— ایک سیاح اور مستشرق انگریز جس نے ہندوستان کی سول سروس میں ایک مدت گزاری (ملاحظہ ہو ص۲ انگریزی)

ڈاکٹر سید عبدالباری ام۔ اے، پی ایچ۔ ڈی، بی۔ ایل، استاد شعبۂ عربی، مسلم یونیورسٹی علی گڑھ (پ ۱۹۰۱ء)
—— تالیفات: ہشام بن عبدالملک: حیات اور شاعری پر ڈاکٹریٹ؛ جریر اور اس کی شاعری: ایک تنقیدی مطالعہ (زیر طبع)؛ المقتبسات الادبیہ من کتب التاریخ۔

بقیہ کے لئے: ملاحظہ ہو جزل ۱

دیباچه:

فاتحه دفتر کلام خدا | نام خدا آمد نام خدا

سپاس بی قیاس بهار آفرین را سزاست که عنادل ناطقه را بر خاخسار زبان جا داد و ستایش و نیایش بیقرینی را بجاست که طوطی مقال را در گلزمین امکان طبع موزون نهاد- نی کلک با کمیابی هوای نیایش او سرو موزون و نقل خیال در فضای ستایش او بید مجنون.

لمؤلفه: زهی قدرت صانع جزو و کل | که یکدانه آرد برون خار و گل
بحمدش نه تنهاست گل تر زبان | بود مدح او خار را بر زبان
ازو باده رنگ در جام گل | وزو نشئه بوی در کام گل
اگر گل و گر خار گر سنگ و پوست | ثناخوان به تسبیح و تهلیل اوست

تزیین لوح زبان بنقوش حمد نقاشیست که نگارخانهٔ وجود را بانواع اشکال مختلف الالوان صنایع بوقلمون ساخته و خامهٔ اعجاز پرداز قدرتش کرده بیرنگ عالم شهود را ببدایع و ودایع انگلیون پرداخته - لمؤلفه:

مصور مصور نمود آنچنان | که شد از ظهورش بطونش عیان
بهم چار اضداد را کرده ضم | برانگیخت نقشی بعلم قدم
هیولای انسان بشکل کشید | کزو جمله اشکالها شد پدید

پیشگفتار

اشپرنگر، مؤلف فهرست کتابخانه‌های اوده، نسخه‌ای از تذکرهٔ "باغ معانی" در ذخیرهٔ موتی محل بدست آورده که مشتمل بر ۴۳۸ اوراق می‌باشد و هر ورق بیست سطری بود، می‌نویسد:

"باغ معانی تذکرهٔ شعرای فارسی‌ست که ظاهراً سه یا چهار دفتر قطور بزرگی بود. از آنجمله فقط بدفتر دوم دسترسی یافتم که آن هم نام مؤلف ندارد. ممکن است علی ابراهیم خان مؤلف تذکرهٔ گلزار ابراهیم این تذکره را هم تألیف کرده باشد. و این دفتر دوم دارای چمنهای سوم و چهارم و پنجم است، ممکن است که چمن اول و دوم بکلی مربوط به موضوعات دیگری باشند. و چمن سوم به ترتیب حروف تهجی دارای ترجمهٔ احوال مختصری تخمیناً ۱۵۰ نفر است که در فن شعر معانی اشتهار داشتند و نام آخرین درین چمن نام شاه عالم است که در آن زمان بر تخت دهلی متمکن بود (۱۱۷۳-۱۲۰۱ھ) و شاید که نام این تذکره تاریخی است که از آن ۱۱۹۴ھ مستفاد می‌شود. چمن چهارم ترجمهٔ تقریباً ۲۲۶ نفر از وزرا و امرا که شعر سروده‌اند در بر دارد. چمن پنجم هم ترتیب حروف تهجی محتوی است بر ترجمهٔ ۳۴۳ نفر که سخنوران پیشه‌ور بودند و از زمان باردی اکثرشان تا ۱۱۸۰ھ زندگانی میکردند" (ص ۳۴۴).

قسمتی از دفتر سوم این تذکره از حرف الف تا حرف ظ، در کتابخانهٔ خدابخش محفوظ است. از دیباچه‌اش مستفاد میشود که نام مؤلف این تذکره نقش علی بود. او شعر هم می‌سرایید و در دیباچهٔ کتاب هم اشعارش را دارا است. و درین دیباچه مرقوم است که مؤلف بعد از نگاشتن پنج چمن بنوشتن چمن ششم و هفتم و خاتمه توجه نمود. و اولین شاعری که در نسخهٔ خدابخش نابود شده امیر امین الدین است و آخرین آن محمد ظریف ظریف می‌باشد. و هم این دفتر مرتب بر حروف تهجی است. و ما بالاتفاق تا این شعرای این دفتر سوم و شعرای چمن پنجم چیست محقق نشده.

نسخهٔ موتی محل ناپیداست؛ و گفتار اشپرنگر درباره آن ناکافی و در بعضو جاها هم نادرست است. بقیه چمن ششم و چمن هفتم و هم خاتمه یکسر ناپیداست.

نسخهٔ خدابخش این صراحت ندارد که از باغ معانی سال تالیفش مستخرج شود یا نه؛ مؤلف کتاب هم ... اطلاع نمیدهد که سال آغاز یا سال اختتام چیست. اما بعضی وقایع تا سال ۱۱۹۴ھ و بعد از سال ۱۱۹۸ھ مذکور نشده. تراجم شعرا در زمانهای مختلف قلمبند شده؛ مثلاً بموجب صراحت مؤلف تراجم زین الدین علی رسایی و ساکن کشمیری بالترتیب سال ۱۱۹۴ھ و ۱۱۹۸ھ نوشته شد.

تحریری بر عنوان این یافته میشود که بموجب آن این نسخه به خط مؤلف است: "تذکرة الشعرا از تالیفات نقش علی. این نسخه به خط مؤلف مرحوم است" و این دعوی را بشواهد موجود نه تایید ممکن است و نه تکذیب؛ اما جا بجا اضافه و تصحیحات چنین طور است که اگر کسی باین نتیجه رسد که این نسخه خط مؤلف است بی اصل نباشد.

ازین تذکرهٔ باغ معانی، احوال و اشعار شعرا که معاصر بودند یا نزدیک عصر مؤلف زندگانی میکردند، در صفحات آینده ملاحظه شود. ناگفته نماند که از سایر ۱۳۵ شعرا که از آنجمله ۹۵ انتخاب شده چندیک باین محل بار نباید یافت چرا که آنها خیلی قبل از زمان مؤلف بودند و متعلق بسدهٔ یازدهم هستند (برهمن، شیدا، منیر) امید که خوانندگان گرامی ازین چند صفحها بیجا صرف نظر کنند.

از افادات: آقای قاضی عبدالودود

ترجمه: حامد رضا ...؟

نمونه یدالله پاره کرد، و بیک حمله جدا بیت و باب خیبر متزلزل ساخت. مبارزی که چون دم ذوالفقارش بی فرق بر فرق مرحب نشست از صفوف هر دو صفوف غلغلهٔ مرحبا مرحبا برخاست. لمولفه :

آنکه دستش غالب هر غالبست | افتخار دودمان غالبست
آنکه شهر علم احمد را در است | شاه مردان شیر یزدان حیدر است
وانکه بود نعت انبیاء طالب باد | شد منور چشم بو طالب باد
تا نتابد مهر مهرش آو بدل | نور ایمانت دگر دد مشتعل
تا نه مهر محبت او بر دل بود | معرفت کجا کامل بود

و تحفهٔ تحیات زاکیات نیاز و نثار ارواح و اشباح مقدس و اولاد امجادش که ثمر شجر نبوت و اصل مرتبه امامت و اصل ولایت اند باد :

سپاس و سلامی سزاوار او | بود باد بر آل اطهار او
بر اصحاب و بر پیروانش همه | بیاران روشن روانش همه

اما بعد ! میگوید مؤلف این اوراق سنگ آستان نبی و ولی نقش علی عفی الله عنه من جرایم الخفی والجلی که چون از آراستن بیخ چمن تذکره باغ معانی بآبیاری سحاب الطاف و سرچشمه لطافت الهی شادمانی خاطر حاصل شد. حالیا منقار عندلیب کلکم بر شاخسار گلهای چمن شمیم ختم و خاتمه سزاوار است. امید از جویبار فیض فضل باری و آبیاری بحر مکرمت و نسیم عنایت و یاری اوست که این چمن بی خزان از سحاب مواهبش سرسبز و شاداب گشته از ثمرهٔ مراد بار ور گردد. من الله توفیق و هو المستعان فی کل حال و زمان.

نعت سرِ دفترِ موجودات که سرشتهٔ جمعیت اجزای نسخهٔ ممکنات ذات بابرکات اوست پیشوائی که اوّل مخلوقات و باعث ایجاد عالم مکوّنات محمّد شریف و ظهور عنصر لطیف مقدس صفات اوست - لمولفه :

مقصدِ آفرینش عالم   مطلب خلقت بنی آدم
آن همایون سریر فتح لوا   شرف دودمان آل لوا

مدح محمودی که هرچه از جنس حمد و مدحت است اشارتیست از تقسیم اسم مبارک آن برگزیدهٔ تبارک و جمیع اسمای حسنی حسن شمایل اُو را صلی الله علیه و آله وسلّم و بارک متبارک لمولفه:

جوهر سروری پیشگاهِ شهود   بهترین میوهٔ بستانِ وجود
مقدم خرام صفِ انبیاء   معزز نشینِ مقام صفا
زهی گوهر کان کون و مکان   که شد جوهرش مخزن کُن فکان
ز فیضان دانش وجودِ همه   طفیلش بود هست و بود همه
سرِ سرورِ انبیای کرام   علیه الصلوٰة و علیه السّلام

مدح بیمثال عالم خیال که مصوّر مکونات صنایع کُن فیکون شبیه آن بی نظیر مکان امکان شکلی مصوّر نکرده و نقاش مشیت بالغه اش نقشی مانند آن خلاصهٔ نیرنگ کُن فکان بر صفحهٔ برجلوهٔ ظهور نیاورده - لمولفه:

علی ولی آن ولی علی   امینِ خدا و معین نبی
همان مصدرِ فعل حق صدرِ دین   که ثابت بود صاد دانش بدین
بذاتِ خدا مشتبه در صفات   بنور نبی مشترک هم بذات
بعلم ازل واقف سرِّ غیب   مبرّا ز نقصان معرّا ز عیب
همان کارِ حق شد ز دستش عیان   ید الله از آن روی خود نام آن
نباشد صفات ورا حصر و حد   اگر جن و انسان کنند مد و عد

منقبت آن محیط مرکز ولایت که نه دایرهٔ فلکی بر رفعت علو ستایشش کم از نقطهٔ موهوم و مفهومات ساکنان طبقات ارض و سموات در پیش علم لدنیش کمتر از نکتهٔ معلوم مقداری که از

ایما، میرزا اسمعیل اصفهانی:

از مشاهیر شعرای عهد بصفای گفتگو و شیرینی زبانی ممتاز و بتلاش مضامین تازه امتیاز داشت - با اکثری از شعرای معاصرین خود چون میر عبدالعال نجات و آخوند شفیعای اثر و دیگر سخن سرایان همطرح بود - مدار معیشت بشغل تجارت بسری کرد - تا در سنه هزار و یکصد و سی و دو رو به عالم دیگر آورد - جناب شیخ علی حزین نوشته که با من اخلاص و دوستی داشت - از وست:

غیر ایما که بکوی تو بسر می آید — که بسر برد دگر این ره بی پایان را

چاره ز می کن دل افسرده را — گرم نگهدار هوا خورده را

ز طعن اهل حسد دلبر یگانهٔ ما — چو آفتاب نیامد شبی بخانهٔ ما

مضمون کسی گل نکند از سخن ما — کی سبزهٔ بیگانه بر آرد چمن ما

دارند بما خوش نگهان گوشهٔ چشمی — گردید چراگاه غزالان چمن ما

بالا نمی رود ز ترقی دماغ ما — چون آفتاب دود ندارد چراغ ما

خونی که یار در دل ایام کرده بود — آوارهٔ روزگار برون از ایاغ ما

حق تا بکار ماست که از ماست بیخبر — خود را کنیم گم چو بگیرد سراغ ما

کاری ز چرخ ناید بجز بی دماغ کردن — این کاغذ کبود است از بهر داغ کردن

دوشم بیار جرأت عرض قصیده بود — چون شمع عرض داشت دهانم دراز بود

از دولت سپهر ز قارون گذشته ایم — از بس بجای مال بما خاک مال داد

امروز آفتابم پرتو به محفل افتاد — آتش به پنبهٔ داغ از شیشهٔ دل افتاد

حکم قتلم اگر آن شوخ جفا کیش کند — عمر کم فرصتم از شوق بسر می آید

کی بود فکر ترقی در دل دیوانه ام — خوش هوا از پستی دیوار باشد خانه ام

در آخر عمر عیش پیران — نظارهٔ آفتاب روز است

تا کی گویی ز دنیا بگذرم — چون جرس باید سخن در راه گفت

تا هوا طبیعت آبروی ترا — هر طرف کن زبان درازی را

آشوب، طاهر حسین مازندرانی:

از دیارِ خود بهند آمده نزد نواب ظفرخان احسن گشت. سالها بوده باز بمالک ایران مراجعت نمود و بجای عالم این صوبه شعر بمقصد رسیده. بعد چندگاه درگذشت. او راست:

سبزه از مژگانِ ترش خوابی گرفت　　نرگس از چشم ترم تعلیم بی خوابی گرفت

نقد اشکم را بزور از مردم چشمم ربود　　گرد او گردم که باج از مردم آبی گرفت

مؤلف نسخهٔ مجمع المعانی ایرانیان را که بحسن بیگ رفیع منسوب داخته در آن جای نوشته که در سن هزار و پنجاه و شش که سلطان مراد بخش ابن شاهجهان تسخیر بلخ کرد مؤلف نیز همراه سلطان بود. شبی در مجلس مولانا عبدالله نام جوانی این دو بیت حسن بیگ رفیع را بنام خود خواند. ثوابت این اجزاء در چند نسخه مثل تذکرهٔ میرزا طاهر نصرآبادی و در ریاض الشعراء و مجمع النفایس بنام ملای مذکور دیده ام. هم او راست:

نیست باکم از فلک امشب که می با او خورم　　عالم آبست پندارم که ایام تجدد است

آگاه، میرزا محمد کاظم نیشاپوری:

خالی از علم و شعور نبوده، در عهد بادشاه محمد فرخ سیر از دیارِ خود بهند آمده، در دهلی بسر می کرد. هم او راست:

کارم از عقدهٔ تسبیح روا می گردد　　عقده از نام خدا عقده کشا می گردد

چو بعد عمر بروی تو چشم باز کنم　　کمال حلقهٔ تقریر تماشا کنم

رباعی

هرکس که ببزم شاعران دارد خو　　دستش بقضا به بند مانند سبو

گویم بتو گر اعتقادم پرسی　　بر دشمن اهل بیت جز لعن مگو

بر طبع یا بس که نبانش می رسید آن را صنعت و حقایق پنداشتی و الہامی و خوط فی غمرهٔ
دخل نمود استعداد سخنان بی سر و بن دائم می بافت و قدم در بیچ المذاهب و مقام استوار
و ثابت نداشت . گاهی خود را حکیما بستی و گاه به صوفیا نسبتی و گاه از متکلمان خویش را گفتی - و در
هیچ فرقه در شمار نماندی - آخر به تباهی عقاید مشهور گشت . عقلا از معاشش متنفر گشتند - او
نیز از دانشوران کناره گرفت . و با جهال و بی خردان و ساده دلان انسی پیدا کرد - و مشایخ نها
و ذمت خطی نمود - تا در سن کهولیت بعالم دیگر رحلت کرد - در اصفهان مدفون گشت سجاوز الله
عنه بهرحال میرزای مذکور بسیار خوش فکر است ، از اوست :

بخوبان غمزهٔ خونخوار دادند بما هم دیدهٔ خونبار دادند
نمی گردید از جنت تسلی بعاشق وعدهٔ دیدار دادند
نهال آفرینش بی ثمر بود محبت را بدلها بار دادند

سخت می ترسم بحیرت انتظارم بگذرد رفته باشم از خود آن ساعت که یارم بگذرد
ایکه خاکم را بباد از جلوهٔ خود داده‌ای آنقدر بنشین که از پشت غبارم بگذرد

بمشکل طرهٔ پیوند کردم رشتهٔ جان را ز زنجیر از دلبستم نسخهٔ خواب پریشان را
بیاد روی او چون غنچه سر در جیب پیچیدم چو گل بر بر بخت ساختم چاک گریبان را

هر سر راهم الهی کیست پیدا زچیر کشتهٔ تیغ تغافل زندهٔ نقصانها

آذر، حاجی لطفعلی بیگ شاملو

برادرزادهٔ ولی محمد خان مسرور مذکور مغفور بوده مستعد بود - اوایل واله بعد نکهت
آخر آذر تخلص قرار داد -
تولدش در اوایل فترات ایران و آشوب آن ممالک از تسلط افاغنه و شورش اروام [illegible]
افتاد - تا سنه هزار و یکصد و شصت که در ان زمان سال حیاتش تخمیناً به بیست رسیده بود در ایران
اقامت داشت از اوست :

مطرب عشق ما که سر کرد دست و پای می زند درمیان نالهٔ حرف آشنایی می زند

خویش باید بخویش ایما ساخت　　　　نیست سودی ز ناد سازی را

ابراهیم، میرزا همدانی:

برادر میرزا نجف خان صدر و نواده علامی مشهور میرزا ابراهیم همدانی و خواهرزاده میرزا بدیع مشهدی که هر دو بزرگوار از توصیف مستغنی البیان اند. خود هم بتحصیل معالم و معارف نموده بسیار عالی همت و بلند فطرت بود. بتولیت مزار فایض الانوار امامزاده سهل بن علی امتیاز داشت. در ریاست آن بلده که از توابع و لواحق همدان است. با دموعض افضل المتاخرین جناب شیخ محمد علی حزین زخشر که من او را در خدمت والد مرحوم خود دیده ام. از زاده های طبع آن مرحوم است:

چه گزیدست ز دل سردی افلاک مرا　　　　نگهه گرم تو برداشته از خاک مرا
بسکه ایام بنا کامی ما می گردد　　　　گردش جام بود گردش افلاک مرا
چون سپند دور از آتش شب هجران یار　　　　نالها در دل گره داریم و خاموشیم ما
در آتشش که بی تو دل داغدار سوخت　　　　می سوخت آنچنان که دل روزگار سوخت
هر یک ز آتش من و پروانه سوختیم　　　　او در وصال شمع و مرا هجر یار سوخت

رباعی

بیتاب شوی چو پرسی از احوالم　　　　سرگشته شوی اگر در دنبالم
سرگشتگیم چنان مهیا گردید　　　　کآیینه فلاخنست از تمثالم

الهی، میرزا مهدی تبریزی:

تبریزی الاصل صفوی النشو و نمااست. ببدایت حال بتحصیل علوم پرداخته در هیئت و نجوم خاصه در احکام مهارت و قدرت تمام بهم رسانید، و در اکثر مطالب علمیه از مشتهران زمان خود در فن شعر طبعش خیلی درست و در ذکاوت و شعور از نوادر است. اشعار بلند سنجیده دارد. جناب افضل المتاخرین شیخ محمد علی حزین، در تذکرهٔ معاصرین رقم زده کلک عنبرین ساخته که میرزا مهدی مرا استفاده از افاضل روزگار از خود ای مرا از ابتهاجات طبیعیه از خدمت ایشان دوری در دید و خود را بخلط دید

پیش تشریف رسانی کرم دوست از رشک
خجلت از کوتهی قامت تقصیر کشید

دمید صبح و زبیم فراق دم درکشیدی — دلت خوش است که امشب بوصل یار رسیدی
نگه ز دست بتان گاه از زبان رقیبان — الم تو بر سر این عاشق جهان درکشیدی
فغان که سوخت فراق تو جان ناشادم — کجاست وصل که گیرد ز دست بیدادم
چو وصل دادیم چشم زخم هجر رسید — به عیش تندروی ها ز پا در افتادم
به هجر خویش مده عادتم که می ترسم — خدا نکرده رود ذوق وصلت از یادم

صمیل، میر معصوم

خلف الصدق سید عبدالعال جابری. بجامعیت استعداد و لطافت طبع اتصاف داشت فکرش مستقیم و شاعر فهیم بود. در سنه چهل سالگی فوت شد. با قدوة المتاخرین شیخ محمد علی حزین دوستی داشت، هم او راست:

آنچه آید از ضعیفان کی توانند اقویا — بر زمین پرواز دارد سایهٔ مرغ هوا
در جهان آسایشی گر هست از درویشی است — خانه آنکو تا بود دیوار باشد خوش هوا
معنی مردی نبود قوت بازو جلاست — هر که را شمشیر باشد صاحب شمشیر نیست
ترک دنیا بود از لذت دنیا بهتر — مرگ نبود هیچ کم از لذت آزادی نیست
باآنکه دو عالم همه آتش زدهٔ اوست — شمعیت خیال تو که پروانه ندارد

میرزا اشرف:

خلف الصدق مرحوم میرزا عبدالحی و نواده سید الحکماء ملک العلما میر باقر داماد حسینی قدس الله روحه. بعلو نسب و حسب معروف و بفضلات نفسانی و اوصاف مرضیه موصوف بصحبت بسیاری از عرفا و فضلا رسیده استفاده فیوضات نمود. در دارالسلطنت اصفهان ایام بعزت و احتشام گذرانده در سنه یکهزار و یکصد و [۱۱۶۳] و سه متوجه منزل آخرت گردید جناب

خدمت دیرین ما این بود در آغاز عشق ــ هر که را بینی دم از مهر و وفا می زند

اول، میر محمد امین:

برادر میرزا مهدی مستوفی موقوفات و خلف میرزا محمد شفیع مستوفی و عم میرزا داود متولیست که ذکر هر یک بجای خود می آید. از اکثر مستعدان زمان گوی سبقت می ربود. جودت طبع و استقامت سلیقه اش بکمال و در شاعری فرد و بی امثال بود. با وجود احتشام دودمان خود بطرز گوشه نشینان معاش بسر می ساخت و از فرط تقوی هرگز بمشاغل دنیوی و معاشرت اهل آن نمی پرداخت. در سنه هزار و یکصد و [illegible] فوت شد. از نتایج طبع اوست:

شنیدم از زبان شمع روشن گشت بر من هم
که یک شب اختلاط خلق جان بگدازد و تن هم

دلم مانند سیمابی که با آیینه می باشد
خلاص از صورت مردم نگشتم بعد مردن هم

از هجر دیده‌ای که غم جاودان نشست ــ یکدم برای خاطر ما میتوان نشست
چون تیر ما بوادی آزادگی گذار ــ در قعد ما بخیز تو چون کمان نشست

غمش با هر که گویم ز دل بیگانه میگردد ــ سر مهر از تنی سپهر زوال این پیدا میگردد

آنچه دل در غم آن طفل گره گیر کشید ــ نتوان گفت که دیوانه ز زنجیر کشید
گر خرابم کنی ای عشق چنان کن باری ــ که نباید دگرم منت تعمیر کشید
دل اسیر نگهش از عدم آمد بوجود ــ چون شکاری که مصور بسر تیر کشید
شب که در بزم مه شوخ گل رنگ تو بود ــ می توانست گلاب از گل تصویر کشید
دل بچنگ مژه آن خال سیه فام گرفت ــ دانه را مور بزور از دهن شیر کشید
بود معلوم ز اغیار که بی درد است ــ درد باکی زد و امنت تأثیر کشید
سر خط بندگیم داد چو مجنونم کرد ــ یار در گوش مرا حلقهٔ زنجیر کشید
هر نشاطی که دل از عشق جوانان اندوخت ــ انتقامش همه از من فلک پیر کشید

ایجاد میرزا محمد احسن :

خاطب بمعتمد خان از سادات صحیح النسب سامانه من مضافات سرهند نسبتش بسید محمد الملقب
مبارک غزنوی که ذکرش در اخبار الاخیار شیخ عبدالحق دهلوی مسطور است میرسد یکی از اجدادش از
شهر دهلی بموضع اندری و از انجا بقصبهٔ سامانه رفته رحل اقامت انداخت - ولادت خودش آنجا
رو نمود، بعد تحصیل علوم متداوله از وطن بدهلی آمده چندی با میرزا بیدل بوده من بعد بسرکار
امارت مرتبت خیراندیش خان عالمگیرشاهی حاکم چکله اتاوا بسر می برد - در عهد شاه عالم بهادر
شاه بخدمت نواب نظام الملک آصفجاه پیوسته ملحوظ نظر عنایت آن امیر عالی قدر گشته بامر
وکالتش در سرکار شاهزاده عظیم الشان بن شاه عالم بهادر شاه مامور شد ازین جهت بملازمت
شاهزاده رسیده بمنصب شصدی ممتاز شد در زمان محمد فرخ سیر بعد توالتفات پادشاه بخطابش
یافته مخاطب بمعتمد خان بعد نوشتن شاهنامه حالات آن بادشاه مامور گشت، بعد هر هفته انچه
میگفت از نظر بادشاه می گذرانید - و بانعام هزار روپیه و تشریف شرف امتیاز می یافت
در سنه هزار و صد و سی و سه ۱۱۳۳ ابتدای جلوس محمد شاه فردوس آرامگاه در اکبرآباد شربت کل نفس
ذائقة الموت چشیده، بعالم دیگر شتافت - از اشعار اوست :

ز تو بود چشم آنم که نظر بکس نکردی ——— به ره تو خاک گشتم که گذر کنی نکردی

گرفتاری و زیبایی بیک اندازه می ماند ——— تو گر از زلف میگویی من از زنجیر میگویم

آنجا که درس عاشق سیرکوی عشقت ——— لب بستن است ایجاد سیر کتاب ما

از اثر خیال او شام را سحر نموده ام ——— صفحهٔ صورت پری آیینه نگاه را

با شوخی تمکین دل دو نیست مرا ——— داغ آنم که نه آنست نه اینست مرا

شوخ چشمیها تماشا کن که باز گوش ما ——— بعد مردن بر مزار ما گل بادام ریخت

خندهٔ دندان نما عاشق غم پیشه را ——— بر جگر سوخته زخم نمک سوده است

نشئهٔ پندار بیخبر از خود کند ——— حلقهٔ بزم شراب جرعه ربوده است

رونق محشر شود کثرت عصیان ما ——— ابر گلستان عفو دامن آلوده است

افضل المتاخرین شیخ محمد علی حزین مرقوم نمود که الطاف و اشفاق آن سید عالی مقدار را بانی خاکسار نهایتی نبود در سخن فهمی دستگاهی داشت گاهی التفات گفتن میفرمود۔ اشعار سنجیده دارد از اوست :

مگذشت زندگانی در زیر بار منت — که همتی که از خضر آب بقا نخواهد
سوختن سهل است این داغم که در روز جزا — بر ستمهای تو هر داغ محضری شود
پروانه وار میزنم آتش بجان خویشتن — چون شمع هر که سوختن آغاز می کند
چون شمع صبحدم نفسی مانده از حیات — وقتست اگر عیادت رنجوری کنی
نیست مشکل گذر از وادی خونخوار جهان — گر ز خود قطع تعلق کنی آسان گذری
از عکس روی ت آیینه چون طور میشود — در هر زمین که جلوه کنی طور میشود

رباعی

آن ماه دو هفته دلبر جانی من — وان یار عزیز یوسف ثانی من
یک روز نکرد یاد شبهای غم — یکبار نگفت پیر کنعانی من

انتخابی، وردی بیگ :

اصلش از ملک خراسان است۔ نشو و نما در هند یافته۔ اواسط عهد عالمگیر بادشاه در شباب جوانی از جهان فانی بمنزل جاودانی نقل کرد از وست :

شکایت نامه ما را پر پرواز می باید — که نوک کلک ما چون شمع آتش بر زبان دارد
گهی در آب دیده گاه در آیینه گذر کردم — بهر جا سینه صافی بود با خود روبرو کردم
گهی چون شیشه میگریم گهی چون جام می خندم — نمیدانم چه می بود اینکه از خود سبو کردم

وقت رندی خوش که آزادم ز قید نام و ننگ
خانه اش آباد اگر مستی خرابم کرده است

خون بلبل میتراود از جبین جای عرق
ساقی امشب مست گویی از کبابم کرده است

می شد، او راست:

عشق من و خیال تو شد آشنا بهم ... پیداست نسبت گل و باد صبا بهم

احسن، میرزا محمد:

از موزونان همان عصر است از حالاتش دیگر اطلاع ندارم، این دو شعر او در نظر رسیده،

او راست:

میدهد بر باد عمر خود باندک فرصتی ... غنچه سان هر کس بقید ننگ و بو پیچیده است

موی شد گر جسم من از ضعف عجب نیست ... با موی میانی سر و کار است مرا

اکسیر اصفهانی، میرزا عظیما

در عهد سلطنت محمد شاه از عراق عازم هندوستان گشته بدهلی آمد چند سال در آنجا برفاقت نواب نظام الملک آصفجاه و وزیر الممالک ابو المنصور خان صفدر جنگ مرحوم بسر برده بصوبه صوبه مرشد آباد جانب بنگاله شتافت ناظم آنجا مهابت جنگ بخوبی پیش آمد۔ فراخور حالش رعایت نمود بقیه ایام حیات بآرام گذرانیده در عهد ایالت سراج الدوله نواده نواب مسطور که بجای خود بحکومت آن ملک سرور بود ارتحلت نمود در فن شعر شاگرد نایضای ابهری و استاد میرزا احمد فاخر مکین سلمه الله المعین است، دیوان اشعار مختصر و مثنوی شاهد محمود بیادگار گذاشت، اگرچه مولف ندیده ام و آنچه از و بنظر رسیده چند شعر بود که پیش میرزای موصوف بودند لیکن بزبانی ایشان مسموع است۔ بهر حال عزیز خوش صحبت درست فهم کسی بود و بعضی او را کشمیری هم میگفتند،

او راست:

از نگه منع مکن عاشق ویران شده را ... که بدست کسی دیده حیران شده را

جلوه آن سرو قامت دیده ام ... من بچشم خود قیامت دیده ام

این بیت مضمون شعر دیگریست و آن خوب ترجمه گوید:

جلوه ناز آن قد و قامت دیدم ... آه من پیشتر از مرگ قیامت دیدم

احسنی، سید غلام علی:

از سادات صحیح النسب گوالیار و شاعر خوش گفتار است. سراج الدین علی خان آرزو در اوایل سن بعد مفارقت از موطن اصلی بعض اشعار خود از نظرش میگذرانید. او راست:

شانه را آهسته زن مشاطه بر گیسوی او ‌ ‌ ‌ رشتهٔ جان منست ای بیخبر هر موی او

آشنا، سید جلال الدین هروی:

سید عالی تبار و در خوشنویسی مسلم روزگار و خطش رشک بهار بود. اکثر اوقاتش بکتابت قرآن میگذشت. باشعر کمال رغبت داشت خود هم اشعار رنگین بیادگار گذاشت. در عهد سلطنت شاه عالم بهادر شاه بهندوستان آمده. مدتها بسر برده، در عصر فردوس آرامگاه محمد شاه در راهوان من مضافات صوبه لاهور درگذشت. او راست:

بویش چون صبا عمری بگلشن جستجو کردم ‌ ‌ ‌ برنگی یاد او میداد هر گل را که بو کردم
مبادا لذت تیغش ز مغز جان رود بیرون ‌ ‌ ‌ نه از بیطاقتی بود این که زخمم را رفو کردم

باعتقاد فقیر نقش علی اگر بجای حرف میم متکلم و زخم را لفظ خود باشد، پیش متکلمان احسن تر باشد "نه از بیطاقتی بود این که زخم خود رفو کردم" هم او راست:

دوی کفر است در کیش محبت عشق میداند
بهر جائیکه دیدم خویشتن را یاد او کردم
ندیدم آشنا چیزی ز مردم غیر خود بینی
ز حیرت جانب هر کس که چون آئینه رو کردم

اکرم پشاوری: محمد

فاضل متبحر و صحیفه دلش بتذهیب تحقیق مطرز در علم فقه و حدیث از افاضل عالی مقام و به تبحر علوم شهره ایام با قهرمان ایران نادر شاه معاصر بود. گاهی متوجه گفتن شعر

مؤلف اکثری را مطالعه نموده ام و تذکرة الشعرای مسمی به مجمع النفایس در سنه هزار و یکصد و
شصت و هو هجری بنوبت تالیف نموده، قریب صد دیوان از سخن سنجان انتخاب کرده قلمی کرده
اشعار سنجیده و ابیات پسندیده نوشته مولف تحریر بر سراپای آن گرم مغتنم ام، اگرچه بجهت
عدم اطلاع کلی بر مقاصد و مطالب تواریخ که فن علیحده است اختصار احوال کوشیده و
بعضی جاها بسبب سهو و نسیان که خلقت انسان مجبول و مرکب بآنست تکرار اشعار و حالات
شعرای نامدار پرداخته و بسبب شیخوخیت و تجرع آن محرم مخرب دماغ قوت حافظه اش
هم در خلل بود، لیکن واقع آنست که درین عهد سرآمد صاحب طبعان هندوستان و فخر شعرای
این مکان بود خلاصه خان مذبور بعد تحصیل چندی بگوالیار و چندی باکبرآباد بسر می برد تا که خاقان
فردوس آرامگاه محمد شاه بادشاه با وزیر الممالک قطب الملک سید عبد الله خان جنگ کرده غالب
آمده و وزیر مذکور را اسیر سرپنجه تقدیر شد. بادشاه داخل دار السلطنت شاه جهان آباد دهلی
گشت او از گوالیار بشاه جهان آباد وارد گشته همانجا رحل اقامت انداخت اوایل مدت
امرای دیگر گذشته در سلک رفقای عالیجاه مؤتمن الدوله محمد اسحاق خان مرحوم انتظام یافت، بعد
فوتش بر توالتفات و عنایت خلف بزرگترش نجم الدوله محمد اسحاق خان بیش از بیش بمعونات
معاش تافت و خیلی صحبتش با نواب کوکه شده از جمله مخصوصان محفل خاص گشته
فی الجمله جمعیتی پیدا کرد برفاه و فلاح بسر میکرد. بعد کشته شدن نجم الدوله و آشوب دهلی
همراه عالیجاه نواب سالار جنگ برادر خوردتر نواب مرحوم مذکور بسمت صوبه اوده پیش
رکن السلطنت عالیجاه شجاع الدوله بهادر که در آن زمان دایره دولت ایشان در پاهی
گهات من مضافات صوبه اوده بود آمد، چون در آن هنگام نواب بدفع هنگامه داعیان
فتنه راجه بنارس بلونت آن صوب عازم بودند در اثنای راه در نالکراه که ده کروهی جونپور واقع
است و زمین ناهموار و اجاره و شارع دشوار گذار ... گردیده
بغلی سواری بزیر افتاد استخوان پایش از جا بیجا شد و ضرب عظیم رسید و از الم آن تصدیع
بسیار کشید. بعد مدتی از آن عارضه شفا یافت. بعد یک سال سنه هزار و یکصد و شصت
و هشت در لکهنو حیات مستعارش بنهایت انجامید و نعش بهشتیش از کارکنان قضا و قدر تشریف

ہم اوراست :

موی بستهٔ آن زلف سیه کار شدم — وه چه کردم که بزنجیر گرفتار شدم

قدم برون نگذارم ز آستانهٔ خویش — چو مرغ قبله نمای پرم بخانهٔ خویش

چون بجانان رسد آئینه میشکند ش — تو برابر میشوی با یار صورت را ببین

مولف گوید اگر مصرع اخیر این بیت چنین باشد لطف دیگر دارد :

که مقابل میشوی با یار صورت را ببین

وله

خط لب در لعلت آب زندگانی شد مرا — این سیاهی خضر عمر جاودانی شد مرا

میشوم آخر بکوی یار خاکستر نشین — میکنم مانند آتش گرم جای خویش را

در پریشانی دلها نکنم کوتاهی — کار با سلسلهٔ زلف دراز است مرا

آرزو سراج الدین علیخان :

اصلش از گوالیارست سلسلهٔ نسبش از جانب پدر بشیخ کمال الدین خواهرزادهٔ شیخ بزرگوار نصیر الدین چراغ دهلی قدس سره میرسد و از جانب مادر بشیخ محمد غوث گوالیاری علیه الرحمة که در زمان همایون بادشاه و اوایل عهد اکبر از اعاظم مشائخ اسما دعوات بودی میپیوندد. خودش اوایل حال تا عمر چهارده سالگی بطالب علمی پرداخت بعد از آن ایام بشاعری رغبت کرده باهل سخن ساخت اشعار خود را اول بخدمت میر عبدالصمد سخن تخلص من بعد از نظر سید غلام علی احسنی تخلص مذکور میگذرانید، چون بسن رشد رسید از شهر خود بلشکر محی الدین اورنگ زیب عالمگیر بادشاه بجانب دکن رفت. هرگاه بادشاه مذکور فوت کرد شاهزاده محمد اعظم شاه بجایش جلوس کرد بسمت دهلی برای جنگ برادر بزرگ خود شاه عالم بهادر شاه متوجه گشت خان نیز همراه لشکر تا وطن آمده دیگر بار به استفاده کمال پرداخت، و در خدمت مولانا عماد الدین مشهور بدرویش محمد بکسب علوم مفهوم و معلوم مشغول شد، در اندک مدت تحصیلش مرتبهٔ تکمیل یافت در اکثر علوم منقول و معقول خصوصاً مصطلحات علمی را بر و از بسیاری مراتب علمیه باخبر شد. متیما در فن سخنوری سر آمد عصر و از اساتذه قرار داده گشته تالیفات مفیده متعدد در اکثر فنون شعر و غیره چون اصطلاحات و لغت و معانی و غیره دارد.

انجمن، میرزا:

ولد عبدالله بیگ قزلباش ادیب شاه گرامیست که ذکرش بجای خود می‌آید. اوائل باد تخلص میکرد. آخر حیرت تخلص اختیار نمود. استفاده فن شعر از انجمن حالا خود کرده در ایام شباب از کشمیر بدهلی آمده در سلک ملازمان نواب علی اصغر خان برادر رحیم النساء بیگم مشهور که صاحب حسنک گشت. در ایام مصاحبت ایشان بسر برده حالا آنچه نوشته که چند روز با دربندگی گرامی فقیر مصاحب بوده آمده است:

بر ختریان جلوه بهر دست نگاهی — آن را بخت دست نزدش که تو داری

بی نرگس تو چشم من آلوده شد بخون — این آب تیره صاف بباد ام نشود

بهار آمد و ملک چمن صفا دارد — برنگ نامیه عالم نما نما دارد

مثنوی در تصنیف سفره و اطعمه نواب مذکور بطور اسحاق اطعمه گفته است، ازآنست:

ده چه نان قوت دل و قوت جان — ورق نقره ز سیماش عیان

حبذا نان مرقع پوشش — که گذشت آب گهر از دوشش

میده اش بیخته نور قمر — روغن اندوخته شیر سحر

قند از شیره جانها دارد — آب از شهد سدان ها دارد

سیم و زر بسکه بادیار شده است — شیره اش خربت دینار شده است

میدهد روح بجانها شیره — خانه آب خضر بش همشیره

وصف او میوه از دست چنان — هست این نان ز سلطنت و جهان

که نظر کرده بود تا خورشید — نان شب مانده خود را دزدید

ورق نقره چو بدیدش تا دید — صبح از شرم بگردید سفید

ریخت از بسکه ز دست لب تاب — مرغ ننهیب شد ز نان مرغ کباب

تنگ [illegible] شده است — کاسه دال [illegible] شده است

فنا پوشید، چون در سفر بنارس اتفاق فرود آمدن فقیر متصل ایشان واقع میشد۔ بنابرآن
من باین فن وارتباط بزرگان خیلی برمن شفقت میفرمود۔ مؤلف بپاس آن شفقت این
تاریخ برای سال فوتش بسلک نظم کشیدم :

ای دریغا زانقلاب جهان	آه از گردش زمان افسوس
رفت در زیر خاک نادر عصر	پیشوای سخنوران افسوس
گوهر کان فضل بود دریغ	گشت زیر زمین نهان افسوس
رفت آن فخر اهل هندوستان	ازصفا با جهان جهان افسوس
از پی سال رحلتش گفتم	آرزو رفت ازجهان افسوس

آن مرحوم دیوان غزلیات دارد و مثنوی محمود و ایاز بسیار خوب گفته است، از انتخاب اشعار اوست۔

آشم، شیخ حفیظ الله :

خاله زاده سراج الدین علیخان آرزوی مذکور داخل درسلک ملازمان شاهزاده
محمد اعظم شاه منتظم عهد گشته شد لش در عهد سلطنت محمد فرخ سیر بوسیلهٔ فن شعر ومعرفت فلانت
با نواب صمصام الدوله خاندوران بهادر و دستگیری آن عالیجاه غفران پناه در فرقهٔ والاشاهیان
بادشاهی انتظام یافت در سال بیست و دوم جلوس محمد شاه سنه هزار و یکصد و پنجاه و سه ۱۱۵۳ در اکبرآباد
المداین خراب بی بنیاد به منزل دیگر رو نهاد، از اوست :

صبح در پردهٔ شب طرفه تماشا دارد	دیده ام در سر زلف تو بنا گوش ترا
کس زد شنام لب لعل تو آزرده نشد	درجهان هیچکس از آتش یاقوت نسوخت
ما همسفر قافلهٔ ریگ روانیم	گر جوش زند سیل حوادث خطری نیست
شوخی و ناز و تغافل همه خوبان دارند	آنکه دل می برد از دست ادای دگر است
نی طپش در نغمه و نی شور در نی مانده است	اندکی دل گرمی در شیشهٔ می مانده است
عجب نبود بحال من فلک هم مهربان گردد	نگاهی جانب من داشت آن چشم کبود امشب

باشد مدام غنچه مست و خراب می
نگذاخته ست سر زمغانی سبو شراب اوست

ملقب بحسان الهند است، ولادتش بست و پنجم صفر سنه هزار و یکصد و شانزده هجری در بلگرام رو نموده بعد از تعالی بسن رشد تحصیل علوم و کسب کمالات از خدمت افاضل شهر خود چون میر عبدالجلیل بلگرامی و میر طفیل محمد بلگرامی پرداخته فاضل بی بدل و شاعر خوش مقال گشت و بصحبت اکثر صاحب کمالان عصر و مستعدان اعصار رسیده از فنون علوم استفاده داد و بعد گردش جانب شهر های هندوستان ببخشی گری سیوستان مامور گردید چند سال آنجا مانده بوطن مالوف و مسکن موروث برگشت. از آنجا اراده بندر سورت بدریای حجاز بسته قاصد سفر حجاز و بطواف بیت الله الحرام زادالله تعظیما بعجلت شتافت، و بآن سعادت عظمی استسعاد یافت بعد ادای مناسک حج و استلام حجر و حصول زیارت آن مکان فیض اثر بدکن آمده در اورنگ آباد فروکش کرده دل اقامت انداخت امرا و ناظم آنجا خیلی بسلوک پیش آمدند و بسیار توقیر و احترامش نمودند خصوصاً نواب ناصر جنگ اصلاح شعر از آن میگرفت و بسیار رعایت میفرمود. الی یومنا در آن مکان بجمعیت خاطر آسوده دل فارغ البال بسر میبرد، و هر که از اهل سخن آنجا وارد میشود بسلوک پیش می آید و رعایتها می نماید. در فنون سخنوری ماهر و بهر نوع شعر گفتن قادر است. خصوصاً در تاریخ گویی کمال قدرت دارد، و اشعار لطیف بلوح بیان می نگارد. هنگامی که در سیوستان بود، تذکرة الشعرای مسمی به ید بیضا قبل از تالیف ریاض الشعرا و مجمع النفائس تالیف نموده. تاریخ اتمامش "کلیم ید بیضا نموده" یافته مؤلف که آن را مطالعه نموده، از آن جا سلیقه اش توان دریافت. اگرچه در احوال نویسی و ایراد اشعار طریق اختصار اختیار کرده است و انتخاب بیش یک دو از متقدمین و متاخرین نکرده لیکن بسلیقه نوشته از زبانی حکیم بیگ خان و شاه نور العین واقف که هر دو کس از طریقت که بگشته آنجا وارد شده بودند و سلک مشتاقانه از دو دیده شنیده شد که حالا تذکره دیگر می نویسد و بمناسبت تخلص خود سرو آزاد نام آن نهاد. تذکره سیوم که مؤلف است اسمش خزانه عامره نهاد، لیکن مختصرات و بطریق تاریخ حالات نواب نظام الملک و اولادش نوشته. از اشعار اوست:

دیده ام تا منزل معشوق را دیوانه ام — بیقرار از جلوه خارا شود پروانه ام

فراهم گشت سامان بلا طرح قیامت شد — قیامت بر زمین یک سرو قد بالید قامت نیست

بر سر من دست احسان فلک سنگ بلاست — قامتم از بار این خم گردد چون حالم دوتاست

از ادای گردش چشمی بشارت کرده آرام — کشتنار نگاه تا بدارکش حلقهٔ دامم

پیش نان تو چو طفلان بخوشی　　کرده نان ورقی جزو کشی
نیست تیغ برق درخشنده بود　　که فروزان شده از ابر بلند
هست صد باره از سیم حباب　　چه قدر خوب بر آمد از آب

آزاد، محمد مقیم:

اصلش از خطهٔ دلپذیر کشمیر جنت نظیر و شاگرد حاجی محمد اسلم سالم است، در ملازمت عالیجاه عمدة الملک امیر خان انجام مرحوم بسر میکرد، پایان ایام حیات حدقهٔ چشمش از نور بینائی عاری گردید، عشرت پرور رنگین صحبت خوش اختلاط با خان آرزو مربوط بود، مثنوی نیز گفته است، او راست:

ظلم بر ساغر و مینا و مینا نکنم　　نکنم موسم گل توبه بیجا نکنم

آزاد، محمد فاضل گجراتی:

از سادات علوی احمد آباد گجرات و سید ستوده صفات بود با شاه نامر علی سرهندی و میرزا بیدل علیهم الرحمة ملاقات کرده در سنه هزار و صد و چهل و هشت در بهره پنج من مضافات احمد آباد گجرات فوت کرده، او راست:

شکوه لاله چه غنچه، دهن کنید　　نیست حال سخن سخن کنید

نفس سرمایه بیداد باشد طبع ظالم را
نمیگردد ز خون خلق تا شمشیر دم دارد

وصف موی میان او آزاد　　چه نویسد قلم که مو دارد

آزاد، سید غلام علی بلگرامی:

خلف الصدق سید محمد نوح بلگرامی نواده فاضل گرامی میر عبد الجلیل بلگرامی از سادات زیدی حسینی و از اولاد ابو الفرح واسطی است کنوا سبتش بسینی چه لبید ... اخر صنه که

رباعی

ای آنکه جهان تو نگر از سایهٔ تو — در جلوه طلبت کاخ زمین پایهٔ تو
بر پشت صحیفهٔ نبوت ایزد — خاتم زده از سیاهی سایهٔ تو

ایضاً

آن خواجهٔ عالم که حبیب الله است — دوش پاکش مقام شیر صولت
نقش قدمش عالم اعجاز بود — طاق دوش دولت پیمبر بصفات

ایضاً

آن شاه که با رسول یکتا گردید — بر دوش شریف جلوه پیرا گردید
در گلشن دین ز بسکه جوشید بهار — نخل قد او ز دو بالا گردید

ایضاً

ای گل ز چه پنهانی از رنگ شده ای — آخر تو میان غنچه ز دل تنگ شده ای
از شیشهٔ عرض لاف نزاکت امروز — انصاف بکن آخر تو بهل سنگ زده ای

تا سوخته از آتش عشق تو دل ما — قربان دل خویش چنان از خیالیم

الفت، میر محمد حنیف :

برادر بزرگ میر محمد افضل ثابت تخلص است که ذکرش می آید هر دو یکی بعد دیگری در هزار و صد و سی ... فوت شد تاریخ فوتش میر ثابت چنین گفته حیف الفت ز جهان باقی نماند حیف رباعی حسنی لطیف یافته است :

زاهد رسا دمی که محشر باشد — هر چند که نامه ام سیه تر باشد
حسرت بود لغم که نتوانم دید — جای که درو دشمن حمید باشد

القا، میر محمد صادق :-

از سخنوران شاهجهان آباد دهلی و شاگرد میرزا عبدالقادر بیدل است سخنور

شب که با کرد تب آتشین قم صندل تنگ — تا لام داشت بپا تا ظفر بر خون رنگ

به مژگان تبان خوش شیوهٔ انداز دارم — که در محراب طاعت گوشهٔ میخانه دارم

من از سوختن طول امل ساز کردم — بعد این مهر را بیرون تمام انشا کردم

مرا چون غنچه کی شد فرصت نظارهٔ هستی — نفس گردید تا رنگ صبا تا چشم وا کردم

اگر گردید بحال عبرت خود شمع جا دارد — قدم در راه هستی هر که خوش فنا دارد

جهان آگه نباشد منتهای سیر کامل را — شناسد پایهٔ معراج خود غواص ساحل را

چسان دارد شهیدان گل کنند از سبزهٔ تیغش — که چون برگ حنا در خویش دارد خون بسمل را

بیان رنگی که خون نافهٔ آهو مشک میگردد — بسر آمد برون خورشید از شبهای تار من

دست و پا گم کرده چون کاروان صحرا ایم — هر قدم در ره بخود رسیده می غلطیم ما

چنان بوی که از بی تشنگی آید زبان بیرون — نگاه سرمه آلودش بجو بم تشنه می آید

مرا از هیچکس گرد ملال نیست بر خاطر — که طبع نازک من بر نمیدارد گرانیها

عیب مردم فاش کردن بدترین عیبهاست — عیب گوی پرده دار کرده عیب خلق را

حنا بوی که از خون جگر آلوده دامان را — دل سنگین او باشد فسان خنجر مژگان را

چو خورشید قیامت اگر گریبان سر برون آرد — کف افسوس گردد سایبان بر سر گریبان را

رتبهٔ انجام دمکاها حاصل کرده ایم — گلبن بستان ابهام غنچهٔ گل در ریشه داشت

در بیابان جنون گرم فغانم کرده اند — جرس قافلهٔ ریگ روانم کرده اند

تحفهٔ شایسته احباب از اقلیم عدم — گرد این دست دعا بودی چه بر میداشتم

چنین عالم که همراه موافق میکند پیدا — نیامده است از طور کلیم الله بهر لبهای

و درین مقطع که نوشته می شود تخلص خود را که آزاد است، و درین بحر گنجایش نداشت بلطف خوب ادا کرده، و از لفظ بی تعلق آزاد بر آورده، و این اختراع خاص اوست، کسی قبل ازین چنین تعمیه نکرده است، مقطع مذکور اینست،

کرد تخلص تهی پهلو خود این غزل — نیست تعلق آنقدر با سخن این غزل را

نان بود در زبان هندی نار — وقنا ربنا عذاب النار

خوش مقال بود دکثر اوقاتش بمجلس شعر صرف میشد. مدتی تلمذ شاگرد میرزا جعفر علی بیگ قبول است. از وست:

دلم مضمون تماشای عارض یافت | چو خط آغاز شد بر عارض یار
شد از سیل گریه بنیاد من تمام خراب | عاقبت شستم آب دیده...

افصح، شاہ فصیح،

اصلش از کلک قربان است، تولد و نشو و نمادر ہندوستان کرد۔ اوائل در فرقہ سپاہیان بود۔ در ایام جوانی بفقر و فنا میل کردہ حالی خرقہ در کارد بسیار مرد برنگ آمیدہ وضع صاحب طبع خوش اخلاق خوش صحبت گرم اختلاط شگفتہ روی کہ چکدل و بصفای گذران لطافت بیان بے مثل در محبت خاندان سرور انس و جان ثابت قدم و در غلامی خواجہ قنبر راسخ دم سالہا گذشتہ کہ از شاہجہان آباد دہلی بلکھنؤ تشریف آوردہ متصل کربلا رانی تکیہ ترتیب آثار ساختہ سکنہ نمودہ سابق اطراف آنجا ویرانہ بود حالا بمیمنت قدم ایشان تمام آباد گشتہ است و الی یومنا کہ سنین حیاتش متجاوز از سیتین شدہ شرف آن مکان ست اہل دلان آنجا خیلی توقیر و توقیش بجا می آرند و صاحب طبعان خواہان صحبت ایشان بالبیا زی از شعرای عہد فردوس آرامگاہ و صاحب کمالان سنہ ذکر ملاقات نمود۔ خودہم شعر خوب میفرماید۔ بر حال مولف بسیار شفیق است۔ از زادہای طبع اوست:

لالہسان ساغر داغ از غم یاری نزدیم | تا خورنا بۂ دل آبلہ داری نزدیم
خواب در دیدۂ ما شام فراقت نگذاشت | مژہ چون شمع بہم در شب تاری نزدیم
استخوان در تن ما شانہ شد از زخم ہنوز | دست بطرۂ مشکین نگاری نزدیم
بزم افسردہ دلی ہم نشد از ما دلکش | گل داغی ببسر شمع مزاری نزدیم

کی کشاید بتو دلگشن دل مایوس ما | کی نماید برگ برگ گل کف افسوس ما
راز پنہان دل ما را بعالم فاش کرد | نیست غیر از اشک تو دست دشمن ناموس ما

شنیدام کہ این میخانۂ دل | خراب گردش پیمانۂ کیست
خبری کہ تو دل نشین ماست | جز بسینۂ ما نشان ندارد

ماہر بود اوقاتش بمکتب داری و معلمی اکثر بسر میشد بیچگی اشعارش از فصاحت تجاوز نکرده است،

بسکه یافت از آشنایی‌های محبوب پاک / دانهٔ گر باشد سلیمانی چه حاصل بود ما
آمد بهار و نالهٔ ما آتشین زبانه شد / هر شاخ گل جنون مرا تازیانه شد
هست از فیض سحرگاهی که لب خوان ما / غیرمال صبح چون خورشید باشد نان ما

ایجاد، عبدالعزیز؛

او هم از جملهٔ شاگردان مرزا بیدل علیه الرحمه و از اهالی هند است، از اوست؛

بصحرای جنون دیوانه سامان چمن دارد / چو نرگس چشم حیرانی چو گل چاک گریبانی

انسان، غلام مصطفی؛

از شیخزاده‌های کنبوه مرادآباد من مضافات شاهجهان آباد دهلی و هم در زمان همان جلد است و کنبوه طائفه هستند در هندوستان هندو و مسلمان هر دو می باشند مسلمانان خود را شیخ می نامند سابق درین طبقه مردم معتبر بوده اند، از اوست؛

نه برباد تو تنها داده ام از نرگس چمن چشمی / بود با دام چشمی لاله چشمی یاسمن چشمی

احمدی، خواجه احمد؛

از موزونان جهان زمان و از اهالی لکهنو است من مضافات صوبهٔ اوده عزیز درویش دلریش فقیر مشرب فانی مذهب دل از اغیار پرداخته در گوشهٔ انزوا ساخته بود، اشعار بسیار گفته، چند دیوان ترتیب داده در صنائع شعری ماهر بود آنچه از نظر آمده این بیت است؛

قطع منظر از سیر و تماشا کردیم / دیدهٔ ما کنده ز سر آبله پا کردیم

اشتیاق، شاه ولی الله؛

از اقربای شیخ احمد سرهندی است که بمجدد الف ثانی شهرت کرده عزیز حمیده خصال

سخن را دست مالیده باشد احتیاط | شمع را دامان امانی بهتر از فانوس نیست

اشرف، اشرف علیخان،

خلف بزرگتر امانت مرتبت اشرف علیخان مرحوم داروغهٔ خلعت خانهٔ فردوس آرامگاه شاه بادشاه سلسلهٔ نسبش بقدوة العلماء المتورعین میر جمال الدین محدث مؤلف روضة الاحباب که در زیر آرمیده وضع نیکو نهاد خوش اعتقاد بمکارم اخلاق و حسن اشفاق با احباب یگانهٔ آفاق و در آشنایی عدیم المثال و یکتای امثال از اوایل سن شباب الی یومنا که سال حیاتش از پنجاه با در کرده [illegible] بفن شعر و کلام موزون کمال شوق و شغف بلکه فریفتهٔ سخن است همواره اوقات حیات را معروف به نوشتن و خواندن اشعار و انتخاب سفینه‌ها و دواوین اساتذه داشته در ایام رفاه همگی خاطر به بساط انبساط و اختلاط دوستان سخن شناس و نشاط پرداخته چون محمد شاه بادشاه فوت کرد و احمد شاه بر تخت دهلی جلوس کرده چند سال فرمانروائی کرد و مکحول شد و عزالدین عالمگیر ثانی را بر سریر سلطنت دهلی نشاندند و آن ملک مصدر صدگونه فتنه و آشوب گشت و دولتی در بادشاهی و ملک نماند علاوه احمد شاه ابدالی بتسخیر الملک شتافته انواع خرابی رسانید ایشان نیز بلکهنؤ آمده در دولت خانهٔ جناب هدایت مآب قدوة العارفین میر ولایت اشرف خان ادام الله فیوضاته آنکه بندگی موروثی بخدمت آنجناب بوده اقامت نمودند با بندگان مؤلف مربوط دیرین از ابتدای ایام نشو و نما شفیق اوایل هرگز شعر نمی‌گفت حالا گاه گاهی بندرت شعری موزون میکنند و تذکرة الشعرای نیز تسویدی نماید لیکن چون برای تحریر این قسم تألیف حافظهٔ کلی و اطلاع بر مقاصد تاریخ ضرور است و از این هر دو عاری اند و آنقدر که سرمایهٔ اطلاع و حافظه درین امر داشتند بسبب پریشانی و گردش فلکی اختلال حواس رو نمود، نقصان پذیرفت تکرار و سقم بسیار دارد بهرحال از ایشانست:-

طمع بوسهٔ لعلش کردم | لب گزان یار ز محفل برخاست

دلربا بغمزه پیشم آمد | رحمی بر حال خویشم آمد

دل در [illegible] حق [illegible] | ما ز دل [illegible] سودیم

کرد بسمل مرا به نیم نگاه — حیف کاو مرا امتحان نکرد
رنگ و بوی گل تنها سیاستگر است — خار خار گلشن حسن تو دامنگیر ماست
بسته‌ام قید او نیستم آزادگیست — از خودی بر کس نیاز دل اطلاقیت پیداست

اظهر، حمید بیگ:

از اهالی هند و شاگرد میرزا جانجانان مظهر سلمه الله و صاحب جمع است. از اوست:

گر آن شمع عجب در این کاشانه می‌آید — زبانم خواهد آمد آنچه از پروانه می‌آید
مرا می‌نماید ز طرز نگاهش — دل سنگ را هم خراشیده باشد

اوهام، میرزا محمد علی:

اوهم از موزونان سواد هند و صاحب سواد عهد فردوس آرامگاه محمد شاه است. از اوست:

هر کس که بر آن جلوه نظر باخته باشد — یا رب به چه جرأت مژه برداشته باشد
ما را به دو پیمانه حضور است چه پیداست — قاصد مگر از خویش خبر داخته باشد

اکمل، شیخ محمد

از مردم اطراف صوبه اوده، و در علوم متداوله از اکثر مطالب علمیه باخبر است و بسیار شگفته روی خوش اخلاق است. الحال با سکون رفته در خدمت حقایق و معارف آگاه میر محمد پناه ملا اشرف خلف الصدق عمدة الموحدین میر محمد اشرف سلونی کری بسر میبرد و کمال خصوصیت بجناب آن بزرگوار متحقق و ادعیه گوبت این سطور هم بسبب بزرگ موصوف مربوط شده آشنا است. اساتذه بسیار کمالات داده خود هم میگوید جهت تسوید این اوراق این چند شعر به لطف داده. از اوست:

باشد حروف قامت او بر زبان ما — جز حرف راست نیست سراسر بیان ما
تمیز حرف پیش نتوانست این مبدا کرد — کاوش جو آن شیرین به فرهاد کرد

تا بکی خون دل از دیده چکیدن ندهم — صید بسمل شده را جنبه طپیدن ندهم

بجان و دلش داغ بیوفائیهای او دارم — همین من یادگار از آشنائیهای او دارم

بگو در غم دل خون نگریم — ببین مظلوم بیکس چون نگریم

همدم نیست بغیر از جان زار من — این است یادگار فراموش کار من

افکند دور از تو مرا بر مراد غیر — خوش یاوری نمود دمی روزگار من

گردیده ام بلاکش خاک بر سر راه — ترسم که بر دلت ننشیند غبار من

اینست الفتی ثمر نامرادیم — خواهد جهان مراد ز خاک مزار من

جان من آه چه حسرت دارد — که بلب آمد و مهلت دارد

ابر فیض خدا بر سر دل — سایهٔ عشق سلامت دارد

گو بعهد و عهدی و پیمان شکنی — یار من شیوه و عادت دارد

برنگردم من از او زانکه دلم — پاس ناموس محبت دارد

واعظ بمن از مطرب و می تو بفرمای — من رند و خرابم ز من اینها خبری نیست

زدهم انگشت حیرت در دهن گیری اگر دانی — که افتد شب دل من دو کز از دست از دست

از تب و تاب هوا لقمه میگوید جگر — سوخته جانی که بر لب آن اینجا گذشت

درد هجران تو آخر کرد کار الفتی — بشنوی امروز یا فردا که از دنیا گذشت

کی توانم من بچنین محنت و غم زیستن — زندگی گر این بود هرگز نخواهم زیستن

نیم تا که من و دل شریک خوان غمت — کنیم خاک و سر و سود ما بجان غمت

بهم گر من و دل شب تمام شب تا صبح — کنیم خرج بتکرار داستان غمت

هزار پاره دلم شد ز تیغ بیداد دوست — جراحتیست بهر پاره از سنان غمت

با دلم سرکشی طرهٔ طرار چنین — دین و دل شیفته ام بسته بزنار چنین

میرم از خواری و گویم که لبی از من یارب — هیچکس را بره عشق مکن خوار چنین

الفتی طالع برگشته خود را نازم
دل چنین درد چنین بخت چنین یار چنین

اشرف ادیار ما مپرس سخن — هرچه خاطر حامد و بها دارد

چون در شطرنج بازی برفرد منصوب از لیلاح بلاغ میکرد، این بیت بعایت دران گفته است،

دل غائبانه عاشق روی تو ساختیم — شطرنج غائبانه بعشق تو باختیم

الفتی، سید نورالدین خان،

ولد سید علیم الله تربیتۀ میر روشن ضمیرست، ذکرش می آید تولد آن سلالۀ اماجد کرام در شاهجهان آباد دهلی سنه ۱۱۵۵ هزار و یکصد و پنجاه و پنج هجری رو نمود و ما بجا نشو و نما یافته بعد القضای ایام بکسب کمالات نفسانی پرداخته و از ذکر ذهنی از صاحب استعدادان عهر بفکر رنگین و طبع متین ممتاز شد بجودت فهم و جودت فکر موصوف است، نتایج فکرش رنگین تر از گلهای باغ جنان و طبعش شگفته تر از ریاض رضوان با مولف این اوراق که شیرازه بند اجزای فناست، بسیار مربوط و آشناست در سنه هزار و یکصد و نود که فقیر در کوره در خدمت ایالت و لامت پناه حیدر بیگ خان بهادر بودم برابر من فرود آمده بود از اختلاط مسرور ساخت از قصیده او منکه در مدح عباس علی رضی الله عنه گفته،

بروز من شب دیجور میکند تفرین — خوشست شام غریبی ز صبح من صدبار
یکی شده است شب و روزم از سیه بختی — نماند هست کنون امتیاز لیل و نهار
بکیده جوی من تا زمانه مشتعل است — بکیکس متوجه نمی شود زنهار
بیاک خیابکه خیزد ز راه روضه او — ز طیب خلو برابر شود به مشک تتار

امروز برق خرمن ما گشت الفتی — آن آتشی که از شجر طور شد بلند
زیبا ادقمت بمرگ بنهادم دل خود را — بمردن میکنم بر خویش آسان مشکل خود را
غم از هر جا که باشد بر دل زار منظر دارد — بلی از دور هر کس می شناسد منزل خود را
بگذشت شب بماتم دل — روز آمد و تازه شد غم دل

خونِ دل ما خوردی گل کرد ز پیراهن   هر چند که پوشیدی پوشیده نمی ماند

اجل داس:

پدر کشن چند اخلاص که مذکور شود از کهتریان دهلی ست از عنفوان جوانی تا هنگام وداع جهان فانی پای بی رنگ قناعت اندوخته خود ساخته بتلاش معاش نپرداخت واکثر اوقات بدریافت مبدء و معاد بخدمت فقرای دین حنیف و علمای شرع شریف احمدی علیه علا اکمل التحیات وافضل الصلوات می بود عمرش تا هفتاد رسیده بود و معرفت مکند اوراست:—

ندیدم هیچ جا از جلوه اش بی نشان خالی   ز حسنش شش جهت لبریز و جایش همچنان خالی

اخلاص، کشن چند:

پسر اجل داس مذکور مسطور از قوم کهتری متهرا مولد و موطنش دهلی ست، بجهت اختلاط مسلمین و صحبت فقرای دین مبین خاتم المرسلین علیه الصلوة والسلام وسعت مشرب پیدا کرده از تعصب مذهب برکنار بود، با شعر شوق تمام داشت، تذکرهٔ اشعار مختصر در احوال بعضی شعرای عصر اکبر بادشاه تا عهد خود تالیف نموده مسمی به همیشه بهار ساخته، موافق سلیقهٔ خود بود نوشته است مانند مصطلحات قلیب خود را در مو لغات تشریح بشمار آورده در شاعری شاگرد میرزا عبدالغنی بیگ قبول است در اوائل عهد سلطنت احمد شاه در دهلی مرد، او راست:

به رنگ سرمه جا در دیدهٔ اهل نظر دارد   سیه بختی که داشت همچو خاکسارها

هرگز کدر از سخن کس نمیشوم   آئینه وار در دل صافم غبار نیست

اخلاص لبسکه بلبل رنگین ترانه ام

چون من بباغ دهر یکی از هزار نیست

اعلی، عطاء الله خان:

خلف دویمی، زبدة العارفین میر ولایت الله خان، ادام الله برکاته. اسم اصلی ایشان میر بادشاهست، در نظم و نثر ماهر در خط شکسته و نسخ دستش قادر و در اکثر فنون هنر و کسب بهم دست علیا دارد. اوائل حال بدولت والد بزرگوار صاحب حال بجمعیت بسر کرده، قریب پنج سالست که لباس فقر پوشیده بطرف بنگاله عازم شد. چندی در عظیم آباد، چندی در مقصود آباد و دکن نواح بسیاحت مشغول درین اوقات که هزار و یکصد و هفتاد و چار سنه ١١٧٤ هجریست سنش از چهل متجاوزست در مراتب تصوف مربوط و مرید خلیفه ابراهیم علیه الرحمة است، اشعار بسیار گفته. این دو بیت بخاطر بود:

لاله از تربت ما میروید — بسکه بردیم بدل داغ کسی
باز ترگردید از من دامن تقوای من — خنده زد بر ریش زاهد قلقل مینای من

امانت، امانت رام:

هنود هند و شاگرد میرزا عبدالقادر بیدل بود، مخاطب برای رند و نوشته که دعوی تلمذ فقیر نیز دارد بمنشی گری نواب علی امجد خان مرحوم امتیاز داشت، بعد فوت نواب مذکور از سرکار همشیره آنش رحیم النسا بیگم وظیفه بطریق ماهیانه می یافت، کتب هندی مبسوط را در فارسی نظم کرده و دیوان ضخیم ترتیب داده از موزونان صاحب طبع بود، از وست:

راست بالا از امتی از انقلاب دهر نیست — در نگین حرف الف از راستی ما ثون نشد
نمی گردد بلند از باد هم خاک مزار ما — که خورشید مبادا در دعلی خوبان غبار ما
گرد باد هم خیزد بعد مرگ از خاک ما — خاکسار گردش آن چشم جادو هم ما
خاک بر سر میکنیم از روزگار ما مپرس — گرد بادیم از عروج اعتبار ما مپرس

آسا رام، بولاقی چند:

از قوم کایستهه، پیشکار سوانح بادشاهی بود از موزونان بلند پایه است، از وست:

نک سلطان داراشکوه ترک نوکری کرده بشهر بنارس رفت و در آنجا براه و رسم و کیش برهمنان بعبادت مشغول بود تا در سنه هزار و هفتاد و سه در آتشکده فنا خاکستر گشت. منقولست گویند در رقعات عالمگیر پادشاه که آل تیمور شاهجهان نسبت بحال او دیدیم و هیچ از همه نوشتن آن پادشاهست. بتقریب در ذکر نمک حلالی مردم قلمی فرموده این عبارت خاص عالمگیر پادشاهست که مسطور می شود چندربهان منشی در ایام اعلیحضرت باظهار بعضی احکام پیش رانا رفته بود اتفاقاً سوء اعتقاد او کبیشران نخستین کبت های مدحت و ثنای او بر می خواند از این مقدمه بر مزاج چندربهان گران گردید و بدل گفت بایستی که اول وصف پادشاه ما بر زبان می آوردند. اما مشار الیه مخالطت نکرد که کبیشران کبت خوب می خوانند جواب داد که مرا حیرت مفرط بهم رسید که اینها در کبت شمار را مثل دریای اعظم قرار داده اند. حالانکه خدیو گیهان صفت انگشت دارند مبادا در کف دست گرفته فرو برند لذا سر گمیدیان فرو برد. دیر قابلیت و عقل منشی آفرین کرد چون بر ... خلافت جهانبانی بسمع حضرت ... حاضر جوابی او متوجه احسنت و آفرین فرموده باضافه دو صدی خطاب رای بین الاقران سربلندی نمودند بهرحال او قابل کسی بود. دیوان اشعار لطیف قدرها دارد او راست:

آتشکدهٔ سینهٔ ما بر سر جوش است — خونین مژه بر دیدهٔ ما شعله فروش است
از مرهم راحت نشنیده است نوای — عمریست که داغ دل ما پنبه بگوش است
چشم تا برهم زنم انجام شد آغاز عمر — طی شد این انجمن تا واز پای برخواست
دست معموری افلاک گاهی هیچ نیست — هر که می آید درون نارفته بیرون میرود
تاوان اگر چه لعل دهی در حساب نیست — تو دل شکسته و نگو گوهر شکسته
عاشق ز کار خویش ندارد دمی فراغ — دستی که در آستین بود آید بسر لند
متاع حسن ترا طرفه روز بازار است — که کس نیافته و عالمی خریدار است
کجاست باده که عالم بسیاد داده است — اساس آب بر آتش بنا نهادهٔ اوست
نظر بشاهد معنی دریده دوخته ام — حجاب عینک چشمست مرد بینا را

(ب)

برہمن، چندربھان رای :

اصلش از لاہور بود بعضی از اکبرآباد نوشته اند۔ در اوائل حال در ملازمت میر عبدالکریم میر
عمارت لاہور بسر می برد، بعد از آن در خدمت نواب افضل خان پیوست بدستگیری التفات او در
سلک منشیان شاہجہان بادشاہ منسلک گشت در نظم و نثر طبع رسا داشت خط شکسته بسیار
درست می نوشت مولف کلمات الشعراء خان آرزو نوشته اند که دفعه او را از پیش گاه حضور
اقدس شاهی حکم خواندن شعر شد او این بیت خواند :

مرا دلیست بکفر آشنا که چندین بار　　بکعبه بردم و بازش برہمن آوردم

باستماع این شعر مزاج بادشاہ از حمیت دین منحرف گشت۔ افضل خان که خیلی مزاج دان
بود تغیر خاطر بادشاہ دریافته این بیت فی البدیهه خواند :

خر عیسی اگر بمکه رود　　چون بیاید هنوز خر باشد

بادشاہ متبسم شد و بطرف دیگر توجه فرمود، خان موصوف او را از حضور بادشاہ بدر کرد
مولف مرآت الخیال نوشته که چندربھان برہمن زنار دار از سکنه اکبرآباد است خالی از
وارستگی نبود، در سرکار داراشکوه منشی گری داشت و بدست آویز چرب زبانی بهم زبانی رسیده
نظم و نثرش پسند خاطر شاہزاده بود، نوبتی شاہزاده رباعی از ابیاتش بسیار مطبوع طبع افتاد
روزی در غسلخانه که مجمع مستعدان هفت اقلیم بود بعرض بادشاہ میرسانید که درینولا چندربھان
منشی طرفه شعری سرزده اگر حکم شود بحضور آمده بخواند و شاہزاده را بعرض این سخن اظهار استعداد
و ترقی او ملحوظ بود، باحضار او حکم شد، چون بشرف حضور فائز شد بادشاہ فرمودند درین ایام
با ما شعری که از تو شنیده است بخوان او همان شعر که مذکور شد خواند، بادشاہ متشرع از استماع
این برآشفت که جواب این کافر بدبد افضل خان که بکافر جوابی موصوف بود، همان شعر مسطور
خواند بادشاہ خوش گشته گفت از تصرفات دین محمد است که این چنین جواب بهم رسید من
از غصه سخت اندوهگین بودم و افضل خان را انعام فرمود و بشاہزاده حکم شد که بار دیگر این
چنین مزخرفات را بحضور نیاورد و برہمن را از غسلخانه بیرون کردند آن دانش پژوه بعد

گفته که هر مصرع آن تاریخ نوشت و مطلع که زدو قافیتین واقع شده اینست :

میزند جوش تلاطم باز عصیان الم — اشک میریزد بروی لوح مژگان قلم

و از اوست :

ای بعدد گردش چشم تو خوش ایام ما — نرگس شهلاست از یاد تو صبح و شام ما

گرچه شب در خواب و روزم در قدح نوشی گذشت

این قدر شادم که عمر من به بیهوشی گذشت

طفلی که بر احوال شهیدان نظرش نیست — مردیم که از شوخی خود هم خبرش نیست

از صف مژگان خوش تیر نگاه آید برون — چون سواری یکه تازی کز سپاه آید برون

ترک صحبت من ناشاد کرد و رفت — گفتم که من غلام تو آزاد کرد و رفت

هرکس که دید مصرع برجستهٔ قدش — چشمی گشود بر سر او صاد کرد و رفت

ما غریبان را ز زیر خاک هم نگذاشتند — صبح محشر میکند فریاد که محمل بر آ

سهل نبود زخم تیغ ناز او برداشتن — بارها از سر گذشتم تا گلی بر سر زدم

اینقدر هرزه چه پیداست ویران جنبش است — چاک کن سینهٔ خود را سر راهی دریاب

خون شوم بینجر ز دست تهی — جامهٔ فقر رنگ باید کرد

فیض سخن است اینکه بهر بزم رسیدیم — از بال و پر مصرع برجسته پریدیم

بینا، حاجی بینا :

در عهد فردوس آرامگاه محمد شاه در احمد آباد گجرات بامر تجارت بسر می برد. از اوست :

از آفتاب قلقل مینا نهفته نیست — این راز سر بمهر بمهتاب گفتنیست

راز سر بمهر طرفه عیار تست

برهان، آقا صالح مازندرانی :

از طبرستان که مولد اوست بهندوستان آمده مدتها بسر برد، در قتل عام دهلی که نادر شاه

رباعیات

ما را به جمال خود شناسا کردی — از خار گل و ز قطره دریا کردی
از عهدهٔ شکر تو برون چون آییم — ما می‌دانیم آنچه با ما کردی

ما گنج دو عالم به عطا یافته‌ایم — از فیض ازل نشو و نما یافته‌ایم
گویند جز این جهان جهان دگر است — ما از دو جهان همین ترا یافته‌ایم

تا بوی تجرد به دماغم آمد — بر هر دو جهان خط فراغم آمد
هر جا که ز عشق تندبادی برخاست — پروانه شد و سوی چراغم آمد

دل در خم زلف تار بستیم و خوشیم — در گوشهٔ عافیت نشستیم و خوشیم
هر چیز که بود در ره ما حایل بود — پیمانهٔ آرزو شکستیم و خوشیم

در عشق ز مغز و پوست می‌باید رفت — آنجا که به رنگ و بوست می‌باید رفت
تا دوست به بوی دوست می‌باید رفت — سر رشته به دست اوست می‌باید رفت

خواهم که ز مژگان همه شب خون ریزم — در دامن خویش اشک گلگون ریزم
از خون جگر دو دیده‌ام پر شده است — معذورم اگر دو قطره بیرون ریزم

آنان که ز عقل رنگ و بویی دارند — در گلشن دهر رنگ آبرویی دارند
چون غنچه به صد دهان خموشند ولی — در پرده به خویش گفتگویی دارند

در هر چه نظر کنی صفای دگر است — هر جا که روی برو تجلای دگر است
گر گوش تو آشنای آواز شود — هر لحظه ز هر طرف صدای دگر است

بیدل، میرزا عبدالقادر [1]

تحیر، عظمت الله بلگرامی:

ولد میر لطیف الله، معروف به شاه لدها بلگرامی علیه الرحمة، بسیار عالی همت، خوش فطرت، صاحب طبع، قابل، بی‌نظیر، مقابل کسی بود. در علم تصوف چند رساله تالیف کرد و خط شکسته خوب می‌نوشت. میرزا بیدل از صحبتش بسیار محظوظ بود. در سنه هزار و صد و چهل و دو ۱۱۴۲ هـ در شاهجهان‌آباد رحلت کرد. در جوار مزار شیخ بزرگوار نظام الدین اولیا قدس سره مدفون گشت. مؤلف سفینه از خواص

۱- عبدالغنی بیانی

بعد مراجعت از هند از شاه مذکور بکاری مامور شد، بآنکه آن کار را باحسن وجه انصرام داد، از ناسازگاری طالع و دواثر گونی بخت کاوش موقع قبول نیفتاد معایب گشت چون نادرشاه خیلی سفاک و بیرحم بود از ترس عقوبت شدید بکاردی که در کمر داشت خود را هلاک ساخت، آن مرحوم بفنون کمال و لطف طبع متصف بود، او راست:

برد نازکت تو دست گیرا ایم افسوس ــــــ روزیکه رسانند بدامان تو دستم
دامن نگسستیم و قفس را نشکستیم ــــــ صیّاد جفا پیشه چرا بسته پدرم را
هر سبزه که از خاک شهیدان تو برخاست ــــــ چون لاله دل سوخته داغ جگری داشت
دامن نخوت میفشان بر غبار من که من ــــــ گرد راه کوی جانانم وطن گم کرده ام

(پ)

پیام، شرف الدین علی اکبرآبادی:

شاعر خوش فکر است خان آرزو نوشته که وی مشق سخن از من درست کرده لیکن او از من ابا داشت و درین باب گفته:

از خواب عدم پیام تا چشم کشود ــــ کسب سخن از اکابر خویش نمود
تعلیم گرش بشعر بی شرکت غیر ــــ عموی خودش محمد حامد بود

از اشعار اوست:

یار از خانه بر نمی آید ــــ زندگی در نظر نمی آید
از رفیق شفیق یعنی دل ــــ مدتی شد خبر نمی آید
ندهم دل بصد دلی ز نگی ــــ از من این دردسر نمی آید
ترسد داغ دل بشعلهٔ آه ــــ کار تیغ از سپر نمی آید
که رساند پیام ما بااسیر ــــ از قضا این قدر نمی آید

نتوان کرد ظلم بر انصاف ــــ دیده ام از تو مهربانیها

بعد استیلا بر آن دیار کرد مجروح گشت. بعد چند ماه بالم ہمان زخم درگذشت، در قدود قبل الان واردات قصیده در مدح نادر شاه گفته متوقع بود که بوساطت یکی از ارکان دولت از نظر بگذراند ناگاه از نخوت فہمان عالم بالا این جایزه یافت از اشعار اوست :

دایم برنگ طوطی تصویر خامشیم ___ بندد چگونه حرف کسی از زبان ما
خلاصی خواہی از قید علایق گوشه گیری کن ___ نیارد ہیچ صیادی بدام خویش عنقا را
کس پی نبرد برفتن عمر ___ این قافله نقش پا ندارد
زنده ام من که دم باز لقربان سرت ___ تا یکی صبر کنم روز قیامت دیر است
آب گشتیم ازین شرم که چون ابر چرا ___ قطرهٔ در جلو برق سواری نزدیم
آتشی که نگاه تو کند می با یا غم ___ روشن شود از روغن بادام چراغم
راه و رسم کفر و ایمان را نمیدانم که چیست ___ گر چه عمری خدمت شیخ و برہمن کرده ام
خویشتن را ہمچو گل پیوسته خندان داشتم ___ با وجود آنکه صد زخم نمایان داشتم
از بسکه اعتماد ندارم بزندگی ___ امروز میخورم غم فردای خویشتن
چنان رنجور گردیدم ز ہجر تار گیسوی ___ که ہمچون خامه گردد سد راه من سر موی
چه دہی دردسر خویش طبیب ___ دارم احوال تباہی که مپرس

رباعی

یا شاه نجف دلم ثنای تو کند ___ پیوسته تمنای لقای تو کند
می آیی از آن بر سر خاک ہمه کس ___ تا ہر که بود جان فدای تو کند

بیکس متهراوی :

قاضی زادهٔ متهرا من مضافات اکبرآباد و شاگرد میرزا بیدل مذکور بود، از وراست :

بیکس ز فراق داغ بر دل ماندی ___ بی وصل نگار پای در گل ماندی
ہر چند تلاش وصل دریا گویی ___ لیکن چون موج سر بساحل ماندی

باقر، محمد باقر بیگ شاملو :

از امیرزادہای طایفه شاملوست. در ملازمت نادر شاه از ایران بہندوستان کمد

برای ما پیام افسانه شد گر قصهٔ یاران ___ حدیث ما هم از بهر کسان افسانه خواهد شد
دوش گفتی که رقیب از تو شکایت دارد ___ هرچه خواهی تو بگو عزیز چه طاقت دارد
مرا ناهد چگونه با تو چون پیمانه می سازد ___ مزاجت لیکن ترا مسجد مرا میخانه می سازد
در خرابات آنچنانم دل طرب اندوز بود ___ که ز مستی ندانستم که شب یا روز بود
بال شکسته هست که بر باد داده هست ___ بلبل بباغ نامه فرستاد از قفس
مستان در غلط هم نه کرده ___ این ناله و این هوا فراموش
بیخودی کم میدهد فرصت مرا ___ میروم گاهی باستقبال خویش

(ت)

ترکمان، میرزا نجم قلی هندی:

هندی المولد شیرازی الاصل است بحسن صورت و صفات سیرت متجلی بود۔ مولف تذکرهٔ مرآة الخیال با او ربط بسیار داشت، او راست:

دل تا نیافت نشهٔ عشق تو وا نشد ___ نشگفت غنچه تا به نسیم آشنا نشد
بیش از آن که هستیت گرد فنا گردد بلند ___ با زمین چون نقش پا هموار می باید شدن
هرچه هست از خویش می باید بجام باده داد ___ چند در بند سر و دستار می باید شدن
گفتمی بنویس نام من بدل ___ این سخن در دل بجان خواهم نوشت
باده نوش از جام وصل یار می باید شدن ___ مست از کیفیت دیدار می باید شدن
شیشهٔ ناموس را بر سنگ می باید زدن ___ برق خرمن سوز ننگ و عار می باید شدن
نمی گنجد بظرف جذبهٔ دل اضطراب من ___ برون از شیشه باشد موج جوش شراب من
بحر یکرنگی حیرت زمن صورت نمی بندد ___ بود آیینه دار باطن دریا حباب من
کشته ام صید نگاه دلربای تازهٔ ___ فتنه انگیزی خرد سوزی بلای تازهٔ
بسته ام دل با بزلف سنگدل عاشق کشی ___ دیر صلحی زود رنجی بیوفای تازهٔ

خاطرش بسکه کند هول ز دیوانهٔ ما ___ دست بر دل گزرد چشمهٔ ز ویرانهٔ ما
شکایت را بود شرط آشنایی ___ چه باید گفت آن نا آشنا را
چشم بد دور عالمی دارد ___ من و مجنون و دامن صحرا
کی سر شرب مدام است مرا ___ آب هم بی تو حرام است مرا
در د شکسته بالی مرغان دام را ___ داند کسی پیام که گشته از وطن جدا
چو آن نسیم که با غنچه می بود گستاخ ___ بزور بوسه گشایم دهان تنگ ترا
روزگاری شد اسیر دام صیادیم ما ___ از چمن محروم چون مرغ قفس زادیم ما
تا کند جلوهٔ حسن تو تماشا امشب ___ شمع در پیش تو استاد بیک پا امشب
دل از عمری وصالش داده دست ای همنشین رحمی
کشاد کار من موقوف بر در بستنست امشب
ایام زندگی همه با این و آن گزشت ___ عمر عزیز تا چه قدر رایگان گزشت
ناله می رقصد مگر کوششِ بفریاد منست ___ می طپد دل شاید آن بی رحم در یاد منست
یادش کنم و درم گریبان ___ دستم در کار و دل بهار است
غیر و وصل کسی زهی طالع ___ من و هجران یار یا قسمت
شوخ من امروز شاید در چمن خندیده است ___ غنچه از رشک دهانش طفل لب برچیده است
در چمن گر میخوری پنهان برنگ غنچه خور ___ تا صبا داز نرگست چشمی رسد نادیده است
علاج خانه آتش گرفته آب بود ___ بیار می که دماغ از تف خمارم سوخت
نازش از دل نیاز میخواهد ___ قدرت بی نیاز را نازم
پیام شکر که از ابر فوج غیب رسید ___ خدا چه روز سیه بر سر خمار آورد
تو هم بگیسوی خود گو که واشود با ما ___ اگر مناسبت شام با غریبان است
این عنایت بدشمن ارزانی ___ کشتهٔ ناز خون بها چه کند
گریه راهم دلی خوشیست ضرور ___ بیدماغی دماغ می خواهد
گل ببازار شود بیشتر از باغ عزیز ___ یوسف از مصر همان به که بکنعان نرود

زمرهٔ ملازمان نواب برہان الملک سعادت خان نظام دارد. فقیر را در لکھنؤ بادئ الفاق
ات افتاد، او راست:

باشد مکان زگرم روی لامکان مرا — در زیر پا چو آبله است آسمان مرا
بخود ہر کس کہ پیچید در سخن خواہد بخود شد — کہ شمشیر زبان را پیچ و تاب فکر جوہر شد

تقی، میر محمد تقی:

از مردم ہندو در فرقهٔ سپاہیان عالیجاہ شجاع الدولہ بہادر ہمراہ امارت مرتبت آقا اسمٰعیل منتظم
رانی خلیق نیک اطوار در کمال اہلیت است و خالی از قابلیت نیست با مولف آشنائی دارد، او راست:

بتجویز فلاطون ہم ندیدم ہیچ تاثیری — مگر دملش علاج من کند با برگ تکبیری
صد شور و فتنہ از قد تو وام کردہ اند — وانگہ قیامتش بجہان نام کردہ اند
ہستند مست و بیخبر از حال خویشتن — آنانکہ می بیاد تو در جام کردہ اند

تسلیم، حافظ سلام اللہ خان:

برادر خرد حافظ حلیم ولد شاہ شاہ کلیم اللہ است کہ درویش خوش اخلاق حمیدہ خصال بود،
خودش نیز در کمال لطافت طبع واقع شدہ اخلاق ستودہ و اطوار پسندیدہ موصوف و در شیوہ ندیمی و خوش
اختلاطی و تازہ روی و سخن سنجی و بذلہ گوی معروف در فن شعر شاگرد طاسیم است با مصاحب این اوراق آشنایی نسبت
چند سال شد کہ از دہلی بصوب صوبہ اودھ آمدہ درین اوقات برفاقت امارت پناہ نواب نثار محمد خان
شیر جنگ میگذراند و بمرتبہ خصوصیت و مصاحبت مختص اشعار پاکیزہ دارد، او راست:

بجز حب علی ایمان نباشد — کسی را این نباشد آن نباشد

(ث)

ثبات، میر عظیم:

خلف الصدق میر ثابت مذکور تولدش در سنہ ہزار و صد و بیست و دو ۱۱۲۲ھ در الہ آباد گردید

تعظیم، ملا محمد تقی:

از قصبه بارفروش مازندران و معاصر شاه سلطان حسین صفوی مغفور است. در ایام جوانی از وطن خود باصفهان آمده بتحصیل مشغول شد و در صحبت افضل المتاخرین شیخ محمد علی بعض مقاصد علمی خصوصاً هیئت و نجوم سیما مراتب شعری مانوس شد قبل از استیلای افاغنه بر اصفهان باز بوطن مالوف مراجعت نمود تا سنه هزار و یکصد و شش ۱۱۰۶ھ در حیات بود دیگر از حیات و مماتش ظاهر نشد که کی فوت کرد، او راست:

مرا سرگشته دارد تابکی در حسرت کوی — الهی آتشی آهی بجان آسمان افتد
عشق برادر سینه اهل هوس نبود قرار — کی گزارد شیر در هر بیشه پهلو بر زمین
آسان نیامده ست بکف دامن وصال — از جان گذشته ام که بجانان رسیده ام
ز دام رشک چون پروانه فارغبال میگردم — چراغ هر که روشن می شود خوشحال میگردم
ای گدای نمک حسن تو سلطانی چند — بندهٔ مور خطت گشته سلیمانی چند
یک گریبان زغمت خاک نمودست رقیب — دسترس بود مرا کاش گریبانی چند
دل جمعیت اسیر غم زلف تو چرا — غافلی اینهمه از حال پریشانی چند
هیچکس ز آتش عشق تو چو تعظیم نسوخت — ای فدای تو چو من بی سروسامانی چند

تلاش، حافظ محمد جمال:

سرگرم تلاش سخن و شاگرد میرزا افضل سرخوش و از اهالی هند بود، او راست:

بسکه در خون تحیر غوطه زد اندیشه ام — چون رگ یاقوت خوابیده ست پای شیشه ام
خانه زادان وفا را ناله می باشد مدام — شیون ایجاد است چینی ماتم فغفور را

مولف گوید که این مصرعه نا مانوس در محاورهٔ فصحاست۔

وله: بروز عید هر شاه و گدا گم می کند خود را — تو رفتی بر سمند ناز و من از خویشتن رفتم
همه گرم تلاش اصل خود دانند — آه من خانه پرس افلاک ست

تحسین، آقا عبدالعلی:

زاده میرزا داراب جویا تخلص است که ذکرش می آید مولف ید بیضا نوشته که بیست سال در

نی ہمی کشتی ما سیل بلا می خواہد   ناخدا نیز ہمین راز خدا می خواہد

ثنا، شیخ آیت اللہ:

دہلی المولد ست وہمانجا نشو ونما یافتہ، جامع اکثر خوبیہا وحاوی بسیاری از فنون ہنرست۔ از علوم رسمی مستفید و بلطافت طبع وحید خیلی خوش اختلاط خلیق کوچک دل ودر کمال اہلیت وآدمیت است۔ در سخنوری صاحب فکر ثاقب وذہن صایب واقع شدہ۔ طرز گفتگویش متین وعرایس افکارش رنگین۔ اصلاح شعر از جناب افضل المتاخرین شیخ محمد علی حزین گرفتہ و تخلص نیز بخشیدۂ ایشانست۔ با مر سخنوری کمال رغبت دارد و اکثر اوقاتش مصروف این فن بودہ، دکلام اساتذہ تتبع بسیار کردہ وقبل ازین اشعار بسیار انشا نمودہ الحال از بی پروایی ویبوست دماغ کہ بسبب معتاد افیون بہم رسیدہ ہیچ نمی گوید۔ مدتہا شد کہ از شاہجہان آباد دہلی بصوب صوبہ اودھ آمدہ۔ درین ولا در سلک ملازمان عالیجاہ شجاع الدولہ بہادر منتظم و نزد ارکان واعیان معزز ومحترم۔ فقیر بخدمت ایشان آشنایی دارد۔ از نتایج طبع اوست:

شب از آن وعدہ چہ پرسی بچہ شغل بگذشت   سوی در دیدن وسر باز بدیوار زدن
گاہ پیکان بدل از ضبط نفس بشکستی   گہ بتنگ آمدن ونالہ بناچار زدن
گفتم از بادۂ عشق تو خرابم گفتا   کہ ترا گفت چنین ساغر سرشار زدن

دوراز رخت نہ دیدہ بگریہ آنچہ رفت رفت   قربان شوم تو باش دگر ہر چہ رفت رفت
تو کی دو زندگی پرسیدی از شبہای تار من   کہ بعد از مرگ شمعی بر فروزی بر مزار من

رباعی

با من تو چہ ای سپہر بدخو کردی   ساییدن استخوان من خو کردی
این کاسۂ سر مباد گو نشد منظورش   گفتم شرمندہ زانِ سگ کو کردی

این حسن بناز شور وغوغا شد نیست   زین زلف دراز فتنہ برپا شد نیست
از قامت تو قیامتی در عالم   امروز اگر نگشت فردا شد نیست

بسیار حمید خصال ستوده افعال خوش مذهب پاک مشرب سخن فهم بود از مراتب عالی فی الجمله آگاه و بقوت حافظه تتبع اشعار اساتذه بسیار کرده و تمام اوقات حیات صرف شعر و شاعری نموده با وتوکل عمر عزیز بسر برد، در وقت والد بزرگوار خود چندان مشق سخن نکرده بعد فوت آن مغفور رغبت به این فن بشعر خاطر آرند و علی قلی خان واله هر دو کس دعوی استادی بآن مرحوم کرده اند بهر حال با خان والا در نوشتن تذکره خصوصاً تکرار اشعار شریک غالب بود. دیوانش قریب چهار هزار بیت است، از وراست

چون شمع تا فتاد بزمت گذر مرا   در اشک و آه زندگی آمد بسر مرا

دل را امید آمدن او نمی دهم   ترسم بحال خود نگذارد دگر مرا

از کوی که برخاستنهای باد که امروز   چون غنچه زدی چاک گریبان دلم را

بغیر از این که گریبان صبر پاره کند   کسی ز دست تو ظالم دگر چه چاره کنم

میکشد خمیازه مانند کمان بی اختیار   یاد می آرد چو زخم لذت تیر ترا

گر جنون باد کشد قابل زنجیر مرا   بسپارید بآن زلف گره گیر مرا

با دیر و کعبه گبر و مسلمان شد آشنا   عاشق همین بجلوهٔ جانان شد آشنا

دست بی طاقتیم حیف که از کار افتاد   جیب شد پاره ولی حسرت دامن باقیست

چو اخگری که نهانست زیر خاکستر   هنوز آتش عشق تو در کفن باقیست

یک نفس واشدنی داد چو گل بر بادم   غنچه از تنگدلی بهر چه دلگیر شدست

بآنکه همه عمر نرفتم ز در او   پرسد همین از ناز ترا خانه کدام ست

جز مخمل تصویر درین بزم ندیدم   جای که کسی را بکسی کار نباشد

قاصدی هر که بسوی یار رخصت میکنم   سایه سان با او ز بی صبری رفاقت میکنم

ستم خوبست با او گر بود لطف نهانی هم   جفا از حد گذشت ای شوخ گاهی مهربانی هم

بهمچشم صبائیم درین بحر پر آشوب   کز عمر سبک سیر ندیدیم درنگی

دیگر چگونه خاطر من وا شود که یار   چون بیندم ز دور گره بر جبین زند

بی مهر روی تو کان چشم و چراغ نظر است   مژه در دیدهٔ من موی دماغ نظر است

گفتمش قتل من خسته چسان خواهی کرد   گفت گاهی بتغافل به نگاهی گاهی

دیکصد و هژده ۱۱۱۸ه فوت شد. میرزا عبدالغنی بیگ قبول که شاگرد رشیدش بود سال تاریخ آن مرحوم گفته که مادهٔ تاریخش این مصرع ست : «سال تاریخ وفات او غنی پرور بود» با میرزا صایب و ابوطالب کلیم در کشمیر صحبت داشته روزی او و برادرش میرزا کامران گویا با محمد علی ماهر گفتند که ببینید، ما هر دو برادر چگونه نام و تخلص ابوطالب کلیم را باهم برادرانه بخش کرده ایم جویا طالب گویا کلیم ماهر متبسم شده گفت معنی پالیش هم باهم قسمت کرده اید. این از ماده خوش طبعی بود نه در واقع. او راست :

محراب سبزگیست شهیدانِ عشق را　　　این تیغ کج که در کمر قاتل منست

جویا ، ملا :

از رفقای شاه ناصر علی سرهندی بود، آخر بطرف ملک دکن رفته در اورنگ آباد رحل اقامت انداخته متوطن شد در سنه هزار و یکصد و چهل و هفت فوت کرد، این بیت از او مسموع است :

بالیده خامه در کف جویا چو شاخ سرو　　　تا مصرعی ز قامت او در خیال داشت

جنون ، خواجه ابوالفتح خان کشمیری :

شاگرد محمد طاهر غنی کشمیری از مستفیدان خدمت شیخ محمد افضل الهٰ آبادی علیه الرحمه بود. در زمان عالمگیر بادشاه بادو آمده بملازمت حضور اقدس شاهی و خدمت دیوانی گورکه پور سرافراز شد. از بن جهت همانجا توطن اختیار کرد، در عهد سلطنت شاه عالم بهادر شاه از ان کار معزول گشته بدیوانی لکهنؤ رسید. آخر عمر دیوانی صوبه عظیم آباد پتنه یاد تفویض یافت همانجا بحکم کارکنان قضا از منصب حیات عزل گشت. نعش او را از ان مکان بگورکهپور آورده در مقبره که در عین حیات ساخته بود مدفون شد. او راست :

پیرکار تیشهٔ فرهاد از سوزن کند　　　ما بمژگان سفیدی جوی کاشمیر کرده ایم

جامع ، خواجه مقصود کشمیری :

فی الجمله آگاه از فروع و اصول علوم و شاگرد میرزا عبدالغنی بیگ قبول مرحوم بود. او راست :

سخن سازی نه آسانست عمری باید و جهدی　　　چو موسم شد سفید اشعار رنگینم بیاضی شد

پیرانه سر چو عالم از فیض عشق جامع　　　وصل پری رخان کرد ما مرد زن پریرو

گیتی تو کواکب شب غم میشمرم — گه وعده کنم یا دو قدم میشمرم
القصه که شب برهه شمردم بگذشت — اکنون چون چراغ صبحدم میشمرم

(ج)

جودت، محمد ایوب :

پدرش محمد سلیم از بدخشان بود خودش اکتساب علم از والد کرده در عنفوان شباب در اردوی عالمگیر بادشاه رفته در سلک منصب داران بادشاهی منتظم در سنه هزار و یک صد و چار ۱۱۰۴ھ بخدمت امانت جزیه سرکار الور جهار اکه جای حاکم نشین میوات ست ممتاز گشته بآن صوب رفت در سال هزار و صد و بست و پنج فوت شد، میرزا افضل سرخوش تاریخ فوتش " ایوب بهشت کرد مسکن " یافته ـ عزیز صاحب تلاش بود، اوراست :

چشم از دست بر ناله دارد داغ هجرانم — چو طاؤس آفت از مهر نباشد بر چراغانم
کیست کز جادهٔ چاک جگر آگاه بود — ورنه تا دوست رسیدن چه قدر راه بود
ز رفعت بیشتر باخود ملامت خاکساری را — نیالا سوی پستی هر که می بیند هراس آید
بزرگان را بود اسباب شهرت مایهٔ نقصان — بچشم ماه نو در شیشهٔ افلاک مو باشد
دلی دارم که دارد خارخارا از یاد گیسویش — برنگ خار ماهی شانه میروید ز پهلویش
نه تنها زلف او دارد گره در خاطر از عاشق — برنگ دیدهٔ از من چو مژگان هر سر مویش
هنر با آن قدر الفت بچشم ناتوانم شد — که جوهر را اچپان دوران ماهی استخوانم شد

جویا، میرزا داراب :

تبریزی الاصل و کشمیری المولد و موطنست هنگامیکه ابراهیم خان خلف علی مردان خان مرحوم ناظم آنجا بود بسبب اتحاد مذهب خان شفقت بسیار با دمیفرمود و رعایتها می نمود، بعد محمد طاهر غنی مثل او از کشمیر برنخاست خیلی خوش فکر تازه خیالست خان آلد ولهشته که او در بعضی مقاطع خود را بشاگردی میرزا صدر موسوی خان فطرت منسوب کرده کفی به شرفا و بخدمت میرزا سعید اشرف و ملا علی رضا تجلی هم هنگام سیر ولایشان بکشمیر همراه ابراهیم خان صحبت استفاده فن سخن نموده

(ح)

نیسران، شیخ محمد اسر هندی :

در خوشنویسی خط ثلث و نستعلیق مسلم، و در نویسانیدن آن خطوط استاد زیب النسا بیگم صبیه عالمگیر بادشاه بود - با شاه ناصر علی مرحوم مصاحب و تقلید او را طالب - صاحب کلمات الشعرا نویسد که او میخواست بطریق شاه ناصر علی راه رود اصل خود هم گم کرده، اوراست :

آنچه شنیده ایم و ندیدیم بجز رمی ——— نقش جهان بگردش چشمی که بسته اند
امشب که بی رخ تو دل من طپیده است ——— از چراغ کرده رنگ پریده است
ره می برد بگوش نگه چون صدای خاک ——— چشم جهان ز شوق که جیب دریده است
بی رنگی دل صد داغ من گردید تا باشد ——— که رقص صد چمن طاوس نقش پای دنبالش
بخلوت خانهٔ دل رفت و پیدا کرد عالمها ——— دمی آیینه خود بنشست و بیرون رفت تماشایش
آن نهال شعله پروازم که فرق سوختن ——— چون رگ یاقوت در آتش دوانده ریشه ام
بر آن لبها ز انداز تبسم حال میگردد ——— ز بس نازک گلی کز رنگ بگذشت پامال میگردد

حضور، میرزا باقر قمی :

عزیز نیکو سرشت خوش اخلاق بود - در جوانی از دیار خود باصفهان آمده ساکن گشته، تحصیل علم پرداخت آخر بموزونی طبع در سلک شعرا انتظام یافت و اوقات حیات خود را بصحابت سخن صرف ساخته - بصحبت شعرا و مطالعهٔ اشعار مشغول و مشعوف بود، تا شاعری مشهور و معروف گشت پیش از مرگ بوطن مألوف برگشت و همانجا ازین جهان درگذشت - مدفنش نیز این شهر است با جناب شیخ علی حزین دام برکاته مودت تمام داشت، اوراست :

بر جاده مراد طلب راه نما نیست ——— بر چشمه نشان قدم کعبه پا نیست
ساقی بگردش آر شراب دو ساله را ——— گلزار همچو شاخ گل از کف پیاله را
عدو با زیردست خود بغیر احسان مکن ——— نباشد چاره جز سوختن پر انجم را

جناب میرزا ابوطالب اصفهانی:

ولد میرزا نصیر مسرور و خیلی صاحب فطرت بلند همت و از نیکان روزگار و سنجیدگان اعصار و پسندیدگان دهور بود بقبول کمال خصوصاً علم استیفا کمال مهارت داشت و خط شکسته بخوبی می نوشت دیوان اشعار قریب [1] ده هزار بیت ترتیب داده در سنه هزار و یکصد و سی و پنج ۱۱۳۵ھ بعد دو سه ماه از محاصره افاغنه اصفهان را مستوفی قضا منشور حیاتش در نوشت همدران بلده مدفون گشت - در منقبت حضرت سیدة النساء فاطمه زهرا علیها التحیة والثنا قصیده گفته که مطلعش این ست:

گر بیاید در حریم عصمت او بی حجاب ‌ ‌ ‌ می شود خط شعاعی میل چشم آفتاب

من اشعاره:

لب خواهش نگشودیم و از آن خوشنودیم ‌ ‌ ‌ که مراد دو جهان قابل اظهار نبود

ما زخم دل خویش بمرهم نفروشیم ‌ ‌ ‌ عیش دو جهان را بدم غم نفروشیم

اسیرم بینوایم بیکسم زارم، گرفتارم ‌ ‌ ‌ بخون غلطیدهٔ اشکم ز چشم افتادهٔ یادم

عزیزان دوستان فکری که باز افتاده است از نو ‌ ‌ ‌ بنوخط دلبری نامهربان شوخی سر و کارم

سخن در پرده تا کی هر چه بادا باد می گویم ‌ ‌ ‌ گرفتارم گرفتارم، گرفتارم، گرفتارم

نه بوصل یار طاقت نه به هجر تاب دارد ‌ ‌ ‌ چکنم چنین دلم را که مرا خراب دارد

بستمگری چه سازم که چو روزگار با من ‌ ‌ ‌ بوفا درنگ دارد، بجفا شتاب دارد

خبر از جناب داری که ز دوری تو شبها ‌ ‌ ‌ نه بدل قرار و طاقت نه بدیده خواب دارد

چشم مست تو خوش آمد که قرارش ببرد ‌ ‌ ‌ تکیه بر بالش مژگان زده خوابش ببرد

ایمن از گرمی خورشید قیامت گردد ‌ ‌ ‌ آنکه در سایهٔ دیوار تو خوابش ببرد

مده بابل هوس را که گفتگو گستاخ ‌ ‌ ‌ که هست حسن تو پر شوخ و عشق گستاخ

ادب شناس تر از من کسی نباشد لیک ‌ ‌ ‌ غرور بندگیم ساخته است گستاخ

بجناب لعل تو دلت ... یار دمی ترسم ‌ ‌ ‌ که رفته رفته شوی همچو من یار گستاخ

۱- بقدر یک لفظ بیاض

ما ماه بهم گشته خود هیچ نبردیم — از یاد بپرسید سراغ دل ما را
رطل گران ز دل غم دیرینه می برد — پیوند میکنم برگ تاک شیشه را
هرگز دل از غبار کدورت تهی نشد — گویا که نسبت است با فلاک شیشه را
خلیم از سبزهٔ آن خط گنجینه نیست — روشن از شمع رخت انجمنی نیست که نیست
ایجان جهان گرچه نهانی ز نظرها — هر سو بتماشای تو خلقی نگرانند
شادم که چرخ سفله بمن مهربان نشد — منت پذیر خاطرم از دوستان نشد
از دست بد حادثه آزاده را چه غم — هرگز فسرده سرو چمن از خزان نشد
از اشک روان دیده خطر هیچ نداند — سیلاب بویرانه ضرر هیچ نداند
اندوخته دل همه از دیده فرو ریخت — این[1] .. بتنک مایه دگر هیچ نداند
آن آتشین رخی که دلم داغدار اوست — هر جا گلیست در چمن حسن خار اوست
به تیره بختی من روزگار حیرانست — فغان که صبح امیدم چو شام هجرانست
این چند روز عمر که ایام فرصتست — با یار باده نوش که فرصت غنیمتست
فصل بهار و جوش گلست و هوای ابر — حشمت بنوش باده که ایام عشرتست
بجای نقطه می ریزد شرر از نامه ام حشمت — اگر ز ان شعله خو حرفی کنم تحریر در کاغذ
حشمت ز غم عشق تو مجنون خرد رفت — سرگشته بکوه و دشت و با موی فرو رفت

یک قطره خون شد از جفای تو دلم — وان قطرهٔ خون ز دیده بیرون شد و رفت
شوخی که بنوک غمزه دی دوخت دلم — افشانده ز دیده انچه اندوخت دلم

حضرت استید محمد مشهدی:
از سادات موسویست والد او میرزا صدرا از مشهد مقدس بهندوستان آمد. تولد خودش اینجا رو نمود در صغر سن همراه پدر بمشهد مقدس مراجعت کرد. بعد فوت آن مرحوم بسعادت خادمی روضه متبرکه امام هشتم سرافتخار بفلک دوار رسانید تا پایان حیات بآن عطیهٔ عظیمی ممتاز بود پیش از هلاک نادرشاه که در سنه هزار و یکصد و شصت و یک ۱۱۶۱ھ واقع شده بچهار پنج سال برحمت

۱- بیاض مقید کمک اقتباس

حسن علی میرزا :

از اہل افشار قتلوی آذربایجان دو الجعفر علی خان مدیم تخلص ست که ذکرش می آید در ایام جوانی از موطن و مولد خود که آذربایجان باشد بهند آمد در عهد سلطنت شاه عالم بهادر شاه در کابل فوت شد بسیار خلیق، نکته دان ، بذله سنج، صاحب کمال، وحسن سیرت و صورت آراستگی داشت تتبع اشعار و دواوین اساتذه بسیار ورزیده و خیلی حضور طبیعت داشت گاه گاه بندرت شعری می گفت ـ این بیت برای جوانی ساده عذار که بسبب وداعش سر و پای او نظری داشت گفته است :

مهربان هستی ولی نامهربان در کار من　　از وفا پرسا دهٔ ای سادهٔ پرکار من

حشمت، عماد الدین اصفهانی :

برادر خورد میرزا محمد جعفر راهب، اسمش مرزا امام قلی است ـ در اکثر هنر نمونه برادر بزرگوار و بیادگار عالی مقدار بود باتفاق علی قلی خان واله از ملک ایران بهندوستان چندگاه در خدمت عالی جاه برهان الملک سعادت خان مرحوم بود و من بعد ترک رفاقت ایشان کرده در دهلی ساکن گشت و بوساطت عالیجاه سید صلابت خان ذو الفقار جنگ و حکیم الممالک معصوم علی خان ملازمت بادشاه فردوس آرامگاه محمد شاه کرده بخطاب عماد الدین خان و منصب شایان ممتاز شد، از وراست :

قند باعث بیهوشی ما گردش چشمی　　عمریست زیک جرعه خرابست دل ما

از حسرت تیغ تو کباب است دل ما　　لب تشنهٔ یک قطرهٔ آبست دل ما

خرامان ساختی در صحن گلشن سرو قامت را　　بپا کردی دگر هنگامهٔ روز قیامت را

نمی پیچم سر از فرمان آن سرو سهی حشمت　　بگردن همچو قمری بسته ام طوق اطاعت را

زبان را گر بوصف آن نگار چین بگردانم　　برهمن لا آئین رخ را از دین بگردانم

ای زلف مسکین ترا خورشید تابان در بغل　　وی لعل نوشین ترا صد شکرستان در بغل

چشم تماشای اگر از روی بهشتش بنگرد　　هر خار خشک این چمن دارد گلستان در بغل

در هجر جان لذت دیدار تو باقیست　　در عین خزان جوش بهارست دل ما را

ما جور کشان نام نگیریم وفا را　　پرورده دردیم نخواهیم دوا را

در بیابان ژاله کار سنگ طفلان میکند ــــ تا دل شد قسمت جو اندازیم بابن سنگ
با بنگی عجب بر دست مطرب زلف خم ــــ کز ضرب سرایا بجوی گه چشم و گه گوشم
گهی چین بجبین گاهی تبسم کرده می آیی ــــ بهر رنگی که خواهی جلوه کن محو تماشایم
ندارد خسروی بخت مجنون حاجت افسر ــــ که خود شعله موی بر سر او چتر طاوسی
ناله خاک نشینان ز فلک میگذرد ــــ حیف صد حیف که یک گوش برآواز نماند
بر دره برنگ دگر مست رقص شد ــــ ساقی بهر باده ریخت ندانم بجام چرخ

حیایی، تمرایی :

بسیار خوش فکر بود، ابتهج از تنهائی سید عالی نسب مجموعهٔ آدمیت و اهلیت سخن فهم
لسان اکرم علی خان طبعش ریاض بی خزان و اختلاطش گل همیشه بهار دل دوستانست بقایع دارم :

بخدا راست بگو ای قاصد ــــ ذکر ما نیز بشبی میگذرد

حسن، محمد حسن خان :

از اهالی ممالک ایران و شاگرد افضل المتاخرین شیخ محمد علی حزین است خط نیز بطرز آنجناب می نویسد. اصلش از ملک ایران است. در ایام جوانی از آنجا بهندوستان آمده در سلک ملازمان عالیجاه غازی الدین خان فیروز جنگ ولد نواب نظام الملک آصفجاه سرافراز و بخدمت خانسامانی ممتاز شد. تا حین تحریر این سطور در دهلی اقامت دارد، اشعار بسیار گفته دیوان ترتیب داده است. اگرچه بنظر مؤلف رسیده اما در خاطر غیر ازین رباعی چیزی نمانده است :

زان نای قلم بجان نوای نرسید ــــ بیماری هجر را دوای نرسید
هر چند که فریاد زدم سود نکرد ــــ دردا که فغان ما بجای نرسید

حق، شاه عظمت الله :

شهید عظمت الله دیا از سادات حسینی امیتهیست که قصبه ایست هفت کروه از لکهنو وا

ایندمتعال اتصال کرد. سید بود عزیز خوش اختلاط، خوش فکر، شیرین زبان، مختص الحال بود در فن شاعری شاگرد میرزا مهدی حالی تخلص مشهدیست، گوراست:

کسی آگه نه از بابِ معنا هرگز نمی باشد — که موج آب گوهر را صدا هرگز نمی باشد
چنان رم کردم از مردم که بعد از مرگ من حشر — بدامانم غبار آشنا هرگز نمی باشد
ز چشم دل جمالش را تماشا می توان کردن — از این روزنه ها تا دوست پیدا می توان کردن
نه دریا سر کشاند هر کجا سیلاب کم گردد — دل ما را بجوی دوست پیدا می توان کردن

حجاب، میرزا اسمعیل:

در عهد دارایی عالمگیر بادشاه از ولایت وارد هند گشته بود، اوراست:

باد از نالهٔ دل بانگ جرس می آید — گذر راه رود گر لیلی از این صحرا کرد
در چمن بر روی گل غلطیدهٔ خون شد دلم — ترسم از امت ز بوی گل شود نیلوفری

حسین دوست، میر سنبهلی:

سنبهل از مضافات شاهجهان آباد دهلیست، بلطف طبع موصوف تذکرة الشعرای مختصر نوشته که بتذکرهٔ حسینی شهرت گرفته۔ اگرچه علت غائی تسویدان نقلهای رنگین و لطفهای نمکین است لیکن اشعار هم جسته جسته خوب نوشته، با حال دوستان اوراست:

بی تو در کلبهٔ تاریک نشستن تنها — این غذا ایست که در گور نخواهد بودن

حسامی، شیخ حسام الدین:

والد سراج الدین علی خان آرزو مرحوم و در سلک منصب داران عالمگیر بادشاه منتظم بود، با سلامت نفس و استقامت طبع و صفای ذهن اتصاف داشت، مثنوی در قصهٔ کامروپ و کام لتا که از افسانهای معروف هنداست گفته، لیکن فرصت اختتام نیافت، اوراست:

صحت آباد جنون شد چشم موری در نظر — نالهٔ دیوانه ما تنگ بر صحرا گرفت
مستی دیوانگی در ظلمت شب خوشتر است — میزند بر فرق مجنون پرتو مهتاب سنگ

حاکم، حکیم بیگ خان؛

خلف الصدق شاد مان خان است که اصلش از اوسط اورنگ دومی و لاچ بود. در عهد عالمگیر بادشاه
بند آمده. به منصب هفتصدی سرافراز شده در عصر محمد فرخ سیر ترقی کرده سه هزاری گشت در زمان
دوس آرامگاه محمد شاه بیش از بیش بمدارج دولت ارتقا نمود و بالا پایه منصب پنجهزاری سرافرازی
فت، لیکن جاگیری که مناسب آن منصب بود نیافت. خودش حاکم هندی المولد و جده مادرش
یده ست. از فرزندان قاضی میر یوسف هروی مدتها در لاهور بسر برده، چند بار بدهلی آمده باز بجا
عاودت کرد، آخر بسبب بند شدن جاگیر و خرابی آن ملک برخاسته خاطر از آن شهر شده بدهلی
مده، سالها بود درین اوقات اراده زیارت حرمین شریفین کرده در لکهنؤ وارد گشته. از راه دریای هند
از راهی خود بمقصد رسیده باز از راه دکن معاودت بوطن کرد. حاکم موصوف در حسن اخلاق
مراتب دوستی و وفاق و پاس آشنائیها یگانه آفاق و بخوش اختلاطی و تازه رویی و شگفته طبعی عدیم المثال
عزیز صاحب کمال خوش مقال است تتبع اشعار قدما و جددا بسیار ورزیده و باشعرای عصر
ا قاتها کرده محاوره نیک و زبان پاکیزه دارد و عاشق سخن سنج است، مشق شعر در خدمت شاه
زین لاهوری مرحوم نمود دیوانش قریب پنج هزار بیت است، از وست؛

هرکه با دیوانگان پیوست ایمن از بلاست ـــــ نیست بیم دزد هرگز خانهٔ زنجیر را
نمایم گر باسکندر کتاب سینهٔ خود را ـــــ شمارد فرد باطل صفحهٔ آئینهٔ خود را
داده ام معنت ز کف گوشهٔ دامانی را ـــــ چکنم گریه کنم پاره گریبانی را
دور از بسکه ز چشم تو گریست ـــــ خبر کوری نرگس قلمیست
نیست معلوم کجا جا و دلها دل شدگان ـــــ این قدر هست که در کوی تو خونهای هست
آمدی در بزم و مینای می از جوش نشاط ـــــ در میان گریه همچون طفل خندیدن گرفت
چون غنچهٔ فسرده که بشگفت در بهار ـــــ گفتم بوصل هم دل ما وا شود نشد
نشد آلوده یک لحظه با آلایش دهر ـــــ حرف رنگین نه شود در دهن خون آلود
همچو شمعی که به پیراهن رنگین سوزد ـــــ سوزدم داغ محبت در کفن خون آلود

بفنون فضل وکمال معرفت و بلباس درویشان ملبس از وطن خود بجهت طواف بیت الله الحرام بحجاز رفته، بعد حصول آن سعادت بمدینه منوره آمد، قریب بیست سال در آن ارض اقدس در گوشه انزوا بسر برد، از آن مکان به بغداد شتافته بر سر مزار خواجه معروف کرخی مجاور گشت. چون شیعی مذهب و دوستدار خاندان و دلدادهٔ دودمان امام انس و جان بود، طوفی خارجی قبل از بیست و شش سال این سید ستوده خصال را شهید ساخت. در فن شاعری مهارت و در تاریخ گویی قدرت داشت و استفاده این فن از میرزا عبدالقادر بیدل علیه الرحمه. و این بیت خود را که در نعت حضرت سرور کاینات گفته است از شریف مدینه التماس کرده بر روضهٔ منوره حضرت نویسانید:

نگاه چشم ممکن نیست بیند جلوهٔ رویت ــــ که انشا نقش دیوارست در محراب ابرویت

دل از صبح ازل مهر رخ شاه نجف دارد ــــ ز هر طالع که از برج اسد نجم شرف دارد

می خواه دو عالم همه یکبار ز حیدر ــــ در حضرت آن شاه مکن عرض مکرر

کس نمی پرسد بجز چشمی تو بیمار ترا ــــ در اشارات تو باشد شرح قانون شفا

برنگ ماه نو عاشق ز فیض شکست آمد ــــ مرا تیغ از سپر انداختن آخر بدست آمد

حسرت، محمد اشرف:

از معارف سندیلاست که بفاصله شانزده کروه از لکهنؤ واقع است. او هم شاگرد میرزا عبدالقادر بیدل مذکور است. آخر اوقات حیات براه آبادی مضافات دهلی رفته متوطن شد، هم اوراست:

خوش شود آن دل که اندر ضعیفان خون شود ــــ بشکند رنگی که تو انداز بروی ما شکست

چو نقش پا چه امکانست پامال تو برخیزد ــــ بلندی احتیاط ای بیوفا از خاک برگیرش

حضرت، محمد حیات:

در سلک طلبای علم انخراط داشت، اول قابل تخلص می کرد، اخیر حیات قرار داد، او هم در زمان عهد محمد شاه بادشاه هست، او راست:

طبع طلاقت و تقید هست خون قطره آب ــــ آب در گوهر گره گردید چون گوهر آب

حقیر، میرزا باقر اصفهانی:

از نجبای آن شهر جنت نشان و عزیز خوش اختلاط نیکو بیانست در عهد سلطنت احمد شاه از عراق بهندوستان آمده در سلک ملازمان عالی جاه وزیر الممالک ابو المنصور خان بهادر صفدر جنگ منخرط گشت بعد فوت آن مغفور بدستور در زمرهٔ سپاهیان خلف ارشدش شجاع الدوله بهادر منتظم گشت با فن شعر رغبت و با شعرا صحبت دارد، تتبع کلام اساتذه خیلی ورزیده و دواوین بسیار جمع کرده بمطالعه آن مشغول، بمناسبت ربط کلام موزون خود هم شعر میگوید و اصلاح از سند الشعرا امیر شمس الدین فقیر تخلص دهلوی عباسی گرفته و تخلصش نیز بخشیدهٔ ایشانست. اگرچه همگی اشعارش هنوز از ایراد نیستند لیکن همه باسلوب واقع با مولف این سطور مربوط و اکثر بنشاط اختلاط مسروری سازد او راست:

من اسیر دام آن زلف دوتا خواهم شدن ——— از پریشانی بصد غم مبتلا خواهم شدن

مخو دامن کشان سوی چمن ای گل کمی ترسم ——— برآرد از دل مجروح بلبل آرزو دستی

پریرویی که دلها در غم زلفش پریشان شد ——— نظر انداخت در آئینه و بر خویش حیران شد

بلب نا آشنا گردان پریرو ساغر می را ——— ز حسرت شد دل پرخون کباب آهسته آهسته

کشاده عقدهٔ دل جستم از زلفش ندانستم ——— که خواهد شد از ان در پیچ و تاب آهسته آهسته

چه نیکو ساعتی باشد که عرض مدعا گویم ——— بآن خورشید سیما بی حجاب آهسته آهسته

لالهٔ رخسار تو باعث زین چمن ——— سینهٔ پر داغ من رشک گلستان عشق

مهر جهان سوز تو انجمن آرای دل ——— آه شرر بار من شمع شبستان عشق

حلیم، حافظ حلیم:

ولد مهتر شاه کلیم الله از مستفیدان شاگرد گرامی پسر بزرگتر محمد عبد الغنی بیگ قبول عزیزیست، بلباس فقر در آمده در عالم اختلاط و گرم جوشی بعالم گرم بر آمده بشیوهٔ نرمی یگانه و بزبان آوری در محافل و مجالس مقبول خواطر اعاظم و اکابر زمانه بخدمت اکثر ارباب صاحب کمالان عصر رسیده و بموزونیت طبع به بذله سنجی مشهور گردیده. بعد خرابی دهلی و وفات علمای آن شهر که بوعظ اشتغال داشتند باوجودی که از فضایل علوم عربی عاریست چندی وعظ گوئی گفت. من بعد بصوب صوبه اود

دست از جهان نشسته بحق در نیاز بود — ناهرده وضو نکرده بفکر نماز بود

بلبلان چون بچمن زمزمه بنیاد کنند — یادی از حسرت مرغان قفس زاد کنند

جدای شد نصیب آنکه خنده لبها را بیکدیگر — بروز خوش فلک از بهر ما نم دوای سازد

نه بلد آشنای دعشق راه دارد — بچه کار آید این دل که کسی نگاه دارد

این باشد بعالم خاندان کفر و دین روشن — دلم شمعیست کاندر کعبه و بتخانه می سوزد

زنده در گور بی تو می سوزم — همچو اخگر بزیر خاکستر

هلاک نازتو یا منکر و نکیر زناز — دهد بگوش ابر وجواب درته خاک

سوخت برق جلوهٔ این سرو قد تا پیکرم — چشم قمری می شود آئینه از خاکسترم

خود قاصد خود گشتم از رشک وز ناکامی — پیغام شد از یادم گم گشت کتابت هم

سرگشتگی بعالم هست — برگرد سرت چرا نگشتم

مصرع اوّل بتفاوت یک لفظ بنام میر جملهٔ معظم خان شهرستانیست واین چنین است:

افتادگی بعالم هست — دریای خمی چرا نغلطم

هم او راست:

حاکم بشهر قحطی از اطفال و سنگ نیست
دیوانه نیست تا که بصحرا رود کسی

دهد اهل نظر را زینت ظاهر پریشانی
که آرد خانهٔ چشم از سفیدی رو بویرانی

حاجب محمد مومن مشهدی:

طبع رسا و بطرز سخن آشنا بود. اگرچه کم گو است اما خوش فکر پاکیزه گو ست. جناب افضل المتاخرین شیخ علی حزین نوشته که او کهن سال بود که در مشهد با فقیر ملاقات نمود. بغایت گداز و قانع و بی ساخته دیدم هم در شهر خود درگذشت، و در ارض مقدس مدفون گشت، از وست:

صرف گداز کردم عهد جوانی خویش — چون شمع در عزایم ز آتش زبانی خویش

ز ه میگوید این شعر و رباعی ایشان شاهد این گفتگوست :

ای شمع مپرس سرگذشتم　　خاموش که من ز سرگذشتم
　　　　　　　　　　رباعی
جانا ز تو امید نگاهی داریم　　امید نگاهی ز تو گاهی داریم
ما کشتهٔ چشم سرمه سایی حسن　　نی ناله و نی فغان نه آهی داریم

حیا، هشیو رام :

پسر راجه بهوگ مل اسد خانی شاگرد میرزا عبدالقادر بیدل مرحوم صاحب دیوانست، از اوراست :

چو زنبور عسل در جان خویشم　　مرا در خانهٔ خود نیز جا نیست

حقیری، کریم بخش :

اصلش از هنود کنبوی ملتانست به شعر و شاعری مشغوف قریب به بیست هزار بیت گفته دیوانی ترتیب داده در تتبع محمد طاهر غنی کشمیری در جواب غزلها و ابیات یک یک دو دو غزل گفته است و بنا بر مصاحبت آن قوم با کشمیری در برابر او نیز خان آرزو نوشته که دیوان خود را پیش من آورده چون دیوان کلانست چهارم حصه دیدم بجهت اشتغال دیگر فرصت نشد که تمام ملاحظه کنم دیوان پیش فقیر گذاشته رفت باوجود که از بیست سال آشنا بود، از راه بیدماغی ترک ملاقات کرد، از اوراست :

عشق ظالم دوست چون حاجت کسی بنیاد کرد　　آنچه با پرویز می بایست با فرهاد کرد
چو آهی بر سر خاکم دمی واسوخت عاشق را　　گل رنگین نه زیب گوشهٔ دستار می باید
بکوی دوست روانست کاروان سرشک　　تو نیز گردی ای دل غریب قافله ایست
مقبلان نکته نگیرید بهوز سیهم　　که سیه روزی من از روی زمین خالست
عمریست که دل شیفته بوالعجبیست　　کارم افغان و ناله نیم شبیست
کم می فهمم زمانه می فهمد بیش　　میگویم فارسی و داند عربیست
　　　　　　　　　　رباعی
هرچند که سرو هم قدی داشته است　　وز عالم بالا مددی داشته است
لیکن در اعتقاد معنی فهمان　　مصراع قد تو آمدی داشته است

آمد در لکھنو کہ حالا مامن و مسکن آوارہ شدہ ہای ہندوستانست رحل اقامت انداختہ ودر مجلس م
بجناب قدوة الاصفیا شاہ مینا قدس سرہ کمی نسبت بوعظ پرداختہ ناحق خود را باصدق این
مقال ساخت:

واعظان کین جلوہ بر محراب و منبر می کنند — چون بخلوت می روند آن کار دیگر می کنند

بہرحال الی یومنا در حیاتست و صحبتش خالی از لطف نیست، اکثر اشعارش بطرز اسحاق طرہ ست وشیرینی
بیانش در مذاقہا گوارا و بامزہ تر از وست۔ وتخلصش خیلی مناسب این قسم گفتگوست با مؤلف مکرر
ملاقاتہا اتفاق افتاد، روزی در مجلس خان عالی شان غلام حسین خان کہ از نجبای این ہندوستان جہان آباد است
سخنی از مذہب خود می گفت، چون من وارد شدم وتقریر مسئلہ از مذہب امامیہ کردم و بر حرف او دم
اسناد بوسعت مشرب او سخن خود برگشت وتصدیق کلام می نمود از آنروز ہرگاہ با من اتفاق ملاقات
می شد در ولای شاہ ولایت علیہ السلام شعرہا میخواند۔ والدش را نیز دیدہ بودم مرد درویش ہم سخن
اہل بود، او راست: ہرچند این بیت خلاف عقیدہ اوست لیکن بنابر لطف تخلص گفتہ است:

لہٗ:

در محرم ہر کہ جوشد چون حلیم — بی تکلف صاحب ایمان بود
باور این حرف توان کرد طبیبان از من — می برد ضعف دل آن سیب زنخدان از من
چو طباخم نہ تنہا ہست در مطبخ کدو دستی — بآتش رشتہ ہمچون شانہ دارم مو بمو دستی
ہر گہہ کہ بخت بہر کسی ماحضر شود — عمرم چو شمع صرف بطبخ نظر شود
زوعدہ ہا کہ بخود کردہ ام یکی اینست — کہ در فراق تو بسیار گریہ خواہم کرد
ہر سرو قدی راز رسد دعوی بالا — جز سرو قدت سلمہ اللہ تعالی

حسن، میر غلام حسن دہلوی:

ولد میر غلام حسین جوان خوش اختلاط صاحب طبع است۔ با مولف آشناست۔ در تہا شہر کشتہ بجہان
باد آمدہ در فیض آباد کہ بدین گاہ شہرت گرفتہ معہ والد مقیم در شعر ریختہ کہ عبارت از زبان مختلط ہندی
فارسی و روزمرہ ہندوستان زبان ست بسیار ماہر وخوش گوست، شعر فارسی ہم گاہ گاہ میگوید

نوادر زمان بود. بعد از فوت عم بزرگوار میرزا اشرف که در سنه هزار و سی و چهار [illegible] مائل شده بیک سال رحلت کرد جناب افضل المتاخرین شیخ محمد حزین مرحوم کلک گهر سلک نموده که میرزا غیاث الدین الابد عمر بموزونیت طبع بشعر و شاعری مربوط بصفت بندی در منقبت گفته به نظر طهیر الانام تعرشی گذرانید ایشان بتوصیف آن صفحه نوشته اند در غزل و در رباعی گاهی بموافقت فقیر دری می سفت، از وست

هر که زیبای جهانست به زیبائی تست — حسن هر جا که رود محو تماشائی تست
کنه از ذره مبین جز بجهراست رسا — عذر سرگشتگیم جلوهٔ هر جائی تست
آن گل رعنا بطفلی صد چمن نیرنگ داشت — غنچهٔ امید ما ناشگفته چندین رنگ داخت
چون موی میانت خبر از هیچ ندارم — آواره عبث تهمت هستی بمیانم
شمع پیدا از لبشها محنت پروانه را — قدر عاشق را کسی داند که داغش بر دلست

رباعی

ای مهر سپهر ما خلقت الافلاک — ذر هر چه نیاید و نمی شاید پاک
در نیست که نیست سایه اندام ترا — یعنی که شبیه تو نیفتاده بخاک

خوشتر، میرزا فضل الله:

ولد میرزا افضل سرخوش صاحب کلمات الشعرا خط نستعلیق بنهایت خوبی می نوشت و باهلیت لطف طبع اتصاف داشت، او راست:

بسکه سرگرم فنا گردیده ام مانند شمع — قطع راه زندگانی را بیک پا میکنم
می شود وا همچو گل از رشته کارم گره — غنچهای بند قبایش را اگر وا میکنم

در وقتیکه از محبوب خود قاسم قنادی سوء مزاجی بهم رسانده تعلق بیوسف نام جوانی پیدا کرده گفته است

از بسکه ز عشق اعتبارست مرا — هر دم بشکر لبی مدار است مرا
از قاسم قناد گذشتم خوشتر — با یوسف مصری سر و کارست مرا

لطف لفظ مصری که بزعم خود داشته در این رباعی گذاشته بر زبان اهل فارس لطف ندارد که لفظ هندی است -

(خ)

خلیل، میرزا:

خراسانی الاصل والمولد است نشو ونما در هندوستان یافته، جوان، قابل، خلیق، خوش تحریر، وملنفی بی‌نظیر بود، در ملازمان زیب النسا بیگم جهین صبیه محمد اورنگ زیب عالمگیر بادشاه منتظم و زیب المنشآت که تالیف بیگم است ترتیب داده اوست. مؤلف مرآت الخیال نوشته که میرزا خلیل وقت تسوید این اوراق در شهر عظیم آباد پٹنه بخدمت عمده سرکار بادشاهی مثل سوانح نگاری قیام دارد سنش از چهل متجاوز است در نظم ونثر پایه عالی ومرتبه علیا دارد. با میرزا سرخوش صاحب کلمات الشعرا نیز مربوط بود من گلزار خیاله:

حاجت بگفتگوی ندارد بیان ما   سوزد چو شمع بر سر حرفی زبان ما
سامان نو بهار باین تازگی کجاست   رنگ شکسته ریخته طارد خزان ما

———

برای خاطر مجنون بهشت زندانست   هوا یکیست اگر خانه در بیابانست
غم وطن نبود در دل مسافر عشق   بچشم آنچه رسد سرمه در صفاهانست

———

بهر که می نگرم حرف آن دهن دارد   ز هر کسی شنوم از لبش سخن دارد

———

بدام افتادنی در طالع من هست پنداری   طپیدنهای دل را دیده ام بر خود سکون دارم

———

مجمر تن کو بسوزد سینه کو پر دود باش   هر کجا خال خط بینی سپند و عود باش
می طپد دل در برم گر نامهٔ داری بده   میروم از خود اگر داری پیامی زود باش

———

کمر کوه شود خم ز گرانباری عشق   بار درد و غم یاقوت لبان سنگین است
گل گلزار محبت جگر صد لخت است   غنچهٔ نورس این باغ دل خونین است

خیال، میرزا غیاث الدین محمد:

خلف الصدق مرحوم میرزا صدرا ولد اوده عالمت المتألهین میر باقر داماد اشراق تخلص علیهم الرحمه بعلو حسب ونسب ممتاز وبمصاهرت آقا جمال ولد رئیس العلما آقا حسین خوانساری سرافراز واستفاده بسیاری از خواص الحضرت ایشان نیز کرده در فضل وکمال یگانه افاضل صاحب عرفان ودر تقوی وپرهیزگاری

خویش را ساخته بودم بهوس قاصد خویش — چون رسیدم بتو پیغام خود از یادم رفت

فغان که این مراد شکست کعبه دل — رسانده اند باصحاب فیل سلسله را

کردیم بیقراری سیماب را علاج — آما نیافتیم علاج قرار دل

نوخطی عکس عارض در شراب انداخته — آه ازین کافر که مصحف را در آب انداخته

حیف باشد که شود چهره بآن روی لطیف — بشکن آیینه که از صحبت او بیزارم

خادم بدست خوبان از بهر قتل عاشق — هر ناخن حنائی شمشیر خون چکانست

رباعی

عمریست که بیدماغم از تنگدلی — هرگز نبود فراغم از تنگدلی

از پهلوی دل درین گلستان خراب — چون غنچه لاله داغم از تنگدلی

خرد، خواجه یحیی خان:

نواده عالی جاه ذکریا خان صوبه دار لاهور خوش اختلاط بود، از اوایل سن تمیز بشعر و شاعری پرداخته باختلاط شعرا و اهل سخن عمر عزیز بسر ساخته و با اکثر سخن سنجان هم صحبت داشته. بعد خرابی دهلی از فطرات احمد خان ابدالی بصوب صوبه اوده آمده چندگاه زیسته فوت کرد، آورده است:

در کعبه ناتوانی ما را الهی رساند — از خانه تا بمسجد شاید خدا رساند

خوشگو، بندرابن:

از قوم بیس ست که فرقه ایست از نجبای راجپوت هند از اولاد راجه سالباهن که معاصر راجه بکرماجیت راجه مشهور هندوستان بود و معارضه و مناقشه او با راجه مذکور در افسانه های هندی مشهور. حالاتش خالی از غرابت نیست خوش فکر ست و مهارت بسیار درین فن از تتبع کلام اساتذه و صحبت اهل سخن پیدا کرده در تلاش مضامین تازه بود. تذکرة الشعرای از شعرای زمان متقدمین تا شعرای معاصرین خود بنام عالی جاه عمدة الملک امیرخان انجام مرحوم نوشته و بخدمت مرتاسر خوش و میرزا عبدالقادر بیدل و شیخ سعدالله گلشن رحمهم الله رسیده استفاده فن سخن نموده حالات آنها نوشته

خانع، کشمیری:

اصلش از ایران ست در کشمیر مسکن داشت۔ از موزونان زمان محمد شاه بادشاه ست، اوراست:

جلوهٔ سرو تو دیدیم و زمین گیر شدیم — آن قدر محو تو گشتیم که تصویر شدیم

خسرو، میر:

از موزونان همان زمانست اشعار بسیار گفته، اوراست:

شد داغ سینه باغ از سیر لاله زارم — آخر گل گریبان گردید خار دامن
دیوانهٔ عشق ترا هر رنج راحت میشود — سنگی که آید بر سرش سنگ جراحت میشود

مولف گوید که خان آرزو بر شعر صحب علی خانِ حشمت بدستخط خود نوشته که سنگ جراحت لفظ فارسی نیست و در محاوره و اساتذه فارسی نیامده است عاجز در اشعار مردم ایران دیده از انجمله رشدی لاهجی که از شعرای مسلم الثبوت عهد خود است گوید:

رشدی بنشین مست ز ابشکن — در ران مطلب دل دوار ابشکن
از خانه برون سنگ جراحت بارد — تا سر بود شکسته پار ابشکن

خادم، نظر بیگ دهلوی:

جوان قابل مستعد خوش اختلاط، خوش صحبت، شگفته رو بود۔ قوت حافظه مرتبهٔ داشت که بشنیدن یک مرتبه غزلهای طولانی از بر میکرد۔ در عین جوانی او اخر عهد سلطنت محمد شاه فردوس آرامگاه رحلت کرد۔ خدایش بیامرزد که بسیار عزیز کسی بود۔ با شعر شوق مفرد داشت۔ درین فن شاگرد میر افضل ثابت مرحوست، اوراست:

گر کند از قفس آزاد مرا — می کشد دوری صیاد مرا
هوش دید و ز شرم آب نشد — حیرت از آینه رو داد مرا
ایکه میگوئی دم مردن فراموشم مکن — مگر می میرم برای اینچنین فراموشت کنم
چه بلاست که بهر کس ذمن کشد سخنی — برده به تیغ جفا چون قلم زبان مرا

شفیع مستوفیست از اکابر سادات عالی درجات بعلو نسب و حسب و جلالت شأن معروف ، بفضایل و کمالات ذات موصوف مادرش صبیه زادی شاه عباس ثانیست خودش دختر شاه سلیمان صفوی شهربانو بیگم در حقد داشت و بمنصب رفیع تولیت روضهٔ رضویه علی صاحبها السلام والتحیه سرافراز در حسن اخلاق و خصال پسندیده و عبادت و تقوی ممتاز در سخنوری دستگاهی عالی واز هر نوع اشعار بسیار دارد ، در سنه هزار و یکصد و سی و سه ۱۱۳۳ھ در اصفهان رحلت کرد - مولف ید بیضا اورا از شاهزاده های صفوی نژاد نوشته بجهت نسب نسبت مادرش قیاس کرده باشد لیکن اطلاق لفظ شاهزاده بغیر پسر پادشاه نتوان کرد و آنچه خان آرزو ثبت کرده که بعد انقراض سلطنت صفویه و نادر به نسبت بقرابت خاندان صفویه پسرش را بر تخت سلطنت ایران نشانده اند اینهم صحت ندارد در زمانیکه شاه سلطان حسین گرفتار محمود افغان گشت و در ایران بهر طرف فتنه ها سر بر آورد سید احمد نواده آن مرحوم در کرمان دعوی پادشاهی کرد و بدست سپاه اشرف افغان خانهٔ سر در سرای کار داد بهر حال از نتایج طبع اوست :

بی تو از شعلهٔ آه دلِ دیوانهٔ ما ــــ سیل دودی شده برخاست ز دیرانهٔ ما

روشنی از خویش می باشد دلِ پُر نور را ــــ شعلهٔ شمع از رگِ سنگست کوه طور را

خاکساری های ما را طرفه اوجی داد عشق ــــ آسمان ماند بزیر افتد اگر دیوار ما

جام گل کاسهٔ دریوزهٔ بلبل گردد ــــ بچمن آرد اگر باد صبا بوی ترا

بجزو لایتجزا کند حکیم اقرار ــــ ببیند از متکلم دهانِ تنگ ترا

قرض از مرتبهٔ مردمی انداخت مرا ــــ بسکه این بار گران بود سبک ساخت مرا

اگر صاحب سخن کامل شود خاموش میگردد ــــ گره چون از زبان غنچه واشد گوش میگردد

ز خط پنداشتم حسنت ز اهل هوش میگردد ــــ چه دانستم که این جدوار از دل پیش میگردد

بنگ غم زینت فزاید خاطر بی کینه را ــــ بال طوطی سبزه باشد گلشنِ آیینه را

چون گلم نیست ز عریانی تن پروای ــــ دارم از خون جگر خلعت سر تا پای

افتاد بکمند زلف تو و کام گرفتیم ــــ شب بر سر دست آمد و آرام گرفتیم

صد بار تو اوسکه بر لبِ پا بشتابیم ــــ بتخالِ حسرت طلبم آبله پاست

با فقیر از مدت بیست و پنج سال آشناست۔

بسکه پاینده اخلاص او بود بیچ نگین خود؛ "آرزومند فضل او خوشگو" ساخته۔

اوایل نوکری پیشه بود آخر ترک لباس اهل دنیا کرده فقیر شد۔ حالی جاه مغفور مسطور دو روپیه یومیه بر سایر الٰه آباد که نظامت آنجا بایشان تعلق داشت بتمام او مقرر فرمود تا نواب مرحوم در حیات بودند می یافت بعد هلاک ایشان بسمت مشرق رفت، گاهی در عظیم آباد پتنه و گاهی در بنارس بسر می برد۔ حالا معلوم نیست که زنده است یا خاکستر آتشکده فنا شد، او راست،

روز و شب رهمیروم امّا طلبگار خودم ___ نقش پای خود بود رهبر طلبگار مرا
اگر معراج بخل ممسکان دور ما اینست ___ خداوندا غریق بحر رحمت ساز قارون را
مرکب از سواد دیدهٔ یعقوب کن خوشگو ___ رقم سازی اگر تاریخ مشتاقان محزون را
چو رنجی که به گردد از قطع عضو ___ بعشق تو شد درد درمان ما
چند معمار دل ویرانِ من خواهی شدن ___ این سرای نامبارک قابلِ تعمیر نیست
واعظ مطلب علم و ادب از من بیخود ___ من علم ندارم ز خود الله علیمست
آواز تیشه امشب از بیستون نیامد ___ شاید بخواب شیرین فرهاد رفته باشد
بیتو گر جام می بکف گیرم ___ آفتاب گرفته بما ماند
تابوت مرا از تو گلی فاتحه نیست ___ این رسم کهن حیف بعهد تو برافتاد
موجود گر نه بودیم معدوم هم نبودیم ___ امروز از کجاییم گر در عدم نه بودیم
آئیم بدان تا برخ خوب تو بینم ___ آئینه بکف پشت بسوی تو نشینم
بسکه از عمر مرا بیزاریست ___ عمر دشمن ز خدا میخواهم
شیشه چند از گلاب اشک دارم در بغل ___ میروم تا شست و شوی تربت مجنون کنم
برای یار تعظیم رقیبان هم ضرور افتد ___ بشوق بت نخستین سجده در پیش برهمن کن

داؤد، میرزا؛

خلف الصدق میرزا عبدالله عشق تخلص مستوفی موقوفات ممالک محروسهٔ ایران و غیره میرزا

دل، میرزا ہاشم:

از اعزه سادات ارتیمان و نواده میرزا ابراهیم ادهم بن میرزا رضی ارتیمانی است بجوهر کمال و مروت و حسن شجاعت و فتوت متجلی بود، در هنگام فترت ایران و تسلط افاغنه بر اصفهان برخی از سپاه غلزه بطرف همدان گذار کردند. میرزای مذکور باقتضای غیرت فطری و شجاعت ازلی با دو صد کس پیاده سوار از تابعین خود با لشکر همدان عازم دفاع افاغنه شد. چون این فوج بنسبت با سپاه مخالف بسیار کم بودند، همدانیان طاقت حرب نیاورده منهزم گشتند، آن مرحوم پای استقامت استوار داشته باهمه همراهیان شربت فنا چشید. وقوع این امر در سنه هزار و یکصد و سی و چهار ۱۱۳۴ھ بود. اوایل هاشم تخلص میکرد وقتیکه در اصفهان انیس افضل المتاخرین شیخ محمد علی حزین گشت، التماس تخلص از ایشان کرد جناب شیخ این رباعی نوشت:

ای ماه دو هفته کاملت میخوانم　　نور دل و شمع محفلت میخوانم
اظهار تخلصی نمودی بحزین　　خود جان جهانی و دلت میخوانم

خان والا ادرا نواده میرزای رضی ارتیمانی نوشته و شیخ موصوف نواده پسرش مرقوم فرموده چون با شیخ مودت تمام داشت سخنش صحت دارد. از افکار آن سید عالی تبار است:

قفس درهم شکن تا خویش را در لامکان بینی　　برآر از دام تا خود را همای پرفشان بینی
شهیدم چشم قربانی کجایی　　شب وصلست حیرانی کجایی
لباس هستیم بار است بر تن　　سبکباری عریانی کجایی
در صبح سعادت بسته کردند　　گشاد چین پیشانی کجایی
خمار هستیم از درد سر گشت　　شراب بزم روحانی کجایی
گل باغ کی بچشم من نیاید　　که بدیده خیالت مژه خار آید و دست

درد، خواجه میر:

خلف الصدق خواجه محمد ناصر عندلیب تخلص علیه الرحمه از اولاد دختری خواجه بهاء الدین محمد نقشبند قدس سره و بعلو فطرت و استقامت طبع موصوف و بفقر و فنا و حلیه کمال و مروت متحلی [illegible]

لعل لبت در تب و تابست دل ما   در آتش یاقوت کباب است دل ما

مؤلف ریاض الشعرا نوشته که سلطان حسین صفوی این سید ستوده خصال را برای تفویض وزارت اعظم بدار السلطنت طلبداشت میرزای مذکور بآن همداستان نشد و دران باب قصیده گفته فرستاد این قطعه از آنست :

دوش در واقعه با چرخ تراغم افتاد   من بیک حوصله و چرخ بسی هرزه درا ست

زیج میکرد جهان را دمن در ونشش   مشت خاکی ز در شاه خراسان میخواست

گفتم ای چرخ تو هرچند که پر زور تری   لیک شد پیچ و شری خیر نمی آید راست

ذره خاک درش را بدو عالم ندهم   حالت از تو و فلک از من و سودا بر جاست

دانا ، ملای کشمیری :

از علوم رسمی مستفید در نظم و نثر وحید بود ، اوایل منشی عالی جاه امیر خان خلف خلیل الله خان نعمت الله شاهی بود در عهد سلطنت محمد فرخ سیر مغفور با عبد الرحیم فارغ بشاهنامه نویسی حالات بادشاه شریک بود صاحب کلمات الشعرا نوشته که در معنی بندی تلاش بسیار داشت ، ازوست :

در عشق ابلهیست بتقلید گفتگو   این راه را چو سلسله بپای کشان مپو

اضطراب اندرین حیلیست دانا چون هلال   معبر بر جسته باید کو بس انتهای رسد

تو و با غیر می نوشی من و از درد دیدنها   تو و بر گردن ساغر من و حسرت کشیدنها

مه بالا می شود کیفیت صحبت ز مو زونان   من و مصرع رسانیدن تو و قامت کشیدنها

در جواب این قطعه قصیده ملا علی رضا تجلی :

این قبهٔ مقرنس آسوده از شکست   از زور پنجهٔ غضبش گر خورد فشار

در زیر هفت پرده افلاک خون شود   جرم ستارگان همه چون دانهٔ انار

قصیده در مدح حضرت امیر علیه السلام گفته ، قطعه الیست :

گر گوهر الیقوت سر پنجهٔ غضب   آن مظهر جلال الهی دهد فشار

در چشمه سار آب جواهر بدل شود   گرده فسرده معدن یاقوت چون انار

پهلوان الشعرا میگویم فی الحقیقت از موزونان عصر تا حال کدام اینقدر قوت گفتن ندارد۔ دیوان اشعارش ضخیم است۔ این چند بیت از ایشان است:

جان و دود سینه مجمر و دل در بر آتشی — در خرمنم قضا بود آتش در آتشی

(ذ)

ذبیح یزدی:

از مردم دارالعباده یزد و عزیز سیاح پیشه از خطرات دنیا بی اندیشه بود۔ بتجرد و منفرد گزراندن فرد زمانه و بلطف طبع یگانه بکرد. بطواف حرمین شریفین سعادت اندوز گشته بهندوستان وارد شده با وزارت خان عالی که از امرای بادشاه محمد فرخ سیر بود اکثر ملاقات میکرد. بزعم مؤلف همان ذبیح تخلص مذکور است روزی بخانه خان مذکور جمعی از امرا و شعرا جمع بودند ذبیح نیز وارد می شود۔ همه از خان می پرسند که این کیست، گفت شاعر است، هر همه تکلیف شعر باو کردند، این دو بیت برخواند:

در حقیقت مرد دنیادار کوری بیش نیست — مال و جاهش مایهٔ عجب و غروری بیش نیست

یا منه آنجا اگر بهر قضای حاجتی — خانهٔ اهل دول جای مزوری بیش نیست

ذهین، حسن علی خان:

برادر خرد برهان علیخان امارت مرتبت و خلف شیخ معزالدین خان در اصل خان موصوف از اعاظم نجبای مرادآباد من مضافات دهلی و در شجاعت و دلاوری یکتای زمانه است لیکن از یک دو پشت استقامت در لکهنو دارند از مشاهیر عهد و اعیان و رؤسای این شهر است۔ خودش جوان خوش اطوار، نیک کردار، صاحب همت، و مردیست فی الجمله تحصیل علم نیز کرده بشاعری رغبت نمود۔ دیوانی مختصر ترتیب داده و استفادهٔ این فن در خدمت مرزا محمد فاخر مکین سلمه الله تعالی نموده است[۱]

قتل ما گر رضای تست چه باک — بلکه عین رضای ماست اینست

رفت بیگانه وار از بر من — آنکه میگفتم آشنا اینست

۱- پس از اینجا بیاض

صاحب درد است و بمناسبت سلسلهٔ خویش در مراتب تصوف مربوط نسخه مانند لوایح مولوی جامی بخوبی نوشته و نام آنرا واردات نهاده - الی یومنا هذا در شاه جهان آباد رونق افزا است - در اشعار هندی حافظ شیراز وقتست - رباعیات فارسی هم خوب میگوید از آنجاست :

بر دوش هوا بسته نفس محمل ما | حیفست که بیدیر نبوسی در دل ما
حل همچو حباب گرچه کردیم ولی | جز هیچ نداشت در گره مشکل ما

یک عمر ز دور می شنیدم اورا | در بر بخیال میکشیدم اورا
اکنون که چو آمینه رسیدم پیشش | خود را او دید من ندیدم اورا

گه درد ترا غفلت خود کرد خراب | گه آگهیت فگند را اندر تب و تاب
ای بیخبر این همه غنودن تا کی | بیدار تمام باش یا خوب بخواب

ناچار ایدل در جهان باید زیست | هر چند که شد زیست گران باید زیست
مردن بمراد خود میسر گر نیست | چندی بمراد دیگران باید زیست

جاهل طبیم گرچه با عرفانیم | طفلیم هنوز گر مطول خوانیم
حرفی از ما اگر بباید پرسید | ما میدانیم انچه ما میدانیم

هر صبح چو صبح سینه شق باید کرد | هر شام جگر خون چو شفق باید کرد
هر هستی بی ثبات خود چون شبنم | سر تا قدم از شرم عرق باید کرد

گر قطرهٔ آبیم و گر در شده ایم | نی صورت عجز نی تفاخر شده ایم
محتاج کدام کیست محتاج الیه | پیمانهٔ عمریم ز خود پر شده ایم

دیوانه ، رای سرب سکه :

خواهر زاده امارت پناه راجه جهانراین هندر بهادر دیوان عالی جاه وزیر الممالک شجاع الدوله بهادر اصلش از قوم کهتری است که از طایفهٔ اشراف ور بین ملک هندوستانند خودهم بر مناه مشهور د سن اخلاق واکثر خوبیها متصف و بسیار خوش اختلاطست با فن شعر رغبت مفرد دارد و قوت رسایلش بجز نهایت است که هر روز پنج شش غزل بلکه زیاده میگوید ، مولف الفلاه و الی تو کاشانی

مؤلف گوید که شعر از ناصر علی ست. درحقیقت مصرع اوست لیکن آن مرحوم چنین مصرع انقدر خوب بہم رسانده که مالک این بیت گشته است، ہم ازو است:

آن سیّد انبیا و آن فخر امم | رمزیست که از سایه نیفراخت علم
یعنی قابل بسایه افگندن نیست | دنیای دنی به نزد ارباب کرم

در در نجف نیک نظر باید کرد | رمزیست که دوست را خبر باید کرد
معکوس نمودنش دلیلست چنین | یعنی بر رہش پای ز سر باید کرد

گویی که نالہ میکند وقت سحری | دانی غرضش چیست ازین نوحه‌گری
یعنی که گھڑی گھڑی شود عمر تو کم | پیمانهٔ عمر پُر شود تا دگری[1]

رافع، محمد صالح ہمدانی:

در ابتدا صالح تخلص میکرد از عراق بہند آمده در ملازمت شاه عالم بهادر شاه بسر میکرد اشعارش در سفینهٔ مرزا حسین بیگ داروغهٔ قلعهٔ اسیر که در سنهٔ ہزار و ہشتاد و سه (۱۰۸۳) تحریر یافته مرقوم ازو است:

ز درد آخر درین ہند جگرخوار | به پہلو خشک شد دستم سبودار
مگو دردی که درد من زیادست | که درد من بیک پہلو فتاد است
کنم چون عزم رفتن یکقدم وار | بدست دیگری کردم چو پُرکار
ندارم شکوه از یار و اغیار | مدام از پہلوی خویشم دد آزار
اگر دشمن زمن پرسد وگر دوست | چو موسیقار فریادم ز پہلوست

از سفینهٔ مذکور است:

بیخودی فوج آرمیدهٔ ماست | رم آہو صفت کشیدهٔ ماست
نارسای رسایی دارد | دست کوته کمند چیدهٔ ماست
رم آہوی وحشتم گردیست | دشت آوارگی دویدهٔ ماست
ما و دل ہر دو داغ یک نمکینم | تلخ و شور جہان چشیدهٔ ماست

۱- اصل: گری

ازین ترکان حذرکن شوخ چشمی   بتیغ غمزه قتل عام کردند
خوشا حال شهیدان محبت   که در خاک رهت آرام کردند
رفت ما را حسرت دیدار ماند   حسرت دیدار او بسیار ماند
گفته بودم راز دل گویم باو   تا باو گویم زبان از کار ماند
لحظه لحظه بتو دارم ای بت دلخواه آه   گاه گریه گاه ناله گاه زاری گاه آه
بیدوست حیات جاودانی کم جوی   کم جوی نشاط و شادمانی کم جوی
چون حاصل زندگی وصال یارست   گر نیست بمیرو زندگانی کم جوی

(۳)

رضائی، محمد مشهدی:

مرد صالح منفرد معاصر تقی اوحدی ست، اشعارش خالی از تلاش و نازکی نیست۔ و اسوخت در تتبع ملا وحشی بسیار گرم گفته۔ سراج الدین علیخان آرزو نوشته که غالباً او بهند آمده و جواب بعضی از غزلهای شاه ناصر علی سرهندی گفته۔ مؤلف گوید درین صورت عمر دراز یافته باشد از افکار اوست،

اگر خاموشم از توصیف لعل یار معذورم   بتعریف احتیاجی نیست آب زندگانی را
جا دادن خس بر مژه هنگام پیدن   رمزیست که بیکار مبین دار خسی را
تا عقیق کنده را دیدم بخود گفتم دریغ   سنگ پهلو میکند خالی ز ننگ نام ما
مشو هنگ محک دل عیاران که   که مجنون ابر رحمت میشمارد سنگ باران را
زینت ظاهر غبار چهرهٔ دل میشود   نقش جوهر فرد باطل می کند آیینه را
چه داغها که ندارم ز دست دوری یار   خزان رسیده گلم باد نوبهارم سوخت
مشتاق زر چگونه کشد سر ز پای گنج   قارون بخاک رفت فرو از قفای گنج
رهروانی که نظر بر قدم دل بستند   چون شرر بر نفس سوخته محمل بستند

خان آرزو گوید مصرع اخیر از ناصر علی ست و پیش مصرعش چنین است :

برق تازان فنا تا کمر دل بستند

همزبان راسخ خوش خیال | دریغا که آن آفرین جان سپرد
چو تاریخ فوتش دل از عقل جست | خرد گفت با دل که راسخ بمرد

اشعارش در حین حیات او شهرت گرفته بایران رسیده و مرزا طاهر نصیرآبادی در تذکرهٔ خود مرقوم نمود۔ مثنوی هم گفته ست بسیار دقیق و بداد و فریاد مسمی ساخته ۔ این بیت ازانست :

تراشم خامهٔ از نبض فرهاد | نویسم نسخهٔ از داد و فریاد

من اشعاره :

یاد از شام غم ناله خموشان کردیم | مشق از سر گرفتیم و پریشان کردیم
جامهٔ صبر ببالای جنون تنگ آمد | آنچه از دست برآید بگریبان کردیم

خان آرزو می نویسد که بعضی از شعرای هند بر مصرع اول بیت دویم اعتراض کردند که جامه بر بالا کوتاه می باشد نه تنگ لهذا میر محمد زمان مصرع را دور کرده چنین گفت :

کوته کرد ببالای جنون جامهٔ صبر

لیکن بر متامل ظاهرست که درین صورت معنی از پایه می افتد و پیش فقیر آرزو جامه ببالا تنگ آمدن صحیح و سند آن در کتاب چراغ هدایت که بسراج الاصطلاح شهرت یافته نوشته ام ۔ مولف این اوراق گوید که مرزا سرخوش که هم مشق میر راسخ است شعر همچنان نوشته و ذکر مصرع دویم هم نکرده شاید که اشتباه باشد ۔ بهرصورت این لفظ درست است خواه آمن که از غایت اشتهار بے نیاز از اظهار و شناست و مسلم که جامه بر قد تنگ آمدن نسبته ست چنانچه گذشت و این انیست :

هر که آن یوسف گل پیرهن انداخت قبا | جامه بر قد عزیزان دگر تنگ آمد

و این سند ست برای شعرای متاخرین و سند این شعر در ذیل نام خواجه از کلام قدوة الفضلا مولانا شرف الدین علی یزدی طاب ثراه مرقوم شد، هم آنجاست :

زگلگشت چمن بیرون چو آن سرو خرامان شد | کشاد باغ بلبل باغ را چاک گریبان شد
خرابیهای عاشق بر فزون بود از نگه خسارش | پریدنهای رنگم آتشش را باد دامان شد

بود از درد وحشت تشنهٔ در خون طپیدنها | شود دامن ته پا صید را اگر در رمیدنها
جهانی دیگرم پیدا نباید کرد ازین عالم | چو چشم خفته بگذشتم بیابان آرمیدنها

نازپرورده دایه‌ای دردیم — شیر پستان غم مکیدهٔ ماست
آرزو گرد دل نمی گردد — مدعا آهوی رمیدهٔ ماست
برق شبهای تیره روزیها — نفسی از جگر کشیدهٔ ماست
نغزوشی بهفت رافع را — کو غلامی بزر خریدهٔ ماست

رفتم زیاد خویش که آیم بیاد داد — پنداشتم بخاطر او می توان گزشت
آهم بشوق آنکه بیاد تو میکشم — تا آسمان ز سینه می گلفشان گزشت

کار دل اندوه ناله خدا ساز شود — گره غنچه بامداد صبا باز شود
گرمی یار ز بس سوخت دلم میترسم — که غبار نفسم سرمهٔ آواز شود
شعله بندد ز نفس مرغ سحرخوان الصفیر — گرمی با من دل سوخته دمساز شود

چون طایر تصویر هوای نگرفتیم — عمریست که هستی گره بال و پر ماست
ما راز دل خود بکسی فاش نکردیم — چون آب گهر صافی ما پرده در ماست
از یار ز مهجوری ما هیچ نپرسید — چیزی که ندارد دل سخنش خبر ماست
بی شغل محبت نتوان بود زمانی — هر چند که عیب است تعلق هنر ماست
رافع دل ما آیینهٔ صورت یار است — هرجا که بود یار عیان در نظر ماست

ابنای جهان اگرچه باهم یارند — از یاری یکدگر همه بیزارند
از پیچ و خم جاده ها معلوم است — کین خلق جهان چگونه کجرفتارند

راسخ، میر محمد زمان:

از سادات صحیح النسب سرهند و سید عالی طبع بلند فطرت، نازک خیال، دقیقه یاب خوش خیال بود فکر رسا و لبیار ذهن و ذکا داشت. بحسن شمایل و لطف خصایل متجلی بود. در ملازمان شاهزاده عالیجاه محمد اعظم شاه بمنصب هفتصدی در کمال عزت بسر نموده. آخر ترک نوکری کرده در شاهجهان آباد فرود کرده. از انجا بسرهند رفته در سنه هزار و یکصد و بیست عهد سلطنت عالمگیر بادشاه برحمت حق پیوست. مرزا افضل سرخوش صاحب کلمات الشعرا دو تاریخ در سال فوتش گفته، یکی: "راسخ دم بود محمد زمان" دیگر:

آن شود در بحر گرداب این بصحرا گردباد — آب و خاکم بعد مردن هم بسر گردان ماست
عالمی را بسمل غم کرد این رسوائی شهر — نازم ادای بی پردگی شمشیر عریان گشته است
روز وصل از بیم هجران تو ام گریان گذشت — آه عید آمد پس از عمری و در باران گذشت
نگاهی جانب ما می توان کرد — خدارا ای خدا را میتوان کرد
در هوای جلوه اش هر دم چو تیغ خوش غلاف — خود بخود آئینه از آئینه دان رم میکند
در شهادتگاه عشق از بیم خون گرم من — تیغ چون ماهی درون دست قاتل می طپد
قصر غرور و دولت منعم ستون نداشت — دست دعا فقیر نمی کرد گر بلند
بسکه در دم ز تو درد دگر ایجاد کند — هر سر شکم که چکد چشم تر ایجاد کند
هر سفیدی و سیه را که برانگیخته اند — نمکی بر رخ و داغ جگری ریخته اند
شد تماشای وحدت کثرت — راه معشوق با ز افتاد
ز چین ابروی او جوهر شمشیر می ریزد — ز نوک مژگان چو بر هم یک نیستان تیر می ریزد
که جز بر صفحه وحدت تو ام نبست نقش او — ز رنگ خود مصور رنگ این تصویر می ریزد
بجنگ ما و من روزیکه از وحدت کمر بستم — ز خود بیرون شد نهان بر کفم شمشیر عریان بود
مژه ام بخیه زحمت کراز هم گسلد — بی رخت دیده کشودن ستمست آه مپرس
جلوه کو که ز کوئیت برو بیرونم — تا بکی این دو قدم راه کنم آه غلط
بی تو گر بوی گل آمد همه جا را بدماغ — ناله بلبل شوریده شنیدیم بباغ
گریه ام در طلب درد دلست — از پی چشم تری میگریم
بندگی کیشم تمیز کعبه و دیرم کجاست — دیده ام هر جا دری از تیغ سجودی کرده ام
عمر در راست که در پیش تو افراخته ام — گردنی راست پی تیغ کجت ساخته ام
در چنین ره که جنون مرحله آن باشد — گم شدن راهنمائیست که من میدانم
محو ذوق کاوکاو ناخن غم گشته ام — سینه بودی کاش در خشت سراپا پیکرم
برق خاکیم که جستیم و بر افلاک شدیم — طفل اشکیم که زادیم و تهی خاک شدیم
شب ترا کنج لحد از مستی عشق — میکند شوخی مهتاب کفن در نظرم

اثر بنالهٔ عاشق نما اضطراب خود است — چو برق جوهر تیغم به پیچ و تاب خود است
سرم خوش است بجام شراب تشنه لبی — خیال بادیه را منزل از سراب خود است
یا که چشم سرمه آلودش زخویشم می برد — میکند گرد رم آهو زخود پنهان مرا
بروز حشر زیک جیب سر برون آرند — چراغ هستی محمود و آستین ایاز
گشت خون از درد عشق آخر دل غم پیشه ام — از می خون شست چون یاقوت رنگین شیشه ام
هر قدم در بیستون غم دلی گم کرده ام — با شکست شیشه می جوشد صدای تیشه ام
سوخت برق بیخودیها خرمن عصیان من — بسکه افشاندم ز هستی خشک شد دامان من

راجح سیالکوٹی، میر محمد علی:

از سادات قصبهٔ سیالکوٹ من اعمال لاهور، سید قلندر وضع، آزاد اطوار، خوش طبع، وارسته مزاج، عزیز نیک ذات، حمیده خصال، خوش خیال، صاحب فضل و کمال بود. تلاش معانی تازه بسیار کرده. چند بیت مثنوی در مذمت خشک سالی و قحطی بسیار خوب گفته. اوایل تا شاه ناصر علی سرهندی و میرزا عبدالقادر بیدل و آخر تا شاه آفرین لاهوری همطرح بود و اکتساب علوم کمال از والد ماجد خود میر دوست محمد صالح تخلص کرده. چند دیهه وجه معاش داشت بهمان قناعت کرده آسوده حال روزگار بسر می کرد. و خالی از شور و جذبهٔ عشق نبود. عمر دراز یافته در کبر سن سنه هزار و یکصد و پنجاه [۱۱۵۰ھ] فوت شد. "رفت راجح بعالم باقی" تاریخ رحلت اوست. دیوان ضخیم دارد، از آنجاست:

جز هوای نبود اینهمه باد من ما — خالی از تن چو حباب آمده پیراهن ما
همچو دستار که گردد ز سر مست جدا — سوز دل پنبه ز داغ جگر افگند مرا
اشک ریزد چو مژه هر سر مویم از دار — گویی از دیدهٔ نمناک سرشتند مرا
گشت از روز ازل قسمت ما باده کشی — خط پیمانه نوشتند به پیشانی ما
دلیل گمشدگان ره طلب عجز است — زپا فتادم و طی کردم این بیابان را
حیرت از شش جهت آیینه بکف سویم تاخت — در دل اندیشهٔ دیدار که جا کرد مرا
از گروهی بسکه رم کرد دست مرغ همتم — سایهٔ دست گریبان چنگل شعبان اوست

راهب، میرزا جعفر اصفهانی:

از سادات طباطبا و نواده فاضل مرحوم میرزا رفیع اجدادش از سه چهار پشت توطن اصفهان اختیار کرده اند تولد خودش در سنه هزار و یکصد و پانزده ۱۱۱۵ در اصفهان بود د بلطافت طبع و سلاست بیان خشای زبان و در انشا و خوشنویسی خط تعلیق مسلم الثبوت اهل بود در علم حکمت و رمل ماهر و باوصاف حمیده و صفای باطن و ظاهر ماهر از نتایج فکر اوست:

انگند بپا سلسلهٔ زلف دوتا را — آراست برای دل ما دام بلا را
در مژدهٔ وصلی و پیامی نه حدیثی — در کوی تو بستند گر پای صبا را
تا چند سر زلف تو در دست نسیمست — مپسند پریشان تر ازین خاطر ما را
آسوده ام از غارت زلفش بو بیدل — اندوه چه غم راهزن بی برگ و نوا را
صد عقده غم از دل غمدیده مراست — بگشاید اگر باز کنی بند قبا را

ز شوق وصل تو بر لب رسیده جانی هست — وصیتیست بیا تا مرا زبانی هست
اگر ز تیغ تو بی بهره ام باین شادم — که از خدنگ تو بر دل مرا نشانی هست
بده بقیمت دل هرچه میدهی که مرا — نه فکر سود نه اندیشهٔ زیانی هست
باحتیاط نظر میکند بگل بلبل — درین چمن که چو شبنم نگاهبانی هست
بشمع نوبت گفتار کی رسد راهب — بمحفلی که چو من آتشین زبانی هست

ضعف تن بسکه مرا مانع شبگیر شده است — سالها همچو خط جاده زمین گیر شده است
پاسبان بلا هیچ نمی پردازد — غمزهٔ یار ز خون خوردن ما سیر شده است
مدتی شد که درین میکده خمیازه کشم — تا رسد دور بمن دختر رز پیر شده است
میرود رو بقفا صید ز نخچیر کشش — شوق آن حلقهٔ فتراک گلوگیر شده است
راهب از میکده گر پا نکشم معذورم — خط پیمانه مرا حلقهٔ زنجیر شده است

انگند چین برابروی خود در عتاب ما — بر روی خویش تیغ کشید آفتاب ما
ما جای باده خون دل خویش میخوریم — پیمانه احتیاج ندارد شراب ما
اگر شود بدیده سرشک از تف جگر — ریزد بجای قطره شرر از سحاب ما

رفتم بگدا از غم و آهی نکشیدم — از آتش عشق آب شدم دود نگردم
خم طور دمی تجلی و پیر مغان کلیم — دست سبو بود ید بیضا بچشم من
پوشید ترک من چو بزیر قبا زره — آیینه خانه شد بتنش از صفا زره
در برت چون نکشم تنگ که دست آمدهٔ — چون نبوسم کف پایت که بدست آمدهٔ
نیست از ..!. ایجاد تو ای شیشهٔ دل — تو درین انجمن از بهر شکست آمدهٔ
هر که گردد کشتهٔ نازت ز تیغم میکشد — هر شهیدان تو خواهم شد به محشر داد خواه
دهد از سرخوشی چون رخصت ایمای ابروی — کند دور قدح را شوخیش چشم سخنگوی

غزل مرحوم میرزا صایبا را مخمس کرده است، این نیز از آنست :

هرگز آیینه ز زنگار نیاید بیرون — صبح ز آغوش شب تار نیاید بیرون
چشمه از دامن کهسار نیاید بیرون — از صدف گوهر شهوار نیاید بیرون
بصفای که تو ز آیینه برون می آیی

رضوان، محمد حسین :

اصلش از ممالک بهشت نشان ایران ست، بهند آمده در لاهور سکونت اختیار کرد- عزیز با مراد خوش اختلاط بود صاحب کلمات الشعرا می نویسد که هر گاه او بشاهجهان آباد دهلی می آمد با ما گرم جوشی می کرد اما صاحب دو بیت بیش نبود و این بیت که در سخنوران بآن فخر میکرد، در دیوان محمد جان قدسی ابتذال آن دیده شد :

مگر ساقی کمر در خدمت میخانه می بندد — که چون نرگس بهر انگشت خود پیمانه می بندد

قدسی راست :

یک جام تمام نبود کاش چو نرگس — بودی بهر انگشت مرا ساغر دیگر

درین رباعی معنی تازه یافته است :

بجوان پیر شدی مشو ز مردن غافل — صبح شب مهتاب نهان می باشد

۱- بقدر یک لفظ بیاض

دل بی تو طمع ز هستی خویش برید — شد دیده در انتظار وصل تو سفید
چون نقش قدم نشسته ام بر سر راه — چون حلقه بدر دوخته ام چشم امید

مژگان تو تا فتنه بجنگ آمده است — چشم تو ز غارت فرنگ آمده است
آخر بدل تو ناله تاثیر نکرد — اینجاست که تیر بالسنگ آمده است

ای رشک چمن کف حنا بستهٔ تو — آشوب زمانه نرگس خستهٔ تو
باشد قدمی خمیده چون قد کمان — پیوسته ز ابروان پیوستهٔ تو

جان بی تو ز لذت خور و خواب گذشت — از ساغر لعل و بادهٔ ناب گذشت
از تیغ تو دل نمی کند قطع امید — لب تشنه نمی تواند از آب گذشت

تا کی ز لبت بدیده نوری نرسد — خال لبت بدل سروری نرسد
ای خرمن گل چشم ز انصاف بپوش — ظلمست که دانه بموری نرسد

رضا، آقا گیلانی:

خلف مجتهد زمان آخوند ملا محمد گیلانی علیه الرحمه مشهور بسراب تحصیل مراتب علیه در خدمت والد بزرگوار خود نمود در اکثر مقاصد کمال مربوط شد در انشاد شعر کمال رغبت داشت در ایام استیلای افاغنه بر ایران برحمت حق پیوست افضل المتاخرین شیخ محمد علی حزین قلمی فرموده که آقا رضا اشعار نیک گفته و اشعار خوب از ایشان استماع شده مؤلف را در جدا بودن او با آقا رضای لاهیجانی که سابق نامش مسطور شد اشتباهست چون به ثبوت نرسیده علاوه ذکرش بقلم آمد، از او راست:

هرگز طبیب فکر من مبتلا نداشت — گویا برای درد دل من دوا نداشت
محکم نگشت با تو اساس محبتم — از بسکه عهد سست تو هرگز بنا نداشت
هرجا وجود چهره بمن گشته همچو عکس — بر روی من کرا که جفای تو وا نداشت

خاموشیم نبود ز آسودگی رضا
از بسکه تنگ بود دلم ناله جا نداشت

کسی چو دل از من غباری ندارد — زمانه چو من خاکساری ندارد
در احسان اهل ستم نیست فیضی — فروغ شرر اعتباری ندارد
خرامانان گردش چشم ورنه — بما فتنهٔ دهر کاری ندارد

هم آغوش است با گل بلبل و با شمع پروانه — ستم باشد که من راهب تهی آغوش بنشینم

خستهٔ لعل تو خونین جگری نیست که نیست — محو رخسار تو صاحب نظری نیست که نیست
از تمنای تو خالی نبود هیچ دلی — داغ سودای تو در هیچ سری نیست که نیست

در آتش چون سپندم افگند گردم ز بزم رنجد — ز من آن شعله جانسوز خودداری طمع دارد
ز چشمش مردمی جوید دل پردرد حیرانم — که بیماری ز بیماری پرستاری طمع دارد

عمرها شد که ندیدم سر زلفی ز رهبت — در نظر سلسله‌ای نیست که دیوانه شوم

میکشد عاقبت کار محبت بجنون — باده چون کهنه شود نشأی دیگر دارد
اغنیا را نبود بهرهٔ از عمر دراز — زود تر بگسلد آن رشته که گوهر دارد
راهب از حسرت لعل تو بمحفل هر شب — باده از خون دل خویش بساغر دارد

از شماتت کردن پروانه میسوزد دلم — شمع من در انجمن خالیست امشب جای تو
جان حسرت دیده گان را نیست تاب انتظار — میکشد امروز ما را وعدهٔ فردای تو

سراغ از دل دیوانهٔ گم گشته میگیریم — ز هر جانب که در گوش آیدم آواز زنجیری

من رباعیاته:

شاهی که ز هر خطا مبراست علی است — انوار حق از رخش هویداست علی است
غواص کهن سال خرد میگوید — دری که درین محیط یکتاست علی است

راهب بمن آن ستیزه خو یار نشد — وز نالهٔ من دلش خبردار نشد
آمد بسر رحم پس از مردن من — تا دیده نخفتست بخت بیدار نشد

راهب نگهش مست و خرامم دارد — زلف سیهش به پیچ و تابم دارد
داغم ز تغافل لب کم سخنش — این آتش خاموش کبابم دارد

معروف، بوجاهت صورت و لطافت و حسن بیان بی نظیر بخوش اختلاطی و شگفته جبینی مسلم بنا و پیر ده
سه ز سن حفظ کلام الهی نموده و در عمر هفده سالگی فراغت از تحصیل علوم متداوله کرده حاوی فضایل
فروع و اصول و جامع کمالات منقول و معقول گشت. لیکن در اندک مدت بعد فوت والد بزرگوار
خود بسبب نشاء عنفوان جوانی بتکرار علم نپرداخته مشغول امور دنیوی و سپاهگری و فن شعر شده در
در صنایع بدایع و عروض و معنی کمال مهارت دارند اوایل تا حیات والد بزرگوار کامل تخلص
می نمود. حالا رسایی مقرر فرمود درین سال که داخل شهور هزار و یکصد و هفتاد و چهار[۱] است
سن شریفش قریب بچهل و شش رسیده اشعارش از هر نوع دو هزار است. مدتها
در شاهجهان آباد بخوبی بسر کرده بسمت صوبه اوده آمد چندگاه در آن ملک استقامت کرده هفت سال
شد که بجانب بنگاله تشریف برده در مرشد آباد در کمال فراغت و جمعیت بسر می برند و اکثر حکومت پرگنات
و اطراف آنجا بایشان مرجوع و منسوب درین اوقات ..!. بنده مؤلف او اخر از شاهجهان آباد
همراه ایشان بصوب ..[۲]. من نتایج افکاره:

زنهار وا مکن سر زلف سیاه را — تا کی دگر بلند کنی دود آه را
دست بر سر میزنم در هجر یار خویشتن — میکنم آخر بدست خویش کار خویشتن

من رباعیاته:

دل در طلبش بهر طرف میگردد — از بهر نثار جان بکف میگردد
چشمی که بیاد مرتعش میگرید — هر قطرهٔ او در نجف میگردد

رفیق، ملا حسین سبزی فروش اصفهانی:

از خوش طبعان آنمکان و سخنوران این زمانست در طبعش خیلی دقت و فهمش در کمال ذکاوت
فکرش متین و اشعارش رنگین ست درین سنوات که هزار و یکصد و هشتاد و هشت[۱۱۸۸] است بشعر خود
هنگامهٔ شاعری برپا دارد و در غزل طرحی از شعرای عصر اشعار آبدار بر الواح جنان می نگارد، میرزا
ابوالمعانی عالی تخلص که از اصفهان تازه وارد گشته مسموع شده که ملا حسین رفیق اوقات

---

۱ و ۲ - در مجلد ضایع شده بقدر یک دو لفظ -

رضا، شیخ محمد:

اصلش از تهته ست که شهر حاکم نشین سندست و در بهکر متوطن بود عزیز طالب علم مستعد و در کتب عربی و فارسی دستی داشت از عهد عالمگیر بادشاه تا زمان سلطنت فردوس آرامگاه محمد شاه اکثر خدمات بهکر چون فوجداری وغیره اصالتاً یا نیابتاً با در جوع بوده در سنه هزار و یکصد و چهل ۱۱۴۰ھ فوت کرد، او راست:

کار ما آخر شد و آخر زما کاری نشد — مشت خاک با غبار کوچهٔ یاری نشد
سالها خون جگر در ناف آهو شد گره — مشک شد اما چه حاصل خال رخساری نشد

رضا، محمد کشمیری:

هم ازان عصر است:

محبت را پس از قطع محبت لذتی باشد — که بار نخل پیوندی به از اول ثمر گردد

راضی، فصاحت خان کشمیری:

از قاضی زادگان آنمکان است و در بند تلاش الفاظ بود، روش گفتگو بر طرز استاد خود مرزا عبدالغنی بیگ قبول دارد، قبل از آمدن نادر شاه در دهلی بچیزی فوت شد او راست:

بسان چشم که گرید ز درد هر عضوی — غمی بهر که رسد میکند ملول مرا
اگر بماتم یاران رفته نیست چرا — نجاد هاست الف سینه بیابان را
با عندلیب صلح کنم یا بباغبان — ای گل ترا بخاطر عاطر چه میرسد
محتاج سرمه نبود مژگان حرف سازش — دارد مداد با خود چون خامهٔ فرنگی

رسائی، زین الدین:

ولد کهتر قدوة الواصلین شرف الدین علی عارف تخلص قدس سره عم مولف این اوراق بلطایف طبع و حدت شعور و جودت فهم موصوف و بادراک درست و دقت خیال و ذهن رسا

راغب، محمد جعفرخان:

ولد هدایت الله‌خان، ابن شمس الدوله لطف الله‌خان صادق، خانسامان فردوس آرامگاه محمدشاه
جوانیست بقابلیت و اهلیت موصوف تا فن شعر از اوایل سن مشغوف، اشعار بسیار گفت، دیوانی
ترتیب داده. بعد خرابی دهلی از فطرات احمدشاه ابدالی اتفاق شهر بلکهنو آمده، واصلاح شعر از میرزا
محمد فاخر مکین سلمهٔ الله گرفته. چندگاه بسر برده بعظیم آباد پتنه رفت درین اوقات که سنه هجری هزار و
یکصد و نود و شش است همانجاست، آورد است:

صبر کجا شکیب کو عاشق مبتلای را ——— تا نکند بهجر او گریهٔ های های را
گوش نما و یاد گیر بهر خدای پند ما ——— باده بهر کسی منوش ای بت خودپسند ما
مگر آن ترک کافرکیش قصد امتحان دارد ——— که با من ذکر تیغ و تیر و خنجر درمیان دارد
خنده بر گریهٔ با آن گل رعنا میکرد ——— خون ناریخته از ناز تماشا میکرد
ز سوز عشق او از بس فتاد آتش بجان من ——— برنگ شمع هر شب سوخت مغز استخوان من
ای دل طپیدن تا کجا ای دیده زاری تا بکی ——— این بیقراری تا بچند این اشکباری تا بکی

در مصرع اول این بیت لفظ گوش نما عبارت طرفه ایست که بجای گوش کن آورد و انیس که
یکی از شاگردان میرزا فاخر مکین سلمه الله ست و تذکره در ذکر شعرای تلامیذ ایشان نوشته و از نظر آن
یگانهٔ عهد گذرانیده در آن مندرج ست و شعر اصلاحی آن نگار یافت.

رهین، محمد برهان علی خان:

خلف الصدق شیخ معزالدین خان و الدش از اعاظم زمان و در سپاهگری منتهای آوان او
مرتبهٔ امارت بهره مند و بعلو دودمان انجند خودش نیز باوصاف ستوده و اخلاق پسندیده موصوف
و با فن شعر مشغوف با وجود نوجوانی بسیار اطوار سنجیده دارد و از علوم رسمی نیز مستفید ست اشعار بسیار گفته
بود خیلی خوش سخن و متین گوست اوایل عشق تخلص می‌نمود، چون درین فن شاگرد میرزا فاخر مکین
سلمه الله ست و بمناسبت آن رهین تخلص اختیار نموده، با فقیر مؤلف الله تعالی آشنا است. این چند شعر
از واردات نظم آن سلالهٔ خاندان عز و علاست:

رونامۀ خود را به سه قسم منقسم ساخته یکپاس با ختلاط صاحب طبعان و سخندان می گذراند و یکپاس بخدمت افاضل حاضر میماند و دو پاس یکشب سبزی فروشی بدکان خود اشتغال می نماید از اشعار اوست :

گر صورتت ای نازنین بینند نقاشان چین — در چین کند کی بعد ازین صورتگری صورتگری

دل از رفیق ای دلربا بروی و رفتی از جفا — آن نیست آیین وفا این نیست رسم دلبری

تا ماه رسید آهم امشب — آه از نرسد با هم امشب

بی ماه رخت نخفت چشم — ای ماه تو بی گواهم امشب

دیشب ز تو دیده ام نگاهی — در حسرت آن نگاهم امشب

در بزم تو بود هر شبم جا — آنجا ز چه نیست راهم امشب

مرغی سحری رفیق نالید — از نالۀ صبحگاهم امشب

تا کلک قضا رقم کشیده — نقشی چو رخ تو کم کشیده

صورتگری چین ز نقش کردست — بر صورت چین قلم کشیده

تو آن صنمی که هر کجا بی — از دست توی صنم کشیده

نه یاد ز لال خضر کرده — ز حسرت جام جم کشیده

نبود عجب از خمیده قدم — عمریست که بار غم کشیده

ای پا بر هی جفا نهاده — از راه وفا قدم کشیده

اکنون نه رفیق جام جورت — پی در پی و دمبدم کشیده

نادیده و ناشنیده از تو — غمت دیده ستم کشیده

رافع، کشمیری :

شاگرد ملا ساطع کشمیری است، در ملازمت عالیجاه صمصام الدوله بهادر خاندوران مغفور می بود، برین بیت نواب موصوف او را هزار روپیه انعام فرمود :

کفم چو کاسۀ گرداب همچنان خالیست
بآن محیط کرم گرچه آشنا شده ام

اقامت داشت با قامت بعزم سفر عصا برافراشت، گوید است:

نمودی شفق چهرهٔ فرنگ ترا — نیاز بالش گل تکیه داد رنگ ترا
انباده برفروخته حسن فرنگ را — خلش بشیشه کرد پریزاد رنگ را

خوش آن ساعت که بینم در کنار خویش جالیش را — چو گل واکرده باشم غنچهٔ بند قبالیش را
نیم غافل کند گر جلوه برخاکم پس از مردن — چو آب از دل طپیدن میدهم آداب پایش را
فتد گر جانب صحرا گذار آن شوخ سرکش را — کند گلگون بریز نهانی زنگ لاله ابرش را
بقدر خویش در هر نشه هر کس عالمی دارد — سپهری چون حباب می بناشر بند میکش را
بچشم هر پری تیری کاید بال پریزادی — خدنگ او گلستان ارم کرد است ترکش را

از بحر وجودش دو جهان نقش بر آبست — با هستی او هستی ما موج سرابست
معماری اقلیم دل ما نتوان کرد — صد ..!. دندیده کند کار خرابست

چنانم دیده لبریز از خیال آن بدل باشد — که هر مو بر تن سیمین او مژگان من باشد
نگارین کی شود سیدکعت دریا دلان هرگز — حنائی پنجهٔ مرجان ز خون خویشتن باشد

بصحرای که نا ز از جلوه گردانند عنانش را — جواهر سرمه سازند آهوان رنگ روانش را
مرا افکنده وحشتهای عشق او بصحرای — که از مژگان شیران سبزه باشد بوستانش را
چسان آرم در آغوش آن بت گیسو مسلسل را — که نتواند بخود نجواب دید از تار محمل را

حسن را فتراک گیراین بدست انداز است — شوخ چشمان ارگس گردن کمند ناز است
هر کجا گردد شکار افگن قیامت می شود — شور محشر گوش بر آواز طبل باز است

این چه رنگ است که از عکس گل رخسارت — جوهر آینه ابر شفق آلود شود
نمی گردد نصیبم زخم او از سخت جانی ها — دم تیغش ز من چون تاله کهسار بر گردد
سیه چشمی که ز استغنادلم گردیده بیتابش — بسنگ سر به پهلوی زند سنگینی خوابش
پرستی که سرگردان مرا همچون فلک دارد — کباب دل ز شکر خندهای او نمک دارد
سخن در نارسائی های سر دست انتقش درشد — کسی در بستر از گل بودن دلیش چه شک دارد
اگر از آتش عم کیمیای گشت خاکم را — طلای رنگم از بخت سیه رنگ محک دارد

ا- بتقلید لفظ یا حق

صد قیامت بیکی جلوهٔ قامت کردی —— چه قیامت که نکردی چه قیامت کردی
آه ای دل دردآشنا آخر بهند کیستی —— ای لبستهٔ دامم بلا سر رشته کمند کیستی
دل پُر درد بسی می سوزد —— از غم و درد کسی می سوزد
این غم کیست که شعله فروز —— سینه امروز بسی می سوزد

(ز)

زایر، شوستری:

از خوزستان عازم عراق گشته باصفهان آمده۔ در منزل افضل المتاخرین شیخ محمد علی حزین مانده باز بوطن مالوف خود رفته رحلت کرد، جناب شیخ نوشته که او بسیار آرمیده و شگفته سبک روح بود، بسخن آشنایی داشت و اشعارش یکدست هموار است، او راست:

نیست عیب هیچ معشوقی بعاشق آشکار —— زال دنیا پیش چشم اهل دنیا پیر نیست

زرکوب، جعفر:

از غلام زادگان سلاطین عالیشان صفویه و هزال مضحک کسی بود اشعار قدما و جدیدا را تضمین ها رکیک و مضحک کرده چون باین طرز سلیقه بسیاری از نوع بشر خصوصاً ارزال و لوانید مالوف است۔ اشعارش شهرت بسیار یافت در هفته هزار و یکصد و سی (۱۱۳۳) و سه فوت کرد۔ بنابر کسب زرکوبی آن تخلص اختیار کرده دیوانش قریب هفت هزار بیت ست، او راست:

صاحب دل از تنگ حسابان با مکرر میخورد —— آب در دریا لگدها از شناور میخورد

(س)

سید، میر سید علی سبزواری:

و خلف الصدق میر رضی است بخدمت بیوتات کشمیر معزز بود۔ خودش بهند نیامده در عهد طهماسپ ... بیان با میر معز فطرت موسوی خان همطرح بود، صاحب کلمات الشعرا نوشته که مشق او کم از مشق میر نیست خط هم بطرز ولایت خوب و بسیار شیرین می نویسد۔ اشعارش میرزا معز بهند آورده، مدتی در اصفهان

سیادت، میر جمال الدین:

از سادات صحیح النسب عالی حسب لاهور است، نسبش بجدّ بزرگوارش میر جمال الدین محدث هروی علیه الرحمة که مولف روضة الاحباب است می رسد یکی از اجدادش بهندوستان آمده در لاهور سکونت اختیار نموده سلاطین عالیشان تیموریه کمال احترام دودمان ایشان مرعی داشته اند خودش شاعر خوش فکر، عالی فطرت، صاحب کمال، معانی یاب بود در اخذ مضامین تازه و ایجاد معانی غریب ید طولی داشت بسیار بدقت و متانت حرف میزد سخنش بایران رسیده میرزا طاهر نصرآبادی داخل تذکره خود گردانیده اواخر عهد عالمگیر بادشاه در لاهور ازین سرای پرغرور بدارالسرور رحلت کرد، دیوانش بسیار رنگین نیست انتخاب آن نوشته می شود، من قصیدته:

همت نکشد منت دینار و درم را | زانگونه که حاجت به نقط نیست کرم را
گر تشنه لبی آینه ام را نگداز د | چون عکس ز دریا نکشم منت یم را
از بس علما شوه کش بادستانند | از کیف خدای نبود مبحث کم را
از محکمۀ شرع ز بس ظلم تراود | تشخیص نسردان نتوان کرد حکم را
از بسکه زمین چرخ زند در ته پایش | شکل خط پرکار بود نقش قدم را

از ساقی نامۀ اوست:

چو گل چهرۀ میکشان تازه کرد | که می مرهم زخم خمیازه کرد

در مذمت:

مدامش بود در حق اهل راز | زبان در قفا همچو شمله دراز
مدانم کزین جرم روز جزا | زبانش چو شمله کشد از قفا
چه سود از ردای که بر دوش اوست | که از کجروی پردۀ گوش اوست
ندارد راستی تا ندارد بدست | الف در ردا تا نباشد بدست
چو خالت کسی دزد کم دیده است | که از چشمها سرمه دزدیده است

من غزلیاته:

ز زهد خشک گذشتن نه کار آسانست | بسان اره لبعد با بریدیم این ره را

سید علیخان جواہر رقم تبریزی:

ولد میرزا مقیم تبریزی ابن میر شاہ از سادات عالی درجات ایران و نجبای آن ممالک بہشت نشان است۔ نام اصلی خودش میر سید علیست بحلیۂ صلاح ظاہر و باطن آراستہ بود در خوشنویسی شہرۂ زمان و یگانۂ آوان ست در عہد عالمگیر بادشاہ از آذربایجان بہندوستان آمدہ بخطاب جواہر رقم خان ممتاز و بخدمت داروغگی کتابخانۂ بادشاہی سرفراز گشت والدش نیز از خوشنویسان بود۔ از اوست:

زبانی غیر خاموشی ندارم —— بخاطر جز فراموشی ندارم
نفسم سوختہ فریاد خموشی دارم —— نالۂ در گرو سرمہ فروشی دارم
بیا بلبل با ہمنگی کہ میدانی بکش ہوی —— کہ از خود رفتنی در پیش دارم تا سر کوی
چہ جلوہ بود کہ در چمن باغ پیدا شد —— کہ شاخ گل قفس بلبلان شیدا شد

سید رضا میرزا اصفہانی:

خلف الصدق میرزا شاہ تقی از سادات حسینیۂ اصفہان کہ آن سلسلۂ رفیعہ بعزت و جلالت شان معروف و بتقدم دوران موصوف خودش خیلی تقوی شعار، پرہیزگار و در حسن سلیقہ و سخن فہمی صغار و کبار در خوش اختلاطی و سخن سنجی بے نظیر بود چنانچہ یاران او را نمک خوان اصفہانی میگفتند گاہی بانشاد شعر التفات می نمودہ و اشعار ملیح از طبع مستقیمش سر برمی زد، در سال ہزار و یکصد و سی و سہ در صفاہان ودیعت حیات بقابضی اجل سپرد، از وراست:

دگر چون شمع اشک آلودۂ غمناک میریزم —— بدامان و گریبان باز رنگ خاک میریزم
اشکم بہین ز دیدہ چہ بیتاب میرود —— تا چشم کار میکند این آب میرود
ہر کس کہ چشم مست ترا یاد می کند —— خاموش می نشیند و فریاد می کند
داغ عشق تو فراموش نخواہد گردید —— این چراغیست کہ خاموش نخواہد گردید
در دل ز غم عشق تو خاری دارم —— از داغ بسینہ لالہ زاری دارم
افسردہ شدہ ست بیتوام باغ نظر —— ای گریہ بیا کہ با تو کاری دارم

دلِ پاره پاره گشت و نشد پرورش عشق کم	کشتی شکست و جز پیِ طوفان ندم قدم است
مستان مردم و مرا بهر دوری خرابی بیشتر	گردش افلاک گویی گردش پیمانه است
بی گل ساغر و ماغ باده نوشان تازه نیست	مرهمی چو صحی بلای دل تنگ حیاتانه نیست
سر بر زمین چو آبلهٔ پا نهاده ایم	محراب خاکساری ما نقش پا بست
مانند غرقه دست بخاشاک می زنند	بیحاصلی که دامن دنیا گرفته است
هر کجا باد بود کشمع شود روز آخر	سبب کوتهی عمر بهاد بوسست
پیش نزدیکان بود مردن وصال	زندگانی انتظاری بیش نیست
خاک دان دهر جای عز تست	گنبد گردون مزاری بیش نیست
بسکه شرمندگی از کاشته خود داریم	تخم افشانی ما جز عرق افشانی نیست
در گلشنی که غنچه امید گل کند	غیر از شکسته بالی ما عندلیب نیست
نامهٔ ما چو کشادند بدیوان عمل	از خجالت تیغ ما چون سر طومار گرفت
دو گامی هم لیاقت با عزیزان منتظرم باشد	دلم از سینه می آید برون همراه بیگانست
حرفی بود که از سفر آید علاج عشق	رفتیم از جهان و غم ما چنانکه هست
هر مشت خاک طرح حسینی براه اوست	هر قدره چشم خاک نشینی براه اوست
گریهٔ سرشاری طوفان نوح مردمست	کشور چشم بزیر آب چون یونان یکست
تو جلوه می نمایی و ما محو می شویم	از حسرت جمال تو چون ماهتاب صبح
ناخدا بنشین که کشتی بر مرکز خود جا گرفت	کشتی سرگشتگان[1] در گرداب ماند
توجه کن بحق گر ترک دنیایت هوس باشد	که چون خورشید باشد پیش رو هر سایه کش باشد
ما لذت حیات ز غفلت نیافتیم	چون نشئهٔ شراب که در خواب بگذرد
با ما که دل شکستگی آیین ما بود	آیینهٔ شکسته درست آشنا بود
با تشنگی نوشست مرا درد دردسرش	صد چشمه ام چو آبله در زیر پا بود
به بحر حادثه یاران چو موج ی مانند	که هیا ذات انگشت خود کنار کنند
چه ابلهان پی وصل تو فکر چاره کنند	بلی نه دل صد پاره استخاره کنند

---

[1] — بقدر یک لفظ بیاض

پیش می سوزد نقاب او دل دیوانه را — میزند فانوس دامان آتش پروانه را

چون زند موج محبت دل غم پیشهٔ ما — پنبه ماند کف افتد ز لب شیشهٔ ما

دشمن کباب شد ز دل دردمند ما — بگریست چشم زخم بحال سپند ما

چه توقع ز نگاه تو سیاهت دارد — که بهم جنگ بود لشکر مژگان ترا

شد دود دل سیاه چو برگشت داغ ما — ماتم گرفت خانه بمرگ چراغ ما

حسن عکسیست ز آیینهٔ حیرانی ما — زلف سطریست ز طومار پریشانی ما

چو آفتاب لب بام آخر عمر است — رسیده بر سر ناخن حنای عشرت ما

مردیم و دل هنوز در انداز وصل تست — در زیر خاک چشم بصیدست دام را

یکباره از میان دو عالم بر آمدم — آخر چو تیغ تیز بریدم نیام را

از خم نیامده است بساغر شراب ما — باشد هنوز زیر زمین آفتاب ما

مارا جلای از تو پس از مرگ هم بلاست — گریان رود چو ابر ز کویت غبار ما

گردبادی که ز صحرای جنون برخیزد — می برد در قدم خویش بیابانی را

می نهم بر سینه بیداد داغ خویش را — میکنم وقف مزار دل چراغ خویش را

بعد مردن ز تو انگشت گزیدن باقیست — همچو آن طفل که در خواب مکد پستان را

همچو آن تاری که بنماید ز تسبیح بلور — می توان دید از دل روشن ضمیران آه را

چو خودبینی نمی باشد دگر عیب نمایانی — خدا پوشیده دارد زیر زنگ آیینهٔ ما را

مرو بسیب ذقنها زره که حاصل نیست — بجز صلای سمرقند از زنخدان ها

بعد از وفات هم نشود کم جنون ما — چون خم بزیر خاک نه ز جوش خون ما

بجو رفعت اگر چون مور میخواهی سر خود را — مکن صرف تماشی عمر خویشتن بال و پر خود را

تماشای جهان اهل عدم را در نظر باشد — توان از خانهٔ تاریک دیدن حال بیرون را

از بسکه مغزان محو تمکین در استیلای عشق — بر سر رقص آورد خاشاک را طوفان آب

دماغ یوسف نشد ناخوش ز رو که ملالست — دل غ چشم پیر کنعان را سپیدی مرهم ست

درین صحرا سراسر خاری نه بینی — که بچون مژگان او زیر قفا نیست

براه عشق یکی کرده ام دو منزل را — جدا نگشته ز درد فراق او میرم
سیادت از نگاه خاموشیم نه از وفاست — زبان شکوه بریدست های باشیرم
مست ساغر بکف انجمن تصویریم — که ز خود بیشتر از باده کشیدن رفتیم
گر زاهد است از خبر عید فطر شاد — من هم خوشم ز مژدهٔ عید غدیر خم
ز دست کشمکش دلبران فغان دارم — همیشه زلزله چون خانهٔ کمان دارم
سرخ رو گشتم از پشیمانی — پشت دست گزیده را مانم
میکند پیدا ز تنگی وسعتی کاشانه ام — هست چون آیینه از دیوار صحن خانه ام
سنگ در بازار زخم لعل پیدا میکند — بسکه می افتد طفلان در پی دیوانه ام
از تاک رسیده است بما نشئهٔ فیضی — ما دست ارادت بهمین سلسله داریم
شبها هراه فنا رهنمای خویشتنم — بسان شمع درین ره عصای خویشتنم
خواهم لبی ز شوق و تمنا گریستن — چون چشم پل براه تو دریا گریستن
مصرع برجسته خواهم کاز امداد او — دل بوجد آید چو سیبی بر سر فواره
مهتاب گرفته است در و بام جهان را — در خانهٔ آیینه تو عریان شده باشی
کوه تمکین ترا سیل حوادث چه کند — کشتی نیست تحمل که شوم دریای
برنگ پسته آخر لب کشودن ساخت بیمغزم — ربود از من سخن چیزی که پیدا کرد خاموشی
نباشد بی رقیبی عاشق آزادی پری روی — سگی افتاده می بینم بدنبال هر آهوی
چه دولتست که گردد میسر آرامی — بگوشهٔ قفسی یا بحلقهٔ دامی
رمیدی از من و من هم ز خویشتن رفتم — چو آن چراغ که میرد بباد دامانی
پری روی بکف دارد رگ آرام جانها را — نمی آید بچشم عاشقان خواب سنبلزاری
گر چه ترکان میستد این تنگ چشمان سخن — جلد دیوان مرا دیم خوان یغما میکنند
همچو آن جمعی که میخوانند شعر دیگران — آفرین بر معنی مردم تمنا میکنند
احسان تو گر روزی مسکین گردد — در قحط عمل ذخیرهٔ دین گردد
یعنی که ز راه خلق سنگی بردار — تا پلهٔ اعمال تو سنگین گردد

پیکرم از پهلوی غم بسکه لاغر می شود — استخوان از پوست بیرون هم چو سطری شود
گل از خجالت برون رفت از چمن او باغ ما — نهان شد در پس دیوار سایه چون چراغ ما
فرصتم هیچون گرفتاری نمی آید بدست — وای بر بلبل که در کنج قفس کاری نکرد
هجوم اهل نظر تنگ کرد چشم ترا — چو آن مریض که بسیار آشنا دارد
میکند هموار آدم را لباس اهل فقر — بخیه های خرقه ما کار سوهان میکند
رفتیم و بکوی تو ز ما اشک نشان ماند — چون شمع کز او آبله پا بمیان ماند
دل بلبل گرفتار تو باشد — رگ گل نبض بیمار تو باشد
بهار عشق بعمر دو باره میماند — که داغ پیری ما را گل جوانی کرد

برق چشمک زن ز طرف کوهساران میرسد — ساقیا سامان ساغر کن که باران میرسد
ز آب لعل شیرینش کجا رشحی بجام افتد — زبان کوهکن چون تیشه گر بیرون ز کام افتد
فانوس شمع را ز سفر سد راه نیست — زندان چرخ گرم روان را چه میکند
ز هیچ عضو بلی لطیف اندام این بستان نماند — چشم داغم چون پر طاوس بی مژگان نماند
ز تلخی خنده بر دور لبش ناکام میگردد — سخن گرد دهانش همچو خط جام میگردد
دمید برگ ز نهال طرب بهار آمد — بنو عروس چمن زلف بهار آمد
نمیخواهم که دنیا را نظر بر حال من افتد — که چون طاوس از زینت گره بر بال می افتد
مگر ستاره بختم شرار کاغذ بود — که تا نسوخت مرا از سرم نکرد گذر
براه شوق تو ای سرو آتشین رخسار — برهنه پای تو از شعله همدم بر خار
کرد چشم پیر کنعان خانه خود را سفید — بوی پیراهن سوی کنعان نمی آید هنود
هست چون آیینه روشن رویش — مدام آیینه بود ابر دیش
بلند شد چشم دلم از پستی معمار خویش — عالمی را دیدم از افتادن دیوار خویش
چه مردارید می لرزیم بر صبح بناگوشش — که شام خط مبادا ناگهان گیرد در آغوشش
کنم مشایعت قاصدش من بیدل — بموج که رعد با نسیم تا ساحل

نوده صاحب کلمات الشعرا نوشته که روزی شاهزاده مسطور این مصرع مهمل پیش او خواند:

این راز سربمهر بمهتاب گفتن است

او بدیهه گفت: از آفتاب قفل مینا نهفتن است

آن مرحوم بسیار خوش محاوره و خوش صحبت، تازه رو، شگفته طبع، رنگین خیال بود، در مضمون یابی و معانی بندی و نازکی خیال و لطف مقال مستثنی است، بعد یافتی مثل اوی از کشمیر برنخاسته از انتخاب دیوان او است:

غباری خاست از صحرای وحدت شد جهان پیدا
پری افشاند طاؤس قدم گشت آسمان پیدا

غافلی از شوخی شمشیر جوهر دار ما
رنگها در پرده دارد سادگی پرکار ما

یک بیابان بیکسی دارم چو آواز جرس
هر طرف از کاروان افتاده ام تنها جدا

سیل دردم هر طرف شود دگر انگنده پست
از فغانم کوه می نالد جدا، صحرا جدا

ای لبتر بانت اردم طفلی نمیدانی هنوز
ناز را با ما جدا بفروش و استغنا جدا

دل پیران زبیم تند باد هستی لرزد
چراغ زیر دامان است هستی قامت خم را

غبار شرق و مغرب بر گان چون شفق رفتم
دل گم گشته جویم آه چند اینجا و چند آنجا

چه نسبت با قیامت جلوهٔ آن سرو قامت را
بود صبح قیامت صبح اوّل این قیامت را

نسبکه دل را غوطه دادم در غم نیرنگها
هر خیالم چون نگاه مست دارد رنگها

همان در خون طپیدن را سبلت از تنگ میدانی
اگر ایجاد میگردید صد دنیای دیگر را

کفن شد پرنیان برق دیدارش زهی طالع
خدا رحمت کند پروانهٔ فرخنده اختر را

سایهٔ این نام در ته شیشه ما آرام کیست
سیر دارد بزم بر هم خوردهٔ ویرانه ها

در لحد هم در دمندان از طلب فارغ نیند
سر بر دن آرند از چاک دل خود دانه ها

جوش عشرت می زند بی اعتباری های ما
خویش را گم میکنم گر نیست خالی جای ما

حق و باطل میکشم سالم بیک میزان عدل
دیدهٔ احول بود آیینهٔ احوال ما

یکروز اگر بباغ کنی جلوه در بهار
حیرت کند مرقع تصویر سال را

خدا را انتهای محتسب خمهای می مشکن
دو عالم با بهم آید که هیچ یک خم شود پیدا

این هستی نیک و بد بهشت دگر است — کار هما گشاد و بست دگر است
سرگشتگی ستارهٔ طالع ما — چون شعلهٔ جواله بدست دگر است

آنانکه ز عرفان خویش افزون آیند — کی ز دو ز دو دلق جسم محزون آیند
چون پسته بجانی که مغز ندهد — خندان خندان ز پوست بیرون آیند

عشق تو که دیوانه بر آورد مرا — از خویش چو بیگانه بر آورد مرا
آشفته ز صد ذره چو دود مجمر — سودای تو از خانه بر آورد مرا

آنرا که بسر ز عشق او باشد شور — در زیر زمین بود سلیمان چون مور
غافل ز خدا بخانهٔ گور رود — چون پای بخواب رفته در کفش بزور

دایم پی رزق از تن ما تاب رود — پیوسته ز دل صبر و ز رو آب رود
ما بی‌خبران بفکر خوردن مردیم — چون طفل که نان بدست در خواب رود

خوشحال نشد خاطر غمناک مرا — درمان نپذیرفت دل صاک مرا
جز غنچهٔ این گل که بر آید ز گلم — کس مشت گلی نریخت بر خاک مرا

سالم، حاجی محمد اسلم کشمیری:

شاگرد و پسر خوانده و تربیت کردهٔ ملا محسن فانیست اصلش از برهمن آن بلدهٔ جنت نظیر بهدایت ازلی راهنمونش گشته بشرف اسلام رهنمائید کسب فضایل صوری و معنوی کرده بمدارج اعلی کمال مرتقی گردید وقتیکه در گجرات وارد شد بعزم زیارت بیت الله الحرام در بحر عمان بکشتی نشسته بدیار عرب رفته بحصول این سعادت عظمی خانهٔ دین خود را آباد کرد. اتفاقاً پیش از ایام طواف و مناسک حج بمدینه منوره علی صاحبها علیه الصلوٰة والسلام رفته در آن اوان ایام حج منقضی شد در آن باب گفته:

عید فطر است بر در پیغمبر — شیئاً لله گفتم لبس یا در
این عید و مدینه بخت من طالع من — انشاء الله که و عید دگر

حاجی مذکور ملازم شاهزاده اعظم شاه بود، بعد کشته شدن آن عالیجاه در عهد سلطنت شاه عالم بهادر شاه مغفور نیز بعزت بسر میکرد. در زمان سلطنت محمد فرخ سیر بوطن خود رفته می بود تا بوطن اصلی انتقال

بسکه هر دم رود از رنگ گل حسنت — عرق شرم تو با خیل پری گلبادست

عید نوروز خط سبز مبارک باشد — که دگر سال نوی ناز ترا آغاز ست

عشق ما همسر و همتا عشق است — با خدا عشق و خدا با عشق است
کیست در خلوت وحدت گفتم — آمد آواز که تنها عشق است
این چه شور است ز دل پرسیدم — گفت خاموش که گویا عشق است

آل پوشی بصفا را عشق است — رنگ گل بند قبا را عشق است
می رود مست بمسجد از دیر — سالم بی سر و پا را عشق است
نبض نظارهٔ بسمل بینید — بدگمان قاتل ما را عشق است

واله ذکر ترا طاقت خاموشی نیست — دل که لبریز تو شد جای فراموشی نیست
از خنک جوشی این بوالهوسان داغم — گله این که بما گرم نمی جوشی نیست

از خار ملامت گل دلم بکنار ست — دست رد اغیار کلید در یار ست

ای نوبهار باغ حنای که شناسمت — داری هزار رنگ قبای که شناسمت
شاید ز حشر وعدهٔ دیدار بگذرد — تو بیوفا که بخدا می شناسمت

حیا پرور نگاه مست شوخ دلشکست — مسلمان زادهٔ شهر فرنگ است

چنان خرابات جای امن کجاست — شهر عالم نشین ملک خداست

مبادا چشم مستت سرگران از رنج آشوبی — نگر میدان انبار نگه برگشته مژگانت

گدا خفت چون شبنم دیده بر سر راه کس — نگفت کس که فلان کوچه گلفروشی داشت

مرا بشارت عفو کریم در عرصات — همین بس است که گوئی گناهکاری هست

ناد معشوقی تمنا عزت میسر نیاز — گفت تا فریاد قربانت شوم گلگونه گذشت
دور [1] . ریخت رنگ جلوهٔ ناز و نیاد — عکس در آینهٔ لیلی آمد و مجنون گرفت

داغ دلم ز حلقه بگوشان آتش است — مرا نگار در دم جنبان آتش است

سالم چو عکس آینه آمد ببزم وصل — حسن ترا بچشم تو نینداخت دید و رفت

از شرم عارضت رخ خورشید طلعتان — پنهان بزیر برقع رنگ شکسته است

۱- بقدر یک لفظ کرم خورده

یارب اثری در نفس بی اثر ما — شامست چو نظارهٔ غافل سحر ما
سالم چو فتد قطره بدریا نتوان یافت — ما بحر اینم که یابد خبر ما

چو رنگ شیشهٔ ساعت قدم بردار و واصل شو — براه خاکساری سر بهم آواره منزلها

بنو ماه نو جرم قمر را می توان دیدن — کمال شخص از آیینهٔ نقصان شود پیدا

جلوهٔ او دستهٔ گل سازد ایام مرا — وادی ایمن کند نور شفق شام مرا
بسکه چون مجمر ز دود حسرتم پر لخلخه شد — جلوهٔ طاوس باشد سایهٔ بام مرا

بمحشر رفتم و زخم تغافل بستم — همان کاری که با قاتل فتاد اینجا فتاد آنجا

خدا همراه از میخانه سالم تا حرم رفتی — حرامت لطف ساقی گر نخواهی گرد باد آنجا

چقدر ضبط نگاه غلط انداز کنی — دانم از قتل رقیب است چه مطلوب ترا

هر دو عالم را دعا ما از شراب انما شراب — میکشان را نشئهٔ عقبی باشد و دنیا شراب

جامی بیخودی چیست بیهوشی سکون دارد — قدح لبریز و مطرب مست ساقی بیحجاب امشب

ساقی امروز کجایی که هجوم باران — میکند شور که بیدرد هوا را دریاب

غرق شد کشتی تو بر گرد سر گرداب گشت — خاطر شوریده طبعان را مدارا منت

خزان طبع مرا سرو دلستانی هست — عصای پیری من عشق نوجوانی هست

سستی طالع احباب هنر محسوبست — داغ کوتاهی پرواز پر طاوس است

هلاک مشرب پروانه ام که از مستی — ببزم عشق نشست آتش و هوا برخاست
بیک نفس خاک شهیدان هر و سرت گردم — کدام کشته بدعوای خون بها برخاست

نقش دل کباب که در خون نشسته است — این قرعه فتاده در آتش بنام کیست

اعتمادی نیست بر هستی درین بحر خطر — هر دمی چون موج پنداری همانم مانده است

سالها ای درد در پهلوی مجنون بوده — یک شبی هم بی تکلف می توان با ما نشست

در حریم کعبهٔ دل عالم و جاهل یکیست — ره نورد و راهبر را راحت منزل یکیست

شد فضای دل پر از رنگ لعان انقلاب — از هجوم رهروان صحرا درین صحرا گم است

شیطان برو به بتکده و سجده کن — در روزگار صورت آدم غنیمت است

گفتا ز جواب بخشش گفتم آه هیچ — عاشق گناهکار ولیکن گناه هیچ

کمان بدست جفا بسته تبان افتاد — چه آتشست که در خانهٔ کمان افتاد

ز لکنت نیست گر لطفت به تمکین افگند — سخن گرد لبت صد بار گردد تا ادا گردد

در شباب و شیب چشم دل ز غفلت وا نشد — گردش ایام گویی جنبش گهواره بود

امروز کار من بود عصیان تمام کردم — فردا که کار عفو ست آنرا کریم داند

لبش با بوسه نیمی جنگ و نیمی آشتی دارد — بآیینی که طبع دوستان از دوستان بجلد

نگاه گوشهٔ چشمت بطفلی تند خو ماند — بصد منت شود راضی بصلح و در لیگان گردد

چو اسپند از نفسش بوی دل می آید — هر که وا سوخته از خلق کناری گیرد

حاصل عمر هیچ گویا بود — برق جاروب خرمن ما بود

آه دگر چه عذر کنی یاد وعده است — شد صبح حشر و وعدهٔ فردا تمام شد

دل اول و آخرش گداز است — چون شمع دو باری گدازد

بگرد مهر تو چون سایه عمرها گشتم — دو چشم وصل توام نی دل جدایی بود

در بحر عشق منزل و آرام کس ندید — از ساحل گداخته گرداب می چکد

بروی گل نگاهش میخرامی بیخبر ترسم — که زیر گل مبادا سایهٔ خاری نهان باشد

چه بلای که در انداز قیامت نگهت — خبر گوشهٔ چشم تو بمژگان نرسد

برق آهی که شب هجر فشردم بجگر — آه بر کوه نیفتد به بیابان نرسد

با دختر رز ست همه شب مست بخوابید — رندی که چو ساقی پسری داشته باشد

نگاه گوشهٔ چشمت بر حجت آشنا اما — بآیینی مسلمانی که در قید فرنگ افتد

اجل پیداد فتح عمر ست جلوه می آرم — صدای پای رهرو شیر را از خواب بردارد

دیدم ز بام میکده صد بار کعبه را — دوری حجاب دیدهٔ بینا نمی شود

افسانه شود رنگی دنیا چو روز و شب — عالم تمام میشود اما نمی شود

دامن مشک لبش از دختر رز پاک تر است — پسر پیر مغان نام خدا پیر شود

قبا نگاهش موهوم کیمیای بقاست — کدام سایه ز خود رفت و آفتاب نشد

یکسان برند لذت غم پاره‌های دل — انصاف در قلمرو دلهای خسته است

گردبادی پی گرد آوری دنیا حیف است — آخر اندوخته انداخته می باید رفت

هزار قطره بدریا فتد گهر نشود — قبول سجدهٔ طاعت بجبهه سایی نیست

در شهر از چراغان شور تجلی افتاد — عشق است شب نشینان پروانه را عروسیست

نه قایلم بتناسخ ولیک میدانم — حیات ثانی آبا وجود فرزند است

کدام چشمه دوید و راه بحر نجست — کریم را همه آفاق خویش و پیوند است

قوت بالم چو مرغ نیم بسمل رفته بود — اضطراب دل طپیدن دست پروازم گرفت

برنگ نشو و نمای نهال فصل بهار — خرام ناز تو گلدسته بند تمکین است

افتاده‌ام بپای خم ای محتسب برو — دعوی مکن زمین که و آسمان کیست

زاهد برو بشهر خرابات سیر کن — هر گوشه دین دیگر و دنیای دیگر است

آسیا را بدو دست آخر هیچ — حاصل هر دو جهان در گذر است

سالم بروی حادثه در بستنت خطاست — دیوار خانه‌ها پی سیلاب داده است

ناصح افاده چیست بدا از خدا بترس — باری بگو که اسم خدا الغفور نیست

برگ گلی را از باغ فرصت پرواز باد — بلبل پر بسته در پس دیوار هست

باش که دارد در سر گردش دولاب چرخ — خانه برانداز هم خانه نگهدار هست

خاک مردان پایمال جلوهٔ مستانه ات — ریگ صحرا استخوان سوده دیوانه ات

مرده مشهد یکزمان سرت گردیم — هنوز گردنگه‌های واپسین تشنه است

ای بیوفا ز دور مزن تیر بر دلم — دوری برای کشتن اهل وفا بس است

نظر چو ابر چه پوشیدهٔ تماشا کن — همین که چشم کنی باز عالم دگر است

طلوع صبح دارد رنگ مستی — هوا تصویر چشم نیم باز است

هستی که مرگ خانه خرابش گرفته است — لبنان کهنه ایست که آتش گرفته است

ساقی بجلال تاب بخور حسرم چیست — بگذار باطن می تابش گرفته است

در طلب سوخت برهمن دل بت آب نشد — هیچ کافر نشود کو به دو نان محتاج

هر خار که بینم به ره شوق تو پرسم　　از آبله پایان محبت خبری چند
عناصر بند جنبال چرخ سرگردان　　فتاد از پی این کاروان صدای چند

خدا را اهل کنعان بر در بیت الحزن بویی　　نسیمی از سفر آید که بوی پیراهن دارد
ببر برگ خزان ای باد یکدم از چمن بیرون　　غریب دشت بیدل تکیه بر خاک چمن دارد

دست غریب سائلی شاید که باشد دستگیر　　غرق دنیا گشتگان دست کرم بالا کنند

غبار کوی او گردید و درد دل نشد زایل　　چو خاکستر دلم از شوق آتش زیر پا دارد

شب که طوفان غضب بود قیامت نگهت　　ناز با گردش چشم تو مدارا می کرد
یاد آن لذت دشنام که وا بسته دلم　　یک محال از تو بعید رنگ تمنای کرد

گر رحم آیدش بر حال من روزی بگو بیدل　　که خاک افتاده‌ای در سایهٔ دیوار می باشد
مپرس از داغهای حسرت برگ خزان سلم　　که پیران را بدنیا آمدن بسیار می باشد

ره برابر از گدا چشم طمع دارد کریم　　پیش آهنگ طلب گر دست سائل شد چه شد

دیگر چه انتظار قیامت کشد کسی　　دور فلک بگردش چشمت تمام شد

چه بیدردانه بر خاکستر پروانه می غلطد　　الهی این نسیم صبح را آتش بجان افتد

سالم فدای وعدهٔ عذر آفرین تو　　داری بهانه زو وفا دلنوازتر

عفو کریم دارد ما عاصیان شماری　　زاهد بیا بحشر از ما حساب بردار

چون شفق میوه زدم در دیده پنهان شوند　　در نظرها از نظر پنهان تو پیدا شوند
جان من طفلی چه میدانی کمین گاه کسی　　نگذری از کوچهٔ آیینه هم تنها شوند
مشکل ای ناصح دل مستان بسنگ آمد خطا　　بوی می دارد هنوز این شیشه بیجا شوند

زین قدر ای شیخ شور مجلس آرائی چرا　　چون صدا هیچ و نگنبد دستار خویش

در سفر دش باقست سر شیشه جان ساقی　　به بهار نشئه من بهوای رنگ گردش

قیامت چون کند تکلیف پیدائی شهیدی را　　که در یک پیرهن خوابیده شمشیر تو با خویش

بود محتاج عصای حیرتم در راه شوق　　تکیه کردم چون سپند از ضعف بر فریاد خویش

فرصت ره زدست که جز فوت وقت تو　　دود هر نیست هیچ فنای فنای محض

نشان نیافت خلاطون ز خشت بدخشانی ‏ ‏ بخاک خکرده انگور تا شراب نشد

دل رمیده بود در پناه او سالم ‏ ‏ متاع گمشده را ذره پاسبان باشد

شور حشری خفته در خاکستر پروانه است ‏ ‏ صبح نزدیک است می ترسم شکایت سر شود

بذوق وعده‌ات عمر ابد نالد بخود ورنه ‏ ‏ فلک در دامن شب اینقدر فردا کجا دارد

پاک طبعان چون صدف خورسند گر یکقطره آب ‏ ‏ بحر را از پرده ابر بهاری بخشند

دم غنیمت شمرند اهل سعادت چون صبح ‏ ‏ ذوق هستی بمیان دو عدم یافته اند

سالم از شیب مکن شکوه که پیران طریق ‏ ‏ گنجها در قدم قامت خم یافته اند

دلی چون خانهٔ زنبور در دم آرزو دارد ‏ ‏ که صد نا شور زخم از خار خار شوق او دارد

ز مستی های شوق سایه پروانه در رشکم ‏ ‏ که می آید سبک از دور و با پروانه میسوزد

بر چمن گرد آتش خانه چون مستانه میگردد ‏ ‏ تماشائیست کو با خانهٔ بیگانه میسوزد

لطفها با عاصیان عفو الهی میکند ‏ ‏ هر چه خواهی کن که آخر هر چه خواهی میکند

چرخ با ابروی مشکینت شبیه ماه نو ‏ ‏ این قدر فرق از سفیدی تا سیاهی میکند

می تواند کرد در دیر مغان جام صبوح ‏ ‏ آنچه در مسجد دعای صبحگاهی میکند

گر دلت بیداشت شوری چون جرس در راه شوق ‏ ‏ هر کف خالی که طی میگشت جای ناله بود

زنهار بسر قتل ببندید دیده ام ‏ ‏ ترسم بغیر قاتل خویشم گمان رود

شب قدر است کواکب بخدا آمینی ‏ ‏ یار مستغنی و من محو دعا تا چه شود

زاهد سر پیرت برد از بزم که اینجا ‏ ‏ دستار چو گنجد قدح و شیشه نگنجد

ز قاتل سر نتابم گردم شمشیر بر گردد ‏ ‏ از او دل بر نگردد گر همه تقدیر بر گردد

غزال صیدگاه آرزو یک عمر رم دارد ‏ ‏ رود صیاد و نباشد جوان و پیر بر گردد

دل وحشی از خلق را غم نباشد ‏ ‏ بهشتست آنجا که آدم نباشد

زیاد عرض هنری بی هنری چند ‏ ‏ تا چند بهم راز بگویند سری چند

در ساده طبیعانه بدخشان سر آتش ‏ ‏ بستند چو دولاب بهم چشم تری چند

رفت تا از بزم بجمنا میسودی مرد   من بیرون ز خود بجا میسودی مرد
دم میکشی ز تاب کمر در خرام ناز   از خویش هیچ خسته جدا میروی مرد

مستانه میروید چمن برگ زاده   درت کلاه کج ز بگل تکیه داده
عاشقان را نشد حیرت دو بالا کرده   از تبسم لعل لب بیانیم گویا کرده

کاش در دامن دنیا بزند چنگ کسی   چند باجی بهر دیده کند جنگ کسی
چو بهشت کرچون بال ملکیان شرق   مد نگه در غضب از تاب کند ننگ کسی

بتاراج فروغ شمع بیرحماده کو آید   ببین خاکستر پرواده ای باد سحر گاهی
کودکان چشم بر ابند ز هر سو سالم   شهر خالیست ز دیوانه بصحرا گردی

چون حباب ای زمین و آسمان ما ست هی   عالم است اینجا قطره های صیاست هی
زینهار از دیدگه مگذار بی سجود   خم اگر زین عالمست از عالم بالاست هی

ابر است و بهار بوستان هی   بوی بکشید میکشان هی
در میکده می بجوش آمد   خوش باشد پیری جوان هی
با دشمن و دوست با صداقت   زاهد قدحی با محتسبان هی

روز محشر که بیی بر کرم ای قاتل من   از تو میر نجم اگر شکوه بیجا نکنی

میگفتی ای وفا که بکار آیمت بسی   کی در کجا بکار که حاشا نیامدی

چو سیخ از تشنه کامیها کباب [illegible]   که آتش گر نیامد گویم آب میر نجی

غنیمت بود صحبت بیا بنشین [illegible]   ببند من سینه گرا فرداید کم کرده

بجای شیر گرفته ای داشتی پا ها   نگاهی هم با گردن داشتی پا ها
بجای مهر چشمت ناز میکرد   دگر کار فرخ امید داشتی پاها

چه واقع شد که کم می آید میر نجی   سرت گردم نمیدانستم این مقدار میر نجی

رجوم کرد چو پیری کاز خط یار چه خط — کتاب ناف کند دست رفته دارد چو خط
نقش پای طلبم آینه آرامست — در رهٔ عشق تو یک قافله منزل دارم
توان ز صورت من معتبر را فهمید — چو عکس آینه آینه دار خویشتنم

خدا جرأت دهد پروانه بیرون فانوسم — بگو شب عرض شوقی هر چه بادا باد میخواهم
از درد ناله چو کشیدم سپند وار — بر بام دل بذوق شنیدن بر آمدم
پیوسته بسکه پای گردون چو ماه نو — بر اوج رفعتش بجنبیدن بر آمدم
زخود غایب شود هر گاه در بزم جنون آمد — پر پروانه مکتوبست پیغام زبانی هم
عیب این آدم نمایان ادلم سالم پر — زیر لب صد خنده دارد جوهر آیینه ام
چکند غنچه محجوب با فسون نسیم — گره بند قبایت به نگه وا کردیم
موج پروازم بشوق صیدگاه کیست های — دام میگویم گریبان میدرد بال و پرم
واعظ پیاله ای طلبد ای چکی چکی — ساقی ببین لب دهن بی ادب ببین
درین دو بیت معما هزار و یک باست — چو شد دیر و حرم نشنوی تامل کن
چه آسان صبح محو جلوه خورشید میگردد — ز جانان یک نگاه گرم و از ما جان فدا کردن
رشته سوزن ز سوزن عاقبت یا بدجدا — خود بخود از پای سالک خار می آید برون
مه وش افتد از تاب آنکه — مشاطه یکسو آیینه یکسو
ز هستیم اثری وقت رفتن تو نبود — بعمر رفته مگر زنده ام کنون بی تو
جان بهار حسن چمن آفرین تو — گل میخورد قسم بسر نازنین تو
گفتم که مگو واعظ بگذار سر پیریت — برخیز و برو کم شو آخر چه بلای تو
رشته داری از تعلق تا طبع سالکت — میشود پای سلوک خامه را زنجیر مو
واعظ بدیر وعظ مگو این نه مسجد است — برخیز و گم شو ای ز خدا بیخبر برو
بان استخاره دات بحرم ره نمی دهند — زاهد برای دیر مغان استخاره

بحضرت تو تمنا و مدعا دارم   بعرض من رسانم دگر تو میدانی
اگرچه من به چه کسم تا معاصرت باشم   دیده‌ام خودم گر معاصرم خوانی

بعزم تذکره خواهی ز جمع اهل سخن   قلم بوصف تو کرده معاصران رانی
چو آفتاب چه نقصان رسد کمال ترا   بذره پروری از ذره خودم خوانی
دگر یکی آنکه ز اسباب شاعری باشد   تخلص بدان نیز برد کاشانی
عطا کنی بمن در خور طبیعت من   تخلصی که شود جهة اول از ثانی
نجابتی که بود بالاتش از و باشد   که بر جهود بود روز شنبه ارزانی
بمدحت ز ممدوح از زمان قدیم   توقع صله اندر خورش خوانی
مرا بجایزه مدحت آنقدر کافیست   که روز چهرهٔ مقصود من نگردانی

جناب افضل المتأخرین شیخ محمد علی حزین در تذکرهٔ معاصرین در ذیل احوالش قلمی فرموده که لطفعلی بیگ سامی با والد علامهٔ این خاکسار با اخلاص آشنا و باین داعی اصدق صدقا سراپا وفا خاطر معنی ذخایرش درج لآلی شاهوار و خامهٔ حقیقت ناهرش مشاطهٔ عرائس افکار است قوت تمام بگفتن تواریخ داشت؛ تواریخ شایسته بسیار دارد مجموعهٔ منظوماتش تخمیناً چهار هزار بیت میرسد. در سنه هزار و یکصد و بیست ۱۱۲۰ هجری در اصفهان فوت شد، از نتایج طبع اوست:

مردم فریب چشمی ای مردمان خدا را   در عین گوشه گیری از ما گرفت ما را
بسکه با سر و قدت ذوق دو بالاست مرا   دل جدا دیده جدا بر سر سوداست مرا
در ره شوق تو از بسکه قدم فرسودم   جوش تبخال لب آبلهٔ پاست مرا
سعادت ار بلند دید نظر گرد کدورت را   نظاره دود مشعل دیده روشن اهل دولت را
زلفی کشیدم از تو در دیده نگاهی   چون تیر کرد دوز ترکش سفری را
بهر دانش خود در زمانه دانستم   که استراحت دنیا بقدر نادانیست
این عقده بکام دل ما از هنر افتاد   کز گوهر ما گره رشتهٔ باشد

ز نگرداب فنا چشمک از تاب میان تو — که سیلاب نگاه عشقبازان تا کمر داری

از لطف چو کار خلق عالم کردی — در عالم هستیم کرم کردی
قربان شوم ای کریم احسان ترا — برداشتی از خاکم و آدم کردی

یارب نظری ز لطف جانم تبه است — تاراج کن نور قبولم گنه است
افسوس ز گریهٔ ریایی افسوس — چون اخگر از آن دیده‌ام سیه است

دل ناله کشد صبر بخاموشی کن — غم شور کشد بدار سرگوشی کن
در عجز بخاک اگر برابر نشوی — با سایهٔ خود چو مور همدوشی کن

افسوس که کوچه گرد پندار خودیم — در بحر ز خود غافل و در کار خودیم
خود را نشناختیم هرچند چو موج — همسایه دیوار بدیوار خودیم

غافل ز پی مطلب موهوم محال — گردد بعبث اضطراب از حال بحال
چون شعلهٔ جوالهٔ حریص دنیا — نپزد به تنور حرص نانی بخیال

این هستی فانی که سراسر هیچ است — امکان بقیاس هیچ اندر هیچ است
غافل چو بخواب رفته در رهٔ سیل — چون سایه بنای منزلت بر هیچ است

ای عقل عتاب با من شیدا چیست — زور تو نمی‌رسد بما اینها چیست
هشدار که میزند جنون بر دهنت — ای هیچ من و هیچ تو بر هو خوا چیست

سامی، لطف علی بیگ:

ولد اسمعیل بیگ اصلش از طائفهٔ ترک است در سلک غلامان خاصه شاه ایران منسلک در مردم پسندیده اهل نظر و در تقوی و عبادت چون نور بصر بسیار صاحب کمال ستوده خصال و باکتساب کمالات صوری ممتاز در سخن سنجی خصوصاً تاریخ گوئی شهرهٔ زمان بود، در ترکی و فارسی اشعار نیک دارد، اوایل نجیب تخلص میکرد آخر بسبب مشارکت تخلص با نور محمد کاشی از آن تخلص استعفا نموده قطعهٔ مشعر استدعای تخلص بمیرزا طاهر نصیرآبادی نوشته فرستاد که این چند بیت از آنست:

بود شکست گل از خجلت گریبانم — کند با من ... حنا ... را

اشک بهم خبر ... کرده خویش — کیست تعبیر کند خواب خوش مرا

اشک صدی که بعد ... جگری آید — در آتش که کند پاک ... کباب

زبان سبزه ... بگوید به گوش گل — که دیده ... بابند ... ناکت

راست ... کرد نفس ... قامت ... — ... بکم ... وصلی ... است

نمک ... غم ... نگیست — زین ... چه پیدا ... است

بسکه در میخانه ذوق می ز چشم بر ... — تا ... پای ... چشم بر ...

بجز ... نتوان کرد طی راه محبت را — ... کعبه ... دگر دارد

تا بر قسم بجای می تاب میزند — بر ... خود ... میزند

جای اشکم ... ز مژگان ریزد — ... اگر ... پرواز شود

هر چند دویدیم بجای نرسیدیم — ... ما ... هوان گرد ... شد

برق ... خود ... بخرمن میرسد — چون ... جوهر تیغ تغافل میشود

چه بود تو ... آیینه و گل — که بست چشم تماشا ... آیینه و گل

چه ... است که ... گل کرد — ... آن شوخ ... فتراک

زیر ... بگوشش خود را — که بست ... تاک

از ... خویش بجای نرسیدیم — تا ... گشتیم بجایی نرسیدیم

چون ... امید ... — هر چند دویدیم بجای نرسیدیم

مشت خاکم چه آید از دستم — ... از بوتراب ... خواهم

خوشا ... که ... سرگرم ... — ... ناز ...

لب ز اظهار مدعا بستم — حاجت خویش را ... کردم

نیست ... — ... دیوانه ام

سیر ... نقش ... — ... رنگ ...

... — ... آتش ...

گرفته تنگ گرفتی چنان دهان مرا — که مانده‌ام اگر از کسی خبر پرسم
دل و دین گشت ویران از نگاه ناز چشمکی — به عالم‌ها بهم زد چون نگاه چشم خمارش
رخش از نور ایمان آفریدند — خطش با نجوه ریحان آفریدند
به عالم نام رعنایی علم شد — چو آن سرو خرامان آفریدند
به رفتار آورد چون ناز آن سرو خرامان را — ز رفتن باز می‌دارد خجالت آب حیوان را

سامی، خواجه عبیدالله:

از اقربای ملا وجیها بهوری الاصل است. ترقی در سلک ملازمان محمد اعظم شاه ابن محی الدین اورنگ زیب عالمگیر بادشاه منتظم بود، آخر در لاهور اقامت نمود. بادشاه آفرین لاهوری و میر محمد علی رایج همطرح و هم صحبت' اواسط عهد سلطنت فردوس آرامگاه محمد شاه از این خرابهٔ پر شر و شور به دار السرور بهشت الموعود رحلت نمود، او راست:

دل وا شود ز دست تو بی منت کلید — این قفل ابجد است بنام تو بسته اند
شد بهار آخر و کس غنچهٔ داغم نگرفت — گل امید مرا حسرت چیدن باقیست
دل پر آبله بردیم بخاک — بس بود توشهٔ ما دانهٔ تاک
موقوف یک جلوهٔ مستانه باقیست — گر توبهٔ ما سد سکندر شده باشد

سخن، میر عبدالصمد:

از سادات صحیح النسب اکبرآباد، خیلی شوخ طبع، شگفته رو، خوش اختلاط، رنگین بیان بود، اوایل خدمت اشرافت گل لیار داشت چندگاه با صدر الله خان پسر حاجی غیاث الله خان و کچهری همراه میر احمد خان در لاهور بسر کرده، آخر حال مدتی در ملازمت نواب مبارز الملک سربلندخان تولی هنگام نظامت آن صوبه به احمد آباد گجرات بود، در سنه هزار و یکصد و چهل و یک [۱۱۴۱] فوت شد، شاعر هموار گوست، او راست:

شد صرف بیهوده مشت غباری که داشتم — جز خاکساری نبود سرنوشت ما
بکوه نالهٔ من صدا اثر از نقش هست — دگر کسی چه دهد داد بینوایی را

تا زرفتی از چمن آن آبروی رنگها — میزند پیوسته بر برگ گل از شبنم سنگها
نقش خاتم اهل دنیا را گواه خفت ست — از سیاهی گشته روشن نام این بی ننگها

حری، عبدالله اکبرآبادی:

مولد و منشا او اکبرآباد است، در خوشنویسی خط نستعلیق مشهور شهر خود بود آخر بسودای بهر سلیقه
تیز رنگ نام برآمده ندانه میز نیست تا فوت کرد، طبع موزون داشت و شاگرد پدر خود است، او راست:

صبا تا خاک کویت بر ندارد — به آب دیده تر کردیم و رفتیم

امع، محمد حسن خان:

از امرا نامدار های دهلی و موزونان زمان بادشاه مذکور مغفور محمد شاه است ما داول عشرت تخلص میکرد
رسامع مقرر نمود، او راست:

چکنم خاطر صیاد عزیز است مرا — ورنه از کشمکش دام به تنگ آمده ام
از تماشای گلان مست حیا می آیم — تنگ در بر کش ای آینه تمثال مرا
شیخی که بکفر می کشد اسلامش — جز بتکده نیست کعبه احرامش
تا چند بدست خویش محکم گیرد — این آلت شیخی که عصا شد نامش

ودا، ملا علی اکبر:

مولدش دارالمؤمنین قم و نشو و نمایش در صفاهان جنت نشان بوده باتفاق علی قلی خان واله
ملک ایران بهندوستان آمده در زمره صلوات خوانان انتظام یافت، در علم موسیقی و خوانندگی کمال مهارت
شت در کتاب خوانی در مجلس و واقعه شهادت سید الشهدا علیه التحیة والثنا و مراثی آن سرور اتقیا نظیر نداشت
میکرد او بر و منه خوانی آواز می کشید مسیحان افلاک با ساکنان خاک بنوحه و گریه شریک بودند انس و جن
انکار می پرداختند و بیعا مر بلحن و انشدی انجاز میکرد و بسیار قبولیت داشت مولف هم چند بار در مجلس
ر به دار دشمه استماع کتاب انده نموده ام چند سال قبل ازین بسمت بنگاله رفته یکصد و سه سال بسر برده

من از پیمانهٔ می نشئه ندارد توبه میخواهد ____ ببند هر کس اینجا ساقی دوران دنبالی

بود خانهٔ آیینه صحرا اگر دیوانهٔ باشد ____ گل از گلزار حسن خود تماشا کند خواهی شد

زان می که بوی تندش صد رنگ مستی آرد ____ کمتر چه بید ما گر بیشتر نباشد

بیماری که دیگر همسر مگر نبود نیابم ____ ساقی، بگردش چشم ساغر اگر نباشد

دیوانه است یاران هر کار خویش هشیار ____ داند خبر که هرگز از کس خبر ندارد

دل طپیدن های من زند زخمه بتار نفس ____ ورنه ساز هستی موهوم زیر و بم نداشت

عمریست کز آن دیار دورم چکنم ____ در حلقهٔ دام چشم موهوم چکنم
جانم بلب آمده است از هستی خویش ____ چون مرغ قفس زنده بگورم چکنم

آنرا که نفس صرف هوا و هوسیست ____ تا جان بلب آمدست اسیر هوسیست
مردان چه قدر مایهٔ راحت باشند ____ در عالم ما که بیکسی نیز کسیست

ای صبح تو بر غفلت من خندیدی ____ یا بر گل و لاله و سمن خندیدی
روشن گردید آخر حال که تو ____ بر نقش بر آب خویشتن خندیدی

در عالم اعتبار زر می باید ____ نی عقل نه دانش نه هنر می باید
افسوس که روزگار بنا اهل است ____ یک آدم و صد طویله خر می باید

یاران تلاش روزگار آمده ایم ____ هستیم عزیز لیک خوار آمده ایم
آخر نکنیم از چه رو خاک بسر ____ مزدوریم و بپای کار آمده ایم

سالک، صالح یار خان بلخی :

در عهد فردوس آرامگاه محمد شاه از دیار خود بهندوستان آمده، در سلک ملازمان بعض امرا اینجا منتظم گشته بخطاب خانی ممتاز شده، هم در زمان بادشاه مذکور رحلت نمود. در فن شعر شاگرد مشرب تاشکندی بود. با مولف پسرش ملاقات کرده این اشعار ازو مسموع است، آوراست :-

کس جا ندهد در حرم جانانه به از من ____ بر شمع نسوزد دل پروانه به از من
میگفت بمن مردم چشم تو شب غم کیست ____ در دیدهٔ گرداب کند خانه به از من

مرا از شمع شد این نکته روشن / که گرمی‌های این مردم زبانیست

آن دهان تنگ جای یک تبسم وا نیست / بسته باد خویش را بچیده جای خنده نیست

نا امروز شد از تو پشیمان ساقی / رفت گر خشک ز بزم تو کرشمه آمده است

بیا ساقی که خون بیگناهان خفته است ای قاتل / قیامت میشود این فتنه چون بیدار میگردد

میکند شوخی فزون چندانکه مستور است حسن / پرده بر رخسار آتشناک او دامان شود

ز راه چرخ نخواهی صفا نما بگذار / که با کس آینه بی وجه کی طرف باشد

توئی که لعل تو آلایش شراب ندید / چنانکه آب بقا روی آفتاب ندید

درین طربکده بخت سیه گلیم منست / کسی که دولت بیدار را بخواب ندید

دو عالم پر شکوه کبریای عشق تنگ آمد / جهان دیگر ار باشد توان از خویش بیرون شد

بتن ربطی دل افسرده دارد / کفن از پوست خون مرده دارد

مرا بالحمت دلها شکسته دردن خسته می آید / برون از خانه طفل من بکف گلدسته می آید

سر بالین من در خواب آنکه بیدار گر آمد / هزار افسوس ما را عمر در غفلت بسر آمد

هست غم نعمتی که خوردن آن / هیچ موقوف اشتها نبود

حسب فرمایش نواب امیر الامرا غزلی گفته، مصرع اول مطلع نواب را در مقطع تضمین بالجزم نموده، این است:

فریبنده صوتی ساقی از ادای تو می آید / رود هر کس برون از خویشتن بوی می آید

مرا عشق مجازی از حقیقت کی کند غافل / دهان غنچه را بوسم که زو بوی تو می آید

بهنگامت که آید ساطع از ذره کلاه / سحر خورشید لرزان بر سر کوی تو می آید

میکند سنگ فلاخن دست جالینوس را / بیقراری‌های نبض خسته عشقت مپرس

دیدیم حال خال گل اعتبار خویش / طاوس وار فارغ شدیم از بهار خویش

مانند زخم دوخته بر وضع روزگار / کردیم ضبط گریه بی اختیار خویش

بیدار گشته است بهر گوشه فتنه / دیدیم برنگ چشم تو لیل و نهار خویش

چشم پر سرو خرامان تو گل از شبنم / یکی از آبله پایان تو گل از شبنم

وقت آنست که دهقان بجگر افشارد / پیش لعل لب خندان تو گل از شبنم

برحمت حق پیوست. نعلینش پیوند جشن با سید الشهدا کند که مالی از جیره دار و صد تکان از نمک از دیده میریختند. آن مرحوم در منقبات هم تخلص میکرد. - وقتیکه بهشت آمد قزلباش خان امید سود و تخلص باو بخشید، شعر مردم را میگفت. از و است:

ما آرزوی بوسه بیجا نمی کنیم — هیچ از دهان یار تمنا نمی کنیم
از چاک دل نظاره باغ یاد می کنیم — سیر چمن ز رخنهٔ دیوار می کنیم
روز ما بسکه در غم او تار گشته است — چون شمع زندگی بشب تار می کنیم

ساطع، ملا:

از مردم کشمیر است نیک و شاعر خوش تقریر است. مشق سخن در خدمت میرزا داراب بیگ جویا کرده خاطر نشان حال شد با میرزا محمد تقی بیگ قبول هم طرح بود، اوایل ترقی برفاقت اسلام خان میر آتش شاه عالم بهادرشاه بسر برده گلشن نام نسخهٔ نثری بنامش نوشته، اواخر بهوای عالی جاه بخشی الملک نواب صمصام الدوله خاندوران پرداخته بیمن توجه و التفات نواب بخدمتی از خدمات کشمیر معزز شده آنجا رفت چون قدری جاگیر هم آنجا داشت از فکر معیشت آسوده خاطر میزیست تا برحمت پیوست، در نظم و نثر تلاش مضامین تازه دارد خصوصاً در انشا بسیار قدرت داشت و خیلی رنگین می نوشت و طرز خاصی بهم رسانیده پای کم از نصیرای همدانی وغیره نماند، در علم لغت نیز ماهر بود بعبت ساطع منتخب برهان قاطع در فن لغت تالیف کرده دیوان اشعار مختصر دارد، از آنست:

ز اشک حسرت مجنون آن نزدیک شد ساطع — که تسبیح کف صحرا شود ریگ بیابانها
کف ما نیست صحرا چون تاول بر کفگیر سودن — بهتاد دست نیرنگ انداز دل گران باشد
من که بود چون نامه یکم جو پیسانی مرا — تا شوم در بزم خود هرگاه مهمانی مرا
نگاه عاشقان تاراج گلچینیست باغش را — پس بینهاد رنگ افشانی لب دامان حرامش را
گویا زخم من آموخته دیگر پیش را — بر سر چشم نشاند نیچه مژه تیرش را
بر سر آن سرو قامت میشیرم زبیکاکل نبود — درد آمد است این که ز عالم بالا گذشت
جان شیرین لب شکر و بیان ستاند — طبع هم سنگ لعلیان چهرهٔ دلها شکست

سودا، میرزا رفیع دهلوی

اصلش از بخارا است، یکی از اجدادش بهندوستان آمده در شاهجهان آباد دهلی فروکش کرده توطن اختیار نمود. تولدش خودش در آن شهر اتفاق افتاده بعد رسیدن بسن تمیز بگفتن اشعار ریخته یعنی زبان مختلط فارسی و هندی که محاوره هندوستان را بایست شوق کرده بمرتبه خوب گفت که مافوق آن تصور نتوان کرد از ابتدای ظهور دهور که شعر ریخته اختراع یافته تا حین تحریر این سطور بصفائی محاوره و بندوبست الفاظ و نفاست مضامین و سلاست زبان و لطافت بیان شاعری بامداد بروی کار و در عرصه اشتهار نیامده درین فن بی نظیر زمان و مشاهیر دوران است خصوصاً در قصاید گویی یکتاست از چند سال بسبب اختلاط عالیجاه غازی الدین خان بهادر عماد الملک بگفتن اشعار فارسی پرداخته چون ذهن رسا دارد. بخوبی میگوید قطع نظر از شاعری باکثر خوبیها آراسته و بسیاری از اوصاف حمیده پیراسته است در حسن اخلاق و تازه رویی طاق و شیوه کوچک دلی و تواضع شهره آفاق و در پاس آشنایی‌ها عدیم المثال تا آنکه سنین عمرش به پنجاه و پنج رسیده طبع جوانش رشک نوبهار و اختلاطش شگفته‌تر از گلزار است با مولف این اجزا اشفاق بسیار ظاهر مینماید و امرای عصر کمال توقیر می‌نمایند و بسیار بعزت پیش می‌آیند از نتایج طبع اوست:

در قتل گهم آری و من روی تو بینم —— یک خلق مرا بیند و من سوی تو بینم

بیا بیا نفسی چند شمع بالین شو —— که خستهٔ غمت امشب بحالت دگرست

آتش بدلم میزند این رشک که آن شوخ —— مخفیست پس پرده و بیرون خبر اوست

من معتکف دیر از آن گشته‌ام ای شیخ —— زان در چو منی را اگر براند در اوست

ساختم از حال دل آگاه و یار از دست رفت —— کرده‌ام کاری زنادانی که کار از دست رفت

از شیشهٔ فلک مطلب می که این دنی —— جامی بباده میدهد آنهم تمام نیست

ساکن، عنایت بیگ:

اصلش از شاهجهان آباد است. بعد فترات دهلی از ورود احمد شاه جنشان خان ابدالی بلکهنو آمد و ذوق گفتن شعر بهم رسانده بخدمت میرزا محمد فاخر مکین سلمه الله مشق سخن کرده ایشان برعایت تخلص خود

پیاله تو ای غمگسار میخواهم — ز خود کناره تراهم کنار میخواهم

داد بیهوشی جام از نگهت دست بهم — صلح دانند کنون محتسب و مست بهم

دل باخته ام گفتم غم دنیا را — تصدیع مکش مهمان من خانه کجا دارم

شکایت ز جور نگاری ندارم — خدم خاک در دل غباری ندارم
نگردیدم گرترا بار خاطر — چرا من به بزم تو باری ندارم

حضور سایل از دریا بیاموز — کف از شرم کرم بدو گرفتن
نباشد آدمیت نکته گیری — که کار سگ بود آهو گرفتن

در جهان فقر از فیض قناعت میرسد — صاحب رمق را لاف اسکندر زدن

طبیبا کی رود سوز درون من بدرمانی — تهی دستی ادا حاجتم چو آتش ذر سیتانی

در جفای من و لطف دگران میکوشی — رخ با اغیار نمودی و زمن می پوشی

سابا ستی[1]
مفتم نه ز جام عشق مستی دادند — کاین نیستیم بقدر هستی دادند
سرمایه هر آنچه بود دادم از دست — ارزان نه متاع تنگدستی دادند

سپاهی، شاه:

درویش دردمند، دلریش و عزیز، خوش اختلاط، پاکیزه کیش هست. اوایل حال در کمال آسودگی اوقات بسر می برد، دست از امور دنیاداری برداشته ترک دنیا کرده فقر اختیار نموده در الهآباد بکمال بی تعینی و بی پروائی روزگار میگذراند و بسرمایهٔ توکل بسر برده بود. روز بشب و شب بروز می آورد، با سخن منظوم بسیار شوق دارد و بخدمت اکثری از تلمذ سخنجان عصر چون افضل المتاخرین شیخ محمد علی حزین وغیره رسیده خود هم اشعار بسیار گفته با مولف این اوراق غائبانه آشنا شده بود بوساطت برادران عزیز از جان میر محمد سمیع و میر محمد علی سلمهما الله تعالی که بعلاقه کاری وارد الهآباد شده بود. مکرر مراسلات و اشعار و ابیات خود فرستاده در اکثر مکاتیب مراتب دوستی و بعضی حرفها از حسن ظن خود قلمی نموده، این چند شعر از آنست.

---

۱. شعر تحریر نکرده

ساکن، میرزا محمد جان کشمیری:

عزیزیست از اہل سخن در سلک ہمراہیان نواب نجف خان معظم دہلی ۱۱۹۸ وقت کہ سال ہجری یکہزار و یکصد و نود و ہشت ست در دہلی ہمراہ نواب موصوف بسر می برد این ابیات او از زبانی میرزا قتیل سلمہ اللہ کہ ذکرش می آید شنیده شد:

چہ روز ست این کہ دیگر در جہان آن سرو ناز آمد	قیامت شد گر قایم کہ عمر رفتہ باز آمد
می آمد و بر من بتبسم نظری داشت	گویی زدل گم شدۂ من خبری داشت
اجابت تو بر طاق محراب باش	کہ ما از دعا دست برداشتیم
شیخ شہر از سفر کعبہ بجای نرسید	پیش از این نیست کہ طی کرده بیابانی چند

(ش)

شعیبا، ملا خوانساری:

از تلامذۂ علامی آقا حسین خوانساری روح اللہ روحہ در دار السلطنۂ اصفہان سکونت داشت، بطلوع صبح موصوف در سنہ ہزار و ہشتاد و سہ ۱۰۸۳ فوت کرد، او راست:

سخن صاف دلان راه بدلہا دارد	در شہوار بگوش ہمہ جا دارد
بقدر ہمت ہر کس ہنر زیاد شود	رسد چو قطره بدریا کریم زاد شود
بزن بقامت خم گشتہ از جوانی دم	کہ این کمان بہوای نفس کباد شود
رفیق توسن ہمت بخود نمی گیرد	یکے سوار شود دیگری پیاده شود
جان بدتنم زبر تو سیاہی دیگر نیست	رفتار من چو سایہ زبالای دیگر نیست
با ہر کہ حرف دوستی اظہار میکنم	خوابیده دشمنیست کہ بیدار میکنم

شفیع، محمد قزوینی:

خلف الصدق مولانا محمد رفیع واعظ قزوینی مغفور مذکور جوان صالح خوش طبیعت بود او راست:

پیش ما سرگشتگان یکسان بماند خوب و زشت	یک روش گردد بآب تلخ و شیرین آسیا

ساکن تخلص بخشی زند دو سه سال بسر برده بسمت بنارس رفت وبخدمت شاه نذر علی پیوسته ترک دنیای که داشت کرده فقر اختیار نمود و چند ماه بود که بعظیم آباد پتنه شتافت تا حال همانجاست بهنگام اقامت لکهنؤ اکثر پیش فقیر مولف می آمد با آنکه صورت هندوستانیان داشت شعر طرح مغولی میخواند، بهرحال عزیز مسکین زنده دل است. اوراست:

نیست ما را جز الف تیر نظر — بسکه قرش دلنشین حاریم ما

نه تنها من نشستم چشم در راه نگار خود — که از دعوی برای شوق دادم انتظار خود

یک قطره ز چشم تر نیفتد — تا لخت دل و جگر نیفتد

من رشک بچشم خویش دارم — خواهم برخش نظر نیفتد

بسینه داغ نگاری که داشتم دارم — هنوز باغ و بهاری که داشتم دارم

هزار بار گریبان دریدم واز شوق — هنوز دست نگاریکه داشتم دارم

براه تو بی نور شد چشم ساکن — تو ای بیمروت نظر هم نکردی

سبقت، سکهراج:

صاحب کلمات الشعرا نوشته که نوجوانیست تازه فکر از عروض و قافیه وغیره فنون شعر باخبر طالعلمی هم دارد با فقیر و میرزا بیدل مربوطست و صاحب تلاش و طبعش مایل ترقی اوراست:

الهی برفروز از عشق شمع محفل ما را — به تعمیر دل ما صرف کن آب و گل ما را

بسکه محو سعی بیجا حاصل بود اندیشه ام — در دویدن شد برنگ موج قطع ریشه ام

منم و صد خطر از خصمی خویشاوندش — دشمن خانگی شاه بود فرزندش

شب چشم ندارد فرصتی خنده برق — نفس تا میکشم صبحست شام زندگانی را

او بفکر منست و من فارغ — بنده گیها خدائی دارد

هر چند که بی نصیبم از قرب حضور — هر گاه بخواند نیم از همه دور

از تنگی جا اگر نویسد کاتب — در نذر من رطیف شعر باشد منظور

بی تعینی داشت. خالی از حال نبود. اشعارش در نزاکت و لطافت گل سرسبد روزگار. گویا از تذکرهٔ همیشه بهار
در نضارت غیرت بهار، میرزا طاهر نصیرآبادی نوشته که او در سنه هزار و هشتاد و هشت ۱۰۸۸ بهرات آمد. صفی قلیخان
شاملو بیگلربیگی هرات کمال مهربانی در بارهٔ او مبذول داشت و میرزا سعدالدین محمد راقم خیلی به تربیتش مصروف
گشته نوازش بسیار بحال او فرمود و شوکت تخلص بخشید. جناب شیخ محمد علی حزین رقم زدهٔ خامهٔ عنبرین شمامه نموده
که خودش از بدایت حال تقریر میکرد که پدری داشتم صراف. مرا بدبستان فرستاد خط و سوادی آموختم. چون بسن
رشد و تمیز و تکلیف رسیدم پدر رحلت کرد. خواه نخواه برای وجه معیشت بر سر بازار بشغل پدری نشستم
و از آن معیشتی حاصل می کردم. چون طبع موزون داشتم و کلام میرزا صائبا در آن شهر رواج و شهرت یافته بود
بآن اشعار فرحی و ذوقی بدل حاصل میشد. مصرعی چند با هنجار بر اقران خویش میخواندم. نازک تخلص میکردم.
روزی دو سوار ازبک نزد مکان معهود من رسیده برای سخن یکدگر استادند. اسپان ایشان پای بر بساط
من نهاده از هم پاشیدند. مرا در نکوهش اینها سخنی بر زبان آمد، بضرب تازیانه آنچه خواستند بر من کردند.
مرا دل از آن بشورید. همان زمان پیاده بی زاد و راحله از بخارا برآمده روی بخراسان نهادم. چون وارد خراسان
شد میرزا سعدالدین محمد راقم وزیر خراسان که از عالی همتان و جهان مستعدان زمان بود مهربانی نموده
گاهی بمجلس خود بار میداد. هرگاه موزونی طبع او ظاهر شد میرزا بیش از بیش مورد الطاف داشته در تربیت
و تعلیم او کوشید. چون در صحبت میرزا شعرای بسیار و مستعدان هر دیار از عراق و خراسان و مشهد مقدس
مقیمای احسان و عظیمای نیشاپوری بودند. براه و رسم سخنوری آشنا متبحر گشت. و از آن وزیر روشن ضمیر
شوکت تخلص یافت. رفته رفته از فیض تربیتش شعرش پیرایهٔ شهرت گرفت. روز بروز لطافت و سلاست
یافته برسنجیدگی و کمالش می افزود. آخر بسبب نزاکت مزاج و وارستگی طبیعت و آزاده وضع از الفت اهل دول
بیزاری و ملالت نموده. نمدی خراسانی ساتر تن ساخته سر و پای برهنه از خراسان عزم عراق کرده باصفهان
آمد. باعث این سفر آن شد که روزی میرزا آدمی بطلب او فرستاد. چون بی تعلقی دامنگیرش گشته بود در آن
وقت میل رفتن نداشت. جواب داد. میرزا بدماغ شده با حاضران مجلس گفت که یاران ببینید من با شوکت
چه بد کرده ام. این سخن باو رسید. این بیت بر زبان آورده همان دم بطرف عراق روانه شد:

منت اکسیر ما را زنده زیر خاک کرد ... از طلا گشتن پشیمانیم ما را مس کنید

باصفهان رسید. در مقابره‌ای که منسوب بمزار شیخ بزرگوار شیخ علی ابن سهل بن الازهر اصفهانی قدس الله روح العز

بی حاصلان ز قدر سر شکنند بیخبر ___ یاران به از گهر بود ارباب کشت را
تا مجرد نیست سالک رهنما کی میشود ___ شاخ تا برگ دیری دارد عصا کی میشود

شوکتی، ملا محمد ابراهیم اصفهانی:

ولد میر غیب خان عزیز، خوش سخن بود، از عراق دو بار بطوت قلندران بهندوستان آمده اول آمد با نواب ظفر خان احسن سر برده معاودت نمود، مرتبه دوم رسیده، بر راجپوت پسری فریفته گشته عشقبازی آغاز کرد آخر بدست آن کافر شهید شد، او راست:

بی سوز عشق گریه شکست آورد بدل ___ آیست سنگ کوله آتش ندیده را
دیدی از دورم و دانسته تغافل کردی ___ خوب کردی که ترا خوب تماشا کردم
ای فلک با اینهمه لطف اینقدر بیداد چیست ___ شمع روشن کردن و دادن بدست باد چیست
مرادی ندارم که مشکل برآید ___ دل ناامیدم لب بی سوالم
الفت بیگانگان برد از دلم یاد وطن ___ غربتم میکشت اگر یک آشنا میداشتم
کردیم یک نگاه و تماشا تمام شد ___ رفتیم یک سر از سر دنیا تمام شد
خون دل در گوشه گیریهای من رنگین شود ___ در کنار بحر آب از چشمها شیرین شود
برخاست پی رشک وفا صد دلشده جان برد ___ تا بی بکمر داد و دلم راز میان برد
زبادهٔ دل ما هیچ گوشه خالی نیست ___ کدام سنگدل این شیشه بر زمین زده است
مستانه چاه غبغب آن ماه را ببین ___ آن یوسف برآمده از چاه را ببین
شمع و گل و پروانه و بلبل همه جمعند ___ ای دوست بیا رحم بتنهائی من کن
مگر بوریا از نی تیر اوست ___ که بسیار با پهلویم آشناست
در عشق تو عقل و دین و هوشم بردند ___ از دیر مغان دوش بکاشم بردند
چون راز محبت نهفتنی بود بدل ___ این واسطه از جهان خموشم بردند

شوکت، محمد اسحق بخاری:

بسیار عالی همت، خوش طبیعت، بلند فطرت، پاکیزه فطرت بست، وارستگی و آزادگی و کمال

هستی زیکسو وجود بود کاینات را
باشد زیک هوا نفس اهل حیات را

مالی چو دست آن بت بدست میکشد
چون میر سلیما عرق او دست میکشد

باده از خود رفت و یار از چشم مدهوش تو شد
شد تبسم چون ورد رنگ لعل خاموش تو شد

از تعلق بستگی در کار پیدا میشود
چشم سوزن علاقهٔ زنجیر عیسی میشود

دل از یاد دهانش با نچنان تنگ شد امشب
که یکجا جمع شد چون برگهای غنچه داغ من

آمده است از فلک سبزی ما بخوان ما
ز آتش سنگ آسیا پخته شدست نان ما

ز بیم نمی گسلد رشتهٔ نظارهٔ من
بعمر خود نکنم غیر یک نگاه ترا

ز سایهٔ مژهٔ چشم خود بست قلم
چو میکشید مصور دهان تنگ ترا

فکر خامی نزند سر ز دل چاک مرا
پخته گردد سخن از شعلهٔ ادراک مرا

بسکه بی آرامی دل میبرد از جا مرا
رنگ میگردد که در کویش کند پیدا مرا

از آب تیغ برگ گل عیش چیده ایم
صبح بهار ما کف دریای خون ماست

ترسم بیک تغافل بیجا خورد شکست
پاس دلم بدار که بسیار نازکست

کلبهٔ روشندلان را احتیاج فرش نیست
خانهٔ آیینه را از جوهر خود بوریاست

چهرهٔ رنگین یار من گرد د بهار از دست رفت
تا بکف ساغر گرفتم لاله زار از دست رفت

حاصل از شعر مرا غیر پریشانی نیست
چون دو مصرع بهم آرم کف افسوس منست

عاقبت بتو بلای دل غمدیدهٔ ماست
آتش محمل ما فتنهٔ خوابیدهٔ ماست

ما بسر پنجهٔ ناز تو زبونیم چنین
ورنه مژگان بتان پنجهٔ تابیدهٔ ماست

چه منع میکنی از بینوائی که مراست
که بادشاه ندارد گدائی که مراست

بهر گلشن که آن سرو بلند اقبال می آید
گل از بالیدن خود بهر استقبال می آید

چنان ز گردش آن چشم مضطرب گشتم
که رنگ می به نگاهش به نیم ره واخورد

رسانیدم دو مصرع را بهم تیغ دو دم کردم
تهی مغزی که پیچون نی بدست آید قلم کردم

بجو گندم بعدم نان سفر می بندم
نان تهٔ کردهٔ خود را بکمر می بندم

از بهر قطع کردن نخل حیات تو
چون اره در نفس اندر کشاکش است

وبیرون حصار اندباد واقع مکانی مأنوس اختیار کرده چندی با صحبت نیکان و فاضل آن شهر الفت و با بعضی شعرا مودت و رغبت پیدا نمود. اکثر اوقات بعزلت در آن حجره بسر می کرد رفته رفته بریاضت و انزوا افزوده ترک صحبت و معاشرت خلق نمود زبان بتکلم کم میکشود در دو سه روز یکبار لب بلب نانی رسانیده افطار میکرد، بسیار نحیف بدن و گداز گشت جامه که در خراسان پوشیده بود. در مدت سی و چهار سال تبدیل نداد تا بعد از رحلت از بدنش بیرون کرده کفن پوشانیدند در سال هزار و یکصد و هفت ۱۱۰۷ برحمت الهی پیوست در همان حظیره منوره که مسکنش بود مدفون ساختند، مولف گوید که در سال ورود او بخراسان و وفاتش تعداد این قدر سنین تمکّن او در ایران ظاهر نمی شود که شیخ علی فرمود، اغلب که سهو کتابت باشد، هم شیخ مغفور می نویسد که فقیر در کودکی او را دیده ست بعد از چند سال که عارف زمانی شیخ خلیل الله طالقانی روح الله روحه رحلت فرمود، متصل تربت او مدفون گردید مگر این فقیر از آن عارف زمانی ذکر احوال او شنیدم که برافت تمام یاد او می نمودی لهذا فرمود که شوکت او چون باین شهر آمد با ما انس گرفت بعضی شکوک و شبهات که در خاطرش بود رفع شد، خان آرزو گوید از کلامش خان مستفاد میگردد که بهند آمده، مولف گوید صحیح احوال همین است که بقلم آمد و مطلقاً بهند نیامده است. بهرحال دیوانش مشهور و اشعارش بر السنه جمهور مذکور او راست:

تا از خاک در کشته مژگان ترا — کفن از صبح بهارست شهیدان ترا

دهشت حسن نظر کن که جدا می بینم — همچو مژگان رخت سایه مژگان ترا

پیاله نقش دگر زد در خ فرنگ ترا — شراب روغن گل شد چراغ رنگ ترا

لطافت تو حجابست جلوه گاه ترا — بود حریر هوا پرده بارگاه ترا

مسخر کرده اند اهل جنون تعلیم آهو را — سواد چشم آهو مهر باد امیست مجنون را

غریق بحر وحدت جلوهٔ کثرت نمی بیند — ز زیر آب نتوان دید موج آب دریا را

بخاکم ای سیه چشم طرح آهسته تر بگشا — مبادا از یاد مژگان تو شمع استخوان میرد

در دیر فنا با خاک یکسان بود ادگستی — پی داخل شدن چون شمع در دیدم قد خود را

خرابات است ظاهر میشود مقصد پدید این جا — سفید آب عروس عالم کن موی سفید این جا

متاع سر مه دارد کاروان ما بکسالان — جرس هم از دل خود ناله نتواند کشید این جا

بوستان بهر طرف دیوار این ویرانه می افتد — بجو رعنای صورت صورتی تا کی کشید این جا

روانی داشت در خلال اوقات شریفه خود بحکم طبیعت چند بیتی میگفت چون بهمه اشعارش اطلاع یافته آنها را طلب کرد فی الواقع از نوادر روزگار یافت، القصه در عهد سلطنت شاه سلطان حسین مغفور وفات یافت، او راست:

زبس دیده هم آیینه دار شمع رخسارت — جهان یک چشم حیران در تماشاگاه دیدارت
دل شیخ حرم را کشد سواد مصحف رویت — برهمن را رگ جان در شکنج زلف زنارت
درین گلخن خلیل آمد فروز شعلهٔ شوقت — درین گلشن مسیحای نسیم صبح بیمارت

شرر، میر کاظم قمی:

از خدام مزارات سلاطین صفویه انار الله برهانهم بلطف طبع جودت خیال و صفای ذهن اتصاف داشت، زمانش عهد سلطنت شاه طهماسب شهید است که آخرین سلاطین صفویه است در عصر نادر شاه نیز بود، او راست:

نمی خواهد دلم زخمی که با مرهم بود کارش — من و آسایشی دردی که از درمان بود عارش

شغف، آقا عبدالله قمی:

در اوایل عمر از مولد خود که قم باشد باصفهان آمد چون خفاف یعنی کفشگر بود در همان پیشه شاگردی میکرد پاره از روز که بمکتب رفته سبق میخواند اندک سوادی روشن نمود، چون طبع موزون داشت سودای بشعر گفتن پیدا کرد بصحبت شعرا مشغول و بشاعری مشغوف شد، یاران لطف طبعش دریافته او را از جرگهٔ کفشگران برآورده بلباس دیگر آراستند آخر از علو فطرت و فیض صحبت سخن آشنا بشیوهٔ مردمی و آدمیگی موصوف شد و بشاعری معروف گشت بعد در تنها حازم خاطر متوجه عراق شد، در ارتیان که منزل میرزا هاشم دل تخلص منعقد بود در عین جوانی هزار و یکصد و سی و چهار ۱۱۳۴ھ از دار فنا بمنزل عقبیٰ رو آورد، جناب شیخ علی حزین قلمی فرمود که او در کمره خیالات خود را گوش زدمی نمود، خالی از اسلوبی و لطافتی نبود، او راست:

برآمد از چمن دل هزار نخل امیدم — بیاد قد تو از بس الف بسینه کشیدم

گرمست زبسکه الفت تو — در آتشم از محبت تو
کردی تمهید با رقیبان — کشتند مرا برخصت تو

خطی که بیاقوت تو نظاره پسند ست ... گردیست که از آمدن غنچه بلنداست
شهادت‌نامهٔ ما قاصد دیگر نمی خواهد ... برد مکتوب ما را چون دم تیغ تو بر گردد
خانهٔ ما کم از فنا کده نیست ... چشم عنقا چراغ خلوت ماست
دو راز چشم تو نگشاید دل از بستان مرا ... می نماید ترکش پر تیر نرگسدان مرا
از غبار گرد بادم سر نخیزد بعد مرگ ... بسکه دارد گردش چشم تو سرگردان مرا
غبار رنگ عاشق گرددار بخت سیه کامل ... طلای زعفران را جبههٔ هند و محک باشد
سواد هند را میخانهٔ اندیشه میدانم ... حنای پای برزان را می بی شیشه میدانم
دراز بیگانگی شوخی بروی آشنا بندد ... که از وحشت بشام دیدهٔ آهو حنا بندد
نیست از حیرت دیدار تو چشم خالی ... نم اشکم چو هوا گشت نگه میگردد
آمادهٔ فنا نکند زندگی قبول ... دستی ز دست رعشه پیری حنا را
فزون گشت از سواد خط فروغ حسن جانان را ... صف آن مور شد سرمه چشم سلیمان را
تماشای کهن سال از جوان سنجیده تر باشد ... ترازوی نگه سنجیست عینک چشم پیران را

شهاب، میرزا صالح:

مولدش قریه سان بهارنگ من مضافات بلخ ست، از مستعدان روزگار و عباد پرهیزگار دیار خود است، اکثر اوقات حیات بشعر و شاعری معروف میداشت در سنه هزار و یکصد و پنجاه و پنج در بلخ نقد حیات را ببلغ رسانید، در قریهٔ شیرغان من مضافات بلخ مدفون گردید، او راست:

سرو خیزد بعد مجنون لاله روید سرنگون ... در گلستانی که سرو قامت من گل کند

شریف شیرازی اصفهانی:

عداد از پارسایان عباد و در انشاد نظم طبع وقاد داشت، شیخ علی حزین دام برکاته، قلمی فرموده که فیاض متعال سلیقه در شعر او را کرامت نموده بود که اگر بیان می گماشت یکی از سرآمد شعرا می شد لیکن بقدر ضرورت اوقات صرف گشت، خود نموده باقی را بطاعت و عبادت بسر می برد و اصلا دران فتور و قصور

هنر سازد مقصود میگردد هنرمند را ـــ گره در رشته پرواز بازی شد کبوتر را
اشک خون گریه گل دامن قاتل گردد ـــ بچه امید دل شیفته بسمل گردد
همچو آن مهره که فرزین شود از فیض سفر ـــ هر سرشکی که ازدان کوبرسد دل گردد

شاعر، میر سید محمد بلگرامی:

ولد میر عبد الجلیل بلگرامی در اکثر فنون کمال ماهر و اکتساب فضایل از خدمت والد خود و میر طفیل محمد که ذکرش بجای خود مسطور است کرده، در هزار و یک صد و یک متولد شده، بعد استعفای پدرش از خدمت بخشگیری و قایع نویسی و سوانح نگاری سیوستان خود بآن کار منسوب گشته، مثنوی مسمی بناز و نیاز در قصه سید علی ترمذی بلگرامی و شاه فیاض که عاشق او بود گفته ست او راست:

پریرویی که زلف او مرا آشفته تر دارد ـــ هزاران نکته باریک در موی کمر دارد
تو گشتم چون حباب عین دریا یافتم ـــ چشم پوشیدم ازین عالم تماشا یافتم
دران گلشن که سرو قامت جانان شود پیدا ـــ بجای طوق قمری دیده حیران شود پیدا

شاعر، گل محمد:

نامش گل محمد و شاگرد میرزا عبد القادر بیدل بود، او راست:

ز صد ناوک چسان یک صید وحشی جان نگهدارد ـــ دل مارا خدا از دست آن مژگان نگهدارد
کسیکه در پی آن طفل ماه پاره برآید ـــ چه ممکنست که از گردش ستاره برآید

شهود، بالملکت:

از طایفه کایت است که قومیست از هنود در هندوستان از زمرهٔ نویسندگان چون در تصوف بوحدت شهود و بآن مشرب قایل بود شهود تخلص می نمود از علوم رسمی نیز بی بهره نبود، آبا و اجدادش در طرف بهار بوده اند، خودش در عصر محمد شاه بهمی بشاهجهان آباد دهلی آمده، شاگرد سراج الدین علی خان آرزو شد، بعد انصرام کار خود باز بآنطرف معاودت کرد. خان آرزو نوشته که هنوز اوایل مشق اوست، اگر روز

کس را چمن ز نسبت ــــ آنا ــــ بیرون ز قفس نمی توان رفت
ز تنگی هنوز سرم گرم در هوای نجف شد ــــ شغف ز سایه گذشتم به آفتاب رسیدم
آن شاهد معنی که لقا بنماید ــــ باشد همه جا و هیچ جا ننماید
یک لمعه ز خورشید رخش تافت بطور ــــ شد طور بجای که غبار بنماید

شهید، میر غازی :

از اقربای میرزا ارو شنضمیر و معاشران احمد یار خان یکتاست دند و ضع بهره من اعمال لاهور ساکن بود در هزار و یکصد و سی ۱۱۳۰ فوت شد، در سخن سنجی خصوصاً مثنوی گویی طبع درست داشت. در سبعه سیاره زلالی هفت مثنوی بخوبی گفته و جنگ و جدل باستعمال تیغ زبان غازی و شهید گشته از مثنوی مسمّی بشور جنون اوست :

هیچ دانی چیست این شور جنون ــــ این نوای تیشه ست و بیستون
چیست این شور جنون سحر حلال ــــ بهر طاعت پیشگان بانگ بلال
ارغنون دل شکنیهاست این ــــ خوش خرامان را صدای پاست این
یا صریری از درون خسته ئی ــــ صور اسرافیل بر پا بسته ئی
این سخن از جنس قال و قیل نیست ــــ جز صدای شهپر جبریل نیست
پشت چشمش بود از بس خوشنما ــــ داشت مژگانش نگاهی بر قفا

جای که معشوق را عاشق در خواب دیده بیدار گشته گفته :

سرو قدا دنهان از دیده گشت ــــ گرد باد دشت نم گردیده گشت

از مثنوی مسمّی بناله عشاق نواز ست :

ای خطا بخش خطا پوش اله ــــ عفو تو شعله گنه مشت گیاه
شعله بر قدر گیاه افزاید ــــ عفو مقدار گناه افزاید

از مثنوی دیگر در صفت کشتی :

گر کشتی گران ناز پیشه ــــ ز خنجرهای مژگان کرد تیشه
نه عاشق تیرهٔ دل وام کردند ــــ بکام دیده کشتن نام کردند

یل پرداخته بهند آمده در تذکرهٔ میرزا طاهر نصیرآبادی اشعارش مرقوم خان آرزو از زبان محمد حسین ناجی
من نقل کرده که ملاصافی مذکور برادر ملا فوقی شیرازی ایامیکه بهند آمد در بلده رشک بیت المعمور بهانپور
م ملاقی شدیم شبها باهم می نشستیم ملای مذکور یاد ولایت و زنهای آنجا میکرد و میگریست خصوصاً یاد
کرشسکته نویسی شهرت داشت اتفاقاً اردوی گیهان عالمگیری از انجا باحور رسید ملا بریک زنی
ان عاشق و شیفته گشت و بی او یکدم نمی توانست بود، گفتم بسیار تعریف ولایت خود میکردی حسن هند و بستان
ی۔ ملا گفت با زنهای ولایت بکار نمی آیند برای همین خوبند که مادر و خاله این کس باشند، او راست:

عنقریب است گرش مشت پریشانی چند ——— مشت خاکیست بجا مانده و عصیانی چند
عشق میجو یی ز اهل درد می باید شدن ——— رکش خود همچو رنگ زرد می باید شدن

بجو وزیر خان گفته است:

ای خواجه ز تحمل خویش در رنجی تو ——— چون افعی خفته بر سر گنجی تو
تو خشک سیاه خشک هم شاهت خشک ——— گویا که وزیر شاه شطرنجی تو

صادق، آقا تفرشی:

از تلامذهٔ جامع کمالات انسانی مولانا محمد صادق اردستانیست در علم حکمت و فن شعر
بسیار مربوط و صاحب طبع، خوش مذاق، عالی ادراک بود، از اقسام شعر بمثنوی گویی راغب و اغلب اشعارش
همانست تا هزار و یکصد و شصت در شهر خود در زمرهٔ احبا انتظام داشت، او راست:

تا بهر خود نداشته باشم ذخیرهٔ ——— امروز میخورم غم فردا گریستن

صانع، میر دوست محمد سیالکوٹی:

والد و استاد میر محمد علی رایج تخلص مذکور عزیز اهل صاحب شعور بود، او راست:

بپای برق هم نتوان رسیدن در حریم او ——— نه دور و دراز است ای کبوتر بال و پر مشکن

صداقت، محمد صادق:

برادر محمد اکرم غنیمت تخلص ست که ذکرش می آید۔ بدقت فهم و جودت طبع اتصاف داشت

مساعدت میکند بپایهٔ اعلی میرسد، اوراست:

چنین کز خم بادهٔ آمد علاجم ـــ کجا با فلاطون بود احتیاجم
بغرق روزگارت کیست پیری خاک پاپوسی ـــ هنوزای بیخبر با بازی طفلانه مایوسی
نگهدارد شکار لاغرم ناموس صیادی ـــ که با دست تهی از صیدگاه امروز می آیی
در دو عالم همه جا آمده ایم ـــ با که گوییم چها آمده ایم
بیخودان سر کوی یاریم ـــ که ندانیم کجا آمده ایم

شوق تنکه رای:

از اشراف طایفهٔ هنود و پسر دیوان خالصه اعز الدین عالمگیر ثانی ست، با شعر کمال شوق دا تتبع کلام اساتذه نموده ربطی بسخن پیدا کرده، تذکرة الشعرای ضخیم نوشته، بلاشبهای بسیار بلند که مشهٔ عقل رسا آسان بآن رسد بکار برده، خودهم اشعار بسیار گفته، بسبب آشوب وفتن دهلی حالا بسمد صوبه اوده که امن اهالی انجاست آمده بسر می برد، اوراست:

بقربان تو قاصد باز گو پیغام جانان را ـــ نفهمیدم ز شادی بسکه زد از خویشتن رفتم

(ص)

صبحی، بیرم بیگ:

از کدخدایان آن مکان وتلامذهٔ آقاحسین خوانساری علیه الرحمة والغفران ست، بلطافت اتصاف داشت، اوراست:

ای تازه جوان جوان شدم پیر شوی ـــ کز قد توام عصای پیری دادند
ایکه چو نی از نفسی زنده ـــ این همه آوازه چه افکنده
تا نفسی زندهٔ ای سست پی ـــ جای تو خالیست چه آوازنی

صافی، ملا کازرونی:

از کازرون شیراز ست بجهت بسیار ماندن در شیراز بشیرازی شهرت گرفته مدا صفهان قدری

قریب چهل سال رسیده اکثر اوقات در فرخ آباد کروری قنوج است بسر میبرد - از طبع ذهنش هست

تا نگردد بر کسی افشا هر غم پنهان ما — چون شکست رنگ باشد بی صدا افغان ما

یادم آمد ستاره ریزی صبح — از جبین تا عرق چکید ترا

نبود خطر از حادثه خونین جگران را — رهزن نزند قافلهٔ اشک روان را

نه تبسمی نه لطفی نه تکلمی نه حرفی — بچه سان کنم تسلی دل بیقرار خود را

نه بکعبه بیش تسلی نه بطوف دیر تسکین — بدرش مگر شکیبد دل ناصبور ما را

ناتوان کرد آنچنین فرقت یاران ما را — برد چون اشک ز جا جنبش مژگان ما را

بسکه رفتیم بفکر دهن او صائع — شد نهان غنچه صفت سر بگریبان ما را

همین نه لخت جگر همعنان گریهٔ ماست — که نالهٔ همسفر کاروان گریهٔ ماست

بدهر قصهٔ طوفان نوح گشت کهن — ز بسکه در همه جا داستان گریهٔ ماست

یکدم ز آه و ناله نیاسوده ایم ما — تا بوده ایم با تو چنین بوده ایم ما

این بیت که بیت شد بنام یکی از شعرای مذکورین این نسخه بنظر رسیده و اغلب که به تحریر آمده باشد چون این عزیز در دیوان خود قلمی نمود نقلم آمده - اغلب که توارد باشد و در دیوانش جابجا چنین دیده ام

(ض)

ضمیر، میرزا روشن ضمیر:

مرحوم میرزا طاهر نصیرآبادی نوشته که اصل میرزا روشن ضمیر از ولایت ایران است از آنجا بهند رفته صاحب صوبهٔ بندر سورت شد، چندگاه بان کار پرداخته معزول گشت، باز مسموع شده که بندر سورت باو دادند مولف تذکره ید بیضا قلمی کرد که در عهد عالمگیر بادشاه از ملک ایران بهندوستان آمده در سلک منصب داران بادشاهی انتظام یافت - با وجودیکه از ولایت آمده بود زبان هندی را خیلی ورزیده و از اساتذهٔ فن برآمده اشعار بسیار در هندی گفته هندی تخلص که مترادف عشقی است میکرد و کمرهٔ پارچانک در فن رقص و نغمات هندی از دست - اگرچه زبانش بتلفظ زبان هندی خوب نمیگردید - اما نظمش بسیار رخیته بود مولف گوید میرزای مذکور ایرانی الاصل است و سلسلهٔ نسبش

درصنایع شعری ماهر، مثنوی هم گفته است، درعین شباب دماغش مختل گشته سودا بهم رسانید ـ اشعارعجیبه گفته بود اکثر آنرا شسته هرگاه بهوش آمده از آن مرض شفا یافت از ضایع شدن اشعار تأسف اظهار میکرد ـ اواسط عهد فردوس آرامگاه محمدشاه فوت شد ازوست :

داغ منت پروانه و بلبل کجا دارم — چراغی برنمی‌تابد مزارم گل فشانی هم
چون کمان انعطافی نتوانم برآورد دل بزود — گوشه گیری مصلحت با قامت خم دیده ام

صدرالدین، شیخ :

عارف طریقت و کاشف بحر حقیقت بود، مردم بسیار درسلک مریدانش انتظام داشتند از کلام حقیقت انجامش استفاده می یافتند، معاصر نادرشاه است ـ در اقسام شعر رباعی گفتن بود، گاهی غزلی نیز میگفت، ازوست :

حقیقت را ظهوری بی مجازی نمی باشد — ولی ادراک این معنی بجسم خاکی نمی گنجد

صدرالدین، شیخ نیشاپوری :

طالب علمی بود، بخدمت مشایخ بسلسلهٔ قادریه اعتقاد داشت، بکثرت اختلاط میرزا عبدالقادر بشاعری رغبت کرد، استعداد شعر گفتن بهم رسانید و اکثر رباعی میگفت واینهم از این قسم :

ضعف پاکان که خاص خلق بار است — از نسبت جنس هیچ خوار نیست
زین شرم که با سراب تهمت زده است — دایم عرق جبین دریا جاری است

صانع، شیخ نظام الدین احمد بلگرامی :

مرد اهل خلیق، صاحب هنر و کمال است، در فنون شعر ماهر و زبانش بگفتن هرگونه اشعار خصوصاً غزل قادر، تتبع کلام اساتذه بسیار ورزیده خود هم اشعار بسیار گفته، دیوانش بنظر مؤلف رسیده، تلاش مضامین تازه دارد، بسبب پرگویی احیاناً از جادهٔ راه راست عادوره پایش لغزیده گویند در فن شعر نحو و خیالهای بلند دارد ـ بهرحال درین زمان که قحط الرجال است غنیمت کسیست

طاهر، میرزا نصرآبادی:

مؤلف تذکرهٔ مشهور از تلامذهٔ آقا حسین خوانساری رفع الله قدره بود و صاحب کمالات فن سخن و ارباب استعداد بود در نظم و نثر مرتبهٔ قصوی و درجهٔ علیا داشت در صنایع شعری علم مهارت الاقران وا می افراشت مثنوی مصنوعی در تتبع سحر حلال مولانا اهلی شیرازی و مولانا کاتبی نجوی گفته و تذکرة الشعرا بلطافت عبارت تالیف نموده ما در سرابهای آن گذشته ام. قلت انشا نویس الافصاحت عبارت آن پیداست خصوصاً جاهای که احوال خود نوشته و بسیاری از صاحب کمالات و سخن سنجان صحبت داشته در پیرانه سالی از خاکدان فنا بجنت المأوی خرامید از مثنوی مذکور اوست:

از سر جان خادم حیدر شدم　　یکسره در عالم حق در شدم
آنکه در آگاهی او در شکست　　خاطر او از همه رو در شدم
برده تا حاتم طی درس جود　　بر در او کسری و کی در سجود

تا نسیم عطر زلفت بر صبا پیچیده است　　عطر در مغز غزالان خطا پیچیده است
مانع آمد شد و ده از دل عاشق مجوی　　قفل این گنجینه را دست قضا پیچیده است

ز هستی مگذر و بسیاری کم را تماشا کن　　ز شادی دور باش و غیرت غم را تماشا کن

هر که را در دل هوای آن قد رعنا نشست　　در صف دعوی ز خیل بیدلان بالا نشست

آن کز جهان خویش را سرافراز کند　　باید که بمردی سخن آغاز کند
دشنام ز مرد به که مدح از نامرد　　غیرت بخورد به که سگت ناز کند

چون روح بعالم صوری آید　　تا میر بخش عنصرش خطر می آید
هر چند حصار مانع دزد شود　　زین چار حصار دزد می آید

طالیف، محمد علی:

مولدش گل پایگان و اصلش از نجف اشرف علی صاحبها سلام الله از آنجا باصفهان آمده در خدمت مجتهد مشهور آقا حسین علامه مغفور تحصیل علوم نمود، در شاعری سلیقهٔ مستقیم داشت، از اوست:

ز غنچه بست بگلزار کامیاب شده　　ولیکه بسته گل عندلیب آب شده

مولانا نظام الدین خاموش علیه الرحمة که از کمال اصحاب و افضل احباب خواجه علاء الدین عطار قدس سرّهٗ و از جملهٔ اصفیا بود میرسد و نسب آن بزرگوار بحضرت امام الهمام علی ابن موسیٰ الرضا علیه السلام منتهی میشود یکی از اجدادش بهند آمده و در سلک ملازمان سلاطین تیموریه انتظام یافته خودش در عهد عالمگیری بخدمت واقعه نگاری و بخشیگری بندر سورت ممتاز گشته چندگاه بآن کار بسر کرده در هزار و هشتاد و هفت ۱۰۸۷ بهانجا برحمت حق پیوست در عربی و فارسی ماهر و در علم هندسه از ثقات آن فن گذرانیده علمای هند و اکثر پشت دست و روی امید پیش او می نهادند و در علم موسیقی بجای رسید که استادان ماهر فنش شاگردیش مباهات می نمودند گویند بچهار ده هزار نوای تباین سامعه نواز اهل صحبت گردیده بود و در اکثری از آن مقالات تصنیفات عربی و فارسی و هندی ساخت و با هزاران ترزبانی علم بلند آوازگی افراخت از اشعار آن مرحوم است :

بسینه گشت نفس گیر آه و ماند بجا | ز اشک آبله پا شد نگاه و ماند بجا
شنید کوتهی روزم بآفتاب گریخت | درازی شب من دید ماه و ماند بجا

ماهیٔ دل ز طپیدن بقرار آمد باز | موج پهلو ز تلاطم بکنار آمد باز

در وقتیکه عالمگیر بادشاه توفیق حفظ قرآن یافته مرزا این رباعی گفته از نظر گذرانید با وجود نفرت بادشاه از شعر و شاعری هفت هزار روپیه انعام یافت :

محی الدین و مصطفیٰ حافظ تو | صاحب سیفی و مرتضیٰ حافظ تو
تو حامی شرع و حامی تو شارع | تو حافظ قرآن و خدا حافظ تو

ضیاء الله سید بلگرامی :

از سادات واسطی بلگرام و صاحب کمال خوش کلام و قاری و حافظ کلام الله و فاضل مشیخت پناه بود- همواره بدرس و افاده مشغول و از تلامذه و مستفیدان میر سید محمد کالپی علیه الرحمة است و کمال ارادت در خدمت آن بزرگوار داشت در هزار و یکصد و سه ۱۱۰۳ بیست و پنجم شعبان درگذشت نظم شعر عربی و فارسی دارد، از وست :

قطره می که بلبم بیتو چشیده گیرد | بگلو ناشده از چشم چکیدن گیرد

مردوا بود، صاحب کلمات الشعرا نوشته که اُو در جمیع علوم و فنون یگانه نیست ازبسکه دعوی همه دانی دارد بمحض تنها الفن شاعری سرخرو نمی آید، فقیر را در خدمت اُو اخلاص و اتحاد تمامست۔ در زمان میمنت نشان عالمگیری برسر وجود بود، او راست :

قناعت حالی دارد عذارا پا بدامن کش ـــــ ز طفلی رم نخودی سر کشیها تا کجا کردی

بر سر شورش میا در خاطر پر شور را ـــ نیست آسان دست کردن خانه زنبور را
وقت پیری بی مذاق تلخ نتوان زیستن ـــ کی تواند داشت بی غفلت کسی کافور را
هیچ دل از تیغ اُو بی ریش نیست ـــ آب در جریان بدست خویش نیست

طالع ، میر سید عبد العلی :

اصلش از سبزوار و تولد خودش در دهلی افتاده همانجا نشو و نما کرده با شعرای عصر چون حکیم الملک شیخ حسین شهرت و میر افضل ثابت و شیخ عبد الرضای متین مربوط و باهم مشورها نمود بمرافقت عالیجاه برهان الملک سعادت خان مرحوم کرده در ملازمت نواب عالی جناب مرحوم بسمت اوده که نظامت بود رفته اواخر عهد سلطنت فردوس آرامگاه محمد شاه بادشاه فوت کرد۔ خیالش بنام زدکه عزیز کسی بود، در فن شعر شاگرد عم خود میر سید محمد ثاقب که ذکرش گذشت، اوراست :

دست شستم زتن خاکی خویش ـــ این تیمم بوضو میماند
حرف بیجای عزیزان کی برد از جا مرا ـــ می نماید اندکی این خود نمایها مرا
در عشق مدار ما بدست دگریست ـــ باغیم و بهار ما بدست دگریست
در کارگه وجود چون کاغذ باد ـــ سر رشته کار ما بدست دگریست

طبیعت ، شیخ سیف الدین محمد :

از اعیان مشایخ سرکار الور من مضافات اکبر آباد است که جاییست معروف نعمیوات

گل میکند بدامن نظاره دیدنش   بالد بخویش عمر من از قد کشیدنش

زبان و دل موافق ساز هنگام دعا کردن   بیک انگشت نتوان عقده از سررشته وا کردن

تا توانی دل باحسان کسان مایل مکن   جام جم را کاسهٔ دریوزهٔ سایل مکن

عشق میسازد ملال از جان غم پرور جدا   می نماید زنگ از آیینه روشنگر جدا

دور باش شرم در یک پیرهن دارد مدام   چون گل رعنا من و او را ز یکدیگر جدا

گرد کلفت لازم روشندلی افتاده است   هست تا آتش نمی ماند ز خاکستر جدا

بهر جا قاتلش چون من دل از کف داده دارد   برنگ نقش پا در هر قدم افتاده دارد

سیه بختی چو من فرشیست دایم بر سر راهش   حنای یار بند پیش پا افتاده دارد

طوفان، میرزا:

اصلش از مازندران است نشو و نما در اصفهان یافته - درین اوقات در ایران هنگامهٔ شاعری بر پا دارد و از شعرای صاحب طبع، مستعد، خوش فکر عصر است - خیلی بمزه حرف می زند از ملک عراق بمشهد مقدس ثامن النقباء امام رضا علیه التحیة والثنا آمده ساکن گشته همگی اوقاتش باختلاط مستعدان و خوش طبعان بسر می برده این اشعار میرزا ابوالمعالی، عالی تخلص که تازه از ایران وارد گشته و بعضی دیگر از اهالی خراسان که مردمان این ملک اند بسمع رسیده بیادگار ثبت افتاد و او راست:

همت مشکل بدل میگیرد و این مشکل دیگر   که با خود من بجز یکدل نمی بینم دل دیگر

بیا در صیدگاه عشق تا در هر طرف بینی   ستاده قاتل دیگر فتاده بسمل دیگر

عقدهٔ مشکل من نیست بغیر از دل من   تا دلم خون نشود حل نشود مشکل من

نیست ممکن که تواند ز طپیدن آسود   تا ز قاتل نخورد زخم دگر بسمل من

کاش تاثیر محبت ز دو جانب می بود   تا کشیدی دل تو آنچه کشیدی دل من

خون گریه کردم از بس از جور آن جفاجو   تا گردنست خونم خونم بگردن او

طالع، میرزا نظام الدین احمد:

برادر خرد میرزا قطب الدین مایل تخلص عزیز مستعد، و خالی از کمال نبود، در مشرب تصوف

اشاریہ : شعرا

...م، ۱۶
...زر، ۷
...رام، ۲۸
...رزو، ۱۴
...زاد بلگرامی، ۱۸
...زاد کشمیری، ۱۸
...زاد گجراتی، ۱۸
...شنا، ۱۲
آشوب، ۴
آگاہ، ۴

(الف)
ابراہیم، ۶
اجل، ۲۹
احسن، ۱۳
احسنی، ۱۲
احقر، ۲۲
اخلاص، ۲۹
ارجمند، ۱۷
ازل، ۸
اشتیاق، ۲۷
اشرف، ۲۵
اصیل، ۹
اظہر، ۲۴
اعلیٰ، ۲۷
افصح، ۲۳
اکرم، ۱۲
اکسیر، ۳
اکمل، ۲۴
[illegible]
الفا، ۲۱
الٰہی، ۹۰
امانت، ۲۸
انتخاب، ۱۰
انسان، ۲۲
انعام، ۲۴
ایجاد، ۲۲
ایجاد سرہندی، ۱۱
ایما، ۵۰

(ب)
باقر، ۳۲
برہان، ۳۳
برہمن، ۳۰
بیخبر، ۳۲
بیدل، ۳۲
بیکس، ۳۴
بینا، ۳۳

(پ)
پیام، ۳۵

(ت)
تحسین، ۳۸
ترکمان، ۳۷
تسلیم، ۳۹
تعظیم، ۳۸
تقی، ۳۹
تلاش، ۳۸

(ث)
ثبات، ۳۹

(ج)
جامع، ۴۳
جناب، ۴۴
جنون، ۴۳
جودت، ۴۲
جویا اورنگ آبادی، ۴۴
جویا کشمیری، ۴۲

(ح)
حاجب، ۵۲
حاکم، ۵۱
حجاب، ۴۸
حسام، ۴۸
حسرت سندیلوی، ۵۰
حسرت مشہدی، ۴۷
حسن (میرزا)، ۴۶
حسن (خان)، ۴۹
حسن دہلوی، ۵۴
حسین، ۴۸
حشمت، ۴۶
حضرت، ۵۰
حضور، ۴۵
حضوری، ۵۵
حق، ۴۹
حقیر، ۵۳
حلیم، ۵۳
حیا، ۵۵
حیاتی، ۴۹
حیران، ۴۵

(خ)
خادم، ۵۸
خانع، ۵۸
خرد، ۵۹
خسرو، ۵۰
خلیل، ۵۶
خوشتر، ۵۷
خوشگو، ۵۹
خیال، ۵۶

(د)
دانا، ۶۲
داؤد، ۶۰
درد، ۶۳
دل، ۶۳
دیوانہ، ۶۴

(ذ)
ذبیح، ۶۵
ذہین، ۶۵

(ر)
راسخ، ۶۸
راضی، ۷۶
راغب، ۷۹
رافع کشمیری، ۶۸
رافع ہمدانی، ۶۷
راہب، ۷۳
رائج، ۷۰
رسائی، ۷۶
رند [illegible]، ۷۶
[illegible]، ۷۲

تحصیل علوم متداوله از میر عبدالجلیل بلگرامی و دیگر فضلای نامی کرده، در نظم عربی و فارسی مهارت پیدا کرد، تذکرة الاولیا و تذکرة الشعراء تالیف نمود. در سنه ۱۱۴۷ھ هزار و یکصد و چهل و هفت در الٰه‌آباد وارد گشته با مولف تذکرهٔ ید بیضا ملاقات کرد. چندگاه باهم باختلاط پرداخته. از اوست:

چو تاک از سبز شیشه‌های خود فکر دل دارم   لبالب عالمان و شیشهٔ می در بغل دارم

صحت نامه تذکرهٔ باغ معانی

صفحه/سطر	غلط	صحیح
۱/۱۲	انکلیون	انگلیون
/۱۱	دانس	ذاتش
/۱۲	سروسردر	سروسرور
/۱۵	برجلوه	بجلوه
/۲۲	سمٰوات	سمٰوت
/۲۳	ستایش	ستائش
۴/۸	مُهرمُهر۔ دهیت	مُهرمُهر۔ دهنت
/۱۶	ادا	آوا
۴/۶	ایرانیان ر	این ابیات .
/۱۷	یذم	بزم
/۱۸	گراعتقادم	گرز اعتقادم
۵/۱۲	آواره	آورد
/۱۶	مالدار	مالداد
/۲۰	تاودانیست	ناودانیست
۶/۲-۶	است۔ باد عوض فضل	است باد عوض۔ افضل
/۸	بگزید	گزید
/۱۱	آتش	آتشی
/۲۳	رای	رائی
۷/۱۳	بشکی	بشکین
/۱۷	اوایل اوایل	اوایل
/۱۹	قطرات	خطرات
/۲۰	بست	بیست
۸/۳	مستوفی	مستوفی
/۷	سی	سی و
/۹	بگذازد	بگذارد
۹/۴	جهان	چها
/۱۸	درویشیت	درویشیشت
/۲۰	بصحت	بصحبت
/۲۱	۱۱۶۳	۱۱۳۳
۱۱/۴	بقصه	بقصبه
/۱۰	باب	یاب
/۱۶	عشقت... سیر کتاب	عشقت... جلد کتاب

صفحه/سطر	غلط	صحیح
۱۱/۱۸	بار	باز
۱۲/۱۳	دوی	دوئی
۱۳/۲۰	تر	ترلبته
۱۴/۱۲	شیخ	بشیخ
/۲۳	معانی	معانی
۱۵/۴	اختصار	باختصار
″ /۱۵	جالش	جالش
″ /۲۰	گزارد	گزار دارد
/۲۰	موسم بسبب	بسبب موسم
/۲۰	لاگذار	لاصحب گذار
۱۶/۱۷	بندری	هندوی
۱۶/۱۳	بے	بی
۱۷/۱۹	درشیشه	اندرشیشه
۱۸/۱۳	حال	جای
۱۹/۱۵	یک	یک از
۱۹/۱۸	مولف	بمولف
۱۹/۱۹	آن	ایشان
۱۹/۲۳	کرد	برد
۲۰/۱	خون	چون
۲۰/۱۲	بی پرده اول کرد	اول کند بی پرده
۲۱/۷	غنچه و دل	غنچهٔ دل
۲۱/۸	از شیشه	ای شیشه
۲۳/۴	دیده	دیده نقش خوش را
۲۴/۱۳	بسکون	بسکون
۲۵/۲۱	رخی	رخی
۲۶/۶	ذکرش	سرذکرش
۲۶/۷	ایام بکسب	ایام صبا بکسب
۲۶/۲۰	داره	دارد
۲۷/۱۳	حیرت	حسرت
۲۷/۲۰	دین	وین
۲۷/۲۱	بس	پس
۲۹/۸	این	آن
۳۰/۱۸	باما	بابا

رضا گیلانی، ۷۵
رضائی، ۶۶
رضوان، ۷۲
رفیق، ۷۷
رہین، ۷۹
(ز)
زایر، ۸۰
زرکوب، ۸۰
(س)
ساطع، ۱۰۴
ساکن دہلوی، ۱۰۷
ساکن کشمیری، ۱۰۹
سالک، ۱۰۲
سالم، ۸۵
سامع، ۱۰۴
سامی، ۹۸

سامی لاہوری، ۱۰۱
سبقت، ۱۰۸
سپاہی، ۱۰۶
سروری، ۱۰۳
سخن، ۱۰۰
سودا دہلوی، ۱۰۷
سودا قمی، ۱۰۳
سیادت، ۸۳
سید اصفہانی، ۸۴
سید تبریزی، ۸۲
سید شیرازی، ۸۰
(ش)
شاعر، ۱۱۷
شاعر بلگرامی، ۱۱۷
شرر، ۱۱۵

شریف، ۱۱۴
شیبا، ۱۰۹
شفقت، ۱۱۵
شفیع، ۱۰۹
شوق، ۱۱۸
شوکت، ۱۱۰
شوکتی، ۱۱۰
شہاب، ۱۱۴
شہود، ۱۱۷
شہید، ۱۱۶
(ص)
صادق، ۱۱۹
صافی، ۱۱۸
صانع بلگرامی، ۱۲۰
صانع سیالکوٹی، ۱۱۹

صبحی، ۱۱۸
صداقت، ۱۱۹
صدرالدین، ۱۲۰
صدرالدین نیشاپوری
(ض)
ضمیر، ۱۲۱
ضیاء اللہ، ۱۲۲
(ط)
طالع، ۱۲۴
طالع سبزواری، ۵
طاہر، ۱۲۳
طایف، ۱۲۳
طبیعت، ۱۲۵
طوفان، ۱۲۴

صفحه/سطر	غلط	صحیح
۱۰/۵۸	فارسی	فارسس
۱۱/۵۸	مست‌ها	بت‌ها را
۱۱/۵۹	اوایل	اوایل
۱۲/۵۹	نظرات	خطرات
۱/۶۰	آشناست	پنج سال آشناست. این عاجز هم در تحقیقش بتقصیر از خود راضی نیست بسکه بابنده اخلاص دارد صحیح تخلص خود "آرزومند" فضل از خوشگو"
۲/۶۱	نامیست	شانیست
۹/۶۱	سر برآورد	سر تعبیه برآورد
۱۶/۶۱	از	ار
۲/۶۲	سلطان	شاه سلطان
۱۲/۶۲	نویسی‌یسی	نویسی
۱۳/۶۲	کشان	کسان
۲/۶۳	از تیمان	از تیمان
۳/۶۳	منجلی	متجلی
۴/۶۳	ازلی	ارنی
۱۳/۶۳	تیار	تبار
۱۴/۶۳	برآرد	برآ از
۴/۶۴	بجد	بپیچد
۲۲/۶۴	بلکه بلکه	بلکه
۱/۶۵	عمرتا	عمرها
۱۶/۶۵	مردلیست	مردلست
۱۰/۶۶	منفرد	متقی و
۱/۶۷	کر شوازنام علی	رضائی پیشتر از نام علی
۱/۶۷	مصرع	آلک مصرع
۱۲/۶۷	بهند	بند
۱۳/۶۷	دار	وار
۱۵/۶۷	پرگار	برکار
۲۲/۶۷	نیکنم	نکنیم
۱/۶۸	دایه‌ای	دایره
۸/۶۸	زلپس	زلیس
۱۹/۶۸	منجلی	متجلی
۱۹/۶۸	... [illegible]	[illegible] در فلانان

صفحه/سطر	غلط	صحیح
۳/۶۹	نصیرآبادی	نصرآبادی
۱۳/۶۹	صحیح	صحیح است
۱۶/۶۹	این	آن
۲۰/۶۹	باغ	بال
۲۱/۶۹	یاد	باد
۲۳/۶۹	دیگرم؛ بیان	دیگری؛ بیال
۱/۷۰	زاضطراب	ز اضطراب
۲/۷۰	خیال	جبین
۳/۷۰	پاره	یاد
۶/۷۰	دلی	دلی
۹/۷۰	. از سادات	خلف الصدق میردوست محمد از سادات
۱۰/۷۰	تاشاه	باشاه
۱۱/۷۰	دار	درد
۲۱/۷۰	شعبان	شهباز
۲/۷۱	گرد؛ رسوائی	کرد؛ رسوای
۱۵/۷۱	برد	برد
۶/۷۲	هر	بر
۲/۷۳	رفیع	رفیع نا بینست
۴/۷۳	اصفهان بود	اصفهان بود و سال فوتش بقول پسرش مرزا علی رضا که وارد هند بود در سنه هزار و صد و شصت و شش بود میر سید علی مشتاق تخلص صفهانی تاریخ رحلتش گفته که اوده تاریخ اینست "زاهد صد حیف کز جهان رفت" مدفنش در گورستان آب بخشالست که بمحله اسدآباد واقع است -
۱۷/۷۳	باسیران	با اسیران
۱۸/۷۳	ذر	زر
۱۲/۷۴	هم	همه
۱۳/۷۴	پرواز	پروانه
۱۵/۷۴	سراغ	سراغی
۹/۷۵	خال	مه خال

صفحه/سطر	غلط	صحیح
۱۸/۳۱	بکه	نه که
۱۹/۳۱	زی	دی
۷/۳۲	دل ورخم	دل درخم
۸/۳۳	خوش تیر	خونریز
۲۰/۳۳	گوئی	کردی
۱/۳۵	بانکه ؛ دارد	باآنکه ؛ داد
۲/۳۵	کاوش	کاوشش
۲/۳۵	معاتب	معایب
۵/۳۵	رسانند	رسانذند
۸/۳۶	م استاد	اِستاد
۲۳/۳۶	و لی	ولی
۱/۳۷	گو	گر
۱۰/۳۷	صفات ؛ تجلی	صفای ؛ متجلی
۷/۳۸	آتشی	آتش
۱۳/۳۸	عاقلی	غافلی
۱۴/۳۸	بے	بی
۱۹/۳۸	که این	که عبارت این
۱/۳۹	نظام	انتظام
۱۲/۳۹	شاه شاه	شاه
۱۳/۳۹	اخلاق	باخلاق
۱۹/۳۹	مختض	مختص
۸/۴۰	برخاستن	برخاستی
۹/۴۰	کنم	کند
۱۹/۴۰	خولیت	خولیست
۱۵/۴۱	برِ	تر
۱۷/۴۳	شد	خدا اشعارش مدونند
۲/۴۴	نصیر مسرور	نصیر سرخط نویس دیوان اعلیٰ شاهی خودش نیز بعد فوت والد بکار مذکور مسرور
۵/۴۴	چدردان	چدر آن
۱۵/۴۴	زدودی	زدوری
۱/۴۸	بود.	مذکور

صفحه/سطر	غلط	صحیح
۱۴/۴۸	نوشته ـ باطل دو شان او راست	نوشته ـ او راست
۱۷/۴۸	مرحوم و در سلک	مرحوم انتخاب یدالله ولد شیخ کمال الدین همشیرزاده شیخ نصیرالدین چراغ دهلی و از طرف مادر بشرف سیادت ممتاز و در سلک
۱۷/۴۸	منظم	منتظم
۱۳/۴۹	ملاز بان	ملاز تان
۱۶/۴۹	جزی	چیزی
۲۰/۴۹	گرو	گروهی
۱/۵۰	مصنف... ملبس	متصف... ملتبس
۱۱/۵۰	چشمی	چشم
۱۴/۵۰	بمفاصله ؛ کرده	بفاصله ؛ کرده
۱۹/۵۰	دارد	داد
۲/۵۱	اورنگ دوری	او ذبک دورمن
۹/۵۱	بوطن	بوطن مالوف
۱۳/۵۳	کشاده	کشاد
۲/۵۴	باصدق	ماصدق
۸/۵۴	سخنی	سخن
۸-۹/۵۴	خودم استاد	خود استادم
۱۹/۵۴	بشاهجهان	از شاهجهان آباد
۲۰/۵۴	بدین گاه	بنگاه
۸/۵۵	کریم بخش	کرم بخش
۱۵/۵۵	چوکی ؛ داشت	چوآپی ؛ داشو
۱۴/۵۶	کو	گو
۱۹/۵۶	الرحمته	الرحمة
۲۰/۵۶	استعداد	استفاده
۲۰/۵۷	بر زبان	بزبان
۲/۵۸	مسکن	سکنا
۹/۵۸	محب	محتشم

شمس البیان فی مصطلحات الہندوستان

از

مرزا جان طپش دہلوی

صفحه/سطر	غلط	صحیح
۷۵/۲۰	کشتہ	گشتہ
۷۶/۴	اصالتاً یانیابتاً	اصالۃً و نیابۃً
۷۶/۶	خاک با	خاک پا
۷۶/۱۸	زین الدین	زین الدین علی
۷۷/۵	معنی	معما
۷۷/۶	چاراست...	چاراست ہمانجا تشریف دارند
۷۷/۱۸	وقت	وقت
۷۸/۴	بردی	بردی
۷۸/۵	ازنرسد	ازنرسد
۷۸/۱۵	برہی	برہ
۷۹/۴	نظرات	خطرات
۸۰/۱۱	جدوا	جدوا
۸۰/۱۵	صاحب	صاف
۸۱/۱۴	ریحوانش	آہوانش
۸۱/۲۲	اگر از	گداز
۸۲/۱۲	صغار	مسلم صغار
۸۲/۱۳	اصفہانی	اصفہان
۸۲/۱۴	مستیعش	مستقیش
۸۲/۱۵	بقاضی	بمتقاضی
۸۳/۲	بخند	بخند واسط
۸۳/۱۱	باد	و باد
۸۳/۱۸	کشد	کشند
۸۴/۱	پیش	بیش
۸۵/۳	باد	بادہ
۸۵/۸	ہزار	ہزاری
۸۵/۱۵	می	من
۸۶/۲	ما	تا
۸۶/۲۰	مستی	پستی
۸۷/۱۶	پی	بی
۸۷/۱۶	بر	ہر
۸۸/۲	جوالہ	جوال
۸۸/۱۶	درگجرات	در احمد آباد گجرات
۸۹/۵	بلاختی	ملاغنی
۹۰/۲۳	نکن	بکن
۹۱/۱	گلبار	گلبانہ
۹۱/۱۶	میدارد	میدزدد
۹۱/۲۰	دور...	دور حسنت
۹۲/۶	بایخ	بحر
۹۵/۴	ببر	مبر

صفحه/سطر	غلط	صحیح
۹۶/۲۰	گم	وگم
۹۷/۳	برگ	ترک
۹۸/۲۱	نصیرآبادی	نصرآبادی
۹۹/۱۲	عرائیش	عرائس
۱۰۰/۸	بادشاہ	پادشاہ
۱۰۰/۱۷	اشراف	اشراف جزیہ
۱۰۳/۱۲	برحمت پوست	برحمت حق پیوست
۱۰۴/۱۳	پای کیں	پایۂ کین
۱۰۵/۲	با و	با او
۱۰۶/۱۲	مسرود	مسرور
۱۰۷/۷	گوئی یکتا	گوئی درج وہجا یکتا
۱۰۷/۱۰	تا آنکہ	با آنکہ
۱۰۸/۱۸	فرصتی	فرصت
۱۰۹/۱۴	بزن	مزن
۱۱۰/۵	سر	بسر
۱۱۱/۲	نصیرآبادی	نصرآبادی
۱۱۱/۷	وازان معیشتی	وازان وجہ معیشتی
۱۱۱/۸	باہنجار	ناہنجار
۱۱۲/۱۷	تعلیم	اقلیم
۱۱۴/۲۰	اگر بران	اگر ہمت بران
۱۱۴/۲۱	گشست	کسب
۱۱۵/۱۹	بستہ	بسینہ
۱۱۶/۷	درسبعہ	در تتبع سبعہ
۱۱۶/۱۱	شکینہا	شکستہا
۱۱۷/۱۹	بہی	بہی
۱۱۸/۸	پسر	سر
۱۱۸/۹	سخن	بسخن
۱۱۸/۹	بلاکشہای	تلاشہای
۱۱۸/۱۹	زندۂ	میکشی
۱۱۹/۱	نصیرآبادی	نصرآبادی
۱۲۲/۱۹	پدرش و	بدرس
۱۲۳/۵	برسرابای	برسراپای
۱۲۵/۲	خرد	فرد
۱۲۵/۹	دلی افتاد	دلی اتفاق افتاد
۱۲۵/۱۱	مرحوم کردہ	مرحوم بسر کردہ
۱۲۵/۱۱	نظامت بود	نظامت ایشان بود
اشاریہ	اجیل	اجل
اشاریہ	راسخ	رایج

بسم الله الرحمن الرحیم

بعد تحمید حضرت سخن آفرین که زبان انسان را با نواع مقال قدرت گویائی بخشیده، و پس از تمهید نعت ختم النبیین که نکته سنجان دقیقه رس را بفیضان نطق و بلاغت مشرف گردانیده، ذرهٔ بیمقدار، هیچمدان متخلص بطپش مرزا جان معروض رای محاوره دانان فصیح زبان و لطیفه شناسان صحیح بیان می گرداند، که:

چون در خاطر عاطر امیر بانظیر مظهر محاسن تدبیر سعد اکبر سپهر حشمت و اجلال نیر اعظم برج دولت و اقبال زیب مسند شوکت و کامگاری، نگین خاتم هیبت و نامداری، نیروی بازوی کشور کشایان، عصمت آئین فرمان روایان، مورد الطاف ربانی، مؤید بجنود آسمانی، مرجع و مآب جمهور، بعلو نفس و پاکی طینت مشهور، بحسن خلق یکتای روزگار، بلی روزگار را سرمایهٔ افتخار، مرکز دایرهٔ مروت ناصب اعلام فتوت قدوهٔ رؤسای عالی مقام مرتبه سنج شعرای ذوی الاحترام عندلیب گلستان معانی گل سرسبد چمنستان سخندانی نقادهٔ اہل زبان معیار صاحب بیان هنرپرور فیض گستر شگفته رو لطیفه گو افصح الفصحا امیر الشعرا نواب سپهر جناب امیر الملک شمس الدوله سید احمد علی خان بهادر ذو الفقار جنگ دام اقباله و عم افضاله، خطور نمود که:

نسخهٔ مشتمل بر توضیح اصطلاحات دیار دهلی و در زمرهٔ فصحای اردوی معلی آنچه در بعض اشعار منظوم میگردد و فهم دور دستان هر آنانکه در امصار بعید واقع اند با دراک کنهش نمی رسد بزیور تالیف آراستگی یابد تا مطالعه آن انواع کنایت را صراحت بخشد و بر طالبان این فن کار آسان گردد۔ امتثالاً لامره تحصیل این سعادت واجب دیدم و بتقدیم ارشاد مصروف گردیدم۔

اما چون این نسخه ایست مبین مصطلحات ریخته با صناف لطایف معنوی آمیخته، لهذا برعایت خطاب کار فرما موسوم بشمس البیان فی مصطلحات الهندوستان گردید، و در سنه یکهزار و دو صد و هفت ۱۲۰۷ از هجرت نبوی صلی الله علیه وسلم در شهر محرم الحرام بتاریخ بیست و دویم در بلدهٔ مرشد آباد باتمام رسید۔

مرزا جان طپش دہلوی نے جن کے احوال کی تفصیل 'دیباچہ' کلیات طپش' کی پیشکش کے ذیل میں آچکی ہے، بزمانۂ قیام ڈھاکہ اپنے مربی نواب امیر الملک شمس الدولہ مرزا احمد علی خاں ذوالفقار جنگ کے نام پر لغات و محاورۂ اردو کے سلسلہ میں سند اشعار کے ساتھ ایک مختصر کتاب لکھی تھی جس کا نام 'شمس البیان فی مصطلحات الہندوستان' قرار دیا تھا۔ یہ کتاب چھوٹے سائز کے ۹۶ صفحات پر مشتمل ہے اور پہلا صفحہ تصحیح اغلاط چھپ کر مرشد آباد سے ۱۲۶۵ھ میں شائع ہوئی تھی۔ ٹائٹل پیج یا عنوان کے صفحہ کی پوری عبارت یہ ہے:

" شمس البیان؛ در علم لغت؛ مشتملبر لغات و محاورۂ اردو؛ و با سند اشعار فصحا و بلغای ہندوستان؛ از مصنفات مرزا جان طپش مرحوم؛ در مطبع آفتاب عالمتاب واقع در بلدۂ مرشد آباد محلہ قطب پور طبع شد؛ ۱۲۶۵ ہجری۔ این کتاب حسب قانون بستم ۱۸۴۷ء داخل بہی رجسٹری گورنمنٹ شد "

اب اس کتاب کے مطبوعہ نسخے بھی نایاب ہیں۔ ڈھاکہ کے حکیم حبیب الرحمٰن مرحوم کو اس کا ایک نسخہ ملا تھا۔ ایک نسخہ ڈاکٹر عندلیب شادانی کے پاس بھی تھا۔ جنہوں نے قاضی عبدالودود صاحب کی فرمائش پر ایک قلمی نسخہ کی مدد سے اس کا ایک ایڈیشن بھی تیار کیا تھا۔ پھر خدا جانے اس کا کیا ہوا۔ رضا لائبریری رامپور میں بھی ایک نسخہ محفوظ ہے جہاں سے ایک نقل خدا بخش لائبریری کے لئے حاصل کی گئی ہے جسے قدیم املا میں واجبی ترمیم اور مسلسل عبارات کی پیراگرافوں میں تبدیلی، تصحیح اغلاط' اور مزید ضروری تصحیحات کے بعد تمام و کمال پیش کیا جا رہا ہے۔

امید ہے اس کی اشاعت سے اردو لغت کی تدوین کے لئے مددگار مواد میں ایک قابل لحاظ اضافہ ہوگا۔

عابد رضا بیدار

(الف)

آش — بالف ممدوده و سکون شین معجمه — طعامیست رقیق مثل تسله و مثل آن از مخترعات اہل ولایت و ہم عموماً در محل طعام چنانکہ گویند آب و آش تیار است ۔

آش پکانی — تمامہ کنایہ از آنست کہ برای آزار کسی مقدمہ سازند ۔ افصح الفصحا مرزا رفیع سودا در ہجو امیر مخل زبانی خانسامان گوید شعر :

مجکو باورچی یوں دم دیتے ہیں　　　وہ تری آش کیا پکاتے ہیں

و بدین معنی در فارسیان ہم مستعمل ۔ مولانا ظہوری ترشیزی فرماید : شعر :

کاسۂ خورشید لبیرت نمی گیرد نان　　　گو فلک می پز زکین ہر لحظہ آش دیگرم

ادھیڑ تا بننا — ہمزہ بواو مجہول و دال و ہای ہندی بیای مجہول کشیدہ و سکون دال ہندی ۔ کنایہ از انواع تخیل کہ در عالم تنہائی خطور کند ۔ استادی و مولائی حضرت درد فرماید ۔ رباعی :

کچھ آپ ہی گرا کے آپ ہی کچھ چنتا ہے　　　کہتا ہے کچھ آپ ہی، آپ ہی کچھ سنتا ہے
اے درد ہمیشہ یہ دل دیوانہ　　　کیا کیا کچھ ادھیڑتا ہے اور بنتا ہے

ادھیڑ بن — مخفف اول است ۔ و نیز بہمین معنی مرزا علی نقی محشر گوید رباعی :

کیا کیا حرص و ہوس کی دھن ہے دلکو　　　کس کس ڈھب کی ادھیڑ بن ہے دلکو
تشویش معاش منہ جہاں کھاتی ہے　　　دنیا کی غرض تلاش گھن ہے دلکو

آنکھوں میں آنی — کنایہ از آمد سکر ۔ اگرچہ عموماً بر کل مسکر اطلاق دارد اما بیشتر بر شراب مستعمل مولف گوید شعر :

دونی متوالی تھی پہ تھا سرکار کا　　　پیتے ہی ایک آدھ گھونٹ آنکھوں میں آنے لگی

یعنی کیفیت ؛ و ظاہر است کہ ضمیر لفظ کیفیت در محاورۂ ہندی بتانیث استعمال دارد، لہٰذا محذوف بودن آن بحیثیت نسبت ردیف کیفیت پیدا نمودہ ۔

آنکھوں کا آنا — کنایہ از آشوب چشم ۔ سخن سنج بی نظیر محمد تقی میر می فرماید : شعر :

عشق نے اپنا یہی جادو دکھلائیاں　　　رہ گئے آنسو تو آنکھیں آئیاں

مامول از سخن سنجان نکته رس و روشن ضمیران پاک نفس آنست که هرجا
و خطای دریابند بچشم عنایت بپوشند بل در اصلاح بکوشند :

ای که در آیین معنی پروری نیست از انصاف طبعت را گزیر
از من مسکین درین مشکین سواد گر خطای رفته است آنرا مگیر

برضمایر ارباب بصایر پوشیده نماند که اصطلاحات مرقومهٔ این نسخه متنوع است
نوع٬ نوعی را بمحاورهٔ عوام اختصاص و نوعی از روزمرهٔ خواص علیٰ ای حال هرچند
آن دیار مستعمل است برای دوردستان مستند و آنچه در روزمرهٔ آن بلا مروج است
بعید از اسناد٬ چه شعر سندی عبارت از زبان موضوع دهلی است٬ پس هرچه مطابق
باشد صحیح٬ و آنچه ورای آنست غلط و قبیح - بالجمله حرفی چند مرقوم نمود - باستعانة
الملک الودود -

انگاروں پر لوٹنا ـ کنایہ از بیقراری کہ در عالم رشک لاحق گردد ـ فغاں گوید :

شعلہ خو حیب سے نظر آتا نہیں ۔ تب سے انگاروں پہ لوٹے ہے دل

آنکھ موند کے ایک چیز کا اختیار کر لینا ـ کنایہ ایست از قبول بلا تامل ـ میر سجاد گوید :

غیروں کو جان خواب میں غفلت کے دل کر ۔ کہ دلت آ کے سوئے ہم پاس آنکھ موند

اوٹھائی گیرے ـ ہمزہ بضم و واو مجہول و تائے ہندی بالف کشیدہ و دو تحتانی و کاف فارسی بیائی معروف و رائے مہملہ بیا رسیدہ : فرقہ ایست از دزدان کہ روز از دست برد کنند و این طایفہ بیشتر در انواع بسر برد، مرزا رفیع سودا در ہجو کوتوال مشتمل بر صفات النفاوش فرماید :

کسو کا گٹھڑ کوئی ویڑہ ہے ۔ کوئی بھڑوا اٹھائی گیرا ہے

ایڑی دیکھو ـ بدفعیہ نظر بد گویند ـ قلندر بخش جرأت راست : رباعی

کل رنگ حنا سے سرخ کر پاؤں کو ۔ بیٹھا تھا چمن میں جو وہ سرو دلجو

میں نے جو کہا کہ ہے کف پا پہ بہار ۔ ہنس کر لگا کہنے اپنی ایڑی دیکھو

ایک سے دن نہ رہنے ـ کنایہ از تغیر حالات اعم از نیکہ در زوال جمعیت گویند یا بہ زوال پریشانی میر سجاد گوید :

ہجر کی راتیں بھی آخر کٹ گئیں ۔ ایک سے رہتے نہیں دن ہمنشیں

آنکھ جھپکنی ـ تاب مقابلت نیاوردن، مؤلف گوید :

مقابل حسن کی گرمی کے تیرے کون اب ہووے ۔ کہ سورج کی بھی تیرے روبرو آنکھ اب جھپکتی ہے

آستین کا سانپ ـ کنایہ از دشمن بغلی است، مرزا فدوی گوید :

رفتہ رفتہ یاد جو ہر اپنے دکھلانے لگا ۔ آستین کا سانپ نکلا یہ تو جی کھانے لگا

آنکھوں میں گھر کرنا ـ اقرار بر تصدیق بر قول خود نمودن بخلاف حقیقت معنی ـ مؤلف گوید :

کہتے ہو گھر تری آنکھوں میں نہیں میں نے کیا ۔ کون کرا دے تمہیں آنکھوں میں گھر کرتے ہو

آسمان سے گرنا ـ کنایہ از بہم رسیدن چیزی کہ بے سعی دفعتہً حاصل شود، و قدرش چندان نباشد و این بیشتر بمحاورۂ عورات مستعمل ـ مؤلف گوید : قطعہ

گو کہ تو گل ہے ملا جلوۂ شبنم ۔ طالب ننگ ہو ترا میں بھی

پر نہ اتنا بھی جان سہل مجھے ۔ آسمان سے نہیں گرا ہوں میں

آپس میں رہنا — بہمزہ ممدودہ وفتح بای عجمی وسکون سین مہملہ کنایہ از آلودگی فسق : محمد میر اثر فرماید :

فرد : ہم کہاں تو کہاں پہ کہتے ہیں   کہ یہ آپس میں دونوں رہتے ہیں

واین معنی بجاورۂ نتاق است ۔

اوس پڑ جانی — بدو معنی مصطلح یکی کنایہ از سردی بازار، دوم مراد از آب وتاب چیزیکہ بکمال صفا وصباحت باشد۔ مشتمل بر معنی اول مؤلف راست :

برگ گل پر بھی پھر ایک اوس سی پڑ جاوے ہے   دیکھے عالم جو وہ تیری عرق افشانی کا

و دوم میر حسن گوید :

جز اشک بلبل اب نہیں گل شاخسار پر   کیا اوس پڑ گئی ہے چمن میں بہار پر

آگ لینے کو آئے تھے — در محلی گویند کہ دوستی بدیدن دوستی آید ودر نگث و توقف زود مراجعت کند۔ محمد تقی میر گوید :

جلد مجھ سوختہ کے پاس سے جانا کیا تھا   آگ لینے مگر آئے تھے یہ آنا کیا تھا

واز شعر سید اسی اشرف مستفاد شد کہ در اہل ولایت ہم این اصطلاح مستعمل است ۔ اشرف گوید :

دل بدار سینہ آن بت بکرش گرفت رفت   درخانۂ من آمد آتش گرفت ورفت

واگر گویند کہ در شعر سید ارعایت عجلت ظاہر نیست تا با صطلاح ہندی مطابقت یابد گوییم واو عطف کہ در گرفت ورفت واقع شدہ مفید این معنی است و بر متامل ظاہر ۔

آنکھیں پتھرانی — کنایہ از خیرگی چشم کہ بکمال نگریستن عارض گردد، حضرت درد فرماید ، شعر ۔

اس سنگدل کی وعدہ خلافی تو دیکھئے   پتھرا گئی ہیں آنکھیں مری انتظار سے

آنکھیں تمہاری دیکھی ہیں کہنا — خود را تجربہ کاری ستودن وہم رعایت ادب از دست ندادن مصطفیٰ خان یکرنگ گوید :

نرگس کے تئیں میں ہرگز لاتا نہیں نظر میں   دیکھی ہیں میں نے پیارے آخر تمہاری آنکھیں

آنکھ دکھلانی — ترجمہ چشم نمائی است کہ در فارسی مستعمل۔ مؤلف گوید :

دیدۂ انجم تہیں ہیں خشمگیں سے سرخ سرخ   برق بھی کتنی ہمیں اب آنکھ دکھلانے لگی

بستر — معروف، شفقتی و نجی مرزا اقا علی ما عظمت فرماید :

نہ بستر کا آشفتہ ہونا مقید   اسے سارا عالم بچھونا پڑا ہے

بسترلنا — دو معنی نخرا بمعنی فرو گاہ مستعمل، مولف گوید : شعر بیاں

جا جانا تو بزم میں تیسری   آج رہنا ہو گا غم گیسوؤں کا
اب کہاں جائیں سحر پہ آئی شام   دور بچھے بستر فقیروں کا

بدن پھل جانا — کنایہ از جوش شور کرد دانہ ہا بر و در کنند و جالم گرمی داده گویند ـ ہدایت گوید :

آتش سے داغ دل کی سراپا تو جل گیا   تجو لو پھوڑے کیا کہ بدن سارا پھل گیا

بوجھ پکڑنا — بوا و مجہول و جیم ہندی ؛ کنایہ از تمکین درزیدن بخلاف حالات سابق ـ واکثر بسبیل طنز گویند ـ شرف الدین مضمون راست :

ہر رونے بوجھ پکڑا مشکل ہوا ہے جینا   یا رو خدا کرے خیر بھاری ہے یہ مہینا

باو بندی — جلوه دادن بلاف گزاف چیزی را که در حقیقت اصلی نداشته باشد ـ آبرو گوید :

زندگی ہے سراب کی سی طرح   باو بندی حباب کی سی طرح

بُتّا دینا — بضم اول و تای مشدده بالف کشیده ؛ در محل فریب دادن مستعمل، مرزا رفیع سودا در ہجو امیر بخیل گوید :

پیران کا گر آئے وقت طعام   جائے لقمہ کے کھائے وہ دشنام
یو نہیں اٹھ جائیں کو دے بتّا   مار یں نہیں جھوٹے ہاتھ سے کتّا

بنانا — بفتحتین ؛ کنایہ از ریشخند کردن، مولف گوید :

گہ دیر میں پھرایا گہ کعبہ حرم میں   اے عشق عرض تو نے مجھے خوب بنایا

باغ باغ ہو جانا — مراد از شگفتگی خاطر ـ ہدایت گوید :

کس قدر ہے تیرے مقدم سے خوشی گلشن میں   دیکھ تجھ کو گل ہوا جاتا ہے کیسا باغ باغ

بہابہا پھرنا — بفتحتین کنایہ از تعریف شکر ـ ہدایت گوید :

ساقی پھر وہ ہے سامنے آتش میں بہابہا   دیا ہے کچھ یہ کم نہیں جو عیش جہاں کی

و بہا نا کنایہ از قطرہ مستی کم ظرفان است ـ

آنکھ چرانی — کنایہ از چشم پوشی است۔ مؤلف گوید :

ایسی کیا کی بے دلا ہم نے بتوں کی چوری　　دیکھ کر ہم کو جو یہ آنکھ چرا لیتے ہیں

آنکھوں میں کھٹکنا — در نظر ناگوار گذشتن۔ مؤلف گوید :

جوں اشک تو نظروں سے کیونکر نہ گرا دیوے　　آنکھوں میں تری پیارے ہر وقت کھٹکتا ہوں

اُلجھنا دِل کا — عبارت از گرفتاری دل است، جرأت گوید :

خوش ہوا وہ کے میں پھنسیں نہ کہیں　　دل اُلجھ رہا کہیں نہ کہیں

آنکھوں میں خاک ڈالنی — بدو معنی مصطلح، یکی آنکہ جنس زبون را بمبالغہ تعریف بچشم خریدار خوب نمایند، و این خاصہ فروشندگان فلزا است و دیگر آنکہ چیزی را طرفۃ العین دست برد کنند۔ اوّل مشہور، و دویم مؤلف گوید :

مجلس سے رات دل کو مرے صورتِ صبا　　لے گئے سبھوں کی آنکھوں میں خاک ڈال کے

آنکھیں نیلی پیلی کرنی — کنایہ از کمال خشم کہ اکثر در حالت غیض رنگ رو متغیر شود۔ جرأت گوید :

روز آنکھیں نیلی پیلی کر جتاتا ہے وہ شوخ　　بزم میں تو چشم حیرت سے نہ دیکھا کریں

(ب)

بکلگنی — بفتح اوّل و سکون کاف تازی، کنایہ از یاوہ گوئی و بسبیل تحقیر مستعمل۔ مرزا رفیع سودا در ہجو فدوی لاہوری گوید :

بیٹھے یہ وہاں رہتے ہیں صبح سے۔ تا شام تک　　لگتی ہی اشعار کی چار پہر ان کو بک

بَک بَک — بتکرار نیز ہمین معنی است، و ہر دو را معنی مصدریہ حاصل، واین ظاہرا از بق بق گرفتہ اند۔ چنانکہ مولوی معنوی فرماید :

اہل دنیا کافران مطلق اند　　روز و شب در جق جق و در بق بق اند

بسرام لینا — بالکسر و سکون مہملہ بمعنی آسودن و شب گذرانیدن، و این بیشتر در استعمال آوارگان خانہ بدوش است۔ مومن قایم گوید :

دل سائے میں اس زلف کے آرام لیا کر　　شب تک ملک شام کو تو مرغا تو بسرام لیا کر

حسن ایسا کہ جیسے ماہ شب چاردہم　　یک بیک دیکھے تو کپڑے سب بھبھوکے

بھبھوکا — بفتح اوّل و دوم بواو معروف و کاف تازی بالف کشیدہ، مراد از شعلہ روئی معشوق۔ مولف گوید:

بھبوکا استقدر مکھڑا ہے لے شاکر کسی کا　　نہ ساقتا تو جاتا کہ جلتا ہے جگر کس کا

(پ)

پانی پی پی کوسنا — کنایہ از کثرت بدعا است کہ در ہیچ حال فوت نکند۔ مرزا علی نقی محشر گوید:

کیا ظلم ہے دل میں ہوس بوسہ لیجے　　جب بیاد لب جام کا بوسہ لیجے
ایذا ہے جفت محتسب کے ہاتھوں　　پانی پی پی کے اس کو کوسا کیجے

پاتوں آ لگنا درخت کا — کنایہ از برگ ریزی درخت است در ایام خزاں، و مجازاً در محل تمامی قوت و استعداد، و مصطلح اہم از اینکہ در بیداد معشوق طاقت و آرام تمام ببذیرد، و یا بحوادث روزگار عدم اسباب دست دہد، جناب مرزا رفیع فرماید:

احوال کی ہمارے تجھکو تو کیا خبر ہے　　گذرے ہے جس کے جی پر سو ہی یہ جانتا ہے
آنکھوں کے گرد میرے مژگاں کی ہے یہ صورت　　گویا کنار دریا خس جھکے آ رہا ہے
اور دل جو ہے بغل میں سو اسطرح کا پھوڑا　　ہرگز نہ وہ پکے ہے ظالم نہ پھوٹتا ہے
القصہ کیا کہوں میں گلشن میں زندگی کی　　تجھ بن نہال سودا پاتوں ہی آ لگا ہے

پاؤں چل جانا — و تورع تخلل در استقلال۔ میر حسن در سحر البیان مشتمل بر قحط سالی لکھنؤ آورد:

غریبوں کا دل سا نکلنے لگا　　توکل کا بھی پاؤں چلنے لگا

پاؤں نکالنا — گویا پا از حد اعتدال بیرون داشتن است۔ حضرت درد قدس سرہٗ فرماید:

تہمت ہے یہ ز نہار کسو کی پہ نہ جاوے　　بیطرح کچھ ان آنسو وں نے پاؤں نکالے

پتلی — بضم اوّل و سکون فوقانی و لام بیای معروف: در ہندی مردمک را گویند:

پتلی کا تارا کرنا — جا دادن است کسی را در چشم۔ مصطفےٰ خاں یک رنگ گوید:

اگر آوے مرے گھر وہ پیارا　　کروں اس ماہ کو پتلی کا تارا

بُوٹا سا قد — بواو معروف وتای ہندی بالف کشیدہ؛ کنایہ از پستیِ قدِ معشوق کہ بکمال موزونی باشد۔ مولف گوید:

بُوٹے سے تیرے قد کا جب جا پڑے سایہ — وہاں اور نہ کوئی بُوٹا جو سرو وسمن نکلے

باتیاں پاؤں پوجنا — اقرار بر فیلسوفی مزوّران نمودن، مرزا رفیع فرماید:

جن نے سجدہ کیا نہ آدم کو — شیخ کا کچھ اُن نے باتیاں پاؤں

و درینجا مراد قایل ترجیح شیخ است بر شیطان۔

باؤ کا رخ بتانا — کنایہ ایست از فریب دادن، و این روزمرۂ عوام بازار است۔ محمد تقی میر گویند:

نالا نہیں اک مجھ کو پتنگ آج اوڑاتے — بہتوں کے تئیں باؤ کا رخ اُن نے بتایا

بال بیکا نہووے — تاکیداً و مبالغۃً احتیاط چیزی بشخص حاضر گویند، و این ظاہرا ترجمہ ہمانست کہ در فارسی گویند، سر مو نقصان نشود۔ استادی و مولائی حضرت درد فرماید:

اے شانہ تو نہو جو دشمن ہمارے جی کا — ہاں دیکھیو نہووے زلفوں کا بال بیکا

(بھ)

بھیگتی جاتا رات کا — بیای معروف و سکون کاف عجمی و فوقانی بیای مجہول رسیدہ؛ و کنایہ از گزشتن شب است کہ در صحبت عیش و طرب بگزرد، و سرود اہل مجلس آناً فاناً در ترقی باشد میر حسن در کاکل بی‌نظیر مشتمل بر عالم غسل بیان نمودہ:

نہی کا نخا بالوں کے عالم عجب — نہ دیکھی کوئی خوب تر اس سے شب

کہوں اس کے عالم کی کیا تم سے بات — کہ جوں بھیگتی جائے صحبت میں رات

بھاری پتھر چوم کے چھوڑ دینا — وسعت بر داشتن از امریست کہ بر آمدن از عہدۂ آن متعود نباشد۔ یکی از شعرا گوید:

ہے اُس سنگدل سے عزم ہوشا — بھاری پتھر تھا چوم کے چھوڑا

بھچک جانا — بفتحتین و سکون کاف تازی؛ کنایہ از وقوع حیرت ناگہانی کہ دفعتاً رو دہد۔ مرزا رفیع سودا در قصیدۂ سالگرہ گوید:

پلیتھن لگانا ــ بفتح اوّل و لام و یای معروف و فتح تای ہندی و سکون نون : در تکرار تخریب کسی بودن ـ سودا در ہجو بخیل زبانی خانساماں گوید :

نان پاکو جو دیکھو بھر کے نظر ۔۔۔ مجھ سے کہتا ہے یوں وہ گیدی خر
تکی مشرف کے گھر پکاؤں گا ۔۔۔ اور پلیتھن ترا لگاؤں گا

پولے تلے گزران کرنی ــ کنایہ از کمال تجرّد و عدم اسباب ـ ہدایت گوید :

بھا ریش درازِ شیخ سے معلوم یہ ہم کو ۔۔۔ کہ یہ نابد بھی اک پولے تلے گزران کرتا ہے

پاؤں گاڑنا ــ کنایہ از عالم استقلال ـ محمد تقی میر فرماید :

یارب رہ طلب کوئی کب تک پھرے ۔۔۔ تسکین دل کر بیٹھ رہوں پاؤں گاڑ کر

پاؤں پھیلا کر سونا ــ عبارت از کمال فارغ بالی است ـ جرأت گوید :

ہاتھ کھینچا زندگی سے جب بزیر چرخ آہ ۔۔۔ تب یا فقنے سونے پاؤں پھیلا کر یہاں

پانی بھرنا ــ اقرار بر عجز نمودن ـ مؤلف گوید :

عجب کیا ہے یہ کنعاں بھر یوسف پانی بھرے آکر ۔۔۔ اگر صورت ذرا دیکھے ترے چاہ زنخداں کی

پاؤں دھو دھو پیجے ــ کنایہ از فرط اعتقاد ـ مؤلف در نعت گوید :

طوف قدم شریف جس دم کیجے ۔۔۔ مقصود دلی تمام اس دم لیجے
ظاہر ہے یہ آب حوض سے اسکی طپش ۔۔۔ ایسو ہادی کے پاؤں دھو دھو پیجے

پیالا ہونا ــ در اصطلاح اُستادان کنایہ از رخت ہستی بربستن آمدہ ـ مؤلف گوید :

اے مینوش تو بھی آپ کو جلدی وہاں پہنچا ۔۔۔ گروہ حسن کا کہتے ہیں تیرے طرح پیالا ہے

پس انداز ــ بفتح اوّل و سکون حلہ ، آنچہ بعد از صرف نگاہ دارند و روزگار پیشہ آنرا مایہ توکل نامند کہ در ایام عطلت بکار آید ـ محمد بقا گوید :

یہ گل اندام جو صرفے سے تک اک ناز کریں ۔۔۔ کام لیں زلف سے کاکل کو پس انداز کریں

بباید دانست کہ حروف چند با متزاج ہای مخلوط الترکیب در زبان ہندی برابر علیحدہ قرار یافتہ اند و در تلفظ از ہم متفاوت گردیدہ چون " ب " کہ منقسم بر دو قسم است :
اگر بای تازی بہ ہا مخلوط شود " بھ " خوانند و تحت او بعلامت موحدہ یک نقطہ

پچھاڑیں کھانی ـ بفتح اوّل وجیم ہندی بالف کشیدہ و رای ہندی بیای مجہول رسیدہ و سکون نون؛ کنایہ از صدمات بر داشتن است ـ مرزا رفیع سودا در ہجو اسپ گوید :

دیکھے ہے جب وہ توبڑا و تھان کی طرف کھاتا ہے دانہ گھاس کی جاگہ سدا پچھاڑ

یعنی از ناطاقتی بر زمین می افتد ـ

پی جانا بات کا ـ طرح دادن در جواب سوال است، آبرو گوید :

سخن اوروں کا تشنہ ہو کے سننا اور سب کہنا مگر جب آبرو کی بات کو سننا تپی جانا

پیٹ بھر جانا ـ بیای مجہول و سکون تای ہندی : مراد از تنگ ظرفی ناکسان است ـ مذحاتم گوید :

اندنوں میں دیکھ کر ہم کو ابھر تے ہیں قیب پیٹ ان کا ہے بھرا کل پرسوں کر تے ہیں قیب

مخفی نماند درین شعر بحیثیت معنی اصطلاح لطف دیگر کہ عبارت از تداخل اسست پیدا نمودہ ـ

پسنا ـ بکسر اوّل و سکون مہملہ و نون بالف کشیدہ بہ خستگی یا فتن مخصوص در عالم تعشق ـ حضرت درد فرماید ـ

مرتا نہیں ہوں کچھ میں اس سخت دل کے ہاتھوں پستا ہوں آپ اپنے کم بخت دل کے ہاتھوں

پانی سے پتلا کرنا ـ کمال تفضیح نمودن، مصحفی گوید :

چشم نے رو رو کے دریا کر دیا ابر کو پانی سے پتلا کر دیا

پسلی پھڑ کنی ـ بفتح اوّل و سکون مہملہ و لام بیای معروف رسیدہ : کنایہ ازان است کہ در حالت غیبت بر احوال شخصی اطلاع شود ـ مولف گوید :

جب غیر سے ہوا وہ کہیں رات ہمکنار یہاں درد دل سے اپنی بھی پسلی پھڑک گئی

پہاڑ سی راتیں ـ کنایہ از طول شبہای مصیبت ـ سجاد گوید :

کس طرح کوہ کن پہ گذریں گی ہجر کی یہ پہاڑ سی راتیں

پانی نہ مانگنا ـ در اوّل ضرب شمشیر زخم کاری خوردن و مفاجان دادن ـ میر سوز گوید، رباعی

جو تجھ سے بلاے ناگہانی مانگے یا بادہ جام کی کچھ نشانی مانگے

دکھلا دے اسے تو اپنی شمشیر نگاہ جس کا مارا کبھی نہ پانی مانگے

توڑنا جوڑنا ـ کنایہ از کمالِ قدرت و اختیار ـ ہدایت گوید:

سر رشتۂ محبت یاروں کو ہاتھ آیا ۔ وہ آپ توڑتے ہیں اور آپ جوڑتے ہیں

تِنکے چُننے ـ بکسرِ اوّل و سکونِ نون کاف تازی بیای مجہول: کنایہ از غلبہ سکر کہ نہایت بیہوشی آرد ـ و مجازاً در محلِ منعِ فکر نیز مستعمل ـ فخر الدین مضمون گوید:

سبزی یہ خط کی دیکھ کے پیاسے بھنگیاں ۔ گرد ہے مست بھنگ بھی تنکے چننے لگے

تولنا نظروں میں ـ سنجیدن قدر و مقدار است ـ جناب درد فرماید:

رونے کو مرے تولے ہے تو نظروں میں ۔ اس گوہرِ اشک کی بھی رتی جھکی

تِل دَھرنے کو جگہ نہ ملنی ـ بکسرِ اوّل و سکونِ ثانی کنایہ از تنگی جای مجلس کہ بکثرتِ مردم باشد ـ میر حسن در مثنوی گلزارِ ارم گوید:

ہجوم ماہ رویاں اس قدر تھا ۔ کہ ہم کو دل کے پس جلنے کا ڈر تھا
بنائی خال نے اس حسن پہ راہ ۔ بہم پہنچی نہ تل دھرنے کو جاگہ

تلوے سہلانے ـ افراط در خوشامد نمودن ـ مؤلف گوید:

ہے پیا مائی خونِ دلِ عاشق ہی کا فیض ۔ مہندی اس طرح جو تلوے ترے سہلاتی ہے

تم نے اوڑائیاں اور ہم نے معجون کھائیاں ـ در مقامی گویند کہ طرفِ ثانی سخن سازی کند و خود را بر تصنع او اطلاع باشد ـ ہدایت گوید:

باتیں کسی کے آگے بناتے ہو میری جان ۔ تم نے اوڑائیاں ہیں سو یہاں ہم نے کھائیاں

تلووں سے آگ لگنی ـ کنایہ از غیظ و غضب ـ سجاد گوید:

مہندی کو کفِ پا سے ترے لاگ لگی ہے ۔ میں کیا کروں تلووں سے مرے آگ لگی ہے

تلاوڑی ـ نام صحرا ایست کہ در نواحِ سرہند واقع، و اکثر قطاع الطریق در آن بیابان قافلہ غارت کنند، و در عرف حال این لفظ عموماً بر جمیع محلِ خطر اطلاق دارد، و مرزا رفیع سودا در ہجو کوتوال دہلی انتظامی شاہجہان آباد گوید:

دیکھی ہے جنہوں راہ چاولی کی ۔ پشم ہو رہزنیِ تلاوڑی کی

تالی ـ بفوقانی بالف کشیدہ و لام بیای معروف معنی دستک آمدہ و این در سہ محل استعمال دارد ـ

کنند، دگر باہائے ہی مرکب گردد "پیچھے" خوانند، و در آنجا سہ نقطہ گذارند۔ ولی پائے ہندی در تا و جیم و دال و را و کاف امتیاز پیدا است و ہر یکی بجای خود ذکور شود انشاء اللہ تعالیٰ۔

(پھ)

پھیکا — بیای معروف و کاف تازی بالف کشیدہ بمعنی بی نمک آمدہ۔

پھیکا لگنا نظروں میں — کنایہ از کمی رنگ چیزی کہ در مرتبۂ خود ناقص باشد۔ ناجی گوید:

نمکین حسن دیکھ کر پیا کا　　رنگ گل کا لگا مجھے پھیکا

پھپھولے — بفتح اوّل و دوم بواو مجہول و لام بیای مجہول رسیدہ: جمع آبلہ۔

پھپھولے دل کے پھوڑنے — حسرت دل برآوردن، خان آرزو فرماید:

میخانے بیچ جا کر شیشے تمام توڑے　　زاہد نے آج اپنے دل کے پھپھولے توڑے

پھونک پھونک کے پاؤں دھرنا — بر دو بواو معروف و نون غنہ با کاف تازی: کار باحتراز نمودن و راہ باحتیاط رفتن۔ ہدایت گوید:

زمانہ بسکہ نازک ہے بلبل، خاطر گل سے　　صبا بھی پھونک کے پھونک اس گلستاں بیچ پاؤں دھرتی ہے

(ت)

تل — بکسر اوّل و سکون ثانی: نام گیاہ کہ در قسمیست از اقسام حبوب۔ در اصطلاح مومئہ یک دم بل از آن ہم کم۔ معتبر خان گوید:

تل جی دل سے کے یوں بگڑتے ہو　　کر گویا ان تلوں میں تیل نہیں

تارے گننے — کنایہ از شغل تنہائی۔ مولف راست:

انتظاری میں ترے کل کس طرح لے ہمدم　　کچھ کی رات بھی گنتے ہی کٹی تاروں کو

تہ کر رکھو — در اظہار بیغرضی و استغنا گویند۔ میر سجاد گوید:

یار کا جامہ ہوں بیگانہ سے　　یوسف اپنا پیرہن تہ کر رکھے

پلتا پھوڑے کا — بفتحین و سکون کاف تازی و فتح و حذف یائے تحتانی ؛ کنایہ از تجارت است ۔ جناب مرزا رفیع سودا فرماید :

چیچک نے از دہن و کل نو شتر نکالا ہے
شیطان پہ اوسکی کرنے کیا ہے پلتا پھوڑے کا

(ث)

شورے کہ مشتمل بر اصطلاح باشد، مدیر حروف کم بنظر گذشتہ ۔

(ج)

جگ — بضم اول و سکون کاف عجمی و ہندی بمعنی قرعہ است، و در اصطلاح آنکہ دو مہرہ چوسر کہ یک خانہ باشد ۔ فضائل علی خان در مثنوی زبانی معشوق گوید :

سدا غم کی چوسر بچھا کر حریف
برہ کو لے بیٹھی ہوں اپنا حریف

سو کبھی ہی پڑتی ہے بر حال میں
کئی جگ ہوئے پھر کو بنجال میں

جی میں جل جانا — کنایہ از پیچ و تاب خوردن در حالت رشک ۔ میر سوز گوید :

جو ترے قد کو دیکھے شمع، پانی ہو پگھل جاوے
مجھے دیکھے اگر پروانہ اپنے جی میں جل جاوے

جان کی اماں مانگنی — مقدمہ آداب است در عرض مطلب، کہ اول این لفظ گویند و من بعد بالتماس مدعا آیند ۔ میر سوز گوید :

کہوں یک بات میں تجھ سے اگر جی کی اماں پاؤں
مجھے قربان ہونے دے ترے قربان ہو جاؤں

جی پگھل جانا — بیای معروف و کسر بای عجمی و فتح کاف ہندی و سکون نون ؛ کنایہ از میلان خاطر است ۔ ہدایت گوید :

دل پہ ہزار حرف شکایت سے تھا ہجوم
مکھڑے کو دیکھتے ہی پہ کچھ جی پگھل گیا

جان پر کھیلنا — کنایہ از اختیار نمودن امریست کہ در حصول آن ہلاکت خود متصور گردد جرأت گوید ۔ سبحانی :

پیدا ہوا جب سے خون دل ہی پیا
اب تلک ہر یک غمِ عشق بازی میں جیا

کھلا کہ دلیرانہ کھیل کیا تم کو
طفلی میں کیا جان پہ کھیل ہی کیا

گاہی در مقام طلب کہ صدای آن دلالت بجود شخص کند۔ مرزا رفیع در مطلع قصیدہ سالگرہ گوید:

صبح ہوتے جو گئی آج مرے آنکھ جھپک دی خوشی نے مجھے آکر صدا پک جھپک

وگاہ در صحک دامستہزا مستعمل گردد۔ ہدایت گوید:

کرم شب تاب آئے کیکچے پہ گرد اس ماہ کے کیوں نہ لڑکے دیکھ کر اس کو بجادیں تالیاں

وگاہی ارباب موسیقی را ازین عمل نظم تال منظور باشد۔ وبدین حیثیت لفظ تالی یا تال نسبت اعتبار شود۔

تالی ایک ہاتھ سے بجنی ۔ تمام کنایہ ایست از امر ممتنع الوقوع کہ دوستان در عالم اخلاص بسبیل شکایت گویند۔ ہدایت گوید:

کہیں سنا ہے کہ اک ہاتھ سے بجے تالی جو اپنی چاہ کرے ہم بھی اسکی چاہ کریں

(تھ)

تھتھانا منہ کا۔ چین بر جبین زدن است، میرحسن گوید:

تمکین نہ ہو حسن تو یہ ناز ہے تجھی پر یوں اور کے تو آگے وہ منہ تھتھا کے بیٹھے

(ٹ)

ٹکر پہاڑ سے لینی ۔ مقابل شدن با کسی کہ قدرت مقابلہ آن نباشد۔ میرسجاد گوید:

کوہ کن کیوں نہ سر کو پھوڑ مرتے لے ہے جا کر پہاڑ سے ٹکر

ٹھکو پڑنا عورت کا ۔ بفتح اول وسکون بای عجمی وکاف تازی بیای مجہول ۔ کنایہ از تعیلات شاہد دوست بمباشرت۔ مولف گوید:

مستی میں بسکہ ٹیکی ہی پڑتی تھی وقت لذ ہونٹوں سے میرے ہونٹ کال اپنے رگڑ گئی

ٹٹی کی اوٹ میں شکار کھیلنا ۔ در پردہ کار کردن ۔ سجاد گوید:

مژگان کی صف میں چھپکے نگہ دیکھتے ہے دل ٹٹی میں ڈوبو شکار کو ٹٹی کی بیٹھے اوٹ

چٹکیوں میں اڑانا — بضم اوّل و سکون تای ہندی و کاف تازی مکسور و تحتانی با واو مجہول و سکون نون؛ کنایہ از اختلاطیت کنانیدن یا اہل طاہبت کنند و ہم دعبای مستعمل است کہ شخصی را بلطائف الحیل ناکام بگذارند۔ ہدایت گوید :

آہ و فغاں سنی نہ کبھی عندلیب کی ‌ ‌ ‌ بلبل کو گل نے چٹکیوں ہی میں اڑا دیا

چور لگنا شمع کو — کنایہ از زود گداختن شمع است کہ بعید مہ باد تند تقصی باو رسد، و قبل از وقت معمول تمام شود۔ محمد میر اثر فرماید :

دم بدم کچھ گھلا ہی جاتا ہوں ‌ ‌ ‌ شمع کی طرح دل کو چور لگا

چوٹی کا ہونا ایک چیز کا — بواو مجہول و تای ہندی بیای معروف، کنایہ از یکتایی آن چیز است، چنانکہ در فارسی گل سرسبد خوانند۔ میر حسن در تعریف جعد بدر منیر کہ در ہندی آنرا چوٹی گویند بہمین اصطلاح آورده و فی الواقع خالی از لطف نیست :

سنگاروں میں گو سب ہے وہ اتار ‌ ‌ ‌ یہ کہتے ہیں چوٹی کا اس کو سنگار

چاند کا کھیت کرنا — کنایہ از طلوع شب مہتاب و نمود ہالۂ روشنی۔ میر حسن در تعریف سبز پوشی بی نظیر گوید :

وہ حسن اور وہ پوشاک اور وہ شباب ‌ ‌ ‌ زمرد میں جوں جلوۂ آفتاب
کہے تو کہ شب چاند نے آن کے ‌ ‌ ‌ نکالا تھا منہ کھیت سے دھان کے

و در این معنی لفظ کھیت لطیفہ بخشیده، فتامل۔

چمکنا — نشو و نما یافتن و ہم خشمگین شدن۔ مثال اوّل ہدایت گوید :

یہ نکتہ جوہر آئینہ سا روشن ہوا دل پر ‌ ‌ ‌ کہ اکثر اس زمانے بیچ ناکارے چمکتے ہیں

دوم مولف گوید :

تب باد انکے ہی کچھ ہیں مجھ پہ گرم ہوتے ‌ ‌ ‌ آتے ہیں لخت دل بھی اتو چمک چمک کر

چل — بفتح اوّل و سکون ثانی، بدو معنی مستعمل۔ یکی دو توبا برہی و بہ بزہیت در انبوه، و دوم بمعنی تخفیف۔ مثال اوّل عوات گوید :

چل بسے صبر و قرار و طاقت و تاب و تواں ‌ ‌ ‌ چلتے ہی تیرے سمجھو یکبیک چل بچل ہوگیا

جی ہارنا کسی چیز سے ۔ باز ماندن از شئے است کہ بمقتضای جبن جرأت بر تحصیل آن نباشد۔
محمد تقی میر گوید :

عشق بازی میں کیا موئے ہیں میر ۔۔ آگے ہی جی انہوں نے ہارا تھا

جی چھپانا ۔ عبارت از پہلو تہی کردن است ۔ میر گوید :

ضعف ہوتی کہ تاب و تواں جی چھپا گئے

جی چرانا ۔ نیز از ہمین عالم است و بکثرت عرف محتاج سند نیست۔

(جھ)

جھلک ۔ بفتحین و سکون کاف تازی : کنایہ از دیدن چیزی کہ از دور محسوس شود و خوب مفصل بنظر در نیاید ، مولف گوید :

اس کی جھلک سے آنکھ عبث اپنی لڑ گئی ۔۔ کیا بیٹھے بیٹھے ہم پہ یہ بجلی سی پڑ گئی

وگاہی بمعنی عکس و روشنی ہم مستعمل ۔ میر حسن در تعریف کہاران پالکی بی نظیر گوید :

کہاروں کی زرلبفت کی کرتیاں ۔۔ اور ان کی دیہ پاؤں کی پھرتیاں

بندھی پگڑیاں تاش کی سر اوپر ۔۔ چکا چوندھی جس سے آوے نظر

وہ ہاتھوں میں سونے کے موٹے کڑے ۔۔ جھلک جس کی ہر ہر قدم پر پڑے

وبمعنی درخشندگی نیز مستعمل و معروف است ۔

جھلا بور ۔ بفتح اول و لام بالف کشیدہ و موحدہ بواو مجہول و سکون رای مہملہ ، چیزی را گویند کہ نہایت درخشان باشد ۔ ہم در مقام ماسبق میر حسن آوردہ :

ہزاروں ہی اطراف میں پالکی ۔۔ جھلا بور کی جگمگی نالکی

جھلا جھل ۔ نیز بہمین معنی است لکن این مرد و اختصاص با قشہ زرتار دارند نہ با جواہر و سیم و غیرہ۔

(چ)

چبا چبا کے باتیں کرنی ۔ بتکلف حرف زدن و بیدردانہ سخن گفتن ۔ محمد تقی میر گوید :

اک رنگ پان ہی اس کا لعل خوش بہا ہے ۔۔ بستی ہیں یاس کو باتیں کرنی چبا چبا کر

مستعمل بوہم است۔ مرزا رفیع صاحب سودا گوید :

باپ کے گھر کی چاٹ کر چینی ۔۔۔ کرو گزران یا رند تم اپنی

چوپٹ کرنا۔ ویران بخت خوردن۔ مرزا رفیع صاحب کو قول گوید :

اپنے مطلب کے لیے گھر کو نٹ کھٹ ۔۔۔ بکتے ہیں اس نے گھر کے گھر چوپٹ

(چھ)

چھاتی پر مونگ دلنا۔ کنایہ از آنست کہ معشوق حضور عاشق با دیگری غلط شود۔ مومن قیام گوید :

گندمی رنگ جو ہے دنیا میں ۔۔۔ میری چھاتی پہ مونگ دلتا ہے

چھیڑنا۔ بیای مجہول و سکون یای ہندی و نون بالف کشیده ، بدو معنی مستعمل ، اوّل سخن وا کردن و ثانیاً از راہ شوخی و ظرافت غلط شدن۔ نواب امارت مآب محبت خاں بہادر شہبار جنگ دام اقبالہٗ و عم نوالہٗ فرماید :

کسی سے مجھ کو نہیں شغل تار ساز ہم لیکن ۔۔۔ ذرا چھیڑ سے ملتے ہیں طالب جن کی جیسی ہے

چھڑک کر بیچنا۔ بکسر اوّل و فتح یای ہندی و سکون کاف تازی ، مبالغہ در تعریف جنس خود کردن است در حالت فروش و مجازاً کنایہ از ایما فروشی۔ یکی از شعرا گوید :

ہو کیوں نہ چمن میں گرم گل کا بازار ۔۔۔ شبنم حبہ لوے خوب چھڑک کر بیچے

چھری تلے دم لینا۔ بضم اوّل و های ہولیای معروف ، گونہ متوقف شدن و تحمل در نیل مطلب مدعا۔ مؤلف :

دلا فراق خزہ میں تو یار قاتل کے ۔۔۔ تو کچھ دا آشنا ذرا تو چھری تلے دم لے

من حیث اللفظ تحقیر طالب ظاہر است ، در ہمین معنی۔

چھچھوندر۔ نام است یکی از حشرات الارض کہ از موش خرد تر باشد و چون در رفتار خیلی حرکت دارد و بدین اعتبار آتشبازان نام یکی از اقسام آتشبازی قرار دادہ اند کہ آن نیز وقت آتش گرفتن ہمین حالت پیدا می کند و در فارسی ہم کہ بہمین معنی موشک آمدہ ، کاف در کلمہ علامت تصغیر است ، ظفر گوید :

و دیم محمد تقی میر گوید :

کہ اس دیر کے ہونے کا باعث و منزلت ہے کا فروں اس میں ہوئے اگر ایک بلا چل

چرخ چڑھنا — کنایہ از مصاحبت و ملازمت یافتن و خوش اسلوب گشتن۔ مرزا مبتلا گوید :

مزہ اس کا مسنائی تہ مقتول کی مِرا دے ۔ خورشید ہزار لبنے تئیں چرخ پہ چڑھاوے

چارپائی — چیزیست کہ برای خوابیدن موضوع و آن چہار چوب پایہ دار است کہ بجیسان باندہ معنی اصطلاحی آنکہ در وقت جنگ چون کشتہ و زخمی بر آن بماند بر چارپائی در معرکہ اہل لشکر مراد از شمار چارپائی گویا شمار زخمیان و کشتگان است۔ درین صورت ظرف بجای مظروف مستعمل گردیدہ۔ و ظاہر این ہم از بیان عالم است کہ قاعدہ سرخ نہر جاری گویند۔ حال آنکہ قاعدہ عالم شیشہ بول است و سرخی آن کنایہ از رنگ بول و ہم چنین نہر نیز جاری نیست۔ بلکہ آب آن جاری۔ علی ای حال سند اصطلاح مذکور از کلام میر صاحب یافتہ شد :

تری گلی سے سدا ای کشندۂ عالم ہزاروں جاتی ہوئی چارپائیاں دیکھیں

چراغ ٹھنڈا کرنا — خاموش کردن چراغ است، مؤلف گوید :

پیری میں صرف سوی ہر داغ کیوں نہ ہوں ٹھنڈا کرے ہے ہر کوئی وقت سحر چراغ

چل سکنا — بفتح اول بمعنی توانستن و قدرت یافتن۔ سجاد گوید :

کیا کرے پاؤں بھی کر جنگل میں کچھ نہیں آبلوں سے چل سکتا

چپنی بھر پانی میں ڈوب مرنا — کمال منفعل شدن و انحطاط مرتبہ خود دیدن۔ مرزا رفیع سودا در تعریف چپا و مومن خاں گوید :

بجلے لدے زمین پہ تختے کو سے چپنی بھر پانی لے کے ڈوب موئے

چکائی دینی — بضم اول و کاف تازی بالف کشیدہ و دو تحتانی : بمعنی نظر غلط کردن است و بیشتر عوام بدلالت استعمال کنند۔ میرزا [illegible] گوید :

چکائی دے کے پھر نہ جا کیا تیا [illegible] [illegible]

چپنی چاشنی — بفتح اول و کسر باء چینی و نون یا معروف : کنایہ از کمال قناعت [illegible]

خدا خدا کر کے پہنچنا ـــ بدشواری رسیدن است اعم از کہ دشواری راہ باشد یا از عالم دیگر۔
محمد تقی میر گوید:

ہر گام سنگ راہ تھی تجانس کی محبت ۔۔۔ کعبہ تلک تو پہنچے لیکن خدا خدا کر

خاک چھاننا ـ کنایہ از کمال آوارگیست در سعی و تلاش۔ مولف گوید:

کیوں خاک چھانتا ہے دلا کو بکو عبث ۔۔۔ شل صبا ہے اس کی تجھے جستجو عبث

خالہ کا گھر ـــ کنایہ از امن و آرامگاہ۔ محمد حسن محسن گوید:

دل دینے پہ ہے جی تو کرو خانماں خراب ۔۔۔ یہ عاشقی ہے شیخ جی خالہ کا گھر نہیں

خدا کے مارے ہونا ـ کنایہ از بدبختی و بدطالعی است۔ سید عبدالولی عزلت گوید:

بتوں کے ہم جو یہ سنگ جفا کے مارے ہیں ۔۔۔ سو شکوہ ان سے نہیں ہم خدا کے مارے ہیں

خدا کیا کرے ـــ در امید و یاس عموماً گویند۔ محمد قایم گوید:

میں جاتا ہوں کعبہ کو اب دیر سے ۔۔۔ بھلا یہ بھی دیکھوں خدا کیا کرے

خبر عطر ـ بتمامہ لفظیست مرکب فقط بمعنی خبر موضوع، اعم ازین کہ خبر خوش باشد یا موحش۔
سجاد گوید:

باد صبا سے زلف معطر کی ہم تلک ۔۔۔ مدت ہوئی کہ پہنچی نہیں کچھ خبر عطر

مولف گوید کہ حرکت طای عطر کہ در رکن ضرب مقابل وتد مجموع واقع شدہ الحق در تقطیع در برابر عین می افتد و برین نمط مفعول فاعلات مفاعیل فاعلن مد صحت لفظ گونہ تردد بخشیدہ و بر خیالین بحث علاقہ با فن عروض دارد و درین جا داخل ما نحن فیہ نیست لاکن در شعر چون مقدم صحت لفظ است البتہ محل گفتگو است۔ مخفی نماند کہ عطر بمعنی طیب بسکون طاست۔ و درین جا ہم باعتبار مناسبت لفظ خبر کہ تشبیہ با بوی توان کرد معنی علاقہ با ہمان عطر ساکن الاوسط دارد۔ واگر گویند کہ خبر عطر لفظیست مشہور کہ بکثرت استعمال از علم شد اعتبار یافتہ و در علم تصرف جایز نیست، گوییم اگر بہمزہ و تای منقوط می بود البتہ باین توجیہ موجہ می شد، لاکن چون بعین مہملہ و طای حطی است ہر آیینہ بسکون اوسط بعینہ معنی الکیفیت سخن رفتہ لطف ہا کاست فتامل و حق التامل۔

چو موشک ڈاکنند آہم گر آتشبازی شوق ... باید در دست بر کمان بہ جلابی آنکم

و موشک دوانی کہ در اصطلاح فارسیان کنایہ از آتش اندازی اہل اتفاق است بہمین معنی در ہندی، چھچھوندر چھوڑنی مصطلح آید و گوید:

ماہ رو کے پاس جا کس نے چھچھوندر چھوڑدی ... گھر جلا عاشق کا ان لوگوں کا کیا ٹوٹا ہوا

چھاتی گدرانی — بکاف فارسی و دال مہملہ: کنایہ از بلند شدن پستان عورت است در ایام شباب و اوایل جوانی۔ ہدایت گوید:

نو بہار آئی ہے جوں عہدِ شباب ... چھاتیاں کلیوں کی بھی گدرائیاں

چون ضمیر کلی در ہندی مخصوص بتانیث استعمال یافتہ نسبت این تشبیہ خالی از کیفیت نیست۔

چھٹکنا چاندنی کا — بکسر و فتح تای ہندی و کاف تازی و نون بالف کشیدہ: کنایہ ایست از نور شب مہتاب کہ بکمال صفا باشد۔ میر حسن در سحر البیان گوید:

وہ چھٹکی ہوئی چاندنی جا بجا ... وہ جاڑے کی آمد وہ ٹھنڈی ہوا

چھاتی پھٹنی — کنایہ از جگر خون شدن است بر حال دردمند۔ ہدایت گوید:

طاقت ہے کسے شرح محبت کے رقم کی ... سن حال مرا پھٹ گئی چھاتی بھی قلم کی

(ح)

حال حال چلنا — کنایہ ایست از تیزی رفتار۔ محمد تقی میر فرماید:

جائیں ہیں فرش رہ تری مت حال حال چل ... اے رشک حور آدمیوں کی سی چال چل

(خ)

خاک ڈالنی ایک بات پر — کنایہ از اخفای امر یست کہ در افشای آن انواع رسوائی متصور باشد۔ محمد بقا گوید، قطعہ

گر قتل کیا بقا کو خوباں ... اس بات کو منہ سے مت نکالو

پنہاں ہی بھلا ہے خون عاشق ... جانے دو اب اس پہ خاک ڈالو

خبر بسنت کی پوچھنی کسی سے — طنز بر غفلت و بیخبری اوست و مجازاً در ہمہ جا مستعمل، خان آرزو فرماید:

اٹھو چیت کیوں جنوں کے بخاطر پخت کی ... آئی بہار تجھ کو خبر ہے بسنت کی

خون چاٹنا تلوار کا — خون آلود شدن شمشیر است، فضل علی دانا گوید:

چاٹے خون کو جس روز میرا سو فاتحہ ... اک گردن سے میرے کس کے خنجر کو ملتفت

دل ڈوب جانا - کنایہ از غشی طاری شدن - مولف گوید :

عرق آلود اس کو دیکھ کر کیونکر نہ دل ڈوبے طراوت حسن کی ہے موجزن اس کے پسینے میں

دل چلنا - میلان طبیعت را گویند - محشر گوید :

کب دل بچے ہے اس سے جیب اپنے سی چلے وہ شکل وہ جس پہ فرشتہ کا دل چلے

دل پیچھے پڑنا - بمعنی غم غلط شدن مستعمل - مصحفی گوید :

ہمنشیں بہر خدا کل ہی کا کر اس کے ذکر تیری باتوں سے ذرا دل تو مرا پیچھے پڑے

دل پانا - رضای خاطر دریافتن - ناجی گوید :

غم نہیں گر دلبری سے دل کو لے جاتا ہے وہ پاس میرے تب تو آتا ہے جو دل پاتا ہے وہ

دل دیکھنا - استمزاج نمودن - جعفر علی حسرت گوید :

جگر کو چاک قاتل دیکھتا تھا جو پوچھا میں، کہا دل دیکھتا تھا

دوشاخہ - باصطلاح رندان ہر دو لنگ فاحشہ - کمترین در ہجو مشعلچی گوید :

تو خصم گن کر مشعلچی نے کیے تو بھی نہیں رہتی دو شاخہ بن دیے

قصور سقوط عین مشعلچی کہ در تقطیع است بتجنیس لطف معنی معاف کردیم -

دن پھرنے - بکسر پای ہندی ، کنایہ از تغیر ایام نحس است - آبرو گوید :

خورشید کس طرف سے ہوا طالع آبرو کیا دن پھرے کہ یار کا ادھر کرم ہوا

دل گوردا - بکاف فارسی و واو معدولہ وسکون رای مہلہ و دال بالف کشیدہ ، یک لفظ مرکب

است ، بمعنی زہرہ کہ ارباب شجاعت و جرات را اہلیت آن باشد ، محمد حاتم گوید :

نظر آتا تھا بکری سا کیا پر ذبح شیروں کو بجا نامیں کہ یہ قصاب کا رکھتا ہے دل گوردا

دانت رکھنا کسی چیز پر - در کمین چیزی ماندن - مرزا رفیع سودا در ہجو کوتوال گوید :

مال صندوق میں رہے کس بھانت تن کے لتوں پہ چوروں کا ہے دانت

و ناجی نیز گوید :

نہیں بے وجہ تیرا خندۂ دنداں نما ہر گز کسی کے تو لہو پینے کو یعنی دانت رکھتا ہے

دل چرانا - طرح دادن در امری اہم از این کہ بجبن باشد یا بدور اندیشی - سودا در

(د)

دل میں گھر کرنا ۔ خصوصیت پیدا کردن است ۔ استادی دولوی حضرت صمد فرماید:

یا صاحب مہر اتنی تو اب سرگزر کرے   کوئی نہ نقد شراب کسی دل میں گھر کرے

دانت نکالنے ۔ بر معنی مصطلح کنایہ از اظہار و ساجت و عاجزی در محل عذر یا طلب مثال اول میر سجاد گوید:

زلفوں کے جب الجھے ہیں اس سانپ کے بال   دیتا ہے شانہ عاجزی سے دانت نکال

مثال دوم میر سوز گوید: مستزاد:

سن سوز بحث دیکھ کے حیراں ہو گا منہ یوں کا ہجال   دلدار میں الجھے گا پریشاں ہو گا است دانت نکال

یہ چال بری ہے تجھ سے بچنے کا نہیں، آ ملک ہا   ہنستا ہے کیا بہت پشیماں ہو گا یہ چال

دونوں وقت ملنے ۔ باعتقاد عوام کنایہ از وقتیست کہ بین العصر والمغرب باشد ۔ میر حسن گوید:

نہ لیٹ اس طرح منھ پر زلف کو بکھرا کے اے ظالم   ذرا اٹھ بیٹھ تو اس دم کہ دونوں وقت ملتے ہیں

واضح باد کہ درین جا علامت مشبہ واقع شدہ و شام و سحر کہ مشبہ بہ است محذوف ، لاکن بکثرت استعمال کہ بالسنہ جمہور مستعمل است آنقدر قریب الفہم گردیدہ کہ بمجرد تلفظ متبادر بادی الرای خصوصیت مشبہ بہ حاصل می شود و حاجت بتصریح و اظہار ندارد ۔

دن کو دن اور رات کو رات نہ جاننا ۔ کنایہ از کمال استغراق در امری ہمانکہ گویند، فلان کس از دنیا و مافیہا بیخبر است ۔ مرزا علی نقی محشر گوید: رباعی

کیا کہیے کٹی ہجر میں کیونکر اوقات   نے خواب و خورش رہی نہ دن تھے نہ رات

دن رات خیال زلف و رخ پیش نظر   جانا نہیں دن کو دن نہ رات کو رات

دانتوں زمین پکڑنی ۔ اتفاقات بسیار و تکرار ستم گزیدن است و بطور اد محل دیگر ہم مستعمل ۔ محمد تقی میر فرماید:

دیکھ اس کو ہنستے سب کے دم سے گئے اکڑ کر   مٹھو ہو وہ آدمی بھی دانتوں زمیں پکڑ کر

دوڑ دھوپ کرنی ۔ کنایہ از سعی و تلاش مطلب ۔ سجاد گوید:

تنہا ملک جانے ہے گر دشت میں تنہا   [illegible]

شدن بوقوع صدمۂ ناگہانی کہ بر قلب طاری شود گردد، اہم ازین کہ از خفقان باشد یا از شنیدن
خبر موحش ۔ میر سوز گوید :

ایک باری دھک سے ہو کر جی سے پھڑکی نہ سانس — کس شکار انداز کا یہ تیر بے آواز ہے

دھڑک ۔ بفتح و رای ہندی و کاف تازی : گرچہ فی الحقیقت این ہم از قبیل دھک است
لیکن چون بیشتر در محل طپیدن آید و معنی مصدریہ بخشد من وجہ انہا متفاوت شدہ مولف گوید :

طائر دل کی پھڑک تھمتی نہیں — کیا کروں اس کی دھڑک تھمتی نہیں

دھڑکا ۔ نیز بدو معنی مصطلح، گاہی بمعنی ترس و خوف مستعمل ۔ یکی از شعرا گوید :

شب فراق کی دہشت سے جان جاتی ہے — یہی ہے صبح سے دھڑکا کہ رات آتی ہے

وگاہی بمعنی طپیدن ۔ مولف گوید :

مطلقاً آرام آتا ہی نہیں — بے طرح کچھ دل کو دھڑکا لگ گیا

دھار پر مارنا ۔ در محل تفضیح و تحقیر مستعمل بلکہ از عالم فحش و دشنام میتوان گفت جرأت گوید :

بجا ہے طعن گر ابر بہار پر مارے — یہ چشم وہ ہے کہ دریا کو دھار پر مارے

دھویا دیدہ ۔ بواو مجہول : چشمیکہ قوت منفعل ندارد ۔ مولف گوید :

تو سب سے آنکھ لڑاتی ہے بزم میں اے شمع — خدا پناہ دے اس تیرے دھوئے دیدہ سے

دھونی لگانی ۔ بواو معروف : اصرار بر درخواست مدعا نمودن و این خاصہ فقرای سوال پیشہ
است کہ اکثر بر در اغنیا نشینند و بر تودۂ خاکستر ہمہ وقت آتش روشن دارند تا کامیاب
نشوند برنخیزند ۔ مولف گوید :

ٹھکنے کا نہیں ہرگز در یار اس سے نہ جب تک ہو — مژہ پر اشک سے خود آلودنی دھونی لگائی ہے

ڈ
(ڈ)

ڈک ڈکا کر پینا پانی کا ۔ بفتحتین و ہر دو کاف فارسی : قدحی آب خوردن بیکدم کہ اکثر در کمال عطش
اتفاق می افتد ۔ مرزا رفیع سودا در تعریف آب چاہ مومن خان گوید :

ڈوک ڈکا کر اگر کوئی پیوے — تا نزاد ڈرے لحاف کیا جیوے

بجو کوتوال گوید:

چڑھ کے جب منبروں پہ جاتا ہوں   وقت پر میں بھی دل جلاتا ہوں

دہر دہر جلنا۔ بفتحین کنایہ از مشتعل شدن آتش است۔ مرزا رفیع سودا در مثنوی گرما گوید:

ٹھیک ہوتی ہے جس گھڑی دوپہر   لگے ہے دہر دہر جلنے دہر

داغ لگنا۔ عارض شدن نقص است بر چیزی۔ ہدایت گوید:

غلط ہے سبزۂ خط سے جو کہیے باغ لگا   میاں یہ چاند سے مکھڑے کو تیرے داغ لگا

در و دیوار دیکھنے۔ کنایہ از تنہائی و شدتِ انتظار۔ ہدایت گوید:

انتظاری میں تری اپنی عجب صورت ہے   دیکھا کرتا ہوں میں گھر میں در و دیوار کی شکل

دل بھرنے۔ بفتح بای ہندی۔ اوقاتی برنج و صعوبت بسر کردن، ہدایت گوید:

شمع آسا تمام شب رو رو   ہم بھی اپنے دلوں کو بھرتے ہیں

(دھ)

دھواں دھار ہونا۔ زینت آراستن و مکلف بودن است۔ مولف گوید:

خط کے آنے سے دھواں دھار ہوا مکھڑا   آپ اب کیوں نہ بتادیں کہ صفائی مجھ کو

دھن۔ بضم اول و سکون نون معنی لغوی: ارادہ چنانکہ میر گوید:

ان دنوں نکلے ہے آغشتہ بخوں لختوں کو   دھن ہے نالہ کو کسی دل میں اثر کرنے کو

و معنی اصطلاحی بر دو قسم گاہی بمعنی صدای نغمہ کہ اندر بگوش رسد مستعمل گردد و لہذا اکثر کبیران ہند در تعریف نی نوازی کشن "مرلی کی دھن" مذکور کنند و گاہی ارباب موسیقی بہنگام تبدیل راگ در محل سر آوند و تعبیر کنند برین قیاس۔ و دھن مشتق از یک عالم متصور شد چہ در شعر میر ہم کہ مشتمل بر سند معنی ارادہ نوشتہ ایم لفظ نالہ موید ہمین معنی ایست۔ بہر حال این امر ذوقی است، ذوق تو جا حسن در می یابد، من فہم فہم۔

دھک سے جانا و دھک سے ہو جانا۔ ہر دو بکاف تازی بیک معنی آمدہ و کنایہ ایست از خائف

زمین پر سے کچھ پڑا پانا - مشعوف شدن از حصول امر بیست کہ امید وقوع آن نباشد یکا یک میسر شود۔ مولف گوید: قطعہ

خاک پر کل جو نقش پا کی طرح — اس نے میرے تئیں زرا پایا
خوش ہوا اتنا دیکھ کر گویا — کچھ زمیں پر سے ہی پڑا پایا

زہر کھانا - تقلید امری کردن کہ قابلیت آن نباشد۔ مولف گوید:

ولا یہ مجنوں کی چال تم نے ذرا اڑائی تو ہے جنوں میں — پہ ہر کسی پر یہ زہر کھانا کمال حق میں تمہارے ہے

(س)

سونے کا نوالا - بواو مجہول و نون بیار سیدہ کنایہ از لقمۂ نعمت۔ محمد قایم گوید: قطعہ

چشم بر راہ ہیں یہ کس گل کی — آج یہاں کون آنے والا ہے
نہیں اترتا گلے سے یوں نرگس — منھ میں سونے کا گو نوالا ہے

سر چڑھ کے مرنا - متہم بخون خود کردن، مولف گوید:

سرخ اپنے لہو سے تری دستار کریں گے — آخر کو ہم اک دن ترے سر چڑھ کے مریں گے

سر منڈانا - بدال ہندی: ترک علایق کردن و فقر اختیار نمودن: مولف گوید:

نہیں ممکن رہائی قید سے اس زلف مشکیں کی — قلندر ہو کے میں بھی اس کے پیچھے سر منڈاتا ہوں

سوجھتا اپنا کرنا - بواو معروف و سکون جیم ہندی و فوقانی بالف کشیدہ: بصلاح صوابدید پرداختن۔ میر حسن گوید:

کیوں نہ دیکھے تجھے کوئی ہر آن — کیا کوئی اپنا سوجھتا نہ کرے

سوئی کے ناکے میں سب کو نکالنا - کنایہ از محض سلیقہ و کمال رسائی است۔ ہدایت گوید:

تھا کام یہ تیرا ہی خداوند تعالیٰ — لا سوئی کے ناکے میں خدائی کو نکالا

ساون ہرے نہ بھادوں سوکھے - مدام بیک حال ماندن۔ ہدایت گوید:

جوں سرو ہم اس باغ میں کرتے ہیں معاش — ساون میں ہرے ہیں نہ بھادوں سوکھے

(ڈھ)

ڈھیر - بیای مجہول: در اصطلاح آزادان بنام قبر مصطلح، میر فرماید:

وادیٔ قیس سے پھر آئے نہ میر صاحب　　مرشد کے ڈھیر پہ وہ تکیہ

ڈھلتی پھرتی چھاؤں - کنایہ از بی ثباتی و تلون اوضاع روزگار ناقد دہی

ملے وہ غیروں سے جہرو ش گو، ہمیں کب آتا ہے رشک اسکا　　یہ ڈھلتی پھرتی ہے چھاؤں فدوی

(ذ)

درین حرف نیز اصطلاحی بخاطر نیست -

(ر)

رنگ مارنا - بفتح اوّل و نون غنہ و کاف عجمی: از حریف بازی بردن است و مجازاً موقع مستعمل - آبرو گوید:

کھیلے تھے رات چوسر گوٹیاں ہوا تھا پیارا　　ہائے رقیب سارے ہم نے ہی

رفو چکر میں آجانا - حیران ماندن بمشاہدہ امر عجیب، و عوام بازاراستعمال کنند - سراج

رفوگر کو کہاں طاقت کہ زخم عشق کو ٹانکے　　اگر دیکھے مرا سینہ رفو چکر میں آ

رتّی چمکنی - بفتح اوّل و تشدید فوقانی بیای معروف: مراد از یاوری بخت و مساعد مولف گوید:

لہو کی بوند بھی اشکوں میں اک دن اب ٹپکتی ہو　　دلا خوش ہو کہ تیری آج کل رتّی

رنگ رلیاں - بکاف فارسی: کنایہ از اختلاطی کہ با معشوق میسر شود - ہدایت گوید

بہار آئی ہے تم کو بلبلو یہ دن مبارک ہو　　چمن میں آج کل کر لو گلوں کی سا

(ز)

زمین پکڑنی - کنایہ از فرط اصرار برامری و ہم بمعنی استقلال - محمد عابد دل گوید

تمہارے در پہ جو درباں نے آستیں پکڑی　　برنگ نقش قدم ہم نے بھی

زمین میں گڑ جانا - بکاف فارسی و رای ہندی: کنایہ از کمال منفعل شدن و نمر آمد انعام اللہ خان یقین گوید:

قامت رعنا سے تیرے بسکہ شرماتا ہے سرو　　دیکھ کر تجھ کو زمین کے بیچ گڑ جا

مرزا رفیع درہجو کوتوال فرماید :

پہنچ سکے کیونکر اب کسی کی شے ملا مسجد کا صبح خیز یا ہے

صفائی بتانی - جواب دادن و ناکام گذاشتن، مولف گوید :

خطا کے آنے سے دعوان عارضوں کا یہ کھڑا آپ اب کیونکر بتادیں گے صفائی مجھ کو

صفائی —— بمعنی فاقہ مصطلح - مرزا عظیم بیگ عظیم گوید : شماباعی

نواب کے گھر میں گو غدائی ہوگی اور عرش بریں تلک بھی رسائی ہوگی

جوں آئینہ آب و نان دیکھو نہ عظیم خلقت پہ صدا یونہی صفائی ہوگی

(ض)

این نیز مثل چند حروف سابق شاذ است -

(ط)

طمانچہ سے منہ لال رکھنا - کنایہ از غیرت داخفای نادارلیست - میر گوید :

گل ترے روزگار خوبی میں منہ طمانچہ سے لال رکھتا ہے

ودرین مقام وجہ ناداری ظاہر چہ معشوق آنقدر رنگین تر واقع شدہ کہ گل نسبت

او نہایت بیرنگ افتادہ وازبسکہ با معشوق دعوی تساوی دارد بدین تقریب رنگ

بروی خودمی آرد و درین معنی لازم غیرت ظاہر -

طوفان ہونا - بمعنی معروف : آفت انگیز بودن است و در مدح وذم ہر دو مستعمل -

ہدایت گوید :

اشک گلگوں جیب و دامن پر مرے طوفان ہیں اس زمانہ کے تو لڑکے بھی کوئی طوفان ہیں

(ظ)

ظالم - معنی لفظی معروف و اصطلاحی کنایہ از معشوق در فارسی و ہندی ہر دو مشترک

ازہر گوید :

سراپا فن بے مہری و بے رحمی کے عالم ہو پھر اس پر دل رُبا ہو کیا کہوں کوئی مخمظ ظلم ہو

سر دُھننا ۔ بالکسر و سکون حاء و دال ہندی مضموم و نون اوّل ساکن و دوم بالف کشیدہ: کنایہ از متاسف شدن است ۔ شرف الدین مضمون گوید:

گر حرف حق ہماری زبان سے کبھو سنے ۔ احوال اپنا دیکھ کے حلاج سر دُھنے

سر کھجانا ۔ بضم کاف ہندی: کنایہ از تنبیہ طلبیست ۔ مولف گوید:

وہ کافر عدو ہو، کہتا ہے تیرا سر کھجاتا ہے ۔ کسی کا ہاتھ بھی گر سر تلک بہر سلام آوے

سر سے کفن باندھنا ۔ دست از جان شستن، و آمادہ مرگ بودن ۔ مولف گوید:

دیکھیں گے کوئی کیونکر روکے گا جانے کو ۔ اب باندھ کے ہم بھی یہاں سر سے کفن نکلے

(ش)

شام کے مُردے کو کب تک روئیے ۔ در ندامت امری گویند کہ حسرت آن تمام عمر متصور باشد ۔ یکی از شعرا گوید:

پھنس چکا دل زلف میں بس سوئیے ۔ شام کے مُردے کو کب تک روئیے

شاخ زعفران کہنا کسی کو ۔ طنز بر کبر و نخوت او کردن است ۔ محمد تقی میر فرماید:

تازہ چمن وہی ہے بلبل سے گو خزاں ہے ۔ ٹہنی جو زرد بھی ہے سو شاخ زعفراں ہے

شہد اشکستہ ۔ یعنی خراب خستہ، ہدایت گوید:

شہید تیغ ابرو ہے، اسیر دام گیسو ہے ۔ ہدایت بھی میاں کوئی نرا ہی شہد اشکستہ ہے

شرم سے پانی ہونا: عرق آوردن از خجالت، ظاہرا ترجمہ ترآمد نست کہ در فارسیان مصطلح ۔ محمد تسلیم گوید:

بارش گریہ کی اُس رات طغیانی ہوئی ۔ جو گھٹا آئی تغافل شرم سے پانی ہوئی

شگوفہ پھولنا ۔ در وقوع امر ناگہانی بسبیل طنز گویند ۔ محمد تقی میر فرماید:

اُس چہرے کی خوبی سے عبث گل کو جتایا ۔ یہ کون شگوفہ سا چمن زار میں لایا

(ص)

صبح خیزئی ۔ فرقہ ایست از دزدان کہ علی الصباح برخیزند و ہر چہ یابند دستبرد کنند ۔

یا بعکس آن ـ قلندر بخش جرأت گوید :

گئے تھے چھپ کے شب کہیں تم غرض کر لیجے قسم تمہارے ـ یہی ہے حال تو اچھا بس نہ تم ہمارے نہ ہم تمہارے

قرآن پر ہاتھ دہرنا ـ کنایہ از قسم یاد کردن است اعم ازین کہ در اقرار امری باشد و یا در انکار

مولف گوید : قطعہ

جھپک سے پنجۂ مژگاں کی اس کے مصحف رو پر ـ قیاسا دل میں ہم اپنے یہی معلوم کرتے ہیں
کہ میرے قتل سے جو مردم چشم اس کے ہیں منکر ـ قسم کھانے کے تئیں قرآن پر یہ ہاتھ دھرتے ہیں

(ک)

کریال میں غلیلا لگنا ـ کنایہ از تخلیست کہ در عین حصول مقصود رو دہد ـ سجاد گوید :

بیٹھے اگر خوشی سے آ کر چمن میں بلبل ـ کریال میں غلیلا ایسا لگے کہ اڑ جائے

کترا کر چلنا ـ بفتح اول و سکون فوقانی : از ہمرہی رمیدن و بیگانگی ورزیدن ـ سجاد گوید :

خط کترا کے آج قینچی سے ـ ہم سے ملنے میں جائے ہے کترا

کان پکڑنے ـ معترف شدن و اقرار بر عجز خود نمودن ـ سید عبد الولی عزلت گوید :

دیکھ کر موتی وہ بالے کا بتوں نے پکڑے کان ـ شمع رو میرا یہ سب آتش رخوں کی ناک ہے

جملہ معترضہ اینکہ شعلہ رخ در محاورہ البتہ بنظر گزشتہ و آتش رخ خالی از غرابت نیست ـ

کفن پھاڑ کے بولنا ـ کنایہ ایست از کمال بیتابی در ضبط سخن در حالتی کہ امر عجیب مشاہدہ گردد ـ سید عبد الولی عزلت گوید :

پیر ہو کر جو ہوا شیخ مرید اطفال ـ مردے سب بولے کفن پھاڑ قیامت آئی

کان کاٹنے ـ سبقت بردن است بر کردار نا ہنجار کسی ـ مرزا رفیع سودا در بدمستی و بی انتظامی شہر گوید :

فیض بازار کا جو سینے سیان ـ آن سنے نردک کے کاٹ ڈالے کان

'نردک' سمت پنجاب در نواح پٹیالہ و کرنال جاییست کہ اکثر راہگیران و مسافران بتعدی قطاع الطریق و رلن میدان بغارت میرسند و این لفظ ہم در عرف حال مثل

(ع)

عشق ہے - یعنی احسنت و ہزار احسنت - ہدایت گوید:

دل اس سے تیرے آنکھ لڑانے کو عشق ہے اور چوری چوری نظریں ملانے کو عشق ہے

(غ)

غصہ سے بھوت ہو جانا - کنایہ از خشمناک شدن و سرگرم در آتش غضب گشتن شرف الدین مضمون گوید:

مضمون تو شکر کہ ترا نام سن رقیب غصہ سے بھوت ہو گیا لیکن جلا تو ہے

ظاہر احباب محمد تقی میر دریں شعر دخل فرمودہ اند کہ در تذکرہ تالیف خود بجای نام لفظ اسم نوشتہ اند - چہ در اصطلاح اہل دعوت مخصوص اسم مصطلح و بدیں اعتبار واقعی خالی از لطف نیست۔

(ف)

فلک کو خبر نہ ہونی کسی کی - کنایہ از کمال غفلت و بیخبری کسان باشد میر عبداللہ تجرد گوید:

بجھ رو میں لطف ہے سو ملک کو خبر نہیں خورشید کیا ہے اس کی فلک کو خبر نہیں

(ق)

قہر قیامت - درمدح و ذم ہر دو مصطلح - محمد تقی میر گوید:

مت کچھ پوچھو باتیں اپنی کہیے تو تم کو ندامت ہے قد قامت تو یہ کچھ ہے تمہارا پر کوئی قہر قیامت ہو

قران کرنا - بالکسر بعمل آوردن، امر نیست کہ وقوعش کمال تعجب بخشد - محمد تقی میر گوید:

شرمندہ ہو نہیں طالع خورشید و ماہ دونوں خوبی نے تیرے منہ کی ظالم قران کیا ہے

سوای معنی اصطلاحی تشنیہ ماہ و خورشید براعات لفظ قران نیز ظاہر۔

قدم لینا - اقرار بر کمال طرف ثانی نمودن اعم از ینکہ در صفات نیک کامل باشد

(کھ)

...کا۔ بمعنی خار خار۔ شہزادۂ عالم پناہ مرزا جہاندار شاہ فرماید :

گُل کو ہے ایک خار کا کھٹکا — بلبلوں کو ہزار کا کھٹکا

...نا۔ بضم؛ کنایہ از بیحجاب شدن۔ اخوی و مشفقی مرزا فضل سبقت سلمہ اللہ تعالیٰ فرماید :

بات اس پر جو ڈھکی تھی اب تک کھلی سو کھل گئی — بزم میں اس کی میں ایسا مے کو پی کر کھل گیا

(گ)

...بھڑی دل کی ۔ کنایہ از گرہ خاطر۔ شرف الدین مضمون گوید :

ہنسی تیری پیارے پھلجھڑی ہے — یہی غنچہ کے دل میں گلجھڑی ہے

...ر پہ گور کرنی ۔ قایم بر مقام دیگری شدن بخلاف استحقاق، و این نیز مختص بمحاورۂ زنان است ناجی گوید :

نچانا میں کوئی مرتا ہے اس پر — عبث کرنے گیا میں گور پہ گور

...شت ناخن ہونا ۔ عبارت از کمال اتحاد و یگانگی است و مجازاً در محل قرابت مستعمل۔ عبدالحی تاباں گوید :

تیرے ابرو سے مرا دل نہ چھٹے گا ہرگز — گوشت ناخن سے کہو کیونکہ جدا ہوتا ہے

...کترنے ۔ افترا کردن و تہمت بستن۔ مرزا رفیع در ہجو امیر بخیل زبانی خانساماں گوید :

کیا کہوں میں رکابدار کی بات — اس کی گزرے ہے کس طرح اوقات

نوکری میں نہیں کچھ اس کی حصول — کترے ہے میرے حق میں نت گل پھول

...ا باندھنا کسی سے ۔ خود را وابستہ در قید کسی نمودن است خواہ در قید محبت باشد یا غیر آن۔ مثال معنی اوّل مشفقی و مکرّمی مرزا رضا قلی آشفتہ فرماید :

جنوں آمیز نکلے ہے صدا کچھ اپنے نالے سے — گلا اپنا بندھایا ہم نے کیوں زنجیر والے سے

از شوق کلام چنین مستفاد میشود کہ ظاہر اشعر حالی و معنی وقوعی باشد۔ مثال معنی دویم محمد بقا گوید :

کل دست محتسب سے جوں توں بچھ چھڑایا — شیشہ نے میری خاطر اپنا گلا بندھایا

تلاوٹی کہ در حرف تای منقوطہ گزشت عموماً ہمین معنی مصطلح ۔

کالا بال ۔ کنایہ از موی نہا راست ۔

کالا بال لینا سمجھنا کسی کو ۔ کسی را کمال حقیر و ذلیل دانستن ۔ مرزا رفیع در ہجو کوتوال گوید :

پچو رکیب اس کا زور ملتے ہیں ۔ کالا بال اُس کو اپنا جانتے ہیں

چوں کوتوال مذکور نہایت سیاہ فام بود، وقوع تشبیہ خالی از کیفیت نیست ۔

کانٹے بونے ۔ تخم بدی کاشتن کہ عاقبت الامر ندامت بخشد ۔ ہدایت گوید :

دل لگا مژگاں سے اُس کے رات دن رویا کیا ۔ اپنے حق میں آپ میں کانٹے سدا بویا کیا

کان ہونے ۔ متنبہ شدن و عبرت گرفتن ۔ میر گوید :

دعوی خوش دہنی گرچہ اسے تھا لیکن ۔ دیکھ کر منہ کو ترے گل کے تئیں کان ہوئے

کانٹا سا نکل جانا ۔ کنایہ از رفع خلش کہ عبارت از خار خار خاطر باشد ۔ محمد تقی میر گوید :

مر رہتے جو گل بن تو سارا یہ خلل جاتا ۔ نکلا ہی نہ جی ورنہ کانٹا سا نکل جاتا

کانٹوں پہ کیوں گھسیٹتے ہو ۔ در مقام انکسار و ہضماً لنفسہ گویند، مولف راست

میں کون اور تمہارے مژہ کا مجھے خیال ۔ کانٹوں پہ کیوں گھسیٹتے ہو مجھ غریب کو

کان میں تیل ڈالنا ۔ تجاہل در سماعت ذکری نمودن ۔ محمد قایم گوید :

سوز پروانہ یوں سنے ہے چراغ ۔ کان میں جیسے تیل ڈالا ہے

کوّے اڑانی بتانا ۔ کنایہ از معطل داشتن با کمال بی رنگی است وقول افسانہ گوی ہندلیست ۔ اکثر گویند کہ چون بادشاہ کلاغ مغضوب نمود بدین خدمت مامور فرمود ۔ ہدایت گوید

دیکھا خزاں کے روز جو میں بلبلوں کا رنگ ۔ پھرتی تھیں جیسے باغ میں کوّے اڑاتیاں

مخفی نماند کہ در وقوع این تشبیہ مشبہ بہ را ضمیر تانیث لازم افتادہ چنانچہ ضمیر بلبل ہم در ہندی بتانیث استعمال دارد و مراد خایل درینجا از بیکاری و تحیر او ست ۔

گلیا میں گڑ پھوڑنا ۔ کنایہ از اخفا نمودن امریست کہ فی نفسہ قابلیت اخفا نداشتہ باشد

مرزا رفیع در ہجو فوقی گوید :

گھر میں شیخی کرنی کچھ رکھتی ہے طول ۔ گلیا میں گڑ پھوڑنے سے کیا حصول

وظاہرا در اہل ولایت ہم این معنی مصطلح کہ سیدای اشرف گوید :

از نشینندگان کسی چو نماند — عاقبت خود نشست خانۂ ما

گھڑی میں تولا گھڑی میں ماشا — شخص متلون المزاج را گویند۔ مولف گوید :

مزاج زود گذر بیچ کا ہم نے جو خوب دیکھا تو یہ تماشا — نہیں ہے اک حال پر وہ قائم گھڑی میں تولا گھڑی میں ماشا

(ل)

لونی لگنی — بواو مجہول و نون بیای معروف ؛ کنایہ از شورہ بستن دیوار است کہ در ایام برسات بر دیوار لگی عارض گردد۔ شاہ عزیز اللہ عزیز گوید :

کانِ نمک ہوا ہوں ترا حسن سبز دیکھ — لونی برہ کی جب سے لگی گل گیا ہوں میں

لال — اطفال صغیر را گویند۔ ہدایت گوید :

کچھ تو بھی بول غنچۂ گل عندلیب سے — کیوں میرے لال کیا ترے منہ میں زباں نہیں

وتشبیہ طفل بغنچہ نہایت مربوط و موید این معنی کلام۔ مرزا رفیع نیز در مثنوی گرما فرماید :

پانی کو بلبلیں پھریں بھٹکی — طفل غنچہ کو لگ گئی چٹکی

و اینکہ بعضی ناعاقبت فہمان بدین لفظ معشوق را مخاطب کنند خیلی نازیبا است و اگر گویند کہ در اشعار اساتذہ فارسی بمعنی امرد بسیار جا خطابی لفظ پسر واقع شدہ، گوییم ہر ملکی و رسمی ۔

لَو — بفتح واو مخفف ؛ زبانۂ شمع و زبانۂ شعلہ را گویند۔

لو لگنی — بتمامہ در اصطلاح عبارت از تکرار ذکریست کہ تا دیر بر زبان دارند خواہ ذکر معشوق بر زبان عاشق و خواہ یاد الٰہی بر زبان بیمار در حالت اخیر کہ عبارت از اللہ اللہ باشد۔ میر حسن گوید :

جوں شمع سحر حسن بتوں کے غم میں — اللہ سے اب تو لَو لگی ہے اپنی

لگ چلنا — بفتح اول وکاف عجمی ؛ کنایہ از آمیزش و اختلاط۔ محمد تقی میر گوید :

گرچہ آوارہ جوں صبا ہیں ہم — لیک لگ چلنے کو بلا ہیں ہم

لالے پڑنے — لام اول بالف کشیدہ و ثانی بیای مجہول رسیدہ و فتح بای عجمی و سکون رای ہندی و

گرد ہونا ۔ بخاک یکسان شدن و این معنی در انحطاط مرتبہ مدعی متقابل استعمال کنند۔ محمد تقی میر

روئے سے میرے ابر کا ہنگامہ سرد ہے   آنکھیں اگر یہی ہیں تو دریا بھی گرد ہے

گلے کا ہار ہونا ۔ گلوگیر شدن، ہدایت گوید : مصرع

ہر لخت دل گلے کا مرے ہار ہو گیا

گلے پڑنا ۔ نیز از ہمان عالم ۔ شاہ وحید تنہا تخلص گوید :

دست جنوں سے کرنا کڑے اُسے بجا تھا   کیوں پیرہن ہمارے ناحق گلے پڑا تھا

گل کھانا ۔ آنچنانست کہ اکثری از نوجوانان عاشق تن در عالم لاف عشق از فلوس در روپیہ و انگشت و امثال آن در آتش گرم کردہ بر بند دست داغ کنند و باعتقاد خود ازین حرکت چشمِ تاثیر از جانب معشوق دارند ۔ محمد تقی میر گوید :

گل کھائے جن کے واسطے میں جسم زار پر   دو پھول بھی نہ لائے وہ میرے مزار پر

گریبان میں منھ ڈالنا ۔ اعتراف نمودن و منفعل بر قصور خود بودن است ۔ ہدایت گوید :

تو اس غنچہ دہن کے آگے اے گل خوار خستہ ہے   گریباں میں منہ اپنا ڈال کیا منہ لے کے ہنستا ہے

گردن کا ڈورا ۔ یکی از حرکات چہرہ بازی معشوق است و خاصہ از فرقہ طوایف کہ در عالم رقص بارادۂ اظہار خوش ادائی اکثر این حرکت بعمل می آید و بکثرت عادت از بعضی بیساختہ ہم واقع شود ۔ بالجملہ این لطف بیرون از بیان است ۔ من فہم فہم ۔ مولف گوید :

کیا شوخ بھی لیتی ہے گردن کا غضب ڈورا   کیے ڈومنی میں یارو یہ ڈومنی پن نکلے

(گھ)

گھر جانا ۔ کنایہ از خانہ ویران شدن ۔ حقایق و معارف آگاہ حضرت شاہ قدرت اللہ

ہم پر ایّام مصیبت آج پھر آنے لگا   یار گھر جانے لگا اے وائے گھر جانے لگا

لطیفہ ملفوظی و مکتوبی ہر دو واقع ۔

گھر بیٹھ جانا ۔ نیز ہمین عالم است ۔ جناب حضرت درد قدس سرہٗ فرماید :

جس سمت کو تو نے آنکھ اٹھا کر دیکھا   مانند حباب گھر کے گھر بیٹھ گئے

خورشید رو نے جس گھڑی آنکھیں نکالیاں — مہتاب کے بھی پھر گئیں منہ پر ہوائیاں

منہ پر موتی پرونے۔ ظاہراً ترجمہ دُر فشانیست و در مدح نہ ذم ہر دو مستعمل مولف گوید:

سن سن کے ذکر اشک و مژہ مجھ سے یوں کہا — جب تب نہ آپ ایسے ہی موتی پرونے لگے

منہ پر گرم ہونا۔ کنایہ مقابل شدن باکسی کہ از خود بزرگ تر باشد و اکثر شوخ چشمان عادت پیشہ باین صفت متصف اند۔ میر سوز گوید:

کیوں طفل اشک تجھ کو آنکھوں میں میں نے پالا — اس پر بھی میرے منہ پر تو گرم ہو کے آیا

منہ اتر جانا۔ حالتی کہ از فرط نقاہت و ہم از فکر بر بشرہ ظاہر شود۔ جرأت گوید:

یہ کون تیرے جیت پہ چڑھا ہے بتا مجھے — جرأت پچھاڑوں میں ترا منہ اتر گیا

منہ پر چڑھنا۔ عبارت از مقابل شدن۔ حضرت درد فرماید:

چمن میں باغباں سے صبحدم کہتی تھی یہ بلبل — گلوں کے منہ پہ یوں چڑھتی ہے دیدہ دیکھو شبنم کا

منہ بسورنا۔ بکسر بای موحدہ و سین مہملہ: حالتی کہ طفل را پیش از گریہ رو دہد۔ ہدایت گوید:

دہن سے اس کے مرا دل جو دور رہتا ہے — تو شکل غنچۂ گل منہ بسور رہتا ہے

منہ پیچ کی راہ۔ کنایہ از کجی راہ۔ محمد حسین کلیم گوید:

رکھتا ہے زلف یار کا کوچہ ہزار پیچ — اے دل سمجھ کے جائیو ہے راہ منہ پیچ

منہ دیکھے کی الفت۔ الفتیست کہ فیما بین دو کس عند المواجہ بظہور آید و برین الفت اعتماد نشاید۔ مرزا رفیع سودا گوید:

نہ بھول اے آرسی گر یار کو تجھ سے محبت ہے — بھروسا کچھ نہیں اس کا یہ منہ دیکھے کی الفت ہے

مورکھ۔ یعنی بیخبر و ناقدر شناس، و این لفظ شل کوے اڑانی از مصطلحات افسانہ گویانست۔ ناسخ گوید:

کیوں ستاتا ہے زلف کو پیارے — دیکھ تجھ کو کہتے ہیں سب مورکھ

منہ مانگی موت۔ بکاف پارسی: مقولہ خریداران و این در محلی گویند کہ فروشندہ انچہ قیمت کند بر بہاں اصرار دارد۔ مولف گوید:

کل یار نے مجھ سے پوچھی قیمت دل کی — میں نے قتل اپنی اس کی قیمت میں کہی

کہنے لگے سودا نہ بنے گا یہ شش — منہ مانگی تجھے موت بھلا کس نے دی

نوں بیاسی جھولنا — کنایہ از حالت اضطرار است کہ در تمنای مقصود باشد و بکمال بیقراری قدری ہم از مدعا آرزو کنند و بر آں قناعت ورزند محمد تقی میر گوید:

اس اسیری کے نہ کوئی اے صبا پالے پڑے — یک نظر گل دیکھنے کے بھی ہیں لالے پڑے

لٹا لٹا کر مارنا — بضمتین و ہر دو تای ہندی بالف کشیدہ۔ تشدد در زجر و تنبیہ کردن است میر گوید:

یخجر گہیں تجھ سے جو نیم کشتہ چھوٹا — حسرت نے اس کو مارا آخر لٹا لٹا کر

لگانا بجھانا — بکاف فارسی و جیم ہندی؛ کنایہ از آتش افشانیست کہ خاصہ منافقین اشرار نفس باشد۔ مولف گوید:

ہوا دولت سی آنکھوں کی اب بیزار مجھ سے دل — کہ یہ ہی اس کو اب کچھ کچھ لگاتی او بجھاتی ہیں

(م)

منھ موڑنا — کنایہ از بیرونی و چشم پوشی است۔ میر محمد حسن شاگرد مرزا رفیع گوید:

قاتل اگر کہے کہ سسکتا ہی چھوڑ یو — خنجر تو ایک دم کے لئے منھ نہ موڑ یو

ماپا شوربا اور گنی ڈلیاں — کنایہ از قلت طعام است در مقدار، و عموماً در جمیع محل صرف مستعمل۔ ہدایت گوید:

نہیں ہم پاس بجز خون دل و لخت جگر پیارے — مثل مشہور ماپا شوربا ہے اور گنی ڈلیاں

منھ کی لوئی جانی — عبارت از رفتن شرم و حیا است۔ محمد تقی میر گوید:

آتی ہے شمع آگے منھ پر ترے یہ کہکر — منھ کی گئی جو لوئی تو کیا کرے گا کوئی

منھ تھتھانا — چین بر جبین زدن۔ میر حسن گوید:

تمکین نہ ہو حسن تو یہ نانہے تجھی پر — یوں اور کے تو آگے وہ منھ تھتھا کے بیٹھے

مینڈک کی کو زکام ہونا — کنایہ از نخوت و عالیجاہی ناکسانست۔ میر حیدر علی حیران گوید، قطعہ:

جو نہیں اٹھ کر چلا وہ مجلس سے چھینکا کوئی او میرا نام لیا — ہنس کے بلاکر وا اچھر سے یوں جی مینڈکی کو بھی زکام ہوا

منھ پر ہوائی پھر جانی — کنایہ از تغیر رنگ رو است، اعم از اینکہ در مقام خطرہ و دہشت و یا در عالم نقاہت بسبب حرکت۔ ہدایت گوید:

منھ لگنا ۔ کنایہ از قرب حاصل کردن ۔ میر گوید:

کیا حرف دلنشیں ہو مرا شعر خط لام
اغیار روسیاہ ترے منھ لگا کئے

منھ لے کے پھر جانا ۔ محروم گشتن و روی تلطف ندیدن ۔ یکی از شعرا گوید:

بعد مدت ترے کوچہ میں جو آجاتا ہوں
اپنا سا منھ لئے پھر وہیں چلا جاتا ہوں

موج مارنی ۔ کنایہ از فارغ بالی شخص معطل ۔ محمد بقا گوید:

سیل سرشک اپنا جب سر پا پیچ مارے
طوفان نوح تنہا گوشہ میں موج مارے

منھ پانا ۔ توجہ خاطر دریافتن ۔ حضرت درد فرماید:

منھ تمہارا بھی اگر پاوے گا
تو یہ منھ اپنا بھی دکھلاوے گا

(ن)

نیند بھر سونا ۔ کنایہ از خواب راحت ۔ خواجہ محمد خان ظاہر گوید:

پھر زلیخا نہ نیند بھر سوئی
جب سے یوسف کو خواب میں دیکھا

نصیب لڑنا ۔ در مقامی گویند کہ کسی را در امید یک امر مطلوب اتفاق باشد و ہر کی نصیب خود انتظار کشد ۔ سعادت علی سعادت گوید:

یار سے جو رقیب لڑتے ہیں
یہ ہمارے نصیب لڑتے ہیں

نیچے سُروں سے بولنا ۔ کنایہ از آواز خفیف و بسبیل مطایبہ مصطلح میر کاظم آوارہ گوید:

کلاونتی ترے گانے سے دق ہوں
بہت نیچے سروں سے بولتی ہے

ننگی شمشیر ۔ بمعنی مصطلح ۔ گاہی کنایہ از شخص صاحب جلال باشد و اطلاق این بیشتر بر فقرای صاحب تاثیر آید، گاہی بر شخص بیباک و صاف گو، و گاہی عبارت از بلا مطلق ہر دو معنی موصوف مثالیں میر سجاد گوید:

سپہ داری اس کی کسی سے نہ ہو
یہ ابرو ترا ننگی شمشیر ہے

نظروں سے گرا دینا ۔ بی اعتبار کردن است ۔ معروف گوید:

جوں اشک تو نظروں سے کیونکر نہ گرا دیوے
آنکھوں میں تری پہلے ہر وقت کھٹکتا ہوں

نیل بگڑنا ۔ بمعنی مصطلح عوامی کنایہ از بد وضعی روزگار و عالی بمعنی مرزا علی نقی محشر گوید:

موج آجانی ۔ بفتح میم، خیالی بخاطر گذشتن عن بعض الشعرا:

دریا دلی سے دم میں دیا خانماں بباد　　کیا جانئے حباب کو کیا موج آگئی

منھ لے کے رہ جانا ۔ ساکت شدن در حالت انفعال نظر بانحطاط مرتبۂ خود ۔ ہدایت گوید:

دیکھا جو اس کے چشم و دہن کو تو شرم سے　　منھ اپنا لے کے پستہ و بادام رہ گئے

من مار رہنا ۔ بہ صبر پیرداختن و بہ حزن و ملال گذرانیدن ۔ ہدایت گوید:

نہیں رہتا ہے اس کی زلف بغیر　　میں بہت اپنے من کو مار رہا

موم دل ہونا ۔ یعنی رقیق القلب بودن ۔ ہدایت گوید:

سوزِ دل سن سن مرا آخر کو اُس نے رو دیا　　شمع کافوری کا دل دیکھا تو گویا موم تھا

موم کی ناک ۔ شخصی متلون المزاج را گویند ۔ ناجی گوید:

جو کوئی کچھ کہے پگھل جائے　　شمع رو ہے ہمارا موم کی ناک

مرنا ۔ کنایہ از دل دادن و آرزومند بودن ۔ افصح الفصحا مرزا رفیع سودا گوید:

کسی کی مرگ پہ اے دل نہ کیجیے چشم تر ہرگز　　بہت سا رو دیئے اونکو جو اس جینے پہ مرتے ہیں

منھ کا نوالا ۔ امر سہل الحصول ۔ میر حسن گوید:

تعجیل نہ کر لے دل آنے تو لگا ہے وہ　　مل جائے گا بوسہ بھی کیا منھ کا نوالا ہے

منھ سے پھول جھڑنے ۔ کنایہ از دشنام ملفوظ شدن و بسبیل طنز مستعمل ۔ انشاء اللہ خاں انشا گوید:

گالیاں دے کر اب بگڑتے ہیں　　واہ کیا منھ سے پھول جھڑتے ہیں

ماتھا ٹھنکنا ۔ معلوم شدن انجام کار در آغاز کار بوقوع علامتی متعلق باد باشد، و از جملہ مصطلحات زنانست ۔ محمد تقی میر گوید:

بھولوں نہیں تم جس دن سج نکلے تھے اک بیجا　　اس دن ہی تمہیں دیکھے ماتھا مرا ٹھنکا تھا

حاصل معنی بقصد قایل اینکہ اگر بہیں کج وضعیست بر در سفاک و قتال خواہی شدن ۔

منھ چھپانا ۔ کنایہ از چشم پوشی است، مولف گوید:

طاقت نے تو تھا ہی جی چرایا ہم سے　　دل صبر و خرد نے بھی اٹھایا ہم سے

یہ تو تھے ہی پہ رنگ رو نے بھی طپش　　یک بارگی اب ہے منھ چھپایا ہم سے

ہوا لگنی — کنایہ از تغیر مزاج، ہدایت گوید:

پھرتا ہے تیرے ساتھ نسیم صبا لگی   تجھ کو بھی باغ دہر کی گلگو ہوا لگی

ہوا پھرنی — بکسر ہای ہندی، مذون بیای معروف؛ کنایہ از تغیر اوقات مدام از آنکہ پریشانی
جمعیت مبدل خود یا بالعکس آن۔ مثال معنی اول مولف گوید:

آنکی اس کے دے کے جواب صبا پھری   خوش ہو دلا کہ آج ہماری ہوا پھری

ومثال دوم، جعفر علی حسرت گوید:

شب بہار آئی تھی وہ کچھ ابھی سے یہ جو ہے   کل کی ہوا کچھ اور تھی اور آج کی کچھ اور ہے

ہاتھ پتھر تلے دبنا — کنایہ از متعلق بودن بوضعیت کہ موجب الزام شمیت باشد۔ مولف گوید:

دل کو تجھ سے نکال لے لوں تو دکھلاؤں مزہ   دب رہا ہے ہاتھ ابھی میرا پتھر کے تلے

ہوا ہونا — کنایہ از فنا شدن۔ حضرت درد فرماید:

ٹھہر جا ٹک بات کی بات اے صبا   کوئی دن کو ہم بھی ہوتے ہیں ہوا

ہا ہا کرنا — سماجت نمودن۔ میر سوز گوید:

منتیں میری قبول اس نے نہ کیں   عجز سے ہر چند میں ہا ہا کیا

ہاتھ پر دھرے رہنا ایک چیز کا — کنایہ از سر دست ماندن چیزی۔ مولف گوید:

چاہو جو چھینو دست حنا بستہ سے یہ دل   ایسا سو دل کسی کا دھرا ہاتھ پر نہیں

ہاتھ پاؤں پھول جانے — عبارت از سراسیمگی و بی حواسی است۔ میر حسن در گلزار ارم گوید:

ہر اک گل سے وہ صورت دیکھی قبول   کہ برے ہاتھ پاؤں سب گئے پھول

(ی)

یاری کٹ کرنی — بضم کاف تازی و سکون تای ہندی۔ کنایہ ایست از ترک آشنائی
کردن، و این مصطلح اطفال مکتبیست۔ میر سوز گوید: رباعی

لی چپکے سے جب کہ میں نے اس کی چٹکی   بولا کہ پڑے جان پہ تیری ٹھکی
پھر دانت تلے کلک کے ناخن یہ کہا   چل آج سے ہم نے تجھ سے یاری کٹ کی

یہ رنگ ڈھنگ آج سا فلک کا نہیں ایسا ہی کچھ قدیم سے گو ناز بیل ہے

و معنی دویم موافق اعتقاد عوام مرزا محمد شہرت گوید :

ملنے کی ہوئی میرے اسباب کی شہرت شاید کچھ نیل آسمان کا بگڑا

نچوڑ ـ بالکسر چیم پارسی بلاد جہول و سکون واو ہندی : بدو معنی مصطلح ، گاہی کنایہ از پاداوگار! و گاہی از مدار کار ـ و این شعر میر جامع این ہر دو معنی است ـ میر گوید :

جیب اور آستیں سے رونے کا کام گذرا سارا نچوڑ اب تو دامن پہ آرہا ہے

(و)

وادی پر اپنی آنا ـ بعادت خود کار کردن ـ میر گوید :

وحشت میں ہوں بلا گر وادی پر اپنی آؤں مجنوں کی محنتیں سب میں خاک میں ملاؤں

وہ آنکھیں نہ ہونی ـ کنایہ از تغیر سلوک میر حسن گوید :

اب کچھ ہمارے حال پہ تم کو نظر نہیں یعنی تمہاری ہم سے وہ آنکھیں نہیں رہیں

(ھ)

ہاتھ لگانے ـ کنایہ از تنبیہ کردن ـ مصطفےٰ خاں یک رنگ گوید :

زبانِ شکوہ ہے مہندی کا ہر پات کہ خوبوں نے لگائے ہیں مجھے ہاتھ

قافیہ پات با ہاتھ کردن ہر چند از روی اصول قوافی خالی از عیب اکفا نیست لیکن ریختہ گویان جائز داشتہ اند ـ

ہاتھوں ہاتھ لے جانا ـ عبارت از جلد دستی است در بردن چیزی سید عبد الوہاب گوید :

مرا دل گل زرد اپنے ساتھ لے گئے حنا کی طرح ہاتھوں ہاتھ لے گئے

ہاتھ پڑنا ـ گویا بہ قابو آمدن است ـ سید عبد الولی عزلت گوید :

ہاتھ کا ہاتھ مرے دھوکے چلے آئے ساتھ دیکھ طالع کی مدد آج مرے ہاتھ پڑے

ہاتھ اٹھانا ایک چیز سے ـ دست بر داشتن از امری است مصطفےٰ خان گوید :

ہاتھ اٹھا جور او جفا سے تو یوں گو یا سلام ہے تیرا

مصطلحات حضرت دهلی، با اعتقاد راقم بر تمام رشته‌هاست - و ضبط همگی مستند و مستشهد اکثر جا بجا منقولات از کلام موزونان بهر سه جا معین مختصر ثبت گردانیده - و آن نیز متنوع بعد و نوع بعضی بیک معنی و برخی بچند معنی - ناقدان بصیر بحسب قرینه تمیز از هم کنند و اگر ناخبیر نظر بر مقام تفرقه نخند - بالجمله مختصریست مفید جهت استفادهٔ طالبان این مقصد و غنیمتست مغتنم بنابر انتفاع پژوهندگان این مطلب و عبارتش از ان اغلاق لفظی ندارد و تا نسخه عام الفیض و عموم الفهم باشد و هر عامی و مبتدی فواید معنوی بر دارد - حالیا استدعا از دیده وران بخلاف آنست که من اوله الی آخره بچشم انصاف و درد مندی در نگرند و بخیال من صنف حق استمداد التماس در حسن بیان باعتساف آنکه هرجا بمقتضای بشریت سهو خطای یابند از طعن و تعریض در گذرند - چه انسان هر آیینه جایز الخطا است و شیوهٔ عیب جوئی خیلی نازیبا -

غلام همت آن عارفان با کرم ‖ که یک صواب ببینند و صد خطا بخشند

والحمد لله علی الاتمام والصلوٰة والسلام علی نبیه و آله الکرام و اصحابه العظام -

---

لله الحمد والمنة که این نسخه نادر البیان مسمّی به مخمس البیان فی مصطلحات الهندوستان من تالیف ابلغ البلغای زمان متخلص به طپش مرزا جان بتاریخ بیست و پنجم شهر ذی الحجه سنه یک هزار دو صد و شصت و شش من هجرة النبویه علی صاحبها الف الف تحیة در بلدهٔ فرخنده بنیاد مرشد آباد واقع محله قطب پور از مطلع مطبع آفتاب عالم تاب طالع و ضیا بخش طبایع خاص و عام گردید -

یاقسمت — در مقام رضا و تسلیم گویند۔ مولف راست:

ہو اجز صد و غم ہر گز نہ کبھی دل پہ یاقسمت — یہی تھا قسمت ناسازی میں تقسیم یاقسمت

والحمد فی الاولیٰ والآخرۃ کہ دریں بحث این اقل الحقیقۃ علی قدر منوبہ صرف گردید و بسبب قوت بتقبل رسید و انصاف داند کہ در ترتیب این نسخہ چہ گرامی انفاس صرف شد تا پیرایہ اہتمام یافت و چہ خرالیف اوقات بسر رفت تا بہ تو انتظام یافت۔ صحت این مقام بر محاورہ دانان مبین و صدق این دعویٰ بر صاحب مذاقان متیقن چہ کہ از بدو رواج ریختہ الیٰ یومنا ہذا ہیچ نسخہ در بیان بتحریر نرسیدہ و رسالہ بدین نہج مرتب نگردیدہ۔ مثنوی:

حبذا نسخۂ فصیح بیان — جامع اصطلاح ہندوستان
اس میں جو ہیں فصیح و غیر فصیح — من وعن ہے ہر ایک کی تشریح
بلکہ تفریق جائز و ممنوع — واسطے جس کے یہ ہوا موضوع
ہر یک اپنے مقام پہ ہے رقم — تا مبین ہو امتیاز از ہم
صفحہ صفحہ بیان ہوئی تحقیق — اہل تحقیق سمجھے یہ تدقیق
اصطلاحات دہلوی یکسر — ثبت کیں اس میں کھا کے خون جگر
یک قلم جان و دل کیے تالیف — تب یہ تالیف ہوئی بطرز تصنیف
جو ممیز ہو اس کا قدر شناس — اس جگر کاوی کو کرے وہ قیاس
گرچہ کوئی کہ رہا نہیں معیار — سرد ہر اک ہنر کا ہے بازار
لیک صد شکر ایک ہے ممدوح — وصف جس کے نہ ہوسکیں مشروح
جو ہوا اس کا باعث تالیف — جس کا مادح ہے یہ ضعیف نحیف
جس کے ارشاد سے ہوا یہ خیال — نام جس کا رہے گا تا صد سال
یعنی نقاد علم امیر الملک — جامع جود و علم امیر الملک
ہے سخن سنج اور قدر شناس — قدر ہر فن کی ہے اسی کے پاس
بیشک اس کا وہ قدر داں ہوگا — اجر کب اس کا رائیگاں ہوگا

اکنون بیان دیگر چند فقرہ کہ از متعلقات این کتاب است [illegible] آمدہ باید دانست کہ

یا مصطلحات بیان کرنے کے تعرف تھر کا ذکر جاری رکھا، تھو یہ یا تو انہیں کوئی محاورہ ملا نہیں، یا لکھنے سے رہ گیا۔ جیسا اس طرح ہے۔ "ٹ : دین نیز بردو قسم۔ اما از فرط بعض تحقیقات ویسے کسی حرف میں کوئی محاورہ یا سند یافتہ محاورہ نہیں مل سکا ہو تو مصنف نے یہ التزام رکھا کہ کم سے کم یہ ظاہر ضرور کر دیں۔

ضمہ کی جگہ صرف واؤ کا استعمال اس عہد میں عام تھا۔ نئے املا میں اب ایسے الفاظ کو بغیر واؤ ہی کے لکھتے ہیں۔ مثلاً اُدس کے بجائے اس۔ چنانچہ حسب ضرورت ہر جگہ ترمیم کر دی گئی ہے لیکن اُودھیڑنا، اودھیڑبن، اُوٹھائی گیرا حتیٰ کہ دل گُودہ تک میں ضمہ والا واؤ ہم نے ویسے ہی رہنے دیا۔ کیونکہ مصنف ان الفاظ کے تلفظ کی تصریح کرتے وقت واؤ کو داخل حروف کیا تھا، جس کے سبب ہم اسے ترک کرتے تو مصنف کے تعریفی بیان میں بھی کچھ ترمیم کرنی پڑتی۔

صریح اغلاط املا کی تصحیح کر دی گئی ہے۔ مثلاً پھول جھڑتے (بجائے جھڑنے) تخالہ (بجائے خالہ) نوالا (بجائے نوالن) ہماں (بجائے ہمہ صفحہ ۱۶۳) بقسمتین (بجائے بقسمین) وغیرہ۔ لیکن پلیتھن بیای معروف کی بجائے کو ہم اصلاح رہنے دیا کہ ممکن ہے یای مجہول کے بجائے یہی رائج الوقت تلفظ ہو۔ اسی طرح استاذی کو ہم استادی نہیں کیا کہ یہ کتابت کی غلطی نہیں استعمال اور رواج کی بات ہے۔

اشعار میں جہاں جہاں اغلاط پائے گئے، انہیں درست کر دیا گیا ہے۔ مثلاً مونکھ کے ذیل میں ناجی کا جو شعر سند دیا گیا ہے اس میں پہلا مصرع "کیوں سنبلستان ہے زلف کو پیارے" میں سنبلستان عمر کی غلطی ہے، اسے سنبلستان کر دیا گیا ہے۔ اسی طرح جرأت کا ایک شعر منہ اُتر جانا کے ذیل میں غلط قرأت کے ساتھ دیا گیا تھا جسے درست کر دیا گیا ہے۔

ایک شعر جو پلیتھن کے ذیل میں سودا کی ایک ہجو مثنوی سے دیا گیا ہے، اس میں اصلاً میں لگاؤں گا، لگاؤں گا کے قوافی آئے تھے: "پکانا" پیش کے ساتھ اور "چگنا" زبر کے ساتھ لغت میں ملتا ہے لیکن متعلقہ معنی میں وہ بھی نہیں، اس لئے پکاؤں گا کو ہم نے "پکاؤں گا" پڑھ لیا ہے جس کا تذکرہ یہاں ضروری سمجھا گیا۔

اسی طرح ایک اور شعر کا ذکر ضروری ہے۔ نیل بگڑنا کے ذیل میں جو شعر ہے اس کا دوسرا مصرع اصلاً یہ تھا: "شاید کہ کچھ نیل آسمان کا بگڑا"۔ ہم نے کچھ سے پہلے "کر" کو اُٹھا دیا ہے۔ صفحہ ۱۲۸ پر جو آخری قطعہ آسمان ... [illegible] ... منہ دیکھو کی لغت کے تحت شعر

تصریحات

شمس البیان میں الفبا کی ترتیب میں ایک خاص طریقہ اختیار کیا گیا ہے۔ اس طور پر کہ ب کے بعد پ اور اس کے بعد بھ پھر پھ کے مصطلحات دیئے گئے ہیں۔ ت کے بعد ٹ اور پھر ٹھ، تھ اسی طرح ج کے بعد چ پھر جھ اور چھ؛ د ڈ دھ ڈھ؛ ک کے بعد گ پھر گھ اور گھ کے بعد کھ۔ ہم نے نئی ترتیب کے ساتھ جو اب عام طور سے رائج اور معروف ہے ان سب کو ب بھ پ پھ ت تھ ٹ ٹھ ج ۔ جھ چ چھ د دھ ڈ ڈھ ک کھ گ گھ کی ترتیب میں کر دیا ہے۔ اس لئے ص ۱۴۱ کے آخری پیرا کے بیان کے بعد ص ۱۴۲ پر آپ کو بھ کے بجائے صرف پھ ملے گا۔ کیونکہ بھ اپنی متعلقہ جگہ یعنی ب کے بعد پہنچا دیا گیا ہے۔

اپنی مخصوص ترتیب کی، مصنف کو ہر اس طرح کے موقع پر وضاحت بھی کرنی پڑتی تھی مثلاً پ کے بعد بھ اور پھر پھ نہیں ہے تو ان دو نوع کے ذکر کے بعد توضیح مزید اس طرح شروع ہوگی :- "اما از نوع اول بھیگتے جانا ...." یا ٹھ اور تھ کا سلسلہ آغاز کرنا ہے، تو ٹ کے بعد اس طرح شروع کریں گے :- "واین نیز بر دو قسم اما از نوع دوم تھتھانا...." یا ج کے بعد جھ اور چھ کو: "اما از نوع اول (جھ) .... اما از نوع دوم (چھ)...." اب چونکہ ہم نے حرفوں کی قدرتی ترتیب قائم کر دی ہے اس لیے یہ زائد جملے محذوف کر دیے گئے ہیں۔

حروف کی تقطیع جو موجودہ صورت دی گئی ہے وہ اصلاً اس طرح تھی کہ مثلاً ک اصلاً حرف الکاف تازی تھا یا مثلاً ط حرف الطاء مہملہ تھا نہ حرف الضاد معجمہ وقس علیٰ ہذا۔

دو جگہ کتابت کی غلطی سے لغات آگے پیچھے ہو گئے، جس سے کوئی خاص اثر نہیں پڑتا ہے لیکن نقل مطابق اصل نہیں رہا اس لئے ذکر کرنا ضروری ہے؛ وہ کلمات یہ ہیں:

چل سکنا۔ یہ اصل میں چبا چبا کے باتیں کرنی کے بعد تھا۔

چراغ ٹھنڈا کرنا۔ یہ اصل میں حرف چ کا سب سے آخری اندراج تھا۔ جس کے بعد اصلاً چھ شروع ہوتا تھا۔

ٹ کو مصنف نے دو قسموں میں بانٹ کر ٹھ اور تھ کی بنا ڈالی تھی لیکن محاورات

سید عبدالباری
لکچرر شعبۂ عربی مسلم یونیورسٹی علی گڈھ

مخدوم الملک ملا عبداللہؒ سلطان پوری کی تصنیف

صحت نامہ شمس البیان فی مصطلحات الہندوستان

صفحہ/سطر	غلط	صحیح	صفحہ/سطر	غلط	صحیح
۱۳۱ / ۸	بجنود	بجنود	۱۵۰ / ۲۱	سے	سیتی
۱۳۲ / ۷	بلا	بلاد	۱۶۷ / ۴	قاحت	وقاحت
۱۳۳ / ۸	موضوع	موزون	۱۶۷ / ۱۷	یار کو تجھ سے	یار سے تجھکو
۱۳۴ / ۵	دھرلتے	دھراتے	۱۶۷ / ۱۹	سنداتا؛ کہتے	منڈاتا؛ کہتے
۱۳۶ / ۶	تحقر	تحقیر	۱۶۸ / ۱۳	نوالا	نوالہ
۱۳۸ / ۲۱	کے	کی	۱۷۲ / ۳	والحمد	لنا الحمد
۱۴۱ / ۲۱	حرف	حروف	۱۷۵ / ۱۰	نوالا بجای نوالہ	اے فرزند بجا بجو۔
۱۴۷ / ۲	لاہبت	ملاعبت	۱۷۵ / ۱۶	بسنداتا	منڈاتا
۱۴۷ / ۱۸	سا	سے			
۱۴۸ / ۸	ہمہ	ہم			
۱۵۱ / ۲۳	وحق	حق			

شیخ عبداللہ بن شمس الدین الانصاری صوبہ پنجاب قصبہ سلطان پور (نزد لاہور) میں پیدا ہوئے۔ ان کے آباء و اجداد صوبہ سندھ کے شہر ٹھٹھہ سے اٹھ کر جالندھر چلے گئے تھے۔ وہاں سے ان کے والد سلطان پور پہنچے۔ تعلیم کا سلسلہ بچپن سے ہی شروع ہوا۔ انہوں نے ابتدائی تعلیم کے بعد سرہند پہنچ کر دینی علوم کی تکمیل مولانا عبداللہ سرہندی سے کی۔ اس کے بعد دہلی پہنچے اور شیخ ابراہیم ابن المعین الحسینی الایرجی سے حدیث کا درس لیا۔ تکمیل تعلیم کے بعد اپنے قصبہ سلطان پور واپس لوٹ آئے۔ وہاں تدریس تصنیف اور تذکیر میں مشغول ہوئے۔ اسی زمانہ میں ان کی علمی صلاحیتوں اور دینداری کا شہرہ عام ہوا۔ مغل بادشاہ ہمایوں ۱۵۳۰ - ۵۶ء

میں ... پھول، پچھول بھی پڑھا جا سکتا ہے۔ ... پر سودا کی ہجو کا قول سے جو شعر لیا گیا ہے اس میں ... کی جگہ سودا کے دیوان میں 'جی' ہے مگر ہم نے بحالہ رہنے دیا ہے۔ ... پر سند کے شعر میں 'اوقات' کا ... کا ... اور کے ... دوسری طرح پڑھا جا سکتا ہے۔ ہم نے 'کٹی' کو ترجیح دی ہے لیکن صرف ترجیح!

مصنف نے متعدد جگہ اصلی کے ساتھ ذیلی لغات بھی دیے ہیں اور ہر جگہ ذیلی لغت کو اصل ... کے علاوہ پر اس کے بیان کے تسلسل میں ہی درج کر دیا ہے۔ مثلاً: 'چٹلی' اور 'چٹلی کا تار اکرنا' ایک اصلی اور ذیلی لغت کے طور سے درج تھے۔ اسی طرح چند اور جگہوں پر بھی مثلاً 'چھیکا' اور 'چھیکا گننا' ... ہم نے ہر دو کو مستقل حیثیت دے دی ہے۔

اس ذیل میں ایک جگہ 'صفائی بتانی' کے بعد ذیلاً 'صفائی' کا لغت تھا۔ جس کے ساتھ 'ف' ... بھی لکھا تھا۔ اب چونکہ ہم نے اس لغت کو مستقل حیثیت دیدی اس لئے 'فقط' ختم کر دیا گیا۔

سند میں شعر دینے سے پہلے ہر جگہ 'شعر' لکھا ہوا تھا جسے شروع میں مثلاً برقرار رکھنے کے بعد ... جگہوں پر اڑا دیا گیا ہے۔

'تصحیح اغلاط شمس البیان' کے عنوان سے آخر میں چار صفحوں میں جو تصحیحات تھیں ان کو ملحوظ رکھ کر ... تیار کیا گیا ہے اس لئے اب اس کا شمول بے معنی تھا۔

طپش کے مربی اور شمس البیان کے منتسب نواب شمس الدولہ کے سلسلے میں ایک قابلِ اعتماد بیان:

"حکیم حبیب الرحمٰن (ڈھاکہ) نے اس لغت کے سلسلے میں اپنے ایک مضمون مطبوعہ رسالہ 'ادیب' الہ آباد ۱۹۱۰ میں لکھا ہے: 'اس وقت دہلی کے اہلِ کمال ایک ایک کر کے لکھنؤ اور مرشد آباد چلے آ رہے تھے۔ طپش بھی لکھنؤ پہنچے اور مرزا جواں بخت جہاندار شاہ خلف عالمگیر ثانی ... ہو گئے ... مرشد آباد کے صوبہ داران دونوں نواب مبارک الدولہ تھے اور ان کے عزیز نواب شمس الدولہ بھی وہیں مقیم تھے۔ نواب شمس الدولہ کا پورا نام مع لقب امیر الملک شمس الدولہ سید احمد علی خان بہادر ذوالفقار جنگ تھا اور یہ نواب جسارت خان والیِ ڈھاکہ کے نبیرہ تھے۔ شمس الدولہ اپنے بھائی نواب نصرت جنگ کے ہمراہ خود بھی نائب ناظم بنگالہ مقرر ہوئے تھے۔ ڈھاکہ میں آخر عمر تک رہے۔ طپش تقریباً ۱۲۰۳ میں ڈھاکہ چلے گئے اور نواب نصرت جنگ نائب ناظم ڈھاکہ کی رفاقت میں رہے۔ ۱۲۱۲ھ میں جب شاہزادہ دہلی مرزا محمد ظہیر الحسن اظفری تخلص والا قلعہ سے مرشد آباد پہنچے ہیں، اس وقت مرزا طپش کو نواب نصرت جنگ مرحوم نے بطور سفارت شاہزادہ کے پاس بھیجا تھا۔ شاہزادہ موصوف نے اپنے سیاحت نامہ میں طپش کی بڑی تعریف کی ہے اور اس کے ذکر میں قریباً ایک صفحہ رنگ دیا ہے۔ (... طپش ... (کذا) ... شمس البیان ... جب ... مصنف ... ...

مخدوم الملک اپنی دینی رواداری اور عالمانہ شان برقرار رکھتے ہوئے اسلام شاہ کے نائب خاص کی حیثیت سے اپنے دیرینہ محسن کا پُرتپاک خیر مقدم کرتے ہیں[1]۔ پھر جب اسلام شاہ کے انتقال کے بعد (۹۶۰ھ) افغانوں کی حکومت میں طوائف الملوکی در آتی ہے۔ تو ہمایون دوبارہ ہند پر قابض ہو جاتا ہے۔ مخدوم الملک کو پہلا سا اعزاز و اکرام دوبارہ تفویض ہوتا ہے۔ اور ہمایون انہیں "شیخ الاسلام" کا لقب دیتا ہے[2]۔ ہمایوں کے بعد جب اکبر کا زمانہ آتا ہے، تو ان کی قدر و منزلت میں اور اضافہ ہوتا ہے۔ اکبر انہیں دیگر کل علماء پر فوقیت دیتے ہوئے "مخدوم الملک" کے مشہور لقب سے نوازتا ہے[3]۔ حکومت کے سبھی اہم معاملات میں ان کا مشورہ ضروری ہوتا ہے۔ ایک وقت وہ بھی آیا، جب اکبر نے انہیں فی الحال دیوان شاہی کا "وکیل" اور "وزیر" مقرر کر دیا[4]۔ ان کی تنخواہ اس عہد کے مروجہ سکہ میں ایک لاکھ دام مقرر ہوئی[5]۔ اس طرح گویا مخدوم الملک کو اپنے عہد کا سب سے بڑا سیاسی عہدہ حاصل ہوا۔ اب وہ دینی امور میں اور اسلامی عقائد کی سربراہی کے ساتھ ساتھ مُلکی سیاست میں بھی پورے طور پر دخیل ہو گئے۔ اکبر نے ان کی سیاسی بصیرت سے خاصہ فائدہ اٹھایا۔

مخدوم الملک کا اقتدار، اکبر اعظم پر ان کی اثر اندازی اور عوام میں مقبولیت نے ہمعصر علماء میں خصوصیت سے وہ علماء جنہیں ان سے کوئی اختلاف تھا یا جنہوں نے کچھ زک اٹھائی تھی رشک و حسد کا جذبہ پیدا کر دیا۔ ان علماء میں خاص طور پر ملا مبارک ناگوری اور ان کے فرزند ابوالفضل نے شروع سے معاندانہ رویّہ رکھا۔ اکبر کی مذہبی بدعات کے خلاف جب مخدوم الملک نے اظہار ناراضگی کیا، تو موقع سے فائدہ اٹھاتے ہوئے ابوالفضل اور اس کے ہمنواؤں نے اکبر کو یہ باور کرایا کہ دین الٰہی کو چلانے سے پہلے مخدوم الملک کی دینی سیاست اور عوام میں ان کے عقیدتمندانہ اثرات کو ختم کرنا ہوگا۔ کیونکہ مخدوم الملک اور ملا عبدالنبی صدر الصدور کو ہٹائے بغیر دین کے معاملے میں شاہ وقت بھی اپنی مرضی کے احکامات نہیں چلا سکتا۔ بلاشبہ مخدوم الملک اور ملا عبدالنبی نے اپنے عہد تک مذہبی اور دینی نظامت کو شاہ وقت کی دسترس اور دست درازی سے محفوظ و مامون رکھا۔ بقول بدایونی جب ملا ناگوری کے تیار کردہ محضر نامے پر جس کی رُو سے شاہ وقت کی حیثیت اسلام میں مجتہد اعظم کی ہو گئی تھی، دستخط کے لئے مخدوم الملک سے سختی برتی گئی، تو انہوں نے جبراً دستخط

۱۔ مرزا کامران، ص ۴۵۔ ۲۔ مآثر الامراء، ج ۳، ص ۲۵۵

۳۔ طبقات اکبری، ص ۳۹۰، نول کشور ۱۸۰۵ء ۴۔ بدایونی: منتخب بحوالہ بزم تیموریہ، ص ۱۳۱

۵۔ نزہت الخواطر ج ۳، ص ۷۔ ۲۰۶

کی نظرِ انتخاب ان پر پڑی اور محکمۂ قضا کی ذمہ داری سونپی گئی[1]۔ ان کی دینداری اور صوفیانہ زندگی دیکھ کر ہمایوں نے انہیں "مخدوم الملک" کا خطاب بھی عطا کیا[2]۔ اسی اثناء ہمایوں کے بھائی مرزا کامران سے ان کے روابط ہوئے اور ان کی پنجاب کی گورنری کے زمانہ (۳۸-۱۵۳۷ء) مخدوم الملک "صدرِ پنجاب" ہوئے۔ قرینہ اغلب ہے کہ پنجاب میں جن دنوں دینی امور کی قیادت مخدوم الملک کے ہاتھ میں تھی انہیں کے حکم سے پنجاب میں شراب کا استعمال ممنوع ہوا[3]۔

۱۵۳۹ء میں جب شیر شاہ سوری نے ہمایوں کو شکست دے کر دلی پر قبضہ کر لیا تھا، پنجاب کو بھی خطرہ لاحق ہوگیا۔ حالات کی نزاکت کو دیکھتے ہوئے مخدوم الملک کی قیادت میں ایک سفارت ہمایوں کے ایماء پر شیر شاہ کے پاس بھیجی گئی۔ تاکہ اسے مصالحت کی دعوت دی جائے اور پنجاب پر فوج کشی سے روکا جائے[4]۔

سفارت کامیاب رہی۔ پنجاب کی طرف پیش قدمی رک گئی۔ اندازہ ہوتا ہے کہ انہیں دنوں مخدوم الملک کی علمی اور سیاسی صلاحیتوں سے شیر شاہ کو آگاہی ہوئی ہوگی۔ شیر شاہ کا خطرہ پنجاب کی طرف سے فوری طور پر تو ٹل گیا۔ لیکن ہمایوں اور مرزا کامران میں اختلافات کی خلیج بڑھ گئی۔ شیر شاہ کو جب ان حالات کا اندازہ ہوا تو وہ پنجاب کی طرف بڑھ آیا اور بالآخر اُسے اپنے حدودِ سلطنت میں داخل کر لیا۔ مرزا کامران نے افغانستان کی حکومت سنبھالی اور ہمایوں مایوس ہو کر ۹۵۱ھ میں ایران چلا گیا۔ ۱۵۴۱ء - ۱۵۴۵ء تک مخدوم الملک نے شیر شاہ کے دورِ اقتدار میں محکمۂ قضاء کو سنبھالا۔ شیر شاہ نے بھی ان کی عالمانہ شان سے متاثر ہو کر انہیں "صدر الاسلام" کے لقب سے نوازا[5]۔ جب شیر شاہ کا انتقال ہوا اور اس کا لڑکا اسلام شاہ تخت نشین ہوا، تو ان کی قدر و منزلت میں مزید اضافے ہوئے۔ اِس بادشاہ نے انہیں "صدر الصدور" کے عہدے پر مامور کیا[6]۔ امورِ سلطنت میں یہ اس قدر دخیل ہوئے کہ بغیر ان کے مشورہ کے سلطنت کے اہم مسائل طے نہیں ہوتے تھے۔ اسلام شاہ انہیں تخت شاہی پر اپنے ساتھ جگہ دیتا تھا[7]۔ ہمایوں جب ایران سے واپس لوٹ کر مرزا کامران کو شکست دیتا ہے، تو وہ بھاگ کر اسلام شاہ کے پاس مدد حاصل کرنے پہنچتا ہے۔

۱- نزہتہ الخواطر ج ۴ - ص ۵ - ۲۰۶ حیدر آباد ۱۹۵۴ء ۲- بدایونی : منتخب انگریزی ترجمہ ج ۳، ص ۱۱۴

۳- آفتاب عالم خان مرزا کامران، ص ۱۷-۴۔ نزہتہ الخواطر، ج ۴، ص ۲۱ ۵- ماثر الامراء، ج ۳، ص ۲۵۵؛

سیر المتاخرین جلد اول بحوالہ انتخاب سیر المتاخرین از قاضی تصدق حسین ص ۷۰ لاہور

۶- بدایونی : منتخب انگریزی ترجمہ جلد ۱ - ص ۵۰۶ ۷- ایضاً۔ بحوالہ بزم تیموریہ ص ۴۰۹

ن کے بعد شیخ محدث دہلوی کا نام آتا ہے تعجب ہے کہ مخدوم الملک کی اس فن پر ایک مستقل کتاب کے
تے ہوئے بھی اس کا تذکرہ سیرت کے باب میں نہیں آیا ہے۔ ان کی چوتھی کتاب "شرح العقیدۃ الحافظیہ"
ہے۔ گمان اغلب ہے کہ یہ آٹھویں صدی ہجری کے مشہور حنفی فقیہ و مفسر ابو البرکات عبداللہ بن احمد بن محمود حافظ الدین
نسفی (متوفی ۷۱۰ھ) کی "الاعتماد فی الاعتقاد" یا "اعتماد الاعتقاد" کی شرح ہے۔ حاجی خلیفہ
نے کشف الظنون میں اس کتاب کا نام "اعتماد الاعتقاد" لکھا ہے (دیکھئے جلد اول ص ۱۱۹ استنبول
۱۹۴۱ء)۔ پانچویں تصنیف "کشف الغمۃ عن بصائر الائمۃ" ہے۔ اس کے علاوہ ایک رسالہ
"رسالہ فی تفضیل العقل علی العلم وغیرہ" اور "شرح ملا" پر تصنیف کردہ حاشیہ ہے۔
بعض تذکرہ نویسوں نے "عفیفۃ الانبیاء" یا "عفۃ الانبیاء" نامی کتاب بھی مخدوم الملک
سے منسوب کی ہے۔ مگر میرے خیال میں "عصمۃ الانبیاء" کی تحریف ہے حقیقت میں کتاب ایک ہی ہے۔

عصمۃ الانبیاء کی تصنیف اور انتساب کے اسباب: مصنف کے قول کے مطابق کتاب
مذکور مغل شہنشاہ ہمایوں کے بھائی مرزا محمد کامران کو پیش کی گئی ہے۔ تاریخی حقائق کی چھان بین سے اندازہ ہوتا
ہے کہ یہ کتاب مرزا کو اس وقت پیش کی گئی ہوگی، جب وہ افغانستان کی گورنری کا (۳۷–۱۵۳۰ء) کے فرائض
انجام دے رہے تھے۔

مرزا کامران کے جس عہد کا ذکر ہے اس وقت عالم اسلام تین بڑے بلاکوں میں منقسم ہو گیا تھا
ایران و خراسان میں شیعی صفوی حکومت تھی۔ اس کے مشرقی جانب ہندوستان میں مغولی سنی اور مغرب میں
عثمانی اتراک کی سنی حکومت قائم تھی۔ سیاست کی رسہ کشی میں شیعی و سنی عقائد بھی علیحدہ نہیں کئے جا سکتے
تھے چنانچہ عقائد کا اختلاف بھی نمایاں تھا، جس کے اثرات ملکی سیاست پر بھی نمایاں ہو رہے تھے۔ بابر
نے ایرانی تسلط سے افغانستان کو بچانے کی خاطر مرزا کامران کو قندھار کی حفاظت پر مامور کیا چنانچہ

۱- الثقافۃ الاسلامیہ ص ۹۰، ترجمہ حدائق الحنفیہ ص ۳۶۸- ۲- نزہۃ الخواطر ج ۴، ص ۲۰۶-۲۰۷
۲- عمر رضا کحالہ: معجم المؤلفین ج ص - نزہۃ الخواطر ج ۴، ص ۲۰۶-۲۰۷- حدائق الحنفیہ ص ۳۶۸
۴- نزہۃ الخواطر ج ۴، ص ۲۰۶- ۵- صمصام الدولہ، مآثر الامراء ج ۳، ص ۲۵۳
۶- فقیر محمد: حدائق الحنفیہ ص ۳۶۸؛ البغدادی- ہدیۃ العارفین ج ۱، ص ۲۴۳

کے ساتھ دستخط کیے۔ اس دستخط کے بعد ہی انہیں حج بیت اللہ کے لئے چلے جانے کا حکم صادر ہوا[1]۔ یہ ایک ایسا حکم تھا جس کی رو سے ان کے لئے بلا شاہی اجازت نامہ کے ہندوستان کی واپسی ممکن نہ تھی۔ چنانچہ اکبر کے ۲۴ ویں سال جلوس انہیں عبد النبی کے ساتھ حجاز روانہ کر دیا گیا[2]۔

وطن سے باہر بھی ان کی عزت و احترام میں کمی واقع نہیں ہوئی۔ چنانچہ جب یہ مکہ معظمہ پہنچے تو وہاں اکابر علماء نے ان کا زبردست خیر مقدم کیا۔ عالم اسلام کے مشہور دینی رہنما شہاب الدین ابن حجر مکی (متوفی[3]) نے ان کی دینی عظمت اور علمی بزرگی کو دیکھتے ہوئے غیر موسم حج میں خانۂ کعبہ کا دروازہ کھول دیا[4]۔ چند سال بعد یہ دوبارہ ہندوستان لوٹ آئے اور گجرات کے نواح میں مقیم ہوئے۔ یہ زمانہ اکبر کے خلاف مرزا محمد کی شورشوں کا تھا۔ بادشاہ کو ان کی آمد کا پتہ چل گیا۔ ملکی سیاست میں ان کے اثر و رسوخ سے خوف زدہ ہو کر حکومت نے ان کی گرفتاری کے احکامات صادر کئے۔ گجرات میں نظر بند ہوئے اور وہیں انتقال فرما گئے۔ بعض روایتوں میں ہے کہ انہیں حکومت کی ایماء پر زہر دیا گیا جس سے موت واقع ہو گئی[5]۔ کہا جاتا ہے کہ مخفی طریقے پر ان کی لاش پنجاب لے جائی گئی اور وہیں دفن کئے گئے[6]۔ ان کی سن وفات میں مورخوں کا اختلاف ہے۔ بقول صاحب "حدائق الحنفیہ" ان کی موت ۱۰۰۶ھ میں واقع ہوئی اور ان کی تاریخ وفات "شمع شب افروز" سے نکلتی ہے[7]۔ صاحب ماثر الامراء کے مطابق ان کی وفات ۹۹۱ھ میں ہوئی[8]۔ بدایونی نے ان کی وفات گجرات میں ۱۵۸۲ء میں بتایا ہے[9]۔

تصانیف : مخدوم الملک کثیر التصانیف عالم تھے۔ بقول بدایونی ان کی اچھی تصانیف میں سے "عصمۃ الانبیاء" اور "شرح شمائل النبی" کو غیر معمولی شہرت نصیب ہوئی[1]۔ ان کی تیسری اہم تصنیف سیرۃ النبی پر "منہاج الدین" ہے۔ ہندوستان میں سیرۃ النبی پر لکھنے والوں میں مخدوم الملک سے پہلے صرف چند علماء کا نام ہمیں مولانا عبد الحی کی کتاب "الثقافۃ الاسلامیۃ" میں ملتا ہے

۱- بدایونی: منتخب ج ۳ ص ۴۴ + اکبر نامہ: ج ۳، ص ۲۷۸، بحوالہ بزم تیموریہ ص ۴۱۶
۲- ایضاً " " " ج ۳، ص ۳۸۷ " " " ص ۴۱۷
۳- ماثر الامراء ج ۳، ص ۲۵۶ ۴- ہدایۃ العارفین: اسمٰعیل پاشا بغدادی ج ۱، ص ۴۷۳
۵- انتخاب، ترجمہ سیر المتاخرین ص ۴۷ ۶- حدائق الحنفیہ ص ۳۶۸ ۷- ماثر الامراء ج ۳، ص ۲۵۱
۸- بدایونی: منتخب انگریزی ترجمہ ج ۳، ص ۱۴۱ ۹- بدایونی: منتخب ج ۳ ص ۷۰، بحوالہ بزم تیموریہ ص ۲۲۰

عصمۃ کل نبی ورسول واہم ما یوثق علیہ فی ابتناء الفروع
والاصول ودامر صرف ظواہر ما نسب الیہم من المسموع والمنقول و
النفی عنہم ما وشی علیہم مما یاباہ صحاح العقول بتاویل بدیع
موافق المقطوع الدلیل ومحمد صحیح ہو شفاء العلیل ودواء
الغلیل وہدی الی سواء السبیل ولا یبقی فیہ محل القال والقیل
حتی یسد طریق الافتراء ویغلق باب الانکار دلہ بمن یجب حسن
الاعتقاد بہم وکمال الاعتقاد علیہم لکون نشاۃ الدین عن
حرکاتہم وسکناتہم"

عِصمۃُ الانبیاء :- کتاب کا مختصر تعارف خدا بخش لائبریری کے مخطوطات کے کیٹلاگ نمبر ۱۰ میں صفحہ ۶۹ پر درج ہے۔ مخطوطہ کا نمبر ۵۶۹ ہے۔ یہ کتاب کل ۱۴۹ فولیوز پر مشتمل ہے۔ سطریں ۱۹، اور سائز ۷ $\frac{1}{2}$ × ۵ $\frac{1}{2}$؛ ۶ $\frac{1}{2}$ × ۲ $\frac{1}{2}$ ہے۔ کتاب کی سن تاریخ ۱۱۳۲ھ ہے۔ کتاب قدرے کرم خوردہ ہے، اگرچہ حرمت کا گئی ہے۔ بعض حروف غائب ہیں۔ مگر متن پڑھ کر ان کی تصحیح آسانی کے ساتھ کی جاسکتی ہے۔ حاشیہ پر حل طلب الفاظ کے معنی اور متنوں کی مختصر تشریح ملتی ہے۔ دو جگہوں پر حواشی میں فارسی کا استعمال بھی ہے۔ تعارفی نوٹ میں بتایا گیا ہے کہ "عصمۃ الانبیاء" پر علیحدہ سے لکھی جانیوالی اس کتاب کا ذکر کسی کیٹلاگ میں نہیں ملتا ہے۔ میں بھی اس کتاب کا کوئی دوسرا نسخہ تلاش کرنے میں ہنوز ناکام ہوں۔ اس کتاب کا دوسرا اہم پہلو یہ ہے کہ ہندوستان میں اس سے پہلے دوسری کوئی کتاب اس خاص موضوع سے متعلق نہیں لکھی گئی۔ ہاں عالم اسلام میں مخدوم الملک سے قبل بھی اس موضوع پر کتابیں اور رسالے لکھے گئے ہیں۔ لیکن ان کی تعداد بھی بہت ہی مختصر ہے۔ ان لکھنے والوں میں سب سے اہم نام مشہور عالم اور فلسفی امام فخرالدین رازی (متوفی ۶۰۶ھ) کا ہے۔ انہوں نے "عصمۃ الانبیاء" کے نام سے ایک کتابچہ چند فصلوں پر مشتمل لکھا[1] ہے۔ اس کا ایک نسخہ برلن (مخطوطہ ۲۵۲۸) میں محفوظ[2] ہے۔ اس کے علاوہ شیخ احمد بن مصلح الدین الشہیر بالمرکز کی

۱- حاجی خلیفہ: کشف الظنون ج ۲، ص ۱۱۳۹، ۱۱۴۳ء — ۲- خدا بخش لائبریری کیٹلاگ: ج ۱۰، ص ۶۹

مرزا کا سات سال مسلسل ایرانیوں کے خلاف محاذ آرائی میں گذر گیا۔ ایران میں علوم نقلی اور فلسفہ کا بڑا زور تھا۔ عقائد کے لحاظ سے ایرانی فکر کا ان دنوں ہندوستان پر اثر انداز ہونے کا خاصہ امکان تھا۔ ممکن ہے مخدوم الملک نے انہیں خدشات کو مدنظر رکھتے ہوئے سُنی عقائد کی اصلاح سے متعلق اپنی کتاب عصمۃ الانبیا مرزا کامران کو پیش کیا ہو۔ کیونکہ وہ سُنی عقاید کا پیرو، صاحب فکر، علم دوست اور ایک اچھا عالم بھی تھا۔

مخدوم الملک کا زمانہ جیسا کہ میں نے قبل بھی تذکرہ کیا ہے، عالم اسلام میں سیاسی انتشار اور اسلامی عقائد میں ایک عام اضمحلال کا زمانہ ہے۔ ہندوستان بھی ان اثرات سے خالی نہیں رہ سکتا تھا۔ چنانچہ یہاں بھی اوہام پرستی اور بدعات کا خاصہ چلن ہو گیا تھا۔ سندھ کے نواح میں قرامطہ اور اسماعیلی فرقوں نے اسلامی عقائد میں ایسی باتیں داخل کر دی تھیں، جو حنفی مسلک میں بدعات کے دائرے میں آجاتی تھیں[1]۔ ہندی فلسفہ و عقائد نے بھی مسلمانوں کے کچھ طبقوں کو متاثر کیا۔ صوفیوں کا ایک جاہل طبقہ بدعات میں مبتلا ہو کر طرح طرح کے اوہام و خرافات میں مبتلا تھا خصوصیت سے مہدویت کے چرچے نے ایک بڑے فتنے کی شکل اختیار کر لی تھی۔ مہدویت کے پیرو کار اشخاص نے غلو سے کام لے کر مہدوی جماعت کے بعض اصولوں کو قوانین شرع کا رنگ دیدیا۔ بانی مہدویت نے کہا تھا کہ مال کسی فرد واحد کا نہیں ہو سکتا، اسے رفیقوں پر خرچ ہونا چاہیئے۔ مگر آگے چل کر معتقدین نے یہ کہا کہ مال پر سب کا حق ہے، تو پھر ورثہ اور ترکہ کیا؟ انہیں پیروؤں نے اپنے غیر معصوم پیشواؤں کے اقوال و احوال کو بمنزلۂ اصل مرکز حق و یقین بنا لیا[2]۔

اس طرح کے فتنوں نے اسلامی عقائد کی دنیا میں ہلچل پیدا کر دی تھی، ضرورت تھی کہ عقائد کی اصلاح مضبوط فکری بنیادوں پر کی جائے تاکہ اوہام و بدعات کا مکمل سدباب کیا جاسکے۔ اسی ضرورت کا احساس عصمۃ الانبیاء کی تصنیف کا سبب ہو سکتا ہے۔ کتاب مذکور کے مقدمہ میں بھی اس بات کا واضح اشارہ ملتا ہے، ملاحظہ ہو:

"اسراء التقلید للاحوبین من التائید والتسدید یحومون حول اقاصیص الانبیاء ویعرجون عرصات الاصفیاء من غیر ان یفرقوا بین ما هو قریب الصواب وبین ما هو بعید بین ما هو سدید وبین ما هو ابید من المنهج الرشید ...... فحاولت ان اؤسس اساس

۱۔ الثقافۃ الاسلامیہ: عبدالحی ص ۲۱۳۔ ۲۔ تذکرہ: مولانا ابوالکلام آزاد۔ ص ۴۴، مطبوعہ لاہور۔

اس کتاب میں تین ابواب اور دس فصلیں ہیں۔ فرشتوں اور فرشتوں پر ایمان لانے کے مباحث کے ساتھ ساتھ دیگر اعتقادی مسائل بھی زیر بحث لائے گئے ہیں۔[1] اس کتاب کا ایک قلمی نسخہ (نمبر ۱۲۷۵) بوڈلین لائبریری میں محفوظ ہے۔[2] امام تورپشتی اپنے عہد کے جلیل القدر اور کثیر التصانیف عالموں میں شمار ہوتے ہیں۔ امام بغوی الشافعی (م ۵۱۶ھ) کی مشہور تصنیف "مصابیح السنۃ" کی شرح کثیر علماء نے کی ہے جن میں علامہ بیضاوی (۶۸۵ھ) اور علی احمد طیبی (م ۷۴۳ھ) کا نام بھی شامل ہے۔ امام تورپشتی نے بھی اس کی شرح عربی میں "المیسر" کے نام سے کی ہے۔[3] زبان و بیان کی خوبیوں کے علاوہ اس قدر مفید ہے کہ بیشتر علماء نے اپنی شرح میں اس کتاب سے مدد لی ہے۔ خصوصیت سے علامہ طیبی کی شرح مصابیح السنۃ تو گویا امام موصوف کی "المیسر" کا ہی چربہ معلوم ہوتی ہے۔ اس بات سے بخوبی اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ ان کی نظر عقاید اور علوم اسلامیہ پر کتنی گہری تھی۔ مگر اس کے باوجود ان کی کتاب "المعتمد" علماء کی عام روش سے ہٹ کر ہونے کی بناء پر مقبول نہ ہو سکی۔ چنانچہ اندازہ ہے کہ اس کتاب کی طباعت ۱۲۸۸ھ میں پہلی اور آخری بار صرف ہندوستان میں ہو سکی۔[4]

مخدوم الملک کی کوشش اس سلسلے میں یقیناً قابل تعریف ہے کہ انہوں نے علم عقلی کے زبردست اثرات کے خلاف سینہ سپر ہو کر امام تورپشتی کی تحریک کو "عصمۃ الانبیاء" کے ذریعہ آگے بڑھایا۔ چنانچہ اپنی اس کتاب میں انہوں نے مباحث کی تائید میں امام تورپشتی کے اقوال ان کی کتاب "المعتمد" سے نقل کئے ہیں۔ خوش قسمتی سے مخدوم الملک کی اس کتاب کو اپنے عہد میں شہرت بھی نصیب ہوئی۔[5] یہ ان کی عالمانہ عظمت کی دلیل ہے۔ یہ امر اس قدر مستحسن تھا کہ اس تحریک کو عبدالحق محدث دہلوی کے ہاتھوں ان کی کتاب "تکمیل الایمان و تقویۃ الایقان" میں مزید زندگی و تابندگی نصیب ہوئی۔ محدث دہلوی صاحب نے اس کتاب کے مقدمہ میں خود لکھا ہے کہ عقائد پر اس کتاب کو انہوں نے بحث و جدال کے طریقے سے ہٹ کر بطریق سنت لکھا ہے۔ یہ دراصل دلائل کلامیہ اور تحقیقات فلسفہ کی تجزیہ ہے۔[6] ان کا

۱- کیٹلاگ آف پرشین مینوسکرپٹ - بوڈلین لائبریری، تحقیق ج ۱، ص ۱۰۲۳، نمبر ۱۲۷۵ - آکسفورڈ ۱۸۸۹ء

۲- ۔۔ ۔۔ ۔۔ ۔۔ ۔۔ جلد اول - نسخہ نمبر ۱۲۷۵ - ص ۱۰۲۳

۳- حاجی خلیفہ، کشف، ج ۲، ص ۱۶۹۸، استانبول ۱۹۴۳ء ۴- فہرست کتب خانہ

۵- ۔۔ ۔۔ ص ۲۱۰ ۶- تکمیل الایمان و تقویۃ الایقان ص ۲، مطبع ۔۔ لکھنؤ

"عصمۃ الانبیاء" و "تحفۃ الاصفیاء" ہے۔ احمد بن سہل البلخی (متوفی ۳۲۲ھ) اور ابو عثمان سعید الحداد کا نام بھی "عصمۃ الانبیاء" پر علیحدہ سے لکھنے والوں میں لیا جاتا ہے۔ اس کے علاوہ مخدوم الملک کے ہمعصر عالم محمد بن عبداللہ بن احمد خطیب بن محمد خطیب تمرتاشی غزی (خواندمی) کا ایک چھوٹا رسالہ "عصمۃ الانبیاء" کے نام پر ہے۔ موصوف جید عالموں میں شمار ہوتے تھے اور کثیر التصانیف تھے۔

مخدوم الملک کی "عصمۃ الانبیاء" کے بعد ہندوستان میں ایک عرصہ دراز تک اس موضوع پر تصنیف کردہ علیحدہ سے کسی کتاب کا پتہ نہیں چلتا۔ البتہ انیسویں صدی کے اواخر میں ملا دوست محمد بن ملا امیر محمد کابل ٹونکی (متوفی ۱۲۲۸ھ) کی کتاب "تحفۃ الاخلاف فی عصمۃ الانبیاء" ملتی ہے جو ۱۲۹۶ھ میں علوی پریس میں چھپی۔ صفحات کی تعداد ۲۴۸ ہے۔ اس کتاب کا بھی ایک قلمی نسخہ رضا لائبریری رامپور میں موجود ہے۔

"عصمۃ الانبیاء" کے موضوع کی اہمیت کا اندازہ اس بات سے لگایا جا سکتا ہے کہ تقریباً سبھی تفاسیر کی کتابوں میں اسے زیر بحث لایا گیا ہے۔ علم کلام میں وجود باری تعالیٰ کے بعد انبیاء کی ذات پر بحث دوسرا سب سے اہم مسئلہ ہے۔ چنانچہ کچھ علماء نے اہمیت کا اندازہ کرتے ہوئے اس موضوع پر علیحدہ سے کتابیں لکھیں۔ مخدوم الملک کی عصمۃ الانبیاء عالم اسلام کی دیگر سبھی تصانیف سے اس حیثیت سے ممتاز و منفرد ہو جاتی ہے کہ اس میں استدلال کی بنیاد عقلیات سے ہٹ کر کلام پاک اور حدیث نبوی کو بنایا گیا ہے۔

جائزہ لینے سے اس نتیجہ پر پہنچا جا سکتا ہے کہ مخدوم الملک سے پہلے عقلیات کی عام روش سے ہٹ کر مباحث کا جواب کتاب و سنت کی روشنی میں دینے کی ابتدا مشہور صوفی عالم اور حنفی فقیہہ ابو عبداللہ شہاب الدین، فضل اللہ بن حسن التورپشتی (متوفی ۶۶۱ھ) سے ہوتی ہے۔ انہوں نے اپنی فارسی کتاب "المعتمد فی المعتقد" میں یونانی فلسفہ اور علوم نقلی سے علیحدہ رہ کر علم کلام کے مباحث کا جواب دینے کی کوشش کی ہے۔ یہ کتاب چھٹے اتابک سلطان ابوبکر بن سعد بن زنگی کو جو ترکستان اور فارس کے حکمراں تھے، بطور ہدیہ پیش کی گئی تھی۔ شیخ سعدیؒ نے گلستان بھی انہیں کے نام سے معنون کی تھی۔

۱- حاجی خلیفہ: کشف الظنون، ج ۲، ص ۱۴۹ ۲- فقیر محمد: ترجمہ حدائق الحنفیہ ص ۳۹۵
۳- رامپور کیٹلاگ: ۲/ ۲۸۵ (عربی مخطوطات) ۴- اسماعیل پاشا البغدادی: ہدیۃ العارفین ج ۱، ص ۸۲۱

باب دوم : فی بیان عصمتہم عن المعاصی التی یجوز للکفر : یہ باب ۳۲ تا ۳۸ اوراق پر مشتمل ہے۔ مخدوم الملک اس باب میں اکابر علماء کلام مثلاً قاضی عیاض، امام قشیری وغیرہم کے دلائل اس بارہ میں پیش کرتے ہیں کہ انبیاء کرام نزول وحی کے قبل اور بعد گناہ کبیرہ وغیرہ کے مرتکب ہوئے ہیں اور وہ معصوم نہیں ہیں اس کے بعد نہایت محققانہ اور عالمانہ شان کے ساتھ ان کے جواب میں اپنے مکتبۂ فکر کے اصحاب کی تائید کے ساتھ چھ دلیلیں پیش کرتے ہیں، جن میں بتایا گیا ہے کہ انبیاء کرام کبائر و صغائر گناہوں سے عمداً معصوم ہیں۔

پہلی دلیل یہ ہے کہ اگر انبیاء کرام سے گناہ سرزد ہوتا، تو امت کے لئے ان کا اتباع ضروری نہ ہوتا، کیونکہ اللہ پاک کا قول ہے :

"واتبعوہ" "قل ان کنتم تحبون اللہ فاتبعونی یحببکم اللہ و یغفرلکم ذنوبکم" "امنوا باللہ ورسولہ النبی الامی الذی یومن باللہ واتبعوہ لعلکم تہتدون" "ما اتاکم الرسول فخذوہ وما نہاکم عنہ فانتہوا"

دوسری دلیل یہ ہے کہ اگر ان حضرات سے گناہ سرزد ہوتا تو ان کی تنبیہ اور سزا کا ہونا ضروری ہو جاتا کیونکہ امر بالمعروف والنہی عن المنکر کا یہی تقاضا ہے حالانکہ ان کی ایذا دہی حرام ہے۔ اللہ پاک کا قول ہے : "ان الذین یوذون اللہ ورسولہ لعنہم اللہ فی الدنیا والاخرۃ واعد لہم عذابا مہینا"

تیسری دلیل یہ ہے کہ اگر انبیاء کرام گناہ میں ملوث ہوتے، تو ان کا شمار ظالموں میں ہوتا اور ایسی صورت حال میں نبوت کے عالی مقام سے یہ ہٹ جاتے جیسا کہ اللہ پاک کا قول ہے : "لا ینال عہدی الظالمین .... لعنۃ اللہ علی الظالمین"

چوتھی دلیل یہ ہے کہ اگر یہ حضرات گناہ کے مرتکب ہوتے، تو شدید عذاب میں مبتلا کئے جاتے اور امت کے دیگر افراد کی طرح گنہگار ہوتے لیکن ایسی بات کہنا جائز نہیں ہے کیونکہ اللہ پاک نے خود خطاب کیا ہے "اذا لاذقناک ضعف الحیاۃ وضعف الممات" اسی طرح ازواج مطہرات کو خطاب کرتے ہوئے کہا گیا ہے "یا نساء النبی لستن کاحد من النساء من یات منکن بفاحشۃ

1. The Khuda Bakhsh Library Journal is a quarterly journal specialising oriental studies in Arabic, Persian and Urdu languages, covering meaningf research based on the material preserved in the Khuda Bakhsh Oriental Pub Library, or having any concern with it.

2. Articles will be accepted in English, Arabic, Persian and Urdu.

3. Notes and Addenda, by way of corrections and additions to any in tion published in this Journal or in any publication of the Library e.g. will be a regular feature of the Journal.

Rs. 15.00 per copy

Printers : Tara Press, Tripolia, Patna-7 & Label Litho Press, Pa
Publisher : Mahboob Husain, for Khuda Bakhsh O.P. Library, P

میں قاضی عیاض (متوفی ۵۴۴ھ) کی "الشفا بتعریف حقوق المصطفیٰ" کا تذکرہ کرتے ہیں جس میں عصمتِ ملائکہ کی نفی کی گئی ہے۔ پھر مزید دو طریقے پر یہ ثابت کرنے کی کوشش کرتے ہیں کہ ایک فقیہ کے لئے عصمتِ ملائکہ بھی وہی اہمیت رکھتی ہے، جو عصمتِ انبیاء کی ہے۔ اس بحث میں بعض مالکی مسلک کے علماء کے اقوال کی نفی کرتے ہیں۔ اس سلسلے میں علامہ فخر الدین رازی کی "تفسیر الکبیر" کا حوالہ بھی دیتے ہیں اور بتاتے ہیں کہ امام مذکور بھی عصمتِ ملائکہ کے قائل تھے۔ اس جگہ ایک بات قابلِ غور یہ ہے کہ مخدوم الملک امام مذکور کی کتاب "عصمۃ الانبیاء" کا کوئی حوالہ نہیں دیتے ہیں۔ گمان غالب ہے کہ ان کے علم میں اس وقت یہ کتاب نہیں آسکی تھی۔ اس کے بعد امام رازی کے دوسرے اقوال کے مباحث کو اٹھاتے ہیں اور امام موصوف کے مقابلے میں کلام پاک کی روشنی میں اپنی رائے پیش کرتے ہیں اور تائید میں علامہ بیضاوی کا حوالہ دیتے ہیں۔ یقیناً علمی دنیا میں یہ ایک جرأت مندانہ اور مجتہدانہ اقدام ہے۔ ملائکہ کے معبودِ محض ہونے پر نہایت دلچسپ بحث کا آغاز کرتے ہیں جس میں قاری کی دلچسپی آخر تک قائم رہتی ہے۔

مخدوم الملک موضوع کے مختلف مسائل کو حل کرنے میں علم کلام، فقہ اور تفسیر کے چوٹی کے علماء مثلاً شیخ ابومنصور الاشعری، البیضاوی، ابوعبید، ابوہاشم، الواسطی، القشیری، حجۃ الاسلام، الجنید، الباقلانی، قاضی عیاض، ابواسحٰق اور شیخ ابواسحٰق الکلاباذی وغیرہم کے اقوال و آراء زیرِ بحث لاتے ہیں۔ دینی علوم سے متعلق کتب کے حوالوں میں بھی المواقف، طوالع، الصحاح، الکشاف، التیسیر، بحر الحقائق، بدیۃ الہدایۃ، الشفا، تفسیر مدارک التنزیل جیسی عالمِ اسلام کی مشہور و معروف کتابوں کے حوالے درج کرتے ہیں۔

ادبی و تاریخی اہمیت: "عصمۃ الانبیاء" اپنے وقت کی اہم ترین دینی و سیاسی شخصیت کا علمی کارنامہ ہے۔ مغل شاہزادہ مرزا محمد کامران کو اس کتاب کا بطور تحفہ پیش کیا جانا اس بات کا غماز ہے کہ اس کی سیاسی حیثیت بھی ہے۔ صاحبِ اقتدار تک اس موضوع کی اہمیت کو پہنچانا مقصود تھا تاکہ سنی عقائد کی اساس سیاسی بحران کے حالات میں مضبوط سے مضبوط تر ہو سکے۔ خود مرزا کامران کی شخصیت کا ایک پہلو نمایاں ہوتا ہے۔ مخدوم الملک نے اپنی کتاب میں صاحبِ علم و فضل، علم دوست اور عوام میں مقبول بتایا ہے۔

فنی اعتبار سے اس کتاب کا جائزہ لیا جائے تو جیسا کہ میں اوپر لکھ چکا ہوں، علم کلام میں اس خاص موضوع پر پہلو سے لکھی جانے والی ہندوستان کے اندر پہلی عربی کتاب ہے۔ اس کے علاوہ اس دور میں علماء کی تحریروں میں یہ ایک اہم اضافہ ہے۔ شروح و حواشی کے دور میں عربی ادب پر

بَيْنَتُو بِضَاعَتُنَا رُدَّتْ إِلَيْنَا•"

پانچویں دلیل یہ ہے کہ اگر انبیاء کرام گناہ کے مرتکب ہوتے، تو ان کا شمار شیاطین کی پارٹی میں ہوتا، کیونکہ انسان جو بھی گناہ کرتا ہے، وہ وہی ہوتا ہے، جس کو شیطان چاہتا ہے اور وہ اس بات پر خوش ہوتا ہے۔ ہر وہ شخص جس نے شیطان کی رضا میں کوئی گناہ کیا، اس کا شمار شیطان کی پارٹی میں ہوتا ہے اور اس پر خسران کی وعید لازم آتی ہے۔ مگر انبیاء کرام چونکہ اللہ کے ولی ہوتے ہیں، وہ اس کے خاص بندے ہوتے ہیں۔ چنانچہ ان کے بارے میں اللہ کا قول ہے "إِنَّ عِبَادِي لَيْسَ لَكَ عَلَيْهِمْ سُلْطَانٌ" اس کے علاوہ مناجات شیطان کی حکایت اللہ تبارک و تعالیٰ نے یوں بیان کی ہے: "لَأُغْوِيَنَّهُمْ أَجْمَعِينَ إِلَّا عِبَادَكَ مِنْهُمُ الْمُخْلَصِينَ" لیکن ارتکاب گناہ کے بعد یہ خبر صادق نہیں رہتی ہے۔

چھٹی دلیل یہ ہے کہ اگر انبیاء کرام گناہ کے مرتکب ہوتے، تو ان کی گواہی ہم قبول نہیں کر سکتے تھے۔ کیونکہ فاسق کی شہادت بغیر تحقیق غیر مقبول ہوتی ہے۔ جیسا کہ اللہ پاک کا قول ہے: "إِنْ جَاءَكُمْ فَاسِقٌ بِنَبَإٍ فَتَبَيَّنُوا"۔

باب سوم: القصص من هذا الجنس المنسوبة اليهم: یہ باب سب سے طویل ہے اور ۳۸ تا ۱۴۰ اوراق پر مشتمل ہے۔ مخدوم الملک قصص کی اصل حقیقت کا جائزہ تنقیدی شعور کے ساتھ لیتے ہیں اور یہ بتاتے ہیں کہ انہیں من و عن نہیں مان لینا چاہیے۔ ساتھ ہی علماء کرام پر نقد و تبصرہ کرتے ہوئے یہ بتاتے ہیں کہ "البلخی، الاصفہانی، الجبائی اور الرمانی جیسے علما کے آراء سے اجتناب کرنا چاہیے۔ وہ ان حضرات کے اقوال کو رد کر دیتے ہیں۔ ان کے نزدیک ابی بکر القفال اور ابی حامد المقری کے آراء قابل قبول ہو سکتے ہیں۔ مزید برآں قرآن پاک اور حدیث نبوی ہی کی روشنی اصل رہنما ہونی چاہیے۔ مخدوم الملک اس موضوع پر سیر حاصل بحث کرتے ہیں اور اپنی تخریج کا اصول بتاتے ہیں۔ بلاشبہ اس سلسلے میں انہوں نے بیش بہا نکات پیش کئے ہیں۔ قصص کی اولین ماہیت پر بحث کرتے ہوئے امام شہاب الدین تورپشتی کی کتاب "المعتمد فی المعتقد" سے استدلال پیش کرتے ہیں اور حوالہ کے لئے فارسی میں اقتباس کا متن درج کرتے ہیں۔ آگے چل کر صاحب "الکشف والبیان فی تفسیر القرآن" کا بھی حوالہ دیتے ہیں۔ اس کے بعد "نبوت" کی بحث اٹھاتے ہیں اور امام بغوی "معالم التنزیل" کی تفسیر کا حوالہ پیش کرتے ہیں۔ سورہ ہود سے "عصمة الملائکة" کی بحث فرما کر ...

الدّمة كان يجد فی بالخوض فیه وان خاض السابقون المقربون خوضا فصیما الماعانی ان اصعون معهم فاخوض خوضا عظیما - فحاولت ان اؤسس اساس عصمة محمل نبی ورسول واعتمد ما یوثق علیه فی ابتناء الفروع و الاصول، واصرف ظواهرها نسب الیهم من المسموع والمنقول الذی عنهم ما وشی علیهم منها یا باء صحاح العقول بتاویل بدیع موافق المقطوع الدلیل و محتمد صحیح هو شفاء العلیل ودواء الغلیل وهدی الی سواء السبیل ولا یبقی فیه محل القال والقیل الخ "

عہد مغول کی عام انحطاطی فضا میں ایسی سلیس و بلیغ عربی زبان نایاب نہیں تو کمیاب ضرور ہے چنانچہ اس دور کی ہندوستانی تصانیف میں عربی ادب کی ترقی کا جائزہ لیا جائے، تو موضوع اور اسلوب کے اعتبار سے یہ کتاب ایک اہم دستاویز ثابت ہوتی ہے ساتھ ہی ایک ہندوستانی عالم کو دنیائے اسلام میں اعلیٰ مقام عطا کرتی ہے -

گہری نظر رکھنا اور مسائل حاضرہ پر اپنے خیالات کا اظہار ایک بڑا کارنامہ ہے۔ اس لحاظ سے ہندوستان کے اندر علم کلام کے فن پر ایک مستقل تصنیف بڑی اہمیت کی چیز ہے۔

عہد مغول میں عربی زبان وادب کی کمزوری کی فضا عام تھی۔ فارسی اور ترکی زبانوں کے اثرات عوام وخواص پر غالب تھے۔ مخدوم الملک بھی اس عہد کی پیداوار تھے۔ مگر جہاں تک ان کے اسلوب نگارش کا تعلق ہے انہوں نے ہندوستان میں رہتے ہوئے بحیثیت ایک ہندوستانی عالم اور ادیب عمدہ نثر کا نمونہ پیش کیا ہے بخصوصیت سے کتاب کا مقدمہ ان کے اعلیٰ ادبی مذاق کا مظہر ہے۔ انہوں نے اپنے عہد کی انشائی تصنع پسندی سے جو حریری کے اسلوب میں نمایاں ہوتی ہے بہت حد تک پرہیز کیا ہے۔ چنانچہ بدیع اور سجع کا استعمال تو کرتے ہیں مگر اسلوب میں فطری انداز اور میانہ روی کی کوشش کرتے ہیں۔ ازدواج کا استعمال زیادہ ہے۔ کلام میں جزالت بھی ہے۔ قاری لطف زبان اور لذت اِذن پورے طور پر حاصل کرتا ہے۔ مکمل ایجاز کا نمونہ تو نہیں ملتا لیکن عربی لکھنے پر زبردست قدرت کا اظہار ہوتا ہے۔ نمونۂ کلام کے لئے کتاب کے مقدمہ سے ایک اقتباس ملاحظہ ہو:

"انّهٗ (عبد الله) طال ما جال فی صدره ولم يبلغه قدری، من ان اجيل نظری واركض فكری فی ميدان بيان "عصمة الانبياء" وصرف ما نسب اليهم بالافتراء، مما لا يليق بحال الاصطفاء ومقام الاجتباء وخلع اهم لمن انعم بامعان النظر فی تحقيق مبانی الاسلام واتقان الضبط لقواعد علم الكلام لما ان اسراء التقليد المحرومين من التأييد والتسديد يحومون حول اقاصيص الانبياء ويرتعون من زلات الاصفياء من غير ان يفرقوا بين ما هو قريب من الصواب وبين ما هو بعيد، وبين ما هو سديد وبين ما هو ابعد عن المنهج الرشيد، يحرفون الكلم عن مواضعه ويضعون المقال الذلات فی مواضعه ولا يعلمون ما يتفوهون ولا يبالون عرض من يهتكون ويحسبون انهم يحسنون كلا انهم عن الحق لمحجوبون وكنت فی ذلك اقدم رجلاً واؤخر اخرى لما الم بی نفسی بذلك الشروع لكن صدق العزمة واداء شكر النعمة بل الخروج عما وجب لی

قاضی عبدالودود

مطبوعاتِ جدیدہ

فرہنگ آصفیہ (۱)

فرہنگ آصفیہ (= آصفیہ) جلد ۳ کے آغاز میں ترقی اُردو بورڈ کی طرف سے اطلاع دی گئی ہے کہ آصفیہ کی کیا بی "افادیت اور اہمیت" کے پیشِ نظر فیصلہ ہوا کہ اسے فوراً "آفسیٹ کے ذریعے شائع کیا جائے۔ غلط نامہ جو ہر جلد کے آخر میں ہے، حذف ہو اور اس کے مطابق متن درست کیا جائے۔ بورڈ نے جن ۴ جلدوں کا عکس شائع کیا ہے، ان کے بارے میں یہ بتایا گیا ہے:

"جلد سوم ۱۸۹۸ء میں، جلد چہارم ۱۹۰۱ء میں اور جلد دوم ۱۹۰۸ء میں صرف ایک ایک بار چھپی، جلد اوّل ۱۹۱۸ء میں کچھ اضافوں کے ساتھ دوبارہ بھی چھپی تھی۔"

اس سے یہ نہیں معلوم ہوتا کہ جلد ۱ پہلی بار کب چھپی تھی۔ جلد ۱: دیباچہ اور رموز ۱۷ صفحات (= ص)، لغات الف تا ت ص۲ تا ص۶۵۵ (ص = صفحہ)۔ جلد ۲: لغات ٹ تا ف ۳۲۲ ص۔ جلد ۳: لغات س تا ک ۴۷۶ ص۔ جلد ۴: لغات گ تا ی ۳۹۷، خاتمہ وغیرہ ۴ ص۔

مؤلّف آصفیہ سیّد احمد دہلوی ۱۲۶۲ھ میں پیدا ہوئے (دیباچہ ص۱۵)۔ انھیں بقول خود "لڑکپن سے علمِ زبان اور تدوینِ لغات کا "عشق" "تھا۔" لڑکپن کا کھیل کود" اور "ارمان بھری جوانی کا لطف" اگر تھا، تو یہ کام "کہ از دماغ کا فرمنی دربار" وہ اسی کو سمجھے۔ لوگوں نے از راہِ خود نمائی اعتراض کیے۔ مسافرت کے ہاتھوں ماں (کذا) باپ نے بچھڑنا، اولاد نے دنیا سے گزرنا شروع کیا" (دیباچہ ص۳۶، ص۳۷) ایک دوست نما دشمن" نے ۳ ½ ہزار کا پرچہ غصب کر لیے (حاشیہ ۱)۔ بڑھاپا آیا، توانائی نے جواب دیا، بینائی رخصت ہوئی (حاشیہ ۲) "جمع پونجی ختم ہوئی" قرض خواہوں

۱۔ بقول خود فیلن کے "اسسٹنٹ ڈکشنری" (کذا) رہے (دیباچہ ص۳۷)، مگر مؤلف نے یہ نہیں بتایا کہ یہ تعلق منقطع کس طرح ہوا۔ آصفیہ میں فیلن کی لغت پر اعتراضات ہیں، مگر ان کی وجہ سے فیلن کی تنقیص نہیں، اور لوگوں کو جو مؤلف کی جگہ تھی، توہین آمیز الفاظ استعمال کیے ہیں۔ ایک جگہ انھیں "کمسن بچہ گرد دن" کہا ہے۔ ۳ ص۱۳۲۔

۲۔ مؤلف نے تو "کمیں نظر آتے ہوں گی" مگر یہ لغت اصطلاحی کیسی جو اس سے وابستہ تھی، بڑا منحوس ثابت ہوا۔ کئی جن ...

نوادر

میر مونس کا غیر مطبوعہ قطعہ

[قطعۂ ذیل خوشخط لکھا ہوا کتبخانۂ مشرقیہ پٹنہ میں موجود ہے ۔ نواب بہادر ولایت علی خاں سی ۔ آئی ۔ ای عماید پٹنہ سے تھے ، اور میر انیس اور میر مونس کا تعلق "گذری" سے تھا وہ معلوم ہے ۔ نظر بظاہر یہ قطعہ میر مونس ہی کا ہے ۔ شان نزول ظاہر ہے ۔ ق ۔ ع ۔ و]

ہزار شکر کہ نواب آسماں شوکت ۔۔۔ بشوق دیکھ کے دربار شاہ دیں آیا
محبِ شاہ ولایت علی عالی جاہ ۔۔۔ اُتر کے بحر سے مثلِ درِ ثمیں آیا
حیات تازہ ملی ہجر کے مریضوں کو ۔۔۔ یہ آکے کیا کہ مسیح فلک نشیں آیا
ہزار شکر کہ روشن ہوا عظیم آباد ۔۔۔ بصد شرف سوئے منزل مہ مبیں آیا
فراغ حج و زیارت کے بعد جانب ہند ۔۔۔ محبِ آلِ رسولِ فلک نشیں آیا
صدا بلند ہے ہر سمت خیر مقدم کی ۔۔۔ میانِ مجمعِ سادات و مومنیں آیا
ہر اک مقام پہ احباب کہہ رہے ہیں بہم ۔۔۔ چلو کہ تاج فلک رونقِ زمیں آیا
منور چاہیئے تاریخ تہنیت مونس ۔۔۔ کہ قدر دان و سخن سنج و نکتہ بیں آیا

صدا یہ دی در دولت پہ طبع موزوں نے
محل ہے فخر کا نے ساے مکاں مکیں آیا

۱۲۸۸ھ

وضاحت: کتاب نمبر ۲۸۶۵ میں اصل نمبر ۴۲۱ ہے ۔ [illegible]

لغت کو کس طرح کھنڈا ہے کہ نقل کتا کا ایک بڑا حصہ دوسرے لغت کے مشتقات کو شرح کر کے امیر پر سرقہ کا جو الزام لگایا ہے اس کے ثبوت میں وہ یہ کہتے ہیں کہ امیر نے "آنکھ" اور اس کے مشتقات "اور ان کے معانی جو بطور نمونہ چھاپے تھے" یہ مولف نے ارمغان دہلی مطبوعہ ۱۸۸۰ء میں جو کچھ لکھا تھا، اس کی "جو بہو نقل ہے بلکہ لانجا دہلی میں ڈیڑھ برس تک اس کے متعلق "بحث و مباحثہ طبع ہوتا رہا ان کی فرو گذاشت (کذا) دوم تحقیق لغات سے انہیں آگاہ کیا گیا" (دیباچہ ص ۱) "ایک کاکوری (کذا) صاحب" پر بھی چوری کا الزام ہے۔ مولف نور اللغات نے "فرہنگ آصفیہ" میں سے لفظ "بات" اور اس کے مشتقات کی جو بہو نقل بطور نمونہ شائع فرمائی ہے۔ دیباچہ ص ۱

مولف لغت نویسی کے میدان میں قدم رکھنے کے بعد مجبور ہو گئے تھے کہ یہاں کے لیے مخصوص ہو گیا۔ اکبر آباد، بنارس، کانپور، لکھنؤ، میرٹھ، لاہور، کراچی، بمبئی، شاہجہاں پور اور دیوبند وغیرہ کے رہنے والوں کا تو اہل زبان میں شمار ہی نہیں، وہ زباندان ہو بھی جائیں تو اہل دہلی کا لہجہ کہاں سے لائیں گے؟ "اُردو سے صرف الفاظ اُردو مراد نہیں، بلکہ اس کا لہجہ بھی جو اُردو کی اصالت ہے (کذا) اسی میں شمار کیا جاتا ہے" (دیباچہ ص ۳۲) ٹکسالی اُردو ان کے نزدیک صرف دہلی کی اُردو ہے۔ ظاہر ہے کہ لکھنؤ و کاکوری دہلی نہیں، اور وہاں کے باشندوں کو لغت نویسی کا نا اہل قرار دیا جا سکتا ہے، مگر مصیبت یہ آ پڑی کہ دہلی کے ایک ہندو (سن ۱۸۸۶ء میں مخزن المحاورات ایک جلد میں شائع کی)، یہ تو کہہ نہیں سکتے تھے کہ وہ دہلی نہیں، پہلو تہی، ص ۴۵ میں "گھر سے الٹا آنا" کے تحت یہ لکھا کہ "ہمارے نئے محاورہ والی" مسلمانوں کا محاورہ کیا جانیں، اور اسی کو کافی نہ سمجھ کر، خلاف دستور محاورہ مذکور کو دوبارہ ص ۶۲ میں ایک مستقل لغت کی حیثیت سے پیش کیا اور "نئے محاورہ والی" (کا نام کتاب و مولف درج نہیں) پر سرقے کا الزام لگا کر یہ تحریر کیا:

"بلی نے شیر کو سب کچھ سکھایا، مگر پیڑ پر چڑھنا نہیں بتایا۔ اہل زبان اصل اور نقل کا انصاف

۱۔ مولف نے رقیبوں کی تذلیل کی ایک ایسی صورت نکالی ہے کہ شاید ہی کسی اور کو سوجھتی۔ انھوں نے ایک لغت "کتابی چہرہ" وضع کر کے جلد ۳ میں اسے ایک مستقل لغت کی حیثیت سے پیش کیا اور اس کے متعلق لکھا "تصنیف چھپا، پُرانی تصنیف میں تصرف کر کے اپنی تصنیف قرار دینے والا، جیسے ہمارے لغت کے بہت سے چوٹ چاندی نے دہلی اور رام پور وغیرہ میں چھاپے ہیں"

۲۔ دہلی و جالب یہ تحریر میری نظر سے نہیں گزری۔

نے حساب لیا یا معلوم نہیں خود غرض خانہ نشین ہی" انھوں نے جس طرح چاہا تھا، قرض ادا کیا۔ یہ سب کچھ ہوا، مگر "امیر" عشق اپنی جگہ پر رہا۔ پہلے انھوں نے مجموعۂ مصطلحات اُردو تیار کیا۔ مگر اس کے چھپنے کا انتظام نہ ہو سکا۔ یہ اُردو کی ایسی بڑی بات تھی' ان کے عشق نے ان سے وہ کام لیا جس کا جواب دنیا میں شاید ہی ملے۔ یہ ارمغان دہلی کی تالیف ہے "ایک بہت بڑی بسیط لغت مع محاورات و اصطلاحات" تھی جس میں ایک ایک لفظ کی وجہ تسمیہ یا [illegible] کو ملحوظ رکھ کر بقدر معلومات و حسب امکان خداداد قلم فرسائی کی تھی۔ ایک کتاب لغات النساء بھی ان کے قلم سے نکلی۔ مجموعۂ مذکور کے انطباع کا انتظام نہ ہو سکا تھا، تو ارمغان دہلی کے چھپوانے کے لیے ڈیڑھ کہاں سے آتی؟ ناچار قلت نے اس کا خلاصہ تیار کیا اور کئی برس تک ہندوستانی لغات کے نام سے رسالہ نکالتے رہے (ص ۳۶) اس کا پہلا حصہ" اپریل ۱۸۷۸ء میں طبع ہوا (ص ۱)، عشق تھا، تو رقیب بھی پیدا ہو گئے، ان سے مولف کو "بہت سا نقصان پہنچا" دیباچہ ص ۳ میں انھیں "تصنیف کے اچکے" کہا ہے، اور ص ۱ میں ان کے متعلق یہ لکھا ہے:

"تصنیف کے ڈاکوؤں نے۔۔۔ دن دہاڑے ڈاکہ (کذا) ڈالا، لیکن اس خدا کی خدائی کے قربان جائیے جس نے ان نامرادوں کی مرادوں کو انجام پر نہ پہنچنے دیا۔"

"نامرادوں" جمع ہے۔ مگر اس جگہ مراد صرف امیر مینائی سے ہے، جو امیر اللغات کی دو جلدیں شائع کرنے کے بعد نظام سے مدد حاصل کرنے کے لیے حیدرآباد گئے تھے اور وہیں مر گئے تھے۔ ناظرین اس پر تعجب نہ کریں، یہ معاملہ عشق کا ہے اور مشہور مصرع ہے "عشق از این بسیار کردست و کند" یہ بھی پیش نظر رکھیں کہ غلط یا صحیح امیر کی کتاب کے بارے میں ان کی کیا رائے تھی: جلد ۱ میں لفظ "امیر" کے تحت مرقوم ہے:

"برس (دیباچہ ص ۱ میں ڈیڑھ برس) روز تک اکمل الاخبار نے اس کی خاک اڑائی، اور ثابت کیا کہ فن لغت اور ہے اور فن عروض اور۔"

۱۔ مولف نے صراحتہ کہیں نہیں لکھا کہ ارمغان دہلی کا کیا حشر ہوا۔ مگر دیباچہ (ص ۳ تا ص ۱) میں اپنے یہاں آتشزدگی اور اس کی وجہ سے اپنی تصانیف مطبوعہ و غیر مطبوعہ کے ضائع ہو جانے کا ذکر کیا ہے۔ ظاہراً ارمغان دہلی بھی نذر آتش ہوئی۔ مگر بڑی حیرت کی بات ہے کہ اس موقع پر ایسی کتاب کا جو دنیا میں اپنا نظیر نہیں رکھتی تھی، نام نہ لیا۔ اس کے ضائع ہونے کا تو ماتم کرنا تھا، بلکہ ایک روز اس کے لیے مقرر کرنا تھا کہ ہر سال لوگ اُردو کے اس المیے پر رویا کریں۔

جا رہا تھا اس میں بیٹھ [illegible] تک [illegible] سے [illegible] کہ دیکھو دو سروں کو چاہیے [illegible] (دیباچہ ص ۹) [illegible] کے بیان میں مرتبہ کا اختلاف ہے۔ میں نہیں کہہ سکتا کہ کس کو قبول کرنا چاہیے۔

اُنھوں نے مستقل لغات میں جو تمام ہر بحث کی ابتدا میں حروف و حرکات و سکنات مرقوم ہیں۔ مؤلف نے دیباچہ میں حرکات و سکنات کے متعلق جو کچھ لکھا ہے (ص ۱۲) ہر لغات کا تلفظ اسی کے مطابق کیا ہے۔ مؤلف نے ہر لغت (مستثنیات کو قطع نظر کر کے) میں اس کی اصل بتائی ہے، پھر اس کے معنی یا معانی درج کیے ہیں۔ مؤلف نے کہیں نہیں لکھا ہے (کہاں؟ یا صرف بتایا ہے) کہ پہلے لغوی معنی دیے گئے ہیں۔ اگر کوئی ہدایت اس کے خلاف درج نہیں، تو یہ سمجھا جائے گا کہ لغات کی ابتدا میں جو معنی ہیں وہ لغوی ہیں اور مؤلف کے نزدیک اردو میں مستعمل۔ سند کہیں دی گئی ہے، کہیں نہیں۔

مؤلف نے دوسروں پر اعتراض کیا ہے اور معترف ہیں کہ ان سے غلطی ہو سکتی ہے۔ اس سلسلے میں انھوں نے لکھا ہے کہ "بارہا ایسا ہوا ہے کہ جن باتوں پر ابتدا میں لوگوں نے اعتراض کیا ہے، آخر کو تجربے کے بعد وہی ماننی پڑی ہیں، ہم نے عیب چینوں کا خوف کیا، نہ خردہ بینوں کی پرواہ" اس موقع پر جو اشعار دیے گئے ہیں ان میں سے یہ ہیں:

"میں ہوں اشہر بلام اشہر ہے مرا کلام — حاسد کو اعتراض ہو جس کے کلام پر" دیباچہ

"جو ایک عیب ہو دیکھیں ہزار غور سے یار — ستم ہے ان کو ہنر پر نظر کسی کا نہ ہو" ص ۴۹

میرے نزدیک اس میں بکثرت غلطیاں اور فروگذاشتیں ہیں، جن میں سے چند کی طرف ابواب ذیل کے ارباب حل و عقد کی توجہ منعطف کرائی جاتی ہے۔ اگر انھوں نے ثابت کر دیا کہ میں غلطی پر ہوں، تو میں طالب معذرت ہوں گا، ورنہ ابھی اس طرح کی کم از کم ۳ قسطیں اور ہوں گی۔

۲۔ مؤلف[1] نے جو اپنی کتاب کا نام رکھا ہے، اس پر ۲ اعتراض وارد ہوتے ہیں۔ "فرہنگ" بقول مؤلف "کتاب لغات فارسی" مثل فرہنگ رشیدی و فرہنگ جہانگیری وغیرہ ہے (تحت فرہنگ)۔ یہ صحیح ہے تو اردو لغات کا نام فرہنگ آصفیہ کیوں رکھا، اور بحث "گوش" میں اسے فرہنگ ہندی کیوں کہا ہے؟ آصف اور آصفیہ

۱۔ مسلمان کی سند دینی بیکار ہے مگر کہیں کہیں دی گئی ہے کیونکہ صاحب مطالب [illegible] ہو تو پیش کی جائے گی۔ یہ بات کہ مؤلف کے نزدیک اردو [illegible] تھا اور سند پیش کرنا تھا۔ بار بار نہیں لکھا جا سکتا۔ مگر مؤلف کا کوئی قول نقل ہوا ہے اور اس کا صرف ایک حصہ پر اعتراض ہوا ہے تو یہ نہ سمجھا جائے کہ میرے نزدیک اور کوئی بات قابل اعتراض نہیں۔

کر سکتے الٰہ جو لغات خاص مسلمانوں کی رسوم وغیرہ سے متعلق ہیں؛ ان میں غور فرما سکتے ہیں کہ کون کہاں کہاں گرا، اور کون کہاں بازی لے گیا"۔

مولف کے دوست اور آصفیہ کے تقریظ نگار جناب افصح الفصحا ابلغ البلغا خواجہ مولوی (کذا) الطاف حسین حالی" نے بات بالکل صاف کر دی اور لکھا کہ "جامع ڈکشنری" تالیف کرنے والے کے لیے "دہلی کا شریف مسلمان" ہونا ضروری ہے"۔

یہ دکھانے کے لیے کہ آصفیہ میں کیا کیا ہے، مولف نے دیباچے کی کم و بیش ۴۰ سطریں لی ہیں اور بقول خود نہ صرف "فلولجی" بلکہ "فلاسفی" سے بھی بہت کچھ مدد لی ہے، اور "آصفیہ" "اکثر مزیدی واقعات، اصطلاحات، مختلف تحقیقات و حالات کے لحاظ سے" انسائیکلوپیڈیا یا ان اُردو کا حکم رکھتی ہے"۔ اور جو باتیں اس سلسلے میں مولف کے قلم سے نکلی ہیں، ان میں سے بعض یہ ہیں:

"ہندی لغتوں کے مادہ (کذا) کی تحقیق اکثر بیت سنسکرت، پالی، پراکرت زبان سے لے کر فارسی تک جہاں سے ان دونوں کا ایک ہونا ثابت ہے، کی ہے۔ اور اگر ہندوستانی قدیم زبان کا کوئی لفظ آیا ہے، تو اسے بھی بتا دیا ہے کہ یہ سنسکرت کے رواج سے پہلے کی نشانی ہے۔ فلولجی یعنی علم زبان کے ذریعہ (کذا) سے جن الفاظ کا متحد ہونا ثابت ہوتا ہے، انھیں بالتفصیل مع دلائل لکھ دیا ہے۔ اسی طرح فارسی الفاظ کا زبان ژند، پاژند اور دساتیر تک سے سراغ لگایا ہے"۔ ترکی الفاظ میں جو تغیر ہوا ہے، اس کا ذکر بھی کیا ہے۔

مولف نے یہ دکھانے کے لیے کہ آصفیہ میں کیا نہیں ہے۔ صرف ۱۲ سطریں ہیں۔ ہاں اگر چھوڑا ہے، تو مغلظات اور فحش چھوڑا ہے"۔ میں جن الفاظ کو فحش سمجھتا ہوں، ان میں سے شاید ہی کوئی ہو جو آصفیہ میں نہ ہو۔ ظاہر ہے کہ مولف کے نزدیک فحش نہیں ہیں۔ ان کی خاص توجہ ایک لفظ پر ہے جو کاف فارسی سے شروع ہوتا ہے، جلد ۴ ص ۳ تا ص ۱۰ پر کم و بیش ۵۰ مستقل لغات ہیں، جن کا آغاز اس سے ہوتا ہے۔ ان میں سے ایک کے لیے راحت اور ۲۳ لیے چرکیں کے اشعار بطور سند پیش ہوئے ہیں۔

بعد کی طرف سے مجلدات آصفیہ کے زمانۂ اشاعت کے متعلق جو اطلاع دی گئی ہے، وہ تشریح کے آغاز میں یہ ہے۔ مولف نے لکھا ہے کہ ارمغان دہلی کا خلاصہ ایک ماہانہ رسالے کے طور پر پہلی بار اپریل ۱۸۷۸ء میں شائع ہوا۔ ۱۸۸۸ء میں شائع شدہ حصے جلد ۱ و جلد ۲ میں تقسیم کر دیے گئے۔ اس کے بعد بڑی تقطیع پر جلد ۳ و ۴ بہ ترتیب ۱۸۹۸ء اور ۱۹۰۱ء میں شائع ہوئیں۔ جلد ۱ و ۲ چھوٹی تقطیع پر چھپی تھیں۔ بعض حکام عالیشان کے کہنے سے بڑی تقطیع پر چھپیں،

کسرۂ تا کے ثبوت میں پیش ہوا ہے، اگرچہ اس موقع پر مزید صحتِ شعر کے باعث بکسرِ تا قافیہ باندھ دینا جائز خیال کر سکتے ہیں۔ یہ ضرورت کی کسی خاص حرکت کے ثبوت میں وہی شخص پیش کر سکتا ہے جو فنِ قافیہ سے ناواقف ہے۔ اس شعر میں شین حرفِ روی ہے اور حرفِ وصل "م" سے مل کر متحرک ہو گیا ہے۔ صاحبانِ المعجم فی معاییر اشعار العجم و معیار الشعرا اور جامی وغیرہ کا اس پر اتفاق ہے کہ حرفِ قبلِ روی (اس شعر میں "ت") کی حرکت داخلِ قافیہ نہیں۔ اس لیے اگر ایک مصرع میں یہ مفتوح ہے تو دوسرے میں اس کا مفتوح ہونا ضروری نہیں، یہ مضموم یا مکسور بھی ہو سکتا ہے۔ کسی شخص نے اس سے اختلاف کی جرأت کی تو صاحبانِ المعجم وغیرہ کو آڑے پیش ہوں گے۔

(۱۰) توا باہ (یہ صریحاً غلط طباعت، صحیح توباد) "اُردو" اس کی سند میں یہ مطلع درج ہے جس کے مصنف کا نام مولف کو معلوم نہیں، شعر دیوانِ معروف میں ہے، مگر اس وقت یہ پیشِ نظر نہیں، "تذکرۂ مسرت" میں ان کی طرف منسوب ہے۔ یہ توباہ کی سند نہیں ہو سکتا۔ "آصفیہ" میں دونوں مصرعوں کا آخری لفظ بھی ہے، مگر دیوان و تذکرہ میں اس کی جگہ "تو بہ" ہے۔

(۱۱) وادیِ عشق کی راہیں کوئی ہم سے پوچھے   خضر کیا جانے غریب اگلے زمانے والا

یہ شعر "اگلے زمانے والا" کی سند میں ہے تو اس طرح مرقوم ہے اور اس کے متصل بعد دوسرا مصرع اس پیش مصرع کے ساتھ ہے "راہ حق رندِ خرابات سے جا کر پوچھو" (دونوں شکلیں بدونِ نامِ شاعر)۔ "وادیِ عشق الخ" "وادی" کی سند میں بھی آیا ہے اور میر کی طرف منسوب ہے۔ یہ کہیں اور میر کے نام سے منسوب نہیں۔ یہ صبا لکھنوی شاگردِ آتش کا ہے، اور ان کے دیوان ص ۱۲۲ میں اس کی پہلی شکل موجود ہے۔ (مطبع نامی لکھنؤ ۱۸۸۹ء)

(۱۲) یہ سنبھلا آسماں سے عشق کا بوجھ   ہمیں ہیں یہ جو گردن بھانتے ہیں

جلد ۴ ص ۲۳۲ بنام سودا۔ دیوانِ قائم ص ۱۱۹ میں اس اختلاف کے ساتھ کہ "جو" یہ بجائے "یہ جو"۔

(۱۳) "مژگاں تر ہوں یا رگِ تاک بریدہ ہوں۔ جو کچھ کہ ہوں سو ہوں غرض آفت رسیدہ ہوں" ص ۱۸۱ بنام سودا۔ سودا کی ایک غزل ہے جس کے مقطع میں "ہوں" کی ضمیر ہوتی ہے۔ پیش مصرع یہ ہے: "میں کیا کہوں کہ کون ہوں سودا بقولِ درد" "مژگاں الخ" دیوانِ درد ص ۲۹ میں ہے، مگر یہاں اس سے غلط نہ ہو کہ خود یہ بحث سودا کا نیا یہ فکر قرار دیا جائے۔

(۱۴) "ہم نے چاہا تو دیکھو یا تو بگڑ کو   کیسی تیرا انداز ہو سیدھا تو کر لو تیر کو"

جہاں بھی حرکت صاد کے ساتھ ہے یہ حرکت کسرہ ہے۔ حالانکہ ان کی سندات سے یہ کہ یہ لفظ ہے چراغ ہدایت، فرہنگ
نفائس، وکشف (وغیرہ) میں اسی طرح ہے۔ اور امیر (= امیر اللغات) کا بھی یہی حال ہے۔ اس میں کاف مد اللہ
آصفیہ و آصفیہ ایک ایک جگہ مفتوح الصاد ہیں اور کہیں بکسرۂ صاد نہیں، یہ اسکے خلاف بتاتا ہے کہ اردو میں
کسرہ ہے، اگر مولف کا یہ خیال تھا، تو اسے صراحۃً لکھنا تھا اور سند پیش کرنی تھی۔

(۳) شاعر عروض جاننے والا ہو۔ چونکہ پہلے یہ آ رہا ہے، اسی لغوی معنی سمجھنا چاہیے اور شعر کہنے والا۔ اگر اس کے معنی
صرف شاعر ہے، جو صرف شعر کہنے والی کہا ہے۔ مونث ہونے سے لغوی معنی کس طرح بدل گئے؟ شاعر کے لغوی معنی
"دریابندہ" ہیں۔ شاعر کے لیے عروض دانی مطلقاً ضروری نہیں۔ رومی کا شعر ہے:

من ندانم فاعلاتن فاعلات شعر میگویم بہ از آب حیات

(۴، ۵) تسنید "اصطلاح عروض میں بلا توضیح الفاظ کا بٹھانا" تضمین "اصطلاح عروض میں مشہور مصرع
یا شعر کو اپنے کلام میں داخل یا چسپاں کرنا۔ دوسرے کے شعر پر مصرعے یا بند لگانے" ان دونوں کو عروض سے کچھ تعلق نہیں۔

(۶) تیرہویں صدی ہجری سنہ ۱۲۰۱ کا زمانہ ہے (کذا) "جس کو اس وقت سنہ ۱۳۲۲ ہجری ہے
صحیح ہے تو وہ لوگ جو یہ سمجھتے ہیں کہ پہلی محرم سنہ ۱۳۰۱ سے چودھویں صدی شروع ہوگی، غلطی پر ہیں۔

(۷) سنبل۔ خواجہ وزیر۔ ذ۔ "عجیب ہے کہ سنبل بر وزن بلبل کو بائے تازی موقوف کے ساتھ نہیں
معلوم کس استاد کی تحقیق یا سند کے موافق باندھا، یا الزام لگایا ہے" شعر جس طرح آصفیہ میں ہے، بالکل اسی طرح
دیوان وزیر صفحہ ۲۳۱ میں بھی ہے (طبع مصطفائی ۱۲۸۲ھ) اس میں نب ساکن ہے، نقل کر لیے۔ اعتراض بالکل لاحاصل ہے۔

(۸) بروز حشر الٰہی چو نامۂ عملم کنند باز کہ آن روز بار خواہی ماست
بکن مقابلہ آن را ز سرنوشت ازل اگر زیادہ و کمی باشد آن گناہ من است

آصفیہ صفحہ ۳۲۳ میں بعنوان "رباعیات سرمدی" ۸ قطعات ہیں، گر مولف کے نزدیک یہ "دو ایک" ہیں،
آٹھ کو شاید ہی کسی نے "دو ایک" کہا ہو۔ اسی طرح ایک قطعہ کو جس کی بیت اول غیر مصرع ہے اور جو بحر
کے وزن رباعی میں نہیں، شاید ہی کسی نے رباعی کہی ہو: میرا خیال ہے کہ کسی اور شخص نے سرمد کی طرف منسوب کیا!
مخزن الغرائب میں یہ قطعہ رفیق کشمیری سے منسوب ہے۔

(۹) نگفت آتش من جام آتشم اندکا تا تو بہ بینی (یعنی) تابشم
بحث "آتش" میں ہے کہ رومی نے اس شعر میں تا تا آتش کو مکسور باندھا ہے اور فرہنگ جہانگیری میں

قاضی عبدالودود (بایوشلا)

تصحیح و اضافہ
کلّیات انوری

کتب خانۂ خدابخش کے فارسی مخطوطات کی توضیحی فہرست کی جلد ا صفحہ ۳۵

کلّیات انوری کے اس نسخے کا زمانۂ کتابت جو اس کے آخر میں درج ہے، رجب سنہ [illegible]ھ ہے۔ فہرست نگار نے اس کی ظاہری حالت سے یہ نتیجہ نکالا ہے کہ سولہویں صدی کا ہے، مگر انھوں نے یہ نہیں بتایا کہ اصلاً سنہ [illegible]ھ نہ تھا، سنہ [illegible]ھ یا سنہ [illegible]ھ تھا، یہ رائے ڈاکٹر عابد رضا بیدار کی ہے اور میں اس سے متفق ہوں۔

اس سلسلے میں یہ امر قابل توجہ ہے کہ ذال فارسی کے متعلق کاتب کا وہی مسلک ہے، جو نویں صدی اور اس کے بعد کا ایرانیوں کا ہے، یعنی یہ کہ باستثنای الفاظ چند (مثل گذاشتن، پذیرفتن، آذر، وغیرہ) کل الفاظ جو پہلے ذال سے لکھے جاتے تھے، دال سے لکھے جائیں۔ آٹھویں صدی تک کا کلیہ قاعدہ تھا کہ حرف ماقبل اگر صحیح اور ساکن نہ ہو تو دال ہے، ورنہ ذال۔ اس قاعدے کے مطابق شاد، بود، دید، بُرد (بفتحۂ را) رود (بفتحۂ واو) وغیرہ ذال سے لکھے جاتے تھے۔ خود انوری کی ایک رباعی ہے، جس میں ذال پر ختم ہونے والے فارسی الفاظ کا قافیہ دال پر ختم ہونے والا عربی لفظ آیا ہے اور انوری نے اس کا ذکر کیا ہے۔ یہ رباعی کلّیات کے نسخۂ زیر بحث میں نہیں مگر کل دوسرے قلمی اور مطبوعہ نسخوں میں جو میری نظر سے گذرے ہیں، موجود ہے:

دستت بسخا چون ید بیضا بنموذ — از جود تو در جہان جہانی افزوذ
کس چون تو سخی نہ هست و نہ خواہد بوذ — گو قافیہ دال شو، زہی عالم جود

حافظ (ماتہ ۸) نے قوام الدین محمد (سال قتل، بقول قزوینی حاشیۂ دیوان مرتبۂ قزوینی و قاسم غنی، ۷۶۴ھ) کی موت کی تاریخ "امید جود" سے نکالی ہے:

تاکس امید جود ندارد دگر ز کس — آمد حروف سال وفاتش "امید جود" صفحہ ۳۶۶

اس سے ۷۶۴ اسی صورت میں نکل سکتا ہے کہ امید کا حرف آخر ذال معجم ہو، دال مہملہ ہو تو اس سے صرف ۴۰۶ مستخرج ہوگا۔ حافظ کے یہاں اس شعر کا وجود اس پر دلالت کرتا ہے کہ نسخۂ زیر بحث کم سے کم حافظ کے بعد کا ہے۔

●●

غالباً وزیر کا یہ مطلع ان کے دیوان ص۱۷۸ میں ہے اسی بہت مشہور ہے۔ آب حیات میں ایک جگہ بنام وزیر دوسری جگہ بنام ناسخ۔

(۱۵) آمد آمد میں ہے جو لعل ملک کو خبر نہیں　　خورشید کیا ہے اس کو فلک کو خبر نہیں

بموجب شمس البیان و لغت کشمیری باد نی اختلاف شعر تجرد، مگر صاحب آب حیات جو بہت (کذا) مستند اساتذہ کا سمجھا، بلکہ خضر سمجھتے ہیں، وہ حضرت سودا کا بتاتے ہیں۔ ہم ذیل میں انھیں کے موافق نقل، د عیار بھی لکھ" ۲ ص۲۵۵۔ کلیات مطبع دہلی میں جو مؤلف کے زمانے میں چھپا اور سہل الحصول تھا، ن" کی غزلیں ص۲۳۸ تا ص۲۵۷ میں ہیں، اور ص۳۰۱ میں بعنوان "افراد" جو اشعار ہیں، ان میں سے پر ختم ہوتی ہیں۔ کلیات کی طرف رجوع کر کے یہ دیکھنے میں کہ مطلع زیر بحث اس میں ہے یا نہیں چند منٹ صرف ہوتے۔ مگر مؤلف کو اس کی ضرورت محسوس نہیں۔ کلیات کے کسی مطبوعہ یا قلمی نسخے میں (اور ان نسخہ شائع کردہ پروفیسر محمد حسن) یہ مطلع نہیں اور میرے علم میں باستثنائے مؤلف دو آزاد کوئی ایسا نہیں جس نے اسے سودا کی طرف منسوب کیا ہو۔ شمس البیان، طپش کی تالیف ہے جو آزاد کی ولادت قبل فوت ہو چکے تھے اور طپش سے بھی پیشتر گردیزی، میر اور قائم کے لکھے ہوئے تذکروں میں بنام تجرد موجود ہے۔

(۱۶) دلی کے کجکلاہ لڑکوں نے　　کام عشاق کا تمام کیا
کوئی عاشق نظر نہیں آتا　　ٹوپی والوں نے قتل عام کیا

دیباچہ ص۵۱ میں ہے " میر تقی نے بھی ان کجکلاہوں کو نادر شاہی۔ قزلباشوں سے تشبیہ دی ہے، چنانچہ یہ قطعہ ہے " دلی کے کجکلاہ الخ" ۲ ص۱۲۲ اور ۲ ص۲۷۹ میں قطعہ بنام میر اور ۳ ص۲۴۷ میں اس کا بیت اول کلیات میر (دیوان ۱ ص۱۳۱) میں یہ قطعہ موجود ہے، مگر اس سے قبل یہ بیت ہے، جس سے قطعی طور پر یہ ثابت ہو کہ قطعہ پیام کا ہے۔ (نکات الشعرا میں بھی بنام پیام موجود ہے۔ (طبع قبل، انجمن ترقی اردو ص۱۲۹)

ہو گیا دل مرا التزک جب　　وہ دیہ ار ہے یہ کہنے میں آ ... قتل عام کیا

(۱۷) قسمت تو دیکھ ٹوٹی ہے جا کر کہاں کمند　　دو چار ہاتھ جب کہ لب بام رہ گیا

۳ ص۱۲۸ میں بنام ذوق کسی اور نے اسے ذوق سے منسوب نہیں کیا اور دیوان ذوق میں بھی نہیں ہے۔ مشہور ترین شعر ہے اور اس فرق کے ساتھ دیوان ... میں موجود ہے کہ " ... کچھ دور اپنے ہاتھ سے جب بام رہ گیا

In this playhouse of infinite forms
I have had my play and here have I
caught sight of him that is formless.

My whole body and my limbs have
thrilled with his touch who is beyond
touch; and if the end comes here let it
come – let this be my parting word.

Rabindranath Tagore

Dec. 2. 1913

مطبوعات کتابخانۂ خدابخش، پٹنہ

۱- مرآۃ العلوم: فہرست مجمل نسخہای خطی فارسی (بزبان فارسی) ۳ مجلدات : ۴۰ روپیہ

۲- مفتاح الکنوز: فہرست مجمل نسخہای خطی عربی (بزبان عربی) ۳ مجلدات : ۴۵ "

۳- فہرست مجمل نسخہای خطی اردو (بزبان اردو) : ۵ روپیہ

۴- " توضیحی مخطوطات عربی: قرآنیات (بزبان انگریزی) ۲۵ "

۵- " توضیحی مخطوطات فارسی (شعرا): جلد اوّل : (فردوسی تا حافظ) " " "

۶- " توضیحی مخطوطات فارسی (شعرا): جلد دوم : (کمال خجندی تا فیضی) " " "

۷- " توضیحی مخطوطات فارسی (شعرا): جلد سوم : (۱۷ ویں تا ۱۹ ویں صدی) " " "

۸- " توضیحی مخطوطات فارسی (شعرا - تاریخ) : ضمیمہ " " "

۹- " توضیحی مخطوطات فارسی (تاریخ ہند) " " "

۱۰- خدابخش لائبریری: ایک تعارف (انگریزی) ایک "

۱۱- دیوان مصحفی (ہشتم) قدیم اور منفرد نسخہ کی عکسی اشاعت: ۲۰ "

۱۲- دیوان حافظ (نسخۂ شاہان مغلیہ) " " : (زیر طبع)

زیر طبع:-

۱۳- دیوان موبد (فارسی) : از ذوالفقار موبد، صاحبِ دبستانِ مذاہب

۱۴- لغت بھاشا بفارسی : از مرزا خان (عہد عالمگیر)

SURGERY

132. *Al-'Umdah fī Ṣanā'ah al-Jirāḥah*, by Yāqūb bin Isḥāq al-Kir' an-Naṣrānī (d. 685 A.H.) 305 f. Transc. date circa 10th centur A.H. (No. 63)

EPIDEMICS

133. *Al-Badhl al-Mā'ūn fī daf' aṭ-Ṭā'ūn*, by Aḥmad bin 'Alī bi Ḥajar al-'Asqalānī (d. 852/1449) 46 f. Transc. date 840 A.H An autograph copy of a work dealing with the origin o plague with reference to Ḥadīth. (No. 384)

When I go from hence let this be my parting word, that what I have seen is unsurpassable.

I have tasted of the hidden honey of this lotus that expands on the ocean of light and thus am I blessed — let this be my parting word.

In this playhouse of infinite forms

PHYSICS

118. *Yatīmat al-'Aṣr fī al-Madd wa'l-Jazr*, by 'Abdalqadīr bin Aḥmad bin 'Alī bin Mīmī, (d. 1085/1674) 62 f. Transc. apparently 8th century A.H. (No. 2401)

MATHEMATICS

119. *Maqālah fī Ṭarīq at-Taḥlīl wa at-Tarkīb wa Sā'ir al-A'māl fī al-Masā'il al-Handasah*, by Ibrāhīm bin Sinān (d. 335/946) 20 f. Transc. date 631 A.H. (No. 2468/3)

GEOMETRY

120. *Risālah fī Khawāṣṣ al-Muthallath min Jihat al-'Umūd*, by Abū 'Alī Ḥasan bin Hasan bin Haitham al-Baṣri (d. 430/1038) 4 f. Transc. date 631 A.H. A rare treatise on properties of triangle in the context of perpendicular. (No. 2468/33)

121. *Risālah fī Istikhrāj al-Awtār*, by Abū ar-Raiḥān Muḥammad bin Aḥmad al-Bīrūnī (d. 5th century A.H.) 4 f. Transc. date 631 A.H. A rare treatise on diagonals. (No. 2468/42)

MILITARY SCIENCE

122. *Al-Hidāyah fī 'Ilm ar-Rimāyah*, Murhif bin 'Abdalkarīm (d. 4th century) 37 f. Transc. apparently 6th century A. H. A rare copy on archery enabling a person to master it without a teacher. (No. 2771/3)

ASTRONOMY

123. *Darajāt al-Kawākib*, by Muḥammad & Aḥmad bin Mūsā bin Shākir (d. 259/872) 30 f. Transc. apparently 12th century A.H. A rare work on astronomy expounding the properties of the seven planets, their temperaments, the penetrating influences of the stars and other points relating to the signs of the Zodiac. (No. 2476)

124. *Nihāyah al-Idrāk fī Dirāyah al-Aflāk*, by Quṭbaddīn Maḥmūd bin Mas'ūd ash-Shīrāzī (d. 710/1310) 212 f. Transc. date 689 A.H. A valuable work written during the life time of the author. It was also once inspected by the author. (No. 2452)

125. *Nuzhah an-Nāẓir fī Taṣḥīh uṣūl Ibn ash-Shāṭir*, by Shihābaddīn Aḥmad bin Ibrāhīm (d. 859/1454) 112 f. Transc. apparently 9th century A.H. An old copy of an annotation on *Zīj Ibn ash-Shāṭir* with the addition of useful astronomical observations made by the author. (No. 2465)

126. *Tashīl Zīj al-A'shārī ash-Shahanshāhīyah*, by Muḥammad bin Ma'rūf bin Aḥmad al-Asadī (d. 10th century) 95 f. An autograph copy of a work containing astronomical observations of the author, composed in 988 A.H. for Sulṭān Murād III of the Ottoman dynasty. (No. 2466)

127. *Faṣl min Kitāb fī Kurrīyat as-Samā'*, by Amīr Abū Naṣr Manṣūr bin 'Alī bin al-'Arrāq (d. 4th century A.H.) 4 f. Transc. date 631 A.H. (No. 2468/22)

128. *Al-Qisṭās*, by Kundan Lal Ashkī (flourished in the 13th century A.H. in Delhi) 36 f. Transc. date 1237 A.H. An autograph copy of a treatise on astronomy. (No. 2461)

129. *Kitāb al-Mudkhal*, by Abū as-Ṣaqar 'Abdal'azīz bin Uthmān al-Qabīṣī (d. after 370/980) 39 f. Transc. apparently 9th century A.H. A very useful and unique work on astrology, composed for Amīr Saifallāh. (No. 2478)

MUSIC

130. *Manẓūmah fī al-Anghām*, by ash-Shaikh Shamsaddīn aṣ-Ṣaidāwī, (d. 4th century A.H.) 19 f. Transc. apparently 9th century A.H. A metrical essay on the science of music, with illustrating tables and charts. (No. 2821/2)

BOTANY

131. *Mukhtaṣar Kitāb al-Falāhah*, by Abū Bakr bin Aḥmad bin 'Alī bin Qais, (d. 4th century) 342 f. Transc. apparently 12th century A.H. An abridgement of *al-Falahah an-Nabātīyah*, a valuable work on Botany translated into Arabic in 291 A.H. (No. 2500)

of the male and female traditionists, under whom the author received his education and from whom he obtained Sanad (No. 727)

106. *Ad-Durr ath-Thamin fi Manāqib ash-Shaikh Muḥyīaddīn*, by Abu'l Ḥasan 'Alī bin Ibrāhīm bin 'Abdallāh bin Ibrāhīm bin Yūsuf al-Qārī al-Baghdādī (d. 9th century A.H.) 10 f. Transc apparently 12th century A.H. An old copy on the life of Ibn al-'Arabī. (No. 750)

RHETORIC

107. *Dustūr al-'Ulamā*, by 'Abdannabī (d. 12th century A.H.) 510 f. Transc. apparently 12th century A.H. A unique copy of a dictionary of the technical terms of all the branches of Arabic literature. The author belonged to the district of Aurangabad in South India. (No. 2010)

108. *Sharḥ al-Miftāḥ*, by Sa'daddīn at-Taftāzānī (d. 791/1388) 251 f. Transc. apparently 9th century. An old copy of a commentary on the third part of *Miftāh al-'Ulūm* of as-Sakkākī. The commentator is the author of the famous book, '*Mukhtaṣar al-Ma'ānī*'. (No. 2145)

GRAMMAR

109. *Al-As'ilah Wa'l Ajwibah*, by 'Abdarraḥmān bin Abī Bakr as Suyūṭī (d. 911/1505) 3 f. Transc. date 1100 A.H. A rare copy of a work on grammar and other miscellaneous issues. (No. 2774/41)

ESSAYS

110. *Al-Maqāmāt fī Jamī' al-Wuḥūsh*, by Ḥasan bin 'Umar bin Ḥabīb ad-Dimashqī (d. 779) 60 f. Transc. apparently 12th century A.H. A rare copy of a work in elegant prose dealing with the zoological description of animals and birds. (No. 2773/38)

111. *Al-Maqāmāt al-'Abbāsīyah*, by Abdarraḥīm bin Aḥmad al-'Abbāsī al-Qāhirī (d. 963/1555) 43 f. Transc. date 1012 A.H. A rare copy beginning with a lengthy introduction in which the author narrates the hardships of life and scarcity of friends and family. (No. 2810/1)

POETRY

112. *Al-Manẓūmah*, by 'Abdalmu'min bin Ḥusain bin Ḥasan, commonly called Abū as-Saffār (d. 7th century A.H.) 234 f. Transc. apparently 8th century A.H. A valuable copy of a poetical version of the famous work, *'Kalīlah wa Dimnah'* of 'Abdallah bin Muqaffa'. (No. 2643)
113. *Dīwān Ibn ad-Durrānī*, by Muḥammad bin Nūrraddīn bin Muḥammad ad-Dimashqī, known as Ibn ad-Durrānī (d. 1065/1655) 18 f. Transc. date 1074 A.H. A rare copy of the Dīwān containing lyrical poems, Qaṣīdah, versified letters and other forms of verse composition. (No. 2795/3)

ENCYCLOPAEDIA

114. *Subḥat al-Marjān fī Āthār Hindūstān*, by Mīr-Ghulām 'Alī Azād al-Ḥusainī al-Bilgrāmī (d. 1199/1784) 149 f. Transc. date 1180/1767. An autograph copy of an encyclopaediac work on India; also contains biographical notices of eminent scholars of India. (No. 811)
115. *Madīnat al-'Ulūm*, by Irnīqī (d. 10th century A.H.) 149 f. A rare copy of an encyclopaedia containing brief descriptions of 341 branches of learning. (No. 2334)

EDUCATION

116. *Ba'th ad-Dawā'ī wa'l-Himam 'alā Ṭalab al-'Ulūm wa'l-Ḥikam*, by 'Alī bin Ibrāhīm bin Abī Bakr ad-Dimyāṭī, 34 f. Transc. apparently 12th century A.H. A rare copy of a work on ethics, dealing with knowldge, its beauties, mode of teaching and learning and other connected points. (No. 2829/2)

POLITICAL SCIENCE AND PUBLIC ADMINISTRATION

117. *Tahdhīb ar-Riyāsah wa Tartīb as-Siyāsah*, by Abū 'Abdallāh Muḥammad bin 'Alī bin Ḥasan al-Qal'ī (d. 630 / 1233) 81 f. Transc. date 1001 A.H. A rare and unique copy of a work on politics, expounding the duties of kings and their subjects and other connected points. (No. 2656)

METAPHYSICS

92. *At-Taḥṣīl*, by Abu'l Ḥasan Bihmanyār (d. 430/1038) 134 f. Transc. apparently 11th century A.H. A rare copy of a useful work containing explanations of terms used in Logic, Physics, and Metaphysics, and expounding important points of those branches of learning. The author, the favourite pupil of Avicenna, is a Zoroastrian scholar and a distinguished philosopher. (No 2230)

93. *Sharḥ Ḥikmat al-'Ain*, by Muḥammad bin Mubārak Shāh al-Bukhārī (d. 8th century A.H.) 248 f. Transc. date 755 A.H. An autograph copy of a well known commentary on *Ḥikmat al-'Ain*. (No. 2380)

94. *Miftāḥ ash-Shifā*, by Aḥmad al-'Alawī (d. 1040/1630) 349 f. Transc. apparently 12th century. A rare copy of a detailed gloss on *'Ilāhīyāt ash-Shifa* of Avicenna on Metaphysics, composed by a distinguised Shī'ah scholar in the reign of Shāh 'Abbās of Iran. (No. 2229)

LOGIC

95. *At-Talkhīṣ*, by al-Fārābī (believed) (d. 339/950) 141 f. Transc. apparently 11th century. A rare copy of the abridgment, with occasional annotations, of an Arabic translation of Aristotle's work on Logic (tr.) by Ḥunain bin Isḥāq. No other copy of the work is known to exist. (No. 2237)

96. *Sharḥ at-Tahdhīb*, by 'Abdalḥayy al-Ḥusainī (d. 10th century A.H.) 113 f. Transc. apparently 10th century A.H. A valuable autograph copy of a commentary on *Tahdhīb al-Manṭiq* of 'Umar at-Taftāzānī. (No. 2300)

97. *Al-Ḥāshiyah 'alā Ḥāshiyah as-Sayyid 'Abdalḥaq Anṣārī*, by Mullā 'Abdalḥakīm as-Siyālkūtī (d. 1068/1656) 174 f. Transc. date 1064. A valuable copy of annotations on the gloss of Sayyid Sharīf, composed and transcribed during the life-time of the author. It was dedicated to Emperor Shāh Jahān (No. 2253)

98. *Al-Ḥāshiyah 'alā Ḥāshiyah Sharḥ Maṭāli' al-Anwār*, by 'Abdalḥakīm as Siyālkūtī (d. 1067/1656) 131 f. Transc. before 1067 A.H. A rare copy of a rare annotation of the gloss of, Sayyid Sharīf, transcribed during the life time of the author. (No. 2263)

99. *Sullam al-'Ulūm*, by Muḥibballāh bin 'Abdashshakūr al-Bihārī (d. 1119/1707) 72 f. Transc. date 1110. A very reliable and beautiful copy on logic, written during the life-time of the author. (No. 2313)

HISTORY

100. *Aḥādīth Hawāzin wa Ghaṭafān*, 77 f. Transc. date 1031 A.H. A copy of a rare work, by an anonymous author, wrongly entitled as *al-Iklīl*, containing the history of war between the Yamanī tribes of Hawāzin and Ghaṭafān and their clans 'Abs and Dhubyān. (No. 1111)

101. *At-Tārīkh al-Islāmī*, by Qāḍī Shihābaddīn Abū Isḥāq Ibrāhīm bin 'Abdallah bin 'Abdalmun'im al-Hamadānī (d. 642/1244) 197 f. Transc. apparently 7th century A.H. A rare copy of a valuable chronicle of Islam. (No. 964)

102. *Ibtisām al-Azhār fī Riyāḍ al-Akhbār*, by 'Abdassalām bin Ibrāhīm bin Ibrāhīm al-Laqānī al-Mālikī (d. 1078/1668) 219 f. Transc. date 1046/1637. An autograph copy of a work on the life of Prophet Muḥammad, complete in two volumes. (No. 1031-32)

103. *Al-Kifāyah wa I'lām al-'Uqūd al-Lu'lu'īyah*, by Abu'l Ḥasan 'Alī bin al-Ḥasan bin al-Wahhas Khazrajī az-Zabīdī (d. 812/1409) 246 f. Transc. apparently 10th century A.H. The fourth and fifth Bāb of a rare work on the history of Yemen, from the beginning of Islām to 803 A.H., arranged according to kings or dynasties. (No. 1097)

104. *Tuḥfah az-Zaman fī Tārīkh Sādāt al-Yaman*, by Abū 'Abdallāh al-Ḥusain bin 'Abdarraḥmān bin Muḥammad al-Ḥasanī, called al-Ahdal (d. 855 A.H.) Transc. apparently 12th century A.H. An abridgment of *As-Sulūk fī Ṭabaqāt al-'Ulamā wa al-Mulūk* of Muḥammad bin Yūsuf al-Janadī. On Yemen. (No. 805)

BIOGRAPHY

105. *Al-Mu'jam*, by Najmaddīn 'Umar bin Muḥammad bin Muḥammad bin Fahd al-Makkī al-Athārī (d. 885/1480) 309 f. Transc. date A.H. 906. A valuable copy of a biographical dictionary

THEOLOGY

75. *Al-Kitāb fi 'Ilm al-Kalām*, by 'Abdallāh bin Abū Bakr bin Ḥasan an-Nawawī (d. 9th century). An autograph and rare copy of a voluminous and valuable comprehensive work on Sunnī theology. (No. 564)
76. *Kashf al-Haqā'iq al-Muḥammadīyah*, by Ghayāthaddīn Manṣūr bin Muḥammad al-Ḥusainī (d. 949/1542) 198 f. Transc. date 1022 A.H. A detailed commentary on the treatises of Ṣadraddīn ash-Shīrāzī (d. 950/1523). (No. 622)
77. *'Ismat al-Anbiyā*, by 'Abdallāh bin Shamsaddīn bin Jamāladdīn al-Anṣārī (d. 1006/1597) 140 f. Transc. date 1133 A.H. A rare work by the famous Makhdūm al-Mulk of Akbar's period dealing with sinlessness of the prophets. (No. 569)
78. *Iḥqāq al-Ḥaqq*, by Nūrallāh bin Sayyid Sharīf al-Ḥusainī ash-Shustrī (d. 1019/1610) 572 f. Transc. date 1107 A.H. A polemical work containing a detailed refutation of *Ibṭāl Nahj al-Bāṭil* of Faḍl bin Rūzbahān al-Iṣfahānī. (No. 623 A.B.)
79. *Al-Ḥāshiyah 'Alā al-Umūr al-'Āmmah*, by Mīr Muḥammad Zāhid bin Muḥammad Aslam al-Harawī (d. 1101/1689) 193 f. Transc. date 1102 A.H. A beautiful copy of a gloss on the first part of the second chapter of *Sharḥ al-Mawāqif*. (No. 540)
80. *Ar-Risālah ad-Dīnīyah fi Ma'nā al-Ilāhīyah*, by al-Amīr 'Abdal-'azīz bin Muḥammad bin Sa'ūd (d. 1213/1803) 21 f. Transc. apparently 13th century A.H. A treatise explaining the meaning of Tauḥīd and its implications as interpreted by Shaikh Muḥammad bin 'Abdalwahhāb and his followers. (No. 2805)

SHĪ'ISM

81. *Ghayāth al-Umam*, by 'Abdalmālik bin Abī Muḥammad 'Abdallāh bin Yusuf al-Juwainī (d. 478/1085) 139 f. Transc. date 1310 A.H. A rare work on Khilāfat and Imāmat. (No. 493)
82. *Al-Majmū'ah* 142 f. Transc. apparently 10th century A.H. An old and rare copy of a Majmū'ah containing 15 treatises on Zaidī theology written by scholars of that sect. (No. 643)

SUFISM

83. *Mawāqi' an-Nujūm*, by Muḥyīaddīn Ibn al-'Arabī (d. 638/1240) 27 f. Transc. apparently 11th century A.H. A work on Sufism. (No. 2849/1)

84. *Kitāb at-Tauḥīd al-A'ẓam*, by Ṣafīaddīn Aḥmad bin 'Aṭṭāf bin 'Alwān al-Yamanī (d. 665/1267) 8 f. Transc. date 1086/1675. A rare copy of a mystical work on the attributes of God. (No. 2791/6)

85. *At-Taḥqīqāt*, by Muḥammad bin Muḥammad bin Maḥmūd al-Ḥāfiẓ al-Bukhārī known as Khwājā Muḥammad Pārsā (d. 828/1420) 241 f. Transc. date 1080 A.H. Scribe, Ghayāthaddīn Ḥusain. A valuable work on the principles of Sufism. (No. 2849/17)

86. *Nasīm as-Saḥar*, by 'Abdalkarīm bin Ibrāhīm Sibṭ al-Jīlī (d. 832/1428) 16 f. Transc. apparently 11th century A.H. A rare work, treating the Prophet's life and teachings from a mystical point of view. (No. 2789/8)

87. *Al-'Aqā'id as-Ṣūfīyah*, by Shaikh Fīrūz as-Ṣūfī (d. before 1036 A.H.) 4½ f. Transc. apparently 11th century. A short work consiting of a brief exposition of Islamic doctrines and beliefs as interpreted by Ṣūfī philosophers. (No. 2849/11)

ETHICS

88. *Al-Injāz al-Ma'rūf wa 'Umdat al-Malfūf*, by Abū Manṣūr 'Abdalmālik bin Muḥammad bin Ismā'īl ath-Tha'labī (d. 429/1038) 39 f. Transc. date 1094 A.H. A rare copy of a work containing moral precepts and edifying discourses intermixed with verses and illustrated with the sayings of the Prophet. (No. 2647)

89. *At-Tabṣīrah*, by 'Abdarraḥmān bin 'Alī bin Muḥammad, called Ibn al-Jawzī (d. 597/1200) 189 f. Transc. apparently 9th century A.H. An old copy of a valuable work on moral concepts, religious instructions and edifying discourses. (No. 2652)

90. *Al-Jawāhir al-Majmū'ah wa'n Nawādir al-Masmū'ah*, by Shamsaddīn Abu'l Khair Muḥammad bin 'Abdarraḥmān as-Sakhāwī (d. 902/1497) 164 f. Transc. date 859 A.H. An old and valuable copy written during the lifetime of the author; on moral precepts. (No. 2665)

91. *Ash-Shihāb ath-Thāqib fī Dhamm al-Khalīl waṣ-Ṣāḥib*, by 'Abdarraḥmān bin Abī Bakr as-Suyūṭī (d. 911/1505) 21 f. Transc. apparently 11th century A.H. An unique abridgement of *Shifā al-'Alīl*, of Ibn Ẓāhir al-'Addī, a work on ethics. (No. 2773/16)

JURISPRUDENCE

58. *Al-Wajīz al-Muḥīṭ vol. 2*, by Raḍīaddīn as-Sarakhsī (d. 544/1149) 239 f. Transc. apparently 9th century A.H. A rare and valuable work on Jurisprudence containing 39 Kitābs, beginning from Imān and ending abruptly with Waṣāyā. (No. 1619)

59. *Manāsik al-Ḥajj*, by Aḥmad bin 'Abdalḥalīm bin 'Abdassalām bin 'Abdallāh al-Harawī, known as Ibn Taimīyah (d. 728/1328) 15 f. Transc. date 1224. A work explaining the rituals and performances to be observed by the pilgrims. (No. 2805)

60. *Adab al-Futyā*, by 'Adarraḥmān bin Abī Bakr as Suyūṭī (d. 911/1505) 8 f. A rare work expounding the duties of a Muftī. (No. 2773)

61. *Dustūr al-Quḍāt*, by Qāḍī Ṣadr at-Tabrīzī (d. 8th century) 48 f. Transc. date 1119 A.H., Scribe, Muḥammad Naqī. A rare copy of a concise work on jurisprudence, useful to judges for ready reference on points of jurisprudence. The author himself was the Qāḍī of Iran. (No. 1721)

62. *Risālah fi Ḥukm al-Mutawallid Bain Mughallaẓ wa Ādamī*; 3 f. Transc. date 1078. An autograph copy of a treatise dealing with the different aspects of one born with features of man alongwith other beings; whether it will be treated as a human being by the jurists. (No. 2801/13)

63. *Al-Fatāwā an-Naqshbandīyah*, by Mu'īnaddīn Muḥammad an-Naqshbandī (d. 1085/1074) 388 f. Transc. apparently 12th century A.H. A rare copy of a useful composition on jurisprudence, based on 25 reliable books on Fatwā and jurisprudence. The author hailed from Kashmīr and dedicated this work to Aurangzīb. (No. 1785)

64. *Tis'ah Rasā'il*, by Muḥammad Sharīf Kanbū (d. 11th century) 64 f. Transc. apparently 11th century A.H. A remarkable and extremely ingenious work containing nine different treatises on various branches of Islām within a single composition, of which one is on jurisprudence. (No. 1779)

65. *Maṭālib al-Mu'minīn*, by Badr al-Lāhūrī (d. 8th century A.H.) 260 f. Transc. apparently 11th century A.H. A rare copy of a very useful concise work on jurisprudence based on various reliable authorities from the 3rd to the 7th century A.H. (No. 1720)

. *Al-Ḥudūd wa al-Aḥkām*, by 'Alī ar-Rāzī al-Bistāmi (d. 875/1420) 52 f. Transc. date 1072 A.H. A rare copy of a useful concise work on jurisprudence. The author, a commentator of *'al-Wiqāyah'* and *'al-Hidāyah'*, was a learned scholar of the Ḥanafī school and wrote more than a hundred books. (No. 1728)

. *Naṣb ar-Rāyah*, by 'Abdallāh az-Zaila'ī (d. 762/1360) 225 f. Transc. apparently 8th century A.H. An old copy of a rare work, being a collection of the Hadīth used in *al-Hidāyah'*, giving in each case the Isnād and a reference to the work in which the Hadīth may be found. (No. 1650)

. *Sharḥ Mawāhib ar-Raḥmān*, by 'Abdallaṭīf Fāṭimī (d. 11th century A.H.) 22 f. Transc. apparently 11th century A.H. A rare copy of a commentary on *Mawāhib ar-Raḥmān* of Ibrāhīm aṭ-Ṭrābalusī. The author is an Indian scholar hailing from Gujarat. (No. 1743)

. *Majma' al-Barakāt*, by Abu'l Barakāt ad-Dihlawī (d. 12th century A.H.) 327 f. Transc. apparently 12th century A.H. Scribe, 'Abdalqādir bin Muḥammad Ḥusain. A rare copy of a useful work on jurisprudence, quoting 38 reliable books on the subject. (No. 1800)

. *Al-Baḥr al-Muḥīṭ*, by Aḥmad al-Qamūlī (d. 727/1326) 230 f. Transc. apparently 8th century A.H. An old copy of an exhaustive commentary on the *Wasīṭ* of al-Ghazālī. The commentator is an accepted authority on jurisprudence. The twentieth part is an autograph copy. (No. 801)

. *At-Talkhīṣ*, by Ibn Ḥajar al-'Asqalānī (d. 852/1449) 344 f. Transc. date 1046 A.H. A copy of an abridgement of two works of Ibn Mulaqqīn viz *al-Badr al-Munīr* and *al-Khulāṣah*. The Ms. belonged to Ṣan'ā Library of Yemen. (No. 1831)

. *Surūr ar-Rāghibīn*, by Shamsaddīn ad-Dairūṭī (d. 10th century A.H.) 440 f. Transc. date 956 A.H. A unique copy of a detailed commentary on *al-Minhāj* of Abū Zakarīyā an-Nawawī, transcribed during the lifetime of the commentator. (No. 1843)

. *Marātib al-Ijmā'*, by Ibn Hazm al-Undulusī (d. 466/1068) 42 f. Transc. date 1057 A.H., scribe 'Alī bin Muḥammad. A unique copy of a work dealing with the points of jurisprudence on which all the Muslim jurists agreed. (No. 1892)

. *Al-Mabsūṭ (last vol.)*, by Abū Ja'far aṭ-Ṭusī (d. 460/1087) 221 f. Transc. apparently 10th century A.H. An old copy of a famous and reliable work on jurisprudence. The author was a distinguished scholar and jurist of the Shī'ah school. (No. 1894)

of al-Bukhārī and al-Muslim. (No. 203)

42. *Mishkāt al-Anwār*, by Muḥyīaddīn Ibn al-'Arabī (d. 638/1240), 20 f. Transc. date 691 A.H., scribe Ibrāhīm bin Muḥammad. A collection of 101 Qudsī Ḥadith divided into three classes and arranged into three parts, each part containing the Ḥadīth of a particular class. (No. 293)

43. *Tuḥfat al-Ashrāf bi Ma'rifat al-Aṭrāf*, by Abu'l Ḥajjāj Yūsuf bin 'Abdarraḥmān, known as al-Mizzi (d. 742) 252 f. Transc. apparently 12th century A.H. A work on Ḥadīth, dealing with the explanation of the different words of six books of Ḥadīth. (No 229-32)

44. *At-Tahdhīb Sunan Abī Dā'ūd*, by Muḥammad bin Abī Bakr al-Qayyim, known as Ibn al-Qayyim al-Jawzī (d. 751/1350) 241 f. Transc. date 1294 A.H. Scribe, Muḥammad 'Alī bin Muḥammad Ḥasan. A rare commentary on Sunan Abī Dā'ūd. (No. 2999)

45. *Al-Majmū'ah*, 171 f. Transc. apparently 8th century. An old copy of a Mujmū'ah containing 12 rare treatises on Ḥadīth. It bears several autograph Sanads and autograph notes of the chiefs, nobles, traditionists and scholars. (No. 462)

46. *Sharḥ as-Ṣaḥīḥ al-Muslim*, by Shamsaddīn Abū 'Abdallāh Muḥammad bin 'Aṭā'allāh ar-Rāzī (d. 829/1426) 341 f. Transc. date 826 A.H. An old and rare copy of a commentary on aṣ-Ṣaḥīḥ of Muslim. (No. 202)

47. *Al-Kitāb al-Laṭīf*, by Shaikh Jamāladdīn bin al-Jawzī, 241 f. Transc. date 959 A.H., scribe Ẓahīr bin Muḥammad bin 'Alī. A rare and useful work on Ḥadīth. The work is arranged according to the method of jurisprudence. (No. 3042)

48. *Rawḍat al-'Ulamā*, by Abū 'Alī al-Ḥusain bin Yaḥyā al-Bukhārī az-Zandūstī (d. 9th century) 242 f. Transc. date 884 A.H., scribe Aḥmad bin Bahādur as-Saifī. A rare copy of the work containing explanations of difficult passages alongwith explanations of those Ḥadīth contained in the work which relates to points of theology and jurisprudence. (No. 3035)

49. *Juz'un Fīhi Istidrāk Umm al-Mu'minīn*, by Abū Manṣūr 'Abdalmuḥsin bin Muḥammad bin 'Alī al-Baghdādī, a scholar and traditionist of 5th century A.H. 12 f. Transc. apparently 14th century A.H. A rare work, dealing with the traditions narrated by 'Ā'ishah (wife of the Prophet). (No. 3078)

PRINCIPLES OF JURISPRUDENCE

50. *Al-Kitāb al-Jāmi' fi'l Ijtihād wa'l Fatwā wa't-Taqlīd*, by 'Abdalmalik al-Juwainī (d. 488/1085) 15 f. Transc. date 730 A.H. An

old copy of a work on jurisprudence believed to be unique. It deals with legislation and adherence to the views of the leading jurists. It is an appendix to '*al-Burhān*' by the same author. (No. 1558)

Al-Ḥāwī al-Qudsī, by Aḥmad al-Ghaznawī (d. 593/1196) 16 f. Transc. date 994 A.H. A useful work on jurisprudence dealing fundamental points regarding principles of theology and jurisprudence. (No. 1627)

Sharḥ Mukhtaṣar al-Uṣūl Vol. I, by Quṭbaddīn ash-Shīrāzī (d. 710/1310) 188 f. Transc. apparently 8th century A.H. A rare commentary on *al-Mukhtaṣar* of Ibn Ḥājib expounding the principles of jurisprudence and commenting the views held by the jurists on theological, philosophical and philological principles. (Nos. 1542-43)

Ash-Sharḥ 'Alā Minhāj al-Uṣūl, A rare and useful commentary on *Minhāj al-Uṣūl* of Qāḍī Baiḍāwī, by Shamsaddīn al-Iṣfahānī (d. 749/1348) 123 f. Transc. apparently 9th century A.H. (No. 1562)

Tauḍīḥ al-Masā'il al 'Aqlīyah, by 'Imādaddīn al-Muqrā'ī (d. 10th century) 31 f. Transc. date 961 A.H. An old copy of a rare work on the principles of jurisprudence. The author belonged to the Zaidī school. He criticises the views of the four Sunnī Schools of jurisprudence. (No. 1590)

COMPARATIVE JURISPRUDENCE

Al-Inṣāf bi Dhikr Asbāb al-Khilāf, by 'Abdallāh Baṭalyūsī (d. 521/1127) 49 f. Transc. apparently 12th century A.H. A rare work on the principles of jurisprudence dealing with the variance of opinions among the jurists. (No. 1540)

Al-Ishrāf 'Alā Madhāhib al-Ashrāf, by Yaḥyā bin Muḥammad, known as Ibn Ḥubairah al-Ḥanbalī (d. 560 A.H.) A rare work on Madhāhib of four Imāms i.e. Abū Ḥanīfah, Shāfi'ī, Aḥmad bin Ḥanbal and Mālik. (No. 1877)

'Uyūn al-Madhāhib al-Kāmilī, by Qiwāmaddīn al-Khujandī (d. 749/1348) 362 f. Transc. date 997 A.H. An old copy of a valuable concise work on jurisprudence in which the views of the Ḥanafīs are compared with those of other schools of jurisprudence. (No. 1711)

TRADITION

24. *Al-Jāmi' aṣ-Ṣaḥīḥ*, by Muḥammad bin Ismā'īl bin Ibrāhīm bi al-Mughīrah al-Bukhārī (d. A.H. 256=A.D. 870) 774 f. valuable copy of the first of the six canonical collections traditions, complete in two volumes, transcribed in the presen of Shāh Walī-Allāh and containing his two autograph sana dated A.H. 1159 & 1160. (No. 133-34)
25. The 29th and 30th parts of the same, 212 f. A beautiful cop in two volumes, also bearing a deed of trust, dated A.H. 81 whereby Fakhraddīn, a Wazīr of Egypt (A.H. 816-20) gave th MS. for public use, in Jāmi' Umawī in Damascus. Trans apparently 8th century A.H. (No. 148-49)
26. *Fihris al-Bukhārī : An index to al-Bukhārī's Al-Jāmi'*, by Abu Haitham Muḥammad bin Makkī (d. A.H. 389=A.D. 998) 5 A beautiful copy dated A.H. 711. (No. 152)
27. *Al-Musnad*, by 'Abd bin Ḥumaid bin Naṣr al-Kūsī (d. 249 A.H 175 f. Transc. date 1310 A.H. A collection of Hadīth. (No. 25
28. *Al-Minhāj fī Sharḥ Muslim bin al-Ḥajjāj*, by Abū Zakarīy bin Sharaf al-Ḥazāmī ash-Shāfi'ī, better known as an-Nawaw (d. A.H. 676=A.D. 1278). A very popular commentary o as-Ṣaḥiḥ of Muslim, complete in five volumes. The Librar preserves its complete set transcribed by different hand between 7th to 9th centuries of which vol. III is the oldest dated A.H. 683. (Nos. 192-97)
29. *Kashf al-Astār 'an Zawā'id Musnad al-Imām al-Bazzār*, b Aḥmad bin 'Umar bin 'Abdalkhāliq Abū Bakr al-Bazzāz (d. 262 905) 258 f. Transc. apparently 10th century A.H. A rare worl on Musnad Hadīth. (No. 3063)
30. *Mashāriq al-Anwār 'Alā Ṣiḥāḥ al-Āthār*, by Abu'l Faḍl 'Iyāḍ bi Mūsā as-Sabtī al-Mālikī (d. A.H. 544=A.D. 1149) 401 f. A valuable copy of the commentary on the difficult words an phrases of al-Mu'aṭṭa', al-Bukhārī and al-Muslim, with th correction of the mistakes made by the scribes as to the Hadīth Sanad, names and distinctive places, transc. apparently 9tl century A.H. (No. 207)
31. *Al-Jāmi'*, by Abū 'Īsā Muḥammad bin 'Īsā at-Tirmidhī (d. A.H 279=A.D. 829) 229 f. A very old and beautiful copy of th second part of the 4th of the six canonical collections of tradi tions, transc. apparently 6th century A.H. (No. 212)
32. *Sharḥ Sunan Ibn Mājah*, by Abū 'Abdallāh Mughlaṭa'ī bin Qilī al-Bakjarī al-Ḥikrī al-Ḥanafī, (d. A.H. 762=A.D. 1361), 189 f

An autograph copy of the second part of the commentary on Ibn Mājah, dated A.H. 739. (No. 221)

33. *Al-Fuṣūl Sharh Jāmi' al-Uṣūl*, by 'Alī bin Ḥusāmaddīn al-Muttaqī, (d. A.H. 977=A.D. 1569) 351 f. An autograph copy of the rare commentary on *Jāmi' al-Uṣūl* of Majdaddīn Abū as-Sa'ādat al-Jazari (d. A.H. 606=A.D. 1209). Transc. apparently 10th century A.H. (No. 225)
34. *Al-Musnad*, by Zaid bin 'Alī bin Ḥusain bin 'Alī bin Abi Ṭālib (d. A.H. 132=A.D. 740), 80 f. An incomplete rare copy of the Musnad Hadīth designated as Musnad Zaid, transc. apparently 9th century A.H. (No. 273)
35. *Jāmi' al-'Ulūm Wa'l Ḥikam*, by 'Abdarraḥmān bin Aḥmad bin Rajab al-Baghdādī, (d. A.H. 795=A.D. 1393), 471 f. A well-known commentary on an-Nawawī's Arba'īn containing the autograph Sanad by the author, dated A.H. 790. (No. 281)
36. *Al-Anwār al-Muḍīyah*, by Yaḥya bin Ḥamzah, (d. A.H. 749=AD. 1349), 88 f. A rare commentary on Sailaqī's (d. 5th century A.H.) Arba'īn, transc. apparently 9th century A.H. (No. 292)
37. *An-Nāsikh wa'l Mansūkh fi'l Ḥadīth*, by an anonymous author 156 f. A valuable copy of a work on collection of abrogated Ḥadīth relating to the ordinances of jurisprudence, transc. apparently 9th century A.H. (No. 313)
38. *Al-Amālī*, by Abū Zar'ah, the chief Justice of Egypt, (d. A.H. 826=A.D. 1442), 8 f. A rare copy of the work on Ḥadīth, transc. apparently 9th century A.H. (No. 318)
39. *Qiṭ'ah min Mu'jam Ibn Jamī'*, by Muḥammad bin Aḥmad bin Muḥammad bin Aḥmad bin Abdarraḥmān bin Yaḥyā bin Jamī' (d. 402/1013) 4 f. Transc. date 606 A.H. A fragment of an old and reliable copy of the rare work containing 7 Aḥādīth, transmitted by the author's seven Shaikhs. (No. 321)
40. *Al-Juz Fīhi Majālis min Amālī Abī al-Qāsim wa min Hadīth Abī Muḥammad bin al-Khāllāl*; by Abu'l Qāsim 'Abdalmālik bin Muḥammad bin Abdallāh bin Bishrān (d. after 428 A.H.) 8 f. Transc. before 487 A.H. A fragement of 8 folios consisting of an incomplete portion of Amālī Abī al-Qāsim and certain other Hadīth narrated by Ḥasan Khallāl. (No. 317)
41. *Kashf Mushkil as-Ṣaḥīḥain*, by Abu'l Farj 'Abdarraḥmān bin 'Alī bin Muḥammad bin al-Jawzī al-Bakrī (d. 597/1250), 137 f. Transc. apparently 12th century A.H., scribe Muḥammad bin Muḥammad bin 'Alī. A rare commentary on the difficult portions

(d. 285/898) 4 f. Transc. date 886 A.H. Unique copy of a work on those words of the Qur'ān which have several meanings. (No. 2821/2)

COMMENTARIES ON THE QUR'ĀN

9. *Laṭā'if al-Ishārāt*, by Abu'l Qāsim 'Abdalkarīm bin Ḥawāzin al-Qushairī (d. 465/1073) 268 f. Transc. apparently 9th century A.H. An important copy of a commentary on the Holy Qur'ān. The writer has written the meaning of 'Bismillāh...' according to the meaning of every Sūrah in differents contexts. (No. 1452)
10. *At-Tahdhīb Fi't-Tafsīr*, by al-Ḥakīm Abū Sa'd Muḥsin bin Karāmah al-Jushamī al-Baihaqī (d. 5th century) 182 f. The 6th vol. transcribed in A.H. 627 and the rest in later hands. A rare and comprehensive commentary on the Qur'ān, in nine volumes. (No. 1326)
11. *Al-Ḥāshiyah 'Alā Tafsīr al-Kashshāf*, by Muḥammad bin al-Ḥasan bin 'Abdalmālik al Hamadānī (d. 521/1127) 235 f. Transc. apparently 10th century A.H. An old copy of a gloss on al-Kashshāf of az-Zamakhsharī. (No. 2958)
12. *Al-Ḥāshiyah 'Alā Tafsīr al-Fātiḥah*, by Muḥammad bin Isḥāq bin Muḥammad al-Qūnawī (d. 672/1273) 5 f. Transc. apparently 11th century A.H. A rare copy of the gloss by al-Qūnawī on some difficult passages of his own commentary of Sūrah al-Fātiḥah. (No. 2790/1)
13. *Al-Ḥāshiyah 'Alā al-Kashshāf*, by Sa'daddīn Mas'ūd bin 'Umar at-Taftāzānī (d. 791/1389) 362 f. Transcribed by 'Abdallāh bin 'Alā'addīn in A.H. 834. A gloss on al-Kashshāf of az-Zamakhsharī. (No. 1354)
14. *Zubdat al-Bayān fī Tafsīr Āyāt al-Aḥkām*, by Aḥmad bin Muḥammad al-Ardabīlī (d. 993/1585) 260 f. Transc. date 995 A.H. A rare copy of a work on the ordinances of law and religion derived from the Qur'ān. (No. 1475)
15. *Mir'at al-'Ārifīn fī mā Yatamayyazu bain al-'Ābidīn*, by Muḥyi-addīn Ibn al-'Arabī (d. 638/1240) 6 f. A rare copy of a treatise on the beauties and secrets of Sūrah al-Fātiḥah. (No. 2579)
16. *Baḥr ad-Durrar*, by Mullā Mu'īn bin Muḥammad al-Harawī (d. 907/1501) 407 f. A rare and old copy of a short commentary on the Qur'ān, written according to the Ṣufī principles. (No. 2789/16)

17. *Tafsīr ad-Daylamī*, by Abū Muḥammad al-Ḥasan bin Abī'l Ḥasan bin Muḥammad ad-Daylamī (d. 7th century) 183 f. Transc. date 937 A.H. A rare copy of a commentary on the Qur'ān written according to Shī'ah principles. (No. 2966)

PRINCIPLES OF TRADITION

18. *'Ilal al-Hadīth*, by Abu'l Ḥasan 'Alī bin 'Umar ad-Dāraquṭnī (d. 285/995) 340 f. Transc. apparently 8th century. A rare collection of Mu'allal Hadīth. The entire work is in four volumes of which the fourth volume and the larger portion of volume I are wanting. (No. 301)
19. *Ma'rifat 'Ulūm al-Ḥadīth*, by 'Abdallāh Muḥammad bin 'Abdallāh Nishāpūrī (d. 405 A.H.) 89 f. Transc. date A.H. 1291. A rare work on principles of tradition. (No. 437)
20. *Kitāb al-Kifāyah fī Ma'rifat Uṣūl ar-Riwāyah*, by Abū Bakr Aḥmad bin 'Alī bin Thābit al-Khaṭīb al-Baghdādī (d. 468/1071) 29 f. Transc. apparently 6th century A.H. An old and valuable copy of a work on the science of Ḥadīth (containing only parts VI and VII). (No. 438)
21. *Kitāb Ma'rifat Anwā' al-Ḥadīth* (commonly known as *Muqaddimah Ibn Ṣalāḥ*), by Uthmān bin Ṣalāḥaddīn Abī al-Qāsim 'Abdarraḥmān bin Uthmān bin Mūsā ash-Shahrazūrī (d. 643/1343) 166 f. Transc. date 637 A.H. A very old work on the science of Ḥadīth compared and revised by the author himself (No. 440)
22. *At-Tanqīd wa al-Īḍāh*, by 'Abdarraḥīm bin Ḥasan bin 'Abdarraḥmān al-'Irāqī (d. 806/1406) 78 f. Transc. date 811 A.H. A very correct and valuable copy of a commentary on Muqaddimah Ibn Ṣalāh compared with author's copy. (No. 442)

COMPARATIVE TRADITION

23. *Dhakhā'ir al-Mawārīth fī ad-Dalālah 'alā Mawāḍī' al-Aḥādīth*, by 'Abdalghanī bin 'Ismā'īl bin Aḥmad an-Nābulusī ad-Dimashqī al-Ḥanafī (d. 1143/1731) 301 f. Transc. date 1328 A.H. Scribe, Fatḥ Muḥammad. A rare copy of the collection of the traditions of the six canonical collections in two volumes. (No. 3013)

54. *Mirṣād ul-'Ibād*; by Shaykh Abū Bakr 'Abd Ullah Shāhāwı (d. A.H. 654=A.D. 1256) 231 f. An old copy of a work c the doctrines of Sufism, treating the progress of soul through i various stages, transcribed in A.H. 1008. (No. 1351)

55. *Risālah-i-Takmīl ul-Īmān Wa Taqwīyat ul-Īqān*; by 'Abd u Ḥaq bin Sayf ud-Dīn Muḥaddith Dihlawī (d. A.H. 1052=A.I 1642) 23 f. A valuable copy of a rare work, transcribed in 107 A.H. only 27 years after the author's death. (No. Ar. 2849/16

56. *Ilhāmāt-i-Mun'imī*; by Mun'im (d. A.H. 1123=A.D. 171 70 f. A very beautiful copy of a collection of Ṣūfī maxin intermixed with aphorism of a thoroughly mystical tendenc containing the autograph note of the author, transcribed in tl 12th century A.H. (No. 1403)

ETHICS & POLITICAL SCIENCE

57. *Ṣad Pand-i-Luqmān*, 9 f. An exceedingly valuable and sum tuously illuminated copy of the popular moral precepts c Luqmān to his son, transcribed by the celebrated caligraphe 'Alī ul-Kātib in A.H. 909. (No. 2024)

58. *Dhakhīrat ul-Mulūk*; by Mīr Sayyid 'Alī, known as 'Alī-i-Thā of Hamadān (d. A.H. 786=A.D. 1374) 81 f. A very beautif copy of a work on ethics and politics, transcribed in A.H. 96 (No. 943)

59. *Nafā'is ul-Kalām*; by 'Abd ul-Laṭīf Nazīl ul-Ḥaramay (a scholar of the 10th century A.H.) 383 f. A rare ar valuable work on ethics, politics and maxims of good admini tration, containing an autograph note by the author, transcrib in A.H. 991. (No. 948)

60. *Nasīm ur-Rabī'*; by Mullā Qiwām ud-Dīn (a scholar of the 8 century A.H.) 179 f. A good copy of the Persian translatio of *Rabī' ul-Abrār* of Abu'l Qāsim Muḥammad az-Zamakh sharī (d. A.H. 538=A.D. 1143), transcribed in A.H. 99 (No. 730)

61. *Riyāḍ ul-Mulūk*; by Abū 'Abd Ullah Muḥammad bin 'Alī u Maghribī (d. A.H. 565=A.D. 1169) 185 f. A valuable cop of a rare Persian translation of *Salwān ul-Muṭā'*, an allegoric work on moral and intellectual precepts, translated by son Niẓām and transcribed in the 11th century A.H. (No. 2032)

Khuda Bakhsh Annual Lectures Series –I

Upstream Downstream
Reconstruction of Islamic Chronology

by
Dr. Hashim Amir Ali
Hyderabad

GRAMMAR

39. *Ṣanā'i' ul-Ḥasan*; by Fakhrī bin Muḥammad Amīrī ul-Harawī (d. A.H. 974=A.D. 1566) 123 f. An old and valuable copy of a rare work on Persian poetical figures and metres; alongwith another versified tract on the same subject, by Rashīd ud-Dīn Waṭwāṭ (d. A.H. 578=A.D. 1182), transcribed in A.H. 981. (No. 848)

LEXICOGRAPHY

40. *Tāj ul-Maṣādir*; by Abū Ja'far Aḥmad bin 'Alī ul-Bayhaqī (d. A.H. 544=A.D. 1149) 194 f. A very old copy of a dictionary of Arabic infinitives explained in Persian, similar to the *Maṣādir* of Zūzanī, transcribed in A.H. 845. (No. 820)
41. *Madār ul-Afāḍil*; by Ilāhdād Fayḍī Sirhindī (a scholar of the 11th century A.H.) 545 f. Probably an autograph copy of a rare Persian dictionary, explaining Persian, Arabic and Turkish words; composed in A.H. 1001. (No. 795)
42. *Farhang-i-Jahāngīrī*; by Jamāl ud-Dīn Ḥusayn bin Injū bin Fakhr ud-Dīn Ḥasan of Shīrāz (d. A.H. 1030=A.D. 1620) 413 f. A complete copy of the well-known dictionary of Persian words, composed under Akbar and Jahāngīr, transcribed in A.H. 1046. (No. 797)

COMMENTARY ON THE QUR'ĀN

43. *Mawāhib-i-'Alīyah*; by Ḥusayn bin 'Alī ul-Wā'iẓ ul-Kāshifī (d. A.H. 910=A.D. 1505) 504 f. An old and valuable copy of a well-known commentary on the Qur'ān, transcribed in A.H. 909, one year before the death of the commentator. (Nos. 1126-27)
44. Another correct and exceedingly valuable copy of the above, bequeathed to the sacred tomb of the celebrated saint of Jām, Shaykh ul-Islām Abū Naṣr ul-Jāmī; surnamed 'Zhandpīl' (d. A.H. 536=A.D. 1141) 600 f. This copy was transcribed in A.H. 941. (No. 1128)
45. *Anīs ul-Murīdīn*; by Abū Naṣr Aḥmad bin Aḥmad ul-Bukhārī (a scholar of the fifth century A.H.) 142 f. A copy of the rare commentary on sūrah 'Yūsuf' i.e. the 12th chapter of the Qur'ān, composed in A.H. 475 and transcribed in A.H. 1001. (No. 1111)

JURISPRUDENCE

46. *Ṣalāt-i-Mas'ūdī*; by Mas'ūd bin Maḥmūd of Samarqand (d. 8th century A.H.) 183 f. An old and correct copy of the well-known work on the prescribed prayers and religious rites according to the Ḥanafite school, transcribed in A.H. 891. (No. 1223)
47. *Fiqh-i-Bāburī*; by Nūr ud-Dīn bin Quṭb ud-Dīn Khawāfī (d. 10th century A.H.) 174 f. A copy of the rare work on Muhammadan civil and ecclesiastical law in all its branches, transcribed in A.H. 1081. (No. 1227)
48. *Fawā'id-i-Fīrūz Shāhī*; by Sharaf Muḥammad 'Aṭṭārī (d. 8th century A.H.) 382 f. A rare copy of an encyclopaedia of Muhammadan law, transcribed in A.H. 971. (No. 1225)

SUFISM

49. *Maḥabbat Nāmah-i-Ilāhī*; by Muḥammad bin Faḍl Ullah Ḥusaynī (d. A.H. 843) 176 f. A valuable and rare collection of the utterances (Malfūẓāt) of Khwajāh Ḥabīb Ullah, known as 'Yad Ullah', containing important points of Sufism, transcribed in A.H. 843. (No. Acc 1462)
50. *Maktūbāt-i-Ṣadī*; by Sharaf ud-Dīn Aḥmad bin Yaḥyā Manerī (d. A.H. 782 = A.D. 1380) 143 f. An old and valuable copy of the first collection of 100 letters, dealing with the numerous topics of mystical doctrines and Ṣūfī maxims, transcribed in A.H. 909. (No. 1361)
51. *Durr ul-Majālis*; by Sayf uẓ-Ẓafar Naubahārī (d. 7th century A.H.) 230 f. An old copy of a well-known work on moral and spiritual instructions, illustrated by anecdotes and sayings of the patriarchs and prophets, transcribed in A.H. 978. (No. 1375)
52. *Nuzhat ul-Arwāḥ*; by Ḥusayn bin 'Ālam, known as Ḥusaynī Sādāt (a traveller and Ṣūfī poet of the 8th century A.H.) 86 f. An old copy of a work on nature and rules of spiritual life, in prose and verse, transcribed in A.H. 987. (No. 1354)
53. *Laṭā'if-i-Ashrafī*; Niẓām ud-Dīn Yamanī (a scholar of the 8th century A.H.) 1078 f. An old and complete copy of utterances of Haḍrat Ashraf Jahāngīr Simnānī (d. A.H. 798 = A.D. 1396), covering teachings and miracles of the Pīr, composed in A.H. 750 and transcribed in the 10th century A.H. (No. Acc 1445)

18. *Khamsah-i-Nizāmī*; the five poems of Nizām ud-Dīn Abū Muḥammad Ganjawī (d. A.H. 599=A.D. 1202) 337 f. A fine copy, transcribed in A.H. 835. (No, 37)
19. *Mathnawī-i-Ma'nawī*; by Jalāl ud-Dīn Rūmī (d. A.H. 672=A.D. 1273) 274 f. An old copy, transcribed in A.H. 871. (No. Acc. 1439)
20. *The Dīwān of Ẓahīr ud-Dīn Fāryābī* (d. A.H. 598=A.D. 1201) 76 f. A good copy transcribed in the 9th century A.H. (No. 36)
21. *The Dīwān of Kamāl ud-Dīn Iṣfahānī* (d. A.H. 635=A.D. 1237) 378 f. A beautiful and valuable copy bearing the seals of the many noblemen of the court of the Emperor Shāh Jahān, transcribed in the 9th century A.H. (No. 54)
22. *Sih Dīwān*; the three dīwāns of Yamīn ud-Dīn Abu'l Ḥasan Amīr Khusrau of Delhi (d. A.H. 725=A.D. 1324) 318 f. An excellent copy, transcribed in the 9th century A.H. (No. 125)
23. *Sharḥ-i-Dīwān-i-'Alī*; by Ḥusayn bin Mu'īn ud-Dīn ul-Maybudhī (d. A.H. 912=A.D. 1506) 356 f. An old, correct and beautiful copy of a Persian commentary on the Arabic dīwān of 'Alī bin Abū Ṭālib (d. A.H. 40), transcribed in A.H. 928. (No. 927)
24. *Khāwar Nāmah*; by Shams ud-Dīn bin Ḥusām ud-Dīn, better known as Ibn-i-Ḥusām (d. A.H. 875=A.D. 1470) 318 f. A good copy of an epic poem in the style of Firdausī's *Shāh Nāmah*, transcribed in A.H. 971. (No. 178)
25. *The Dīwān of Khwājah Amīr Ḥasan* of Delhi (d. A.H. 737=A.D. 1336) 171 f. A valuable and illuminated copy, transcribed in A.H. 979. (No. 133)
26. *Padmāwat*; by Mullā 'Abd ush-Shakūr Bazmī of Gujarat (d. A.H. 1073=A.D. 1662) 99 f. A splendid copy of a poem on the lines of Fayḍī's *Nal wa Daman*, containing fine specimens of Indian paintings, transcribed in A.H. 1080. (No. 297)
27. *The Dīwān of Nāṣiḥī* (a poet of the 10th century A.H.) 100 f. An exceedingly rare and valuable copy, transcribed in the 11th century A.H. (No. 1857)
28. *The Dīwān of Ṭāhir Waṣlī* (a poet of the 11th century A.H.) 84 f. A valuable copy, transcribed in the 11th century A.H. (No. 283)
29. *The Dīwān of the Emperor Humāyūn*, (d. A.H. 963=A.D. 1557) 28 f. An extremely rare, beautifully written and illuminated copy, transcribed in the 11th century A.H. No other copy is known to exist. (No. Acc. 1259)

30. *Rubā'iyāt-i-Bīdil*; the quatrains of Mirzā 'Abd ul-Qādir Bīdil (d. A.H. 1133 = A.D. 1720) 161 f. In all probability, an autograph copy. Dated A.H. 1115. (No. 386)
31. *Kulliyāt-i-Bīdil*; the complete prose and poetical works of Bīdil, 852 f. A valuable copy, transcribed in A.H. 1136, only two years after the poet's death. (Nos. 381-82)
32. *Iskandar Nāmah*; by Niẓām ud-Dīn Abū Muḥammad Ganjawī (d. A.H. 599 = A.D. 1202) 246 f. A fine copy of a narrative poem dealing with the conquests and exploits of Alexander, the Great; containing 50 nice coloured paintings in Indian style, transcribed in A.H. 1144. (No. 44)
33. *The Dīwān of Shaykh 'Alī Ḥazīn* (d. A.H. 1180 = A.D. 1766) 396 f. A rare and beautifully written copy, containing an autograph note on the title page and a portrait of the poet, transcribed in the 12th century A.H. (No. 1925)
34. *Sharḥ-i-Mathnawī*; by 'Abd ul-'Alī, known as 'Baḥr ul-'Ulūm' (d. A.H. 1235 = A.D. 1819) 673 f. A valuable copy of a rare commentary on the Mathnawī of Jalāl ud-Dīn Rūmī, in two volumes, transcribed from the autograph copy of the commentator in A.H. 1266. (Nos. 82-83)
35. *Intikhāb-i-Dīwān-i-Nisbatī*, 75 f. A rare copy of a selection from the poems of Mullā Nisbatī of Thānīsar (d. 11th century A.H.), containing valuable notes and chronograms, transcribed in the 13th century A.H. (No. 318)

INSHĀ

36. *Makhzan ul-Inshā*; by Ḥusayn bin 'Alī ul-Wā'iẓ ul-Kāshifī (d. A.H. 910 = A.D. 1505) 233 f. A good and valuable copy of a work on epistolography in a refined and flowery style, transcribed in A.H. 968. (No. 866)
37. *Ḥadīqat ul-Irshād*; by Muḥammad Ṣādiq Khān Akhtar of Bengal (died after 1857 A.D.) 121 f. An autograph copy of a work on the art of letter-writing with forms of address suitable for different classes of society and phrases applicable to different occasions, composed in A.H. 1226. (No. 887)
38. *Mukātabāt-i-'Allāmī* (*fourth daftar*); by Abu'l Faḍl, the prime-minister of Akbar 228 f. A correct copy of extremely rare fourth daftar of letters, transcribed by Aḥsan Mārhayrawī in 1918 A.D. (No. 869)

PERSIAN MSS.

HISTORY

1. *Tārīkh-i-Rashīdī*; 110 f. A rare copy of a work on general history, transcribed in A.H. 952. (No. H.L. 3790)
2. *Rauḍat uṣ-Ṣafā*; by Mīr Khawnd (d. A.H. 903=A.D. 1493) 183 f. An old and beautifully written copy of the fourth volume of a work on general history, transcribed in A.H. 997 (No. 460)
3. *Ma'ārij un-Nubuwwat*; by Mu'īn bin Ḥājī Muḥammad Fārābī, better known as Mu'īn ul-Miskīn (d. A.H. 907=A.D. 1501) 582 f. A beautiful copy of the detailed history of the Prophet, transcribed in A.H. 1001. (No. 486)
4. *Nigāristān*; by Aḥmad bin Muḥammad Qazwīnī, better known as Qāḍī Aḥmad (d. A.H. 975=A.D. 1567) 365 f. A fine and old copy of a valuable work on Muhammadan history, extending from the Prophet to A.H. 959=A.D. 1551, transcribed in A.H. 1018. (No. 470)
5. *Ḥusayn Shāhī*; by 'Imām ud-Dīn Ḥusaynī, (a scholar of the 13th century A.H.) 173 f. An autograph copy of the trustworthy and detailed history of the dynasty of Durrānī Afghāns, composed in A.H. 1213. (Nó. 530)
6. *Waqā'i'-i-Hūlkar*; by Mūhan Singh (an author of the 13th century A.H.) 177 f. A good copy of the history of Jaswant Rāu Hūlkar (d. A.D. 1811), transcribed in A.H. 1223. (No. 618)

BIOGRAPHY

7. *Bahāristān*; by 'Abd ur-Raḥmān Jāmī (d. A.H. 898=A.D. 1492) 120 f. A pretty and decorated copy of a biography of some distinguished saints and poets; in prose and verse, transcribed in A.H. 966. (No. 202)
8. *Tuḥfah-i-Sāmī*; by Prince Sām Mirzā bin Shāh Ismā'īl Ṣafawī (d. A.H. 984=A.D. 1570) 195 f. A very valuable copy of the biographical notices of the Persian poets, transcribed in A.H. 968, sixteen years before the author's death. (No. 682)

9. Another copy of the above, 197 f., transcribed in A.H. 971, thirteen years before the author's death. (No. 683)
10. *Qiṣṣah-i-Abū Muslim*; by Ḍiyā ud-Dīn Nakhshabī (d. A.H.751 = A.D. 1350) 190 f. An old copy of a work containing the accounts of heroic actions and exploits of the celebrated general Abū Muslim (d. A.H. 137 = A.D. 755), transcribed in A.H. 955. (No. 1760)
11. *Tuḥfah-i-Malikī*; by 'Alī bin Ṭīfūr (a scholar of the 11th century A.H.) 198 f. A valuable copy of the Persian translation of Abū Ja'far Muḥammad's *'Akhbār 'Uyūn ar-Riḍā'*, dealing with life, deeds, virtues, prerogatives and other excellences of the 8th Imām, 'Alī Riḍā (d. A.H. 203 = A.D. 818), transcribed in A.H. 1110. (No. 507)
12. *Khulāṣat ul-Kalām*; by 'Alī Ibrāhīm Khān Bahādur of Patna (d. A.H. 1208 = A.D. 1793) 921 f. A valuable copy of a rare biographical dictionary of Mathnawī writers, in two volumes, belonging to the personal collection of the author; transcribed probably during the author's life-time, around A.H. 1193 (Nos. Acc. 1430-31)

TRAVEL & MEMOIRS

13. *Mir'at-i-Aḥwāl-i-Jahān Numā*; by Aḥmad bin Muḥammad 'Alī Iṣfahānī, commonly called al-Bahbahānī (a scholar and traveller of the 12th century A.H.) 382 f. An interesting, useful and rare copy of author's memoirs covering the travel accounts of sacred places in Iran, Iraq and India, transcribed in the 13th century A.H. (No. 629)

POETRY

14. *Shāh Nāmah*; by Abu'l Qāsim Manṣūr Firdausī of Ṭūs (d. A.H. 416 = A.D. 1025) 541 f. The oldest known copy in India, containing 45 miniature paintings and a seal of Sulṭān Muḥammad Shāh, transcribed in A.H. 843 (Nos. H.L. 3787-88)
15. Another old copy of the above, 447 f., containing 54 miniature paintings in Iranian style, transcribed in A.H. 869. (No. Acc. 1244)
16. Another beautifully written copy of the above, 601 f., containing two primitive pictures, transcribed in A.H. 999. (No. 3)
17. *The Dīwān of Afḍal ud-Dīn Badīl Ibrāhīm bin 'Alī Najjār Khāqānī of Shirwān* (d. A.H. 582 = A.D. 1186) 396 f. A beautiful copy, transcribed in the 8th century A.H. (No. 31)

241. *Nahj al-Balāghah*, by Abu'l Ḥasan ar-Raḍī (d. A.H. 406 = A.D. 1015). Dated A.H. 868. Beautiful copy. (No. 2574)

242. *Anwār ar-Rabī'*, by 'Abd al-'Azīz Ibn al-'Ajamī. (d. A.H. 666 = A.D. 1268). Not dated; apparently 8th century A.H. (No. 2606)

243. *Salwān al-Muṭā'*, by Shamsaddīn aṣ-Ṣaqalī (d. A.H. 565 = A.D. 1170). Dated A.H. 842. (No. 2608)

244. *Dīwān Abi'l-'Ulā*, by Abu'l 'Ulā (d. A.H. 449 = A.D. 1057) Dated A.H. 849. (No. 2518)

245. *Al-Ḥāshiyah 'Alā Qaṣīdah al-Burdah*, by az-Zarkashī (d. A.H. 794 = A.D. 1392). Dated A.H. 856. (No. 2534)

246. *Anwār al-'Uqūl* (commonly called Dīwān 'Alī), arranged by Quṭubaddīn ar-Rāwandī. Beautiful copy, dated A.H. 85[illegible] (No. 2507)

247. *Nuzhat an-Nufūs*, by 'Alī bin Sūdūn, (who died about A.H. 878 = A.D. 1473). Dated A.H. 863. (No. 2549)

248. *Marāti' al-Ghazlān*, by Muḥammad bin Ḥasan (d. A.H. 859 = A.D. 1454). Dated A.H. 887. (No. 2671)

249. *'Uqalā' al-Majānīn*, by Ḥasan bin Muḥammad Ibn Ḥāji (d. A.H. 406 = A.D. 1015). Not dated; apparently 9th century A.H. (No. 2603)

250. *Dīwān al-Wafā'ī*, by 'Alī bin Muḥammad al-Wafā'ī (d. A.H. 807 = A.D. 1405). Not dated; apparently 9th century A.H. (No. 2545)

PART III

Supplementary List of

More Valuable Mss.

in the

Library

210. *Sharh al-Lubāb*, by Quṭbaddīn Muḥammad bin Mas'ūd, a scholar of the seventh century A.H. Dated A.H. 758. (No. 2105)
211. *Sharh al-Kāfiyah*, by Raḍī, (d. 684/1286) who compiled the work in A.H. 683 = A.D. 1284. In three vols. Dated A.H. 822. 'Ainī (d. A.H. 865 = A.D. 1451), a well-known author, is the scribe of the present commentary. (No. 2045)

RHETORIC

212. *Al-Jami' al-Kabīr*, by Ibn Athīr al-Jazarī, (d. A.H. 638 = A.D. 1240). Not dated; apparently 7th century A.H. Rare. (No. 2196)
213. *Miftaḥ al-'Ulūm*, by as-Sakkākī (d. A.H. 626 = A.D. 1229). Dated A.H. 722. (No. 2142)
214. *Al-Miṣbāḥ*, by Badr addīn al-Jayyānī (d. A.H. 686 = A.D. 1287). Dated A.H. 732. Rare. (No. 2152)
215. *Al-Muṭawwal*, by Sa'daddin at-Taftāzānī (d. A.H. 791 = A.D. 1388). Dated A.H. 749. (No. 2155)
216. *At-Tibyān*, by aṭ-Ṭībī (d. A.H. 743 = A.D. 1342). Not dated; apparently 8th century A.H. Rare. (No. 2199)
217. *Al-Ḥāshiyah 'ala'l-Muṭawwal*, by Sayyid Sharīf (d. A.H. 816 = A.D. 1413). Dated A.H. 1086. (No. 2162)
218. *Al-Ḥāshiyah 'ala'l-Muṭawwal*, by Ḥasan bin Muḥammad (d. A.H. 886 = A.D. 1481). Dated A.H. 992. (No. 2165)
219. *Al-Ḥāshiyah 'alā Mukhtaṣar al-Ma'ānī*, by Niẓāmaddīn Uthman (d. A.H. 901 = A.D. 1405). Dated A.H. 967. (No. 2177)

LEXICOGRAPHY

220. *Tahdhib al-Lughah*, by Abū Manṣūr Muḥammad bin Aḥmad al-Azharī (d. A.H. 370 = A.D. 980). Two vols. out of nine vols. Dated A.H. 639 A.H. Rare. (No. 1964)
221. *Aṣ-Ṣiḥāḥ*, by Abū Naṣr al-Jauharī (d. A.H. 393 = A.D. 1002). Dated A.H. 633. (No. 1966)
222. *Kitāb aṣ-Ṣifāt*, by Abū 'Abdallah Muḥammad bin 'Īsā (d. A.H. 620 = A.D. 1223). Dated A.H. 648. Rare. (No. 1989)
.23. *Al-Jama' Bain al-Gharībain*, by Abū 'Ubaid Aḥmad Al-Haravī (d. A.H. 401 = A.D. 1010). Dated A.H. 697. Rare. (No. 1968)
.24. *Al-Muqaddimah*, by az-Zamakhsharī (d. A.H. 538 = A.D. 1143). Dated A.H. 670. (No. 1978)

225. *Al-Ḥalbah*, by Muḥammad bin 'Alī bin Kāmil, a scholar of the seventh century A.H. Dated A.H. 677. (No. 1990)
226. *Niẓām al-Gharīb*, by Īsā bin Ibrāhīm (d. A.H. 480 = A.D. 1087). Not dated; apparently 7th century A.H. (No. 1972)
227. *Fiqh al-Lughah*, by Abū Manṣūr 'Abdal Mālik bin Muḥammad (d. A.H. 429 = A.D. 1037). Not dated; apparently 8th century A.H. (No. 1968)
228. *Durrat al-Ghawwāṣ*, by Ḥarīrī (d. A.H. 516=A.D. 1122). Dated A.H. 729. (No. 1974)
229. *Shams al-'Ulūm*, by Nishwān bin Sa'īd (d. A.H. 573 = A.D. 1178). Dated A.H. 1083. (No. 1981)
230. *Al-Jamharah*, by Ibn Duraid (d. A.H. 321 = A.D. 932). Not dated; apparently 8th century A.H. (No. 1963)

LITERATURE

231. *Al-Mathal as-Sa'ir*, by Ḍiyāaddīn Ibn Athīr al-Jazarī (d. A.H. 637 = A.D. 1239), in two vols. Dated A.H. 628. (No. 2194-95)
232. *Al-Maqāmāt*, by Ḥarīrī (d. A.H. 516 = A.D. 1122). Dated A.H. 634. (No. 2581)
233. *Sharḥ al-Ḥamāsah*, by Yaḥyā at-Tibrīzī (d. A.H. 502 = A.D. 1109). Dated A.H. 678. (No. 2565-66)
234. *Sharḥ al-Maqāmāt*, by Maẓharaddīn, a scholar of the seventh century A.H. Dated A.H. 680. (No. 2588)
235. *Sharḥ al-Mu'allaqāt*, by Ibn Nāḥḥās an-Naḥwī (d. A.H. 338 = A.D. 949). Not dated; apparently 6th century A.H. (No. 2504)
236. *Nasīm aṣ-Ṣabā*, by Badraddīn al-Ḥalabī (d. A.H. 779 = A.D. 1377). Dated A.H. 765. (No. 2594)
237. *An-Najdīyāt : Diwan Abī Wardī*, by Abū Wardī (d. A.H. 507 = A.D. 1113). Not dated; apparently 8th century A H. (No. 2520)
238. *Sharḥ Nahj al-Balāghah*, by Kamāladdīn al-Baḥrānī (d. A.H. 679 = A.D. 1280). Not dated; apparently 8th century A.H. (No. 2578)
239. *Al-Kawākib ad-Durrīyah*, by Sharfaddīn al-Būṣīri (d. A.H. 694 = A.D. 1295). Beautiful copy. Not dated; apparently 8th century A.H. (No. 2529)
240. *Al-Maqāmāt al-Jazarīyah*, by Shamsaddīn al-Jazarī, a scholar of the eighth century A.H. Not dated; apparently 8th century A.H. (No. 2593)

with companions of the prophet and the traditionists. Not dated; apparently 5th century A.H. (No. 687)

184. There is a complete set of biographical works dealing with the lives of the followers of the Ḥanbalī school founded by Imām Aḥmad bin Ḥanbal (d. A.H. 241 = A.D. 847) from A.H. 241 to A.H. 1295. This Library alone possesses the complete set.

(i) *Ṭabaqāt-al-Ḥanābilah*, by Abū Ya'lā Muḥammad bin Muḥammad bin Ḥussain (d. A.H. 526 = A.D. 1131) from A.H. 241 to A.H. 512. The present, very correct, copy is dated A.H. 636. The work is rare, and only one copy of it is mentioned in the Buhar Library attached to the Imperial (National) Library at Calcutta. But that copy is apparently dated the thriteenth century A.H. (No. 778)

(ii) Continuation of the above work by 'Abdarraḥmān bin Rajab. (d. A.H. 795 = A.D. 1393). Two copies of the work are mentioned in Brock. (No. 779)

(iii) Continuation of the above, by Muḥammad bin 'Alī an-Najdī, a scholar of the 13th century A.H. (From A.H. 758 to A.H. 1293). No copy of the work is mentioned. (No. 735)

185. *Tārīkh Ibn 'Asākir*, by Ibn 'Asākir (d. A.H. 571 = A.D. 1175), two vols. out of eighty vols. Dated A.H. 615.
These two volumes covering the letters "Ain' & 'Mim' bear the notes of the scholars who studied the work under the author in 563 A H. (No. 801)

186. *Usd al-Ghābah*, by 'Izz ad-Dīn al-Jazarī (d. A.H. 630 = A.D. 1232). vols. 1 & 3. Dated A.H. 693 & 694. (Nos. 702, 704)

187. *Al-Kamāl*, by 'Abd al-Ghanī (d. A.H. 600 = A.D. 1203). Not dated; apparently 7th century A.H. (No. 698)

188. *Tahdhīb al-Kamāl*, by al-Mizzī (d. A.H. 742 = A.D. 1351). One vol. out of thirteen vols. dealing with the letter 'Mīm' only. In A.H. 718 it was compared with the autograph copy, in the presence of the author by Muḥammad bin Ibrāhīm al-Muhandis, one of the teachers of adh-Dhahabī (d. A.H. 740 = A.D. 1348). (No. 699)

189. *Al-Kāshif*, by adh-Dhahabī (d. A.H. 748 = A.D. 1348). Dated A.H. 733. (No. 700)

190. *Muntakhab Tahdhīb al-Asma wa'l Lughāt*, by Ibrāhīm adh-Dhar'ah a scholar of the eighth century. Not dated; apparently 8th century A.H.

191. *Tabṣīr al-Muntabih*, by Ibn Ḥajar (d. A.H. 852 = A.D. 1148). Dated A.H. 894. (No. 724)

192. *Bughyat al-'Ulamā*, by as-Sakhāwī (d. A.H. 902 = A.D. 1497). Dated A.H. 894. (No. 804)
193. *Al-Iṣābah*, by Ibn Ḥajar (d. A.H. 852 = A.D. 1448). A beautiful copy. Not dated; apparently 9th century A.H. (No. 929)
194. *Ikhtiyār ar-Rafīq*, by Aḥmad bin Salāmah al-Maqdisī (d. A.H. 769 = A.D. 1367). Dated A.H. 913. Rare. (No. 749)
195. *Mukhtaṣar Kitāb Wafayāt al-A'yān*, by Muḥammad bin Nājī, a scholar of the ninth century A.H. Dated A.H. 999. (No. 651)
196. *Dustūr al-A'lām*, by Jamāl ad-Dīn at-Tūnusī (d. A.H. 891 = 1485). Dated 1122. Rare. (No. 656)
197. *Nukat al-Himyān*, by Ṣalāḥ ad-Dīn aṣ-Ṣafadī (d. A.H. 764 = A.D. 1362). Dated A.H. 1223. (No. 652)
198. *Ṭabaqāt al-Mufassirīn*, by Muḥammad bin 'Alī ad-Dā'ūdi (d. A.H. 945 = A.D. 1338). Dated A.H. 1293. Rare. (No. 756)
199. *Tāj at-Ṭabaqāt*, by Amīn bin Muḥammad as-Ṣāliḥ, a scholar of the thirteenth century A.H. In twenty-two vols., from A.H. 1-13th century. Not dated; apparently 13th century A.H. Rare (No. 665-86)
200. *Raf 'al-Ithr'an Quḍāt al-Miṣr*, by Ibn Ḥajar (d. A.H. 852 = A.D. 1449). Dated A.H. 1310. Rare. (No. 803)

GRAMMAR

201. *Sharḥ al-Jumal*, by an anonymous author. Dated A.H. 575. (No. 2012)
202. *Al-Īḍāḥ*, by Abū 'Alī Ḥussain al-Fārisī (d. A.H. 377 = A.D. 979). Dated A.H. 599. Rare. (No. 2013)
203. *Sharḥ al-Lam'*, by 'Ukbarī (d. A.H. 393 = A.D. 1219). Dated A.H. 611. Rare. (No. 2017)
204. *Al-Luma'*, by Ibn Jinnī (d. A.H. 393 = A.D. 1002). Dated A.H. 620. (No. 2016)
205. *Al-Iḍāḥ Sharḥ al-Mufaṣṣal*, by Ibn Ḥājib (d. A.H. 646 = A.D. 1248). Dated A.H. 672. Rare. (No. 2027)
206. *Al-Maḥṣūl Sharḥ al-Fuṣūl*, by Ḥusain Baghdādī (d. A.H. 681 = A.D. 1282). Dated A.H. 709. (No- 2040)
207. *Bughyat al-A'māl*, by Abū Ja'far Aḥmad bin Yūsuf bin 'Alī (d. A.H. 691 = A.D. 1292). (No. 2104)
208. *Sharḥ al-Kāfiyah*, by Jamāl ad-Dīn al-Jayyānī (d. A.H. 672 = A.D. 1273). Dated A.H. 716. (No. 2103)
209. *Al-Muqarrab fi'n-Naḥw*, by Ibn 'Uṣfūr (d. A.H. 669 = A.D. 1270). Dated A.H. 752. (No. 2090)

156. *Kitāb fi'l Wabā*, by Qusṭā bin Lūqā, who flourished at the end of the fourth century A.H. Dated A.H. 1053. Rare. (No. 6)
157. *Kitāb fi-Ḥifz as-Ṣiḥḥat*, by Qusṭā bin Lūqā, mentioned above. Not dated; apparently 11th century A.H. Rare. (No. 7)
158. *Kitāb Man La Yaḥḍuruhu aṭ-Ṭabīb*, by Zakarīya ar-Razi (d. A.H. 311 = A.D. 923). Not dated; apparently 11th century A.H. (No. 4).
159. *Sharḥ al-Kullīyāt al-Qānūn*, in two volumes by Sadīdaddīn al-Gāzarūnī, a scholar of the eighth century A.H. Dated A.H. 1102. Rare. (No. 33.)
160. *Dustūr al-'Ajā'ib*, by Dā'ūd Anṭākī (d. A.H. 1008 = A.D. 1599). Not dated; apparently A.H. 12th century. Rare.
161. *Kitāb at-Talwīḥ aṭ-Ṭibbī*, by Fakhr ad-Dīn al-Khujandī, an author of the eighth century A.H. Dated A.D. 1213. (No. 66)
162. *Kitāb at-Tadbīr al-Ḥubālā*, by Abū 'Abbās Aḥmad bin Muḥammad, a scholar of the 4th century A.H. Not dated; apparently 13th century A.H. Rare. (No. 11)

NATURAL HISTORY

163. *Kitāb al-Aḥjār*, by 'Uṭārid bin Maḥmūd al-Ḥāsib, an author of the third century A.H. Not dated apparently 7th century A.H. Rare. No. 116)
164. *Azhār al-Afkār*, by Abu'l 'Abbās Aḥmad bin Yūsuf al-Tīfāshī (d. A.H. 651 = A.D. 1253). Dated A.H. 839. (No. 117)
165. *Ḥayāt al-Ḥayawān*, by Kamāladdīn ad-Damīrī (d. A H. 808 = A.D. 1435). Dated A.H. 888. (No. 120)

HISTORY

166. *Waṣīlat al-Muta'abbidīn*, by 'Umar bin Muḥammad al-Mauṣailī, a scholar of the 6th century, Six vols. out of eleven. Not dated; apparently 6th century A.H. Rare. (No. 1001-06)
167. *Dalā'il an-Nubūwwah*, by Ḥāfiẓ Abū Nu'aim (d. A.H. 430 = A.D. 1037). Dated A.H. 602. (No. 989)
168. *Kitāb al-Ilmām*, a history of Alexandria by Muḥammad bin Qasim-al-Malikī al-Iskandaranī, who died after A.H. 770. The author, after touching upon events connected with Alexandria

from the time of the Islamic conquest gives space to the description of events occurring between 760 and 770 A.H. The work is rare, only one copy of it mentioned as at Berlin. Not dated; apparently 8th century A.H. (No. 1068)

169. *Mir'at az-Zamān*, by Yūsuf Sibṭ Ibn al-Jauzī (d. A.H. 654 = A.D. 1256). One vol. out of thirteen. Not dated; apparently 8th century A.H. Rare. (No. 966)

170. *Mukhtaṣar Mir'at az-Zamān*, by an author of the eighth century A.H. Not dated; apparently 8th century A.H. (No. 967)

171. *Kitāb al-Mi'rāj*, by Abu'l Qāsim al-Qushairī (d. A.H. 465 = A.D. 1074). Dated before 880 A.H. Rare. (No. 990)

172. *Al-Mukhtaṣar min Sīrat Sayyid al-Bashar*, by 'Abd al-Mu'min ad-Dimyāṭī (d. A.H. 705 = A.D. 1305), the fifth part out of five parts. Dated A.H. 887. Rare. (No. 1007)

173. *Al-Bidāyah*, by Ibn Kathīr ad-Dimashqī (d. A.H. 774 = A.D. 1373). One vol. out of ten vols. Dated before A.H. 892. (No. 971)

174. *Al-Mawāhib al-Ladunnīyah*, a work on the history of the Prophet by Aḥmad bin Muḥammad bin Khaṭīb al-Qasṭalānī (d. A.H. 923 = A.D. 1517). Believed to be an autograph copy. Dated 898. (No. 1021)

175. *Mir'at al-Jinān*, by Yāfi'ī (d. A.H. 768 = A.D. 1369). Not dated; apparently 9th century A.H. (No. 970)

176. *Jamharat al-Ansāb*, by Ibn Ḥazm az-Ẓāhirī (d. A.H. 456 = A.D. 1064). Not dated; apparently 9th century A.H. Rare. (No. 1101)

177. *Tārīkh Salāṭīn Āl-i-'Uthmān*, by an anonymous author of the 10th century A.H. Dated A.H. 927. Rare. (No. 1066)

178. *Bahjat al-Maḥāfil*, by Abū Zakariyā al-Amīrī (d. A.H. 893 = A.D. 2487). Dated A.H. 932. (No. 1016)

179. *Rauḍah al-Manāẓir*, by Muḥib ad-Dīn (d. A.H. 815 = A.D. 1412). Dated A.H. 992. (No. 972)

180. *Tadhkirah al-Khawāṣ al-Ummah*, by Sibṭ Ibn al-Jauzī (d. A.H. 654 = A.D. 1256). Dated A.H. 1176. Rare. (No. 1052)

181. *Rās Māl an-Nadīm*, by Abu'l 'Abbās Aḥmad bin 'Alī bin Bānah author of the 6th century A.H. Not dated; apparently 11th century A.H. Rare. (No. 1044)

182. *'Iqd al-Jumān*, by Badraddīn al-'Ainī (d. A.H. 855 = A.D. 1451). Vol. II out of six vols. Dated A.H. 1143. (No. 974)

BIOGRAPHY

183. *Kitāb fī Asmā ar-Rijāl*, probably by Imām Bukhārī (d. A.H. 256 = A.D. 870). A Fragment of a biographical work dealing

Yaḥya bin 'Alī, both scholars of the eighth century A.H. (No. 2264)

131. *Sharḥ al-Qisṭās*, by the same Shams ad-Dīn as-Samarqandī. Not dated; apparently 12th century A.H. Rare. (No. 2265)

132. *Al-Jawhar an-Naḍīd* (*Sharḥ at-Tajrīd*), commentary by Ḥillī (d. A.H. 726 = A.D. 1235) on Naṣīr ad-dīn aṭ-Ṭūsī's (d. A.H. 672 = A.D. 1273) at-Tajrīd. Rare. Only one copy mentioned in the British Museum. The present volume belonged to the Kings of Oudh. (No. 2240)

MATHEMATICS

133. *Ghunyat al-Ḥisāb*, by Aḥmad bin Thābit, a mathematician of the sixth century A.H. The present copy dated A.H. 786 bears the seal of Qutub Shāh of Golcunda. Rare. (No. 2413)

134. *Sharḥ al-Muqni'* by Ibn Hā'im (d. A.H. 815 = A.D. 1512). c. A.H. 810. Rare. (No. 2428)

135. *Asās al-Qawā'id*, by Kamāl ad-Dīn al-Fārisī, a scholar of the 8th century A.H. Dated A H. 891. Rare. (No. 2417)

136. *Sharḥ ash-Shamsīyah*, by Abū Isḥāq 'Abdallah, a scholar of the 10th century A.H. Autograph copy dated 963. Rare. (No. 2416)

ASTRONOMY

137. *Nihāyat al-Idrāk*, by Naṣīr ad-Dīn-aṭ-Ṭūsī (d. A.H. 672 = A.D. 1273). This copy was compared in A.H. 690 with the autograph copy by Muhammad bin Mas'ūd ash-Shīrāzī (d. A.H. 710 = A.D. 1312) a well known author and pupil of Naṣīraddīn-aṭ-Ṭūsī. (No. 2451)

138. *Sharḥ at-Tadhkirah*, by Sayyid Sharīf al-Jurjānī (d. A.H. 816 = A.D. 1413). Dated A.H. 842. (No. 2449)

ASTROLOGY

139. *Al-Mudkhal*, by Abu'l Ḥasan Kūshiyār, an astrologer of the 4th century A.H. Dated A.H. 871. (No. 2477)

140. *Al-Mudkhal*, by Abū Ma'shar al-Balkhī (d. A.H. 272 = A.D. 885). Not dated; apparently 9th century A.H. (No. 2479)

41. *Najm al-'Ulūm*, by Ibn Sayyid Sharīf, an astrologer of the 10th century A.H. Not dated; apparently 10th century A.H. Rare. (No. 2483)

MEDICINE

42. *Kitāb al-Ḥashā'ish*, a revised and improved translation from the Greek into Arabic, by Ḥusain bin Ibrāhīm at-Ṭabarī an author of the 4th century A.H. Not dated; apparently 5th century, A.H. (No. 91)
43. *Tadhkirah al-Kuhhālīn*, by 'Alī bin 'Īsā, who died after A.H. 400 = A.D. 1009. Dated A.H. 555. (No. 18)
44. *Kitāb at-Taṣrīf*, by az-Zahrawī (d. A.H. 404 = A.D. 1013). Maqālah 30th. Dated A.H. 584. (No. 17)
45. *A Fragment of Kitāb al-Qānūn*, by Abū 'Alī al-Ḥusain bin 'Abdallah bin Sīnā (d. A.H. 428 = A.D. 1037). Dated A.H. 627. (No. 25)
46. *Sharḥ al-Qānūn*, by Abū Isḥāq as-Sulamī (d. A.H. 618 = A.D. 1221). Dated A.H. 679. Rare. (No. 26-27)
47. *Al-Jāmi'*, by Ibn Baiyṭār (d. A.H. 647 = A.D. 1249). Dated A.H. 689. (No. 94)
48. *Kitāb al-Khail wa'l Bayṭarah*, by Nasīr ad-Dīn Muḥammad bin Ya'qūb, who died about A.D. 900. Dated A.H. 753. Rare. (No. 114)
49. *Qarābādīn al-Qalānsī*, by Badraddīn al-Qalansī, a scholar of the seventh century A.H. Dated A.H. 782. Rare. (No. 104)
50. *Kitāb al-Mushajjar*, by Abū Zakarīyā Yuḥannā (d. A.H. 243 = A.D. 857). Not dated; apparently 8th century A.H. Rare. (No. 1)
51. *Sharḥ Fuṣūl Abaqrāt*, by 'Alā ad-Dīn al-Qarashī (d. A.H. 687 = A.D. 1288). Dated A.H. 890. (No. 61)
52. *Kitāb al-Aghdhiyah*, by Abū Zaid Ḥunain bin Isḥāq (d. A.H. 860 = A.D. 873). Dated A.H. 914. Rare. (No. 2)
53. *Kanz al-Fawā'id*, by Abū Zaid mentioned above, dated A.H. 914. Bound with the Kitāb-al-Aghdhiyah. (No. 2)
54. *Kitāb al-Aqwāl al-Kāfiyah*, by Al-Mālik al-Mujāhid 'Alī bin Dā'ūd, the fifth of the Rasulids of Yamen (A.H. 721-64 = A.D. 1321-63). Dated 992. Rare. (No. 115)
55. *Kitāb al-Manṣūrī*, by Abū Muḥammad Zakarīyā ar-Rāzī (d. A.H. 320 = A.D. 932). Not dated; apparently 10th century A.H. (No. 3)

105. *Kitāb al-Lam' fi't-Taṣawwuf*, by Abū Naṣr Sarrāj (d. A.H. 378 = A.D. 988). (No. 825)
106. *Qūt al-Qulūb*, by Abū Ṭālib al-Ḥārithī (d. A.H. 386 = A.D. 997). Dated A.H. 571. (No. 826)
107. *Kitāb aṣ-Ṣabr*, by Ḥārith bin Asad (d. A.H. 243 = A.D. 857). Dated A.H. 621. A rare work. The Library possesses only the last three folios. (No. 820)
108. *Al-Muqābasāt*, by Abū Hayyān Tawḥīdī, (d. A.H. 406 = A.D. 1009). Not dated; apparently 7th century A.H.
109. *Riyaḍ aṣ-Ṣāliḥīn*, by Muḥyī ad-Dīn an Nawawī (d. A.H. 676 = A.D. 1278). Dated A.H. 681. (No. 893)
110. *Al-'Uqlat-al-Mustawfizah*, by Muḥyī ad-Dīn Ibn al-'Arabī (d. A.H. 638 = A.D. 1240). Dated A.H. 773. Rare. (No. 889)
111. *Kitāb al-Kunh*, by Muḥyī ad-Dīn Ibn al-'Arabī (d. A.H. 638 = A.D. 1240). Dated A.H. 778. Rare. (No. 955)
112. *Ḥall ar-Rumūz*, by Ghānim al-Maqdisī, who died in A.H. 7th century. Dated A.H. 839. Rare. (No. 895)
113. *Manāzil as-Sā'irīn*, by Abū Ismā'īl al-Anṣārī (d. A.H. 481 = A.D. 1088). Dated A.H. 839. No. 831)
114. *Sharḥ-Fuṣūṣ al-Ḥikam*, by Abdarrahmān al-Jāmī (d. A.H. 898 = A.D. 1492). Autograph copy dated A.H. 896. (No. 879)
115. *Adāb al-Murīdīn*, by Abu'n-Najīb as-Suhrawardī (d. A.H. 563 = A.D. 1163). Dated A.H. 888. (No. 855)
116. *Kitāb at-Tawwābīn*, by 'Abdallah al-Maqdisī (d. A.H. 620 = A.D. 1223). Not dated; apparently 7th century A.H. Rare. (No. 857)

ETHICS

117. *Al Fakhr al-Munīr*, by Abū Ḥafṣ al-Lakhmī, (d. A.H. 731 = A.D. 1331) dated; apparently 8th century A.H. Rare. (No. 2722)
118. *Mawā'iẓ al-Abrār*, by Baibars al-Mansūrī (d. A.H. 725 = A.D. 1325). Dated A.H. 738. (No. 2661)
119. *Kitāb al-Laṭā'if*, by Ibn Rajab (d. A.H. 795 = A.D. 1393). Dated A.H. 840. Rare. (No. 2725)
120. *Al Qawl al-Badī'*, by as-Sakhāwī (d. A.H. 902 = A.D. 1497). Not dated; apparently 10th century A.H. (No. 2744)
121. *Qam'an-Nufūs*, by Taqī ad-Dīn Abu Bakr Muhammad bin 'Abdal Mu'min al-Ḥusainī (d. A.H. 829 = A.D. 1426). Dated A.H. 887. (No. 2662)

122. *Jawāhir al-'Iqdain*, by 'Abdallah al-Ḥusīnī (d. A.H. 911 = A.D. 1505). Dated A.H. 1054. (No. 2666)

123. *Jawāmi' al-Kalim*. An autograph copy of the work on ethics by 'Alī bin Ḥusamddīn, al-Muttaqī a well-known Indian Sūfī and traditionist who in A.H. 953 left India for Mecca where he permanently settled and died in A.H. 975 = A.D. 1567. (No. 927)

124. *Mawārid al-Kalim*, by Faiḍī (d. A.H. 1004 = A.D. 1594). All words which necessitate the use of dots have been eliminated from this composition. It bears an autograph note on the title page in which Faiḍi says that he presented the present work to Aḥmad bin Muḥammad of Yemen. (No. 2671)

PHILOSOPHY

125. *Al-Ishārāt*, by 'Abdallah bin Sīnā (d. A.H. 421 = A.D. 1037). Dated A.H. 520. Compared four times with the text of the autograph commentary by Naṣīruddīn-aṭ-Ṭūsī (d. A.H. 672 = A.D. 1273). (No. 2338)

126. *Sharḥ al-Ishārāt*, by Fakhraddīn ar-Rāzī (d. A.H. 606 = A.D. 1209). Not dated; apparently 7th century A.H. (No. 2339)

127. *Sharḥ at-Talwīḥāt*, by Ibn Kammūnah (d. A.H. 676 = A.D. 1278) in two volumes. Not dated; apparently 7th century A.H. (No. 2357-58)

128. *Hikmat al-'Ain*, by 'Alī bin Muḥammad al-Qazwīnī (d. A.H. 675 = A.D. 1276). Dated A.H. 732. Written for the Library of 'Imādaddin, a noble of Damascus, who died in A.H. 757 = A.D. 1355. (No. 2379)

129. *Sharḥ Hayākil an-Nūr*, by Jalāl ad-Dīn ad-Dawwānī (d. A.H. 908 = A.D. 1501). Dated A.H. 917. (No. 2357)

LOGIC

130. *Al-Qisṭās-fi'l-Manṭiq*, by Shamsaddīn Muḥammad bin Ashraf as-Samarqandī a scholar of the seventh century A.H. A rare work on logic, only one copy of which is mentioned as being in Berlin. The copy bears a sanad dated A.H. 716 granted by Muḥammad bin Muḥammad bin Yūsuf az-Zangī to his pupil

70 *Kifāyah at-Tanbīh*, by Abu'l 'Abbās Aḥmad *known as* Ibn ar-Raf'ah (d. A.H. 710=A.D. 1310). Dated A.H. 708. (No. 1819)

71. *Al-Khizānah al-Akmal*, by Yūsuf bin 'Alī bin Muḥammad al-Jurjānī, a legist of the 6th century, dated A.H. 712. (No. 1617)

72. *Sharḥ al-Ḥāwī*, by Alā'addīn 'Alī bin Ismā'īl al-Qūnawī (d.A.H. 729=A.D. 1328). Dated A.H. 738. (No. 1859)

73. *Al-Iqlīd*, by Tājaddīn 'Abdarrahmān bin Ibrāhīm (d. A.H. 690=A.D. 1291). Not dated apparently A.H. 742. (No. 1818)

74. *Tuḥfah al-Muḥtāj*, by 'Umar bin 'Alī bin Aḥmad bin Muḥammad al-Anṣārī commonly called Ibn al-Mulaqqin (d. A.H. 804=A.D. 1401). Autograph copy dated A.H. 753. (No. 1857)

75. *Al-Ḥaqā'iq al-Manẓūmah*, by Maḥmūd bin Muḥammad al-Lu'lu'ī (d. A.H. 671=A.D. 1272). Dated A.H. 727. (No. 1611)

76. *At-Takmīl*, by Faḍlallah bin Mas'ūd, a scholar of the 7th century A.H. Dated A.H. 772. Rare. (No. 1952)

77. *Majma' al Baḥrain*, by Ibn Sā'āti (d. A.H. 694=A.D. 1294). Dated A.H. 772. (No. 1615)

78. *Sharā'i 'al-Islām*, by al-Ḥillī (d. A.H. 676=A.D. 1277), in two volumes. Dated A.H. 772. (No. 1896-97)

79. *Sharḥ at-Tanbīh*, by Muḥammad bin Bahādur bin 'Abdallah az-Zarkashī (d. A.H. 794=A.D. 1391). Dated A.H. 778. (No. 1821)

80. *Al-Anwār li A'māl al-Abrār*, by Jamāladdīn Yūsuf bin Ibrāhīm ash-Shāfi'ī (d. A.H. 799=A.D. 1395). Dated A.H. 776. (No. 1864)

81. *Al-Jāmi' as-Saghīr*, by Imām Muḥammad (d. A.H. 189=A.D. 804). A neat and beautiful copy dated A.H. 783. (No. 1593)

82. *Al-Muntakhab*, by Ḥusāmaddīn Maḥmūd bin Muḥammad (d. A.H. 644=A.D. 1246). Dated A.H. 789. (No. 1495)

83. *Al-Maḥṣūl fi'l Uṣūl*, by Fakhruddīn ar Rāzi (d. A.H. 606=A.D. 1209). Not dated; apparently A.H. 9th century. (No. 1560)

84. *Kanz ad-Daqā'iq*, by an-Nasafī (d. A.H. 710=A.D. 1310). Neat and beautiful copy. Not dated; apparently 8th century A.H. (No. 1693)

85. *At-Taḥqīq*, by 'Abd al-'Azīz (d. A.H. 730=A.D. 1330). Dated A.H. 801. (No. 1499)

86. *Taqrīr al-Fawā'id*, by Ibn Rajab (d. A.H. 795=A.D. 1393). Dated A.H. 809. (No. 1889)

87. *Al-Mukhtār*, by Majd ad-Dīn al-Mauṣilī (d. A.H. 683=A.D. 1284). Neat and beautiful copy dated A.H. 953. (No. 1684)

88. *Al-Fatḥ al-Qadīr*, by Ibn Ḥammām (d. A.H. 861=A.D. 1456). Dated A.H. 854. (No. 1643)

89. *Sharḥ Mukhtaṣar al-Uṣūl*, by Qaḍi 'Aḍdad-Dīn (d. A.H. 756=

A.D. 1355). Dated A.H. 865. (No. 1545)

90. *Sharh al-Mukhtaṣar*, by Sulaimān bin Aḥmad bin Zakarīyā a scholar of the 7th century A.H. Not dated; apparently 9th century (No. 1544)

91. *Sharh al-Manār*, by 'Abd al-Laṭīf bin Firishtah, a scholar of 9th century Dated A.H. 921. Rare. (No. 1504)

92. *At-Taḥbīr*, by 'Alā ad-Dīn al Mardāwī (d. A.H. 885 = A.D. 1477). Dated A.H. 924. Rare. (No. 1565)

93. *Ifāḍāt-al-Anwār*, by Muḥammad 'Alā ad-Dīn, a scholar of the 11th century A.H. Autograph copy dated A.H. 1054. (No. 1509)

THEOLOGY

94. *Shifā al-Asqām*, by Ibn-Tammām (d. A.H. 756 = A.D. 1355). Dated A.H. before 745. (No. 907)

95. *Maṭāli' al-Anẓār*, by Maḥmūd al-Iṣfahānī (d. A.H. 749 = A.D. 1348). Dated A.H. 790. Rare. (No. 521)

96. *Sharh at-Tawālī*, by 'Abdallah bin Muḥammad al-'Ibrī (d. A.H. 743 = A.D. 1341). Dated A.H. 772. Rare. (No. 520)

97. *Al-Mufaṣṣal*, by Qazwīnī (d. A.H. 675 = A.D. 1276). Not dated; apparently 8th century A.H. Rare. (No. 518)

98. *Minhāj as-Sunnah*, by Ibn Taimiyah (d. A.H. 728 = A.D. 1337). Dated A.H. 811. (No. 528)

99. *Ar-Radd al-Wāfī*, by Abū 'Abdallah Muḥammad bin 'Alī bin Abī Bakr ash-Shāfi'ī (d. A.H. 842 = A.D. 1438). Dated A.H. 865. (No.)

100. *Sharh al-Mawāqif*, by Sayyid Sharīf al-Jurjānī (d. A.H. 816 = A.D. 1413). Dated A.H. 968. (No. 535)

101. *Al-Ḥāshiyah 'Alā Sharh at-Tajrīd*, by Muḥaqqiq ad-Dawwānī (d. A.H. 907 = A.D. 1501). Dated A.H. 974. (No. 603)

102. *'Umdat al-'Aqā'id*, by Abu'l Barakāt 'Abdallah bin Aḥmd an-Nasafī (d. A.H. 713 = A.D. 1310). Dated A.H. 981. (No. 526)

103. *Al-Ḥashiyah 'Ala'l-Qadīmah*, by Mirzā Jān Shīrāzī (d. A.H. 994 = A.D. 1586). Dated A.H. 982. (No. 609)

SUFISM

104. *Ar-Risālah al-Qushairīyah*, by 'Abd-al-Karīm-al-Qushairī (d. A.H. 465 = A.D. 1074). Dated apparently 5th century. Unique work. (No. 828)

38. *Sharḥ Ma'ānī al-Āthār*, by Abū Ja'far aṭ-Ṭaḥāvī (d. A.H. 321 = A.D. 933). Dated A.H. 735. (No. 305)
39. *Mushkil al-Ḥadīth*, by Abū Bakr Muḥammad bin Ḥasan bin Fūrak (d. A.H. 324 = A.D. 936). Dated A.H. 607. Rare. (No. 373)
40. *Al-Mulakhkhaṣ*, an abstract of al-Mu'aṭṭā of Imām Mālik (d. A.H. 176 = A.D. 795), by Abul Ḥasan 'Alī bin Muḥammad bin Khalaf (d. A.H. 403 = A.D. 1012). Beautiful copy. The present copy dated A.H. 628 belonged to the Madrasah Sulṭāniyah Kāmiliyah of Egypt. Rare. (No. 128)
41. *Al-Musnad*, by Imām Aḥmad bin Ḥanbal (d. A.H. 241 = A.D. 855). Dated A.H. before 633, (No. 245)
42. *Al-Muqaddimah*, by Ibn Ṣalāḥ (d. A.H. 643 = A.D. 1246). Dated A.H. 638. (No. 440-41)
43. *Sharḥ al-Muslim*, by Muḥyī ad-Dīn an-Nawawī (d. A.H. 676 = A.D. 1278)' Dated A.H. 618. (No. 194)
44. *Shawāhid at-Tawḍīḥ*, by Jayyānī (d. A.H. 672 = A.D. 1273). Dated A.H. 691. (No. 151)
45. *Al-Musnad*, by Abū Dā'ūd at-Ṭayālsī (d. A.H. 204 = A.D. 820). Not dated; apparently 7th century A.H. (No. 241)
46. *Al-Mashīkhah*, by Abu'l Ḥasan bin Aḥmad al-Maqdisī (d. A.H. 690 = A.D. 1291). Not dated; apparently 7th century A.H. Rare. (No. 322)
47. *Kitāb al-Firdaus*, by Abū Shujā' (d. A.H. 509 = A.D. 1115). Not dated; apparently 7th century A.H. (No. 255)
48. *Sharḥ as-Sunnah*, by Baghawī (d. A.H. 516 = A.D. 1122). Not dated; apparently 7th century A.H. (No. 324)
49. *Al-Ilmām*, by Ibn Daqīq (d. A.H. 702 = A.D. 1301). Dated A.H. 725. (No. 335)
50. *Sharḥ Ibn-Mājah*, by Mughlaṭā'ī (d. A.H. 762 = A.D. 1361). Autograph copy dated A.H. 739. Rare. (No. 221)
51. *Al-I'tibār*, by Ḥāzimī (d. A.H. 584 = A.D. 1188). Dated A.H. 732. Rare. (No. 310)
52. *Miṣbāḥ as-Sunnah*, by Baghawī (d. A.H. 516 = A.D. 122). Dated A.H. 786. (No. 344)
53. *Jamī' al 'Ulūm*, by Ibn Rajab (d. A.H. 795 = A.D. 1393). Dated A.H. 790. (No. 281)
54. *Riyāḍ al-Afhām*, by Fākihānī (d. A.H. 731 = A.D. 1331). Dated A.H. 792. Rare. (No. 327)
55. *Sharḥ al-Alfiyah*, by 'Abdar Raḥmān bin Ḥusain 'Irāqī (d. A.H. 806 = A.D. 1404). Dated A.H. 809. (No. 443)
56. *Al-Arba'īn*, by Shihābaddīn Ibn Ḥajar (d. A.H. 852 = A.D. 1449). Dated A.H. 836. Rare. (No. 288)

7. *Al-Arba'in*, by Aḥmad bin 'Alī bin Bakr al Ḥanbalī (d. A.H. 840 = A.D. 1437). Autograph copy dated A.H. 839. Rare. (No. 287)
8. *Jāmi'-al-Uṣūl*, by Ibn Athīr (d. A H. 606 = A.D. 1209) in two volumes. Neat and beautiful copy dated A.H. 842-43. A very useful work, not printed. (No. 223)
9. *Al-Qaul al-Musaddad*, by Ibn Ḥajar (d. A.H. 852 = A.D. 1449). Dated A.H. 840. Partly transcribed by the author's pupil Muḥammad bin Fahd-al-Makkī (d. A.H. 858 = A.D. 1480). Rare. (No. 251)
0. *Sharḥ al-Muqaddimah*, a commentary on Ibn Ṣalāḥ's (d. A.H. 643 = A.D. 1245) *al-Muqaddimah*, by 'Abdarraḥīm al-'Irāqī, (d. A.H. 806 = A.D. 1404). The present copy was corrected by the author's son, Aḥmed bin 'Abdarraḥīm. (No. 442)
1. *An Nukat az-Ẓirāf*, by Ibn Ḥajar al-'Asqalānī (d. A.H. 852 = A.D. 1441). Dated A.H. 857. Rare. (No. 233)
2. *Al-Maqāṣid al-Ḥasanah*, by Shamsaddīn as-Sakhāwī (d. A.H. 902 = A.D. 1496). Dated A.H. 877. (No. 298)
3. *Al-Jami' as-Ṣaḥīḥ*, by Muḥammad bin Ismā'īl al-Bukhārī (d. A.H. 256 = A.D. 870), in three volumes. A very neat and beautiful copy dated A.H. 911. (No. 130-32)

JURISPRUDENCE

4. *Mukhtaṣar an-Nihāyah*, by 'Abdallah bin Muḥammad bin Hibatallah bin Abū 'Aṣrūn (d. A.H. 585 = A.D. 1189). Autograph copy dated A.H. 565. Rare. (No. 1822)
5. *Sharh az-Ziyādāt*, by Fakhruddīn Ḥusain bin Manṣūr bin Maḥmūd Qāḍi Khān (d. A.H. 592 = A.D. 1195). Dated A.H. 640. (No. 1594)
6. *Istiqṣā al-Madhhab*, by Ḍiyāaddīn Abū 'Umar 'Uthmān al-Mārānī (d. A.H. 602 = A.D. 1205). Dated A.H. 654 Rare. (No. 1817)
7. *Ar-Rauḍah*, by Muḥyī ad-Dīn an-Nawawī (d. A.H. 676 = A.D. 1278) *c.* A.H. 669. (No. 1827)
8. *Mukhtaṣar al-Uṣūl*, by Jamāladdīn Abū 'Umar 'Uthmān bin Ḥājib (d. A.H. 642 = A.D. 1244). Not dated; apparently 7th century A.H. (No. 1541)
· *Al Ḥāwī al-Kabīr*, by Abu'l Ḥasan 'Alī bin Muḥammad al-Māwardī (d. A.H. 450 = A.D. 1058). Not dated; apparently 7th century A.H. (No. 1813-15)

11. *Muṣṭalaḥ al-Ishārāt*, Abul Baqā 'Alī bin 'Uthmān (d. A.H. 801 = A.D. 1398). Dated A.H. 787. Rare. (No. 1242)
12. *Al-Wasīlah*, by 'Alāmuddīn 'Alī bin Muḥammad-as-Sakhāwī (d. A.H. 643 = A.D. 1245). Dated A.H. 807. (No. 1281)
13. *At-Taisīr fi'l, Qirā'at*, by Abu 'Umar bin Sa'īd ad-Dānī (d. A.H. 377/987). Neat and beautiful copy, dated 845. Transcribed by Aḥmed bin Ḥusain bin 'Alī, the Imām of the Madrasah Manṣūriyah of Egypt, for the Royal Library of one of the Mameluke Sultans of the Fort, Sulṭān Ẓāhir Jakmak (A.H. 842 = A.D. 1438 A.H. 857 = A.D. 1453). (No. 1216)
14. *Al-Hidāyah-ila-Taḥqīq-ar-Riwāyah*, by 'Afīfaddīn-al-Adnānī a scholar of the eleventh century A.H. Autograph copy dated A.H. 1052. (No. 1253)

COMMENTARIES OF THE *QURAN*

15. *Nuzhat-al-Qulūb*, by Muḥammad bin 'Umar-as-Sijistānī (d. A.H. 330 = A.D. 941). Dated A.H. 569. (No. 1483)
16. *Al-Majāz fi'l-Qurān*, by 'Izzuddīn bin 'Abdassalām (d. A.H. 614 = A.D. 1262). Dated A.H. 687. Compared with the original copy by the scribe himself. Rare; only one copy mentioned in the British Museum Catalogue. (No. 1373)
17. *At-Tibyān Fi-l'rāb al-Qurān*, by 'Abdallah al-'Ukbarī (d. A.H. 614 = A.D. 1217). Dated A.H. 710. Rare. (No. 1371)
18. *Sharḥ at-Tāwīlāt*, by Abū Muḥammad bin Aḥmad as-Samarqandī (d. A H. 540 = A.D. 1146). Rare. A commentary on Māturīdī's (d. A.H. 333 = A.D. 944) work at-Tāwīlat, a theological commentary on the *Qurān* (the only one written from the Hanifite stand point). Rare; not mentioned in any catalogue. The present copy is not dated, but a note dated A.H. 631, on the title page, suggests that it was written before A.H. 631. (No. 1470)
19. *Al-Burhān fi-Tawjīh Tashābuh al-Qurān*, by Muḥammad bin Hamzah (who died after A.H. 500 = A.D. 1106). Daten A.H. 747. (No. 1334)
20. *Al-Ḥashiyah 'ala'l-Kashshaf*, by aṭ-Ṭībī (d. A.H. 743 = A.D. 1343). Dated A.H. 767. (No. 1351)
21 *Al-Kashshāf*, by Maḥmūd bin 'Umar az-Zamakhsharī (d. A.H. 538 = A.D. 1144). Dated A.H. 834. Neat and beautiful copy dated A.H. 834. (No. 1339)

22. *At-Tidhkār*, by Muḥammad bin Aḥmad al Qurṭubī (d.A.H. 668 = A.D. 1269). Dated A.H. 740. (No. 1375)
23. *At-Tibyān fi-Ādāb Ḥamalat al-Qurān*, by Muḥyi-addīn an-Nawawī (d. A.H. 676 = A.D. 1278). Dated A.H. 847. (No. 1377)
24. *Kashf Asrār al-Bayān*, by Muḥammad bin Ḥasan al Biqā'ī, a scholar of the ninth century A.H. Autograph copy. Dated A.H. 799. (No. 1414)
25. *Ḥaqā'iq as-Sulamī*, by Abū 'Abdarraḥmān bin Muḥammad as-Sulamī (d. A.H. 412 = A.D. 1021). Dated A.H. 823. (No. 1451)
26. *Al-Itqān*, by Jalāluddīn 'Abdarraḥmān bin Abi Bakr as-Suyūtī (d. A.H. 911 = A.D. 1505). Dated A.H. 915. Transcribed by Muḥammad bin 'Alī Ad-Dā'ūdī (d. A.H. 945 = A.D. 1338) a pupil of the author. (No. 1435)
27. *Ad-Durr an-Naẓim*, by Ibn Khashshāb (who died after A.H. 650 = A.D. 1252). Dated A.H. 991. Neat and beautiful copy. (No. 1431)
28. *Al-Jāmi' li-Aḥkām al-Qurān*, by Muḥammad bin Aḥmad al-Qurṭubī (d. A.H. 668 = A.D. 1269). Not dated; apparently 10th century A.H. Rare. (No. 1376)
29. *Aḥkām al-Qurān*, by Abū Bakr Aḥmad al-Jassās (d. A.H. 370 = A.D. 880). Dated A.H. 1139. Rare. (No. 1469)
30. *Bayān al-Burhān*, by 'Abdal 'Aẓīm bin Aḥmad (d. A.H.) 654 = A.D. 1256). Dated 1111 A.H. Rare. (No. 1372)
31. *Jawāhir al-Biḥār*, by Aḥmad bin Muḥammad al-Khādimī, a scholar of the twelfth century A.H. Autograph copy. (No. 1476)

TRADITION

32. *As-Sunan*, by Nasā'ī (d. A.H. 303 = A.D. 915). Dated before A.H. 541. (No. 218)
33. *Al-Jāmi'* by at-Tirmidhi (d. A.H. 279 = A.D. 829). Dated A.H. 572. (No. 211)
34. *As-Sunan*, by Abū Dā'ūd (d. A.H. 275 = A.D. 888). Dated before A.H. 548. (No. 209)
35. *Al-Jāmi' aṣ-Ṣaḥīḥ*, by Muslim (d. A.H. 261 = A.D. 875). Dated before A.H. 486. (No. 191)
36. *Al-Askhiyā*, by Dāraquṭnī (d. A.H. 385 = A.D. 995). Not dated; apparently 6th century A.H. Rare. (No. 372)
37. *Al-Kifāyah*, by Khaṭīb al-Baghdādī (d. A.H. 463 = A.D. 1072). Dated apparently 6th century A.H. Rare. (No. 438)

Kamrah (d. A.H. 1012 = A.D. 1603) (No. 271).

112. *Rubā'īyāt-i-Mu'min Ḥusayn.* A very rare and beautiful copy of the quatrains of Mu'min Ḥusayn (d. A.H. 1019 = A.D. 1611) (No. 273).

113. *Khusraw-wa-Shīrīn.* A good copy of Mirzā Ja'far Beg's (d. A.H. 1021 = A.D. 1612) *Khusraw-wa-Shīrīn,* written by the famous caligrapher Mullā Muḥammad Ḥusayn Kashmīrī (No. 274).

114. *Ḥulyah-i-Shah Jahān.* A rare and splendid copy of *Ḥulyah-i-Shah Jahān,* containing a poetical description of the physical features of Shāh Jahān. (No. 325)

115. *Bayāḍ.* A profusely illuminated and beautifully written copy of a Persian anthology, in the handwriting of Mīr 'Alī Tabrīzī, bearing the autograph of Shāh Jahān. (No. 1089)

116. *Bayaḍ.* Another exceedingly valuable and beautifully copy of a Persian anthology, bearing an autograph note of Prince Khurram (afterwards Shāh Jahān) who wrote it in the fourteenth year of his age. (No. 1091)

MISCELLANEOUS

117. *Kīmīyā-i-Sa'ādat.* The famous work on Asceticism and Sufism by the celebrated Imām Ghazālī (d. A.H. 505). An exceedingly valuable copy written mostly by the author himself. (This is probably the earliest Persian MS. in this library.) (No. 1346)

118. *Faṣl-ul-Khiṭāb.* A Sufic work, by Khwājah Muḥammad Bukhāri (d. A.H. 822). A very valuable copy, bearing numerous notes by several scholars of great fame and dated A.H. 845. (No. 1371)

119. *Rūḥul Jinān.* A commentary on the Qurān, by Ḥusayn Muḥammad Rāzi, in three volumes (incomplete). Dated A.D. 734. (1114-16)

120. *Anīs-uṭ-Ṭālibīn.* A Sufic work, composed A.H. 791, by Ṣalāḥ bin Mubārak. The MS. dated A.H. 856, is due to the penmanship of Jāmī. (No. 1377)

121. *Sharḥ-i-Safr-us-Sa'ādat.* A commentary on the Sufic work Safr-us-Sa'ādat, by 'Abd-ul-Haqq Dihlawī. An autograph copy, dated A.H. 1033. (No. 1186)

122. *Shaghl Risālah.* A collection of six treatises on theology, Sufism, etc., by 'Abd-ul-Haqq Dihlawī, revised and collated by him with his autograph note on the fly-leaf.

ARABIC MSS.

Including rare and beautiful autograph and old copies, divided subjects, and manuscripts of each subject arranged according to date of their transcription.

ORTHOGRAPHY AND VARIOUS READINGS OF THE *QURĀN*

Al-Ḥujjah, by Abū 'Alī al-Fārisī (d. A.H. 377 = A.D. 979) in two volumes. Dated apparently 5th century A.H. Rare. (No. 1211-12)

Al-'Uyūn, by Abū Ṭāhir Ismā'īl al-Muqrī (d. A.H. 455 = A.D. 1063). Dated A.H. 652. Rare. (No. 1235)

Sh̲raḥ-as̲h̲ Sh̲āṭibīyah, by, Abdullah bin Muḥammad bin Ḥasan al-Fāsī (d. A.H 656 = A.D. 1258). Dated 662. Rare. (No. 1228)

Al-Mustanīr, by Abu Ṭāhir Aḥmad bin 'Alī al-Baghdādī (d. A.H. 496 = A.D. 1104). Dated A.H. 7th century. (No. 1236)

Al-'Iqd al-La'ālī, by Abū Hayyān Muḥammad bin Yūsuf al-Andalūsī (d. A.H. 745 = A.D. 1345). Dated A.H. 716. Rare. (No. 1239)

An-Nukat-al-Amālī, by Abū Hayyān Muḥammad bin Yūsuf al-Andalūsī (d. A.H. 745 = A.D. 1345) dated A.H. 716. Rare. (No. 1240)

An-Nuzhah, by Ibrāhīm bin 'Umar al Ja'barī (d. A.H. 732 = A.D. 1332). Dated A.H. 726. (No. 1237)

Al-K̲h̲il-an-Nāṣih. A treatise on Qirā'at by Ibrāhīm-al-Ja'barī, (d. A.H. 732 = A.D. 1332). The present copy bears an autograph *sanad* dated A.H. 726 granted by the author to his pupil Sh̲ihāb-addīn Aḥmad al-Ba'lī (d. A.H. 747 = A.D. 1347), the scribe of the present treatise. (No. 1238)

At-Tahd̲h̲īb, by Abū'Umar bin Sa'īd ad-Dānī (d. A.H. 444 = A.D, 1053). Dated 726. Rare. Only one copy of the work is mentioned as being in the Library of St. Sophia at Stambul. Written in good *Nask̲h̲*, dated A.D. 726. (No. 1215).

Ibrāz-al-Ma'ānī, by Abū Aḥmad 'Abdarrahmān bin Ismā'īl (d. A.H. 665 = A.D. 1267). Dated 778. (No. 1229)

79. *Dīwān-i-Amīr Ḥajj Unsī.* A very rare, but slightly defective, copy *Dīwān-i-Amīr Hājj Unsī* (d. A.H. 923 = A.D. 517) (No. 221).
80. *Kulliyāt-i-Jāmī.* A finely illuminated copy of a collection of prose and poetical works of Jāmī (d. A.H. 898 = A.D. 1492) bearing a seal of the Amīr-ul-Umarā Ghāzi-ud-Dīn 'Imad-ul-Mulk Fīrūz Jang Bahādur, dated A.H. 1151. The MS. is dated A.H. 1017 (No. 180).
81. Continuation of the above with similar decorations, dated A.H. 970 (No. 181).
82. *Haft Awrang*, by the same author, written by the famous scribe Shāh Muḥammad-ul-Kātib, A.H. 908, i.e. only ten years after the author's death (No. 182).
83. Another copy of the same work, dated A.H. 928 (No. 183).
84. *Silsilat-udh-Dhahab*, by Jāmī. A very fine copy, dated A.H. 995 (No. 184).
85. An autograph copy of Jāmī's *Silsilat-udh-Dhahab* (1st Dafter) and his *Dīwān* (No. 186).
86. A very fine, but undated, copy of the *Silsilat-udh-Dhahab* (No. 186).
87. *Tuḥfat-ul-Aḥrār.* A very old, though undated, copy of *Jāmī's Tuḥfat-ul-Aḥrār* (No. 188).
88. Another fine copy of the same (No. 189).
89. *Subḥat-ul-Abrār.* A valuable and delicately illuminated copy of Jāmī's *Subḥat-ul-Abrār*, written by his contemporary, the caligrapher Sulṭān Muḥammad Nūr, A.H. 913 (No. 191).
90. Another good but slightly defective copy of the same, dated A.H. 927 (No. 192).
91. Another good copy, dated A.H. 935 (No. 193).
92. Another good copy of the same, written by a caligrapher of the author's native country, dated A.H. 980 (No. 194).
93. *Yūsuf-wa-Zulaykhā.* An extremely valuable copy of Jāmī's *Yūsuf-wa-Zulaikhā* once worth one thousand Muhurs; presented to Jahāngīr by 'Abd-ur-Rahīm Khān Khānān, written by the celebrated caligrapher Mir 'Alī-ul-Kātib, A.H. 930 (No. 196).
94. Another fine copy of the same work, written by the famous caligrapher Mīr 'Imād, A.H. 1018 (No. 197).
95. *Nafaḥāt-ul-Uns*, by Jāmī. A valuable copy written for the library of Sulṭān Dīn Muḥammad of Samarqand, A.H. 1003 (No. 204).
96. *Sulṭān wa Khusraw*, by Hātifī (d. A.H. 927 = A.D. 1521) a fine copy, dated A.H. 976 (No. 223).
97. Another fine copy of the same, dated A.H. 973 (No. 224).

98. *Tīmūr Nāmah*. A splendid copy of Hātifī's *Tīmūr Nāmah* (No. 225).

99. *Futūḥ-ul-Ḥaramayn*, by Muḥyī Lāri (d. A.H. 933 = A.D. 1526). The copy written in Mecca, contains gold and beautifully painted drawings representing the Ḥarem, mosques, wells, mountains, and the tombs of the descendants and relatives of the Prophet. Dated A.H. 979 (No. 226).

100. *Dīwān-i-Lisānī*. A splendid copy of the rare *Dīwān* of Lisānī (d. A.H. 941 = A.D. 1534), dated A.H. 972, written in fine clear *Nasta'līq* only thirty one years after the poet's death (No. 229).

101. *Dīwān i-Sharīf-i-Tabrīzī*. A very rare *Dīwān* of Sharīf Tabrīzī (d. A.H. 956 = A.D. 1549) dated A.H. 994 (No. 233).

102. *Dīwan-i-Ḥaydar Kalūch*. A good copy of somewhat rare *Dīwān* of the illiterate poet Ḥaydar Kalūch (d. A.H. 959 = A.D. 1551), written A.H. 967 i.e. only seven years after the poet's death, in a beautiful minute *Nasta'līq*. Several seals of 'Abdur Rashīd Daylamī, 'Ināyat Khān and of other Amīrs of Shāh Jahān's court, are affixed on the title page (No. 234).

103. *Dīwān-i-Kāmrān*. An exceedingly valuable and unique copy of the Dīwān of Mirza Kāmrān, brother of the emperor Humayūn bearing the autographs of the Emperor Jahāngīr and Shāh Jahān and the seals and signatures of many distinguished nobles and officers of the courts of Akbar, Jahāngīr, Shāh Jahān, and others written by the celebrated caligrapher Maḥmūd, pupil of the distinguished Mīr 'Alī (No. 237).

104. *Dīwan-i-Sharaf*. A splendid copy of the *Dīwān* of Sharaf-i-Jahān-i-Qazwīnī, (d. 96S/1560), written by the caligrapher Muḥammad Riḍā of Mashhad (No. 238).

105. Another valuable copy of the same, written by the famous caligrapher, 'Ināyat Ullah Shīrāzī, A.H. 981, i.e. only twelve years after the poet's death (No. 239).

106. *Dīwān-i-Qāsim Arsalān*. A rare and beautiful copy of Qāsim Arslān's (d. A.H. 995 = A.H. 1586) *Dīwān* (No. 249).

107. *Dīwān-i-Fayḍī* A splendid copy of the lyrical poems of Fayḍī (d. A.H. 1004 = A.D. 1595) written by the order of Nawāb Shīr Jang Bahādur (No. 261).

108. *Shahinshāh Nāmah*. An unique and exceedingly valuable copy containing a poetical account of Sulṭān Muḥammad III of Turkey for whom it was written. It is richly illustrated in the Persian style, and bears several seals of some of the distinguished nobles of the Mughal Court, the most interesting of which is that of Jahān Ārā Begum (No. 265).

109. *Dīwan-i-'Ijzī*. A very rare copy of 'Ijzī's (d. c. A.H. 1004 = A.D. 1595) Dīwān. (No. 266).

110. *Ruba'īyāt-i-Saḥābī*. A splendid copy of Saḥābī's (d. A.H. 1010 = A.D. 1601) quatrains, dated A.H. 1081 (No. 267).

111. *Dīwān-i-'Alī Naqī*. A very rare copy *Dīwān* of 'Alī Naqī of

the reign of Bahādur Shāh (d. A.H. 1124 = A.D. 1712). (No. 108)

58. *Haft Band-i-Kāshī*. A very beautiful copy of the 'Seven Stanzas' of Kāshī (d. A.H. 710 = A.D. 1310), written in beautiful bold *Nasta'līq* by Muḥammad 'Alī I'jāz Raqam, A.H. 1200 (No. 114).

59. *Haft Band-i-Kāshī*. Another beautiful copy of the same, written for the founder of this library. The handwriting is an exceptionally fine specimen of modern Indian Calligraphy (No. 116).

60. *Gulshan-i-Rāz*, A very beautifully written copy of Maḥmūd Shabistarī's (d. A.H. 720 = A.D. 1320) Gulshan-i-Rāz (No. 121).

61. *Dīwān-i-Khusraw*. A very splendid and interesting copy of Amīr Khusraw's (d. A.H. 725 = A.D. 1324) *Dīwān*, which once belonged to Humayūn's daughter Sakīnah Bānū, dated A.H. 978 (No. 127).

62. *Khamsah-i-Khusraw*. A finely illuminated copy of Khusraw's Khamsah, written by two scribes, A.H. 974 (No. 128).

63. *Maṭla'-ul-Anwār*. An exceedingly valuable copy of Khusraw's Maṭla'-ul-Anwār; transcribed by the famous caligrapher Mīr 'Alī in Bukhārā, A.H. 947, for Sulṭān 'Abdul Azīz of Bukhārā. The MS. contains four full-page highly finished illustrations in the best Persian style (No. 129).

64. *Duwal Rānī Khiḍr Khān*. A very interesting copy of Khusraw's poetical narrative of the love adventures of Khiḍr Khān son of Sulṭān 'Alā-ud-Dīn Muḥammad Shāh Khiljī, and Duwal Rānī, the daughter of Raykarn, the Rajah of Gujarat. Written at the instance of Shihābud-Dīn Aḥmad Khān (Governor of Gujarat during the reign of Akbar) at Ahmadabad, A.H. 995, and corrected and compared under the supervision of the poet Muḥammad Sharīf Waqu'ī (No. 131).

65. *Dīwān-i-Ḥasan*. A splendid copy of the poems of Ḥasan Dihlawī (d. A.H. 727 = A.D. 1327), transcribed by the famous calligrapher Muḥammad Ḥusayn Kashmīrī, A.H. 1010, for the library of Shaykh Farīd Bukhārī, a general of Akbar (No. 132)

66. *Dīwān-i-Salmān*. The oldest known copy of the lyrical poems of Salmān (d. A.H. 778 = A.D. 1326), written in a fine minute *Naskh*, A.H. 811, i.e. thirty three years after the poet's death (No. 147).

67. *Mihr wa Mushtarī*. A beautifully written copy of Shams-ud-Dīn 'Assār's (d. A.H. 784 = A.D. 1382) 'Sun and Jupiter' written by Maḥmūd of Bukhārā. A.H. 1017, for Walī Muḥammad, probably the second king of the Astrakhān dynasty (No. 148).

68. *Dīwān-i-Rukn-i-Ṣā'in*. A very rare and beautifully written copy of Rukn-ud-Dīn Harawī's (d. A.H. 764=A.D. 1362) Dīwān dated A.H. 883. (No. 149)

69. *Dīwān-i-Ḥāfiẓ*. An exceedingly valuable and interesting copy of the poems of Ḥāfiẓ (d. A.H. 791=A.D. 1388), bearing marginal notes in the handwriting of Humayūn and Jahāngīr, who, after consulting the odes, made notes on the margin which explain in most instances the particular reasons for consulting the odes and the results that followed after consulting them (No. 151).

70. *Dīwān-i-Ḥāfiẓ*. Another beautiful copy of the same written by the famous caligrapher Mīrak, A.H. 971 (No. 152).

71. *Dīwān-i-Ḥāfiẓ*. An interesting copy of the Dīwān of Ḥāfiẓ with a short glossary of the poems, and a collection of the Rubā'īs of 'Umar Khayyām. Several beautiful Taḍmīns on some of the Ghazals of Ḥāfiẓ, and illustrations in the Indian style are found in the copy (No. 157).

72. *Dīwān-i-Ḥāfiẓ*. Another valuable copy of the above written by the famous calligrapher Muḥammad Ḥassan, A.H. 1023, for Sulṭān Muḥammad Quṭub Shāh of Golconda, whose note appears at the beginning of the copy (No. 153).

73. *Dīwān-i-Kamāl Khujandī*. A beautiful copy of the lyrical poems of the celebrated poet Kamāl-ud-Dīn Khujandī, (d. A.H. 803=A.D. 1400), written in a very clear Nasta'līq, A.H. 886, i.e. only eighty-three years after the poet's death (No. 163).

74. *Dīwān-i-Qāsim Anwār*. (d. A.H. 837=A.D. 1433), A beautifully written copy dated A.H. 933, written in a fine clear *Nasta'līq* by the calligrapher 'Abdī of Nishāpur (No. 170).

75. *Ḥāl Nāmah*. A very splendid copy of an allegorical mystic Mathnawī, by 'Ārifī Harawī (d. A.H. 853=A.D. 1440), written by the celebrated caligrapher Mīr 'Alī-ul-Kātib on good thick paper in an elegant bold *Nasta'līq* with headings written in white on gilt and floral grounds. The margins of various colours are decorated with light gold floral designs throughout (No. 172).

76. *Dīwān-i-Amīr Shāhī*. A fine copy of the *Dīwān-i-Amīr Shāhī* (d. A.H. 857=A.D. 1454) dated A.H. 915, written by the same Mīr 'Alī-ul-Kātib. The various coloured margins are ornamented with floral designs and forest scenes (No. 174).

77. Another copy of the same work, bearing the seals of some of the nobles of Jahāngīr and 'Ālamgīr (No. 175).

78. *Dīwān-i-Banā'ī*. A rare collection of the lyrical poems of Banā'ī (d. A.H. 911=A.D. 1512) (No. 215).

34. *Kalimāt-uṣ-Ṣādiqīn*. Notices of saints who were buried in Delhi, composed A.H. 1023 by Muḥammad Ṣādiq Hamadānī. (b. 1000/1591) A very valuable and extremely rare work. (No. 671)

35. *Mir'at-i-Madārī*. Life of Shāh Madār, (d. 840/1436) the popula saint of India, composed A.H. 1064 by 'Abd-ur-Raḥmān Chishti. A rare work. (No. 677)

36. *Yad-i-Bayḍā*. Notices of ancient and modern Persian poets composed A.H. 1148, by Ghulām 'Ali Āzād. A valuable and correct copy, written mostly by the author himself. (No. 691)

37. *'Iqd-i-Thurayyā*. Notices of some Persian poets who flourished chiefly in India, from the time of Muḥammad Shāh to that of Shāh 'Ālam composed A.H. 1199, by the famous Urdu poet Muṣḥafī. (d.1250/1834) Rare. (No. 709)

38. *Gul-i-Ra'nā*. A biographical dictionary of the Moslem and Hindu poets of India, composed A.H. 1182 by Lachhmi Narayan Shafīq. Very rare. (No. 701)

39. *Makhzan-ul Gharā'ib*. An exhaustive biographical dictionary of 3148 Persian poets, composed A.H. 1218, by Aḥmad 'Alī Hāshimī in two volumes, dated A.H. 1224, five years after the composition. (No. 713)

40. *Khulāṣat-ul-Ash'ār*. A portion of Taqī Kāshi's (b 946/1539) famous biographical dictionary of Persian poets. This copy contains notices from Ḥāfiẓ (d. A.H. 794) to Fanā'ī (d. A.A. 893). The work is very rare. (No. 674)

41. *'Urafāt-ul-'Āshiqīn*. A most extensive biographical dictionary of Persian poets, composed, A.H. 1036 by Taqī Auḥadī. (b. 973/1565) The work is extremely rare. (No. 685)

42. *Safīnah-i-Khwushgū* (Vol. III). Notices of contemporary poets, by Khwushgū, composed (A.H. 1147 = 1734 A.D.). This valuable copy is the second part of the very rare and important third volume of the work. It was written by the order of Ghulām 'Alī Āzād Bilgrami, A.H. 1182. (No. 690)

POETRY

43. *Shāh Nāmah*, by Firdausī (d. A.H. 416 = A.D. 1025). A beautifully illuminated copy containing five Persian illustrations painted in gold and colours. Written in fine clear *Nasta'līq* by the famous calligraphist Murshid-ul-Kātib of Shirāz, A.H. 942. The MS. was presented to the emperor Shāh Jahān by 'Alī Mardān Khān, governor of Kabul and Kashmir (No. 1).

44. *Shāh Nāmah.* Another beautifully illuminated copy of the same, with the fine Persian miniatures painted within light gold ornamented borders depicting forest scenes (No. 2).
45. *Manṭiq-uṭ-Ṭayr,* by Farīd-ud-Dīn 'Aṭṭār (d. A.H. 627 = A.D. 1229). An old copy, dated A.H. 842 (No. 50).
46. *Ruba'iyāt-i-Sayf-ud-Dīn Bākharzi,* by Sayf-ud-Dīn of Bākharz (d. A.H. 558 = A.D. 1259). A very rare copy and beautifully written copy. Apparently 9th Century A.H. (No. 56).
47. *Dīwān-i-Athīr-Awmānī* (d. A.H. 665 = A.D. 1266). A beautiful and somewhat rare copy, dated A.H. 1015, bearing the seal of 'Abdullah Quṭub Shāh, the sixth king of the Quṭub Shāhī dynasty of Golconda (No. 57).
48. *Mathnavī of Jalāl-ud-Dīn Rūmī* (d. A.H. 672 = A.D. 1273) written in minute *Nasta'līq* by Muḥammad bin Ḥusayn of Kirmān, A.H. 856 (No. 59).
49. *Dīwān-i-Imāmī.* A somewhat rare copy of the poems of Imāmī Harawī (d. A.H. 686 = A.D. 1277) (No. 88).
50. *Kulliyāt-i-Sa'dī.* A beautiful copy of the works of Sa'dī (d. A.H. 691 = A.D. 1291), containing miniatures in fine Cashmere style, within gold borders illuminated and embellished in Arabesque colours throughout (No. 92).
51. *Shash Risālah-i-Sa'dī.* A valuable copy of the six risalahs of Sa'dī, bearing the autographs of Shāh Jahān and 'Abdur Raḥīm Khān Khānān. Written by Bāqir, son of the famous Mīr 'Alī (No. 93).
52. *Gulistān* and *Būstān* (bound in one volume). Written by Hidāyat Shīrāzī in fine and clear *Nasta'līq.* Contains fine miniatures (No. 96).
53. *Būstān.* A selection from Sa'dī's Būstān, written in exquisitely minute *Nasta'līq,* probably by Mīr 'Imād (d. A.H. 1024) (No. 99).
54. *Gulistān.* A valuable copy of Sa'dī's Gulistān, written in a very minute *Nasta'līq* on various coloured and gold sprinkled papers by Muḥammad-ul-Qiwām of Shīrāz, A.H. 990 (No. 102).
55. *Gulistān.* Another copy of the Gulistān, written by Hidāyatullah Zarrīn Raqam, A.H. 1113 (No. 103).
56. *Sharḥ-i-Gulistān.* An exceedingly valuable copy of Surūrī's (d. A.H. 969 = A.D, 1561) Arabic commentary of the Gulistān, written in a learned *Naskh* by the commentator himself, A.H. 961 i.e. only eight years before his death (No. 107).
57. *Nūrastān.* An autograph copy of a commentary on Sa'dī's Gulistān, by Muḥammad Wāṣil Kūrdī Sālārī, composed during

18. *Sawāniḥ-i-Akbarī*. A history of Akbar from his birth to the end of the twenty-fourth year of his reign (A.H. 987 A.D, 3579) by Amīr Ḥydar Ḥusayni of Balgram. A rare work. The MS. bears valuable notes in the handwriting of J. H. Blochmann (No. 556).
19. *Jahāngīr Nāmah*. The earliest version of Jahangir's *Memoirs* written in the third year of his reign. The MS. dated A.H. 1020 i.e. the sixth year of the reign, bears a note by Prince Muḥammad Sulṭān (the eldest son of Aurangzib) who took possession of it from the library of Quṭb-ul-Mulk at Hyderabad. The seals of Muḥammad Quṭub Shāh and 'Abdullah Quṭub Shāh are found on the fly-leaf (No. 557).
20. *Iqbāl Nāmah-i-Jahāngīrī*. History of Jahāngīr, by Mu'tamad Khān (d. A.H. 1049 = A.D. 1639), divided into three volumes. The first two voulumes, containing the history of Jahāngīr's ancestors, are extremely rare. (No. 559-62)
21. *Shāh Jahān Namāh*. A complete history of Shāh Jahān, consisting of four parts, each the work of a different author. A valuable and correct copy, written at the desire of Mirzā Sulṭān Nazar of Aurangzib's time, and bearing the seals and signatures of Lewis Da Costa, Francis Gladwin and Major Pooler.
22. *Pādshāh Nāmah*. Another complete hisiory of Shāh Jahān, consisting of two parts by two different authors. Contains twelve miniatures painted in the highly finished Indian style of the later Mughal period, and seven coloured drawings of buildings, mosques, etc. of Shāh Jahān's time. The MS. was seen by their Majesties the King Emperor and the Queen Empress on the occasion of their visit to Delhi in 1911 (No. 566).
23. *Siyar-ul-Muta'akhkhirīn*. A history of India from the death of Aurangzeb down to A.H. 1195 (*c*. A.H. 1195 = A.D. 1781) by Ghulam Husayn Ṭabāṭabā'ī. A correct copy, supposed to be an autograph of the author. (No. 582)
24. *Fatḥīyah-i-'Ibrīyah*. An account of the disastrous compaign of Mīr Jumlah in Kuch Bihar and Assam in the reign of Aurangzib (*c*. A.H. 1073), by Shihābuddin Ṭālish. The MS. was written, A.H. 1181, by the author's grandson I'tiṣām-ud-Dīn, during his stay in London, in the house of Archibald Swinton. (No. 573)

BIOGRAPHY

25. *Tadhkirat-ul-Awliyā (Part I)*. Notices of eminent Ṣufīs belonging mostly to the first three centuries of the Hijrah by Farīd-ud-Dīn

'Aṭṭār (d. A.H. 627 = A.D. 1229). An old and correct copy, dated A.H. 724. (No. 659)

6. Another copy of the same work, written in neat and beautiful *Naskh*, A.H. 830. (No. 660)

7. Another beautiful and very correct copy of the same work, containing valuable marginal notes and dated A.H. 939. (No. 661)

8. *Āthār-ul-Wuzarā*. Notices of the celebrated Wazīrs from the oldest times down to A.H. 911/1505 by Sayf-uddīn Ḥājī. Rare. A good and correct copy, dated A.H. 1044. (No. 654)

9. *Rashaḥāt*. Notices of the Shaykhs of the Naqshbandī order, especially on Khwājah 'Ubayd Ullah Aḥrār, the author's spiritual guide, composed A.H. 909, by Fakhruddīn 'Alī Ṣāfī. A good and correct copy, dated A.H. 1036. (No. 664)

10. *Mir'at-ul-Quds*. Life of Christ, written at the request of Akbar, A.H. 1010 = A.D. 1602, by Padre Geronimo Xavier. (d. 1617 A.D.). A good and correct copy, dated A.H. 1037. (No. 649)

31. *Majālis-ul-Ushshāq*. Notices of seventy-six celebrated mystics, who flourished from the second century of the Hijrah down to the author's time, by (according to the preface) Sulṭān Ḥusayn Baiqara (d. A.H. 911), but according to other reliable authorities, by Kamāl-ud-Dīn Ḥusayn. An exceedingly valuable and beautiful copy containing 32 illustrations in the finest Persian style and written in a beautiful *Nasta'līq* by the scribe Aḥmad-ul-Ḥāfiẓ of Shīrāz. (No. 663)

32. *Safīnat-ul-Awliyā*. Biographies of famous Shayhks from the beginning of the Islam to the author's time, composed A.H. 1049, by Prince Dārā Shikoh. (d. 1069/1685) A valuable copy, revised and collated by the author himself, whose autograph note is found at the beginning of the MS. (No. 673)

33. *Ma'athir-i-Raḥīmī* (concluding portion). Notices of 'Abdur Raḥīm Khān Khānān's contemporary philosophers, physicians, learned men and caligraphers, military officers under his command and poets who addressed laudatory poems to him, composed in A.H. 1025 by 'Abd-ul-Bāqī Nahāwandī. (b. 978/1570) A very valuable and rare work. The copy contains valuable marginal notes and emendations and once belonged to Amān- Ullāh Khān Fīrūz Jang, son of the famous Mahābat Khān Zamānah Beg, who held parts of high distinction in Akbar, Jahāngīr and Shāh Jahān's time. (No. 722)

PERSIAN MSS.

HISTORY

1. *Tārīkh-i-Ṭabarī.* Bal'amī's translation (*c.* A.H. 352 = A.D. 963) of Tabarī's (d. A.H. 310 = A.D. 921) general History in two volumes. Dated A.H. 740 (No. 449).
2. *Mujmal-i-Faṣīḥī.* A very useful and interesting compendium of prominent events, arranged in chronological order since the date of the Prophet's birth down to A.H. 845 = A.D. 1441, by Faṣīḥ-ul-Khawāfī. A rare, correct and neatly written copy dated A.H. 993 (No. 445).
3. *Khulāṣat-ul-Akhbār.* An excellent compendium of Asiatic history, by Khwānd Amīr (d. A.H. 941 = I. D. 1534). An old and correct copy, dated A.H. 966 (No. 463).
4. *Tārīkh-i-Abul Khayr Khānī.* A general history with a detailed account of the reign of Abul Khayr Khan of Qipchāq, composed by order of the Uzbek king 'Abdul Laṭīf Bahādur Khān (A.H. 947-959 = A.D. 1540-1551), by Mas'ūd bin Uṣmān Kuhistānī. A very rare and correct copy, dated A.H. 999 (No. 468).
5. *Tuḥfat-ul-Kirām.* A general history, with a special history of Sind (*c.* A.H. 1183 = A.D. 1766), by Mīr 'Alī Shīr Qāni' of Tattah. (b. 1140/1727) A very neat and beautiful copy, written by Muhammed Isma'īl of Shīrāz for Muḥammad Naṣir Khān of Persia A.H. 1233 (No. 479).
6. *Tarjumah-i-Maulūd-un-Nabī.* A Persian translation (A.H. 760 = A.D. 1358) of Sa'īd bin Mas'ūd ul-Kāzarūnī's history of Muhammad, by 'Afīf (son of Sa'id). An old and correct copy, dated A.H. 841 (No. 484).
7. *Durj-ud-Durar.* A detailed history of Muḥammad by Aṣīl-ud-Dīn 'Abdullah (d. A.H. 883 = A.D. 1478). A very rare copy (No. 485).
8. *Manāqīb-i-Murtaḍawī.* The life and virtues of 'Ali, the fourth Caliph, by Kāshfī (d. A.H. 1061 = A.D. 1650). A valuable copy written in A.H. 1076, i.e. fifteen years after the author's death (No. 494).

9. *Rauḍat-ush-Shuhadā.* A detailed history of Muḥammad, 'Ali, Faṭimah, Ḥasan, Ḥusayn and other martyrs by Ḥusayn Kashifī (d. A.H. 910=A.D. 1504). A fine copy, dated A.H. 976 (No. 498).
10. *Ḥayāt-ul-Qulūb.* A history of the Prophets, by Bāqir Majlisī (d. A.H. 1111=A.D. 1658). A valuable copy, written during the author's life time, A.H. 1090 (no. 501).
11. *Mukhtār Nāmah.* A history of Mukhtār the avenger of Ḥusayn bin 'Alī (c. A.H. 946=A.D. 1539), by Abū Dhar Salmān. An extremely rare, correct and valuable copy, written by the famous caligrapher Murshid-ul-Kātib of Shīrāz in A.H. 947 (No. 504).
12. *Tārīkh-i-'Ālam-Ārā-i-'Abbāsī* (*Ṣaḥīfah II*). History of the first thirty years (A.H. 996-1025=A.D. 1588-1616) of the reign of Shāh 'Abbās the Great of Persia (*c.* A.H. 1038=A.D. 629) by Iskander Beg Munshī. (b. 968/1560). A valuable copy written in A.H. 1043 only four years after the date of composition (No. 521).
13. *Hasht Bihisht.* History of the first eight sovereigns of the Ottoman dynasty, by Ḥakīm-ud-Din Idrīs-ul-Bidlisī (d. A.H.926 =A.D. 1520), in three vols. Author's autograph. A very rare work (Nos. 532-534).
14. *Sīrat-i-Fīrūz Shāhī.* An unique history of the earlier part of Fīrūz Shāh's reign with a detailed account of his virtues, munificence, his buildings, monuments, and works of public utility etc., by an anonymous author who wrote it, A.H. 722= A.D. 1370, i.e. the twentieth year of the emperor's reign. Dated A.H. 1002 (No. 547).
15. *Tārīkh-i-Dā'ūdī.* A history of the Lodī and Sūr dynasties from the time of Bahlūl Lodī to the death of Dā'ūd Shāh (A.H. 984= A.D. 1576), composed during the reign of Jahāngir, by Abdullah. A rare work (No. 548).
16. *Wāqi'āt-i-Bāburī.* Persian translation of Bābur's autobiography, by 'Abdur Raḥīm Khān Khānān. A good copy, written at Ghaznīn for the library of a certain Amīr (No. 549).
17. *Tārīkh-i-Khāndān-i-Taimūrya.* A hitherto unknown history of Tīmūr and his successors in Iran, and of Bābur, Humāyūn and Akbar down to the twenty second year of Akbar's reign. An exceedingly valuable and interesting copy containing 130 miniatures painted by nearly sixty painters of Akbar's Court for the emperor himself. The MS, bears an autograph note of Shāh Jahān and the signature of Francis Gladwin. (No. 551).

Caligraphy of which Mīr 'Imād and others became the subsequent masters. Mīr 'Alī of Tabrīz flourished in the reign of Tamerlane (1352-1405 A.D.). Books in his handwriting are very rare, and the present manuscript bears Shāh Jahān's autograph.

3. Mīr 'Imād Ḥusaini Qazwīnī specimens of whose art are to be found in the Library wrote a *Nasta'līq* hand of great excellence. Shāh 'Abbās Ṣafawī I of Persia greatly desired to possess a copy of the *Shahnāmah* transcribed by Mīr 'Imād, and as an earnest of his desire sent the Artist the sum of 70 tūmāns. A year having elapsed, a messenger was sent to him to enquire if the work had been completed. Mīr 'Imād handed him but seventy couplets which he had copied from the beginning of the *Shahnāmah*, and intimated that the remuneration he had received had only sustained him thus far. Shāh 'Abbas being vexed at this reply, sent back his pages and demanded the return of his money. Mīr 'Imād thereupon cut the couplets into seventy pieces and handed them to his seventy disciples, each of whom offered him one tūmān, and so enabled him to return the king's fee. This small incivility enraged the Shāh, and the unfortunate caligrapher paid for it with his life. He was murdered by the king's slave, Manṣūr Misgar, in A.H. 1024 (1625 A.D.). Shāh Jahan, more appreciative, used, it is said, to confer upon any one who presented him with any of 'Imād's production, the dignity of a centurion (or commander of an hundred horse).

4. Abdur Rashid Dailamī, whose beautiful *Nasta'līq* is to be seen in the Library, was better known as Āqā Rashid. He was 'Imād's sister's son as well as his pupil. He improved upon Mīr 'Alī's style and gained a wide repute in Persia for his art. After the murder of Imād he travelled to India and was employed by Shāh Jahān as writing-master to his son, the ill-fated Dārā. He died in 1081 A.H.

5. Sayyid 'Alī Khān Jawāhir Raqam bin Āqā Muqīm came from Tabrīz to India, and was employed by Aurangzeb to teach the art of caligraphy to the princes of the Royal Family. He wrote after the style of Mīr 'Imād and Āqā Rashīd, and was not inferior to them. For some time he was also the Curator of the Imperial Library. He died a madman in the Deccan 1094 A.H. (1683 A.D.)

PART II

A list of More Valuable Mss. in the **Library**

A. Persian Mss. compiled for this Volume
by Khan Saheb Abdul Muqtadir

B. Arabic Mss. compiled for this Volume
by Maulvi Abdul Hameed

Donors to the Library other than the Founder

1. *Dīwān-i-Ḥāfiẓ* : This, the celebrated copy of the Emperors, wa presented by Moulvī Subḥānallah Khān, Ra'īs and Zamīndā of Gorakhpore.
2. *Maṭla-'ul-Anwār* : presented to the Library by Sayyid Khurshī Nawāb Ṣāḥib of Patna City. This elegant volume contain four pictures by the Persian painter Maḥmūd, which in th estimation of Sir Edward Denison Ross are the most valuabl in the Library.
3. *Qurān Sharīf* : on a parchment roll — written in minute *Nask* and throughout sprinkled with gold dust — presented to th Library by Syyid Khurshaid Nawāb Ṣāḥib—He finally presente his entire collection of 125 manuscripts to the Library in 1904.
4. Two more collections consisting of manuscripts and printe books in the Persian and Arabic language, were added to th Library in 1904 and 1915 by the late Syyid Ṣafdar Nawāb Ṣāḥi of Patna and Sayyid Maulavī 'Abdul Majeed Ṣāḥib of Patna respectively. The former collection comprises 66 and the latter 68 manuscripts.

"The stones are like out-lined letters; the trees like archaic script;
"In the drawing of the bamboos each of the six methods is employed.

"He who is able to apprehend the meaning of these words;
"Has realised that caligraphy and painting are fundamentally the same."

—CHAO MENG-FU

A Note on some of the Caligraphists, specimens of whose craft are to be found in the Library

1. Jamāluddin Abu'd-Durr Yāqūt al Musta'ṣimī bin 'Abdullah Rūmi, whose *Qurān* written in 668 A.H. is one of the principal treasures of the Library, flourished in the thirteenth century A.D. at the Court of Mustaṣimbillah, the last 'Abbaside Caliph of Baghdād. Though the *Naskh* character was invented by Ibn-i-Muqlah, it owes to Yāqut the perfection and elegant finish which differentiate it from other characters.
2. Mīr 'Alī of Tabrīz, whose Majmū'ah—or collection of select poems — is in the Library, traced his descent from Ḥusain, the hero of Karbalā. In the biographies of caligraphers by Ghulām Muḥammed (*Tadhkirah-i-Khush-Navīsān*), it is stated that this writer by combining the *Naskh* and *Ta'līq* style of writing happily succeded in arriving at the style which is termed *Nasta'līq*. This style was known to, and practised by, caligraphers before Mīr 'Alī, but they were far from being methodical. Mīr 'Alī on the contrary, worked on definite lines and softened the roughnesses found in the work of his predecessors. This touch of Mīr 'Alī's genius was highly appreciated by his contemporaries and led to the foundation of a school of

eccentricity of toil that led him into its construction. The present volume is a finely written copy of the original in red and blue, with an illuminated frontispiece in blue and gold.

Next to it, I would mention an Arabic grammar by Razi, copied by the Scribe Aini, a scholar of vast learning and a swift penman, who could transcribe a volume in a single night. His manuscript bears upon it the impression of speed, as of an arrow upon its way or of a horse at the gallop; it contains his name and a statement to the effect that it was completed by him in the year 822 of the Prophet. The seals of the Madrasa Ainiyah beside the University of El-Azhar to which the writer left all his books, have been obliterated, except in one or two cases in which the letters can be traced. Beside it there is the *Kitab-fi't-Taṣawwuf* a work on Theosophy by the eminent Sufi Bishr-al-Ḥāfī, who lived in the third century of the Prophet. The present copy was inscribed in Egypt in the year 483 A.H. and it is unique. No other copy is known to exist. It is, with the little Koran, the oldest book in the Library. Yet it is in very good condition, and it has sustained the passage of time with a remarkable vitality.

I will conclude with the *Iṣāba-fi-Tam'īz-aṣ-Ṣaḥābah*, or Biographies of the Companions of the Prophet by Ibn-i-Ḥajar of Ascalon, who died in the year 852 A.H. This volume derives its special interest from the fact that it was bequeathed to the Madrasa constructed by him at Mecca in the year 1494 A.D. by a Mameluke Sultan of Egypt. There is his dedication upon the illuminated page, with the signature beside it of the keeper of the Madrasa. Two seals are defaced on the title-page, but one sufficiently survives to indicate that it was placed there by the Sultān Ashraf himself.

... ...

To enter this Library then is to pass from out of the common world of the bazzar, humming beside its gates, into the society of Princes and Divines; from a world shaken to its foundations by the terrific event of the hour, into a world that was no less troubled in its day, but is now at peace; to wonder at industry to which no toil when inspired by the soul was excessive; to realize that in man there still runs the twin river of the God and of the Beast, to look upon the strange pageant of life, as it were from an aloof corner, and to ask what the answer shall be to that riddle, which seems so insoluble, the ultimate destiny of man. Here the passing of Empires is like a little picture upon a screen; one can see how they came into being, how they grew, and how they passed away. And in a land where the migration of the soul is a common belief; where the great rivers

gather up the rain, and swell and diminish and swell again, ever building up, ever destroying—one can see the process each day at work from the roof-top of the Library—one is brought to realize that the enjoyment of this company of books is but for a season, that gathered here together, a happy multitude, some great, some humble, the jetsam of the swirl of Time, they must some day face once more a voyage upon the great sea of Chance. One is glad to meet them in their quiet hour to profit by the devotion of those who made them, the love of the Craftsman, the passion of the Poet, the urbanity of the great Prince, who in the midst of wars and tumults and the clashing of arms had yet the heart to water his garden of culture, and help man out upon his difficult road.

the gifted Artist—his eye and brain and heart behind each page and letter—and the dull uniformity, the mechanism of the printing press. The paper has the polish and lightness of fine silk; yet the weight of the majestic volume, laden as it is with refined gold, cannot be less than twenty pounds. It is not known how, or whence it came here; yet it is certain that such a volume could only have come into being in an epoch of magnificence and leisure, for the gratification of some great Prince; perhaps for him who built the Taj.

Beside it, there lies before me as I write a small duodecimo, dark with time, whose only ornament consists of little simple flower traceries, one or two upon the margin of each page. It is enclosed within an old worm-eaten cover of leather, and the binding has given way. From the absence of dots over the Arabic letters, it is attributed to the third century of the Mohamedan era; and it is the oldest volume in the Library. Splendid or simple, these Korans contain all that can guide the footsteps of the pious Musalman through the troubled ways of this world into the presence of his God; the Compassionate Merciful Allah.

Besides the Koran itself there are almost numberless volumes of Hadith, or Traditions, of the Prophet, of the deepest interest to the Moslem scholar. "The Prophet," in the words of Professor Nicholson, "had no Boswell; but almost as soon as he began to preach he was a marked man whose *obiter dicta* could not fail to be treasured by his companions and whose actions were attentively watched." Thus during the first century of Islam, there was a multitude of living witnesses from whom traditions were collected, committed to memory and orally handed down. Thus while every impartial student will admit the justice of Ibn Qutaybahs claim that no religion has such historical attestation as Islam, he must at the same time cordially assent to the observation made by another Muhammadan, "In nothing do we see pious men more given to falsehood than in tradition." Here before me is one, written in the year of the Prophet 911, at Ikdalah, near Dacca, for the Sultan Hussain Shah of Bengal. It is a fine quarto in three volumes, written in a beautiful Naskh, an example to those who use a pen of extreme patience, neatness and skill. Each paragraph is marked by a circular gold medallion upon the margin, with illuminated rays; and in the text itself the chapter headings are written in delicate letters of gold; the beginning of each *hadith* in red, the words of the Koran in blue. Large full-stops in gold, like moles upon the cheek of the beloved, are a further embellishment of this princely volume.

How did it come here ? It seems that after many vicissitudes, when Sultans had ceased to reign in Bengal, it passed into the keeping of a distinguished Arabic scholar and landowner of the Wahabi sect, whose doctrines brought him into conflict with the State. His lands were confiscated, and this amongst others of the possessions, passed into the hands of another, and so into the common treasury of the Library.

Another, and older, but less opulent volume on the same theme, the *Musnad-u-Abį-'Uwānah,* was but recently acquired from an itinerant scholar, who travelled from the North-West Frontier to see this Library, of which he had heard, and left this volume behind him, in exchange for 100 rupees. Possibly he stole it from some other Library; possibly it was rightfully his own, and he was merely hungry. The book contains the autographs of eminent Arabian scholars, who lived with it and wrote in it from century to century.

There is another of the same kind, presented to the Royal Library at Damascus, by the caligraphist himself, one Shams-ud-din *bin* Ala-ud-din, a scholar of that city in the year 870 A.H. An illuminated page records this gift with the condition that it is never to be removed from the Library, and the Donor calls upon God to punish him who might be guilty of the sacrilege of disregarding his bequest. It is a small octavo volume, bound in an old brown leather cover, stamped in arabesque design of the kind you will find in Moorish Spain upon tiles and mural decorations. It is loose in its cover, and worm-eaten in places. No one knows how it got here; but we may suspect the hand of the Arab book-hunter who travelled so far a-field for the good of his patron and of Mahomedan letters at Patna.

I will refer here also to the *Sawāṭi'-al-Ilhām*, a commentary on the Koran by the celebrated Faiḍi, the brother of Abul Faḍl, the intimate friend and servant of Akbar; the extraordinary feature of which is that the author deprived himself of the use of all letters of the Persian alphabet (more than half of the total number) which have points. The exquisite page is therefore free from these familiar dots, save in the case of those words only that are quoted from the Koran—for the Koran as containing the *ipsissima verba* of God may not be trifled with. Notwithstanding this singular abstention, the language of the writer is not lacking either in style or in distinction. It is a feat of mental contortion—a monument to the superfluous labours of a man who was one of the most eminent and industrious scholars of his time. Indeed he is considered one of the most voluminous of Indian writers; and one can only stand amazed at the patience, and the

Dr. Sprenger, "nor has there been any which like the Mohammedans has during twelve centuries recorded the life of every man of letters. If the Biographical records of the Musulmans were collected, we should probably have accounts of the lives of half-a-million of distinguished persons; and it would be found that there is not a decennium of their history, nor a place of importance which has not its representative."

Of the four volumes of the great Catalogue of the Library that have hitherto been published, three relate to its Persian manuscripts, one to its Arabic works on Medicine alone. The first of these is an old and rare copy of the *Kitāb-ul-Mushajjar* of Ibn Masaway in which, after stating the general rules of the Medical Art, the author describes in detail each of the diseases known to the profession in his time. A Syrian Christian, he was appointed by the Caliph Haroun-al-Raschid, to superintend the translation of ancient works, including many from the Greek, and eventually became private physician to the Caliph Al-Manṣur, and to several of his successors. He died in the year 857 A.D. The present volume, water-stained and worm-eaten, dates but from the fifteenth century.

Then there is the *Kitāb-al-Manṣūrī* of Abu Bakr al-Razi, the most eminent with Avicenna, of the Arabian physicians, the Rhazes of European writers, of whom it is said that when in his old age he suffered from cataract and was asked to have his blindness removed by an operation, he sadly replied, "I have seen so much of the world that I am wearied of it."

Of whom also it is said that when called upon to select a site for a hospital in Baghdad, he caused pieces of meat to be suspended in various localities, and chose that one, in which after a given time the least putrefaction was visible, thus anticipating the knowledge of microbial infection. To him is attributed the oldest account extant of small-pox and measles.

In the same category belongs the *Kitāb-ul-Ḥashā'ish*, an old copy written in the eleventh century, of the Materia Medica of Dioscorides the Botanist of Cilicia in the time of Nero. In his youth a soldier, this man travelled through Greece and Asia Minor into Gaul collecting his specimens. His work became a model for subsequent ages. The present copy is embellished with coloured illustrations, severely simple in their design, with the names of the plants designated by their Greek names in Arabic, and occasionally in the Greek characters.

Austere as these Arabian manuscripts are, the *Korans* amongst hem offer a superb exception, and indeed there are one or two here vhich to some eyes might well seem the finest of all the treasuries of the Library. I would draw attention in particular to a copy by Yaqut-al-Mustasmi, with his autograph at the close, and the date 668 of the Prophet's Flight—1254 of our era. On each page of this volume the words are written in three styles of penmanship, Naskh, Raihan, and Suls : the first of which was invented by the scribe him-self. I find it difficult to imagine a more exquisite example of the beauty of letters. It is further embellished with gold and the most delicate floral traceries, the heading of each Surah being written in letters of gold. The written portion of the page is framed in a separate border of red and blue and gold, and an outer gold-lined page. You can see that this is so, for where in places a single letter projects beyond the vertical line, it is railed off within a little border of its own. There is a beautiful blue and gold frontispiece in Tughra, the great decorative style that is inlaid upon the Taj and other famous monuments; and in his illuminated autograph, the Scribe, who was of Baghdad in the time of the Caliph Musta'sim Billah, asks for the forgiveness of his sins. The colour of the inner pages is of a mellow ivory.

For sheer splendour, though not in its exquisite craftsmanship, this copy of the Koran is surpassed by another of the most princely magnificence, a large folio with a Persian commentary inscribed in letters of blue upon its spacious margins. Nothing more sumptuous than this in the way of a book can well be imagined. Each chapter here begins with a double-page, superbly illuminated in blue and gold, in *lapis-lazuli*, turquoise and ultramarine; in hues of scarlet and vermilion; and each of these double-pages is of an individuality distinct, from the next. The heading of each chapter is written in white letters; the beginning of each *Surah* in white letters upon a dark-blue ground. There is a series of borders, in which the precious words are enclosed, as if to seclude them still further from the common world. Thus there is the Commentary with its corner scrolls of a floral pattern in plain gold, each of which upon each page is different from its neighbour; there are minute floral designs in colour; there is a wide margin, an inch in width, embellished in white and gold; there are medallions in blue and green and red and gold; each of the full stops is a sun of gold, and finally there is the Holy text in large bold letters in black an inch in width.

In this volume you perceive the difference between the hand of

old 'Unwan' or frontispiece, you have the original perfection on the right and a poor copy of it on the left, to replace the leaf that was lost or stolen. There is all the difference here between the beauty of exquisite line and colour, and its base imitation. But the rest of the volume is of the old style. Its caligraphy is by a penman of Shiraz, its full-page miniatures are of great interest and charm. These are in blue and gold, in vermilion, green, scarlet, and mauve; within exquisite borders of embossed gold. Here are flowers painted from life, and fruit-trees in bloom, done by one who had seen, and been seized with, the beauty of their tracery against a blue and vernal sky. The people depicted in these pages, their costumes, figures, types of men and women, are all interesting. The suggestion that linger is one of beautiful gardens, rich carpets, coloured and encausticked walls and emblazoned portals; and that early Chinese influence from which the Persian miniaturists drew their technique is clearly apparent. There is a battle scene, an attack by horsemen in armour upon a fortress —Chengiz Khan attacking Tabriz, the saint Najmud-Din Kubra, his hand to his face in lamentation in a corner of the vivid scene, praying for the city. There is another of Shirin and her ladies on horseback in search of Farhad; encountering like Nicolete the toils and the dangers of the road; with ibex and deer and leopards, and baboons flinging great boulders at the wayfarers. The creamy paper is faintly sprinkled with gold.

Beside this volume is an Anthology from thirteen of the Poets written for the Sultan Qutb Shah of Golconda, a circumstance that is recorded upon a gold medallion within a border containing the names of the chosen few. It is an exquisitely written and delicately illuminated copy, each page of which has upon its countenance the magic grace of Time.

Fittingly associated with these poems of Persia, are several volumes of the Indian poet, Amir Khusrau, 'the sugar-tongued parrot of Hindustan,' whose prolific genius still inspires the Indian people, and whose grave at the Shrine of Nizam-ud-Din Auliya, where Emperors seek a shelter from oblivion, is still to be seen after the lapse of six hundred years, covered with fresh rose-petals. Beside him in that exquisite sanctuary, there sleeps the historian Khwand Amir, the favourite of Babur, and the author of the *Khulasat-ul-Akhbar*, a general history of Asia from the earliest times; of which the Library possesses a valuable copy.

Let me refer here also to *Bal'ami's translation* into Persian of the celebrated works *of Tabari*,—'one of the greatest historians of the

Mohamedan East,'—of which there are two volumes in the Library. Tabari's *magnum opus* in its first edition, was, it is said, so enormous in volume, that even his diligent Eastern pupils refused to read it, unless it were abridged; whereupon the author sadly exclaimed that "enthusiasm for learning was dead." No complete copy of the manuscript exists anywhere, but many odd volumes are to be found in different parts of the world.

Of more recent works that are of general interest, there is a Persian translation by the Khan Khanan Abdur-Rahim, of the Turki *Memoirs of Babar*; the *Sawāniḥ-i-Akbarī* by Amir Haidar Husaini Vasiti Bilgrami, a history of Akbar from his brith to the twenty-fourth year of his reign, 'perhaps the only critical historical work written by a native of India' (a statement that is no longer true); the *Memoirs of the Emperor Jahangir*, written by him in the third year of his reign; and the *Iqbāl Nāmah-i-Jahāngīrī* in three volumes, of which the first two are very rare; an autograph copy of the *Siyar-ul-Muta-'akhirīn* of Ghulam Husayn who wrote of the decline and fall of the Mogul Empire, together with a copy of its translation into English by M. Raymond, the French Creole, with annotations by the translator in his own hand; *the Mirat-ul-Qudus*, being that life of Christ that was written at the request of Akbar by Father Jerome Xavier, the Jesuit missionary who became the intimate friend of the Emperor and even cherished the great hope of converting him to the Christian Faith; also a very handsome volume in cream and gold, its Persian words in black, its Gurumukhi in red, that was once the property of Ranjit Singh, the Maharajah of the Panjab, which contains the names of his officers and regiments, and of many of his men, with particulars of the salaries they drew, and the expenses of the Sikh army eighty years ago.

If these Persian volumes carry us into the society of Princes and of Poets, of those who loved and were loved, of Statesmen and of Warriors; and picture to us all the simple beauty of flowers, the voluptuous elegance of courts; those that are in Arabic lead us for the most part to graver themes, to the sacred Koran—the guide of life to hundred of millions of men to whom it is the very word of God—to the extant Traditions of the Prophet—to the Commentaries of learned Divines, to austere treatises on Medicine and Surgery, on Philosophy and on Science, written at a time when Arab culture surpassed and illuminated that of Europe, still groping in its tunnel of the Dark Ages; above all into a region of Literary Biography that is perhaps the richest in the world. "There is no nation," says

secured on an elephant, his young son at his side. This creature was not one of the majestic elephants of Pegu or Ceylon, which Dara had been in the habit of mounting, pompously caparisoned, and carrying a beautifully painted *howdah* inlaid with gold, with a magnificent canopy to shelter the Prince from the sun. Dara was now seen seated on a miserable and worn-out animal, covered with filth; he no longer wore the necklace of large pearls, which distinguish the Princes of Hindustan, nor the rich turban and embroidered coat; he and his son were now habited in cloth of the coarsest texture, and his sorry turban was wrapt round with a Kachemire shawl or scarf, resembling that worn by the meanest of the people. From every quarter I heard piercing and distressing shrieks, for the Indian people have a very tender heart; men, women and children wailing as if some mighty calamity had happened to themselves."

These indignities were but the prelude to his death.

"His head was instantly carried to Aurangzeb, who commanded that it should be placed in a dish and that water should be brought. The blood was then washed from the face; and when it could no longer be doubted that it was indeed the head of Dara, he shed tears, and said, 'Ai Bed-bakht,' Ah wretched one! Let this shocking sight no more offend my eyes, but take away the head, and let it be buried in Humayun's tomb."

Both of these men, it should be remembered, were the sons of one mother, the gentle lady over whose remains there stands in its white beauty, the dream-fabric of the Taj.

I gladly turn from these painful memories to volumes whose exquisite perfection of colour and craft yield no other feeling but one of the purest enjoyment.

Here, for example, are several fine manuscripts of the Poems of Sadi, who lived in the thirteenth century, and of whom it is said, that though he was the *protege* of Princes—one of whom saw to his education, while another was so much affected by the Poet's verses at an interview that he burst into tears—yet that he made the pilgrimage to Mecca fourteen times on foot, and was glad to serve as a water-carrier at Jerusalem for the benefit of the pilgrims and of the humble. One of these manuscripts of the fifteenth century, a beautiful copy of all the works of Sadi, is gay with sumptuous decorations and colours, and a whole series of Persian miniatures in the best style of the period; while its first two pages contain a table of contents written in white.

Another copy, the oldest of all the copies in the Library, is written in a handwriting that is exquisitely clear, upon gold-sprinkled paper of divers colours, the work of a penman of Shiraz.

Yet another, being a series of selections from the *Bustan*, is richly embellished. The whole of the double page of its 'Unwan' is illuminated in gold and in colours like a Persian carpet of the Palace. Even more lovely is its concluding page, with its mingled blue and crimson, its yellow, its grey, its green; while each of the Poem headings is emblazoned with minute flowers upon a terrain of gold. The handwriting is attributed to Mir 'Imad.

Flowers, each different to the other, and as fresh as if they had been culled from a meadow in spring, similarly provide a resting-place for the eyes as they wander over its companion volume. A fourth contains the text of the *Gulistan* and the *Bustan* together, prose and verse intermingled, and here it is the miniatures that captivate one's attention. One of these shows Sadi as a Darwesh; an old man with a fresh face and a white beard, in a blue *gelabieh* with long sleeves that hide his hands, dancing round a Cypress tree with musicians and other dancers for company, and people clapping their hands, while other look on with evident admiration and interest, and women in white *yashmaks* peer at the windows. Another, a vision of blooming orchards, shows a great gateway and flying clouds and bowmen loosing their arrows; scenes that fill one with the nostalgia of the Spring and of the Open Road.

And here are some verses of Old Omar interspersed with others of Hafiz; the latter the main text, the former in exquisitely minute letters occupying little compartments to right and left, and chosen by some connoisseur who designed the volume for their appositeness to each other. But the miniatures in this volume, and in another of about the same period, the seventeenth and eighteenth centuries—the *Hamlah-i-Hydari*, a poetical account of the Prophet and the early Caliphs—display an evident decline in taste and a falling away from the delicate beauty of the Persian School. It is an Indian style and here it is an inferior one. In the latter volume in particular, the pictures are crude and are badly drawn; the floral decorations are lifeless and superficial; the blue of the *lapis lazuli* has passed into something far less exquisite. Not only was the impulse of Persian art losing its force; but the Empire itself was hastening towards its decline. This transition is marked upon the same page in a volume of the "Lives of the Great Mystics and lovers," by one Sultan Husain the last of the Timurides of Persia (842-911 A.H.). In the blue and

last of the Moslem Sultans of the South. And here I would mention a copy of Jahangir's *memoirs*, obtained upon the same occasion, which is believed to be one of the four copies the Emperor presented to contemporary sovereigns. It bears the seal of the same Sultan of Golconda, with a further note, possibly in the handwriting of the Conqueror's son—that it was "seized" from the Sultan's Library.

The tragic fortunes of Princes are yet more vividly recalled by the only original copy extant of the *Diwan* of Kamran, the son of Babar, the erring brother of Humayun, who, after forgiving him upon numberless occasions, was at last compelled for his own safety and that of the throne to put out his eyes. The story has been told by those who knew Kamran well; with a tragic brevity by Jauhar, the Emperor's ewer-bearer in his youth; and by Gulbadan Begum—the rose-bodied Princess—daughter of Babar, whose *Memoirs* of Humayun open the door of a woman's vision on the lives of these restless and warring men.

"All the assembled Khans and Sultans," she says, "high and low, plebeian and noble, soldiers and the rest, who all bore the mark of Mirza Kamran's hand, with one voice represented to His Majesty: Brotherly custom has nothing to do with ruling and reigning. If you wish to act as a brother, abandon the throne. If you wish to be King, put aside brotherly sentiment. This is no brother. This is your Majesty's foe. It is well to lower the head of the breacher of a kingdom."

Humayun answered, "Though my head inclines to your words, my heart does not."

And one knows that it was so; but he was compelled to consent. When he drew near Rohtas he gave an order to Sayyid Muhammad, "Blind Mirza Kamran in both eyes."

"After receiving the King's command," says Jauhar, "we returned to the Prince, and Ghulam Ali represented to him in a respectful and condoling manner, that he had received positive orders to blind him. The prince replied, 'I would rather you killed me at once.' Ghulam Ali said, 'We dare not exceed our orders.' He then twisted a handkerchief up as a ball for thrusting into the mouth and he with the *farash* seizing the Prince by the hands pulled him out of the tent, laid him down and thrust a lancet into his eyes (such was the will of God)."

"This they repeated at least fifty times, but he bore the torture in a manly manner, and did not utter a single groan, except when one of the men who was sitting on his knees pressed him."

"Why," he said, "do you sit upon my knees? What is the use of adding to my pain?"

This was all he said, and he acted with great courage, till they squeezed some lemon juice and salt in the sockets of his eyes. He then could not forbear, and called out:

"O! Lord. O! Lord my God, whatever sins I may have committed have been amply punished in this world; have compassion upon me in the next."

The blind man became a pilgrim and went to Mecca, where he died some four years later. "How interesting," says Mrs. Beveridge, who has translated his sister's *Memoirs*, "how interesting Kamran might have made a *Book of Memoirs* in which he set down his life from his own point of view, his motives, ambitions, opinions of right and wrong, and, above all, if he had spoken his inner mind about the religious duties he was enabled to perform before death, through his defeat and mutilation. We do not know all the truth about him."

Some at least of his mind—for he was an accomplished scholar and was possessed of a good share of the genius of his race—we can learn from the pages of this little volume of poems, the only copy of that period that exists. It is in the handwriting of the celebrated caligrapher Mahmud bin Ishaq-ush-Shihabi of Herat, who was second only to his more famous contemporary, Mir Ali, and it was written by him while Kamran still lived. It contains within it, autograph notes of the Emperors Jahangir and Shah Jahan, it was read by the brilliant Nur Jahan, and passed from her possession into that of successive princes and nobles of the Imperial Court.

Beside it one might place an autograph copy of the book of another Prince of this gifted and tragic family, the *Safinat-ul-Auliyā*, or Lives of the Sufi Saints, by Dara Shukoh, the favourite son of magnificent Shah Jahan, and his chosen successor; yet whose lot it was to die after enduring the last humiliations, the utmost distress, at the hands of his younger brother, Aurangzeb. That story, so well known in India, has been told, in words that can never be forgotten, by a Frenchman who met him in his flight across the burning desert of Rajputana, as he himself was making his way to the Imperial Court (surely an amazing encounter) and was to see him again in his last hours at the Capital.

"It was considered necessary," wrote Monsieur Bernier to a friend in Paris, "to strike the people with terror and astonishment, and to impress their minds with an idea of the absolute and irresistible power of Aurangzeb. The wretched prisoner was therefore

to rest. Of less intrinsic value is a manuscript of the poem *Salamān-wa-Ābsāl*, which was translated by Edward Fitzgerald in 1879.

But this cannot be said of the superb copy of *Yusuf wa-Zulaykha*, the Moslem version of the loves of Joseph and Potiphar's wife, and the most popular of all the works of Jami. It is not only richly illuminated, but, what is more in Eastern eyes, it is a triumph of penmanship, the work of the famous caligrapher Mir Ali of Herat. It was transcribed by this prince of penmen in the year 1523 A.D. and was presented by the Khan Khanan Adbur Rahim to his master the Emperor Jahangir; an event of such consequence that it was recorded by the contemporary historian of the Imperial Court. Its value even at that time and before it had gained fresh lustre from this donation, was fixed at a thousand gold mohurs. The Khan-Khanan was the son of Akbar's Minister, Bairam; a man as famous for his literary achievements, which included a translation into Persian of the *Turki Memoirs of Babur*, as he was in war and state-craft. Those who wish to see his tomb, will find it sad and forlorn and bereft of all its marbles (sold by the Emperor Shah Alam, descendent of the Great Moghuls, for the money they would fetch) hard by the Mausoleum of Humayun at Delhi.

This is not the only copy of the poem; there is another, which, if of less consideration here, would rejoice the heart of any ordinary collector. It owes its existence to the penmanship of the celebrated caligrapher, Mir Imad, who flourished during the reign of the Persian Emperor Shah Abbas, and was assassinated in the year 1615, seven years after the completion of this volume. The coloured and illuminated pages which adorn it are of exceptional beauty. There is one of Joseph as a lad crossing the dark Nile in a boat full of travellers, on his way into captivity, and below it there is a little scene in which he is depicted, bound with ropes, being delivered up to the Vizier of Egypt. Others come to us fresh with the perfume of Central Asia and lead us gently by the hand into gardens of water murmuring over fretted slabs, where the narcissus blooms and Spring is abroad in the peach and cherry orchards.

Leaving for a moment these volumes that dazzle the eyes by their very magnificence, I turn to another that has no external beauties beyond its fine penmanship, a slim little volume, brown and mellowed by time, and a very rare thing, not only in itself, but from its remarkable association with the Great Emperors. This is a volume of the Lyrics of Hafiz, which upon many a critical occasion, when their own lives and fortunes and those of others about them were at

stake, was consulted by Humayun and Jahangir, in the same way that Homer and Virgil were in Europe, and the *Bible* is, even to this day, by humble people. Even the cold Puritan Aurangzeb had recourse to Hafiz, "the voice of Mystery".

The marginal notes recorded by the Emperors set forth the circumstances in which the little book was used to plumb the secrets of Fate. Here is one by Humayun opposite a verse relating to Joseph and his brethren, which helps one to realize, in a very human way, how keenly the Emperor, who almost lost his throne through their disloyalty, suffered from the unkindness of his own brothers. Again, when he was setting out for the reconquest of Hindustan in the year 1553, his eye lighted upon a verse that encouraged him to proceed upon his dangerous enterprise.

His grandson Jahangir often used this volume, and upon one occasion in the year 1609 his reference to it saved the life of one of his followers, the son of an old servant of the dynasty, whom for his treachery he had sentenced to death. The delinquent escaped with the indignity of being led through the streets upon an ass, with his face turned towards the tail. "This ode," the Emperor writes in the margin, "came forth for the releasing of Fath Ullah, and I pardoned his faults."

One does not need to be an expert in hand-writing to distinguish at once the clear round hand of Humayun, the large voluptuous style of Shah Jahan, from the fugitive and erratic, yet artistic penmanship of Jahangir, who was so often in his cups that his hand trembled when he wrote. Akbar, who came between Humayun and Jahangir, must have possessed, and may, if his strong mind permitted him to seek such aid, have used the precious little volume; but there is no written trace of his ownership upon it, or upon any other of these superb volumes inscribed with the Imperial names; for Akbar, the greatest of them all, could neither read nor write.

There are many other volumes of *Hafiz* in the Library, splendid enough though less notable than this unique copy. Here is one from the library of Qutb Shah, King of Golconda, who relates that it was completed for him at Hyderabad in the Deccan by the scribe Muhammed Mohsin in the year of the Prophet 1023. It has a frontispiece illuminated in blue and gold, and the paper upon which it is written is of a soft dove grey, with the headings of the poems illuminated in white and red and gold. It must have fallen into the hands of the Emperor Aurangzeb, as part of the spoils of his victory over this

armies under Mohammed the Second assaulting Constantinople; their passage of the Bosphorus; and the Sultan Salim receiving the banner and the mantle of the Prophet that were to confer upon the Osmanli Sultans the spiritual headship of Islam, from Mohamed Mutawakkil Billah, the last of the Abbasid Caliphs of Egypt. Knights in European armour, and Janissaries in costumes that recall the vestments of the Greek church, here mingle with those who wear the turbans and the scimitars of the East. Little wonder that the book was treasured at the Moghul Court.

Next to it, we may fittingly place another magnificent folio, the *Shāh Nāmah* of Firdausi, by which indeed its author was inspired. The great Persian poem is one of the world's epics; and the story of its origin, of the survival of its materials from the chances of Fate, and of its completion, after a labour of thirty-five years, in the poet's eightieth year, is of the very fabric of romance. Commissioned by Mahmud of Ghazni, who enriched himself with the spoils of India in the course of a dozen expeditions, it was not paid for in full by the parsimonious Sultan until the Poet lay upon his death-bed, and the Royal messengers with their guerdon entered the poet's city of Tus only to meet his body being carried to the grave. The poet's daughter declined to accept the Sultan's gift. 'Tis an old story, but one that will never be forgotten so long as books are read and men of genius are esteemed amongst the princes of mankind.

The manuscript in this Library is incomplete to the extent of 10,000 verses, and it is no older than the year 1539. It was presented to the Emperor Shah Jahan by the great Persian nobleman, Ali Mardan Khan—Governor of Kabul and of Kashmir, and the designer of the great Moghul canals—whose grave still lingers, a shattered ruin, outside the walls of Lahore. The volume, worthy alike of him who gave it and of him to whom it was given, is embellished with a series of the most beautiful Persian 'miniatures'. Written in firm, clear *Nastaliq* with four gold-ruled columns, with two most sumptuous and elaborately decorated *unwans* in the beginning and a double page full-sized miniature with exquisite borders; its last two pages decorated throughout in gold headings written in gold and coloured flowers—it is truly a princely thing; with the magic about it that lifts one's imagination from its customary environment, and carries it back as upon a Carpet of Solomon, these 260 years, to the day when it was offered in open court to the most splendid prince who has ever sat upon a throne. In the year 1911, at the Delhi Durbar, this volume already historic, was laid before the King Emperor; a circumstance

to which the signature of His Majesty upon it, bears witness to future ages.

There is another and older and perhaps even more beautiful copy of the *Shāh Nāmah*, the pages of which are adorned with wide rustic borders of Chinese design, of Cranes and Dragons, Birds and Wolves and Flowers. Its *unwan* in olive-tinted gold is certainly more beautiful, as also is its old leather binding with inlaid gold medallions. As to the pictures in this and in its companion volume, the connoisseur will find it difficult at times to choose between them. They often illustrate the same theme, and it is most pleasant and interesting to compare them with each other. What a world of splendour, of Kings and Courts, of Battlefields and the Coming of Spring in orchards and in the formal gardens of the East, they reveal! Here are Polo Matches and Hunting scenes; pictures of Lions and Elephants and Snow-leopards; Chinar Trees in autumn and birds in gold trees; Sohrab and Rustum in deadly conflict, Saush riding his black courser through the flames; pretty ladies at windows looking out upon a world of blue skies, and odd little Chinese clouds that are sometimes white and sometimes like banners of gold; gardens full of cypresses and hollyhocks; great gate-ways and courts enamelled with tiles of vermilion and heliotrope, blue, fawn, and chintz; sieges and battles and men clambering up walls and dying under the sharp stress of sword and spear, and the massive thump of great stones flung down upon their heads by the defenders.

It is part of the benediction of this Library that one loses one's identity completely in the perusal of its exquisite pages.

From the *Shāh Nāmah* I turn to the works of one who came long after Firdausi, of Jami the Sufi Mystic, the last great classical Poet of Persia. Our Library is especially rich in fine copies of Jami's works; and no less than thirty-two pages of the closely printed catalogue are needed to set forth their merits. The collection of his poems, which rivals that for which St. Petersberg was famed before the war—to what winds have they been scattered since?—and of which it is said to be the other half, includes amongst other volumes the *Silsilat-udh-Dhahab*, which takes a high place in the regard of connoisseurs because it was written by the Poet's own hand. In it he records the date of the birth of his son, and asks God, with a true Moslem humility, to forgive him his own sins. The autographs and seals of former owners of this rare little book have been obliterated to conceal the sources from which it was stolen, before it finally came here

the Middle Ages; and with less splendour, one familiar to the Europe of an earlier day—the Europe of Froissart and of Muntaner.

Finally, to take but one more of the hundred and thirty-three pages of colour, that are the glory of this volume, there is Akbar in his prime at the siege of Chitor; a magnificent picture of the proud city of the Sisodhyias in that critical hour, when the Emperor seizing his musket, shot dead upon the oposing walls the heroic Jaimal, who was the life and soul of the defence; that Jaimal, whose image upon an elephant still adorns one of the great gates of entrance to the Palace of Delhi, reconstructed there by the painter Mackenzie, under the orders of Lord Curzon of Kedleston, as Viceroy of India. The Rajput women, soon to enter the flames of the dread sacrifice of the Johar, are weeping and lamenting his death. Outside, the great guns of the besiegers are belching their shot at the castle, the elephants and horsemen crowd to the attack, and there is all the briskness of a mediavel siege super-added to the magnificence and opulence of the East.

Scenes such as these carry one into the very heart of a life that has vanished from the continent of India. For Chitor now broods mournfully amidst the scenes of her former greatness, and the Moghul is but the faint echo of a once-resounding name.

The volume in which these things are contained bears upon it an inscription in the handwriting of Shah Jahan; in which he states that this history of Timur and his descendants to the twentysecond year of Akbar's reign was composed in the time of Shah Baba; the affectionate name by which as a child and to the end of his days he spoke of his grandfather. A number of seals (Tahwil) and 'Arḍ-didahs confirm the authenticity of the volume, which Khan Sahib Abdul Muqtadir would identify with the *Chingiz Namah*, mentioned by Abul Faḍl as one of the nine principal manuscripts illuminated for the Emperor Akbar. The name of Francis Gladwin, the historian and Oriental scholar of Warren Hastings' time, is inscribed upon a corner of the page bearing Shah Jahan's autograph. A note in Persian states the cost of the manuscript to have been 8000 rupees. As many thousand pounds would not purchase it today, for although its paintings do not reach the highest levels of an art that could produce such masterpiece as Raja Manohar Singh's '*Parting of Jahangir and Shah Jahan*,' they are none the less exquisite and wonderful in their richness.

Next to this in splendour, though in a later style, is the *Pādshāh-nāmah*, the history of Shah Jahan's reign, whose illustrations,

enriched with the infinite toil of the painters, reveal to us at a glance the change that had come into the blood of the Moghuls; for those who are here depicted amidst the wealth of Ormuz and of Ind, are no longer of the type of Babur, of Humayun, and of Akbar; but of a race that by intermarriage and climatic change, has become Indian. One can see it very clearly in their faces. The joyous note of the Mongol, the lively air of the knight-errant who swam every river in Hindustan in the course of his adventures after empire, give way here to the magnificance of the Indian Emperor; there is a grave melancholy in the features of Shah Jahan, and luxurious ceremonial in the place of scenes of war and hardihood. The siege of Chitor, where Akbar in armour stands the protagonist of the conflict, makes way for the nuptials of Dara Shikoh; and the hardy Turk is followed upon the throne of India by his grandson, who is three-fourths of him of Indian blood. The last of the pictures in this volume shows the funeral procession of the great Emperor wending its way to the Taj, where, in the company of his much-loved wife, he lies asleep and unmindful of time.

Next, to turn away from the purely Indian scenes, is a volume, the *Shahinshāh Nāmah* of Husaini, that carries one into the field with the Osmanli Sultans. Written at the close of the sixteenth century, this superb volume is dedicated to the Sultan Mohamed the Third, for whom it was written at Constantinople and in whose Royal Library it was preserved, until by some unrecorded exodus, it reached India in the days of Shah Jahan. There, it again became the treasured of Kings; and it bears upon it amongst other seals and autographs of the princes of the time, one that is reckoned very rare, that of the devoted Jahanara, daughter of the Lady of the Taj, who eased the captivity of the great Emperor in his last declining years. Her body lies buried under the grass at Nizamuddin Auliya near Delhi with its famous inscription on the marble headstone :

"Let none place over my grave aught but the green grass, for it best becomes the sepulchre of one who was of an humble mind."

She was herself a writer and a poet, and her little Persian volume, the *Munis-ul-Arwāḥ* on Mo'inuddin, the Chishti Saint of Ajmir is still read in India.

No other copy of the *Shahinshāh Nāmah* is known to exist, and it is therefore reckoned to be one of the gems of the Library. Its paintings are unlike those either of India or of Persia. There is a Byzantine influence in them, and some of the scenes they depict relate to the history of the world. Here we see the Moslem

the storming of forts; and the Artists of the Court have done their best to do it justice; yet it is in the scenes of the Conqueror's childhood and youth, in the quiet enclosures of mosques and gardens, where birds sing and waters plash and the Muezzin calls the Faithful to prayer, that they strike their happiest and most spontaneous note, and it is to these that one turns—as everyone must who has looked upon the tragic face of war—for relief and refreshment.

Of the battle pictures there is one that is topical at the present time, though it relates to the year 1400 A.D., for it tells of Timur's campaign against Baghdad.

The Emperor is here established upon the bridge that spans the Tigris, the Governor and his daughter, whose form is faintly visible behind the screen that even at this hour was necessary to veil her from the common gaze, are seen upon a boat, seeking their escape. The archers of the Emperor rush upon them, they fling themselves into the water and are drowned. The boatmen bring to the victor the dead body of Faraj, the Governor. Timur, relentless as any Hun, orders the sack of the city. Nizam Shami, an eye witness of this siege, has in his *Ẓafar Nāmah*, written how the Tigris was hidden from view by the victorious army swimming across it, so that he could not tell the River from the Plain, and said to himself, "What manner of men are these to whom water and land are alike ?"

Another page shows him of whom it is said that in his youth his heart was so tender that he would not step upon an ant, mourning for the death of his son Prince Mohammed Sultan. The demise of this Emperor, responsible in his time for the death of millions of his fellow-beings, is depicted in its place, and the history so passes through his sons to the life and adventures of Babur, one of those men in whom East and West meet, so that all find pleasure in his company, rejoice with him in his good fortune, and sorrow with him in his griefs. A superbly illuminated page depicts the festivities at the birth of his son, Humayun, for whom he was in the fullness of time to offer up his own life as a sacrifice. But here it is all splendour and feasting. The Emperor is seated upon a throne under a canopy brilliant with gold and colours, half leaning forward with the grace and urbanity of a prince who was also a gentleman, towards his companions who are seated about him in a semi-circle, upon a Persian carpet, with wine before them, while attendants come up with trays and dishes of sumptuous fare. A peacock suns his jewelled plumage upon a neighbouring wall. Outside the castle gate there is a frenzy of rejoicing amongst the lesser people, the bestowal of alms

and of food under the stern eye of the Major-Domo, and a clamour of trumpets and drums. It is a scene from Central Asia that is unfolded here and not one from India.

An event yet more notable than this is chronicled in the coloured page that depicts the birth of Akbar. Here is the whole tale of a woman's travail and of a man's grave rejoicing, told in simple yet magnificent terms. The mother in her plain green robe lies exhausted upon her couch—she was little more than a child herself;—the infant in swandling clothes is in the care of a number of eager attendants, there is a cradle in the corner of the picture, and without the chamber, very lively rejoicing amongst the singing and the dancing women.

Midway in the picture the astrologers are to be seen casting the horoscope of the Emperor-to-be; while a horseman hastens with the news to his father. Humayun is shown within his tent, seated upon a throne that is laid upon a superb carpet, outwardly tranquil and self-contained, yet deeply interested in the words of his Minister, Tardi Beg, whose robe, like that of the Emperor, provides the illuminator with an extraordinary opportunity for the display of his art. Thus is the splendour where it should be and simplicity in its proper place. The symbolism is apt; yet was Akbar born under harder conditions than these, and some even say that he was born in a field. His father was at the time a fugitive, in extreme poverty, though still a King, when he heard the news of his son's birth. He rose to the occasion. "He called," says his Ewer-bearer, "for a china plate and a pod of musk, and having broken the pod of musk, he distributed it among all the principal persons, saying, "This is all the present I can afford to make you on the birth of my son, whose fame will, I trust, be one day expanded all over the world, as the perfume of the musk now fills this apartment."

A more fortunate hour for Humayun himself is depicted on the splendid page that records his capture of the castle of Champaner. The Emperor who like all the earlier members of his race was a brave man, though of a weakness of character that all but lost him and his family the crown of India, is shown in rich armour upon the walls, having climbed the steep scarp of the rock at night with a handful of his followers. He is accompanied by his great Minister, Bairam, the Bismarck of the dynasty. Through the great gate of the castle, his knights on horse-back clad in splendid armour, his footmen with swords and shields, are rushing to the attack. It is a scene from

is an evident fitness in his resting-place. But there is more than this. In all the vicissitudes, repeated so often in the history of India, and likely it may be to be repeated again, men have learnt to trust to one thing alone, and that—though even this hope has been too often disappointed—is the shelter of the grave. From the general havoc which has overtaken the splendour of successive dynasties in India, little more survives now than the tombs of the departed, and in the case of the Moslems, who were at times so scornful of other men's faiths, the places in which they worshipped their God.

This tomb is a silent plea to those who may come hereafter, to spare the dead man's bequest. Let us hope—that it may fulfil that purpose.

Such is this wonderful Library in its origin and in its externals; but books are like men, and those who wish to know them, must take them one by one. The possible extent of this labour may be gauged from the fact that since the year 1904 a Catalogue of the Library has been in preparation, and that it is yet incomplete. The cataloguers, who, in the preface to the first of the four published volumes, are referred to as "young students" in the course of training for their task, have become middle-aged men, and may even grow old before its completion. A great sum has already been spent upon their labours. The nature of their task may be gathered from the extent volumes, prepared by the Maulvis Abdul Muqtadir and Dr. Azimud-din Ahmad (to whom must now be added Abdul Hamid) under the general supervision of Doctor (now Sir Edeward) Denison Ross.

It is my lighter task with the help of these catalogues, and of the volumes displayed before me, to expose their rarity, their beauty, their strange and even terrible vicissitudes; their profound human interest and charm.

Here then, for it is unique, as it is opulent and superb, is the *Tārīkh-i-Khāndān-i-Tīmūrīyah* or History of the Timurid Family, to which the great Moghuls belonged. It was a descent which lifted them above the category of mere adventurers, a thing of which they were lawfully proud; and you will find this pride displayed in many of their seals upon these volumes, upon which the whole lineage in direct descent from Timur, the lame Tartar, is engraved. Indeed their pedigree went further back than this; and the truculent Timur was flattered by the words of a poet who described him as "a Rose upon the Rose-bush of Chingez Khan." As a contribution to the history of this great family there is not much here that is new, the work being in the main a transcript from the *Zafar Nāmah* of Sharf-

ud-din Ali Yezdi, and the famous *Memoirs* of Babur; but of the nineteen years of Akbar's reign of which he tells, the author writes as an eye-witness. As a work of art this volume is almost priceless. It is embellished with no less than 133 illuminated folio pages, the work of some of the most notable painters of Akbar's time. The names of these painters are inscribed at the foot of each page; a thing most rare in the East, where the names of the painters and the architects, whose genius has done so much to immortalize great emperors, are apt to be the last to be recorded. But at the courts of Akbar and of Jehangir the painter bore an honoured place. The most notable of them all, a native of Shiraz in Persia, the Khwaja Abduş Şamad, who taught Humayun to write and paint, rose to high office in the Empire under Akbar. His skill of eye and hand, testified to by the title of '*Shirin Qulam*' bestowed upon him by his contemporaries, were so marvellous that he is recorded to have written on a poppy-seed the much venerated chapter 112 of the Koran, which is reputed to be worth a third of the whole book. His son, inheriting his father's place, was raised to princely rank as Vizier and Premier Noble—Khan-i-Khanan of the Empire by Akbar's son, Jehangir. There is no picture in this volume from Abduş Şamad's own hand; but there are many that were painted by his pupils, and very likely under his direction; or it may be that he was too proud to affix his name in the company of lesser men. Many of the pictures are designed by one artist and painted by another; some of the best of them bear the names of Basawun and Miskin. The work of each painter is characteristic, and the reader who becomes familiar with this work can soon learn to identify the style of each. The names of more than thirty painters may be gleaned from these pages; and thirteen of them will be found in Abul Faḍl's list of the seventeen artists of Akbar's court.

Each of the pictures is crowded with incident, enamelled in gold, and exquisite with colour; the work of men to whom time was nothing, the will of their master all in all. Of the total number, seventy-nine relate to the life of Timur, "the Firebrand of the Universe," from the days when as a little lad he played with his companions a happy and innocent child, to the hour of his death, when he passed from the world with its blood upon his hands. Sieges and battles are the principal themes of the painters, and the mere list of these covers the geography of a great part of Asia, from Damascus to Delhi; from the snows of Badakshan to the silt of the Valley of the Nile. It is a story of massacres and spear-thrusts, of valour in battle and cruelty in victory, of the crossing of rivers and

borderers will kill and enshrine their village Saint rather than run the risk of losing his sacred bones, in the event of his migration.

The Founder's sons relate with a dash of pride not unmixed with humour, that many of the manuscripts in this Library were stolen. The love of letters, it is said, carried both the Founder of the Library and his emissaries with an impetus that was stayed by no scruples, over the fine—and shall we say the trivial ?—line that divides one man's property from that of another.

However that may be, the volumes are here; they are an admirable collection; they are the glory of the city of Patna; and it is a fact that their last owner died a poor man, that he lavished his fortune upon their acquisition and upon the elegant building in which they are stored, and that he left them for ever as a gift to his countrymen. Much may be forgiven to piety of this kind; and indeed it is doubtful if such a collection could ever have been brought together, without some such mystic impulse in the collector and his associates, as this :

The Librarian, one is told, was visited by angels who communed with him in his dreams, and directed his labours; and upon a signal occasion, the library was, he believed, visited by the Prophet of God himself. The story, as recorded by Jadunath Sircar, the historian of Aurangzeb, will bear repetition :

"One night", said Khuda Bakhsh, "I dreamt that the lane near the Library was filled with a dense crowd of people. When I came out of my house, they cried out :

"The Prophet is on a visit to your Library, and you are not there to show him round."

"I hastened to the manuscript room and found him gone."

"But there were two manuscripts of the Hadis, lying open upon the table. These, the people said, had been read by the Prophet."

Both these volumes now contain a note by the founder that they are never to be allowed to go out of the Library.

"Khuda Bakhsh," writes my friend Sir Ali Imam, "was a man of striking personality; cast in the dignified mould of the old Moslem; and he somehow reminded me of the pictures I had once seen in a richly illustrated volume of the *Arabian Nights*. The day I first called on him at his house will ever remain fresh in my memory, for it was then also that I met the celebrated Shibli Nomani, who was staying with him as his guest. We had tea on the open terrace in view of a vast field of waving corn, beyond which spread the river. The best of his treasures in the form of ancient books and manuscripts lay

there displayed for the inspection of Nomani, who was a great authority. I sat there spell-bound as each exhibit was taken up and examined. The pride of the collector, the enthusiasm of the connoisseur, the love of antiquity beamed in Khuda Bakhsh's face, and seemed to play upon the countenance of Nomani, which at the moment looked to me the very embodiment of Mohammedan erudition and Islamic culture.

"After this, I was a frequent visitor at Khuda Bakhsh's house. Upon one occasion, when I referred with some hesitation to the sources from which he had obtained his collection, he smiled at me, and there was a merry twinkle in his eyes.

"The Art of Collection," he said, "is one that soars above and defies the provisions of the Penal Code." He capped this observation by adding that there were three classes of blind men, viz., those who were bereft of sight; those who lent valuable books even to a friend; and those who returned such volumes, once they had passed into their possession !

"Khuda Bakhsh's passion for his books was indeed intense. The British Museum made him a magnificent offer for his collection; but he declined it. "I am a poor man," he told me, "and the sum they offered me was a princely fortune, but could I ever part for money with that to which my Father and I have dedicated our lives ?" and as he said this his clean-cut features betrayed a singular emotion; his large luminous eyes welled up with tears.

"No," he said, "the collection is for Patna, and the gift shall be laid at the feet of the Patna public."

"As I knew Khuda Bakhsh, he was heroic."

In the year 1908, upon the completion of his sixty-sixth birthday, Khuda Bakhsh, who had been born at Chapra in Bihar, in that level tract of country about the Ganges skirts where the Vedic Hymns were compiled, died at Patna; and was buried within the precincts of the Library, in a little open space crossed by the corridor that connects the two separate buildings of which it is composed. There is a plot of grass there about the simple tomb, upon which in the vivid eastern sunlight the eye lingers, and where there is daily laid an offering of crimson Amarnath and yellow Marigolds, upon its covering of a sheet of saffron silk. "There," says his son Salah-ud-Din, "he rests at the end of life's voyage, in the exalted companionship of the great writers of Islam."

The Will of the Founder requires that under no circumstances shall the Library be removed from its present habitation; and there

of purple and vermilion and gold to the breeze of a Sultan's pleasure, and carried the pride of Emperors, more stately in their day than any the world has known.

Here is no hyperbole, though some warmth of imagery may well be pardoned in dealing with so rich an oriental theme. For in truth there is nothing in the world to surpass the exquisite caligraphy, the enamelled gold, the priceless miniatures, the colours of *lapis-lazuli* and vermilion, of indigo and scarlet, green, purple, cinnabar, and saffron, of some of these illuminating pages; nothing more touching in its way than the simplicity with which they are lodged; more human, than the vicissitudes through which they have borne their part; now as the only volume of some poor scholar of Damascus or El-Azhar; now as the gift of an Emperor to a king; now as the *nazar* of some *Khan-i-Kharan* or Grandee of his court to the Great Moghul; now as the revealer of Fate to a Monarch in distress and profound uncertainty of mind; now as the serious plaything of some exquisite and jewelled Princess, herself like so many of her race, a poet of more than passing fame; now as part of the spoil of Victory, seized by the Conqueror,—with such other things as women and jewels and cloth of gold—while yet the vanquished owner lay new in his grave; now the last treasure of a decaying court, stolen, secreted, passed on from hand to hand, wet by the rain, consumed by the white ant, and the worm that lives upon fine pages; sold it might be to feed a hungry family; and now at last till their cycle of repose is completed and a fresh dispersion begins—gathered together into this their place of rest.

Of the formal history of this collection there is this to tell. In the early years of the nineteenth century, when the Moghul Empire was fallen into the dust, and the British peace—a little apt to be undervalued now—was setting in its quiet majesty upon the land, there lived in north Bihar a Moslem gentleman of the name of Mohammed Bakhsh, of a family given to letters and the law. One member of it assisted, it is said, in compiling the Institutes of Aurangzeb, the *Fatawā-i-'Ālamgīrī*; and Mohammed Bakhsh, scholar and poet devote dhimself in the leisure moments of his career as an Advocate to the acquisition of Oriental books, of which he left a brave company of fourteen hundred to his son Khuda Bakhsh, the Founder of the Library. Three hundred of these had come down to him from his ancestors, the residue were added by himself. It was the last request of old Mohammed Bakhsh, made upon his death bed, that these should not be dispersed; but rather that they should become

the nucleus of a great collection that might foster the cause of Oriental learning—somewhat shattered now by the frontal assaults of Macaulay and the more pervasive influence of the English tongue—in his city of Patna. The son, with no other patrimony than these volumes, fulfilled his father's wish. In the pursuit of his career as an Advocate and as a Judge, he met many men, he travelled extensively over India. The great cities of Delhi, of Hyderabad, of Lucknow, were familiar to him; his fame as a collector spread amongst the owners of treasured books. The Moslem East outside the borders of India was beyound his circuit; but where there is a will there is a way, and the ardent soul in the persuit of its ideals knows no frontiers. Khuda Bakhsh did not hesitate to entice away from a neighbouring Prince one of the most accomplished of his book-collectors, and to employ as yet another emissary in the cause upon which his heart was set, an Arab, who, for eighteen years went about ransacking the Libraries of Cairo, of Damascus, of Beirut; of Arabia, of Egypt and of Persia —bringing back every now and then to his master, like a good retriever, the winged manuscripts as they fell into his grasp.

It is indeed at this stage that the familiar and common process of his acquisition becomes transmuted from the mere matter-of-fact, into that which has the charm and flavour of Romance. The reminiscences of this Arab seeker after books, had they been written with fidelity, might now be reckoned amongst the most lively and entertaining of personal memoirs. For neither was he himself, nor was he the agent of, a rich man. His salary upon these adventures never exceeded forty pounds a year. It must have been to the arts of persuasion, of intrigue, of *souplesee*; (not to speak of the hardihood that triumphs over mere difficulties of conscience); to infinite patience and research that this envoy of letters trusted for the successes he achieved. For a parallel to his labours one must go back to Europe in the Middle Ages, to some of those hagiologies in which there is enshrined the record of the migrations of saintly bones. I am reminded of one, I know so well, which tells with a pious and holy satisfaction of the rape of the relics of a Provençal Bishop from the sanctuary in which they lay, for the benefit of a Catlan Abbey, by a party of monks and men-at-arms, especially commissioned for the purpose; and indeed where the end was deemed so worthy no one was ever troubled very much with anxious scruples over the means. A King of Burma about the time of the Norman Conquest made war for a copy of the *Tripitaka*, and, so changed the history of his world; and to this day our gallant neighbours over the Afghan

1920; A Vision of Morocco, 1923; The Empire Cruise, 1925; Isle of the Aegean, 1929 (**Courtesy : British Council Library, Patna** : *Who is Who*, 1942).

The *booklet*, first appeared under the simple and unassuming title, *An Eastern Library*, has now been supplied a sub-title so as to make it self-explanatory. One of the finest introductions to this Library, it needed certain corrections as the author seemed to be not well versed in Arabic and Persian languages. In order to make this Introduction fullsome and comprehensive, the list of the rare manuscripts has been expanded, and the addition is kept under Part III as a separate section so that the original work may be distinguished at first sight.

A word by way of completing the history of the Library, bringing it uptodate :

Since the Founder handed over his personal collection to the public in 1891 and made the State Government as its trustee, the Library continued to be controlled by a Managing Committee appointed by the State Government. It was in 1962 that, as a prelude to a new arrangement, a high-powered Board, constituted by the Government of India, took over its control. Finally in December, 1969, Parliament passed an Act, the Khuda Bakhsh Oriental Public Library Act, which declared the Library an Institution of National Importance, and the management was completely transferred to the control of the Government of India, who, after constituting a twelve-member-Board, are running the Library through the Department of Culture.

The transfer of power has favourable effect on the fortunes of the Library in so far as the acquistion of manuscripts or microfilms of rare material has speedily increased; out-of-print 30 and odd volumes of the Descriptive Catalogue of Arabic and Persian Manuscripts are being reproduced; the preparation and publication of new volumes of the Descriptive Catalogue have now got a sound footing; the rare manuscripts of the Library are being reproduced, some of them in photo-offset; and a quarterly journal has been brought out; to disseminate the hidden treasures of the Library.

I hope that this Introduction to the Library would make the readers more inquisitive and might help in widening the scope of research.

—*Abid Raza Bedar*

PART I

The Khuda Bakhsh Library, or to give it the modest name it bears in the Trust Deeds drawn up by its Founder, "The Patna Oriental Public Library", is one of the finest collections of Moslem literature in the world.

It is lodged for ever, in so far as a man's wishes can shape the future, in the city of Patna, which, for twentyfive centuries, has looked with varying fortunes into the face of Time : Patna, the city of Asoka, the benevolent Emperor, who tried to rule his world with love; of his grandfather Chandragupta the adventurer, who learnt from Alexander retreating from the shores of the Hydaspes, the secret of Eastern Empire; of Megasthenes, the Envoy, who lavished upon it eight years of his life, giving to the Europe of his time a reasoned and vivid account of the life of an Indian city three hundred years before the birth of Christ.

And here in its lanes, before it became a city, and while its builders were yet at work upon its foundations, men saw and looked upon the sorrowing Buddha as he passed to and fro upon his quest through this Middle Land, that is still held sacred because of him by four hundred millions of men.

The Library is thus happy in its environment. It is not less distinguished in its character, for it enshrines the memory of vanished scholars and of vanished kings; of lost causes; of a culture that though it be dying now, or nearly dead, has in its time profoundly influenced the world, inspiring some of its great masterpieces, from Cordova to Delhi; nay, which still continues to foster, though alas ! less and less, a school of manners unsurpassed for its distinction and charm; to produce types of the most perfect courtesy.

It embalms, at their best, for those who care to know about them, the ideals of the old Moslem world.

Here then in this ancient place, upon the edge of a storied river, there are now gathered together as into a safe harbourage at last, these remnants of a once-mighty fleet, that put forth its sails

First Edition :

GLASGOW. Printed at the University Press,
by Robert Maclehose & Co. Ltd., 1920.

Second Revised and Enlarged Edition :

PATNA. Printed at Tara Press,
by Khuda Bakhsh Oriental Public Library, 1977.

FOREWORD
(First Edition)

The first part of this little volume has no greater purpose than to lead the Enquirer gently by the hand into an enclosed garden of precious things, of whose existence he might otherwise be unaware.

In the second part, the Scholar, already informed, will find awaiting him two learned guides to assist his labours.

To the Munificent it suggests an opportunity of augmenting the treasures of the Library from their own collections, or of assisting, if they will, in the publication of some of its unique manuscripts. To the Traveller abroad in India it offers the chance of adding a fresh experience to the many that await him in a country that has long cherished the custom of veiling its beauties from the common gaze.

To the city of Patna the Compiler offers it in acknowledgment of two happy winters spent there, and of many pleasant hours passed in the company of the volumes therein described.

— V. C. Scott O'Connor

FOREWORD
(Second Edition)

Vincent Clarence Scott O'Connor was the eldest son of Thomas Ablett O'Connor of Edinburgh. He served the Government of India as Assistant Accountant General and retired as Accountant General. Holding Commission for three years in Volunteer Artillery, he was trained with Royal Air Force in 1917 and served as trooper in Light Horse in India in 1917-18. During 1916 he was present at the fighting fronts in France, Italy, Macedonia, and Sinai peninsula. Later on he travelled across Mediterranean as guest of the French Admiralty. He made a ten months' voyage around the world on the invitation of the admiralty in 1923-24 and travelled 16,000 miles overland in South and East Africa, Malaya, Australia, New Zealand and Canada. He twice visited the United States. He died on 21st March, 1945. His other books are — The Silken East : a Record of Life and Travel in Burma, 1904; Mandalay and other cities of Burma, 1907; Travels in the Pyrenees, 1912; The Scene of War, 1917; The Charm of Kashmir,

Our Contributors:

Vincent Clarence Scott O'Connor, F.R.G.S. (*d.* 1945)
An English traveller and orientalist who devoted a long period of his life to the Civil Services of India (see p. 2)

Dr. S. Abdul Bari, M.A., Ph.D. (*b.* 1941)
Lecturer, Department of Arabic, Aligarh Muslim University, Aligarh.
Thesis on *Hisham b. Abd al-Malik : Life and Poetry*.

For others, see *Journal*, I, 1977.

An Eastern Library

An Introduction to the

Khuda Bakhsh Oriental

Public Library

—V. C. SCOTT O'CONNOR

1. The Khuda Bakhsh Library Journal is a quarterly journal specialising in oriental studies in Arabic, Persian and Urdu languages, covering meaningful research based on the material preserved in the Khuda Bakhsh Oriental Public Library, or having any concern with it.

2. Articles will be accepted in English, Arabic, Persian and Urdu.

3. Notes and Addenda, by way of corrections and/additions to any information published in this Journal or in any publication of the Library e.g. Catalogues, will be a regular feature of the Journal.

Rs. 15.00 per copy

Printers : Tara Press, Tripolia, Patna-7 & Label Litho Press, Patna-4
Publisher : Mahboob Husain, for Khuda Bakhsh O.P. Library, Patna.

CONTENTS

An Eastern Library : An Introduction to the Khuda Bakhsh Library. ... 1
—V. C. Scott O'Connor

An Unpublished Biography of Persian poets, *'Bagh-i-Ma'ani'* of Naqsh Ali (Persian) ... 1

An Early Urdu/Hindi-to-Persian Dictionary of the 18th Century, *Shams ul-Bayan fi Mustalahat il-Hindustan* of Mirza Jan Tapish of Delhi. (Urdu-Persian) ... 129

An Introduction to the Rare Manuscript of *'Ismat al-Anbiya*. (Urdu) ... 177
—Dr. S. A. Bari

A Rare Poem of Mir Munis (Urdu) ... 192
—Mr. Q. A. Wadood

Review : *Farhang-i-Asafiyah(I)* (Urdu) ... 193
—Mr. Q. A. Wadood

Corrections and Additions to the Library Catalogue : Volume I/25 : *Diwan* of *Anwari* (Urdu) ... 201
—Mr. Q. A. Wadood

Autograph Impressions—Leaves from the Visitors' Register of the Library : Rabindranath Tagore (India), Ali Asghar Hikmat (Iran), Liyaqat Ali Khan (Pakistan), Sir Zafrullah Khan (Pakistan), A. K. Fazlul Haq (Bangla Desh).

خدا بخش لائبریری جرنل

۳

خدا بخش اورینٹل پبلک لائبریری، پٹنہ

۱۹۷۷ء

Khuda Bakhsh Library

Journal

2

1977

Khuda Bakhsh Oriental Public Library,
PATNA-800 004
(INDIA)

فہرست

مجمع النفائس : تذکرۂ شعرای فارسی مؤلفہ سراج الدین علی خان آرزو	ادارہ	۱
دیوان گرامی شاملو	از جناب قاضی عبدالودود،	۸۹
رسالۃ الشعاعات للکندی	از ڈاکٹر مختار الدین احمد،	۱۰۹
تصحیح و اضافہ : فہرست مخطوطات اردو جلد ۱	از جناب قاضی عبدالودود،	۱۱۵
مطبوعات جدیدہ : فرہنگ آصفیہ (۲)	از جناب قاضی عبدالودود،	۱۱۷
نوادر : لائبریری کے وزیٹرز رجسٹر سے ماخوذ عکسی تحریریں (ڈاکٹر ذاکر حسین، سید طاہر سیف الدین، سیدنا برہان الدین، ہمایوں کبیر، اور شانتی کبیر)	ادارہ	۱۲۵

عہد سلطنت میں صوفی لٹریچر کا ایک جائزہ (۱۲۰۶ھ — ۱۵۲۶ء)	(انگریزی)	از ڈاکٹر بروس لارنس،	۱
خدا بخش، ہندوستانی بوڈلی	(انگریزی)	از ڈاکٹر جادو ناتھ سرکار،	۷۷

مجلس ادارت

تیسرا شمارہ : ۱۹۷۷ء

اس سہ ماہی مجلے میں انگریزی، اردو، فارسی یا عربی میں ایسے مضامین شائع ہوں گے جو خدابخش لائبریری کے نادر مواد پر مبنی ہوں یا لائبریری سے کسی نہ کسی قسم کا تعلق رکھتے ہوں۔

قیمت: پندرہ روپے

محبوب حسین نے اردو حصہ لیتھو پریس رمنا لین پٹنہ ۴، اور انگریزی حصہ تاما پریس ترپولیہ، پٹنہ میں چھپوا کر خدابخش لائبریری سے شائع کیا

مجمع النفائس

تذکرهٔ شعرای فارسی

سدهٔ دوازدهم

مؤلفهٔ

سراج الدین علی خان آرزو

تصحیح و ترتیب:

عابد رضا بیدار

مدیر کتابخانهٔ خدابخش، پتنه

ہمارے مقالہ نگار

مرحوم سر جادو ناتھ سرکار، ایم۔اے، ڈی۔لٹ (م ۱۹۵۸ء)

—— مغل اور مرہٹہ تاریخ نویسی میں ایک مشہور نام، متعدد کتابوں کے مؤلف و مترجم مثلاً: تاریخ اورنگ زیب ۵ جلدیں؛ سلطنت مغلیہ کا زوال ۴ جلدیں؛ شیواجی اور ان کا عہد واقعات اورنگ زیب اور تاریخی مقالے؛ مآثر عالمگیری (ترجمہ)؛ احکام عالمگیری (ترجمہ)

ڈاکٹر بروس بی۔ لارنس، (پ ۱۹۴۱ء)

—— مذہبیات کے پروفیسر، ڈیوک یونیورسٹی، نیوٹن، نیوجرسی، ریاستہائے متحدہ امریکہ

[ملاحظہ ہو صفحہ ۲ (انگریزی)]

ڈاکٹر مختار الدین احمد، ایم۔اے۔ ڈی۔فل (پ ۱۹۲۴ء)

—— صدر شعبۂ عربی، علی گڑھ مسلم یونیورسٹی، علی گڑھ۔ عربی اور اردو ادب پر متعدد کتابوں کے مرتب مثلاً: الحماسۃ البصریہ دو جلدیں؛ رسالۃ المبرد؛ کربل کتھا؛ احوال غالب؛ نقد

بقیہ کے لئے: ملاحظہ ہو جرنل، ۱-۱۹۷۷ء

شرح حال مؤلف علام خود :

آرزو — سراج الدین علی خان : بندهٔ عصیان شعار بفضل حق امیدوار سراج الدین علی خان
آرزو تخلص انبد شعور بتحصیل علوم اشتغال داشته تا چهارده سالگی داخل جرگهٔ طلبهٔ علم بود. بعد از آن که
شور جوانی و طغیان نادانی میل بگفتن اشعار پیدا کرده یکسال بعد از آن میر صاحب سخن قدس الله تعالی اسراره
خود گذرانیده. یک دو ماه برین نگذشته بود که مفارقت بمیان آمد، ناچار تنهایی را استاد خود مقرر نموده
بدرس خاموشی اشتغال داشت. اتفاقاً سیادت و شرافت مرتبت میر غلام علی احسن تخلص که ساکن
ایشان قلمی گردید، خود بخود بغریب خانهٔ تشریف می‌فرمودند و بی‌جا و غرضی در تربیت احقر می‌کوشیدند، و در آن
ایام که سن شانزده سالگی بود، اول این غزل را از نظر ایشان گذرانید که مطلعش این است :

تا دیده‌ام بزلف پریشان او گره — دارم چو گردباد نفس در گلو گره

و این مطلع نیز از نظر ایشان گذشت :

این حلقه حلقه زلف سیاه تو دام کیست — این شوخ شوخ آهوی چشم تو رام کیست

بعد از اندک مدتی، گرفتار اشغال دیگر گردیده و دکان سخن گویی را برچیده. پس از آن اتفاق رفتن لشکر
ظفر اثر حضرت محی الدین محمد اورنگ زیب عالمگیر بادشاه غازی بسمت دکن شد. و بعد ده ماه سفر در رسیدن
بلشکر مذکور، همراه بادشاهزاده عالیجاه محمد اعظم شاه که بعد فوت پدر بتخت سلطنت نشسته از دکن روانهٔ
هندوستان شده بود، العهد بگوالیار رسید و بحکم حضرت والد مرحوم چندی در آن شهر فرود کش کرده.
تا آنکه در میان بادشاهزادهٔ مذکور و برادر کلانش قطب الدین محمد معظم بهادر شاه جنگ عظیم واقع شد. محمد اعظم شاه
کشته گردید و بهادر شاه بسلطنت رسید. درین بین فقیر از گوالیار باکبرآباد آمد و بسبب برهمزدگی زمانه
و قدرشناسی خانه‌زادان قدیم و پیش آمدن نود و لتان چند سال بکسب علم پرداخت و کتب متداوله
را در خدمت استاد العقول و واقف فروع و اصول حضرت مولانا عماد الدین المشتهر بدرویش محمد قدس الله
اسراره گذرانید. پس بسبب الطلب حضرت والد بگوالیار رفت. چندگاه مانده بود که باد گردش سلطنت که
انموذج قیامت است، رو نمود و بهادر شاه دست مهر عالم جاودانی کوچ نمود و پسرانش باهم در افتادند تا آنکه
محمد عظیم الشان پسر دوم و محمد رفیع الشان پسر سیوم و جهان شاه پسر چهارم مقتول گشتند و معز الدین جهاندار

پیشگفتار

نسخهٔ خطی تذکرهٔ مجمع النفائس مؤلف سراج الدین علی خان آرزو (۱۰۹۹-۱۱۶۹) که در کتابخانهٔ خدابخش محفوظ است کامل‌ترین نسخه ایست که دارای ۱۷۳۵ عنوان از شعرای پارسی است، از قدم الشعرا تا شعرای زمان مؤلف - و چون بخشی که کار آمد و مفید از این تذکره چنانکه از هر تذکره میباشد آن قسمت است که محتوی بر احوال و اشعار معاصرین است یا سخنوران نزد معاصر، ۱۰۹ معاصر در این ترتیب انتخاب شده بسبب این که عصر مؤلف سدهٔ دوازدهم است، این الفاظ تحت عنوان هم اضافه شد -

ناگفته نماند که در انتخاب اشعار این امر ملحوظ داشته که نقل کردن تمام و کمال ابیات انتخاب کردهٔ مؤلف حالا چندان مفید نیست لهذا ابیاتی که خوبی دارد یا خصوصیتی دارد یا خبر یک مورد اعتراض مؤلف بوده ذیل احوال شعرا نقل شده - و منتخبی از اشعار که آرزو پس از شرح حال خود نوشته است در حدود هفتصد و پنجاه اشعار میباشد از آنجمله ۲۴۴ اکتفا کرده شد -

در تذکرهٔ مجمع النفائس شرح حال مؤلف بتفصیل مندرج است و پس نامهای تصنیفات خود ابیات منتخبهٔ خود نیز میدهد - چون شرح احوال و تفصیل تصنیفات محتویست تا سال تصنیف تذکره بطور تتمه از منابع دیگر که استناد آنها مسلم است کمک گرفته این سلسله را تکمیل داده ایم -

(۲)

تقریب تالیف تذکره : در دیباچهٔ مجمع النفائس، آرزو مینویسد :

"میگوید فقیر ... که از تباشیر صبح طفلی تا الآن که آفتاب عمر دیر پیست شوق تمام و محبت ملاکلام بخواندن اشعار فارسیه دارد ... سابق مدتی بر این مواد این و تذکره‌ها و سفاین و غیره کتب بنظر گذرانیده بود ... روزی پیش آشنای قدح این حال بسلمان گذشت که خوانده و نخوانده از نسیان برابر گشت - اتفاقاً آن عزیز بود و سه روز سفینهٔ فیضی ... پیش فقیر آورده تکلیف کرد که علاهرج از اشعار اساتذه انتخاب شود بر این جهت باید فرمود ... شروع در انتخاب نمود تا آنکه یکصد دیوان متوسطین و متاخرین ... بانتخاب رسید و سفینهٔ مذکور اجزا دیگر قلمی گردید - و در عین حین بخاطر رسید که پارهٔ احوالات این عزیزان هم اگر مرقوم شود دور نباشد - لهذا بعضی از تذکره‌ها مثل تذکرهٔ تقی اوحدی و تذکرهٔ نصرآبادی و کلمات الشعرا و تحفهٔ سامی و غیره نیز دیده هر چه از آنها خوش آمد بنوشتن آن پرداختم و به مجمع النفائس موسوم ساختم - و چون غرض اصلی نوشتن اشعار دلپسند خود است و نوشتن حالات ضمنی لهذا در تحقیق آن چندان نکوشیده و در تلاش آن چندان نه عبده - ... بیدار تخلص از تلامذهٔ فقیر تاریخ اختتام این تذکره چنین گفت :

این تذکرهٔ سخنوران گیهان ... بی مثل چو نوشت سراج الدین خان

بیدار پی آرزو چنین کرد رقم ... گلزار خیال اهل معنی جهان

از نسخهٔ خطی دیگر در انڈیا آفس، بادلین، ایشیاٹک سوسایٹی کلکته، و خدابخش پٹنه، [illegible] در دو نسخه [illegible] شده - [illegible]

گل مراد چمن خوشگوئی عنوان بهشت شگفته رنگینی ابوالحسن العالی مرزا مرتضی الملقب

بمحمد اسحق خان بهادر المخاطب بنجم الدوله که ستارهٔ عمر و دولتش بر لوح اقبال روز افزون دافع العباد

پیوسته طالع مودتش یاد مینماید، و آئینهٔ خاطر را مستعد فراغبال میزداید، چنانکه گفته :

صد شکر آرزو که خدایگان دهر پیوسته آرزوی فراغ تو میکند

نصره الله تعالی و شکره. و نسب این ذرهٔ بیمقدار از طرف والد به شیخ کمال الدین همشیره زادهٔ قطب الواصلین غوث الاسلام والمسلمین شیخ نصیر الدین محمود المشهور بچراغ دهلی و از طرف والده بمرکز دایرهٔ ولایت و عرش الکمال هدایت، نجم گیری فلک عرفان، کوکب دری آسمان ایقان، شیخ حمید الدین عرف شیخ محمد غوث گوالیاری قدس الله تعالی اسرارهما میرسد. و نسب حضرت شیخ محمد غوث گوالیاری بچند واسطه بسر دفتر اولیا و سرسلسلهٔ عرفا خواجه فرید الدین عطار دام ختام مسکه می پیوندد و لهذا فرزندان ایشان را عطاری گویند و فقیر آرزو نظر بهمین معنی این بیت گفته :

جد اعلاست مرا حضرت عطار ازین راه اشعار خود اکنون به نشابور فرستم

بهر طور، شعر آشنا بمن رسیده، و پدر مرحوم من، نامش شیخ حسام الدین که گاهی حسامی و گاهی حسام تخلص میکرد، نیز طبع نظمی داشت هر چند مرد سپاهی پیشه بود. در سلک منصب داران عالمگیر شاهی منسلک، اما گاهی بسلسلهٔ جنبانی موزونیت طبع شعر میفرمود. از وست رحمة الله علیه :

گهی چین بر جبین گاهی تبسم کرده می‌آئی بهر رنگی که خواهی جلوه کن محو تماشایم
بآهنگی عجب برده است مطرب از ره هوشم که از حیرت سراپا همچو نی گه چشم و گه گوشم
در بیابان تا که کار سنگ طفلان میکند در ازل شد قسمت دیوانه از هر باب سنگ

مخفی نماند که مدت پنجاه سال است که ناموس سخنگویی بگردن دارم و اوراق کتب و دواوین را روز و شب می‌خوانم اما هنوز سررشتهٔ مدعا گم، چنانکه باید بدست نیفتاده و نبض سخن شناسی دست نداده. با اینهمه خیال سخن گویی از سر نمیرود، و گوش سخن فهم بجز این حرف نشنوده، ناچار پارهٔ از اشعار خود هم داخل این تذکره نموده نام خود را پای نام عزیزان نوشته باآنکه باین رتبه هم نبوده ام. امید از بزرگان من و صاحبان سخن آنست که این تقصیر را بآب عفو بشویند، و در حق این عاصی جزاه الله خیر الجزاء گویند. مصنفات و مؤلفات این عاصی این است :

اوّلین پسر نواب خلد بر تخت پادشاهی جا گرفت و این احقر در سلطنت جهاندار شاه از گوالیار
باکبرآباد آمده تا در میان جهاندار شاه مذکور و محمد فرخ سیر پسر دوم محمد عظیم الشان جنگی واقع شده
جهاندار شاه بطرف دهلی گریخت و محمد فرخ سیر مالک تخت شاهی گشته، روانهٔ دارالخلافه شاهجهان آباد
دهلی گشت و در آنجا رسیده عموی خود را ظاهراً بانتقام پدر و برادر بقتل رسانیده چند سال بعیش و کامرانی
و سخاوت و زرفشانی گذرانید. و فقیر در اوایل سلطنت محمد فرخ سیر پادشاه مرحوم بتقریب خدمتی بدهلی رفته چند
سالی بخوشدلی که نتیجهٔ غفلت است، بسر برد. و درین میان گاهی بمشق شعر هم مشغول بود. و چون سادات
بارهه بادای حق نمک پادشاه شهید محمد فرخ سیر را کشتند، پای عزل خدمتی که داشتم بمیان آمد و چند روز
بیکار ماندم. پس از اتفاقات زمانهٔ نیرنگ ساز هنگامه محمد نیکوسیر پسر محمد اکبر ولد عالمگیر پادشاه که او را
اهل قلعهٔ اکبرآباد بپادشاهی برداشته بودند، برهم زن کار و بار سادات شد و اینها بعد فوت رفیع الدرجات
پسر رفیع الشان که او را بجای محمد فرخ سیر بر تخت نشانده، ناچار عازم اکبرآباد گشتند. قضا را بعد
رسیدن افواج پادشاهی باکبرآباد رفیع الدوله هم قضا کرد. سادات ملجاء شده به سید نجم الدین علی خان
برادر خورد خود که صاحب صوبهٔ شاهجهان آباد بود، نوشته. پادشاهزاده روشن اختر ولد جهان شاه را
مخفی طلب داشته بر تخت نشانده ملقب به محمد شاه گردانیدند و قلعهٔ اکبرآباد نیز مفتوح شد و فقیر در هنگامهٔ
مذکور باکبرآباد در خدمت بزرگان و آشنایان رسید. و پس از اندک مدتی، بتوجه نواب مغفرت مآب
میرزا خان مرحوم بخدمتی از خدمات قلعهٔ گوالیار مامور گشته در آنجا رفت و قریب یکسال ماند و بعد از
آنکه سید حسین علی خان امیر الامراء مرحوم بدست یکی از مغلیه نواب محمد امین خان کشته شد و سید عبدالله خان
قطب الملک وزیر اعظم جنگ کرده بگیر در آمد و پادشاه مغفور مبرور محمد شاه که درین ایام ملقب
بفردوس آرامگاه است، داخل مستقر دولت و خلافت گردید. این عاجز درهمان سال از گوالیار باز
بدهلی آمده بشبها بروز و روزها بشب می آورد و سی و سه سال است که درین شهر کرامت بهر بسر
میبرد. از جمله اکنون سیزده سالست که اکثر اوقات صرف خدمت و صحبت نواب فلک جناب، عالی
قباب، آفتاب اوج اقبال، برجیس آسمان جاه و جلال، ابر گوهربار سخاوت، در یکتای محیط مروت،
شیر بیشهٔ شجاعت پناهی، نهنگ دریا بار تهور، دستگاه هر امیدگاه عرب و عجم، صاحب السیف و القلم،

صحبت اهل دنیا نیست بجز نقص تمام ___ کم بود این همه صحبت به ایشان ما

بحرف و صوت مجو لذت سماع مورت ___ معما بجز خوشی نیست انجام اسم ما

نداد دیاد ایام جدایی چشم مست تو ___ حسابی نیست در پیش زندگی سال عمرت ما

پیادهای پیش نتوان برد در شطرنج دهر ___ گاه چپ گه راست رفتن هست لازم شاه ما

تا ابر رحمت خوشتر نماید ___ فی الحشر یا قوم تو ما شکاری

زیبا خوش پسران خوردن آرزو ستم است ___ نعدی تجربه گفت این سخن بهد بارا

صیف در شام و در حجاز شتا ___ ایها القوم سعیکم شتی

ما تری من تفاوت فی الخلق ___ نیست فرقی میان شاه و گدا

میکشان در جحیم و تو بنعیم ___ تلک اذا قسمة ضیزی

یار ساقی و باده انگوری ___ ایها القائلون ما الفتوی

دلم بذوق اسیری درد آشیان خون شد ___ شود شناخته نعمت دمی که مفقود است

یا رب باده زین دل پیر خراب است ___ مسکین دل است حیله فرهنگ نیست

نشسته پا بنشین آمده بگوشه فقر ___ که شاه مملکت فقر چون تمر فگ است

قسمت ما و تو ای زاهد ز جنت هم جداست ___ کنفسی للانفس ترا، ما را لذة الاعین است

آرزو وا از مردم دنیا که کمتر باز زند ___ چشم پوشیدن ترا واجب چو ستر عورت است

محرومم ز عیش و شاد بغم باشم آرزو ___ نیک و بد زمانه چو بر یک قرار نیست

گدای میکده دارد چه همت عالی ___ که بادشاه جهانست و تخت جا اش نیست

شیخ حرم بد راست پیر مغان مسجد ___ دیدیم آرزو را بسیار لا ابالیست

نکنم توبه که از پیر مغان دارم شرم ___ هر کجا رسم حیا نیست مسلمانی نیست

زهاد را گرفته بزدی محتسب ___ امشب بکوی میکده خونهای دیگر است

کو آنکه گشته نکرد انش ___ خلق از پی زیستن بلا کست

بهین عشق تو مقبول عالمی شده ام ___ کدام دل که در او آرزوی جای تو نیست

جز تو هر که دور دنیا هفت اقلیم میگردد ___ زمین آنرا ده را تخت و فلک را هم میگردد

۱- کلیات اشعار غیره نظم و نثر قریب سی هزار بیت، ۲- فرهنگ سراج اللغة در
لغات قدیمه فارسیه قریب چهل هزار بیت، ۳- چراغ هدایت در لغات و اصطلاحات متاخرانی که
قدیمه نبود، قریب پنجهزار بیت. ۴- نوادر الالفاظ در بیان لغات هندیه که فارسی و عربی آن غیر
بود در هند، قریب پنجهزار بیت. ۵- شرح گلستان که در اوان طفلی نوشته بود مسمی بخیابان قریب
هزار بیت. ۶- شرح سکندرنامه قریب بشش هزار بیت. ۷- شرح قصاید عرفی قریب بسه هزا
۸- نسخهٔ داد سخن، شرح محاکمه که برای اعتراضات شیدا بر قصیدهٔ قدسی نموده، قریب سه هزار بیت
۹- نسخهٔ سراج منیر، اجوبه اعتراضات ابوالبرکات منیر که بر چهار شاعر مثل ملا عرفی وغیره کرده
ده هزار بیت. ۱۰- نسخهٔ سراج وهاج، شرح محاکمه شعرا که در حل بیت خواجه شیرازی قدس سرهٔ منه
نموده اند، ۱۱- رساله موهبت عظمی در فن معانی زبان پارسی، ۱۲- مفتاح و تلخیص قریب دو ه
۱۳- رساله عطیه کبری در فن بیان معانی بطریق مذکور قریب یکهزار و پانصد بیت. ۱۴- رسا
تنبیه الغافلین مشتمل اعتراضات بر اشعار شیخ علی حزین قریب سه هزار بیت، ۱۵- تذکرة الش
اکثر متقدم و متاخر شعرا که چهار نسبت از همین کتاب و انهم اگر با تمام رسد بفضل الهی قریب به
پنجهزار بیت خواهد بود، انتخاب کلیات فقیر آرزو این است :

قطره را دعوی انا البحر است — چون نه فهمد حقیقت دریا

۱- ضمن تعریف سودی که شاعر عهد جهانگیری است مینویسد: "... و درین فن (فرهنگ) کتابی جامع تر از برهان قا
نیست که مستنبطش فرهنگ جهانگیری و سرمهٔ سلیمانی است. لیکن بعد تحقیقات به ثبوت پیوست که تصحیفات و تحریفات این
کتاب بسیار و برلغات صحیحه است، و کتابی که پایهٔ تحقیق جوهر لغات فارسی در آن باشد غیر از فرهنگ رشیدی نیست. چون این عاجز
همه را ملاحظه نمود، از عدم توقع بر یک آگاهی یافته، لهذا (سراج اللغة) را تالیف نمود، بعد مطالعه کیفیت تحقیق و تدقیق معلوم میشود
و چراغ هدایت گویا دفتر دوم است از سراج اللغة. طرفه آنکه صاحب بهار عجم که یکی از یاران فقیر است، پانزده شانزده سال
پیش ازین بهار عجم تالیف نموده بود. فقیر سراج الدین علی کتاب سراج اللغة و چراغ هدایت خود را باو دادم که هرچه پسند آید
ازین هر دو کتاب داخل فرهنگ خود کرده بنویسد، بکند، یکجا داخل درین امر نمود. شنیده ام که یکی از اهل کشمیر اصطلاحات
قدیمه و جدیده مینویسد جمیع مرکبات سراج اللغة و چراغ هدایت را داخل نمود و زیر دامن دیانت پنهان ساخته تا دیگر
واقف بر آن نشود. بهرحال، هرکسی را اسم در راه هست جدا"

تفصیل مزید درباره احوال بزبان خود :

بندرابن خوشگو شاگرد سراج‌الدین علی خان آرزو که خان مذکور شعر ذیل در باره او گفته:

آرزو را صحبت خوشگو   باز دارد ز فکرهای دگر

کتابی در تذکره شعرا بنام سفینه خوشگو، مرتب کرده چند سال قبل از مجمع النفائس باتمام رسانید۔

از حواشی سفینه خوشگو مستفاد می‌شود که مسودهٔ این تذکره تا سال ۱۱۶۱ھ زیر مطالعه خان آرزو بود و تا آن زمان حواشی می‌نوشت. در متن احوال خود که بالآخر داخل سفینه شد، البته عمر خودش چهل و هشت نوشته که شعر به سال ۱۱۴۷ھ باشد. اما در همان متن می‌نویسد که "در دارالخلافه شاهجهان آباد رسیده قریب سی سال است که در اینجا بسر می‌برم" پیتوبرساند که (۳۰ + سال ورود دهلی ۱۱۳۲/۱۱۳۱ھ) این تحریر قریب به سال ۱۱۶۱ھ می‌باشد۔ و تفصیل بیشتر از آن اموریکه در مجمع النفائس یافته نشد از سفینه خوشگو، که آرزو بقلم خود نوشته، خوشگو برای سفینه خود نقل می‌شود:

"فقیر ... در سال ۱۰۹۹ھ ولادت یافته ... غیر از کتاب گلستان و بوستان و نیل نامه و نام حق وا انهم در پنج شش سالگی دیگر کتاب فارسی نخوانده تا چهارده سالگی بکسب علوم عربیه اشتغال داشت، غیر از آنکه والد مرحوم در هنگامیکه از لشکر عالمگیری بگوالیار آمده بودند در خلال شبها صد و صد بیت از اشعار معارف یاد میداد و ذخیره سرمایه خاطر من شده۔ در عمر چهارده سالگی پدر از ذوق بشعر پیدا گردید و از شهر متهرا که خاک قیامت خیز و سرزمین شورانگیز است جنون شعر در سرم افتاد و بعد چندیکه باز بگوالیار رفتم و دو سه ماه بخدمت میر عبدالصمد سخن[1] که بملازمت شریفی جهت در آنجا تشریف داشتند اشعار خود گزرانیدیم۔ حسب تقدیر سماوی میر مرحوم از گوالیار به اکبرآباد تشریف بردند۔ فقیر مدتی با بیکسی و تنهائی دمساز بود۔ اتفاقاً صحبت میر غلام علی احسنی تخلص دست داد۔ چیزی کسب شعر در خدمت ایشان نموده ... درین مدت طالب العلمی هم بقدر میکرد۔ بعد از آن اتفاق رفتن بسمت دکن افتاد که در سیاه بلشکر داقف غفران پناه عالمگیر روی داد، باز العود احمد خوانده به گوالیار که وطن اجداد مادری بود آمده بعد از آن بتقریبی به اکبرآباد که مسقط الراس است رسیده پنج سال کتب متداوله عربیه را پیش مولانا و مخدومنا شیخ عمادالدین المشتهر به درویش محمد قدس سره گزرانید و درین بین مشق شعر نیز کرده اکثر درین ایام صحبت یاران منعدد مثل شاه عشق و میرزا حاتم بیگ حاتم و میان عظمت اشرکامل و محمد مقیم آزاد و میان علی عظیم خلف الصدق میان ناصر علی و دیگر صادر و وارد دست بهم میداد تا اوایل عهد فرخ سیر بتقریب نوکری صفا بجهان آباد رسیده بخدمتی از خدمات گوالیار متعلق گردیده شش سال دیگر در وطن بسر برده۔ درین بین شعر گفتن کم اتفاق می‌افتاد

بعد از آن در وقت تسلط سادات بار به خدمت مذکور تغیر شد فقیر باز بار دوی بادشاهی که بتقریب دفع هنگامهٔ نیکوسیر بود، در اکبرآباد رسید۔ باز از آنجا بخدمت تواریخ نگاری گوالیار متعلق گشته قریب ده ماه بسر کرده که درین اثنا اختر دولت سادات رو بهبوط آمده فقیر

---

[1] ... [illegible] ... کرده، تیغیا بر ساخته" ... [illegible]

گزیده است باین رنگ چشم کیفیت   ز باده خوردن [illegible]

عمود پست شد آنجا که بیت خود خوانم   چنانکه بر سر کس خانهٔ خود دزدید

به کمال نورانی رخ دلبر نمی ماند   اگر ماند شبی ماند شبی دیگر نمی ماند

بود مشکل گر انسان نسخهٔ جامع بدست افتد   کند تا آدمی پیدا فلک بسیار میگردد

تند پر شور و سیه مست ز کهسار آمد   میکشان مژده که ابر آمد و بسیار آمد

هزار سیل روان در رکاب اشک منست   باین شکوه دعوی دشت گریه نتوان کرد

چو نادان مردم اند این بت پرستان   ز خود عاجزتری را پیمبر بستند

چو هر کس بندهٔ پندار خویش است   نگویم دیگری را پیمبر ستند

بکام اهل دول چند می توان بودن   خوشا کسی که چو گردون زمانه سازد

دیار آدمیت را به درهم دگر باشد   که جز خوشنودی منعم دران سایل نمی خواهد

کی بود سیاح دهلی را تماشای دگر   هست در هر گوشهٔ این شهر دنیای دگر

شب آرزو به یاد جوانی گریستم   دامن بر و کشیده ز ریش سفید خویش

پاس آداب شریعت نیست سودای عشق را   در زلیخا شو شریک غالب یعقوب باش

نفهمد تا نزد در ره بر صاحب کمال ایدا   که چون بیت الغزل من خلق در الکن هم

حکایت تمثیلی از مثنوی محمود و ایاز میرزا آرزو که مشتمل است بغور عشق. مثنوی:

پریزادی که قامت داشت سودا   ببازار طلب شد بهر سودا

هجوم آیینه در هر طرف دید   گل حیرانی از دیدار [illegible]

شگفت آمد چنان از دولت عکس   که خود را گم کرد در کثرت عکس

گرفتش در بغل بیطاقتی تنگ   چنین زد غوطهٔ مینا شی بر سنگ

که ای دکان بصد خوبی کشاده   به هر سو متاع حسن داده

چه معنی است اینکه بود و فروشند   ز یوسف بهتری هر سو فروشند

جوابش داد مرد رمز دانی   چو عقل پیر در پیری جوانی

که اینجا گرمی هنگامهٔ تست   هزاران یوسف اند آوارهٔ تست

• در ۱۱۵۲ھ [illegible] وصیت او با انعام منصب بنابر [illegible]
کبرا افتاد. منصب برای او منصبی و جاگیری که از سرکار پادشاهی گرفت و خدمت [illegible] از خود به تقدیم رساند و بعد
وفات مؤتمن الدوله پسر او نجم الدوله نیز ... صد و پنجاه روپیه ماهانه میرساند و سوای این هم رعایتها مینمود. و بعد
انتقال نجم الدوله با سالار جنگ برادر خورد نجم الدوله صحبت به آرزو شد و همراه او از دهلی قصد دیار شرقی کرد. و در
اواخر محرم ۱۱۶۸ھ بعد ایام سعادت وفات صفدر جنگ ناظم صوبهٔ اوده و صوبهٔ الهٰ آباد که غرهٔ ذی الحجه ۱۱۶۶ هجری
درگذشت به بلدهٔ اوده که وطن اصلی جد او شیخ کمال الدین است، رسید ... بعد ورود بلدهٔ اوده به وساطت
سالار جنگ با شجاع الدوله خلف صفدر جنگ برخورد و سیصد روپیه در ماهه مدد خرج او از سرکار شجاع الدوله مقرر شد.
و چون وقت انتقال او قریب رسید به بلدهٔ لکهنو آمد و ۲۳ ربیع الآخر ۱۱۶۹ھ به جوار رحمت حق پیوست. اول نعش او
در لکهنو امانت گذاشتند و بعد چندگاه به تقیهٔ جسد او را به شاهجهان آباد برده دفن کردند.»

(غلام علی آزاد بلگرامی، خزانهٔ عامره، [illegible])

○

پایهٔ آرزو در نگاه معاصران :

کم باشد که یاد شعرای معاصر کسی [illegible] بدین نمط [illegible] تحسین [illegible] آرزو [illegible]
«استاد مسلم الثبوت»[1]؛ «امام سخنوران»[2]؛ «امرا و اعاظم دولت پیوسته در حرمت و
مراعات او اهتمام میورزیدند»[3]؛ «شاعر زبردست قادر سخن عالم فاضل تا حال مثل ایشان به هندوستان
جنت نشان بهم نرسیده بلکه بحث با ایرانیان میرود ... حاصل کمالات ایشان از حیز بیان بیرون است.
همه استادان معتبر در فن ریخته شاگردان آن بزرگوارند»[4]؛ «بالفعل در فضیلت و کمال و فن شعر [illegible]»[5]

۱- حشمت علیخان حشمت، منقول در مجمع النفایس. ۲- [illegible]، منقول در مجمع النفایس.
۳- واله داغستانی، ریاض الشعرا. ۴- [illegible] ... شاگردان [illegible]
[illegible] ... «[illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible]

نیز از خدمت مذکور معزول شده در دار الخلافه شاهجهان آباد رسیده تقریباً سی سال است که [illegible] م به
بذیل مصنفات فقیر پایانش در صحیفه قدری تفصیل از کلیات اشعار [illegible]:

« مصنفات فقیر: ... مثنوی محمود و ایاز در جواب زلالی مسمی به حسن و عشق (چهار هزار بیت) و ساقی نامه مسمی به عالم آب و مثنوی دیگر در بحری غیر متعارف - این بیت از آنست:

آدم گل بافت جهان   شیطان باشد نافرمان
راست براست رقم کردم   شاخ سر قلم کردم

و مثنوی جوش و خروش - و مثنوی دیگر در بحر حدیقه حکیم سنائی که هنوز ناتمام است. و رباعیات و مخمسات و ترکیب بند و ترجیع بند و مقطعات تواریخ و رقعات مسمی به پیام شوق[۱]»

و بعد پایان رسیدن احوال خود نوشته آرزو، بطور تتمه خوشگو چند سطرهای مفید میدهد:

«... تتمه: احوال خانصاحب اینست که هفتصدی منصب پادشاهی دارند... مکانی بیرون دهلی [illegible] در دار الخلافه مرتب فرموده متصل ... رای آنندرام مخلص ...»

و تفصیل کوایف احوال آرزو که پس از نوشتن مجمع النفائس رو داده، از دو منابع معاصر منتخب شده، اینجا نقل شود:

«... و بعد کشته شدن نجم الدوله ... بسمت صوبه اوده پیش رکن السلطنت عالیجاه شجاع الدوله بهادر که در آن زمان دایره دولت ایشان در پایه گهات من مضافات صوبه اوده بود، آمد. چون در آن هنگام نواب بدفع هنگامه و اطفای نایره فتنه راجه بنارس بلونت بخصوص عازم بودند در اثنای راه در منازل کره که دو کروهی جونپور واقع است ... از بهلی سواری بزیر افتاد استخوان پایش از جا بیجا شد و کرب عظیم رسید. از الم آن تصدیع بسیار کشید. بعد مدتی شفا یافت. بعد یکسال سنه ۱۱۶۹ھ در لکهنو حیات مستعار بنهایت انجامید ... چون بعد سفر بنارس اتفاق فرود آمدن فقیر متصل [illegible] میشد بنا بر انس من با من و ارتباط بزرگان خیلی بر من شفقت میفرمود» (نقش علی، [illegible])

۱ـ دکتر منوچهر [illegible] تصنیفات زیر را اضافه میکند:

۱ـ مثمر (علم اللغة) (۲) معیار الافکار (قواعد زبان) (۳) [illegible] (نقد شعر)
(۴) خطابات (مع دیباچه ها) (۵) گلزار خیال (رساله) (۶) [illegible] (رساله)
(۷) صنعت [illegible] (۸) سراج منیر [illegible]
[illegible] (۱۹۶۰م)

اقدس، حاجی عبدالواسع : پسر حاجی محمد جان قدسی ـ جوانی بود خوش طبیعت ـ بهندوستان آمده وارد فرزند کرخانهٔ صبیهٔ محمد اورنگ زیب عالمگیر بادشاه غازی مغفور گشته ـ از وست :

بمکتب میرود از خانه بهتر میکند بازی | معلم گو بدش سر کن قلم سر میکند بازی
خیال او نمیگیرد دمی آرام در چشمم | بدریا چون رسد طفل شناور میکند بازی

اثر، شفیعای اثر ـ اصلش از شیراز است ـ مدتها در اصفهان بسر کرده ـ گویند کور معلوم نیست که کور مادرزاد بود یا غیر آن ـ شاگرد مسیح الزمانی میرزا هادی قلندر است که والد نواب نقوا علوی خان مرحوم و مغفور بود ـ زمان سلطان حسین میرزای صفوی که گویا خاتم سلسلهٔ سلاطین صفویه آمد دریافته ـ و مدح نواب وحید الزمانی بسیار کرده ـ گویا بعد از طاهر نصرآبادی بعرصه آمده، لهذا احوال اشعار او در تذکرهٔ طاهر نصرآبادی مسطور نیست ـ هجو نجف قلی خان صدر الصدور ایران بسیار خوب گفته غرض خیلی خوش طبع بود و لسان گزنده داشت ـ بسیار معانی تازه در کلام او هست، چه در غزل و چه در قصیده و چه غیر آن ـ کلیات مختصری دارد، گویا همه منتخب است ـ طرز شعر او با طور ملا محمد سعید بسیار مانا است فقیر آرزو سی سال پیش ازین، جواب تمام دیوان غزل او و چند قصیده در عرصهٔ چند ماه گفته، مدتی علیحده حالا داخل دیوان کلان خود نموده ام ـ بهرحال، شفیعا بسیار پخته گو و تازه خیال است ـ انتخاب اشعار او نوشته می شود :

خواهی عزیز دهر شوی خاکسار شو | در دیده ها ز سرمه شدن جاست سنگ را
زندگانی میشود دشوار در پایان عمر | هست بیداری مشقت بگذرد چون وقت خواب
چراغی از پی حاجت ز لاله روشن کن | بهر بوستان که قدمگاه سبزپوشانست

فقیر آرزو گوید که مصرع اول بگمان من چنین بهتر است :

"چراغی از پی حاجت ز جام روشن کن"

سامقش دارد. وزیاد برآن از کمالات آن هند گارش سخندان چه نویسد که شمار قطرهٔ آب باران نمودن ساحت افلاک پیمودن است[1]؛ "سرگروه سخن سنجان، استاد استادان... جناب امیر خسرو چنین صاحب کمال پرگو و خوش‌گو بمسامع عالمیان رسیده[2]."

میگویند: وی مرد دگر بوده که در ذوق سخن و نقد سخن و فهم سخن و شرح سخن ——— و هم در زبان‌شناسی فارسی چنین فاضلی پس از امیر خسرو تا زمان آرزو از سرزمین هندوگوی برنخاسته؛ و از آثار وی که مشتمل بر موضوعات گوناگون هستند، فضل و دانش وی و هم دقت نظر کاملاً آشکار است.

در سدهٔ دوازدهم خصوصاً، و قدری هم قبل از آن، پایهٔ اعتبار از سخن‌فهمی و زبان‌دانی هندوستانیان در نظر ایرانیان ساقط شده بود. خان آرزو چه از حیث دیدگاه و چه از حیث عملی کردن این امر بما ایرانیان معاصر گوشزد کرد که زبان‌شناسی فارسی اجارهٔ نیست که تنها با ایرانیان اختصاص دارد. عمدهٔ از تصنیفات او از همین مطلب هدف داشت که هم بالادستی ایرانیان بر هندیان که در بارهٔ زبان‌شناسی راه یافته، پاره پاره کند. و پس از رسیدن بمنزلی که در نظر داشته[3] آرزو مانی میانی و حتو انداز پیش گرفت و ایران را در همان ردیف قرار داد که هندوستان را در ادوار پیشین داده بود. و از مقالی که ضمن ترجمهٔ آصف‌خان جعفر قزوینی ایران را و سپس هندوستان را یاد کرده، شعر پر نکته مزبور است: "از قزوین جنت آیین است که در هندوستان بهشت نشان بمعارج رسیده".

دیگر از خصایص این تذکره نکته‌های انتقادی آرزوست که تحت ترجمه شعرا هر کجا که واژه یا ترکیبی یا اسلوب ادا بنظرش کم‌ور باسقیم یا نازیبا میآید و یا مضمون متأخر از متقدم متوارد (یا مأخوذ) میباشد، مورد نکته‌چینی مولف قرار گرفته. یادداشتهای گوناگون که در بارهٔ تهذیب و معاشرت سدهٔ دوازدهم درین تذکره یافته شوند در باز آفرینی آن عهد خیلی مددگار میباشد.

و چنانکه از عهد اورنگ‌زیب تا عهد احمد شاه (و یک سال و چند ماه هم از عهد عالمگیر ثانی) سلطنت دهلی را در جمیع و حین انحلال از نزدیک مشاهده نموده، اشاره‌های تاریخی که جابجا در مجمع النفائس هست از حیث مدارک و نیسی تاریخ معاصر خیلی ثمین است.

امید که این چاپ خدمتی ناچیز محققان را در تذکرهٔ مجمع النفائس ماخذ معتبری که شرح احوال شعرای سدهٔ دوازدهم‌ها افزوده باشد.

۱- قایم چاندپوری: "مخزن نکات" ۲- میرحسن، تذکرهٔ شعرای اردو.

جناب عصمت منقبت مناب کوکه صاحبه رحیم النسا بیگم بسر میکرد دختر گرامی منزلت ایشان صرف نمودن چندی از او برادرش گرامی باخیر همطرح بود. از غزلیات او اینوقت بخاطر نیست. مثنوی در تعریف بهادر خوان والنعمه مغفور مبرور گفته. نوشته میشود.

آزاد، سید غلام علی: از فرزندان سید عبدالجلیل بلگرامی که عبدالجلیل تخلص میکرد، و احوالش بعد آید انشاء الله تعالی. مردی فاضل و عالم، بزیارت بیت الله فایز گردیده. از چندگاه در اورنگ آباد فروکش کرده. صوبه داران دکن خیلی در تعظیم و توقیر او میکوشند، و سعادت دارین حاصل مینمایند. با فقیر آرزو اخلاص غایبانه دارد. سابق از کمال شوق هندی جوانی فرستاده و طلب اشعار و احوال فقیر نموده. یک دو غزل فارسی و یک قصیدهٔ عربی در کمال فصاحت و بلاغت فرستاده بود. در دیوان هندی جوانی فرستاده و سجزه و از غزلیات خود نوشته، مشق سخن رسیده، تلاشهای بالادست دارد چنانچه ازین اشعار او که نوشته میشود ظاهر است. گویند تذکرة الشعرای نوشته، در دیوان نظر ثانی بر آن بازمی نولیسد. ازوست:

از حرم آورد سوی دیر هندستان مرا — گردم چشم سیاهت کرد سرگردان مرا
ز ذوق بانگ انگشتر طلا خان در دید — سخن تمام شد و لذت سخن باقیست
در دمندان را دوا کردن بهشت دیگر است — خار از پای برآوردن گل بیخار است
کار ما تا نیست در ایام غم ناخوش شدن — وقت نرگس خوش که در فصل خزان گیرد قدح
سرکشی سرمایهٔ نقصان دولت میشود — نیشکر با بند بالا کم حلاوت می شود
مرض غم بالاتر از مرض اینست — که جمع صورت نحس طبیب باید دید
نقش و نگار دنیا سیر بهشت دارد — اما چو پای طاؤس انجام زشت دارد

آفرین، شاه فقیر الله: از لاهوریست. وطن اصلیش معلوم نیست. بغایت نیک مردم خوش مشرب و آزاد و متوکل بود. صوبه داران لاهور خصوصاً سیف الدوله عبدالصمد خان بهادر دلیرجنگ مرحوم و زکریا خان بهادر پسر او بسیار تعظیم و تکریم و توقیر او مینمودند. اختلاطش با اهل دنیا کم فرود می آمد، لهذا

۱- لطفاً به "باغ معانی" ملاحظه کنید که در مجلهٔ "خدابخش لائبریری جرنل" شماره ۱۱ بچاپ رسیده.

دارند خلق بسکه بصاحب زر اعتقاد — هرکس که مالک دو درم گشت بوذراست

و بگمان خیر آلله موافق مشرب خود مصرع دوم این بیت چنین بهتر است :

"هرکس که گشت مالک دینار بوذراست"

از لطف تو ام هرچه مراد است مهیاست — چیزی که من امروز ندارم غم فرداست

اگر ز رشک تو میرم رقیب، جا دارد — که یار نوحه کنان از پی جنازهٔ تست

خیر آلله گوید نزدیک بهمین معنی است آنچه میر رفیع الدین حیدر معمائی گفته :

دوش بر نعش رفیعی اشکها بر دم که تو — همرهش گریان تر از اهل عزا می آمدی

پیش از این محنت ایام چنین صعب نبود — هر که اکنون به بلا صبر کند ایوبیست

نباشد حالتی از عالم دیوانگی خوشتر — بلی هرکس غم عالم ندارد، عالمی دارد

ز عشق هرچه بدل نقش بود زایل شد — نشان سکه نباشد زر گداخته را

تا شاه جهان پناه بر تخت نشست — گشتند بطاعت آشنا مطرب و مست

در تعریف شعر و شاعر :

دفتر شاهان ز بعد مرگ مرد باطل است — دفتر اهل سخن جمع است تا باشد لسان

ایجاد، میر محمد احسن : از سادات صحیح النسب است سکان دوام کا از قصبهٔ سامانه کیجا بیکال خیر است سدتی در عهد عالمگیری با خیر اندیش خان متصدی چکلهٔ اتاوه بسر برده - اوایل عهد بادشاه مرحوم شهید محمد فرخ سیر بخدمت شاهنامه نویسی بادشاه شد - و بعد نوشتن پاره از حالات و گذرانیدن از نذر جلیل گران مقدار از بادشاه دریادل صله یافت - از بعضی مسموع است :

هر نفس کار جهان چون موج در هم برهم است — عشرت امروزه بگذاریم، فردا یا نصیب

تنگ و بشر چو بر غبار گل و لاله نشست — هر غباری که بجولان تو از جا برخاست

چه احتیاج چراغی بغیر شعلهٔ حسن — مرا که بهر ز خود رفتن است راه نگاه

ارجمند : پسر دوم عبدالغنی بیگ قبول - سابق "آزاد" تخلص میکرد معیار الدین جنون قرار داد - تلاش معنیهای بسیار داشت - از کشمیر که آمده در خدمت نواب مرحوم علی اصغر خان بامد خود

مدت مدید وارد هندوستان گردیده، بیشتر رفیق ذوالفقار خان بهادر نصرت جنگ میربخشی محمد اورنگ زیب
بادشاه غازی بود. اکثر در دکن تشریف داشته. بعد ازان مدتی برفاقت نظام الملک آصفجاه صوبهٔ دکن
عمر عزیز خود گذرانید. با آنکه قریب چهل سال است که درین ملک است و زبانش بلهجهٔ هندی خوب میگردد
لیکن زبان این ملک را خوب می فهمد و نکته لغات هندی را مثل او مغل چه که اکثر اهل هند نمی رسند،
از بسکه طبیعت او ... منصف افتاده، اکثر چیزهای هندوستان را داد میدهد و از تعصب مطلق معرا
و مبرا است. با وجود ذی امارت دنیا را یک ذره وجود نمی گذارد. و بسیار مجرد میزید. صاحب مشرب
عالی است. آدمی باین اخلاق حسنه و اوصاف پسندیده کم دیده شده. قریب هشت نه سال است که
سواد حضرت شاهجهان آباد دهلی را باشعهٔ ذات فایض الانوار مشرق تجلی ساخته. هیچ هنگامه و مجمعی نیست
که بی تکلف گلچین تماشایش بوده. بقیة السلف آدمیت و چراغ دودمان اهل بیت بود. در قدر ما
بسلمان که از اهل بیت سخن است، شعرش بسیار ما است. با فقیر آرزو بغایت اشفاق و اخلاص
داشت. سه سال پیش ازین برحمت حق پیوسته. ایامیکه فقیر رسالهٔ تنبیه الغافلین فی اعتراضات علی
اشعار الحزین نوشته بود، بعضی از کاسه لیسان هند که بتصدیق بلاتصور معتقد کلام شعرای ایران اند،
بخان مسطور ظاهر کردند که فلانی یعنی فقیر آرزو اعتراضات از جهة خلاف محاوره و سستی عبارت و ناوصلی
مصادع بر اشعار شیخ محمد علی حزین نموده، خان امیدگاه گفت که درد باندانی شیخ شبهه نیست، اما اینقدر هم
یقینی است که آنچه فلانی یعنی فقیر آرزو گفته باشد، بی چیزی نخواهد بود. سبحان الله آخر آن رساله چون
شهره یافت و نقلهای آن جابجا رسید، هیچکس از مغل و هندوی از عهدهٔ جواب بیرون نیامد، حتی که امارت
رتبت علی قلی خان بهادر واله تخلص که از بزرگ زادگان ایران و وزیرزادهٔ آن دیار است، اکثر آن
رساله را بمشاهدهٔ فضایل و کمالات پناه میر شمس الدین فقیر که امروز درین فن استاد عصر و طرز فغانی اختیار
کردهٔ اوست، داخل تذکرهٔ خود کرده تا اصفهان فرستاد. هرچند این معنی از راه ناخوشی بود که میان شیخ
و خان معزی الیه بوقوع آمده، لیکن منصف می فهمد که اگر اعتراضات مذکور بیجا بود داخل تذکره کردن و بجای
اهل ایران فرستادن خصوصاً اعتراض هندی بر ایرانی حساب نداشت. مطلع غزل اول دیوان بلاغت
بیان قزلباش خان امید این است، و خیلی بسیار بمزه واقع شده است رحمه الله تعالی و حشره مع اهل بیت:

سراسیمه چو مهر و ماه گردیدیم دنیا را نمیدارد منزل آسایشی دیدیم دنیا را
از آنکم سخن است کس بگوید این حرف فتاده بر زبانها

صحیح اختیار بسیار کم کرده. با فقیر آرزو خیلی ربط غایبانه بهم رسانیده. مکالمهٔ روحانی که عبارت است از نامه و پیام در میان داشت و مرا "امام سخنوران" می‌نوشت. با آنکه به پایهٔ مقتدی ائمهٔ این فن رسیده ام. کلیات ضخیمی دارد مشتمل بر قصاید و مثنویات و غزل. بسیار خوش زبان تازه خیال بود. طور وطن میان نام علی منظور او بود. گاهی استفسار بعضی از مصطلحات تازه گویان فارسی ازین عاجز می‌نمود. در لاهور شاگردان بسیار دارد، از آنجمله حکیم بیگ خان حاکم تخلص که بسیار مرد عزیز و خوش فکر است. و بعد از وفات شاه آفرین، دیوان خود را از نظر گذرانیده. انتخاب دیوان آفرین اینست:

خوشا دوری که در عالم ایازی بود و محمودی — و فاعقتا، محبت کیمیا شد در زمان ما

کوه کن بودن و مجنون بودن — کار شوق است، نه کار من و تست

رو داری از آیینه بهر وجه محال است — جز صدق تمنا ز اصحاب صفا هیچ

کامل کجا مقید اسباب می‌شود — بی نردبان مسیح ببام فلک رسید

امشب گل روی که مرا بلغ نظر بود — در هر مژه بر هم زدنی سیر دگر بود

عیبی نیست هنرمند حوادث زده را — هست بیقدر چون آن نسخه که ابتر باشد

ز فیض خلق خوش آسوده باشد آفرین ما — که از وضع ملایم بالش پر زیر سر دارد

میفزاید ظلمت دل صحبت افسردگان — چون زمستان بیشتر گردد، شود شبها بلند

کسی کو تعمیر دین را فکر بنیاد ساختن دارد — بیاد کربلا خاکی بسر انداختن دارد

نشاط عید نفس شوم ما هر روزه میداند — الهی توبه از جرمی که طاعت کرده ام باشد

دست کسی که گیرد از پا فتاده را — باشد کلید جنت پنهان در آستینش

یار ساقی بزم خالی از رقیب — هر چه بادا باد میخواهد دلم

هر چند که مهتاب صفا بخش نشاط است — بی یار پریچهره بود دیو سفیدم

گریزانم ز جمشید و فریدون بندهٔ عشقم — همین یک حلقهٔ صاحبدلان را حلقه در گوشم

گل اندامی که در جلیم گل غیسانه میریزد — حمایل چون گریبان میکند دستی بهر گردن

امید، قزلباش خان: نام اصلی این عزیز بزرگوار محمد رضا است. آنجا ... از

اکبرآباد هست ـ اینجانیست ـ پارهٔ از اشعارش که در جنگی دیده نوشته ـ ازوست[1] ـ

اسحٰق ، محمد اسحٰق خان بهادر مؤتمن الدوله : جمع البحرین دین و دل ، ماحی حبین علم
و دل ، کشاف رموز قرآن ملت ، معنی حلال عقد عقاید مذهب سخن بود ـ وطن آبائی شریف ایشان شوشتر است ـ
از مدتی بهند آمده ، باختیار تمام و اعتبار مالا کلام نوکری سلاطین هندوستان اختیار کرده ، در هر سلطنتی و
هر دولتی ممتاز بوده اند ، خصوصاً در عهد بادشاه فردوس آرامگاه محمد شاه جعل الله الجنة مثواه که ذات
شریف ایشان مرجع و مآب انام و از جزئی تا کلی مدار المهام گردیدند ، باین طلاقت لسان و وضوح
بیان و دقت نظر و صفای ذهن و زود رسیدن بدقایق و کشف معضلات حقایق دیگری ندیده بلکه
از دقیق فهمان کم شنیده ـ در نثر ، چه عربی و چه فارسی ، حریری و بدیع همدانی را سر خط بخشیده ، ظهوری و
جلالی را خط نسخ بر رسایل کشیده ـ و در نظم فارسی وحید روزگار و صایب و جلال و جلال اسیر را مایهٔ افتخار
بود ـ فقیر آرزو را در خدمت ایشان از مدت بیست و چند سال اخلاص و بندگی متحقق بود ـ ازین جهت
مال اشفاق مرعی میفرمود ـ صلاح بمرتبهٔ داشته است که وقتیکه ازین جهان فانی بگلگشت فردوس کامل و دل
بحر امید ، بشغل وضو و نکر نماز پیشین بود ـ بلکه در سجده جان بجان آفرین سپرد ـ هزار هزار آفرین بر
جان پاک ـ بشگفته رویی و لطیفه گویی یکتای روزگار و منتخب لیل و نهار بود ـ چنانکه ایامیکه نادرشاه
با عظمت و جلال که زهرهٔ زمانهٔ غدار در پیش او آب میشد هنگامیکه ایشان را در خدمت بادشاه مغفور
مرحوم فردوس آرامگاه محمد شاه دید ، از بسکه جبین اقبال آیینه اش می تافت ـ از بادشاه مذکور پرسید که
این جوان خوش سیما کیست ـ و در هنگامی که قشون نادرشاهی از قتل عام دار الخلافه شاهجهان آباد دهلی فارغ
شد ، مشغول تحصیل مال امانی عبد الباقی خان که یکی از وزرای نادرشاه بود ، برسبیل شکایات بایشان گفت
مردم دهلی باز یک قتل عام میخواهند ـ نواب مرحوم مسطور فی الفور در جواب او این بیت خواند :

کسی نماند که دیگر به تیغ ناز کشی ‖ گر تو زنده کنی خلق را و باز کشی

حاصل نکات و لطایف آنجناب بیحد و شمار است ـ درین جا نوشتن منتخب اشعار ایشان مناسب
است لهذا نوشته میشود تا دریافت شود که باوجود اشغال دنیوی چه قدر سر معنوی داشتند رحمة الله علیه ـ
ازوست :

بجز کشیده ساغر حضور ابر بهار ‖ جواب شوخی گل نکهت گلستان چیست

---

1. لطفاً منتخبی از کلام آثم را در تذکرهٔ "باغ معانی" که در مجلهٔ خدابخش لائبریری جرنل" شماره ۲ بچاپ رسیده ، نگاه کنید ـ

هر لحظه شوند عاشقان نو کو کهنه شده است ینگ دنیا

بدانکه "ینگ" بفتح و سکون نون و کاف فارسی دنیای نو و تازه است - و این ظاهراً لغت فرنگ است، چه درین ایام پیش ایشان جزیرهٔ زیر زمین پیدا شده که سابق ارباب هیئت را ازان اطلاع نبوده و آنرا موسوم به "ینگ دنیا"[1] کرده اند.

نیست دلسوزی بجز خود شمع را ——— بیکسی ها را کسی در کار نیست

نخرد یار گر اخلاص مرا معذور است ——— که کشاد است دکان جنس فراوان شده را

در خرابات فیض بیدار نیست ——— سوی مسجد گر روم در خواب

حاجی عبث بطوف حرم سعی میکنی ——— باید شدن بصاحب این خانه آشنا

چنان نمک سهل قیمتم لیکن ——— قسم مالی بجان نیست

جهان که گفت چنان و چنین نخواهد ماند ——— اگر نماند چنان پس چرا چنین مانده است

ممسک آخر بچه رو چین بجبین اندازی ——— که در بسته بود دست بدربان محتاج

تو ظلم کردی و خواهم ترا جزا نرسد ——— خدا کند که بفریاد ما خدا نرسد

من برنگ ذره، او چون آفتاب ——— هر قدر نزدیک رفتم دور شد

تماشا کردنیست رهخود خوشیهای زلفان را ——— دگر کی یوسف ما بر سر بازار می‌آید

از خرابات بمسجد چکشی تکلیفم ——— بهوای زاهد بیکار که فرصت دارد

آثم، شیخ حفیظ الله : خالوزاده و برادر کلان فقیر آرزو، خیلی صاحب دست و دل بود. مدت مدید بنوکری بادشاهزاده محمد اعظم شاه مرحوم بسر کرده - بعد از کشته شدن او، در سلطنت محمد فرخ سیر بادشاه شهید، بسبب آشنایی قدیم نواب شهید صمصام الدوله بهادر خان دوران داخل والا شاهیان گردیده، اوقات بسر برد. شعر بسیار خوب میفرمود و در سنه ۲۲ جلوس فردوس آرامگاه محمد شاه بادشاه مرحوم در اکبرآباد برحمت حق پیوست. دیوان قدیمش تلف گردیده. آنچه بعد ازان گفته بود در

۱- واژه "ینگ"، همانا واژه انگلیسی YOUNG است. YOUNG WORLD ظاهراً اشاره به قاره امریکا است که در سالهای آخرین دهه اخر سده پانزدهم کشوف شد (م ب)

احسنی، سید غلام علی: فقیر آرزو در ایام طفلی اشعار خود را در خدمت ایشان گذرانیده
در این اصلاح بسیار ثابت نموده اند، این مرد بزرگوار از سادات صحیح النسب بود، اجدادش
توطن گوالیار اختیار نموده. بالفعل دیوان ایشان پیش فقیر نیست دو بیت که یاد بود نوشته میشود

شانه را آهسته زن مشاطه بر گیسوی او — رشته جان خسته‌ای بخبر بر موی او
احسنی یکسر بهنگام خرامش بشنوی — ناله آن خلخال پا نازم حیا نازم حیا

آزاد، محمد مقیم: در اکبرآباد در خدمت سیادت و امارت مرتبت سید امیر خان مرحوم مغفور
مدتی مدید بسر کرده، آخر آخر نابینا شد و در شهر مذکور ودیعت حیات سپرد. اصلش از کشمیر جنت نظیر است
در شعر شاگرد حاجی محمد اسلم سالم بود. با فقیر آرزو خیلی ارتباط و اختلاط داشت. خدایش بیامرزاد. بسیار
خوش اختلاط و رنگین صحبت بود. کلامش خالی از مزه نبود. عجب عزیز کسی بود بالفعل غیر از یک شعر او
یاد نیست. رای سایان آنند رام مخلص تخلص که در همین ایام رحلت نمود مثنوی او را در اکبرآباد طلبیده داشته
که در کتابخانه او هست. اگر دیگر اشعارش دست بهم میدهد نوشته خواهد شد انشاء الله تعالی، از وست:

ظلم بر ساغر و بیداد به مینا نکنم — نکنم موسم گل توبه بیجا نکنم
دادی دادم تو عشوه و من بتو دل — هستی هستم تو شاد و من از تو خجل
بردی بردم تو دل ز من من غم تو — کردی کردم تو جور و من جمله تحمل

اظهری، سراج الدین: از معاصران تقی اوحدی است چنانکه گفته که با ملا مظهری خویشی
داشت و هر روز مابین ایشان مباحثات و مناقشات می‌افتاد. مظهری در گذشت و او هنوز زنده است
در کشمیر. و الکای هند سایر و دایر. اگرچه او تتبع مظهری کردی و با او گفتی که اصل منی چه مظهری اصل
اظهر کلامست و مظهر در جواب گفتی که تو مستقل منی.

در کلمات الشعرا مسطور است که ملا اظهری که نابینا بود اتفاقاً با ملا شیدا ملاقات میکند
و این بیت وا میخواند بشیدا که شیاطین الانس بود از راه شوخی مثل هندی در برابرش میگوید که
ترجمه‌اش در فارسی است که زن نابینا را خدا حافظ است. و در بیاضی که بخط میرزا صایب است
بیت مذکور بنام مظهری مرقوم است اول از تو ثانی است از وست:

در مرثیهٔ امام الجن والانس ابی عبدالله الحسین علیه التحیات مخمسی گفته که بند اولش بسیار با مزه است هر چند مخالف مذهب اهل سنت است لیکن اگر کسی انصاف کند معذور بود:

غلبا ز گنبد فلک از نوحه پر صدا — گردید باز سوی زمین پر غم و عنا
ارواح اولیا شده در محنت و بلا — در ماتم حسین علی شاه اتقیا
آن کشتهٔ سقیفه و شوری و کربلا

از خار نیزه‌ها که خراشیده روی گل — پر خون که کرد بوسه گه سید الرسل
آن کیست کو شکست دل هادی السبل — بر آل مصطفیٰ که پسندید بند و غل
این جرأت از که بود بر اولاد مرتضیٰ

پژمرده گشت سرو سرافراز مصطفیٰ — شد تشنه جان ساقی کوثر بکربلا
تفسید از عطش جگر سرو نسا — از تشنگی بسوخت دل شاه مجتبیٰ
دل آب گشت و ریخت بدامان فاطمه

احمد شیرازی، مولانا: صاحب سخن است، از وست:

جدا از شست تو چون تیر بیقرار توام — بهر زمین که نشستم در انتظار توام

جناب سام میرزا در تحفه می نویسد که مولانای مذکور اندک ولایت داشت. گویند در زمان قحط او را آدمی خوران خورده‌اند. فقیر آرزو گوید که ایامی که نادرشاه دارالخلافه دهلی را مسخر کرد، افواج شاهی برای مال اهالی محاصرهٔ شهر داشتند، و در شهر همه قشون قزلباش بود. بعضی از مردم این شهر نقل میکردند که درین فوج مردم آدمخوار هستند و مرا یاد می آمد که در چنین حالت آدمی، آدمی را بخورد. ظاهراً از کمال ترس مردم خواهد بود یا فوج قزلباش اینها را ترسانیده. اتفاقاً در آن وقت شخصی حاضر بود که از والد خود نقل کرد که بدیدن جوگی که خوارق عادت از و روایت می کردند، برفتم. جوگی در اظهار کمالات خود آمده گفت که ماده من مرا در شکم داشت و حالا شش ماه است که او را در شکم نگاه می کنم. والدین حرف را تعجب بسیار دست داد. پس استفسار احوال نمودم. جوگی گفت: ماده من مرده بود، او را خوردم. فقیر والد من گفتم اگر در آن وقت من می بودم می گفتم که علاوه اش آنکه بعد نگه داشتن در شکم او را تا اینقدر مدت میخوردی تا چنین پیش آمدی و تو او را پس بدر کردی تا حکایت او پیش میرسید.

تلاش مضامین تازه بسیار داده و فکرش معروف بستن الفاظ تازه بسته که در اشعارش
اکثر است سعیش پیدا میکند در بند بستن مضمون تازه است. لهذا در کلام او بیت دردمندانه کمتر.
صاحب غزل و رباعی و قصاید است. مثنوی قضا و قدر در جواب قضا و قدر محمد قلی سلیم گفته
و خیلی معانی غریب در آن بکار برده. باوجود این کمالات گاهی در بحر خطا میکند و وجه این هیچ
ظاهر نیست، چنانکه گوید:

دلم ز زلف تو کم کرده خانمانش لرزد چو بلبلی که پر و بال آشیانش لرزد
دلم به رشتهٔ طول امل رسن باز نیست که بی ثبات بود بند ریسمانش لرزد

چه مصرع سوم غیر بحر و بیگانه بحر بیت اول است اما درین بحر بیت العنب اساتذه بسیار
را لغزش افتاده است مخصوص این عزیز نیست و گرفتن نام دور از ادب است و
همچنین درین رباعی:

آنانکه اسیر تنگ ظرفی اند همه یک حرف نخوانده اند و حرفی اند همه
این طایفه کور سوادان جهان محتاج عصای هر حرفی اند همه

چه پیش طبع موزون قافیه این رباعی هیچ واقع شده که از وزن خارج است. فعال کلیاتش
قریب هزار بیت باشد، انتخابش نوشته میشود:

بسیر کعبه و دیرم خواه اینجا و خواه آنجا که مطلب جستجوی تست خواه اینجا و خواه آنجا

صوفیان را ابرهم جهنم هم بهشتی ناخوش است آب و آتش هر دو عیب میکند آیینه را

به ملک هند مکن سختی دیار ایران را به خاک تیره برابر مکن گلستان را

قدم از معرفت حل معمای جهان کردند به سان قفل ابجد بوده است دانستن کلید اینجا

از فضای حادثه عارست یوسف غیر تر گلین ایران گر از چاه کنعان خورد آب

کی سرم اشرف فرود آید به اشعار لطیف معنی باریک موی خانهٔ انشای ماست

مرا بسینه ز شفقت بهر اسپاره دلیست — که چون لباس گدایان هزار پیوندست
خواه با اطهری و خواه به بیگانه نشین — من همین شرم ترا بر تو نگهبان کردم

رباعی

ایدل چو بود حاصل این عمر عزیز — زنهار که جز خوش مکن الا بدو چیز
یا بهر نگاری که پسندیده بود — یا صحبت یاری که بود اهل تمیز

اشرف ، ملا محمد سعید : پسر ملا محمد صالح مازندرانی از طرف پدر و ما
علم با در سیده پدرش شارح اصول کافیست و خال ملا باقر مجلسی مجتهد قرار داده -
پیچ یک حاجت اظهار ندارد و از ایران بهند آمده باستادی بادشاهزاده زیب ال
صبیه محمد اورنگ زیب عالمگیر بادشاه غفرانشر تعالی ممتاز گردید - باز بایران رفت مدتی
بود خیلی طبع شوخ و ظریف داشت - فاضل و شاعر و خوش نویس دمعمود بود، چنانکه
اشارت بدان نمود :

رباعی

اشرف تو کییست نکته دانی دانی — اسرار رموز جاودانی دانی
هر چند که مانند نداری در خط — در شیوهٔ تصویر بمانی مانی

از نواب مرحوم مغفور مؤتمن الدوله بهادر که شاگرد بلا واسطه ملا بود مسموعست
که ملا بحدی شوخ بود که خود نقل کرد که ایامی که در اصفهان بودم روزی در مدرسه آخوند
مجلسی که خالو بود حاضر بودم که شخصی خبر آورد کس بازی آمده من برای تماشا برخاست
روز دیگر که آنجا رفتم آخوند مرا دیده گفت که از رفتن تو بتماشای بازی در حلقه دوبر
گفتم من زیاده تر از این کمی آیم - باستماع توجهات بلاده که از جناب بنظهور میآ
آنکه با بیگم شوخیها در پرده میکرد - از آنجمله اشت که به بیگم نوشته بود که سینه بسته بیه
میخواهد و در هندی اند نخود را بیسن گویند بیای موحده و یای مجهول و مینی جمله مقصور
و چون از لفظ بسته و بسن راد و رکند بوسه میماند بیگم این را دریافته باو نوشته
باست نیامد - بهرحال هر که دیوان او را سیر کرده میداند که چه قدر شوخ طبع

(ب)

باذل، رفیع خان: برادرزادهٔ محمد طاهر وزیر خان عالمگیرشاهی است. پدرش از ایران بهند آمده داخل بوگرهٔ امرا گردیده. آرزو ایشان را در هفده سالگی بهنگامیکه قلعه‌دار گوالیار بودند، دیده و مستفید ملازمت گردیده. خالوی فقیر که این وارد فرخجستهٔ گوالیار بود، مرا همراه برده فرمودند که این پسر هم سری بسخن دارد. ایشان با آنکه در آن ایام بگفتن مثنوی "حملهٔ حیدری" که قریب چهل هزار بیت است مشتمل احوال سرور کاینات و امیرالمؤمنین علی علیه السلام بودند متوجه من شده چند شعر خود خواندند. از آنجمله یک بیت بنده را یاد است، با آنکه قریب پنجاه سال بران گذشته، و آن اینست:

کار دانان را نمی باید مصالح آنقدر شانه با انگشت چین وا کند از مو گره

القصه خان مسطور بفضایل نفسانی و فواضل روحانی موصوف بود. کتاب حملهٔ حیدری را بقدرت گفته، بعد مطالعه رتبهٔ کلام و کلیم بر سخن فهم ظاهر میشود، از وست:

جواب این غزل باذل که گوید شاعر هندی بایران میفرستم تا که میگوید جوابش را

و مراد از شاعر هندی در نیجا شاه ناصر علی سرهندی است که مقطع غزل او اینست:

باین شوخی غزل گفتن علی از کس نمی آید بایران میفرستم تا که میگوید جوابش را

از بعضی مسموع است که روزی اتفاقات ملاقات ناصر علی با رفیع خان باذل افتاده بود، ناصر علی به باذل تکلیف شعر خواندن نمود، باذل این بیت خواند:

دل داشتیم دادیم، جان بود عرض کردیم چیزی که یار خواهد صبرست وا نداریم

ناصر علی از راه شوخیها گفت که صاحب از نظم خود بخوانند و بگیب گذرانند.

عشق را با هر دلی نسبت بقدر جوهرست قطره بر گل شبنم و در قعر دریا گوهرست

بیدل، میرزا عبدالقادر، ابوالمعانی: فردوس رضوان پیش چمن آرای طبعش از خیابان بهشت خط مجزه میکشید، و خمیده بهار در مقابل رنگینی مضامینش بلا ناصیه بخاک و خون حسرت چپیده. اگرچه از علم ظاهر بهرهٔ وافی نداشت، از صحبت بزرگان و سیر کتب صوفیه آنقدر آگاه بوده که در سرزمین شعر تمام عمر تخم تصوف میکاشت و مرتبهٔ آشنایی مرتبهٔ توحید بود که

فقیر آرزو گوید که ملا ہرا مراد از اشعار لطیف شعر عبداللطیف خان تنہا
که معاصر او بود چه تنہا بطرز مرزا جلال اسیر شہرستانی که خالوی اوست
میرفت و در میان طور اشرف و اسیر بون بعید است. لہذا بعضی نقل از
خان تنہا میکردند که ہرگاه شوق خندیدن پیدا میشود. اشعار ملا سعید اشرف
میشنویم. لیکن انصاف آنست که قول تنہا نظر بتعریض اشعار اشرف باشد و
ابیات او بالا دست بیش از بیش است۔

اختیارم نیست در غربت که چون رنگ حنا
رفتن ہندوستان من بدست دیگر است

شد ز تنہائی غریب کشور ہندوستان
دل ز حیرانی بیابان مرگ صحرای دگر

آصف، محمد قلی: از قم است. صاحب کلمات الشعرا ہمین یک بیت
آورده لیکن اشعار بسیار دارد چنانچه درینولا دیوانی ازو بنظر آمده قریب شش
بیت. درین ایام عالیجاه والامنزلت نظام الملک آصفجاه که سه سال پیش ازین ودیعت
حیات سپردند آصف تخلص میکردند و سابق شاگرد تخلص ایشان بود. از آصف قم

شعله ایم اما ز دود دل سیه پوشیم ما — چون چراغ لاله میسوزیم و خاموشیم ما
در گلستان محبت غنچه نشگفته ایم — خون دل در پرده می‌نوشیم و خاموشیم ما

تا کی شنود کس ز تو افسانه درد و غم — مرگی بتر از صحبت زاهد نباشد

ہلال عید به تیغ کشیده میماند — نشاط دہر بحرف نشنیده میماند
درین خرابه [illegible] نیست — جہان بآیینه زنگ دیده میماند

درین محفل پریشان جلوه هست آن حسن هرجایی	شکستی کو که پیدا تری دید آیینهٔ ما را
برهمن آبروی خدمت است کعبه و دیر	کاش میکرد کسی سیر مقام دل ما
مقام دل نایابست راه سعی ناپیدا	چه میکردیم یارب گر بخود می نارسیدیها
جلوه مشتاقم، بهشت و دوزخم منظور نیست	میروم از خویش هر جا که میخوانی مرا
گر نه نالم، کجا روم بیدل	شش جهت بیکسی و من تنها
من بیدل از دعا جوی چه سود دم بکجا دوم	همه راست حکم "بره برد" همه جاست شور "بیابیا"
بحریفان از خموشی غالبیم	گر نباشد بحث ما الزام ما
وحدت از خودداری ما تهمت آلود دوییست	عکس در آئینست تا استادهٔ بیرون آب
ای که خواهی پاس ناموس محبت داشتن	شرم دار از دیدن گل بی رضای عندلیب
محرومی غفلت نظری را چه کند کس	خلقی است درین خانه برون در و در نیست
هیچ کس چون من درین عبرت سرا ناشاد نیست	عمر در دام و قفس آخر شد و صیاد نیست
سخت نایابست مطلب ورنه کوشش کم نبود	احتیاج از ناامیدی رنگ استغنا گرفت
سخت دشوار است منظور خلایق زیستن	با همه زشتی اگر در پیش خود خوبم بس است
قدر سخن بلند کن از مشق خامشی	حرف نگفته معنی ایهام داشته است
هر جا خرام خویش نگهبان گرد ناز ریخت	تا چشم نقش پا گل بادام داخته است
و مذاق فقیر آرزو در مصرع اول بجای "گرد ناز" "رنگ جلوه" مناسب است۔
درین هوس کده هر کس بعضا عتی دارد	دعاست مایهٔ جمعی که دست شان خالیست
جهان چه خبثهٔ ساعت طلسم فقر و فناست	برات وقت دگر آنچه این زمان خالیست
یارب مکن نیاز دگر امتحان ما	برداشتیم پیش تو دست دعا بس است
هیچکس در بارگاه آگهی مردود نیست	صافی آئینه با گبر و مسلمان آشناست
جان هیچ جسد هیچ، نفس هیچ بقا هیچ	ای هستی تو ننگ عدم تا بکجا هیچ
عنقا سر و برگیم مپرس از فقرا هیچ	عالم همه افسانهٔ ما دارد و ما هیچ
زیر فلک از ظلم و ددلیش بهم رسید	گر خانه همین است، همه خانه خراب اند

هجو و هزل او نیز بی ذوق در وی نشان نمود، چنانکه در مذمت یکی و مدح دیگری گفته:

حیزها اگر آهنگ فتوری دارند — وز باد سرین لاف غروری دارند

زین غوغاها چه باک شهبازان را — زاغان گه میخورند و شوری دارند

نصرآبادی که او را از مردم لاهور شمرده، غلط است. اصلش از تورانی است، از قوم ابدال و در بنگاله بسر برده. اکثر حالاتش از کتاب «چهار عنصر» که از تالیفات اوست و نثرش در پاکیزگیست، واضح و لایح میگردد. قریب سی سال در شاه‌جهان‌آباد دهلی فرکش کرده، و پا بیرون ننهاده. امرا و عمده‌ها را حق سبحانه بعد او فرستاده. اوایل سلطنت فردوس آرامگاه حضرت محمد شاه مغفور ازین جهان رحلت نموده. فقیر آرزو دو بار بخدمت این بزرگوار اوایل بادشاه شهید محمد فرخ سیر رسیده و مستفید گردید. کلامش نظماً و نثراً مابین صد و نود هزار است. کلیاتش بعد وفات او که بچهارم شهر صفر باشد، ۱۱۳۳ هجری، و همین تاریخ وفات اوست مردم هندوستان آن روز چراغان کنند، و طعام پخته بخلایق دهند و عرس نامند، و پیوسته زیارت میشود. بی تکلف سنگ زور سخن‌سنجان است. و چون از راه قدرت تصرفات نمایان در محاوره مردم ولایت دارد کاسه‌لیسان اینها که از اهل هندند، در کلام این بزرگوار سخنها دارند، و فقیر در تصرف صاحب قدرتان هند، هیچ سخن ندارد بلکه قایلست. چنانچه در رسالهٔ "داد سخن" به برهان ثابت نموده هرچند خود تصرف نمی‌کند احتیاطاً. بهر قسم، میرزا بیدل جامع فنون شعر است، چه در مثنوی و چه قصیده و چه رباعی. و شعر او از رعنایی است. و در نثر بی‌مثل و بی‌نظیر است. سخن را بجای رسانیده که چون شعر حافظ شیراز انتخاب ندارد، لیکن از جهت اشعاری که بقدر فهم انتخاب زده، نوشته است:

چه ظلمت است که گرد غفلت بچشم یاران زند پیدا — همه به پیش چشم ما سرابهای زده پیدا

کسی در بند غفلت مانده چون من نیست اینجا — که عالم یک صباح است و شبنم کلید اینجا

گرد لا نیستی از انتظارم بر نمی آرد — تماشا کستر شدن گل میکند چشم سفید اینجا

اتیا ز وصل و هجران در رباش کس مباد — آه ازین غفلت که با او نیز تنهاییم ما

منزل ما، محمل ما، هستی ما افتادگی — همچو اشک کاروان از لغزش پاییم ما

بناز ای تحمل به بال ای قدم هم — که هستی گران حاملم دوش هستم من

اگرم فلک طلبد از زمین وگرم بزمین فکند ز فلک — بقبول طاعت حکم قضا نتوان در عذر و بهانه زدن

بسکه چون شمع تنگ سرمایهٔ این انجمن — یک نگه هم در گریبانست و هم در آستین

دعوی کاذب گواه از خویش پیدا میکند — چون زبان شد هرزه گو آید قسم در آستین

بلبلان بی الفت دامست اینجا بی قفس — بر مراد خاطر صیاد باید زیستن

زندگی در گردن افتادست یاران چاره نیست — چند روزی هرچه بادا باد باید زیستن

چه امکانست سیل مرگ گرد حرص بنشاند — نرفت آخر بزیر خاک هم گنج از کف قارون

سواد آگهی گر دیدهٔ وحشت کند روشن — بزیر خیمهٔ لیلی بود از موی سر مجنون

گرچه میدانیم دل هم منظر ناز تو نیست — اندکی دیگر تنزل کن بچشم ما نشین

جز عرق چیزی ندارم حاصل از کسب کمال — خاک بودم آب گشتم، اینک استعداد من

شور حسن از ساز عشقش بشنو و خاموش باش — کوکوی قمریست اینجا قلقل مینای سرو

خاک بر سر کرد عشق و پای در گل ماند حسن — گر بهار این رنگ دارد حیف قمری وای سرو

منفعلم هر که برم حاجت خویش از بر تو — ای تو دست بر سر من هیچو سر من بر در تو

صورت پرستی خلق نبرد اقتباس معنی — هرچند کعبه سنگ است تسکین برهمن کو

امکان جرأت مژه برداشتن کراست — لغزیده است هر دو جهان در صفای تو

جهان بیخودی یک رنگ دارد جهل و دانش را — تفاوت نیست در بینا و نابینای خوابیده

طامع بشقست محکوم کس نیست — الحکم لله والملک لله

دنیا و دین کو، شک و یقین کو — الله الله • الله الله

ای ناله خامش در خانه کس نیست — یکحرف گفتیم افسانه کوتاه

در حیرتم براحت منزل چسان رسید — راهی که چشم آبلهٔ پا ندیدهٔ

چو عالم گشت یک زخم نمکسود از غبار من — ز دشت خاک می دیگر چه خواهد پریشانی

بمجنون نسبت سودا بهتانست خطا باشد — ز آدم فرق بسیار است تا غول بیابانی

ای عجز گو که چه مرد خدا شدی — دیگر چه میشوی اگر از خود جدا شدی

درین کتاب معرفت همه معنی است — گر عشق باد شد تا سر دار میرسد

چه بلاست اینکه پری ز حنا خبر ندارد — سرانگوش شد اما ته پا نظر ندارد

هرچه دارد محفل تحقیق امروز است و بس — خاک بر فرق دو عالم دی و فردا کرده‌ام

درین بساط ندانم چه بایدم کردن — چو آن فقیر که یکباره بادشاه شود

عقل از فنون نفس ندارد برآمدن — بیچاره است مرد چو زن گریه میکند

ای غفلت آبروی طلب بیش ازین مریز — عالم تمام اوست کرا جستجو کند

چه بلندی و چه پستی چه عدم چه ملک هستی — نشنیده‌ایم جای که کس آرمیده باش

هرکرا بینم درین عبرت سرا — بهر مردن زندگانی میکند

سر بسنگ کعبه سایم با قدم در راه دیر — بی سر و بی پا بدن از آستانم کرده اند

تمتع آرزو داری ز چرخ، از راستی بگذر — کز بی انگشت کج از شیشه روغن برنمید

تا وارسی که غیر خدا نیست جلوه گر — از خود که در نظر تست یکسر آر

هر قدم در وادی فرصت اگر وا میرسی — پای پس در منزلست و پای پیشت در

لذت درد محبت هم تماشا کردنیست — دل بذوق میخورد خونم که نتوان گفت بس

سنگ را هم انتقامی هست ای میزان خلیل — بت شکستی مستعد آتش نمرود باش

قبله خوانم یا پیمبر یا خدا یا کعبه ات — اصطلاح شوق بسیار است و من دیوانه ام

گر بهشتم مدعای بود، تقوی کردمی — امتحان رحمتی دارم، گناهی میکنم

هرکرا جستم چو من گم گشتهٔ تحقیق بود — بی تکلف کعبه را هم در بیابان یافتم

چون نفس آگه نیم از مدعای جستجو — اینقدر دانم که چیزی هست من گم کرده ام

چه مقدار خون در عدم خورده باشم — که بخاکم آئی و من مرده باشم[1]

---

[1] فقیر عزلت چهل روز عرس بیدل سر قبرش رفت و مجمع همه شعرای شاه جهان آباد بود، چون کلیات به موافق معمول که قریب صد هزار باشند، بر آورده، میان مجلس گذاشتند من این خطور کردم که ای بیدل! من آمده ام، شما را خبری هست؟ - و بعد ازین خطره کلیاتش را بطور تفاؤل کشودم بیت اول صفحه راست بیت بر آمد، چنانچه همه یاران دیدند. - [illegible]

نیکو د لاهوری، ملا جامی : از متوسلان نامدارخان پسر جعفرخان وزیر اعظم جمجاه
شاه جهان بادشاه بود. و صاحب کلمات الشعرا که از یاران او بود می نویسد که دیوانی ضخیم دارد مشتمل بر قصاید
و قطعه‌های بسیار. و در تاریخ گویی بی بدل و نظیر ندارد. چنانچه میرزا اسمعیل خلف اسدخان وزیر اعظم محمد اورنگ‌زیب
عالمگیر بادشاه مرحوم که بخطاب ذوالفقارخان بهادر نصرت جنگ میر بخشی بادشاه مذکور شده بود چنین یافته

"زبده اسد گرد نمود آفتاب"

فقیر آرزو گوید بعد از آنکه محمد معزالدین جهاندار شاه پسر بهادر شاه خود را در لاهور بتدبیر وکیل اسمعیل مذکور
گشته، بادشاه شده بود، در اکبرآباد از بادشاه مرحوم شهید محمد فرخ سیر شکست خورده روانهٔ دارالخلافه
دهلی گشته. اسدخان که نام اصلی او محمد ابراهیم است، نظر بر قدم بزرگی و عفو خطا و نزدیکی ذوالفقارخان را
تا رسیدن فرخ سیر در پیش خود نگاه داشته و پس از رسیدن بادشاه مذکور بیرون شهر دهلی در باغ خضرآباد
سر ذوالفقارخان با عم بریده، داخل دولتخانهٔ بادشاهی گردید. نعمت خان عالی که ثانیاً الحال دانشمند
خان شده بود، این مصرع تاریخ یافته :

"گفت ابراهیم اسمعیل را قربان نمود"

۱۱۲۴ھ

و این از نوادر اتفاقاتست و در کلمات الشعراست که تاریخ تولد فرخ یار پسر کامگار خان شرف [illegible]
یافته. ایامی که پسری بخانهٔ نامدارخان متولد شده و تماشش روز جشن ملوکانه می شد چند مصرع مایه
تاریخ یافته که این دو مصرع از آنست :

۱ - نونهال نامدار جعفری آورد گل

۲ - زرکمال جاه جعفری زیب جهان آمد

و در تولد پسری امیری تاریخی گفته بود، چون زیر سنی اند بعلل نیامد از روی بجوای مصرع تاریخ گفته :

"بادا سر او بار دوم در کنف مادر"

بیت

الغرض قصهٔ حسن و دل را نظم کرده و بسیار تلاش گفته. این دو بیت در تعریف ساقیان [illegible]

یکی را ساده کرده رخ آیینه آسا　　یکی را جوهر از آیینه پیدا
گلستان یکی با سنبلستان　　یکی [illegible] گلستان

حالت اینکه می‌خواهم خیالت اینکه می‌بندم ___ مقابل کرده اند آیینهٔ ما با پیکرها

کاروان نقش پاییم از کمال ما مپرس ___ منزل ما جادهٔ ما خضر ما افتادگی

موی سفید گل کرد، آمادهٔ فنا باش ___ یعنی سواد این شهر برده است آب نیما

از هر که دیدی آزار، در انتقام کم کوش ___ در لفظ کینه خواهی حرفیست کین نخواهی

عدم ایمای اصالت، وجود اظهار آثار ___ ز نیرنگ تو خالی نیست معدومی و موجودی

از رباعیات اوست و آن چهار هزار است، تخمیناً که مجموع هشت هزار بیت است.

هر تیره درونی که حسد شامل اوست ___ بر تهمت پاکان نظر باطل اوست

زد پنبه بسقف خانه آویزد ببین ___ دودی که ز شمع سر کشد مایل اوست

کشمیر که انتخاب باغ دنیاست ___ در هر کف خاکش دو جهان نشو و نماست

دارد همه چیز خمیر نوع آدم ___ گر زین بهشتش هشت خوانند رواست

مستزاد:

گر عاشق صادقی ز نایافت منال ... پیدا گردد
وان عقده که بسته‌ای بهمت بخیال ... هموا گردد
گر آبله افتاد به پای طلبت ... زنهار مایست
شاید که همین بیضه بر آید پر و بال ... عنقا گردد

بینش: گمان دارم که از کشمیر است. تعریف اماکن متنزه کشمیر بسیار نموده. مثنویهای دارد در تعریف کشمیر که بسیار خوب گفته. دیوانش بنظر آمده. خیلی معنی یابست. اکثر جواب غزلهای عنایت خان آشنا گفته. ظاهراً معاصر اوست. شعرش خیلی متین، و لغزش مطلقاً ندارد، انتخاب دیوانش نوشته میشود:

جبین من چو گل پامال شد بینش ___ که میخواهم بوقت سجده بوسم آستانش را

مروت ایام بی زحمت نمی‌آید بدست ___ سنگ بت گردد بخود بیند چو زخم تیشه را[1]

۱- "نیز معلمت بجای "بخود بیند" "بخود گیرد" نهاد باد بهتر میداند"

ن رباعی گفته :

از خواب عدم پیام تا چشم کشود کسب سخن از اکابر خویش نمود
تعلیم گرش بشعر با شرکت غیر عموی خودش محمد حسا بود

بهرحال مرد عزیزی خوش طبع بود۔ خدایش بیامرزاد۔ روزی بخانهٔ رای رایان مخلص،
پیام و فقیر و محمد عطا ی عطا تخلص از شاگردان میرزا مرحوم عبدالقادر بیدل، وارد بودیم۔ عطا و پیام
هم شوخی می نمودند۔ عطا گفت: بوسه به پیام خالی از تازگی نیست۔ با آنکه این حرف چندان نیست
پیام تر آمده، این بیت بدیهه گفت :

دوستان بکر نیست فکر عطا هست از نادرستیش پیدا

حاصل کلام چند سال پیش ازین ودیعت حیات سپرده عازم آنجهان گردید۔ درینجا انتخاب
نام او نموده نوشته میشود۔ امید دارم که روح او ازمن شاد باشد که از اشعار او دل من بسیار خوش
ست۔ از وست :

میکند دردکم شود این دل مردم از منت دوا ایها
گرد سر گردیدن از پرواز ما خواهد آنشوخ کبوتر بازما
کیست جز از پیام تا فهمد معنی لفظ بی زبانیها

(ت)

تسلیم، محمد هاشم : از شیراز است۔ اواسط عهد محمد اورنگ زیب عالم گیر بادشاه
وارد هندوستان گشته۔ تاریخ اسیر شدن سنبهای مقهور که از راجه های عمدهٔ دکن بود، گفته باشد
ره بطرز میرزا جلال اسیر و قدری بطور ناصر علی که درآن وقت در هندوستان رواج داشت، اما
رطور کلامش خالی از رنگینی نیست۔ دیوانی مختصر دارد، گاهی هاشم نیز تخلص میکند۔ درینجا انتخاب
ان نوشته میشود۔ از وست :

دگر بیگانه سازد خویها میکنم خود را تماشای تماشا هست رسوا میکنم خود را
جگر پاره و دل سوخته و دیدهٔ تر هرچه دارم همه از دولت یار است مرا

تجلی، ملا علی رضا : در عهد محمد اورنگ زیب عالمگیر بادشاه وارد هندوستان گشته۔

تاریخ گفتنش این مصرع بود «جامی از جام حسد نوشید»

از اتفاقات صاحب کلمات الشعرا همین مصرع را با کم و کاست تاریخ وفات او یافته.

گویا که بعد دیدن میرزا خان نوکر شده بود و پایه نشستن در مجلس خان نداشت، این قطعه گفته گذرانیده:

این طاعت حق نماز است در دو حال | گهی بنده ایستد گه از پا نشیند
بود طاعت فرض همچون نمازم | بفرمای این بنده را تا نشیند

خان او را اجازت نشستن داد و مصاحب خود گردانید.

لطیفه: بخود روزی بخانهٔ شخصی مهمان بود و شعر میخواند و شراب میخورد. یاران بنماز برخاستند، بخود شر یکشان نشد. میرزا سرخوش با او گفت که این را چه میگویند، گفت: نماز کیفیت. این دو رباعی نیز از وست:

هر کس که دل از مدار دنیا برداشت | جبرت ز شمار کار دنیا برداشت
گویند زمین بر سر گاو است آری | گاو است کسی که بار دنیا برداشت

سگ سنی و خر شیعه اگر مشهور است | در ضمن نشان بیکد گر مشهور است
دانا نکند تعصب از هیچ طرف | دندان سگ و گوشت خر مشهور است

(پ)

پیام، شرف الدین: از مردم اکبرآباد بود. ذهنی درست و طبع سلیم داشت. زبان شعر را بسیار ورزیده و نقلی خوب میگفت. تلاش معنیهای تازه مینمود. دیوانی دارد مشتمل بر هفت هزار بیت. او اول به نسبت هم وطنی بلکه هم محلگی در اکبرآباد با فقیر خیلی محشور بود، باهم می نشستیم و شعر می گفتیم. در این ضمن اگر امدادی هم از این عاجز بنظمش میرسید دو رو نمود. یک دو سالی دیگر نیز پیش فقیر خوانده. پیام مذکور در اثنای فکر شعر بیتابی بسیار مینمود و گاهی می نشست و زمانی می خوابید و گاه برمیخاست. گفتم برادر این همه حالات معهود است، هر جا باشد شعر باطمینان می گویند. بالجمله چون پایهٔ فکر این عزیز به مرتبهٔ رسید یاران دیگر مثل میان علی عظیم غلغلهٔ شاه نامرعلی وغیره نسبت تربیت او به بنده می نمودند و از من آزرده می شد. در جهان این همه خیلی شهرت گرفت در الله

بیت - در دیوان انتخابش نوشته میشود - از وست :

هلاک شیوهٔ آزادگان عریانیم — که سر بجیب کشیدند و پا بدامنها
نوبهار آمد که بازم از جنون رسوا کند — با چراغ گل من گم گشته را پیدا کند
نشان عیش در اوراق دهر نایابست — ازین کتاب غلط کس چه انتخاب کند
هرگه به بزم آن بت بدکیش میروم — از خود همیشه یک دو قدم پیش میروم

تراب، میرزا ابوتراب : ولد حاجی محمد علی خان ابن میرزا حبیب که از نجباء و مشاهیر اصفهان بود و حاجی محمد علی خان بهند آمده صاحب مرتبهٔ بلند گردیده - نواب مخلص خان تن بخشی محمد اورنگ زیب عالمگیر بادشاه که شمس فلک کمال و نیر برج دولت و اقبال بود، در تربیت او میکوشید حتی که یکنفس بی او بسر نمی توانست برد - اواخر عهد بهادر شاه صوبه دار عظیم آباد شده - بعد عزل که عازم اردوی پادشاهی بود، در قصبه افتاده برحمت حق پیوسته - میرزا ابوتراب مذکور با میرزا ابو محمد برادر خرد خود که الحال مخاطب به نثار علی خان است، در اکبرآباد وارد گردیدند - فقیر نیز در آن ایام در شهر مذکور تحصیل علم کسب سعادت می نمود - از حسن اتفاقات تعارفی با این عزیز بزرگوار بهم رسیده و مناسبت شعر مایهٔ اختلاط و ارتباط گردید تا بحدیکه یک دو روز دو خانه بودن مایهٔ شکایت هفتها میگردید - عجب جوانی شایسته مهذب موزونی بود - با پاکیزگی طبیعت و صفای طبیعت خوبی صورت را با حسن معنی جمع نموده و بادهٔ کیفیت ظاهر و باطن بگرم خوئی دو آتشه نموده - مدتها در اکبرآباد عشرت بنیاد که حالا حکم سراب کیفیت یحسبها الظمآن ماءً دارد، تشریف داشت و فقیر با این عزیز دلها شبها بروز و روزها بشب میرسانید - آخرالامر همراه مبارزالملک سربلند خان که در آن ایام صوبه دار احمدآباد گجرات شده بود، رفت و مرا چون شمع انجمن افروز داغ تنهایی ساخت - بعد از آن در هنگامهٔ سلطان نیکوسیر و فوج کشی سید عبدالله خان قطب الملک و امیرالامراء سید حسین علی خان باز باکبرآباد تشریف آورده - فقیر در آنوقت باز بدیدار ایشان چشم را جلای تازه دادم - پس ایشان عازم احمدآباد گشتند - بعد اندک مدتی در جنگ که میان صوبه دار و فوج راجپوتیه بوقوع آمده شهید شد - خدایش بیامرزاد - و با اهل تمیش محشور کناد - اوایل غبار تخلص میفرمود - آخر تراب مقرر نموده بسیار خوش طبع

مردی عالم فاضل بود. عالی جاه ابراهیم خان ولد امیرالامراء علی مردان خان تلمّذ او می نمود. با او از هندوستان بایران رفته، در صفاهان درس میداد. و چون بایران رفت، شاه عباس ثانی حال او را از راه قدرشناسی ببیور خال او بخشید. پس بمباحثه و تالیف مشغول گردید. نکتهٔ لطیف از و نقل کرده اند که اگر شراب مباح هم بودی ارتکاب او از احتمال باجماعت نامناسب بود. اگرچه کم شعر است لیکن خوب گوست و بطرز شوکت راه میرود. مثنوی دارد مسمّی به "معراج الخیال" و چند قصیده هم خالی از تلاش نیست و این را تجلّی تخلص است که سابق گذشته آمد. درینجا انتخاب اشعار علی رضای تجلّی نوشته میشود:

چون روم بر در گه ارباب دنیا کز ستم — مخلد چون شیشه در پا سایهٔ دیوارها
هز اولاد نشائی ناقص ندارد فیض یک کامل — شبی هرگز نشد روز از فروغ نور کوکبها

تنها، عبداللطیف خان:

بدین تخلص دو کس گذشته اند، یکی خان مذکور و دوم سیدای حکیم که اشعارش انشاء الله نوشته خواهد شد. بالجمله خان مسطور پسر همشیره و شاگرد میرزا جلال اسیر شهرستانی است، از ایران بهند آمده بود، چندگاه دیوانی صوبهٔ کابل داشت. در عهد اورنگزیب عالمگیر بادشاه خیلی زاهد و صالح بتورع متعزز و کم اختلاط شخصی بود. بعضی از یاران مخصوص او با فقیر ملاقات نموده نقل میکردند که با همه ورع بسیار درد مندی و شکستگی داشت. چنانکه محمد علی تمنا که از دوستان و رفیقان او بود، روزی شراب خورده بر سر سجادهٔ او قی کرده. ملازمان خواستند که بعنف پیش آیند. خان منع بلیغ فرموده و گریهٔ بسیار برو مستولی گشت که اینها اشارتست بدانکه اینهمه تقوی و زهد تو قابل چنین چیزهاست رحمة الله علیه. عجب مرد بزرگواری بود. حاصل سخن در اغلاق معنی سخن را بجای رسانیده بود که اکثر سخن سنجان او را بی معنی گو قرار داده بودند. الحق داد وقت داده. درین صورت فکر او از منهج ادراک دور می افتد. دو کس از شاگردان او در هندوستان طرز او را سلسلة الاوّلین گمان برده متتبع شده اند یکی نصرت الله خان نثار و دوم محمد نظام معجز. اگرچه نثار کار از استاد گذرانیده. قریب صد هزار بیت از جنس غزل و قصیده و مثنوی و رباعی گفته، چنانکه در باب نون اشعار او نوشته خواهد شد انشاء الله تعالی. ساما حاصل عبداللطیف خان اکثر بمزه حرف میزند. دیوان مختصری دارد. قریب یک هزار و دو صد

قناعت سیراب وشاداب بود. اگرچه با فقیر بر سر شعر بیت الغزل گاهی صلح وگاهی جنگ داشت لیکن واقع اینست که هزار حیف که دیگر مثال او بی ودین جز در زمان کجا بهم میرسد، فلک هزار دورخ زند که سخنوری کذائی پیدا گردد. محمد عظیم ثبات تخلص پسر میر مرحوم نیز مشق شعر میکرد واز نظر فقیر میگذرانید پارهٔ سررشته این کار بدستش آمده بود لیکن روزگار غدار اورا فرصت نداد. دو سال پیش ازین او نیز برحمت حق پیوست واحوال او میاید انشاء الله تعالیٰ. میر مذکور را قصاید غراست. از آنجمله قصیده است مشتمل بر چهار صد بیت وآن در هنگامی گفته که او را بیکی از شعرای ایران منازعت اتفاق افتاده ونیز شاگردی که تمام عمر تربیت کردهٔ او بود، ازو برگشته، شاگردی یکی از شعرای کشمیر اختیار نموده بود وخیلی بقدرت گفته واز فقیر آرزو ودیگر عزیزان در آن باب استشهاد نموده ونیز واقعات کربلا را بطریق واقعات مقبل موزون نموده ونهایت خوب گفته، گرچه غزل کم گفته اما آنچه گفته نهایت متانت دارد. قریب چهار سال پیش از تحریر این نسخه بسیر جنت اعلیٰ خرامیده. پارهٔ از اشعار دیوان او انتخاب کرده نوشته میشود، اگرچه همه دیوانش ازین دست است، ازوست:

تکیه بر سروزدی چون بگلستان رفتی | قامتت کرد دوبالا می رعنایی را

وپیش فقیر آرزو مصرع اول این بیت چنین بهتر است: "تکیه بر سرو زدی مست چو رفتی در باغ"

دریای جمال تو چو آید بتلاطم | هرجا که نظر کار کند بوس وکنار است

شوق صنم پرستی در دین آذرم برد | تا بهر خویش من هم پیدا کنم خدای

با ما ای بیوفا نسازی | با ما چه که با خدا نسازی

فقیر آرزو مصرع اول مطلع گذشته را چنین بهتر میداند: "با ما بت بیوفا نسازی"

ثبات، محمد عظیم: پسر میر محمد افضل مرحوم مسطور جوانی درویش مشرب بود. پاره طالب علمی کرده در عهد والد مرحوم خود چندان مشق شعر نداشت. بعد فوت پدر تتبع کلام اساتذه بسیار نموده شعر میگفت وبدرویشی وتوکل بسر میبرد. مآخذ اشعار بسیار شیخ علی حزین بر آورده چنانچه اکثر آن در تذکرهٔ عالی جاه امارت دستگاه علی قلی خان داغستانی واله تخلص داخل است. دیوان خود را که قریب چهار هزار بیت باشد برای اصلاح پیش فقیر آرزو آورده بود، چندگاه نگاه داشتم وبتقلید فهم خود در حک واصلاح آن مضایقه نکرده حوالهٔ آن سید زادهٔ مرحوم نمودم. اما هزار حیف که

دقیق الفکر، معنی یاب و مضمون تلاشش بی اندازه بود. چندی شعری از آن محبوب القلوب نوشته میشود:

ای اسیران قفس امداد میخواهیم ما　　داد میخواهیم ما صیاد میخواهیم ما
عشق ما را اصطلاح تازهٔ تعلیم کرد　　سرو میگوییم ما شمشاد میخواهیم ما

تجرید، میر حیدر: از سادات صحیح النسب است، اکثر در بندر سورت بعد از آن در دهلی. مدتی با فقیر صحبت شعر داشت. بسیار غیور و سپاهی بود. ساقی نامه خوب گفته و در آن تعریف نموده. چون شوق بسیار به شعر داشت، گو یا تعریف خود کرده، چه فقیر قابل. بهر حال اوایل سلطنت محمد شاهی به تهته رفته، و از آنجا به بنگاله آمده نوکر سرافراز خان ناظم شده بود. بعد کشته شدن او بدکن رفته و از آنجا بسورت رفته همانجا رحلت کرد برحمت حق. از دست:

بوی رعنی چشم نتوان داشت اینجا از گلی　　در فرنگستان حسن او مسلانی کجاست
جام می گر نمیزند تجرید　　نارسایی است، پارسایی نیست

توفیق، محمد توفیق: از کشمیر است. نام اصلیش لاله حواست بزبان ملک کشمیر مثل اوی درین عصر بملک مذکور نیست. تلاش معنی بسیار میکند. اشعار او کم دیده، از دست:

تیر ت از سینهٔ من دل زده آید بیرون　　همچو آنکس که زماتم کده آید بیرون

(ث)

ثابت، میر محمد افضل: سیدی والانسب فاضلی عالی حسب، برادر همت خان ولد اسلام خان است. همت خان عموی او میر بخشی بادشاه خلد آرامگاه محمد اورنگ عالمگیر بود. الحاصل میر ثابت کسب فضایل و فواضل نمود. علم شعر و شاعری که در دار الخلافهٔ شاه دهلی افراخته با حکیم الممالک شیخ حسین شهرت و دیگر اعزه همطرح بود، همه کس از و حساب بر میگرفت تا اواخر سرش بزخارف دنیاوی فرود نیامده، بکشوت فقر درآمده مجردانه میزیست و کسب با

در کشمیر توطن اختیار کرده اند. الغرض جویا هنگامی که ابراهیم خان پسر علی مردان خان صوبه داری کشمیر داشت، در وطن خیلی بجمعیت و آبرو میگذرانید، و خان مسطور هم بسبب اتحاد مشرب رعایت کلی باحوالش میفرمود. اکثر صاحب سخنان کشمیر که در عهد فقیر بودند، شاگرد میرزا جویا بودند مثل ملا ساطع و غنی بیگ قبول. هر چند طریقهٔ شعر قبول و جویا یکیست، چه قبول از قدما بطریقهٔ سلمان و کمال خجندی و از متاخران بروش سلیم و تاثیر راه میرفت و جویا اکثر متتبع طرز میرزا صایب است علیه الرحمه، و اندکی بروش میر معز فطرت نیز رفته. و در بعضی از مقاطع خود را بشاگردی میر معز فطرت ذکر کرده. بهر حال داراب بیگ جویا بسیار خوش فکر و معنی تلاش است. قصاید و غزلهای او مشهور است. مثنوی مختصری نیز دارد. آنهم خالی از تازگی نیست. بعضی گویند پدرش سامری تخلص میکرد و یکی از مستظریفان کشمیر در هجو برادر که گویا تخلص داشت، گفته: «گوسالهٔ سامری ببین گویا شد» غرض تمام خانوادهٔ او اهل سخن بودند.

لطیفه :

روزی جویا بیکی از اهل سخن میگفت که ما دو برادر که جویا و گویا باشیم نام و تخلص میرزا ابوطالب کلیم را باهم برادرانه قسمت کرده گرفتیم. آن عزیز از راه شوخی گفت: چنانکه مضامین او را. بهر حال، ز متاخران کشمیر مثل او کم خاسته بلکه میتوان گفت که تمام شعرای کشمیر که هستند، از دامن تربیت او تربیت کردهٔ او برخاسته اند. درینولا دیوانش بنظر آمده انتخابش نوشته می آید :

یاقوت را مناسبتی نیست بالبش ——— یعنی که با نبات چه نسبت جماد را

در حیرتم که جان بکجایش فدا کنم ——— از بس گرفته شوق سراپای او مرا

هر که در تعریف خود کوشد مدام ——— بر زبان خویشتن افتاده است

برنگ تو ای که زشمع محفل هر طرف افتد ——— هوا از پهلوی رخسارهٔ او رنگ بردارد

بقدر بودن دنیا بفکر دنیا باش ——— کسی همیشه درین خاکدان نمی باشد

خصم را از بردباری کن زبون خویشتن ——— تا توانی جز تغافل حربه بر دشمن مبند

رباعی :

جویا خود را بشعر مشهور مکن ——— بسیار ازین مقوله مذکور مکن

باشند نمک صحبت احباب سخن ——— بیقاعده اش مرف میر شور مکن

نهال عمرش زود بعمر مرگ از پا درافتاد و جهان بی بنیاد را الوداع گفت - پارهٔ از اشعار ا نوشته میشود، ازوست :

زطور پیر مغان آنچه یافتیم ثبلت کلید میکده شاید بما حواله کند

(ج)

جعفر، (میرزا) ملقب بآصفخان : از قزوین جنت آیین است - در هندوستان بهشت نشان بمعارج بلند رسیده - چنانچه آصفخان بمرتبه بنظارت کل ممالک محروسه رسیده ، بعدازان صوبه داری ملک دکن که از سلطنت ایران و توران پایهٔ کمی ندارد، داشته - در نظم و نثر ید طولی داشت مثل شیخ ابوالفضل و خانخانان عبدالرحیم را وجود نمی گذاشت - مثنوی خسرو و شیرین گفته که بعد از شیخ نظامی مثل او کسی نگفته - خیلی حکایات شورانگیز دارد - اگرچه وحشی هم خوب گفته لیکن ناقص است و جعفر مذکور جائیکه فرهاد و شیرین را دیده این بیت گفته که بسیار پایدار واقع شده :

زشوقی آنچه آنجا دید فرهاد مرا اینجا قلم از دست افتاد

و در جائیکه پرویز شاپور را برای آوردن شیرین فرستاده این شعر گفته و چه مزه گفته :

چنان خواهم کزینجا پر بر آری بهر گامی پر دیگر بر آری

قطعهٔ از مثنوی مذکور

مرا حرفی بدل افروخت آذر که شب پرواز گفتی با سمندر
ترا این شعله اسباب حیاتست مرا آتش ترا آبحیاتست
زخامیهای تو جان بردم از رشک اگر میسوختی میمردم از رشک

دیوان غزل او اگرچه کم است ، اما همه منتخب است - اینهم غنیمت است اندکه با وجود مشاغل عظیمه گاهی بشعری پرداخت و داد عش و فا میکرد - ازوست :

بنگاهی همه احوال نهان میدانند چشم بلعد زچشمی که زبان میدانند
دی که ابر لطف او فرسنگ در فرسنگ بود بر همه باران رحمت بود و بر ما سنگ بود

جویا، داراب بیگ : از مردم خوب کشمیر است - بعضی گویند آبائش از ایران بودند که

مواخذه کند اگر خوبان بلاد ... با حق آلیم ساخت بعد ... گردید، و چندی در ...

رفت. از بسکه طبع ناسازی دارد، دشمن و دوست برابر او یکسان است. و در وقتیکه عمدة الملک امیرخان

بهادر مرحوم از اله آباد بلکهنو آمد، شیخ بترویج قدرشناسی دست القهقری نموده بشاهجهان آباد باز آمد.

و چندگاه دیگر مثل کیمیا و عنقا متواری درین شهر بود و غرض از گمنامی اشتیاق از ایذای مردم است

و بس. چون نقش شد و اقبال یاوری کرد، عمدة الملک قریب مبلغ بیست ... حام جید از بادشاه

برای او گرفت. پس بجمعیت میگذرانید. و عجب آنکه شیخ مذکور رساله مشتمل بر حسب و نسب و سیر و شعر

خود نوشته، دعویهای بلند در آن نموده که صاحب داعیه انانیت معلوم میشود، گویا حکمت ثانی ...

رساله مذکور مذمت اهل هند و هنداست، از گدا تا بادشاه. با آنکه هر چه او دارد رسیده از اهل ولایت

خودش رسیده و در هندوستان بهشت نشان هیچکس او را بالای چشم ابرو نگفته. عجب عجب

این ملک و اهالی آن گفته آنچه گفته. اما الحمد لله که الحال همه قبایح بحسنات مبدل شد و در نوبت

بعزم حج و زیارت عتبات کمر دوانه بنگاله شده بود، از عظیم آباد برگشته به بنارس که معبد عظیم هنود است

فروکش کرده:

ترسم نرسی بکعبه ای اعرابی   کین ره که تو میروی بکفرستان است

بالجمله شیخ میگوید که این دیوان که شهرت دارد، دیوان چهارم است و سابق سه دیوان در غربت

اضافه تلف شد. بهر حال دیوان مذکور هم که مکرر بمطالعه در آمد بآن درجه که منظور و مقبول فقیر و جماعت

نقیر یاران او هست نیست. اگر انهم با آن سه دیوان ملحق میگردید، موجود انهمه اعتراضات نمیگردید. اکثر

تربیت طلبان و کاسه لیسان هند اعتقادی بیش از پیش در خدمت این عزیز دارند. و او خود هم مثل کلیم و

سلیم و غیرهما مطلقاً وجود نمیگذارد. و چون امامت مرتبت نواب شیر افگن خان پسر عزت خان مرحوم

سابق بشاگردی و مریدی مرحوم میر محمد افضل ثابت افتخار نموده در نگین خود کنده بود:

شیر افگن خان مرید ثابت است

و عبد الغفار مذکور با این مرید اعتقادی که از نقش متصور نبوده، بمهر رسانیده. میر عظیم ثبات تخلص

پسر مرحوم که بنابر تعصب ... و صدور بیت ... استاد شیخ ... برآمده نوشته ...

در تذکره ... خان ... واقف ... مقصود ... بود، و ...

جودت، ایوب بیگ : از امرای عالمگیری بوده، آمد تا سلطنت محمد فرخ سیر زنده
بود. حافظ و مدرکه با آنکه تضاد دارند بکمال بود. داد تلاش معنی میداد. گمان دارم که تورانی الاصل
بود. ازوست :

دل بی کینهٔ دارم که جز الفت نمیداند | بود کی سورهٔ اخلاص قرآنی که من دارم

(ح)

حسامی، شیخ حسام الدین : والد فقیر سراج الدین علی آرزو، مرد سپاهی پیشه بود.
در کمال عزت داخل منصب داران پادشاه خلد آرامگاه محمد اورنگ زیب عالمگیر در تمام عمر اختیار
خدمت نمود که مال حرام خورده نشود. با آنکه با امرای عمدهٔ آن وقت کمال آشنایی داشت و بسبب
آنکه خلاف طریقهٔ سپاهی گری است، شعری که میفرمود پیش کم کسی میخواند. صفای ذهن و سلامت طبع
آنقدرش بود که با آنکه علوم حکمی بدرسها نخوانده بود، فاضل خان میر منشی و میر محمد امین مرحوم که هر دو
فاضل جید بودند، وقت مباحثهٔ ایشانرا حکم میفرمودند. از طرف مادر شرف سیادت بایشان رسیده.
قصهٔ کامروپ و کام لتا که از افسانهای معروف هند است، موزون فرموده اما فرصت نیافته.
هر قدر گفته خیلی متین و پر زور است. سابق در احوال خود اشعار دلپذیر آنجناب پارهٔ قلمی شده.
درینولا دیگر نوشته میشود. ازوست :

زشهر عقل بیرون شو جنون هم عالمی دارد | بکن چون گرد باد آه عاشق سیر هامونی
بدغابازی دنیا نتوان گشت حریف | این قماریست که نا باخته میباید رفت

حزین، شیخ محمد علی : از مردم لاهیجان گیلانست. گویند از اولاد شیخ زاهد مرشد
شیخ صفی الدین اردبیلی است که صاحب سلسلهٔ سلاطین صفویه بود. والد او ابوطالب نام داشت. از جهت
سجع نگینش علی ابن ابی طالب است و خالی از لطفی نیست. مدتی مدید گذشته که از تسلط نادرشاه بر قلمرو
ایران و ناسازی روزگار و مزاج خودش، وارد هندوستان جنت نشان گشته. و در هنگامیکه نادرشاه
بر شاه جهان آباد هم مسلط شده بود و شهر که بتصرف قشون او در آمده، در گوشهٔ خزیده بود. بعد
از رفتن افواج شاهی باز ظاهر شده. چون کسی چنانکه قدر او بود، در آن وقت نشناخت و به نازکی

از ولایت بهند آمده، و در آن عهد به منصب هفت صدی چهار صد سوار سرفرازی یافت. و در زمان سلطنت
بادشاه شهید محمد فرخ سیر به سه هزاری و در عهد فردوس آرامگاه محمد شاه بمنصب پنجهزاری سرافراز گشت.
بسیار طبع هموار و خیلی سلامت مزاج دارد. از طفلان بادشاهیست، از مدتی که وطن لاهور اختیار نموده
بسبب فن شعر و شعر طرح آفرین نموده خیلی مشقش رسیده و تلاش معنی تازه دارد. چند سال پیش ازین
دیوان خود را که قریب چهار هزار بیت باشد بنظر فقیر در آورده. بسیار مضبوط و مربوط گفته. در
اخلاص و پاس آشنائی و حسن اخلاق و تمامی دقائق یکتای روزگار است. چندین مرتبه در دشتها
گشته. این مرتبه که بسبب ظلم صوبه دار پنجاب و ضبط جاگیرهای مردم به تنگ رسیده، نیز ملاقات
با حیرتی نماید. عاشق سخنست. خدایش سلامت دارد. الحال پارهٔ از اشعار خود نوشته داده.
این ابیات از آن انتخاب زده نوشته آمد:

در دل خیال چشم تو دایم بگردش است — مانند آن مریض که جا میکشد بدل

ز دنیا و نما فیها ز دنیا و ز ما فیها — همین یار آرزو دارم همین یار آرزو دارم

درین بیت که گذشت، اشارت بدوستی فقیر آرزو نموده.

حضوری، گنج بخش: اجدادش از ملتان اند. هندو بیت از قوم کنبوه. با فقیر
زود از چهل سال آشنا. سخن را خوب میگوید، و مشقش بجائی رسیده که قریب بیست هزار بیت دیوانی
تمام کرده، و در برابر هر غزل بلکه هر بیت مفرد طالب ظاهراً یک غزل یا دو غزل گفته، پیش راقم سطور آورده.
از آن دیوان کلا نسبت چهارم حصه بنظر در آمده، و بسبب اشتغال دیگر فرصت نشده که دیگر نیز ببیند.
پیش فقیر گذاشته رفته، و از راه بیدماغی ترک ملاقات نموده. بهر حال دیوان او را تنقیح نکردم. نام
داخل نکردن درین تذکره بی انصافی دانستم. اینست اشعار او.

حشمت، محتشم علی خان: از سادات نجیب است. پدر بزرگوارش میر باقی
مرید بسیار بزرگ بوده. و آبرو ملازم محمد یار خان صاحب دار الخلافه شاهجهان آباد و خانزادهٔ عالمگیر
بادشاه بوده. و بعد پدر بزرگش میر ولایت اشرف خان است که ترک روزگار کرده، با وجود ذی امارت
ملبوس درویشی بسر میبرد. این عزیز هم بسیار فانی و صوفی مشرب است. خدایش سلامت دارد.

لطفاً "باغ معانی" ملاحظه کنید که در مجلهٔ "نور بخش لاهور معاصر" شمارهٔ دوم بچاپ رسیده.

ده شیخ جنا که مرقوم است ـ چون ثبات نکوهیده ضرب است کسی آنرا هم میگوید که شیخ مذکور فاضل است و صاحب تصانیف، لیکن هیچ تصنیفی از او در علم بنظر نیامده ـ بعد مطالعهٔ احوال مصنفات او معلوم شد از وی شعری میگوید و در دیوان او نوشته میشود ـ از دست :

بهست خلق عالم کاسهٔ دریوزه میبینم — گدا چون پادشه گردد گدا سازد جهان را
جان رفت و سرگرانی نازنین چنانکه بود — دل خون شد و عزود نگاه بیمار کرد
پاس ناموس هنرمندی فرهادم بود — در ره عشق اگر دست بیکاری نزد
قطرهٔ جبین شبنم گلی ره غلط کند — چشم طمع بر غنچه دیدار بسته را

رباعیات :

ساقی! قدحی که دور گلزار گذشت — مطرب! غزلی که وقت گفتار گذشت
ای همنفس از مهر دلی نداد گو — افسانهٔ آن شبی که با یار گذشت

حال دل آسوده دلان سوخت دلم — بیدردی این بیخبران سوخت دلم
دیدم دل بیکس مرا کار نکرد — بر حال سلامت طلبان سوخت دلم

مخفی نماند که این رباعی توانی شایگان جلی دارد که کرده محض سهو است و بعضی از نو آورده باشند لیکن درد او کم کرده است ـ

بحجت، جهدی : خلف میرزا عنایت مشهدی است پیش نماز گاهی و دیوانش چهار هزار بیت است اما یک بیت از دو سه در آن انتخاب است :

دولتی بهتر از این نیست که از پهلوی تو — غیر بیگاه گره از بند قبا برخیزد

آرزو فقیر گوید که جهدی بنام حجت تخلص با دستارهٔ میرزا داراب بیگ جویا نیز و با راقم ملاقات نموده بود، اما شعری از وی یاد نیست ـ

حاکم، حکیم بیگ خان : از مردم مغلیه است ـ بنا بر فیض شاه‌ولد داشت ـ از طرف جده سید است ـ از فرزندان قاضی میر یوسف که از علما واعظ معتبر و برابر و از طرف پدر از نبیک اوزبک ندوری که از بخارای تورانی نیک است ـ شاه‌جهان

تربخشی عالمگیری کمال اعتبار و اختلاط داشت. چنانچه نواب مذکور دیباچه کلیات بلاغت و دقت بدیهات
خالص مذکور نوشته اند. از وست:

رسیده است هنوز آبله پا همراه — کاش یکچند قدم دور شود منزل ما
در اسباب حصول مدعا کوشش مکن بیدل — که از بسکه بجستیم گم کردیم منزل را
خدا نا کرده شاید رحم آرد چون مرا بیند — نمی بینند از بهر چه یا رب چشم قاتل را
دور باش حسن امشب چو ماه و هاله داشت — یا رب در آغوش ما در هاله آغوش ما
چو کتوبی که رهبر و یا بد و بر حالش بگذارد — پشیمان میشود هر کس که پیدا میکند ما را
به آن مانندی که صاحب خانه قاصد بر سر آید — ترا دیدم نمیدانم کجا انداختم دل را
بچو طفلی که هنوزش خبر از مکتب نیست — هست یکسان بر ما شنبه و آدینه ما
اینقدر سعد فکر آزادم نبود کاپیش ازین — میخورد تا هر که چیزی قدری از دست ما
با فقیران سرگران، با اغنیا در کاوش اند — اختلاط مردم دنیا نمیدانم بکیست
هر جا که درین بادیه نقش قدمی بود — از دفتر افتادگی ما ورقی داشت
آرزو دارم که پرسم از تو بعد از آشتی — بی سبب از ما الم بیجا ره رنجیدن چه بود
یارب غم عالم بکسی تنگ نگیرد — از شهر بصحرا شدم آن هم قفسی شد
ز خود بیگانه ام با آنکه عمری بوده ام با خود — خدایا این قدر هم آدمی دیر آشنا باشد
بگوشش حاجت او بیکسی دل را فرستادم — کسی کاین باشدش قاصد چه خواهد بود پیغامش
ای خدا داد دل من ز نگریبان بستان — تا بمانند کردام چو تو فریادرسی

در تعریف سهرا که شب کتخدائی در هندوستان بر روی داماد می بندند، گفته:

دامن افشانده ز فرش بسکه بآب و تاب شد — سهرو چو بست مقدمش بافته آفتاب شد

خوشگو، بندرابن داس، هندو بیست از قوم بیس. پیشتر نوکری پیشه بود.
در لباس دنیاداری ترک نموده، در زی فقرا میزید. استفاده بسیار از صحبت بزرگان
مثل میرزا عبدالقادر بیدل و میرزا افضل سرخوش و حضرت شیخ سعدالله گلشن قدس سره

الاصل بخت مذکور در فنون سپهگری ممتاز، و در آداب خوش صحبتی یگانهٔ روزگار بود. سبق مدتی با صحبت شیخ عبدالرضا متین و دیگر اعزه از اهل سخن چه از هند چه از ایران، اختلاط و ارتباط داشت. در ینولا دیوان خود را که قریب هفت هزار بیت است پیش فقیر فرستاده بود. سهو یا اختلافی که دیدم اصلاحی عمل آوردم. چون خاطر شریف ایشان فقیر را بسیار عزیز بود، و ملازمت میرزا در خدمت نواب شهید نجم الدوله بهادر باهم مشغول بودیم، ناچار بقدر دریافت خود آنچه مناسب بود بحاشیهٔ دیوان این عزیز نوشته باز فرستاد. آخر عزیز بسیار خوش وقت شده. هرگاه بمن رقعه می نوشت، "استاد سراپا ارشاد" می نگاشت. بهرحال عزیز کسی بود، خدا ایشان را مغفرت کند. درهمین سال که ۱۱۶۴ ه است بمرگ مفاجات برحمت حق پیوست و دو سه ماه پیش از شهادت نواب نجم الدوله مغفور باز برواز جهان فانی رخت بربست و شریک بیوفائی و خجالت عزیزانی نواب مذکور بود. و از آنجا که منم که بسبب درد مفاصل مرا در شاهجهان آباد گذاشته خود همراه وزیرالممالک بطرف فرخ آباد رفته، با وجود انهزام هفتاد هزار سوار مردانه و شیردلانه خود را بخشش شد. از وست:

رفتی از دیوانهٔ ما کشور صحرا گرفت — دشت را بود گو مجنون دو روزی جا گرفت
شب چنان بیکسیم سوخت بکویت که ز درد — دل سنگ آب شد و صورت دیوار گریست
با رقیبان نکنم سجدهٔ خاک در دوست — این نمازیست که بی شرط جماعت باشد
گر چنین شهر بسودای تو دیوانه شود — همچو زنجیر ز هر کوچه فغان برخیزد
هرکه دعوی ز غم تو همه سینه چاک شد — تیغ تو در غلاف و جهانی هلاک شد

خ

خالص، سید حسین: مخاطب با متیاز خان که در عهد عالمگیری از ایران بهند آمد. بادشاه مغفور او را نظر بنجابت بمصاحبت میر هادی فضایل خان که میر منشی و دست آموز میرزایان شده بود از دولت نموده. خالص تخلص مینمود و فی الحق در هند بخرابات لایقه سرفرازی داشت. آخرها بکشش حب وطن از راه خشکی با یران میرفت. در سرحد هند و ایران بعضی از زمینداران سرحد بطمع مال که از هند همراه رسانیده بود، کشته شد رحمه الله تعالی. با نواب مغفور که بتخلص خان

روانی هم دارد. خود کلام خوب میگوید و بسیار بمذاق گشته است. بالفرض اگر همین صنعت خیره گوئی آید، انشاء الله تعالی از جواهر آنها شود که در فن تعریف صاحب نامند. جز بزبان فارسی رباعی اکثر میگوید و خوب میگوید. و باینهمه از ریاضیات بهره دارد و در خیال شستن بر اعمال اما چه حقیر می نماید. از وست:

با اهل طبیعتم گرچه با هم نفسانیم   طفلیم هنوز گو مطول خوانیم
حرفی دگر از ما نباید پرسید   ما میدانیم آنچه میدانیم

دانا، (مولانا): از کشمیر بود، بعنوان "منشی گری" بسر میبرد. صاحب تلاش است. از وست:

برنبندد رنگ بر شکم از فاقه چون گهر   بفروش خویش را و نگهدار آبرو

دستور، حسن علی: حسن علی دستور از اصفهان بود. از وست:

ای که از شب پرده بر اعمال ناخوش میکشی   شاید از شب زنده داران دگرین باشد کسی

(ر)

رافع، محمد صالح: پیشتر صالح تخلص میکرد. از لاهیجان بود. بهند آمده ملازم بنگاله شده بود. از وست[1]:

راسخ، میر محمد زمان: راسخ از سادات نجیب سرهند است. بسیار نازک خیال و دقیق گو بود. مدتی نوکر محمد اعظم شاه پسر محمد اورنگ زیب عالمگیر پادشاه بود. بسببی ترک نوکری کرده بشاهجهان آباد فرو کش نموده. سواد از اهل بیت سخن است. میر مناصر حسین ناقب عمو یا خالوی اوست. ظاهرا تربیت کرده اوست. اشعارش بایران رسیده و نصرآبادی چند شعر او نوشته. ارادت خان واضح که خیلی عاقل و شاعر صاحب طرز است، از دامن تربیت او برخاسته. همچنین میر غازی شهید تخلص هم. راسخ مثنوی دارد مسمی به "[illegible] و فرهاد" که بسیار دقیق است. از مثنوی مذکور است این ابیات:

تعالی الله خامه از نقش شیرین   نویسم نقش الله داده فرهاد

۱- ملتقط تذکره [illegible]

از وست بیت حی سال گفتہ با این پیچان رباعی ہم ساخته و این جا ہم چند بیت او بتغیر از خود راضی نشده۔ اینست از بسکه اخلاص با احقر دارد۔ سجع نگین او این مصرع است :

"آرزومند وصل او خوشگو"

بہر حال، شعر را بسیار خوب میگوید، و بعض نازکی مضمون بدست او افتاده۔ سابق تذکرة الشعرای مشتمل بر احوال شعرای متقدم و متاخر تا معاصرین نوشته و بسیار مفصل نوشته بود۔ او آخر بنام عمدة الملک امیرخان بہادر مرحوم مزین گردانیده و نواب ہم در جلدوی آن دو روپیه یومیه او بمحول سایر پرگنه که عبارت است از "الله آباد" مقرر فرموده بود۔ تا نواب مذکور در قید حیات بود ذیات حالا در عظیم آباد و بنارس می باشد، و گاه گاهی خطوط یا اشعار خود پیش فقیر میفرستد۔ از وست :

در تعریف شخصی گفته :

میکشد عاشقانه ناز ترا　　گرچه نازک بود مزاج سخن

خادم، نظر بیگ : از تلامذهٔ میر محمد افضل ثابت است۔ چند سال قبل ازین فوت شده، از وست[1]۔

خلیل، میرزا : عزیز قابلی و منشی بی بدلی بود۔ و چندی در ملازمت زیب النسار بیگم صبیهٔ محمد اورنگ زیب عالمگیر بادشاه بسر کرده۔ "زیب المنشآت" که از منشآت بیگم مذکور است، ترتیب میداد۔ از وست :

خم دلش نبود در دل ساز عشق　　بچشم او چو رسد سرمه در صفاهانست

(د)

درد، خواجه میر : پسر جناب عرفان مآب حضرت خواجه محمد ناصر است۔ سلسلهٔ آبائی او با شجرهٔ حضرت خواجه بهاؤالدین محمد نقشبند قدس سره میرسد۔ از بزرگی و کمال خانوادهٔ او چه توان نوشت، علی الخصوص والد بزرگوار او خواجه محمد ناصر که امروز مثل شمس هدایت است۔ الغرض خواجه میر جوانیست خلیق صاحب فهم و ذکاء با شعرا ربط بسیار دارد۔ ریخته که الحال در هندوستان

۱۔ لطفاً به تذکرهٔ باغ معانی مراجعه کنید که مطلع "..." نوشته است۔ صفحه دوم چاپ شده

ژغز لهالکه وخوب گفته و داد تلاش داده - این ابیات از انتخاب اشعار اوست:

نامهٔ رازم ودر چشم کسی قدم نیست — گوی از سهو برد نامهٔ اکنده مرا
گموزبی سرد پایان سرشته اند مرا — کتاب رازم دناخوان نوشته اند مرا

بر آرزو مصرع اول را چنین بهتر میداند:

"گموکر بی سرو بی پا سرشته اند مرا"

میوه از بهر رسیدن میرود یکساله راه — پختگیها گر هوس داری سفر شرطست شرط
بندگی کیشم تمیز کعبه و دیرم کجاست — دیده ام هر جا دری راتیج سجودی کرده ام

راتیج مذکور غزل میرزا صایب را مخمس کرده - یک بیت ما از آن بسیار تشنه کرد و خوب بسته آن اینست:

هرگز آیینه ز زنگار نیاید بیرون — صبح از آغوش شب تار نیاید بیرون
چشمه از دامن کهسار نیاید بیرون — از صدف گوهر شهوار نیاید بیرون

بصفای که تو از خانه بدر می آیی

رازی، عاقل خان: نام اصلی او میر عسکری است - و نام والد بزرگوار بر محمد تقی - عاقل خان خطاب داشت - در جناب محمد اورنگ زیب عالمگیر بادشاه از عهد شاهزادگی نوکر بود. چون نوبت سلطنت محمد اورنگ زیب رسید، بدرجه امارت ارتقا نموده - باوجود جاه و منصب شرب فقر داشت و بسیار کم اختلاط و بی پرواکسی بود، لهذا چندین مرتبه استعفای اینهمه مراتب نمود، بادشاه نظر بر حقوق خدمت و قدم روابط و کمال اعتماد قبول نفرمود - مدتی مدید صوبه دار دارالخلافهٔ شاهجهان آباد دهلی بود و در همین جا برحمت حق پیوست و سبب رازی تخلص کردنش آنست کدی مرید لاواسطه جناب قطب فلک هدایت و مرکز دایرهٔ ولایت، آنکه منکر مشرب توحیدش مصداق لایرهان له، معتقد مقالهٔ تحقیقش در سخوان قول همه اوست" هادی مطلق، راهنمای برحق دلیل الاتقیا برهان الاولیا حضرت شیخ برهان پودی قدس سره که از جناب حضرت صمدیت "راز الهی" خطاب اوست، و در سلسلهٔ آنحضرت بچند واسطه بقطب الاقطاب غوث الاسلام شیخ حمید الدین عرف شیخ محمد غوث الیلدی عطاری قدس سره صاحب کتاب جواهر خمسه و کلید مخازن وغیرها و بچند واسطه بجز ماندی فقیر

میر معصوم چون آن تخلص غالب بیگ نسب خان خلف او نیز شعر خوب میگوید و تخلص راسخ اختیار کرده۔
بهرحال میر محمد زمان راسخ صاحب کمال بوده۔ صاحب کلمات الشعرا گوید: مطلعی گفته بودم و میر معز فطرت وغیره اهل سخن آنرا پسند کرده بودند۔ وچون پیش راسخ خواندم در آن تصرفی بجا نمود۔ مطلع اینست

باندک تلخی اندوه عشرتها نیا رزد بتشویش خمار نعمت دنیا نمی ارزد

و تصرف میر آنست که بجای "تلخی" لفظ "کاوش" رسانیده۔ تاریخ وفات او را میرزا سرخوش چنین یافته:

محمد زمان راسخ خوش خیال دریغا بجان آفرین جان سپرد
چو تاریخ فوتش از و خواست دل خرد گفت با دل که راسخ بمرد

رباعی:

یاد از انجام غم بزم خوشان کردیم مشق از سر گرفتیم و پریشان کردیم
جامهٔ صبر ببالای جنون تنگ آمد هرچه از دست برآید بگریبان کردیم

و بعضی از شعرای هند بر بیت دوم اعتراض نمودند که جامه بر بالا کوتاه میباشد، نه تنگ۔ لهذا میر محمد زمان راسخ مصرع دوم را چنین گفت: "کوتهی کرد ببالای جنون جامهٔ صبر" لیکن بر متأمل ظاهر است که درین صورت معنی از پایه می افتد۔ و پیش فقیر آرزو جامه ببالا تنگ صحیح است و سند آن بتفصیل در کتاب چراغ هدایت که به "سراج الاصطلاح" شهرت یافته، نوشته ام۔

راسخ، میر محمد حسلی: از سادات نجیب است۔ کسب علم و فضل و شعر در خدمت والد بزرگوار که میر دست محمد نام داشت و صادق تخلص میکرد، نموده۔ با میرزا عبد القادر بیدل و شاه ناصر علی و فقیر الله آفرین و دیگر شعرای عصر همطرح بود۔ عمر دراز یافته۔ گاهی خالی از شور وجد به عشق نبوده۔ در قصبه سیالکوت من اعمال لاهور چند دهنه چاه داشت که سه بلکه باب بالیک قناعت ساخته متوکلانه بسر میکرد۔ و هرچه از آنان حاصل میشد با صادر و وارد میخورد۔ دیوان کلانی دارد و آنچه بنظر فقیر آرزو در آمده قریب هفت هزار بیت خواهد بود۔ بسیار بوقت حرف میزد و خیال کاوش معنی تازه دارد و از دیوان او دریافت میشود که قتل نوّاب بهادر خان ناظم الناظم اتفاق افتاده و پانزده شانزده سال است که برحمت ایزدی پیوست۔ اکثر زمین غزلهایش طرحی خود است و در نحو غیر مشهور که میرزا بیدل گفته،

و قطعۂ تاریخ بطریق تعمیه برای فوت محبوبۂ خود گفته که بیت آخرش اینست :

پس از سال بطوف مزار او رفتم　　هزار حیف جوان رفت از جهان گفتم

در تهنیت سالگره استاد خود شیخ عبدالعزیز عزت گفته :

یارب نه مجال خواهم از حضرت تو　　از شوق کمال خواهم از حضرت تو
در عمر عزیز بنده ات هر سالی　　افزونی سال خواهم از حضرت تو
عشرت گیتی نصیب مردم فرزانه نیست　　این سخن را از من دیوانه میباید نوشت

رضوان، محمد حسین شاه : از ولایت آمده، در هند سایر و دایر بود. و بعضی گویند توطن لاهور اختیار نمود. این بیت اوست که بدان فخر میکرد،

گر ساقی کمر در خدمت میخانه می بندد　　که چون نرگس بهر انگشت خود پیمانه می گردد

از دیوان حاجی محمد جان قدسی بر آوردند :

یک جام خمارم نبرد کاش چو نرگس　　بودی بهر انگشت مرا ساغر دیگر

فقیر آرزو گوید : از اتفاقات است که سید حسین خالص نیز همین معنی بسته :

بر هر انگشتم چو نرگس کاسهٔ دریوزه است　　کم حرص من گدائی هست در میخانه ها

و محمد اسحق شوکت نیز معنی مذکور در شعر خود آورده، چنانکه بیتی گفته که مصرع آخرش اینست :

که چو نرگس بهر انگشت خود پیمانه دارم

بدانکه صاحب تتبع که فهم کامل داشته باشد فرق در سرقه و ابتذال تواند نمود، چه امتیاز در کسی که در تلاش معنی تازه نفس فکر سوخته و شخصی که مضامین دیگران را چون مال غصبی متصرف میگردد پیش کامل و ادراک وافی ظاهر است. و این نوع استادان مسلم الثبوت را بسیار واقع شده، چنانکه ملا طالب کلیم گفته :

کنون علاج توارد نمی توانم کرد　　مگر زبان سخن گفتن آشنا نکنم

بلکه درین صورت اگر با کامل تری از خود اتفاق توارد افتد، مایهٔ افتخار اینکس است. راستی آنکه کسی را که در ایجاد معانی توسعهٔ تمام باشد، توارد و ابتذالش پیش می آید. لهذا استاد محمد قلی سلیم و ملا شیدا را

راقم حروف سراج الدین آرزو با نجناب میرسید، حاصل کلام، رازی مذکور در سخنگویی سرآمد است و کلامش مملواست بجواهر معارف. چاشنی که از اشعارش نصیب ذائقهٔ آگاهی میشود، از سخن کم کسی دست بهم میدهد. و چون طرز و طور او مشابه و مانا به پیر رد طیبت قدس الله سرهٔ، بعضی از شعرای معاصرش که نمک گیری مذاقی بودند، آنرا نمی پسندند. از آن جمله است آنچه ملا سرخوش در کلمات الشعرا نوشته که رازی در عنفوان جوانی مشق شعر کرده کتاب مرقع در بحر مثنوی مولوی معنوی بتقلید عرفا گفته و چند تصنیف نثر دیگر هم دارد. بعد خواندن ابیاتی که نوشته میشود، بر سخن فهم ظاهر میشود که اینها از عالم شاعر پیشگی بلکه گدا شاعریست لهذا در کتاب مذکور جای دیگر هم مذمت او کرده بسبب نیافتن صلهٔ شعری که گفته. بهرحال اشعار رازی اینست رحمة الله علیه :

در هر دو جهان وصل تو باشد هوس ما ——— ماند هوس ما و نماند نفس ما

سرمست جام نیست دل بی‌ خروش ما ——— مستی ما است از نگه میفروش ما

من در رسم سبکباری در راه پیر شطاری ——— چه نسبت با گرانباران فقیر لاابالی را

رسا، میرزا ایزد بخش : از اولاد آصف خان قزوینی است که وزیر اکبر بادشاه و صوبه دار دکن بود، چنانکه نوشته آمد. و نیز از کلام او معلوم میشود که از اولاد شیخ الشیوخ شهاب الدین سهروردیست که نسب او به محمد بن ابی بکر رضی الله عنهما میرسد، شاگرد رشید شیخ عبدالعزیز عزت است که احوالش خواهد آمد انشاء الله تعالی. اول موافق اجداد خود شیعه بود و در خدمت استاد خود ترک مذهب نموده تسنن اختیار کرده، حتی که سُنّی تخلص اختیار میکرد، آخر رسا مقرر فرمود. در نثر خیلی قدرت داشت. ریاض الوداد نام منشآت اوست. دیوان غزل وغیره نیز دارد. فقیر آرزو در عنفوان شباب دیوان مذکور را دیده بود. میرزای مذکور با والد فقیر بلکه با همه خویشان ارتباط داشت، توطن اکبرآباد اختیار کرده او آخر عهد عالمگیری دیوان بیوتات آنجا گشته. بهرحال عجب میرزای بود، و بمقتضای آن دور بسیار بجمعیت و رفاه میگذرانید. از دست جور میر محمد عظیم الشان بهادر پسر بهادرشاه بادشاه چندماه زحمت کشیده برحمت حق پیوست. میرزا احمد نبیرهٔ او تا هنگامهٔ نادرشاهی زنده بود. حالا معلوم نیست که حقیقی الحال زنده مانده یا نمانده.

جزع و فزع بسیار کرده التماس نموده که دیگر ترا کجا خواهیم یافت. جناب مولوی فرمود که مرزا که از خواندن و شنیدن مثنوی من خواهید یافت، آن منم. و میرزا صایب این لطیفه را چنین در شعر خود آورده:

هر کی از صفحهٔ هستی شود آثار من | من همان ذوقم که می یابند از اشعار من

و فقیر آن دو بیت را بر پشت دیوانی که بخط مصنف بود و مهرش هم داشت، دیده. الغرض تفرقه در ابتذال و سرقه بعد تفحص و تصفح و تتبع و استقرای تمام دست میدهد. احوال ابتذال سابق معلوم شد که یک مضمون را چهار کس بسته اند چنانکه گذشت. و باعث تطویل این کلام آنست که فقیر آرزو را بسیار ابتذال واقع شده و میشود. و هرگاه مطلع بر آن میگردد، دور میکند و احیاناً از جهت عدم اطلاع گاهی میگذارد. بر این تقدیر اگر معنی مشترک در اشعار من و ابیات دیگران یافت شود صاحب انصافان محمول بر توارد نمایند و مصداق اِنَّ بَعْضَ الظَّنِّ اِثْمٌ نگردند. و چون این معامله بین الشخص و الله است آدمی باید که در بستن مضامین پیش نفس خود شرمنده نباشد کافر ماجرایان هر چه خواهند گو بگویند.

راضی، فصاحت خان: از قاضی زادگان کشمیر جوانی خوش ذهن معنی تلاش بود و بنای شعر خود را بر طریقهٔ استاد خود عبدالغنی بیگ قبول گذاشته بلکه پیش قدمی نموده. و درین طور سرآمد گشته. با فقیر اخلاص و آشنایی داشته. پیش از خرابی نادر شاهی فوت شده، از وست:

صبح نوروز است باید بر غذیر غم رسید | جام نگرفتن ز ساقی کار ابن ملجم است

(س)

سالک، حاجی فریدون: از مردم ایران است، و اصلش از اتراک. سعادت حج دریافته با یران گشت. اوایل عهد عالمگیری وارد هندوستان شده. و در آن ایام طنطنهٔ شعر و شاعری شاه ناصر علی گوش عالم را پر کرده بود و گویا ملاقاتی هم بمیان آمده. لهذا ناصر علی رقعهٔ هم به سالک نوشته و واقعهٔ مذکور در سفاین مردم مسطور است. بعضی گویند شاگرد میرزا صایب است و از کلام او مستفاد میشود که مستفید فایز است. بهر نحو شاعر معنی یاب تازه خیالست صاحب غزل و قصیده. تمام دیوان او بمطالعه در آمده بسیار خوش شعر و رنگین کلام است، از وست:

جهنمی است نشستن در آرزوی بهشت | بنوش باده بهشت و بهار کن خود را
به میهمانی نپسندد کریم در بستن | رسید نکهت گل چاک پیرهن بکشا
ای خوش آن روز که از اهل وفا نامی بود | همه رفتند و ازین سلسله جز نامی نماند

بدزدی تهمت کرده اند. لیکن نفس الامر آنست که شکار انداز صحرای معنی را که در کوه قاف صید پرریز چه ضرورت پیش آمد که چون شعرفهمان صیاد صید بسته گردد و استادان را اکثر توارد اتفاق افتاده. شیخ آذری بر دو این مصرع دارند، مصرع
بگذار که در روی تو بینیم خدا را ، و همچنین آصف خان جعفر و ملا نوعی را
که یکتایی نه بیند جز خدا را -

کسی که خود قادر بر اختراع معنی و سخن تواند بود، بر بستن معنی دیگری که کم از میته خوردن نیست داغ بدنامی بر روی اعتبار خود خواهد نهاد. ارباب حسد فی جیدها حبل من مسد. کیف ما اتفق اگر جا دیده اند، آنرا دزدی نامیده اند. میر مرحوم محمد افضل ثابت مدعی آن شده بود که ابتذال مطلقا نیست، حتی که قصیدها درین باب گفته پیش یکی از شعرای عصر خود که از آنجمله فقیر بود، فرستاده و مؤکد نموده بود که هر که مضمون غیری از شعر من یابد، باید که بر آورده مرا اطلاع دهد. آخر عزیزان ابتذال از اشعار ایشان هم بر آورده اند. با آنکه میر مرحوم کم شعر است، آری بعضی ازین فرقه هستند که :

هرچه گویند بمحل گویند   بتوارد غزل' غزل گویند

یوسفای نکهت اینها داشت چنانکه از ثقه شنیدم که در دکن مثنوی از خود میخواند، اتفاقا از آنجمله خواند که قدرت بجای نکهت بود. یعنی درد شکوه را حافظ نمیباشد. و آن ظاهرا از تخلص بود نه از نکهت مذکور. و دیگر از معاصرین فقیر نیز هستند که قریب دو صد بیت مبتذل از اشعار ایشان بر آمده، چنانکه سابق نوشته آمد. بدانکه میرزا صائب علیه الرحمه بعضی از معانی خوب را که شاعری در عبارت خوب اسلوب بدیع می آورد و خود معترف این معنی بود لیکن این را ارباب معنی سرقه نشمرده اند، چنانچه در تلخیص المفتاح مسطور است. و نیز میرزای مذکور بعضی از لطایف بزرگان را که در کتب تاریخ دیده آن در اشعار خود آورده، چنانکه در نفحات مسطور است که یکی از اکابر منکر سماع بود، میفرمود که استماع در بهشت بر روی مستمع می بندد. و دیگری که مباح می داشت گفت که صدای مزامیر آواز در بهشت است تو آنرا صدای بستن در گمان بری، ما آواز واکردن در. و همین معنی را میرزا صائب در غزلی قطعه کرده

هوا الغفور زجوش شراب میشنوم   صریر باب بهشت از رباب میشنوم
تفاوتیست میان شنیدن من و تو   تو بستن در و من فتح باب میشنوم

و همین قسم است آنچه حضرت مولوی معنوی مولانا در وقت رحلت فرمود، هنگامیکه مریدان و مخلصا

سرشته است به احوال شعرای عصر جهانگیری بلکه بعضی از شعرای اکبری نیز تا عهد مشار الیه تصنیف نمود. خیلی معنی یاب و انصاف گزین بود. فقیر آرزو اوایل سلطنت محمد فرخ سیر بادشاه شهید مرحوم در خدمت او رسیده. چون از حلیهٔ بصارت در آن وقت مردم چشمش عاری شده بود، دیوان خود را بفضل الله نام پسر خود که بمراد و شعر میگفت و مُعِز تخلص می نمود و در عین شباب جهان گذران را وداع نمود داد که پیش فقیر بخواند. فقیر گفتم میرزا صاحب! نور چشم این معنی دارد. باری بعد از فراغ خواندن باین عاجز تکلیف شعر فرمود. من چون نوجوان بودم از راه ادب عذر بهانهٔ نداشتن سفینه آوردم، آخر دید که بجد شده، ناچار این بیت خواندم :

افتادگیست مایهٔ نشو و نمای من　　نخلم چو گرد باد ز خاک آب میخورد

و این رباعی گفت :

ام تی لقبی که هست دارای سخن　　از عجز کلیم شد به نقش الکن
از بسکه جهان کرد ازو کسب علوم　　گردید سواد سایه اش هم روشن

بمجرد شنیدن، سر مرا در کنار گرفت و بر پیشانی بوسه داد و فرمود تا حال نکر هیچ نوجوان باین پایه ندیده ام. بهر حال خدا ایش بیامرزاد. انصافی که در مزاج آن عزیز بزرگ دیده شد کم بنظر آمده. در طبیعت میرزا بیدل خود عشر عشیر آن نبود. شعرش بایران رسیده و نصرآبادی داخل تذکره نموده هر چند شاگرد محمد علی ماهر است اما استفادهٔ تمام در خدمت میر معز فطرت المخاطب بموسوی خان نمود ولکنی بشرفا. با میرزا عبدالقادر بیدل معاصر و هم طرح بود. رباعیات او خیلی معنی تازه دارد و بسیار عارفانه گفته. سال سیوم یا چهارم محمد فرخ سیر بادشاه از جهان رفته رحمة الله علیه. مطلع غزل سر دیوان او اینست و بسیار خوب و با دا گفته :

بهم ناید چو گل از غنچه و شادی دهان ما　　چه خوش نامی بر آمد انشاء الله از زبان ما
ازین بیرحم صیادان رهایی کی بود ما را　　که آتش میرسد از بهر یک نخچیر صحرا را
ملک گیری دگر و شور محبت دیگر است　　خوانده ام یوسف زلیخا و سکندر نامه را
کفر کامل عین اسلام است در آئین عشق　　همچو شخصی کاید از سمت چپ او کلمات
صاحب جوهر رفیق صاحب جوهر شود　　استخوان ماهی آخر دستهٔ خنجر شود

نیست در سلسلهٔ سر و قدان کوتاهی — اینقدر هست که آغوش تمنا تنگ است
اضطراب بیخودی در وصل باشد بیشتر — کی ندیدن میکند کاری که دیدن میکند

سالم، حاجی محمد اسلم: از شاگردان بلکه پسر خواندهٔ شیخ محسن فانی است. از رشاد بهره است، اما هدایت ازلی راهبر او گشت که مستعد با یمان شد و کسب فضایل صوری و معنوی نموده. مرتقی بمدارج علیا گردید تا آواخر عمر ملازم محمد اعظم شاه پسر عالمگیر بادشاه بود و بعد کشته شدن او در سلطنت بهادر شاه بادشاه هم بآبروی تمام گذرانید، و در عهد محمد فرخ سیر بادشاه جنت نظیر رفته بفردوس اعلی خرامید. ایامیکه در گجرات بود، توفیق حج یافته بزیارت بیت الله خانهٔ دین خود آباد ساخته. اتفاقاً پیش از ایام حج بمدینهٔ منوره علی صاحبها الصلوٰة والسلام رفته بود که ایام حج منقضی گشته و در آن باب رباعی گفته که بیت دومش اینست:

این عید و مدینه بخت من طالع من — انشاء الله مکه و عید دیگر

از ثقات مسموع است که سالم خیلی شگفته خوش صحبت کسی بود. در مضمون یابی و خیال بندی و خوش محاورگی مثل او بی از کشمیر چه که از جای دیگر هم بسیار کم برخاسته. و اکثر اشعارش در تشبیه بد دارد که کمال مراعات علم بیان است. و بعضی ابیات بسبب نزاکت تشبیه بفهم ناقص فهمان کم فقیر آرزو اوایل جوانی مطالعه دیوان او بسیار کرده و فیضها برداشته. دیوان بلاغت تبیانش بسبب طرز که حالا در کشمیر رواج دارد و حاجی مذکور از آن محظوظ نبود، در آنجا کم اشتهار دارد و مردم کشمیر را بکلام او اعتقادی که باید، نیست. هرچند افکارش همه انتخابی است اما پارهٔ از آن انتخاب نکرد نکش بید ردلیست، بیشکا رد و نمیدانم که چه خواهد نگاشت:

بمسجد میروی مست شراب از بزم ما زاهد — حلاوت بادیگوی حلال اینجا حرام آنجا
بعیدگاه تو عشاق جمع و اهل هوس هم — میان صید حلال و حرام فرق ضرور است
صبور باش بغفلت که همچو موج محیط — ز حق گر تو نخفتنت هم یکی گو بگفتن است
گر از نظر نهفته خواهی چو فیض صبح — از آب و رنگ صبح هوا میشناسمت

سرخوش، محمد افضل: از شعرای قرار دادهٔ هندوستان است نسخهٔ کلمات

اما این رباعی بنام دیگری نیز دیده شد۔

ساعی، خواجه عبدالله: از بزرگ‌زادگان بود، مدتی نوکری محمد اعظم شاه پسر اورنگ زیب عالمگیر بادشاه داشت۔ در اواخر در لاهور فردکش نموده۔ در اواسط عهد فردوس آرامگاه محمد شاه بادشاه فوت شد۔ کلیاتی دارد، و شعر خوب می‌گفت۔ اکثر بمطرح شاه آفرین و میر محمد علی رائج بود۔

این ابیات از زادهای طبع اوست:

نسبتی نیست به پروانه گلی را آیین   اندکی لاله بآن سوخته دل میماند

ساطع، (ملا) عبدالحکیم: نامش عبدالحکیم است۔ از مردم کشمیر است۔ شاگرد داراب بیگ جویا است۔ بمطرح عبدالغنی بیگ قبول در تلاش معنیهای تازه دارد۔ مدتی رفیق اسلام خان میر آتش بهادر شاه بود۔ گلشن اسلام نام نثری بنام او نوشته۔ در فن نثر خیلی قدرت داشت و بسیار رنگین و پخته می‌نوشت۔ پای کمی از نعرای هیولانی وغیره نمی‌آرد، بلکه طرز و طور جداگی بهم رسانیده۔ در اواخر بهمراهی مرحوم نواب صمصام الدوله بهادر بخدمتی الخدمات کشمیر مامور شده بانجا رفت۔ چون پارهٔ جاگیری هم در کشمیر داشت، برفاه و جمعیت خاطر بسر میبرد تا برحمت حق پیوست۔ نسخهٔ بحث ساطع منتخب برهان قاطع در لغت نوشته، اما چندان خوب نیست۔ دیوان مختصری دارد که منتخبش نوشته میشود:

مرقع پوشی ما بد ز من تحسین طبع دارد   چو نقشی کرده اظهار کمال از رقعه کاریها

بدن ضعیف و یافت شکوه جان دارد   مکان خراب چو شد حکم لامکان دارد

سخن، میر عبدالصمد: سید صحیح النسب عالی مشرب بود۔ برادر کلان ایشان میرزا شاگرد هدایت خان پسر کفایت خان است که در شکسته نویسی زلف خوبان را از شانه بجوب است، بلکه بلند خوش نویسی شفیعا شکسته۔ جناب میر نهایت شوخ طبع و رنگین بیان بود۔ با هر امیری که صحبتش بر آورده‌اند، ذات شریفش او را بغایت مغتنم می‌شمرد۔ اوایل خدمت اشراف جزیهٔ گوالیار داشت۔ بعد از آن چندی با ضیاء الله خان پسر حاجی عنایت الله خان مرحوم در عهد عالمگیری در اکبرآباد بودند۔ پیشش همراه میر احمد خان بانی آباد لاهور بسر برد۔ در اواخر مدت مدید با مبارز الملک پسر سربلند خان صرف اوقات نموده در احمدآباد گجرات برحمت حق پیوست۔ خلف الصدق ایشان [illegible] دارالخلافه شاهجهان آباد۔

این مصرع بگمان فقیر آرزو بهتر است — عاقبت دندان ماهی دستهٔ خنجر شود

سخن جز جان شیرین نیست پیش صاحب معنی — اگر هر لحظه جان تازه میخواهی سخن بشنو

سخا ، زاهد علی خان: شاه بندر لار بود. در فترت افاغنه از ایران بهند در آمده. برهان الملک سعادت یارخان بسیار خدمت او مینمود. فقیر آرزو را یک دو بار ملاقاتش افتاد و در شاهجهان آباد او را دیده. بسیار عزیز کسی و متواضع شخصی بود. مفصلاً صحبت با وداد خیلی منصف بنظر آمد. درویش مشرب از خود گذشته بود. فقیر در آن ایام غزلی گفته هم بهان غزل ام پیش او خوانده ازین بیت که حسن مطلع است:

هزار سال گذشت و زگرد باد بود — الف زمانم مجنون بسینه صحرا را

نهایت مخلوط شده، و تا دیری عجب عجب میگفت. او آخر بر یک زنی عاشق شده. گویند از کشاهره یا خدمتگاران او ساخته مسموش کردند. خدایش بیامرزاد. بسیار بشاش بشاش، کو کسی بود که از اشعار او نوخته میاید. از وست:

صلح کل با یکدگر گردش ضمیران کرده اند — نیست باهم کار هرگز گرگ و میشی صلح را

فقیر آرزو گوید که لفظ "کل" درینجا بسیار بیجاست. تنها "صلح" می باید چنانکه بر سخن فهم

اعتباری نیست گرمیهای معشوقانه را — شمع میخواهد برای سوختن پروانه را

فقیر آرزو گوید که درین بیت لفظ "معشوقانه" بیجاست. "معشوقان" می باید. فتأمل

تضمین مصرع خواجه حافظ شیرازی قدس سره نمود:

دوش کلکم بر زبان حرف لب دلدار داشت — بلبلی برگ گلی خوش رنگ در منقار داشت
به نمکینی برد مکتوب شوقم را کبوتر داری — ز عقلهای رنگین تا صدم پا در حنا دارد

پیش فقیر آرزو این بیت نیز خام است، چراکه شخصی که پا در حنا دارد مطلقاً راه نمی رود نه بی تمکین.

سرگذشت شب هجران تو گفتم با شمع — آنقدر سوخت که از گفته پشیمانم کرد

رباعی: در کوی تو عمرها نشستیم عبث — دل جز تو بدیگری نبستیم عبث
در پیش تو اعتبار سگ بیش از ماست — با اینهمه استخوان شکستیم عبث

زیرا چه جمع کلات و تا دین جا مربوط نیست ـ

هر فنی بود ز منطق بنظر آوردم   عکس مطلب خوشم آمد که فن خاموشی است

دیگمان فقیر این مصرع بهتر است : "عکس مطلوب خوش آمد که فن خاموش است"
زیرا چه مصطلح منطقیان عکس مطلوبست نه عکس مطلب ـ

با یمنی رسید از کوی آن نامهربان قاصد   که پنداری که برهمن زاده از بتخانه میآید
خواستم مطلب ناسازی ایام شوم   گرد خاطر کشیم این زمزمه بنیاد که بس
در رفت و آمدی ره هر مطلبی که هست   باید بقدر همت خود پا کشید و بس

شهود، بال مکند : جوانی است مهذب و مؤدب از قوم کایسته که اکثر ارباب قلم اینها نند ـ آبا و اجدادش همیشه در سرزمین بنگاله و بهار بعهدگی امتیاز داشتند ـ دو سال پیش از این تحریر وارد شاهجهان آباد دهلی گشته، بوساطت خط عزیز القدر خوشگو با فقیر آرزو ملاقات نمود خیلی جید الفکر جید الطبع بنظر آمد ـ با آنکه چندان کسب علوم عربیه نکرده، چندین مقاله از کتاب تحریر اقلیدس پیش بزرگ گذرانیده فرصت اتمام نیافت ـ تخلص مذکور را نظر بوحدت شهود که مذهب اوست، فقیر داده ـ حاضر و غایب بسیار تودد و دوستی دارد ـ هنوز اول مشق اوست، اگر مساعد روزگارش دست میدهد امید است که بپایهٔ اعلی برسد انشاء الله تعالی ـ درینولا از شهر بنارس چند غزل فرستاده که مقطع یکی از آنها این بیت است، و اخلاص او با فقیر از آن ظاهر :

آرزو کرد بشاگردی خود ممتازش   چه شود شعر شهود است گر استادانه

(ص)

صوفی، ابوالبرکات خان : برادر عینی مجد الدوله ولد عبد المجید خان که بالفعل دیوان خالصه شریفه است ـ خان مشار الیه مدتها ناظم صوبه کشمیر بود، گاهی اصالةً گاهی نیابةً ـ در عهد [illegible]

دہلی بشکسته نویسی شهرت دارد، بلکه شهرا استاد میتوان گفت ـ مسدّد اقع که بسیار خوب می نویسد ـ فقیر در سن پانزده شانزده سالگی در عنفوان شور جنون در بنگاله ابو المعتوفی شعر بود، چند مرتبه شعر از نظر افادت اثر ایشان گذرانیده، بلکه تا حال که پنجاه سال تخمیناً بر آن گذشته، پارهٔ کاغذ با که اصلاح ایشان بر آنست، پیش خود داده تا گران مایگی جنس خویش آنرا دیده خودها کم نکند، شعر:

اعتبارات جهان از نیستی گل کرده است   آنکه داناتر بود بسیار جاہل بوده است

الحاصل دیوان شریف ایشان که بخط شریف مصنف است، انتخاب زده نوشته میشود!

(ش)

شهرت، شیخ حسین : گمان دارم که از اعراب بحرین است ـ در عهد بادشاه آرامگاه محمد شاه مخاطب بحکیم الممالک اوایل در شیراز اکتساب فضایل علوم خصوصاً طب نمود هندوستان گشته ـ مدتی مدید نوکر محمد اعظم شاه پسر حضرت خلد مکان محمد اورنگ زیب عالمگیر بادشاه بوده بعد کشته شدن او در عهد بهادر شاهی در سلک غلامان بادشاهی در آمده در سنه چهار یا پنج در آرامگاه برحمت حق پیوست ـ بارها فقیر این مرد را دیده بسیار بشّاش بشّاش لطیفه گو کسی بود ـ بعد با سید صلابت خان سید تخلص که در عهد بادشاه مرحوم محمد فرخ سیر چند گاه داروغهٔ توپخانه و چند چهارم بود، اتفاق ملاقاتش می افتاد ـ اتفاقاً عبد الغنی بیگ قبول که در واقع استاد خان مسطوره شریک غالب گفتن شعرش بود حاضر نمیشود حکیم شهرت میپرسد که شعر پرداز نواب کجاست ـ بهر حال پیری بود در کمال شوخ طبعی ـ با فقیر نقل میکرد که روزی محمد اعظم شاه یکی از حکما فرموده بود که سرمهٔ از نظر بگذرانند ـ صباح که من حاضر شدم از روی سهو بمن گفت که سرمه که دیروز فرموده بودیم کجاست بنده این بیت خود خواند :

زغیر سرمه طلب میکنی بچشم بچشم   بمن نگاه عتاب میکنی بچشم بچشم

در ینولا انتخاب دیوان او نوشته میشود :

نظر با ما نه چون آیینه گر دیدیم دنیا را   بآن صورت که میبایست ما دیدیم دنیا را

تلاش آدمیت میکند نا پیدا ساقی   بیار آن می که تا قبضه کند آیینهٔ ما را

فقیر آرزو گوید که بگمان من نسبت بمصرع حکیم این مصرع مناسب است : "بیار آن می که قبضه میکند آیینه

ا ـ سهو چهار ... استاد مسطور شده

بروی قطب ایشان داشته که تحقیقات صوفی و متکلم و حکیم بی تکلف بر زبان حقایق ترجمانش جاری است، چنانچه از کتاب "نالهٔ عندلیب" که از تالیفات شریفهٔ ایشانست، روشن است. و وجه تخلص عندلیب آنست که جناب کرامت مآب حضرت شیخ سعدالله گلشن پیر صحبت ایشان بوده اند. فقیر آرزو با ایشان مدت سی چند سال اخلاص و عقیدت در خدمت ایشان متحقق است، شاید که وسیلهٔ نجات این پیر ناصیه سیه باطنی این بزرگوار گردد. هرچند شاعری دون مرتبهٔ ایشانست اما گاه گاهی بطور ذوق طبع شعر میگویند.

علی عظیم، میان: میان علی عظیم پسر شاه نام علی بسیار عزیز کسی و مرد از خود گذشته فانی مشرب است. از عنفوان جوانی فقیر را با آن عزیز اخلاص متحقق است. خیلی متوکلانه میزید. و هر چه بدستش میآید صرف عزیزان مینماید. گویا نام اصلی او عظیم الدین محمد است، چنانکه والدش میفرمود:

عظیم الدین محمد صاحب هوش　　من و تو هر دو یک خواب فراموش

در تیراندازی هم دستی دارد. بهر طور صاحب اخلاق حسن است. شعر هم خوب میگوید، اگرچه کم گوید. از اوست:

می پرد چشم مژده است عظیم　　بعد ازین دیده ها و دیدنها
از میان علی بر سر بازار وجود　　تلاش کفنی آمده عریانی چند

علوی، میرزا هاشم: الخاطب معتمد الملک الملقب به علوی خان صاحب کمالی در علم طب مثل او تا حال نشان نداده اند. نسخه او پروانهٔ حیات و رقم عزل ممات بود. کتاب "جامع الجوامع" در فن طب نوشته که تا امراض چهارصد هزار بیت خواهد بود. سید عالی نسب والا حسب بود. والدش میرزا هادی قلندر شیرازی تخلص مینمود. در عهد سلاطین عهد عالمگیری بهندوستان تشریف آورده رفاقت با محمد اعظم شاه پسر محمد اورنگ زیب عالمگیر بادشاه بود. بعد از کشته شدن او نیز در سلطنت قطب الدین بهادر شاه بسیار باعزاز بسر برد. هشتاد و چهار ساله عمر یافته، در سنه ۱۱۶۳ھ در سلطنت احمد شاه پسر بادشاه فردوس آرامگاه محمد شاه برحمت حق پیوستند. و فقیر آرزو در خدمت ایشان کمال ارتباط داشت، و با ارتباط فقیر سیادت و نجابت دستگاه میر سید محمد که از خویشان قریب بلکه قائم مقام فرزند رشید ایشان بود. بهرحال باین مایه بکمال و باین احوال آدمی چنین بنظر نیامده. طبع نظمی داشت.

بسیار در آن ملک شد۔ بہر حال شہرتی تمام در شعر داشت و خود ہم بسیار نیکو میگفت۔ این دو بیت از وست :

کشتیٔ دل را کہ لنگر از علایق بودہ است — بادبان دامن کشیدن از خلایق بودہ است
توان سیر ملک الہ صافی دل بذین کردن — بآئینہ جوہران زآئینہ باید دلنشین کردن

در اواخر عہد محمد شاہی بشاہجہان آباد رسیدہ فوت شد۔

(ض)

ضمیر، میرزا روشن : نصرآبادی گوید کہ از ولایت ایران است۔ صاحب صوبہ بندر سورت بود، معزول شدہ باز مسموع شدہ کہ بندر سورت باو دادند۔ فقیر آرزو گوید کہ میرزا روشن ضمیر اجدادش از ولایت آمدہ اند۔ خود فوجدار بندر مذکور بود۔ وقایع نگاری آنجا داشت۔ باوجود اینہمہ زبان ہندی خیلی ورزیدہ بود۔ چنانچہ اشعار ہندی بسیار گفتہ۔ نیہی تخلص میکرد کہ معنی عاشق است فقیر آرزو نظر برہمین بیتی گفتہ :

آن دو گیسوی سیہ بر روی رخشان آرزو — شعر ہندی بودہ از میرزائی روشن ضمیر

(ط)

طالع، نوازش خان : پسر اسلام خان رومی است۔ پدرش پادشاہ بصرہ بود بعد خرابی بصرہ بہند آمدہ۔ ملازم عالمگیر بادشاہ شد و برتبۂ علیا رسیدہ فوت شد۔ پسرش جوانی عزیز و ردمندی بود، بسخن آشنا۔ اکثر موزونان مثل محمد حسین ہجبت و دیگر اہل سخن در خدمت او میبودند۔ صوبہ داری فوجداری متعدد داشت۔ در عہد بہادر شاہ بسبب ناسازی زمانہ در اکبرآباد آگرہ فردکش کردہ نشستہ بود، تا در جنگ معزالدین جہاندار شاہ محمد فرخ سیر شہید مرحوم کہ در نواح اکبرآباد اتفاق افتاد بطرف جہاندار شاہ رفت و ہمراہ امیر الامراء ذوالفقار خان بہادر نصرت جنگ کہ باعث سلطنت جہاندار شاہ بود، در جنگ کشتہ شد۔ خیلی میرزا و خوش طبع بود۔ شعر بسیار میگفت۔ از وست :

تیر بر خاک نشست از شستش — چہ کشیدہ است کمان از دستش

(ع)

عندلیب، خواجہ محمد ناصر : از فرزندان حضرت بہاؤالدین نقشبند است۔ قطب سپہر ہدایت و مرکز دایرۂ ولایت ذات ایشانست۔ ہر چند تحصیل ظاہر نکردہ لذا علم لدنی از غیب

از شعرا اینجا معلوم نیست۔

بخودم هیچ نمانم که دلِ زار کجاست — من کیم؟ پرسش که جنبد و آنچه شده یار کجاست؟
پیش هر کس میکنم ظاهر که آن دلبر چه گفت — بس که خوش حرفست میگوید بگو دیگر چه گفت

ارباب سخن را بسخن نام بلند است — از مصرعِ برجسته خلف تر پسری نیست

دارد چه سرانجام خوشی خانهٔ دنیا — جان هیچ، جسد هیچ، بقا هیچ، فنا هیچ

فقیر آرزو گوید که مصرعِ مذکور بانمک تغیر میرزا عبد القادر بیدل نیز گفته، چنانکه گوید:
"ای هستی تو ننگ عدم تا بکجا هیچ"۔ لیکن بر سخن فهم پوشیده نیست که شعر میرزا بیدل بسیار بلند مرتبه است۔

جای بوسه است سرانگشت حنا بستهٔ تو — غنچه شد گل که گل از دست تو چیدن دارد
خدا ساز است هر کاری که از مردم نمی آید — بعالم هیچ چیز آسانتر از مشکل نمیدانم

رباعی: بیهوده بحرف لب کشودن چه ضرور — تیغ همه بر خود آزمودن چه ضرور
دانا محتاج نیست، نادان منکر — پس مصدر فعل لغو بودن چه ضرور

علی، مولانا ناصر علی: از کمال شهرت محتاج تعریف نیست۔ در شعر طرز خاصی دارد۔ میرزا معز فطرت و سرخوش و دیگر اعزه پیروی او دارند۔ اشعارش بسیار شوخ و شورانگیز و مضامین ابیات او پیچیده تر از زلف خوبان و نازکتر از کمر محبوبان است، گویا مخترع است درین فن۔ و دعویهای بلند داشت و هیچ یکی از شعرا را وجود نمیگذاشت۔ اگرچه در بعضی جاها بسبب تغافل و بی پروائی که داشت تساهل گونه در شعر بکار برده لیکن بسیار خوب گو است۔ صاحب کلمات الشعرا او را آبروی هندوستان گفته و در واقع چنین است لهذا این رباعی در تعریف او گفته:

در ملک سخن بود جهانگیر علی — در مشرب دل ولی علی پیر علی
با شعر علی نمیرسد شعر کسی — زانسان که خط کسی بخط میر علی

ایامی که بدکن رفته قصیدهٔ در تعریف امیر الامرا ذو الفقار خان نصرت جنگ گفته که مطلعش این است:

ای نشان حیدری از نشان تو آشکار — نام تو در نبرد کند کار ذو الفقار

عالی، میرزا محمد نعمت خان: در عهد بهادرشاه خطاب دانشمند خانی یافته. از علوم بهرهٔ وافی داشته. اصلش از اطبای شیراز است. بحکیم الملک قدیم عهد اکبری قرابت قریبه داشته. از زبانش دریافت میشود که ولایت نژاد است لیکن نشو و نما در هند یافته. و بعضی گویند هندوستانی است. بهرحال اشعار خوب دارد. بسیار بدقت حرف میزند. اکثر معانی تازه بسته. در فن هجوگویی دستی بکمال داشت، حتی امرای معاصر او از زبانش اندیشناک میبودند و خود هم از دست زبان خویش مکرر نقصانها کشیده. "وقایع حیدرآباد" که نثر اوست مشهور آفاق شده، داد شاعری در آنجا داده لیکن این قدر که پاس نمک و اخلاص مطلق نگاه نداشته، بیشتر بی ادبانه حرف زده، لهذا عالمگیر بادشاه او را از اردو اخراج فرموده. و چون پادشاهان هند رحیم و کریم باشند، ایذای جانی و مالی نرسید. و باوجود مشرب تصوف غلوی در تشیع داشت، لهذا ما او را "عالی غالی" میگوییم که در فن هجو موافق مذاق او بود، لهذا در مداحی خیلی سست بنظر آمده.

لطیفه: یکی از ظرفا در مجلس اکابر میآید و بعالی میگوید که شما واجب التعظیم آید. عالی گفت: چرا؟ او گفت: بدان سبب که شما را حاجی میگویند. عالی میگوید که من حج نکرده ام. آن شخص میگوید که پس حاجی بمعنی که هوز باشد. عالی از شنیدن این سخن خیلی ترکید. در واقع پیش مردم ادنی بدتر از هزار هجو است بشرطیکه قوت منفعله داشته باشد. بهرکیف او در بحر مثنوی مولوی روم قدس سره مثنوی گفته، اگرچه کم است. اما بسیار خوب گفته. و عالی از شوخی و نمک نیست. و در عهد بهادرشاه بادشاه صحبت با منعم بیگ خانخانان که وزیر اعظم شده بود، بسیار درگرفته بود. از این جهت خدمت بادشاه نامه نویسی بهادرشاه معوض باو گشته. و چون میان خانخانان و ذوالفقار خان نصرت جنگ نقار گونه بود، ذوالفقار خان را مکرر در آن نسخه بد یاد کرده. و انصاف آنست که چون آن نسخه در نظر آید معلوم شود که عالی را در فن تاریخ نویسی قدرتی نبوده. و عالی در عهد محمد فرخ سیر بادشاه ازین جهان رحلت نمود. درینجا از انتخاب دیوان او نوشته میشود.

من بیچاره خود از جستن او گم شده ام   بنمایید خدا را چه نشانست او را

سرودین شاعر از آغاز شاگرد خدا   هرکه گوید این غزل استاد میدانیم ما

فقیر آرزو گوید که درین بیت عجب مضمونی بسته که ایهام کفر است بلکه کفر صریح دارد لیکن

چنانکه غزلی در تعریف این عاصی گفته، لیکن قریب هفده هژده سال است که ودیعت حیات سپرده. عمده سخنوران که بالفعل زینت افروز بزم لندگیست و از خطهٔ دلپذیر کشمیر است. و این عاقل را نیز باین دیوانه سخن ربط اخلاص متحقق است. بهرحال مُسخر در زمان مدتهای مدید با آصفجاه نظام الملک بسر برده. و اول و آخر از دکن بشاهجهان آباد دهلی آمده، بجوار رحمت ایزدی پیوست. گمان دارم که شاگرد میرزا عبدالقادر بیدل است، چه طرز شورش بطور میرزا میماند. تاریخ وفات میرزا بیدل چنین یافته:

سال تاریخ وفات بیدل رضوان مقام ... از سر بیتابی دل گفته شد ختم کلام

مخفی نماند که این تعمیه است و فقیر آرزو تاریخ وفات میرزا بطریق مذکور گفته:

"رفته بیدل زغم آباد فنا"

الحاصل تازگی مضمون و شوخی عبارت خیلی در نظر دارد و اکثر خوب میگوید. کلیاتی دارد مشتمل بر مثنویات و قصاید و غزلیات و رباعیات. بیشتر مدایح آصفجاه نظام الملک نموده سبحان الله تمام عمر در خدمت این بزرگوار صرف نموده و آخرا آنچه معلوم شد هیچ. در بیاضی که گویا بخط خودش است بنظر آمده. انتخاب اشعارش ازان نوشته میشود. ازوست:

ای طبیب نبض دان! دست از سر نبضم مدار ... حالتی دارم که دل از حالتم آگاه نیست

دبگمان فقیر آرزو بجای "نبضدان" "مهربان" مناسب است.

از تکاپوی خلق دانستم ... مدعا در زمانه نایابست

صورت آدم بهر بتخانه است ... معنی آدم نمیدانم کجاست

عرشی، میر محمد: برادر میر صالح کشفی، پسرانِ میر عبدالله مشکین قلم که از خوشنویسان عهد جهانگیری است. هر دو برادر شاعر و خوشنویس و فاضل بودند. میر کشفی شریعت صاحب کتاب مناقب مرتضوی است که کتابیست در نهایت خوبی. خانوادهٔ ایشان همه جلیل القدر عظیم المرتبه بود. فضایل ذاتی با نوافل کسبی جمع نموده. از عهد جهانگیر بادشاه وطن آگره مسمی باکبرآباد اختیار کرده. اصل ایشان از ولایت است. بهر نگاه گمان دارم که از فرزندان ایشان بقیه است. حاصل سخن میر عرشی صاحب سخن است. اکثر تواریخ محمد داراشکوه پسر اعلیحضرت شاهجهان

یکسخنچی فیل در نهر اله‌آباد بیرون آوردن آن بخشید و ناصر علی بخانه آمده بعوض تقسیم نمودن فیل را بسپاهی مفلس که همانجا بود بخشید. غرض بسیار صاحب همت کسی بود. بعد عالمگیر پیش او یکو قدر نداشت، همیشه قلندرانه میزیست. مثنوی مختصری که برای محمود و ایاز زلالی گفته که این قطعه از آن بسیار شورانگیز واقع شده.

بُتی میگفت روزی با برهمن   خدای من توئی ای بندهٔ من
مرا بر صورت خود آفریدی   برون از نقش خود آخر چه دیدی

او آخر مرید بدیع قلندر نام درویشی گشت. جذبهٔ بهم رسانید در آن ایام، و در آن مثنوی دیگر شروع کرده بسیار پریشان، که بطور هرزه دارد. و در میان جای رباعیست و جای غزل، آنهم خالی از کیفیتی نیست. دو بیت اولش اینست که بجای سرخی است:

این دوم دفتر که موزون میشود   مثنوی یک بیت موزون میشود
جملهٔ بیت است دیوان اله   هم بدنیا هم بعقبی کن نگاه

بهرکیف او از نجبای شهر سهرند بوده، چنانکه گوید:

گر از حسب بپرسی ما قنبریم قنبر   ور از نسب بپرسی از آل مصطفی ایم

و اینکه نصرآبادی او را چیله یعنی غلام بادشاهی گفته، بخدام این بزرگوار غلط رسیده و محض از بی تحقیقی روایت است. و خلف او میان علی عظیم که بسیار شخص اهل و از خود گذشته وارسته است، تا حال در قید حیات هست. خدایش سلامت دارد. با فقیر آرزو از مدتی چهل سال آشنا و مهربان احوال است. احوال او انشاء الله تعالی نوشته خواهد شد. در نیولا انتخاب دیوان مولانا ناصر علی نوشته میشود. از وست:

در ضلالت تا نیفتادم هدایت رو نداد   رهبر پیدا شد تا گم نکردم راه را
هر بیت من برابر دیوان ها ایست   از بسکه اهل طبع کمند نوشته اند

عاقل، هنرور خراسان:

باین تخلص دو کس دیگر هستند. یکی خواجه محمد عاقل، برادر خواجه کامل که مدتی داروغهٔ توپخانهٔ نواب مدار المهام صمصام الدوله خاندوران بهادر شهید بود. و آن مرد عزیز ترک هندوستان ناست. و با فقیر آرزو کمال ارتباط و اتحاد داشت،

[illegible]

اخلاص تحقق بهم رسانیده سالها مکاتبت و تعلق شیخ که بالا فقیر نوشته بود، پیش بنده است. واشعار خود اصلاح فرمود.

میر عبدالجلیل بلگرامی: از سادات صحیح النسب قصبهٔ بلگرام است. و آن قصبه ایست از مضافات لکهنؤ. جامع علوم بود. خصوصاً علوم ادبیه و اشعار عربیه را بسیار حل مینمود. و عبارات مشکله را نیکو میفهمید. اما آخر بمرض استسقاء که چهل روز هیچ نخورده بود، درگذشت. فقیر آنقدر با ایشان از رقی اخلاص داشتا بود، از وست:-

از بهر محبت علی هستی ماست	گلچینی این بهار تردستی ماست
دل ساغر و مهر ساقی کوثر می	از میکدهٔ غدیر خم مستی ماست

و در سنه احدی عشر و مائة و الف هجری که عالمگیر بادشاه ستاره قلعه از قلاع دکن فتح کرد، میر عبدالجلیل بلگرامی در یک شب یازده تاریخ عربی و فارسی و ترکی و هندی گفته رساله ترتیب داده گذرانیده. از آنجمله این تاریخ که از شکل اصابع اختراع فرمود، یدبیضا نمود:

چو شه ابهام زیر خنصر آورد	بود اسم اعظم در شماره
قلاع کفر شد مفتوح فی الحال	ز تیغ او عدو شد پاره پاره
ز انگشتان شه بر دو ابهام	برابر چار الف کردم نظاره
بعینه بود شکل سال هجری	پی تاریخ تسخیر ستاره
چنین تاریخ گفتن اختراع است	شد از عبدالجلیل این آشکاره

عشرت، جی کشن: از براهمهٔ کشمیر است. مدتها ملازم سرکار نواب مؤتمن الدوله بهادر مرحوم و نواب شهید میر دو نجم الدوله بهادر بود. از مدت پانزده سال با فقیر ربط اخلاص دارد. شعر را خوب میگوید. اکثر تتبع غزلهای فقیر نموده. "مثنوی رام سیتا" بسیار بتلاش گفته. و از رام سیتا سیمهی پانی تی خوب تر گفته. خیلی جوان اهل است. نواب مغفور یحیی خان دیوان خالصه قانون گویان تمام صوبهٔ کشمیر با و داده اند. خدا از چشم مردم ملک خودش نگاه دارد. بیچاره مرد غریب باوفائیست.

(غ)

غنیمت، محمد اکرم: از قصبهٔ کنجاه است که قصبه ایست از مضافات لاهور. بسیار خوش زبان

بادشاه بود. خط هم بسیار خوب می‌نوشت، و دیوانش مطالعه در آمد. اکثر اشعارش ساده است الا گاهی مضامین بلند را
به طرز خوش ادا کرده است. و این عرشی غیر عرشی هندی است که گذشت. از وست:

همان طفلی که با من تو بوده‌ای باشی — وگرنه من به تو گفتم که جنگ خواهم کرد
اگر صد تیشه آید بر سرش آسان بود عرشی — از آن پرسش که از پرویز بر فرهاد می‌آید
مردم همه گویند که خودبین شده عرشی — من روی تو بینم چو نهم آینه در پیش

عزت، شیخ عبدالعزیز: والد شریف او شیخ عبدالرشید بود که در اکبرآباد به تدریس علوم وظیفه
از سرکار بادشاهی مقرر داشت. وطن اصلی او گره معظم‌نادیها (اشرف‌آباد بود)، بعد از آن بمرور ایام قصبهٔ دیها
است که از مضافات اکبرآباد است. از اولاد محمد بن ابی بکر است رضی الله عنهما. اوایل جوانی از جمیع علوم عقلی
و شرعی فراغ حاصل کرده، در جمیع فنون سر آمد شد. رساله‌ای دارد در اثبات غسل علی الرجلین مسمّی به فتح الله
و نیز رساله‌ای دیگر نوشته در اثبات واجب و ثبوت خلافت خلفای اربعه. با اسلام خان مرحوم که از عمدهٔ
امرای عالمگیری بود و الا تخلص و با همت خان پسرش خیلی ارتباط داشت. لهذا همت خان که در آن وقت
میر بخشی عالمگیر بادشاه بود به تعریف و توصیف او پیش بادشاه بسیار نموده، و بادشاه را خیلی مشتاق او ساخته. بعد
از ملازمت عالمگیر بادشاه واله و آشفتهٔ (او) شده. اول مرتبه او را به منصب پانصدی پنجاه سوار که کم مردان
را کمتر میسر میشد، سرفراز فرموده داروغهٔ عرض مکرر ساخته، تا از جمیع خصوصیات نوکران بادشاهی مطلع گردد.
و مکرر مذکور می‌نمود که ترا اسد الله خان که وزیر اعظم شاهجهان بادشاه بود، میکنم، اما عمرش وفا نکرد. بعد وفات شیخ
مذکور، خیلی مراعات خاطر و داد بندگان او نمود. برادر خرد شیخ مذکور شیخ عطاء الله مرحوم است که فاضل
کامل متقی متورع بود، فضل و کمال بحدی داشت که حاشیه بر شرح اشارات امام فخر رازی و خواجه نصیر طوسی
نوشته و همچنین حواشی بر شرح عقاید ملا جلال دوانی نگاشته و کتب دیگر از مصنفات اوست. و یکی از پسران او
فخر الدین خان مرحوم است که با وجود فضیلت المدت حج نمود. در جمیع سلطنتها با اعزاز و احترام بود، و
با عمده‌های سلطنت مساویانه سلوک می‌نمود. این مرد عزیز عجب دست و دلی داشت که خمس محصول جاگیر
خود را به اهل استحقاق هر سال میرسانید و همین آن جاگیرش اکثر اوقات شصت هزار روپیه محصول داشت.
قصه مختصر، راقم حروف را با قبیلهٔ ایشان خویشی است. و والد فقیر با شیخ عبدالعزیز عزت کمال رابطه

سادات است - خیلی شریف النفس و کثیر الاخلاق واقع شده - انتقت اسی و چند سال که او اهل خوشفکر
شعر بود، بر فقیر آرزو مهربان است - خدایش سلامت دارد که امروز مثل اوی در هند نیست - مدتی
دید در خجسته بنیاد اورنگ آباد دکن بود - آخر همراه خان مرحوم قزلباش خان امید بشاهجهان آباد که وطن
اجداد امجاد اوست، تشریف آورده مشق سخن و صفای زبان را بجای رسانیده که اهل زبان اند .
بهره‌اند - بلکه بعضی دم از تلمذش می زنند - در فضل و کمال و شعر و انشاء و فنون دیگر مثل عروض
و قافیه و معانی و بیان یکتای روزگار و منتخب لیل و نهار است، حتی که در اکثریت فنون رسایل
مفید نوشته - چنانکه عالیجاه علی قلی خان واله تخلص آنرا داخل تذکرهٔ خود که مسمی است به ریاض الشعراء
نموده - و قصیدهٔ دارد بقدر صد بیت که مشتملست بر چند صنایع - بعد از استادی رشید و طواط
این قسم قصیده بنظر نیامده - مثنویات متعدده موزون کرده، بغایت صفا گفته - در غزل تتبع بابا فغانی
دارد، بلکه اگر انصاف را کار فرمایند، ذاتند که کمان ابروی ابیات بطاق بلند آویخته - انتخاب اشعارش اینست :

زآمد آمد قاصد فقیر از خویشتن رفتم — چه خواهم کرد گر دلدار گردد ناگهان پیدا
زصاحبخانه مهمان را بخود مشغول میسازد — تماشا کرده ام بسیار این سقف منقش را

فیضان، آقا ابراهیم : پسر آقا حسین ناجی است - پدر و پسر هر دو صاحب سخن بوده اند
در سنه احد محمد فرخ سیر بادشاه، فقیر آرزو هر دو را دیده بود - پدرش هر دو سخن سنج منصف بود، و دیوانی
مختصر دارد - لیکن اشعار ساده اش بسیار است و با میرزا سرخوش خیلی مربوط و محشور بود - فیضان
جوانی بود بر خود چیده و در خوانندگی و موسیقی خود را سر آمد میدانست - مثنویهای خود را از نظر حاجی
محمد اسلم سالم گذرانیده - مضامین تازه میبندد - دیوان مختصری دارد و میان او و حاجی اسلم سالم
خیلی ربط معنوی بود و استفاده از خدمت حاجی مذکور نمود - در سلطنت محمد فرخ سیر بادشاه بمرض سل و دق
از جهان رحلت نمود - و گویا در مرض مذکور این بیت گفته :

دل نمیدانم چه درد از آدمیتها کشید — زندگی موقوف بر شیر الاغ افتاده است
در خور هر رفعتی حفظ مراتب لازم است — قد هر پا ست اینجا طول و عرض زینه ها
دلی خالی ز فیض و عمر چون آب روان دارم — حباب آسا هوای بیجا در کاروان دارم

سخن‌خوش است. از بعضی مسموع گشته که شاگرد میر محمد زمان راسخ بود. در اواسط عهد عالمگیری در ملک پنجاب نقطهٔ شاعری کوس لمن الملک میزد. علی الخصوص از جهت مثنوی او که قصهٔ شاهد و عزیز را موزون کرده و بسیار بمزه گفته. خصوصاً داستان مکتب که از غایت خوبی شهرت تمام دارد.

(ف)

فنا، میرزا عبدالله: از سلسلهٔ ملازمان محمد اورنگ زیب بادشاه بسیار صاحب وضع آشنادوست، و اہل ہمت کسی بود. شعر بسیار خوب میگفت. گمان دارم که از شاگردان میر محمد زمان راسخ است دیباچهٔ سفینه نوشته خیلی بقدرت، چنانکه مسودهٔ آن ہنوز پیش من ہست. با والد فقیر نہایت اختلاط و اخلاص داشت. از وست:

در تمنای جفای خویش کشتی صید را — اختراع مہربانیہای صیاد منست

فطرت، میر معزالدین: معز و موسوی نیز تخلص میکرد. چون فطرت تخلص اول بود داخل باب "فا" کرده آمد. بہر طور میر موصی الیہ از بزرگ‌زادگان ایرانست. صاحب کمالات صوری و معنوی است. شاعری دون مرتبه‌اش و اماًت کمترین پایهٔ اوست. در ایران با میرزا صایب وغیره صحبتها داشته، عازم ہندوستان گردیده. در عہد جمعیت عہد عالمگیری محمد اورنگ زیب بہادر بادشاه بدین سودای سودا بہشت نشان تشریف آورده وصلتی بیکی از امرای که از دودمان صفویه بود بہم رسانید. و بسیار معزز و مکرم میزیست. چون بسیار مرد بحال خودی بود، عالمگیر بادشاه از راه شوخی در حق او گفته بود که آدم وسخ طیب و فاضل و متدین. القصه از خوبان روزگار و منتخب لیل و نہار بود. افضل سرخوش اگرچه شاگرد محمد علی ماہر است، اما بسیار اکتساب کمال در جناب میر مرحوم نموده. دیوانی مختصر دارد مشتمل بر قصاید و غزلہا. و مثنوی نیز مختصر دارد، و در نیولا انتخاب اشعارش نوشته میشود:

بخود یک لحظه بودن صد خطر در آستین دارد — خدا اجری دهد می را که بی ما میکند ما را

ز شور نالهٔ من رفت بیستون بر باد — ہنوز چشم تو در قصر خواب شیرین است

فقیر، میر شمس الدین: سابق مفتون تخلص داشت، آنرا نیز بحال داشته. بہر دو تخلص مقاطع غزلہا دارد. الحاصل از اکابرزادهٔ دہلی، و از طرف والد عباسی، و از جانب امہات

چند پسر داشت، همه موزون، علی الخصوص گرامی که بعد از پدر هنگامهٔ سخن برپا داشت، و مردم بسیار معتقد او بودند۔

(گ)

گرامی (میرزا): پسر عبدالغنی بیگ قبول۔ خیلی درد تلاش است۔ بسیار در بند الفاظ وابسته و معانی تازه بود که از زبان غیر باشد مثل هندی و فرنگی۔ مدتی مدید در سایهٔ پدر خود بسر برد و بعد از پدر هم شهرت بهم رسانیده۔ هیچ مشرب و مذهب نداشت۔ با سنّی سنّی و با شیعی شیعی، و با جوگی جوگی، و با نصرانی نصرانی، و با یهودی یهودی و با هندو هندو۔ اکثر در خدمت ارباب دول میبود۔ و در زیّ فقر امیر زیست۔ چون خالی از بذلی و وسعت مشرب نبود، اکثر نوجوانان دهلی خود را مرید او میگرفتند۔ بسا اوقات لنگی سرخ مثل جوگیان بر کمر میبست، و درویشی و بروت را خیرباد بلند میگفت۔ بهر حال هنگامه آرای شعر و شاعری میبود۔ از ثقات مسموع است که اوایل که شیخ محمد علی حزین بشاهجهان آباد آمد و آوازهٔ شعر او بگوش رسید، مرزا گرامی با ده بیست کس از شاگردان و مخلصان جائی که شیخ بود، رفت و طوری که مرسوم فرقهٔ قبولیه است غزلی در گنبد افلاک نواخت۔ شیخ بیچاره تنگ ـــ از گلراش برید و در گوشهٔ خاموش بنشست۔ بعد از تکلیف شاید شیخ هم چند بیت خود با واز حزین خواند۔ چون صحبتها بر آمد دیگر اتفاق ملاقات نیفتاد۔ بلی وضع زاد قابل دیدن دوباره نیست۔ مکرر از شاگردان او شنیده شده که سخن شیخ پایهٔ ندارد، اما اینقدر هم بی انصافیست و در واقع مخالف طرز و طور فرقهٔ قبولیه است۔ تقریباً هم اینجا حکایت خود یاد آمده که هفت سال پیش ازین باستماع کمالات شیخ حزین شوقی وافر بهم رسید که مجهولی معلوم نماید۔ چون در آن وقت شیخ بسیار احوال پریشان داشت، خود تنها اندرون خانهٔ او رفته و دیگران را بیرون گذاشته او را دریافت۔ مرد بحال خودی دید، اما از راه برخودچیدگی و خویشتن داری و اعتراض برکمال خلیفهٔ خودش بود که گفتگو ایست نیامد۔ ساعتی برخاست۔ اینجا قول مرحوم سعد محمد خان یاد میاید که مکرر در حق شیخ حزین میگفت که او گدای متکبر منتظر الامارت است۔ بهرحال اشعار گرامی اینست:

جز سخن از کس نماند پس از مردن نشان ‌‌ ‌ خط بود بر پشت زان روی صفحهٔ تصویر را
خواجه‌ با فرزند اگر باشد غلامش وارث است ‌ ‌ هرچه دارد حق تعالی از برای بنده است
لیکن کلیهٔ مصرع اول مورد نظر است، چه غلام وارث نیست۔ معهذا سوی فرزندوارثان بسیار اند

این بیت اگرچه از نظر استاد صاحب این اشعار یعنی حاجی اسلم سالم، که من هم از مستفید معنوی اویم، گذشته و آنرا نگاه داشته، لیکن بگمان فقیر بجای "دلی خالی ز فیض عشق" "سر خالی ز شور" بهتر است، که "فیض" مناسب حباب باشد. فتأمل.

فکرت، میر غیاث الدین: خاله زادهٔ میر معز فطرت موسوی است. احوالش مفصلاً معلوم نیست. بهندوستان آمده. دیوان مختصری دارد. و هر بیت او خالی از تلاش نیست اگرچه شعر کم گفته، اما بسیار خوب گفته. و از کلامش ظاهر میشود که شاگرد میرزا صایب است. از وست:

یکبار کرد جلوه بصحرا نگار من — افتاده رنگ شهر فرنگم هزار جا
بگریه‌های دوران دل محنت گزینی داری — نباشد اعتباری آنقدر با شعلهٔ خس را

(ق)

قبول، میرزا عبد الغنی بیگ: از اعیان کشمیر بود. اوایل شاگرد قاسم خان مخلص تخلص کشمیری بود. بعد از آن در خدمت داراب بیگ جویا اکتساب فیض نموده. خیلی صاحب قدرت است. اگرچه شعر کم گفته، اما خوب گفته. مدتی با عنایت الله خان که در عهد بهادر شاه مخاطب سعد الله خان امتیاز یافته، نیابت وزارت داشت میبود و بعد از کشته شدن خان مسطور در عهد بادشاه شهید مرحوم محمد فرخ سیر بادشاه با سید صلابت خان که خیلی بشعر و شاعری ربط داشت، میبود. از صحبت حکیم الممالک شیخ حسین شهرت قبول مذکور را بشعر پرداز نواب یاد میکرد. بهر کیف خیلی گرم جوش بود. و هنگامهٔ سخن گرم میداشت. سالی چند که از جهان رحلت نموده شعر به سردی بازار هیچ نبسته. مدتها او و فقیر با هم طرح بودیم. بسا کسان از دامن او برخاسته بودند. خیلی شاگردان درین فن داشت تا حدی که بعضی پس از وفات او نامور شوند. اشعارش مضبوط و متین است. در بند الفاظ تازه بود. اکثر تتبع ادا بندان مثل سلیم وغیره مینمود. بلکه بالاتر از آن رفته بطرق کمال خجندی و سلمان ساوجی راه میرفت. دست مشرب صوفیه داشت که با هفتاد و دو ملت براه اتحاد میکوشید. چنانکه خود گفته:

شیعی و سنی و ملحد نیستم — کم کسی داند که آئینم مسلکی است

درین جزو زمان از متقیان روزگار است۔ جز من شعرو انشا کتب متعدده دارد۔ اشعارش نهایت مرغوب است، چنانکه در مطالعهٔ احوال آن بر سخن فهم ظاهر میشود۔ از وست :

بر دل ما تیره روزان انتصاف خرگان گذشت ——— آنچه از فوج دکن بر ملک هندوستان گذشت
دل بتاراج سیاه مژه سبزان رفت ——— دهلی و شورش افواج دکن یا قسمت
هر کسی سودا بقدر همت خود میکند ——— عالمی خواهان لعل و من خریدار دلم
حقوق صحبت گل بر تو بسیار است ای بلبل ——— مبادا در چمن غافل در ایام خزان باشی
ای جلوه گاه وادی ایمن بخود مناز ——— آخر دل خراب بیابان شوق کیست
جای که جرم را بکرم باز میدهند ——— گر طاعتی نکرده پذیرند دور نیست

معجز، نظام : افغان نژاد، وطنش نواح کابل و پشاور است۔ ایامی که عبداللطیف خان تنها دیوان صوبهٔ کابل بود بخدمتش رسیده و اشعار خود از نظرش گذرانیده۔ طرز و طور اشعار مشکله میرزا جلال اسیر شهرستانی و عبداللطیف خان که اکثر آن طرف از فهم ما ناقص ملالت است اختیار نمود۔ با فقیر آشنا بود۔ عمری دراز یافته۔ یکمرتبه رباعی در تعریف احقر گفته فرستاد۔ پیرانه سر از حلیهٔ بصارت عاری گشته، بعد از آن مفلوج گردیده سال گذشته که سنه ۱۱۶۲ھ است، در شاهجهان آباد برحمت حق پیوست۔ خیلی تقوی و ورع داشت۔ اکثر ملایان مکتبی شاهجهان آباد مستفیدش بودند۔ کتب فارسیه را درس میگفت و مدعی آن بود که اشعار زلالی و اسیر را چون او کم کس میفهمد۔ و اغلب که راست باشد که در دور خیالی متتبع این عزیز بوده۔ در یغولا دیوانی ازو بنظر آمده۔ انتخاب زده پارهٔ ازان نوشته میشود، اگرچه بعضی جاها اندک تفاوت در وزن بنظر آمد، محمول بر تساهل و بی پروائی نموده چنانکه از بعض شاگردان او نیز بتحقیق پیوست که با وجود دانستن باز متوجه اصلاح آن نشد۔ اگرچه دیوان عزیز ان بقدر پسند خود انتخاب زده لیکن دیوان این عزیز را بقدر فهم خود نوشته۔ نصرت الله خان نثار که احوالش خواهد آمد ان شاء الله تعالی هم طرح و هم مذاق و هم استاد او بود۔ اینقدر هست که شعر نثار یک پرده نازکتر از و بوده۔ بهر حال خدای لم یزل هر دو را بیامرزاد که آشنا بودند۔ مخفی نماند که اینها اشعار خوب ایشان چنان دریافت میشود

و سیما فصیح تر است. فقیر آرزو گوید که شعر سیما هرگز به پایۀ سحابی نمی‌رسد. زیرا که رقیب از اسماء
است و تعجب دارم که اهل زبان دو لفظ را که رقیب و معطی باشند بسیار بیجا صرف کرده اند و
نام بزرگوار جناب احدیت است. الغرض سیما در مثنوی مذکور بیتی گفته در توصیف حیای
برتبه گفته:

تنش را پیرهن عریان ندیده | چو جان اندر تن و تن جان ندیده

و در فرو رفتن سیتا بزمین گوید:

گریبانِ زمین شد ناگهان چاک | در آمد همچو جان در قالب خاک

از غزل اوست:

در بزم عاشقان چو برآرم ز سینه آه | چون مجمری که دود کند دود افگند
گر از خراش دلم منکری ببین بر غم | که پوست کنده سخن میکند ادا ناخن

مایل، میرزا قطب الدین: جوان خوش فکر و خوش فهم بود. با حکیم صاحب
فطرت مصاحب بود. فقیر آرزو در بعضی اشعار او اعتراف شاگردی فطرت دیده. اواخر
بهم رسانیده در دارالخلافه فروکش کرده. هفت روز بعد از وفات شاه نامرحلی درگذشت
بایران رسیده چنانچه نصرآبادی آنرا نوشته، از وست:

پاک طینت را ز دنیا دوری در کار نیست | میتوان چون آب گوهر از سر گوهر گذشت
بزم ما برهم ز سنگ محتسب کی میشود | شیشۀ ما چون حباب گر بشکند نی میشود
ز پیری قد کشیهای جوانی میشود ظاهر | سفیدیهای کاغذ میکند روشن سیاهی‌ها

مخلص، آنند رام: از اعیان چهتریان است که رئیس اهل هند اند. از حسن
و آدمیت و قابلیتش تا کجا نوشته آید. باعث بودن فقیر آرزو در شاهجهان آباد دهلی اخلاص او در
مدت سی سال تا الیوم سررشتۀ کمال محبت و مودت را از دست نداده. سخن عنوان جوانی ا
از نظر میرزا عبدالقادر بیدل مرحوم گذرانیده. از آن زمان باج ماجه محشور در ربط است

منعم، خانخانان: نام اصلی او منعم بیگ است. پسر سلطان بیگ از توابع اکبرآباد بود. تحصیل علوم در مدرسه جناب افادت مآب ولایت دستگاه حضرت کلیم الله قدس سرهٔ نمود. بآرزوی عالمگیری رفته داخل منصب داران گردید. و ترقیات عظیم او را دست داد. در اندک مدتی مشرف توپخانهٔ بادشاهی گردید. بعد از آن بوکالت محمد معظم بهادر شاه مهین پور بادشاه مذکور سرافراز گشت. بادشاه عاقبت اندیش قدرشناس بعد دیانت خرابی محالات جاگیر و دریافت طلب نوکران او را دیوان بادشاهزادهٔ مسطور مقرر فرمود. چون رشادت بسیار داشت کار مذکور را نهایت خوب و بخوبی نیک سرانجام داد. و چون در آن وقت واقعهٔ هایلهٔ بادشاه خلد مکان محمد اورنگ زیب عالمگیر رو داد و بعد مقابله و کشته شدن محمد اعظم شاه بادشاهی بهادر شاه مقرر گشت و نظر بر حقوق خدمات، وزارت ممالک محروسه تمام هندوستان بمنعم خان رسید. و خطاب خانخانانی و منصب هفت هزاری سرافتخار بفلک وقار رسانید. القصه منعم خان مرید شیخ محمدی علیه الرحمة بغایت الغایت محو تصوف بود، چنانکه چندین رساله درین تصنیف کرده. شعر را هم خوب میگفت. از وست:

رفت مجنون و خرابست بیابان جنون گرد باد دگر از خاک خود ایجاد کنم

مظهر، مرزا جانجانان: آنچه از زبانش مسموع است آنست که نام اصلی جانِ جان است چه والدش محمد جان نام داشت نظر بر آن جانِ جان موسوم گردانیده و حالا به جان جانان شهرت گرفته. از عنفوان که والدم حوش ودیعت حیات سپرده بفقر و فنا مشغول است چنانچه در خدمت بزرگی از سلسلهٔ نقشبندی داخل طریقه گشته. بعد از آن کسب فضایل صوری و معنوی نموده تا الحال که عمرش بپنجاه رسیده همیشه در استحکام مراتب صوفی گری ساعیست. با اینهمه از سوز عشق ظاهری گاهی خالی نبوده، با وجود تقیید مذهب کمال توسع مشرب دارند و در دقت فهم و ذکای طبع یکتای لیل و نهار بلکه بیمثل روزگار است. جلدت طبیعت و جودت قریحه بمرتبه دارد که بمصداق این مصرع است:

که سخن نگفته باشی بسخن رسیده باشی

از ابتدای نومشقی با فقیر کمال اخلاص دار تباط دارند. پیشتر گاه گاهی ریخته که شعر آمیخته هندوی و فارسی است بطریقهٔ خاصه میگفت. حالا خلاف زی خود دانسته ترک نموده. بعضی از تلامذه خود را تربیت بسیار کرده حتی که بعضی میگویند خود گفته داد. والله اعلم. هرچند شعر دون دون مرتبه اوست در ینجا انتخاب اشعارش نوشته میشود.[1]

۱- قریب چهل و پنج ابیات

که ابیات مغلقهٔ این هرزه‌بیانان که فهمیده نمیشود، از قصور ذهن ماست والّا اینهمه خوب از کجا
و این معنی بر صاحب فکر دقیق روشن است.

منیر لاهوری، مولانا ابوالبرکات: خیلی شاعر زبردست صاحب تلاش دقیقه بود. شهرت دیباچهٔ کلیات او در امیرزا جلالای طباطبا نوشته. و در تعریف و توصیف او کافیست. مثنویات متعدده دارد. یکی از آن مسمّی است به "چار گوهر" مشتمل بر چار مثنوی که نام علیحده دارد: "آب و رنگ" در تعریف باغات اکبرآباد آگره، دوم "ساز و برگ" در برگ تنبول وغیره، اشیای مخصوصهٔ هند؛ سوم "نور و صفا" در توصیف حوض آب و مسجد موز نموده. چهارم "درد و الم" که در بیان عشق است. و نیز مثنوی دارد در تعریف گلهای ... و جوان از عالم رفته. با اینهمه میگوید که اشعار من قریب صد هزار بیت است. منشی سیف خان بود. هر قسم سخن دارد. مثل او بعض شعر بعد فیضی بهندوستان بهم نرسیده. و در فن انشا امیر خسرو است. رساله دارد مسمّی به "کارنامه" مشتمل اعتراضات بر چار شاعر که یکی از آن ... دوم عرفی، سیوم طالب آملی، چهارم ظهوری است. و فقیر آرزو جواب اکثر آن نوشته مسمّی "سراج منیر". بهرحال از مسلم الثبوتان اهل کمال هند و ایران است. اینقدر هست که طبع بسبب ابهام و تشبیه ذائقهٔ نمک استعاره ندارد. با آنکه مکرر مرتکب این معنی گردیده. ازوست:

دنیا خوابی و زندگانی دردی — خوابیست که در خواب به بینی آنرا

مشتاق، محمد رضا: از آدمی‌زادگان کشمیر. مدارش به کتابت میگذشت. ... خانه بسیار رفته‌نشسته داشته. و اوضاع خیلی شایسته. ظاهراً او اواسط سلطنت فردوس آرامگاه محمد شاه بفردوس اعلیٰ خرامیده. قصاید بسیار در مدح حضرات ائمهٔ هدیٰ گفته. طرز شعرش اکثر بطور اسیر است. و پارهٔ تتبع میرزا صایب و میر معز فطرت و شاه ناصر علی دارد. بعد از حاجی اسلم سالم، خوش‌زبانی دیگری از کشمیر برنخاسته. منتخب دیوان او اینست:

در کف دهر چو تیغیم بدست نامرد — حیف صد حیف که نشناخت کسی جوهر ما
صد قافلهٔ غم گذشت مشتاق — گردی ننشست بر دل ما

در حقیقت ما که مسجود ملایک بوده ایم — کی سر تسلیم را خاک ره کوشش کنیم

در هنگامیکه از فتنهٔ افاغنه جلای وطن شده گفته :

ما دل افسرده بحسرت ز صفاهان رفتیم — چون جرس با دل پر شیون از افغان رفتیم
حرف تکلیف توقع ز کسی نشنیدیم — تند چون سیل ازین منزل ویران رفتیم

رباعی

شاهی که در مدینهٔ علم خداست — سنجیدن شأنش بسلیمان بجاست
بخشیدن خاتم بگدا همت اوست — بنگر که تفاوت از کجا تا بکجاست

ناجی، آقا محمد حسین : برادر محمد اسمعیل عاقل و والد آقا ابراهیم فیضان که احوالش گذشت. خطوط را بسیار خوب مینوشت. و از علوم ظاهری بهرهٔ وافی داشت. در عهد عالمگیری بتقریب تولیت مزار فایض البرکات قطب الاقطاب خواجه قطب الدین بختیار کاکی قدس سره از دکن بدهلی آمده روزگار میگذرانید. مرزا سرخوش با او خیلی مربوط و محشور بود چنانکه در اوایل سلطنت محمد فرخ سیر بادشاه شهید که فقیر آرزو از شاهجهان آباد دهلی آمده، با مرزا سرخوش ملاقات نموده چند شعری از خود خوانده بود مرزا بغایت محظوظ شده همان روز باصباح پیش محمد حسین خان ناجی رفته ظاهر کرد که جوانی گوالیاری بشاهجهان آباد آمده حالا گشته که چنین شعر میگوید. بعد خیلی تعریف عاجز فرمود. خان معزی الیه را بسیار مشتاق ساخت - بعد از چندی که باز بخدمت مرزا سرخوش رسیدم مرا بزد پیش خان مسطور برده. همان روز فیضان پسرش را دیدم که پیش پدر پا دراز کرده نشسته بود. از طور کیفیت و گویش دریافت شد که خیلی برخود چیده است و آن برچیدگی برخود آخر مبارک نشد و جوان از عالم رفت. الحاصل در ان ایام خان مسطور را دیوانی گوالیار و فقیر را خدمت سایر آنجا مقرر شد، بدین تقریب چند سال هم صحبتها اتفاق میافتاد. بسیار عزیز کسی بود، خدایش بیامرزاد. از وست :

در محنت بیخودی گشت گریبان گیرم — تا برم نامهٔ او پیرهن از یادم رفت

کند مستی بجلوهٔ دل برق آب کن — ازین نبرد نیامده پا در رکاب کن

دیدی آخر حال باغ ای بیمروت باغبان ... رخصت سیر چمن کردن نمیدادی مرا

در اصل شعر سیر چمن دیدن مناسب است، سیر چمن کردن نیست ـ

میتوان انصاف کرد آخر که او ل حق کیست ... در هلاک کوهکن پرویز بی تقصیر بود

لیکن این شعر خالی از ضعف لفظی و معنوی نیست ، فتأمل ـ

متین ، شیخ عبدالرضا : گمان دارم که اصلش عرب است ـ فقیر را بارها اتفاق صحبت و ملاقات او افتاده ـ دردمند شکسته دل بحال خودی بنظر آمده او ا عهد فردوس آرامگاه محمد شاه بادشاه در شاهجهان آباد درزی ارباب روزگار بود بعد از آن به لکهنو پیش امارت مرتبت برهان الملک سعادت خان رفته ـ گویند آنجا ترک لباس دنیوی نموده و او برای او وظیفه مقرر نموده و تا حال در قید حیات است منفعلا منفعلات او الحال اطلاع نیست ایامی که در دهلی بود میر محمد افضل ثابت را با وجود کمال ضیاء ناخوشی با او میان آمده خطا برای شاگردی میر ابراهیم تخلص بود میر درین باب قصیده گفته که در کلیاتش مسطور است ـ بهر حال شیخ بسیار خوش صحبت و بامشرب سی بود و کاری بکار کس نداشت و با موافق و مخالف گرم میجوشید از وست :

جز حدیث عشق هرگز نیست در دیوان ما ... سورهٔ یوسف بود هر آیت قرآن ما

(ن)

ندیم ، مرزا زکی : از امرا بلکه از وزرای نادر شاهی است ـ همراه او در ایام تسخیر هندوستان بدین ملک گردیده با خان مغفرت نشان قزلباش خان امید خلی ربط و اخلاص داشت دیوان خود را تحت رفتن ایران داده رفته ـ چنین مسموع شده که درین ایام از نادر شاه رخصت زیارت معظم گرفته خانهٔ آخرت خود آباد نموده ـ اکثر اشعار در ایام تصرف و تغلب افاغنه که بر ملک ان مسلط شده بودند گفته چنانکه گوید :

ای لشکر ارواح بزرگان عرب ها ... مغلوب مخالف مپسندید عجم را
مرید حضرت آخوند ملا مجلسی گشتم ... ندارم رغبتی دیگر بمجلس چیدن مینا
خط آمد و کیفیت رخسار تو کم شد ... تعلیقهٔ معزولی ناز تو رقم شد

نسیم، سید غلام نبی: از سادات صحیح النسب است. از فرزندان غوث الاسلام محی الدین عبدالقادر گیلانی است. از مدتی وطن اسلافش قصبهٔ امروهه است که شرقی رویه چهار منزل از شاهجهان آباد دهلی است. آنطرف دریای گنگ. از مدتی و چندسال با فقیر ربط اخلاص دارد. از چند سال بخدا آباد که وطن خدایار خان عباسی است رفته و گویا توطن اختیار نموده و از آشنایان و خویشان هندوستان دلش گرفته ولی هیچ نرنجیده. بهرحال وقت طبعی داشت و خیلی ظریف و شوخ طبیعت. بسبب سودای مراقی که دارد، اورا دماغ سخن گفتن نیست

این اشعار از وست:

پهلوتهی ز خویش نظامی که کرده شیخ　　در پرده چون هلال تمام از خودی پراست

هرجای خویش شغل بود صاحب آبرو　　تا هست در دهان تو دندان پر آبروست

رباعی

هر شک ببوی تو بگلزار دود　　هر نالهٔ شوق من بکهسار دود

سوی تو بپای مژه چشم نگاه　　مانندهٔ عنکبوت بر تار دود

نکهت، یوسف: نکهت تخلص دو کس گذشته اند. یکی از آنان عبدالله نام داشت که میرزا صایب اشعار او را در بیاض خود نوشته. دوم یوسف نام داشت که در عهد محمد شاهی مخاطب به سخنور خان شده بود و هم در عهد مذکور اکثر اوقات در خدمت اعتماد الدوله قمرالدین خان بهادر مرحوم بسر کرده. و در وقت عالمگیر بادشاه با امیر الامرا ذوالفقار خان میبود. قصاید بسیار در مدح امرا گفته. خیلی شوخ طبع گرم خون بود. عزیزان تهمت دزدی معانی بر او بستند. گفتم که این مقتضای اسم یوسف است علیه السلام. لهذا او را نیز تهمت گرگ بسته اند. بهرحال عزیزی کسی بود. با فقیر آشنا بود. چهارده پانزده سال پیشتر برحمت حق پیوسته. چون اشعار او رواج نداشت و مردم کمتر میخوانند، این وقت یاد نیست که نوشته آید. اگر بهم میرسد نوشته خواهد شد ان شاء الله تعالی. شعر عبدالله نکهت اینست:

پس از گل میرود بلبل ز گلشن جای آن دارد　　بآن چشمی که گل دیده است نتوان خزان دیدن

رباعی

خوش باش بناکامی و مقصد مطلب بگذر ز مطالب دولت سرمد مطلب

از صورت این لفظ بمعنی پی بر یعنی مطلب هر آنچه باشد مطلب

ندرت، عطاء اللہ کشمیری: نقی اوحدی گوید که رضوی تخلص میکرد۔ بیشتر با مرزا غازی وقاری میبود بعد از ان بآگره آمد۔ فقیر آرزو گوید که این سهواست چه درین صورت دریاب راپایه درین ایام نیز عطاء اللہ کشمیری نیست لیکن او ندرت تخلص میکند شعری میگوید۔ کتاب سراج اللغه و چراغ هدایت فقیر آرزو را بتمامه داخل کتاب لغتی که مینویسد نموده و علاوه آن بهار عجم که از مؤلفات عزیزی از یاران فقیر آرزوست، نیز داخل کتاب خود نموده و اعتراضات بارده غیر وارده کرده و در اظهار علم آنقدر رغبت دارد که بمد بروی اعزه امیرزاده را که درس میگوید حرف نمیزند تا مبادا دیگری مستفید شود۔ خدا ایشان را بیامرزاد و همچنین اشعار خود را بکسی نمیدهد گویا بانتایج طبعش لبس افگنده گریه است که بچه خود پنهان میدارد۔ درین صورت این قطعه در باب مناسب احوال اوست:

چند گویی شعر پنهان داریش از دیگران نیست این معنی اگرچه شیوه اهل کمال

گوش کردی ظاهرا از صاحبان بکر فکر آنچه میگویند بعضی شعر را اخیص الرجال

ملا کسی نداشته شانش را تحسین نتوان طبع سخندانش را

بر جسته زبسکه بود مصرعهایش جستیم و نیافتیم دیوانش را

اگرچه مذمت شیوه فقیر آرزو نیست اما چون بهیچ بادیه وادی کشمیر مذکور شده ناچار چند حرف نوشته۔ هر چند کشمیری گفتن در حق او کافیست احتیاج آنهمه پرده دری نبود۔

نعمت، نعمت خان: زبده خانواده میر میرانیه و قدوه سلسله علیه نوح اللہ خانیه است چنانکه آبای ایشان را صلتی با سلسله صفویه بود همچنین ایشان و پدر ایشان را با خاندان چغتیه تموریه سیادت و نقابت بادیت و حسن اخلاق هندوستان باکثرت اتفاق جمع نموده صلاح و سداد وافی داشته و با اینهمه صحبت دوست بود شانزده سال بیش الذین برحمت حق پیوست، ازوست:

روز حشر آزادیم از آتش دوزخ بجاست برخط پیشانی من مهر خاک کربلاست

و باعتقاد آنعزیز شعر شاعر نزد او بی معنی نمیباشد. مقرر فرموده اگر احیاناً معنی بعضی از ابیات او از و پرسیده میشد، آنقدر نازک میبست که بعد تقریر هم خوب دریافت نمیگردید. بهر حال بسیار عزیز و برنگ کسی بود مطلق سر پرخاش نداشت. بعضی از شوخ طبعان شعر آورده او بروی او بی معنی میگفتند، و او مشغول بجواب نمیشد. در سنهٔ یکهزار و یکصد و پنجاه و نه هجری بامت برحمت ایزدی پیوست. دیوان مختصری که عشر عشیر کلیات او هم نیست، بدست آمده،

نزهت دامغانی : دامغان ولایتی است از خراسان. فکرش خالی از لطفی نیست. مخفی نماند که نزهت تخلص دیگر بود از کشامره شاگرد عبدالغنی بیگ قبول. بسیار گرم جوش، زبان آور خوش... سال پیش ازین رخت بعالم باقی بسته. شعر هموار میگفت، تا این وقت بدست نیامده.

(و)

واضح ، مرزا مبارک الله : مخاطب بارادت خان، از امرا زادگان قدیم هندوستان است جدش نیز ارادت خان خطاب داشت، و از امرای کلان جهانگیری است. و واضح نبیرهٔ زادهٔ مرزا جعفر قزوینی ملقب بآصف خان است که نام نامی او میر سنجر است. و او از سلسلهٔ نقشبندیه و دختر مذکور در حبالهٔ نکاح ارادت خان مزبور بود. ازینجهت بعلم معرفت و تصوف بسیار اشتغال داشت. و خیلی تحقیق آن ورزیده آخر صحبتش با منعم خان خانخانان که وزیر صاحب اقتدار بهادر شاه بادشاه بود، ازجهت آشنائی قدیم عصر عالمگیری و مناسبت علم تصوف که وزیر مذکور را بآن کمال مناسبت بود، برآمد گشت. و طرز خیال که طریقهٔ متاخرانست منظور کلی او بود. و با آنها مشل که طرز میرزا صائب است بسیار ناخوشی داشت. با وجود اکتساب فضایل خیلی پیش خود برپا میبود. و در مقابل کمالات خویش خصوصاً شعر و تصوف هیچکس را وجود نمیگذاشت. کلیاتی دارد ضخیم مشتمل بر غزلها و قصاید و رباعیات و مثنویات. اراده داشت که جواب خمسه بگوید. چند مثنوی شروع کرده. اما میسرش نیامد. لیکن مثنوی "آئینهٔ راز" که در بحر یوسف زلیخا باتمام رسانیده خیلی بقدرت گفته. اما بهمان طرز خیال که دور از فهم سلیم است. قصیده در جواب قصیدهٔ میرزا معز موسوی که شمس المناقب نام است و خیلی بزور گفته و بملک المعانی [illegible] نموده، مطلع آن قصیده اینست :

کی گره بود از هویت متناسستر نیم مدار ... زنجبی فلک گسلاند اگر مهار

نسبتی، (مولانا): از قصبهٔ تهانیسر است که معبد عمدهٔ هندوان، که ده منزلی طرف لاهور است از دارالخلافه شاهجهان آباد دهلی. برادرزادهٔ او که غیرت تخلص میکرد، با فقیر آشنا بود، میگفت که مولانا از سادات است و پدرش از ولایت آمده در قصبهٔ مذکور توطن اختیار نموده. بالجمله دیوان او را تمام مطالعه کردم. قریب پانزده شانزده هزار بیت خواهد بود، خیلی بدرد و مزه حرف میزند. محمد صالح کنبوه در عمل صالح که نام شاهجهان نامه اوست، می‌نویسد که با ملا نسبتی اتفاق ملاقات افتاده در بیرون قصبهٔ مسطور تکیه‌ای بنا رفته و نشسته داشت. و هرگاه شعر میخواند، آب در چشم میگرداند. بهرحال فقیر آرزو خیلی معتقد سخن وی است و اعتقاد دارد که در کلام دیگری اینقدر سخن درد نباشد و تلاش معنیهای تازه دارد که پسند متاخرین هم بود و آنچه صاحب کلمات الشعرا نوشته که شعر بطرز قدما میگوید، اصلی ندارد. بیست سال پیش ازین دیوانش را ورق ورق گشتم. سی صد بیت تخمیناً انتخاب زده بر کاغذی نوشته بودم. شاه مبارک آبرو تخلص که همقرابت و هم شاگرد فقیر آرزو بود، و در فن ریخته گویی استاد بی مثل است، از من برده بود. بسبب وفات آن مرحوم آن پارهٔ کاغذ بمن نرسید. بسیار تاسف دست میداد. اتفاقاً بعد پانزده سال بسعی شیخ مبارک محی الدین که خمیرمایهٔ نوشتن این تذکره اوست همان منتخب بدست آمده و از اینجا اشعارش نوشته شد. راستی آنکه طرز و طور نسبتی تازه نیست. سابق استادان دیگر نیز داشته اند، لیکن اینقدر اشعار ما هیچکس ندارد. از وست:

خاموش میشوم که بپرسد ترا چه شد
شاید خموشیم سبب گفتگو شود

نثار، میرزا لطف الله (نصرت الله خان): یکی از اجدادش از ایران بهند آمده. او خود را از شاگردان عبداللطیف خان تنها که همشیره‌زاده و شاگرد میرزا جلال شهرستانی است، میگرفت. اغلب که باشد چرا که طرز سخن و ترکیب الفاظ هر دو عزیز بسیار ماناست. بهرطور ملازم سلطان رفیع الشان بهادر پسر سیومی بهادرشاه بادشاه مغفور بود. بعد از کشته شدن او در عهد بادشاه شهید مرحوم محمد فرخ سیر داخل جرگهٔ ملازمان بادشاهی شد. و چون نادرشاه بعد غارت هندوستان بایران مراجعت نمود، بدستگیری نواب مغفرت مآب مؤتمن الدوله محمد اسحق خان بهادر مرحوم بخدمت داروغگی قورخانه سرفرازی یافته. دیوانی ضخیم دارد. بعضی گویند قریب صد هزار بیت است. چون خیلی طبیعت روان داشت، بعید نیست که باشد. چون چاشنی کلام او تند تر از شعر میرزا اسیر است، اکثر ابیات او فهمیده نمیشود.

ولد مولوی عبدالحکیم سیالکوتی که از فحول علماء بود، مسلمان گشته، باخلاص کیش موسوم گردیده. والد خویش [illegible]
در عهد بهادرشاه بادشاه مرتبه‌ای هیچ فرونیامد با امرای آن وقت معظم خان خانان وزیر و دیگر امرا همسادات
میزد. بسبب نفس فروتنی نکشید. تا آنکه نوبت سلطنت بادشاه شهید محمد فرخ سیر رسید. پس صحبتش با سید
عبدالله خان و سید حسین علی خان که یکی وزیر اعظم و دویم میر بخشی و امیر الامراء بود، بجدی برابر شد که او دو را
مرشدی میپرسیدند. بعد از قتل این دو برادر در عهد فردوس آرامگاه برحمت حق پیوست. فقیر آرزو چند جا
او را نظر بر آشنائی والد مرحوم دیده. بسیار بر خود چیده مردی بنظر آمده. انصاف آنست که خود
بسیار قابل و قابل دوست بود و در نثر ید بیضا داشت، چنانکه درین فن او را صاحب طرز توان گفت
از رقعاتش واضح میگردد. اوایل جوانی فکر شعر هم میکرد. اواخر مطلقاً نمیگفت:

وجدان، میر محمد معصوم : مخاطب بعالی نسب میر محمد معصوم خان پسر میر محمد زمان
راسخ که سابق اصل و نسب او نوشته آمد. مدت مدید رفیق نواب سیف الدوله عبدالصمد خان بهادر صاحب
لاهور و ملتان بود. و بعد از فوت او بزکریا خان بهادر پسر خان مذکور در آنجا می بود. با دستی داشت که
هرچه بدستش میآمد، در اندک مدتی صرف مینمود. ازین وجه اکثر قرضدار میبود. سیف الدوله مرحوم سوای
ماوجب و در ماهه رعایتهای دیگر نیز مینمود. بهر حال چند سال پیش ازین برحمت حق پیوست. پسرش
میگویند در شاهجهان آباد است و سند تخلص میکند. لیکن پریشان احوال است. بهر حال میر وجدان خالی
از تلاش نیست. شاه آفرین و میر محمد علی راسخ همطرح بود.

واقف، نور العین : از شرفای پنجاب است. پدر یا جدش قاضی بتاله بود. و بتاله
قصبه‌ایست از مضافات لاهور. از علوم بهره دارد، و تتبع بسیار نموده. شعر را خوب میگوید. پیش ازین
حرفت محمد علی تجرد اخلاص غایبانه با فقیر آرزو بهم رسانیده و مکرر درخواست اصلاح اشعار خود نموده، و
لکن این عاصی ناقص را از تربیت خود فرصت نیست و خود دعوی استادی ندارد، چند بار ابا نمود لیکن
بسبب آنکه آمد و رفت بسیار بجد شد، یکمرتبه هرچه هرجا بخاطر رسیده نوشته بهم رسیده که اگر چندی دیگر
همین وضع مشق بر خود روا دارد گمان دارم که بپایهٔ اعلی رسد. چون در گوشهٔ ملک واقع شده و بقول
دش در تمام عمر صحبت به از خودی را ادراک نکرده آنچه میگوید از مغتنمات است. پس اگر اتفاق صحبت
[illegible] دست میدهد ترقیات نمایان خواهد نمود. الغرض غنیمت کسی است خدایش سلامت

ونیز کتابی دارد مسمّی به "کلمات طیبات" که شرح رباعیات خودش است، بسیار دقیق و مملو فواید۔ وازانجا دریافت میشود که صاحب مذهب است وبا هر یکس نمیدهد۔ بهر حال در اهل کمال بودن او شکی نیست۔ اینقدر هست که در ترکیبات فارسیه، تصرفات نمایان داشت۔ ودعویش این بود که اهل زبان وقادر سخن، هر چه ما میگوییم، برای دیگران سند است، نه قول دیگران برای ما۔ وبلند خیالی برتبه رسیده که بسیار اشعارش فهمیده نمیشود۔ چنانکه درین باب خود گفته:

فهمیدن شعر ما کمال است   همچشمی ما کرا مجال است

در عهد محمد فرخ سیر بادشاه شهید مرحوم برحمت حق پیوسته۔ درینولا انتخاب دیوانش نوشته میشود۔ میر دیوان این بیت است که به آب زر نوشته: خیال حرف کمال است کز کلام خدا   شدش ز آیهٔ فاتو بسورة طغرا

مخفی نماند که امادت خان واضح هر چند رباعیات بسیار دارد واکثر مطالب تصوف در آن مندرج ونثری نوشته که شرح رباعیات مذکور است۔

این قطعه از مثنوی اوست که مسمّی است به "مرآت دیدار" که بسیار بطور گفته لهذا درینجا ثبت شد

صبحدمی بتکده یافتم   رشتهٔ زنار نگه یافتم

وفا، میرزا شرف الدین علی قمی: مشهور به اقاسی بیگ۔ از بزرگ زادگان ایرانست انطرف پدر بمرزا هاشم حسینی مشهور واز طرف والده بمولانا عبد الرزاق فیاض لاهیجی میرسد۔ وشرافت از جانبین باو رسیده۔ شعر ارثی اوست۔ در سنه ۱۱۶۲ هجری وارد هندوستان گردیده۔ در خانهٔ عالیجا و شفقت دستگاه علی قلی خان داغستانی واله تخلص که امروز ملجی ومآب ایران هندوستان است۔ این بزرگ زاده میسر میآمد۔ منبع اخلاق پسندیده وجامع اوصاف حمیده است۔ در وسعت مشرب باوجود تقید مذهب در کمال شرم وانزمت است۔ بغیر آنکه یک گوشهٔ چشم لطفی دارد وازبالقوه اش دریافت میشد که اگر چندگاه مشق شعر میکند، بوالا پایهٔ کمال استادی میرسد۔ هر چند الحال هم کم از بالفعل دیگران نیست۔

وامق، اخلاص خان: اصلش کهتری است که قومیت از شرفای هنود ووطنش قصبهٔ کلانور۔ چون صحبت بزرگان وصفای ذهن خودش دین اسلام پسند او آمده مشرف بایمان گردید وتمام عمر در اکتساب فضایل وصحبت فضلا واهل کمال بسر کرده۔ اوایل در عهد عالمگیری که بخدمت وقایع نگاری

خلاصهٔ کلام چون در عشق که مبدأ معرفت و لب لباب دنیا و آخرت است مستهلک و منهمک است، تمام دیوانش از دقایق عشق و اسرار عرفان مملو است. در آشنا دوستی و جانبداری اخلاص یکه روزگار است و در میدان شجاعت و دلاوری بی‌همتا شهسوار. با وجود آنکه با فقیر آرزو چندان اخلاص ندارد. درین بیکسی ها که هجوم آورده آنقدر عطوفت فرموده که از حیز تقریر و تحریر بیرون است. اشعارش با کمال سلاست و بلاغت اکثر تتبع با بافغانی است، بلکه اگر بچشم دقت نظر کرده آید چاشنی که در کلام اوست، در شعر بابافغانی سبزیها که اینهمه مقدمات تصوف با او راکم دست داده، چنانکه آگاه را بعد مطالعه کلیاتش ظاهر میگردد. تذکرهٔ شعرای متقدم و متاخر نیز نوشته قریب بچهل هزار بیت نهایت مضبوط و مربوط. و فقیر آرزو را بعد نوشتن این نسخه تذکرهٔ مذکور بنظر آمد والا اینهمه درد سر نمیکشید. لیکن واقعی اینست که از وواق مختلف است. بهرحال آنچه از کلیات والد مسطور قلمی میگردد:

بیا نا بدغدار اترک افیون کن شراب آمد ــــ تیمم گشت باطل جانمن اکنون که آب آمد

فقیر آرزو پانزده سال تخمیناً پیش ازین این معنی چنین بسته:

برفت زاهد خشک تا شراب آمد ــــ تیمم از چه نخیزد ز جا که آب آمد

این ابیات که پسند بنده شده بود والد مسطور بدست خود نوشته داده:

دل فراموش کرده ام پیشش ــــ باز کردم بهانهٔ دارم

جان و دل صبر از تو ام نیست دریغ ــــ غیر از غم خویش هر چه خواهی بردار

(۵)

همت، محمد عاشق: همت شاگرد شاه نام علی است و متتبع طرز او، در خدمت همت خان بهادر پسر خانجهان بهادر کوکلتاش عالمگیری که راس و رئیس امرای آن عصر بود، بسر کرده. باتفاق بزنی که منو نام داشت عاشق میشود و قصیده در ردیف منو میگوید و این بیت از آن قصیده است:

ز همت خان بهادر اینقدر چشم طمع دارم ــــ رساند دست کوتاه مرا تا دامن منو

خان بخود شنیدن این بسیار آزرده میشود که ما را بیانجیو قرار داده. الغرض خیلی خوش فکر است که در اله آباد و محمد آباد بنارس توطن اختیار کرده بهمانجا فوت شده. از وست:

جلد دوم - الدوست :

در غم هجر تو صد زخم ملامت دارم — کس نیاید بسرم بیتو که خمشیر نشد

واله، علی قلی خان بهادر: از اولاد حضرت عباس عم پیغمبر است. پدر سلطان چنگیز یکی از اجدادش بداغستان وارد میشد. مردم آنجا که الحال تمام خوانین اند، او را اجداد خود برگرفتند، تا آنکه دولت سلطنت بسلاطین صفویه رسید. و چون داغستان سرحدی ایران در میان پادشاهان ایران و داغستان همیشه نزاع بود. پس ناچار یکی از سلاطین صفویه به یکی داغستان پیغام کرد که فرزندی را از خود بفرستند تا او را بسزا تربیت کرده آید. لهذا یکی از خان مذکور بایران آمده بوالا پایهٔ امارت رسید. و داغستان چنان ملکی است قهرمان ایران با آنکه بر تمام مملکت ایران و توران و اکثر از روم را بیک عنان گردش بخاک سیه برابر کرد. سیاق سال خوب از عهده داغستان بر نیامد. الحاصل خان مذکور از یک نادهای ایران است فتح علی خان در عهد شاه سلطان حسین میرزای صفوی اعتماد الدوله وزیر الممالک کل ایران و والد او بیگلربیگی که ایروان که سرحد روم است، بودند. بعد معزول نمودن و قید کردن این دو شخص مملکت فتنه و آشوب گشت، تا رسید کارش بجای که رسید. و خان مذکور بعد فوت پدر طفل بود که در مکتب خدیجه سلطان عمو زادهٔ خود درس میخواند. پس مانند لیلی و مجنون تعاشق بهم رسید. و چون بعنوان رسم در ایام تغلب و تصرف افاغنه بر ایران بسبب تعرض بعضی موانع مواصلت دست بهم نداد، و از آن ملک بهندوستان آمده داخل جرگهٔ امرا شد. هر چند از علوم ظاهر بهرهٔ وافی ندارد اما از صفای ذهن و تتبع کتب از اکثر مطالب آگاهی دارد و بیشتر مقدمات مستحضر اوست. علی الخصوص که از برکات تصفیه و تفحص اولیا بتوحید حقیقی پی برده و عالم را حقیقت واحد شمرده. در مقدمهٔ صحابه "تلک اُمةٌ قَد خَلَت لَهَا مَا کَسَبَت وَلَکُم مَا کَسَبتُم وَلَا تُسئَلُونَ عَمَّا کَانُوا یَعمَلُون" گویا دست از تعصب و تعنت شیعه و سنی برداشته، بزرگان هر دو طریق را ببزرگی و خوبی یاد کرده میکند. از طعن و تشنیع که شیوهٔ قشریان بیهوده گوست، مدام برحذر میباشد. مناسب احوال اوست این قطعه

دیدم ز نزاع سنی و شیعه تعب — کاموخته اند کیش جهل از ام و اب

هر جا که خریست گفتنش شیعه بود — هر جا که سگیست سنیش هست لقب

اشاریہ : شعرا

(الف ممدودہ)

آثم، ۱۸
آرزو، ۳
آزاد (سید غلام علی)، ۱۵
آزاد (محمد مقیم)، ۲۱
آصف، ۲۴
آفریں، ۱۵

(الف)

اثر، ۱۳
اسنی، ۲۱
احمد، ۲۰
ارجمند، ۱۴
اسحٰق، ۱۹
اشرف، ۲۲
اظہری، ۲۱
اقدس، ۱۳
امید، ۱۶
ایجاد، ۱۴

(ب)

باذل، ۲۵
بیخود، ۳۱
بیدل، ۲۵
بینش، ۳۰

(پ)

پیام، ۳۲

(ت)

تجرید، ۳۷
تجلی، ۳۳
تراب، ۳۵
تسلیم، ۳۳
تنہا، ۳۳
توفیق، ۳۶

(ث)

ثابت، ۳۶
ثبات، ۳۷

(ج)

جعفر، ۳۸
جودت، ۴۰
جویا، ۳۸

(ح)

حاکم، ۴۲
حجت، ۴۲
حزیں، ۴۰
حسامی، ۴۰
حشمت، ۴۳
حضوری، ۴۳

(خ)

خادم، ۴۶
خالص، ۴۴
خلیل، ۴۶
خوشگو، ۴۵

(د)

دانا، ۴۷

زبان گفت و گو بربسته خاموشی بود اینجا — تپیدنهای دل با یاد سرگوشی بود اینجا
ز وصل و هجر از خود رفتگان او چه میپرسی — تهی از خویش گردیدن هم آغوشی بود اینجا

(ی)

یکتا، محمد اشرف: از سکنهٔ کشمیر بود. شعر را خوب میگفت. تا عهد فردوس آرامگاه محمد شاه زنده بود. از وست:-

کی ترک سجدهٔ تو بتِ دلربا کنم — کاری که کافری نکند من چرا کنم
تجلی جلوه از وسعت رخت کردم قسم هارا — تراشیدم به تیغ کوه طور امشب قلمها را
گر دید سبز چون نی نرگس درین چمن — از زهر چشم او قلم استخوان مرا
کلک کاتب تن بمو چون کلک صورت گر نداد — صاحب معنی نپوشد خرقهٔ پشمینه را
نالد از بخت سیه هر که ز اهل رقم است — حجت ناطق این حرف صریر قلم است
دل خندشگفته همچو دل زعفران مرا — جانب میخانه ها پیوسته باشد رو مرا

قاضی عبدالودود (پٹنہ)

دیوان حسن بیگ شاملو گرامی

(۱) در تذکرهٔ تقی اوحدی که از جملهٔ تصانیف عهد جهانگیر است (در نسخهٔ کتابخانهٔ خدابخش پتنه)، پس از ذکر احوال گرامی تبریزی، فقرهٔ زیر وجود دارد که با ما بستگی ندارد: "و حسن بیگ گرامی هم هست" در این نسخه راجع بگرامی مؤخر الذکر اطلاعی بیش ازین فراهم نشده و هم اشعارش در آن یافته نمی شوند. درباره گرامی متقدم الذکر، تقی اوحدی می نویسد که پس از ورود به هندوی (با ایران) بازگشت و اشعاری که در سال ۱۰۲۳ هجری سروده است مربوط به جهانگیر هستند.

(۲) در بیضا مصنفهٔ آزاد بلگرامی (نسخهٔ کتابخانهٔ خدابخش) نوشته شده: "گرامی حسن بیگ... بعهد شاهجهان... در بنگاله مشرف نوارهٔ دریا بود"

(۳) در ریاض الشعرا مصنفهٔ والهٔ داغستانی (نسخهٔ کتابخانهٔ خدابخش) بقرار ذیل است: "گرامی حسن بیگ در سلسلهٔ شاملو، در سخنوری ماهر بوده، در هندوستان بخدمت جهانگیر پادشاه بسر برده است. مدتی در عهد شاهجهان پادشاه بخشی گجرات بوده"

اینکه وی در خدمت جهانگیر پادشاه بوده، در بخشیگری گجرات ممتاز بوده، اند دیوان گرامی (نسخهٔ کتابخانهٔ خدابخش) محقق نمی شود و اشعار گرامی که در ریاض الشعرا وجود دارند باستثنای چندی از آنها در دیوان یافته می شوند.

(۴) در مخزن الغرایب مصنفهٔ احمد علی هاشمی (کتابخانهٔ خدابخش) بدین قرار است: "حسن بیگ گرامی.. شاملو... در عهد جهانگیر صاحب منصبات پادشاهی بوده"

(۵) در نشتر عشق مصنفهٔ حسین قلی خان عاشق (نسخهٔ کتابخانهٔ خدابخش) بدین طور است:

"...نکو ادا بود و البیان سخن خوب تر می رسید... بعهد شاهجهان وارد هند شد و بشرف ملازمت سلطانی رسید"

درد ، ۴۶
دستور، ۴۷
(ر)
رازی، ۴۹
راسخ ، ۴۷
راضی ، ۵۳
رافع ، ۴۷
رائج ، ۴۸
رسا، ۵۰
رضوان، ۵۱
(س)
سابق ، ۵۳
ساطع ، ۵۷
سالم ، ۵۴
سامی ، ۵۷
سخا ، ۵۶
سخن ، ۵۷
سرخوش، ۵۴
(ش)
شہرت ، ۵۸
شہود ، ۵۹
(ص)
صوفی ، ۵۹
(ض)
ضمیر، ۶۰
(ط)
طالع ، ۶۰

(ع)
عاقل ، ۶۴
عالی ، ۶۲
عبدالجلیل ، ۶۷
عرشی ، ۶۵
عزت ، ۶۶
عشرت ، ۶۷
علوی ، ۶۱
علی (عظیم میاں)، ۶۱
علی (ناصر علی)، ۶۳
عندلیب، ۶۰
(غ)
غنیمت ، ۶۷
(ف)
فطرت ، ۶۸
فقیر ، ۶۸
فکرت ، ۷۰
فنا ، ۶۸
فیضان، ۶۹
(ق)
قبول ، ۷۰
(گ)
گرامی ، ۷۱
گلشن ، ۷۲
(م)
مایل ، ۷۴
متین ، ۷۸

مخلص ، ۷۴
مسیحا ، ۷۳
مشتاق ، ۷۶
مظہر ، ۷۷
معجز ، ۷۵
منعم (خانخاں)، ۷۷
منیر ، ۷۶
(ن)
ناجی، ۸۹
نثار ، ۸۲
ندرت ، ۸۰
ندیم ، ۷۸
نزہت ، ۸۳
نیتی ، ۸۲
نسیم ، ۸۱
نعمت ، ۸۰
نکہت ، ۸۱
(و)
واضح ، ۸۳
واقف ، ۸۵
والہ ، ۸۶
وامق ، ۸۴
وجدان ، ۸۵
وفا ، ۸۴
(ہ)
ہمت ، ۸۷
(ی)
یکتا ، ۸۸

بچشم می خورد- وجود ندارند درین نسخه ذکر شده چنانکه قبلاً در نکته ۳ بعضی از اشعار مذکور ۱ بسیاری از غزلیاتش مرتجاً ناتمام هستند و تا آنذرجه که ابیات مفردات بستگی دارند. چنان بنظر می رسد که اصلاً اشعار رباعیها هستند- اینهمه اورا ازین عقیده بازمی دارند که این نسخهٔ گرامی مشتمل بر جمیع اشعار اوست- بسیاری از اشعار ازین نسخه وجود ندارند که بطور قطع بی روح هستند- لذا نمی توان آنرا منتخبی از اشعار گفت- چنین حدس می شود که آنچه بدست کسی رسیده آنهمه را گرد آوری کرده فراهم بدون احتیاط- عدهٔ از اشعار در دیوان کرته آمده است، از آنجمله دو اشعار از ردیف "ما" است که در برگ ۱۰ وجود دارند- همین اشعار با پنج اشعار دیگر به تغییر ردیف "من" بجای "ما" (قوافی حال، اعمال وغیره) از برگ ۹۵ نیز موجود هستند- این نسخه عاری از غلطهای کتابت نیست و کاتب هم بد املا بوده- در برگ داشه "ترانه" را به "ط" "طرانه" نوشته است-

(۹) تعداد اوراق این نسخه بیاستی ۱۰۵ است- ۱۱ از ورق ۶۶ تا پایان نمره ها غلط نوشته شده، چنانکه بجای نمره "۶۶" "۶۹" نوشته و بجای نمره "۱۰۵" "۱۰۸" نوشته شده وقس علی هذا- ازین گفتار اشاره ها به نمره های صفحه این نسخه است-

(۱۰) تعداد اشعار بشمول مکررات ۱۴۴۳- غزلیات از ورق ۱ ب تا ۳ ، ب، اشعار ۱۴۲۵ مصرع ۲ الهی.. یا طلبها (بجوع بشمراول بذیل نکته ۲۳) اشعار ۱۰۲۵- قصیده در بشمول یک غزل ۱ ۴ ب تا ۷۶ الف، اشعار ۲۷- دو قطعات تاریخ جلوس ۷۶ الف و ۷۶ ب، اشعار ۱۰- رباعیات ۷۷ الف تا ۸۵ الف اشعار ۱۰۲- فردیات ۸۵ ب تا ۱۰۶ ب، اشعار ۱۹۱- قطعه بعنوان رباعی، ورق ۱۰۶ ب، اشعار ۲- قطعهٔ تاریخ ولادت ۱۰۶ ب، اشعار ۲- قطعه متعلق شاه شجاع ۱۰۶ ب تا ۱۰۷ الف، اشعار ۱- ترجیع دوبند ۱۰۷ ب و ۱۰۸ الف، اشعار ۱۵، بیت ترجیع:

بنشینم و با طرب کنم خو ... می نوشم و زلف او کنم بو

(۱۱) از دیوان محقق می شود که گرامی از خراسان بوده و از بعضی اشعارش بر می آید که او با سکونت در هند مطمئن نبود و خواهشمند بازگشت بوطن خودش بود:

بطوف لعد مرتشا و خراسانم رسان یا رب ... ۴۱ ... چو از خاک خراسانم مرا خاک خراسان کن

گشتم هلاک تشنه لبی در سراب هند ... ۱۷ ... آب حیات چشمهٔ حیوانم آرزوست

چندی بخشیگری گجرات، و شطری بشرف میرزمحمد بنگاله متاز مانده، در گذشت»

اما از دیوانش بر می آید که وی قبل از عهد شاهجهان پادشاه ولادت شده و دیوانش هم مشرف است که مشرف زاده بنگاله بود (رجوع شود به نکته ۲)

(۶) در فهرست نسخه های خطی فارسی کتابخانه خدابخش راجع به دیوان مزبور چنین نوشته شده :

"چنین بنظر می رسد این نسخه دیوان حسن بیگ، گرامی (بکاف عربی، و بزبان انگلیسی به حرف K) است - گرامی میر بحر بنگاله بود، علاوه بر قصیده ها قطعها یک که در آنها شاهجهان و داراشکوه را مورد ستایش و تمجید قرار داده است، قطعهایی در دیوانش وجود دارد که نمایانگر زمان حدوث واقعات هستند"

از جمله مآخذ و مراجع که فهرست نگار بدان اشاره کرده فهرست اشپرنگر است - او چه طور پی باین نکته برد که تخلص شاعر بکاف فارسی است نمی توان گفت - ازین گذشته، مشرف زاده ما میر بحر گفتن هم غلط است در دیوانش، تنها یک قصیده وجود دارد نه که قصیده ها و اشاره بدارا شکوه نکرده تا چه رسد بستائش وی -

(۷) در فهرست کتابخانه خدابخش اشاره بدو صفحات فهرست اشپرنگر کرده شده - بر صفحه ۲۸ اشپرنگر، خلاصه از تذکره همیشه بهار را تهیه کرده و در آن سخن از دو گویندگان با یک تخلص گرامی (بکاف فارسی)، گرامی پسر قبول و گرامی پسر امانت خان، بمیان آورده است - احوالشان بدست است - اما این هر دو گرامی با گرامی که حسن بیگ نام دارد تفاوت دارند - در صفحه ۴۱۲ راجع بدیوان گرامی (نسخه آسیاتک سوسایتی بنگال) بدین قرار نوشته شده ص۸۷۶، سطر ۹، مصرع ۱۶ "شست و شوی ده بخون عاشقان بیخانه را" اشپرنگر گمان است که اشعاری که در تذکره ها به گویندگان تخلص به گرامی بستگی دارند، بدین نسخه یافته نمی شوند؛ وی نتوانست تشخیص دهد که بکدام گرامی بستگی دارد، مصرع شست الخ در دیوان (نسخه کتابخانه خدابخش) وجود ندارد و بعقیده بنده از دیوان حسن بیگ گرامی نیست -

(۸) دیوان گرامی (نسخه خدابخش) بدون تردید ها از دیوان حسن بیگ گرامیست - اشعار این نسخه که در ریاض الشعرا وجود دارند ما را بآن ها اگر فهرست نگار تفتیش می کرد که با وجود تضادین دیگر عقاید ... این نکته را بنوشته تحریر ... که این دیوان، دیوان حسن بیگ گرامی

این عاده شده ام ملک زلف شاه طلعت طول ۸۲ در خوشه جانب بخت باید قبول
بر من شد سر ز دشمنان آسیبی الله دوستی رسول (کذا) جلال الدین جلال

(۱۵) گرامی، تضمینی بر مصرع معروف حافظ کرده اما از او نام نبرده و نه اظهار داده که این تضمین است. صرف نظر از پادشاهان و امرا بیگاه گاه شعری سروده از یک از گویندگان، هم معاصر و هم پیشین، در دیوانش نام برده. مصرع حافظ: "تا در میانه خواسته کردگار چیست". رجوع شود به نکته ۲۳).

(۱۶) اگر جای سخن از جهانگیر بمیان آمد، ولی ستایش و تمجید شاهجهان است. غزلی در هنگام شاهزادگی شاهجهان گفته است. در آن همراه اشعار مربوط به مدح شاهزاده شعر زیر نیز هست:

اقبال بتو ناز دو زیبد بتو دولت ۴ با شاه جهانگیر تو زیبی پسری را

اشعار غزل دیگری بدین قرار است:

شاه دین نقد جهانگیر آنکه بود گاه او ۴۲ قدسیان را انتظار بار من باید کشید
طبع نظم چو ستاید مدحت شاه جهان رشته ام را لولوی شهوار می باید کشید
ای گرامی شاه را چون چشم لطفی با تو هست وقت شد خود را بروی کار می باید کشید

در رباعی "شاها که زمانه چاکرش می گردد الخ" (برگ ۷۹) و در دو غزلها تنها یک یک شعر پادشاه کرده، اما یقین است که همه آنها بشاهجهان بستگی دارند.

(۱۷) غزلیکه گرامی هنگام عازم شدن شاهجهان بفتح دکن گفته بود، قبلاً ذکر شد. شعری از بقرار زیر است:

در شجاعت با کمال در سخاوت بیمثال شاه خاقانی و داری صاحب عالم خدا

از بیتی که قبلاً زیر نکته ۱۵ بر میآید که شاهجهان چشم لطف بگرامی داشته. و از شعر دیگری مستفاد میشود که از نظر شاهجهان انداخته شده:

بعد دی جهان چشم جهان بین نگشاییم چون شاهجهان از نظر انداخته ما را

گرامی دو قطعه درباره تاریخ جلوس گفته. ماده های تاریخ: "ایام دولت مستدام" و "کشور ۱۰۳۷ه. قصیده تحت عنوان "در صفت شاه جهان پادشاه" است که سه اش

(۱۲) بطور قطع نمی توان گفت که او بکدام تاریخ وارد هند شده و در آن هنگام چند ساله بود. چنین حدس می شود که در عهد جهانگیر (آغاز سال ۱۰۱۴ھ) به هند آمده و در آن زمان او جوان سال بود. غزلی تحت عنوان:

"در ایام شاهزادگی .. شاهجهان .. که متوجه فتح دکن شده بود، گفته شد"

در دیوان وجود دارد. از اقبالنامۀ جهانگیری بر می آید که این واقعه در ماه شوال ۱۰۲۵ھ رو داده است و بدیهی است که گرامی قبل از آن تاریخ آمده بود. از قطعه بر می آید که در ۱۰۵۰ھ "فرزندانش" با وی تولد یافت. شعری ظاهراً از عهد پیری او چنین است:

پیر گشتم دگرم آرزوی در دل نیست ۵۴ عیش دنیا چه کنم لذت دین میخواهم

از نظمی مربوط به شاه شجاع بر می آید که شاه مزبور در سال ۱۰۵۴ هجری وارد دهاکه شد پس این نظم در سال ۱۰۵۴ھ گفته شد. نظمی دیگری در دیوانش وجود ندارد که نمایانگر سال گفتن آن باشد. مثل سال تولد او، سال وفاتش نیز در پردۀ خفاست.

(۱۳) عجب نیست اگر گرامی در عهد شباب رند مشرب بوده. رجوع شود به نکته ۲. برای بنگ چنین حدس می شود که در ایام پیری دست از منهیات باز کشیده باشد. و درین مورد باید شعر "پیر گشتم الخ" (رجوع شود به نکته ۱۲) را مورد بررسی قرار داد. اشعاری که مربوط به دین و آئینش هستند بقرار زیر هستند:

قصر بلند دین مبین است خانه ام ۵۳ سرکوب آسمان و زمین است خانه ام

از سنگ منجنیق حوادث مرا چه کار در کوچۀ سلامت دین است خانه ام

در دین محمد رسول اللّهیم ۸۸ این نعمت بیز حال دادی شکر است

قدر تو بلند است ز هر قدر بلند ۸۰ هر جا که تو پای نهی معراج است

دارم طمع ز شاه نجف مرتضیٰ علی ۴۹ دیگر مرا نباشد از این و از آن طمع

بطلب آنچه ریزه دان طلبی میابی ۱۲ جز طواف در سلطان خراسان مطلب

(۱۴) رباعیهای زیر مربوط به تجارب شخصی او بنظر می رسند:

سیّد مقبول و رد مقید نبود ۸۴ در جستن عیب امت جد نبود

در آل رسول حق کسی بد نبود گر بد بود اولاد محمد نبود.

الفاظ دیگری که در دیوانش یافته می‌شوند:

چشم روشن بود از دیدن آب سرشک ۱۹ هست آبادی و معمورهٔ کنعان از بیابان

بیهوده ایم رشتهٔ زنار برهمن ۲۳ یک بخیهٔ کلاه قلندر نمیشود

(۲۲) مخور فریب فراغت زراحتی که تو داری ۴۹ که آب زیر گلیم است و خواب زیر لحاف

مرحلهٔ اول در این بیت از مصرع دوم است - ظاهراً بعلت سهو گوینده است - قطعه دوبیتی تحت عنوان "رباعی" وجود دارد که در متن با وزن معروف رباعی تطابق ندارد - اما نمی‌توان گفت که مسئول این عنوان غلط شاعر است:

تا چند ملامت گویدم غیر ۱۰۲ در روز نخور شراب نتوان

رازی که بشب چراغ داند پوشیدن از آفتاب نتوان

قافیه دلیر و اسیر (برگ ۵۲) قافیه عزیب و فریب (برگ ۸۲) قافیه فرازش و خواهش (برگ ۸۵) قافیه خاکبوسی و عروسی (برگ ۹۲) - مصرع آخرین از شعر دوم نکته (۲۲) هم توجه باید کرد - این طور در رباعی زیر ریک و شک بقافیهٔ سگ -

این قوم حسود هریک از نیک مردار ۸۲ هستند چو اهل خرک بی شک مردار

نیکم نشوم بگفتن بد گو بد دریا نشود از دهن سگ مردار

(۲۳) در انتخاب کلام گرامی که ذیلاً درج می‌شود نکته‌های زیر در نظر داشته شده:

(الف) شعر از حیث خصایص شعر خوب باشد؛

(ب) شعریکه نمایشگر شخصیت گوینده‌اش باشد؛

(ج) درباره واژه و شیوهٔ کاربردگی مخصوص آن می‌توان شعر را بطور سند پیش کرد؛

(د) بعضی از اشعار بنابر برخی از سقمها و عیبها نیز انتخاب شدهٔ بطور مثال شعر با آخر "الخ" در آن تعقید لفظی وجود دارد:

الهی محو گردان از دل ما نقش باطلها ۱ بحق خودشناسانی که جا دارند در دلها

منم پروانه برگرد چراغ عشق میگردم بیم گرمی که شب خود را زند بر شمع محفلها

به سودن گذار دو صحبت در دامت نیست ۲ شنا با ساحل نفکی که خواهند کرد ناقلها

آن و یک شعر مدحیه از غزلی بقرار زیر است:

در روزگار عهد تو ای شاه کامگار ۴۳ باد اچو پادشاهی خورشید برقرار..

شاها نه صاحبی تو و بندگی خود ۴۵ نازش کند زمانه ز ایام افتخار..

شاها ز مدح تو سخن من رواج یافت صاحب سخن شدم سخنم دارد اعتبار

آنچه در مسلم جهانداری و عالمگیری از سکندر نشد از شاه جهان می آید

(۱۸) قطعه‌ای وجود دارد که مربوط بشاه شجاع پسر شاه جهان است، سه اشعار آن بقرار زیر:

بنگاله باسمان قرین شد ۱۰۶ خورشید مهش (دکنا) گل زمین شد..

تسخیر نخنگ و فتح آشام ۱۰۷ از رتبهٔ همتش یقین شد..

دهاکه شرف مقام چون یافت رشک ری و مصر و شام و چین شد

تاریخ نزول موکب شاه اینست که دهاکه شه نشین شد

از جملهٔ امرای هند تنها نام خانخانان (عبدالرحیم) در دیوانش ذکر شده:

هرگاه در آیینهٔ باطن نگرم ۸۱ از نور یقین بچشم خود جلوه گرم

این نشاء ز فیض خانخانان دارم الحق که نظر کردهٔ صاحب نظرم

(۱۹) غزلی طرحی که در احمد آباد گجرات سروده بود، قبلاً در نکته ۱۶ ذکر شده. در بیتی از احمد آباد کشمیر نام برده است. احساس می شود که شعر مزبور در احمد آباد گفته شده. در شعر دیگری نیز ذکر احمد آباد رفته است:

ای دور از ما ترا ز ما یاد کجاست ۷۷ کشمیر کجا و احمد آباد کجاست

احمد آباد است و ساقی گرخان مهوشند ۱۴ تو به هر کس بشکند اینجا بجا خواهد شکست

(۲۰) اشعار دیگر راجع بشاه شجاع گفته (و در نکته ۱۸ نقل شدند) مربوط بنگاله هستند و اشعار زیر بزندانی بستگی دارند:

نتابد بمن پرتو مهر و ماه ۶۹ که دورم ز نزدیکی پادشاه

بزندان بنگاله گشتم اسیر ندانم چه کردم من بیگناه

(۲۱) واژه‌ها و مضامین هندوستانی در آن کم هستند. از این نمونه علاوه بر الفاظیکه گذشت،

چو فرسوده‌ی نهد مایهٔ گیتی من ۶ مدد هرگز بجدا دارد کسی فرزند را
حسنش از من بیگانه خواهد دل خرسند را مفتی اسنان استاد جنس حاجتمند را
ابریم و بهاییم و تشنه‌ایم در محبت ۷ ایام بطلوع دگر انداخته ما را
از پشیمانی ما تو به گر پیشش افتد ۱۱ خواهد از رحمت او عذر گنهکاری ما
چه شد صراحی و ساغر کجاست ساقی ما ۷ کسی نماند ز یاران اتفاقی ما
چو صدق پاک نهاد و چو مهر صاف دلم ستیزه خون خورد از سنگ بی‌نفاقی ما
بس که رسواییم عالم آگهند از حال ما ۱۰ ثبت دفترهاست نقل نامهٔ اعمال ما
ز عشق درد و غم و محنت است حاصل دل ۸ هزار شکر ز یک خوشه خرمنیست مرا
کجا روم چه کنم تا دمی بیاسایم ۹ نه منزلی نه مقامی نه مسکنیست مرا
بدولت هنر است اینکه میکشم خاری چو گلبنم که پر از خار دامنیست مرا
امروز گرامی تو با این خوبی معنی ۵ با تازگی لفظ دهی داد سخن را
پس از ما قاتل ما را بخون ما نگیرد کس ۱۰ بیامرزد خدا از رحمت خود قاتل ما را
ترا بچون نسیم ای غیرت گلشن اگر دانی ۱۰ که من چون دود از گلخن کنم ذوق تماشا را
خلوتی سازد و باید شب چمن آرایی کن ۱۱ دیگری را بتماشای گلستان مطلب
راز خود را ز دل و دیده نهان میداریم ۱۳ حرف ما گوش زد محرم و نامحرم نیست
توبه توبه بعد ازین از می نخواهم توبه کرد ۱۵ توبه این نوبتم را اگر خدا خواهد شکست
این جهان شیشه است ما را چون کسی دارد بدوش تا کجا بر خاک ریزد تا کجا خواهد شکست
زین بساط نرد بازی پاکبازان میبرند تخته بر فرق حریفان دغا خواهد شکست
آبادی عالم همه بر روی زمینست ۱۳ صحرای دل ماست که ویرانه نشین است
ز سوز نالهٔ بلبل دل از نوا خفته است ۱۳ بباغ سبزه جدا خفته گل جدا خفته است
چو آب با وجود قامت بلند میپویم ۱۴ ز جست و جوی نمانم اگرچه پا خفته است
[illegible] با طبع سخن هست عشق را ۱۶ از دل [illegible] بلند است
چون [illegible] باد صبا آشنا شدم آشفتگی زلف پریشانم [illegible]

شرمنده ایم ما و دل شرمسار ما ۲ کاری نکرده ایم که آید بکار ما
نرخ متاع خویش بما نیک ظاهر است | نقصان کشیم گر بگشایند بار ما
یک مشتری ندیدم خواهان جنس معنی | چیدم بساط دعوی بستم در دکان را
چون باد تند رفتی تا آمدی گذشتی | جولانگهیست گیتی عمر سبک عنان را
ناگفته شد گرامی امروز قصه کوتاه ۳ فردا تمام سازیم باقی داستان را
ندارم حاصلی غیر از زیان هست و بود اینجا ۳ از اینجا میروم دیگر مرا بودن چه سود اینجا
درین هنگامهٔ فانی نه آثاری نه بنیادی | نمود بی نمودیم و وجود بی وجود اینجا
گرامی ترک می کردی و دنیا نمیگردی | چو سرگردان شدی دیگر نباید بود اینجا
آرد بمن بوی تو باد سحری را ۳ با یاد تو در شیشه توان کرد پری را
قاصد خبر آمدن مژدهٔ وصلی | باز آی که جان میدهم این خوش خبری را
بهر سو نگری از خود نبینی خوبتر کس را ۴ نظر داری بحال خود نبینی خوبتر کس را
تیر طعنه و تیغ زبان دلها نیازاری | نصیحت میکنم بشنو ز من جان پدر کس را
ما یک پرواز در دام بلا افتاده ایم ۵ بر زمین انداخت ما را قوت بازوی ما
زود ترک اختلاط ما نمیکرد اختیار | خاطر ما را اگر میخواست خاطرجوی ما
زبان خموش و عیان معنی نهفتهٔ ما ۵ ز گفته بیش بود شهرت نگفتهٔ ما
شنفتنی نبود آنچه گفتنی نبود | نگفته ماند بسی حرف ناشنفتهٔ ما
بمشرب می و ساغر بهم در آمیزند | لب شگفتهٔ یار و دل شگفتهٔ ما
بکوشش گر کنم بیهوده موزون نهانی را ۶ ز راه دل بمنزل میرسانم کاروانی را
بتی شیرین زبانی را بخود گرم سخن کردم | که در لفظی ادا سازد بمعنی داستانی را
چشم بینا نیست غیر از روی زیبا آشنا ۸ آشنایی در نمی گیرد بهر نا آشنا
میتوان کرد امتیازی در میان ما و غیر | فرق بسیار است از نا آشنا تا آشنا
چون گرامی معنی بیگانه دارم کی شود | با کلام دلنشین دخل بیجا آشنا
آسان گرفته کار جهان را همه بخود ۱۰ با یاد تو گرامی مشکل پسند ما

دور آخر گشت و هرگز ماه آخر نیافت ۱۸ عاشق آنها نالست به پرآموز نیست

درد دل چون حاصل عمر است میدارم عزیز ۲۰ پیش دهقان قدر کاه از فرود خاک نیست

راز نهفته نتوان گفت پیش کس ۲۲ حرفی که گفتنیست ز هر باب گفتنیست

قدر سخن بدان و مکن بار دوش بیان گفتار اگر خوش است به آداب گفتنیست

نغمه پردازی کند هر صبح بلبل در چمن ۲۳ چند هم هر گونه دیرا زبی آهنگ نیست

سخن ز فیض دل آید و ز دل به زبان ۲۴ برای داد شهرت شود زبان باعث

اینچه دقت است که از ظلم جهان میسوزد ۲۴ کو خلیلی که کند آتش نمرود علاج

بی علاجیم به درد دل خود ساخته ایم نیست ما را ز دوا حاصل مقصود علاج

آمد به جنگ باز به مقام صلح ۲۵ بر هم شکست رونق عهد و نظام صلح

خاطر به جنگ بیشتر از صلح مایلست باین گروه کینه ور ناتمام صلح

نه ازیاری رسد یاری نه کاری آشنا سازد ۲۶ خدا سازاست کایا غریبان را خدا سازد

کسی با همنشین ناموافق تا بکی باید بکار نامناسب تا کجا مانند کجا سازد

ازین کین پروران دوری گرایی باش بیگاد ۲۷ چرا خود را کسی با اینچنین قوم آشنا سازد

هر کجا باشد مشتاقان دعا گوی توانند ۲۷ دعد و نزدیک اند دعا گویان دعا میرسد

ز نظم مرحبا هر دم بگوش آواز می آید ۲۷ جنون بیرافشا کردن این راز می آید

روز در سوز و شبم بی تو به تب میگذرد ۲۷ زندگانی بچنین حال عجب میگذرد

نمیاید ز من با خودپسندان پیروی کردن ۲۸ تفاخر میکند هر کس که پیشی یک قدم دارد

فنون چشم تو آفت بجان فتنه فکند ۲۸ کرشمهٔ تو بلا بر سر بلا آورد

گرامی خویشتن را میگزاری بر مراد دل ۲۹ کسی خود را برای خاطر دشمن نمیسوزد

در میان موج دریا بیشتر امنیت است ۳۲ بر میا از بحر بیرون فتنه در ساحل بود

پای برهنه مرحلها کرده ایم طی ۲۹ همپای ما بجز آبلهٔ پای ما نبود

پای خم سرخوش بخوردن کرده و ابهیت ۳۱ عاقلست آنکس که در میخانه لایعقل بود

مرغی نبامم آمد و قاصد نرسید ۳۹ من بیخبر نشسته خبر در خبر رسید

بلند باش ز انصاف و تو بیستی غیر ما	۱۹	میر دور کشان خانهٔ قاضی و محتسب است (کذا)
تا ز من تحقیق جرم و بیگنه‌ها کرده است	۱۷	شرم چشمش از نگاه‌ها عذرخواهی کرده است
گران فروش متاع گران بها دارد	۱۸	از آن هجوم خریدار در دکانش نیست
شاد نتوان شد در ایام که پر بیداد نیست	۲۰	نیست آباد جهان تا بجهان آباد نیست
با هم از کین پیشه‌ها ابنای دوران دشمنیست	۱۹	گر بظاهر دوستی دارند پنهان دشمنیست
دلها ز تو در دام بلا گرفتار است	۱۸	چه بلبلیست که راهی بگلستانش نیست
جانی بما نمانده ز غم زنده دلیم	۲۱	هر جا که جان کنده دلاست جان ماست
ما را برای محنت و غم آفریده اند		اندوه از برای دل ناتوان ماست
پستی ما ز تحت ثری هم گذشته است		هستیم در گوی که زمین آسمان ماست
بیدلان را طاقت خشم و عتاب ناز نیست	۲۳	گردش چشمی سزای جرم نافرمان بس است
پیشهٔ دیگر نمیدانیم غیر از دوستی		این هنر از ابتدای عمر تا پایان بس است
جهان پر فتنه و آشوب از چیست	۲۳	نمیدانم فلک را کینه با کیست
آن قبولی که ترا در همه دل جا داده است	۱۴	ای گرامی اثر خاطر خیر اندیش است
بی خدا داد ترا فیض میسر نشود	۲۱	زود گمراه شود ملت اگر ارشاد نیست
فصل بهار باده خوش است هوا خوش است	۱۴	صحبت بدوستان قدیم آشنا خوش است
میخواست از لب تو بگوید حکایتی	۱۴	گل پیش آنکه بر لبش آید سخن شگفت
با روزگار حسن تو آیین نو نهاد	۱۵	تا در میانه خواستهٔ روزگار چیست
مست آمده بودم خبر از بام و درم نیست	۱۶	یاران ره بیرون شد این خانه کجاست
صیاد مرغ را چه ملال از نوا گرفت	۱۶	پرواز کرد از سر شاخ و هوا گرفت
تا روزگار در پی بیدادی منست		شادی همیشه در غم ناشادی منست
حساب عمر چو دیوانگان نمیدانم	۱۷	چه مدتی رفت چه ماه آمد چه سال گذشت
صحبت با باده‌کشان رنق میانیست	۱۷	صدق صفا و دل صاف همی بابت
با خواهش خود ره بمنای تو سپردیم	۱۸	هر نیک و بدی که از تو سر زد همه راست

باده بی‌یاد تو در دل ما نباشد لایق ۳۳ در دل ما جا کند هر کس بجا کیفیت بود
سخن کوته کن که در جهان آشنا نماند ۲۶ نگاه‌بان از آشنا راز زبان گفته میماند
چه فیض است لبیک وقت صبح سروم گل باز میآرد شمع گر چه بی‌خنک افتاده دگر باز میماند
زمن با خود نه با کار جهان سرگرمی دارم بمنزل کی رسد آنکس که از رفتار میماند
مرا شناختی و نیستم آنکس که میخواهی بصورت آدمی با آدمی بسیار میماند
بغیر از خود گرامی هیچ کس را نمیداند نظر بر عیب یاران کند بیار میماند
ای جیار شکن منافقان حسود ۳۰ بر دو رسم دگر انجبا نخواهم اید
درین گروه نه ذاتی نه اصل و بنیادی نبود جوی ماکس نمی نهد وجود
درین طلسم که پامن نمی حفیظ بگو ۳۳ که اسم اعظمت از دیو و دو دنگ دارد
دریا کشیم و باده میسر نمی شود ۳۴ زین ساغر سبو لب ما تر نمی شود
من این شراب تازه‌ی نازش نمی چشم تا رنگ می چو خون کبوتر نمی شود
اهلیت بجنس نگر ارد غرض جباه تا کس بدولتی نرسد خر نمی شود
بشنو که سرگذشت گرامی شنید نیست رنگین حکایتیست مکرر نمی شود
از باغ هیچ نه مرا باد صبا برده ۳۴ عالم ز کجا بود و نسیم بکجا برد
کلام از لذت گفتار آن شیرین سخن بالد ۳۵ سخن جان گیرد از معنی و معنی از سخن بالد
درخت میوه از باری که می آرد برو مثلاست ۳۶ بمقدار سخن صاحب سخن بر خویشتن بالد
شود ظاهر قبول آدمی در صورت و معنی نماید خوبتر هر کس که خوبی بیشتر دارد
نرخ متاع خویش گران بسته ایم ما ۳۷ از ما کسی بقیمتی این زر نمی خرد
درویش با کلاه فقر ست سر بلند طاقی نمی فروشد و افسر نمی خرد
چون منزل کشتیست جهان بر سر دریا ۳۴ بادی که وزد خانه ز بنیاد بلرزد
ای گرامی تنگ حوصلگان هیچ مگو ۳۸ رنجش آمد سخن راست گران میباشد
از کجا یاد لعبد ناز دفنون میآید ۴۰ عقل بر خیز دهیشم که جنون میآید

از آب چشم خویش نگه داشتم چمن ۳۹ چندان که فصل گل به بهار دگر رسید
تا دمی هست ز لب جرعه‌ها نتوان کرد ۴۱ کانچه امروز کنی وعده جدا نتوان کرد
وعده‌ی خدمت ارباب هنر نتوان جست ترک صحبتِ اهلِ وفا نتوان کرد
ای صبا آنچه شنیدی همه جا فاش مکن سالکان نامه به پیش تو ادا نتوان کرد
در سخن ما نظر از صاحبِ معنی داریم نسبت آنکه سخن گفت بما نتوان کرد
دل مخمور عاشق کی بیک پیمانه میسازد ۲۹ نه از خم مست میگردد نه با خمخانه میسازد
معافم دار یک دوری بمن ساغر مده ساقی ز بوی سبزهٔ خوشتم جامی مرا دیوانه میسازد
ز بیقراریِ هجران دمی نیاسودم ۳۰ ترا کسی که نبیند چسان بیاساید
پرسشگونی نیست در آن دردِ دیوانگی ۳۱ بمن سخن کی آن دلِ دیوانه ای چه نکوید
غم ز دل رفت بجایش طرب آمد خوش باش ۳۲ گر بدی میرود از پی بها از آن می‌آید
آشکارا نتوان کرد ز دل راز نهفت بگرای سخن از غیب نهان می‌آید
صبا کی میتواند جا بزلفِ پرشکن گیرد ۳۵ مسافر هر کجا امنیتی بیند وطن گیرد
لرزند همیشه چو بز لاغر قصاب ۴۳ آن قوم که بر در حرمهٔ سلطان و وزیرند
شکوه ز دامن افشانت و بلبل در پریشانی ۲۷ درختان بار می‌بندند و گل عزم سفر دارد
چه تحسست اینک عالمگیر شد آوازهٔ بلبل بنازم طالع شهرت که این یکمشت پر دارد
ندارد جا بدلها در نظر باور نمی آید گرامی را قبولِ عام مردود نظر دارد
غم فرده دلی پیری و خشکروی ۳۸ نشاطِ باده و سرگرمیِ شباب نماند
بوی تو با نسیم بهار آشنا نشد ۳۹ گلها شگفت و بندِ قبای تو وا نشد
ما اختیارِ خود برضای تو داده ایم هرگز میانِ ما و تو چون و چرا نشد
حاصل نگشت هیچ مرادی ز روزگار باقیست کار که با مدعا نشد
غیر از عنایتِ تو امیدِ نجات نیست ما را که هیچ وقت خطا در خطا نشد
اگر ز دیده فتد جای سازد اندر دل ۲۶ بمن بگو که گرامی کجا نمی گنجد
از اهلِ زبان صدقی نمی بینم گریزانم ۳۰ چرا باید کسی با این چنین قوم آشنا باشد

همه کنند گر هنری سبز زند ز من	۵۴	هرگز نیاورد خویش ستایش نیافتم
شکر است خاک خواری بر سر نمی کنم	۵۴	چون باد خاک مدعیان بر در نمی کنم
با سرشک الی دیده خون دل بردن آمده ام	۵۴	آب دنیا ما بجاز راه دور آمده ام
همین بازار میفروشم چو در حیرت دربلا افتم	۵۴	بنرخ گوهری باشم که در دست گدا افتم
نی فتوری در محبت نی فتوری در دعا	۵۵	با خلاف دلی خطا بر خود قصور آمده ام
سبزه سر نزد از خاک وجودم هیهات	۵۶	تخم ناکاشته حاصل ز زمین میخواهم
ما درین میکده با صدق و صفای بودیم	۵۶	این همان بقیهٔ خیراست که ما می بودیم
از آن زمان که تو ما را ز دل برآوردی	۵۷	مسافریم بهر خاطری که میگذریم
هرگه از مهر و وفا حرفی بیادش می رسد	۵۷	در میان آن سخن خود را بیادش میدهیم
مراست عهد قدیمی بباغبان و بهار	۵۸	که تا بهار بود گل ز گلستان نزدم
گر پیر شدم دل بامید تو جوان است	۵۸	آرایش باغم ز خزانی که ندارم
تا یکی لاف از این توبهٔ نا صاف زنم	۵۸	توبه ام بشکن از توبهٔ گزاف زنم
کار عالم را برسم تازه میدادم نظام	۵۹	بخت اگر میداد در یک کار استقلال من
تو از سر گرامی شوریده کم نشد	۵۹	صد بار زیر تیغ عدو دستی گذشته ام
مرا با خود صبا چون بو بگرداند	۶۰	بهر سو در سراغ او بگرداند
مبین سوی حریفان دل آزار		از این یاران بیرو رو بگردان
باغبان سلطان باغ و گل سر سلطنت	۶۱	هست بلبل نغمه سنج پایتخت [illegible]
با مقام پیشهٔ بازیگری افتاده کار	۶۱	داد کی یابم ز طبازی شده همدوش
شاعر وصف روی تست بهار	۶۲	در مضمون حسن تست چمن
گرامی در بلا افتاد از مشکل پسندیها	۶۲	تو کار عالم آسان گیر و بخند کار آسان کن
دیدیم ای گرامی غیر از تو دیگری نیست	۶۳	در روی کار افزود از مردمان دیرین
چو حبیب خود هنر خود نمی توانم گفت	۶۴	ز دیگران بشنو وصف من ز من مشنو
[illegible]	۶۴	در کار بیداد جهان کرد چه فایده

نفسه آب و هوا تو پیدا میشکفند — چه توان کرد با این سلسله جنبان چند

دریک مکان بسانِ درختانِ خلعت ۴۰ جیم یار چند بهم از خیار چند

بگردِ من نمیگردد بنزدیکم نمیآید ۴۳ خوبی خورده جای دل کاز من دور میگردد

در آن شهری که دیهیم آشنایی نمی باشد ۴۲ غریب خانهٔ خودشو گرت بیگانگی باید

ز نور باده شد امشب چراغ این چمن روشن — نسیم صبح را بال و پرِ پروانگی باید

تا بکی این سازِ بی آهنگ را باید شنید ۴۴ ای مغنی نغمه سر کن باهنگِ دگر

گل نشست از روی شوکت بر سریرِ سلطنت — باغ را آرایشِ نو داده و رنگ دگر

گاه در قهری و گاهی مهربانی میکنی ۴۵ دشمنی و دوستی با من بیک دستور دار

اگر گرامی مانده در ناشناسایی بخت ۴۵ صد جهان کجی و کارت همچنان شاست بیس

می آشکار خود و پرده دارِ راز مباش ۴۶ حریفِ تو بهٔ رندِ زمانه ساز مباش

زین کارها که بر سرم انداخت روزگار ۴۶ لرزم چو بید بر سرِ ناموس و ننگِ خویش

جوابر جمع کن از بحر فیض پاشان باش ۴۵ اگر ازین تو پریشان شوی پریشان باش

قبولِ طاعت و آمرزشِ گناه مخواه — زهر عمل که پشیمان شوی پشیمان باش

بهشت اگر نبود دست اختیار کنم ۴۹ بره ز قافله پس ماند بست در اوراق

نوروز و سرِسال نو و عید مبارک ۴۹ در حرکاتِ مه و خورشید مبارک

بسیار دویدی پی هر کار گرامی ۵۰ بیحاصلی شد ز تکاپوی تو حاصل

گر کشی پیمانهٔ تجربه باقی گزار ۴۷ دور از انصاف است ساغر میکشی تا نم مکش

من ز یک بازندگی چشم خود را باختم ۴۸ کرد صد بازیچه با من چرخ مینا اختراع

نام بلند و شهرتِ نامِ بلند جو — تلخی مکن که سرکه شود انگبینِ تو

بدون شد … کسی ندید مرا ۵۱ که چون صبا زکجا آمدم کجا رفتم

برای کالِ عشق از خود هنرها کرده ام پیدا ۵۲ نه از استاد تعلیمی نه پندی از پدر دارم

تماشا میکنم هیچ خاطر خبر دارم ۵۲ که من پیش آمدِ احوال در پیش نظر دارم

ای گلشنی بچشم حقارت مرا مبین ۵۲ خارِ گلم چو شد که بگلشن فتاده ام

ز مردم این زمان بسوراخ گریز ۸۳ با مور بگیر انس و با مار نشین
کجا زین روزگار امروز نیک نیست ۸۴ این قاعده از روز نخست است درست

صوفی بسامم سر پائی نزدی ۸۴ ناید لبسرم سر صدائی نزدی
ای پیر مغان چه شد که صد خمخانه خالی کردی بما صلائی نزدی

شکست رنگ بدین تو از نگاه که بود ۸۵ درین میان ز که سر زد خطا گناه که بود

هرگز بغلط هم بلد دل نرسیدیم ۸۶ شد عمر درین راه و بمنزل نرسیدیم
زینجش دلم خرمیست بنیادم ۸۶ مرا جدان بهاماست خاطر شادم
آن بوی بود که بوی در گل باشد ۸۶ آهنگ همان که صوت بلبل باشد
هر کس که خیال یار در دل انباشت ۸۶ نازِ دل خود نگاه نتواند داشت
بویرانی دل عشق بخود غماز می خواهم جنونی بهر افشا کردن این رازی خواهم
ز کینه دشمن اگر در پی شکست نشست ۸۷ مرا چه غم که دل دوستان بدست نشست
نمیگوییم دایم بمراد ما بساز ۸۷ یک زمان صلح کن سالی بما در جنگ باش

خیال یار در اندیشه دارم ۸۸ تو پنداری پری در شیشه دارم
در ملامت پاره کردم کسوت هستی بتن ۸۹ دلق تزویر و ریا بر قد من چسپان نبود
بر خود همه کار کرده ام سهل ۸۹ نی اهل شناسم و نه نا اهل
برنگ یاد چمن تازه رو نمیآید ۸۹ که از گل طرب امسال بو نمیآید
مرا گردن بزلفی در کمند است ۸۹ بگرد خرمنم آتش بلند است
هر سو ببرد برگ گلی باد بهاران ۹۰ چون نامهٔ یاران که رسانند بیاران
خدا را شکر در حالی که هستم بهم از یار در سالی که هستم
از وضع فلک هیچکار ما کافی نیست ۹۱ آنچه با ما میکند دوران اندیشاید نیست
از عشق سهی قد نیالی که در جهان دیدیم بجز دل است تمام که رایگان دیدیم
گر ای تو کجا و وصل جانا ۹۲ وصال یار آخر در گذر بود
هیچ جا گر طرب نه تو بیام گریزانست بفکر باده شوم کار توبه آسانست

حرفی کی نه از سر هوا هی زکس مگو — ناخوش چو گفته شد ز نوشتن چه فائده
اقبال بایدست که قوی باشد و بلند — از عرض و طول و کوتهی قد چه فائده
نیکی و از نکو ز تو بس امید هاست ۷۰ گر بد کنی عصا ز تو بالا بد چه فائده
آتش تیز است نزدیکم نی آمیزش خلق ۷۰ خلوتی مدام مرا باشد باین نشکراد
در وجود آدمی هر عضو یک صنعتگریست ۷۰ دل چو استادی که باشد کار فرمای همه
غم ندارم گر غم عالم بمن رو آورد ۷۱ در دل تنگی که دارم میکشم جا کاهمه
از سخن معنی رود چون کاوش آید در میان — شعر ناموزون شود از دخل بیجا ی همه
غافل منشین راه غلط کرده از دور ۷۲ مشکل که از این بادیه آسان بدرآیی
به خوشست با تو بزمی های دو نوای مستی ۷۳ من و عجز و بینوایی تو و عشوه های مستی
خواهش اینست به باشد که میسر گردد ۷۳ سر بی دردسری خاطر بی آزاری
مدار کار عالم با سر و کار لیست با مردم ۷۴ به خوش بودی نیفتادی کسی را با کسی کاری
نسخه علم عاشقی خوانده ام از علوم دل ۷۴ جز و کشی نکرده ام پیش ادیب مکتبی
آراسته از آنچه مدحت گویم ۷۵ برجسته تری ز شعر برجسته من
ای چرخ همیشه با بدان در مددی ۷۵ از خوبی ماست اینکه با ما تو بدی
چون وحشی رمیده ز آدم خوبان — تو خوی با دم نکنی دیو و ددی
ذرسکره روم بقول انجامید ۷۶ مستانه سلام با صول انجامید
این تو به بیدار پر دیر کشید — کوتاهی عیش من بطول انجامید
این هر دو جهان سپهر پر سود و زیان ۷۸ دارند تعلق تربیتی به نادان
در دیده گاو نور بینایی نیست — آدم نتوان شناخت با چشم کلان
بلبل بنوا و گل بیو ارزانی ۸۰ ناعز بی وحی لب و ارزانی
در باغ بسبزه لب جو ارزانی — او با من و من ببید او ارزانی
روی تو گلی که در بهار است مدام ۸۲ نی آب روان نه باغبان خود رو بود
سر شوره آب زندگی در کف تست ۸۴ در دست تو چوب خشک بالنده گی

همه خودپسند و خودبین بکمال خودنمایی ۱۰۲ بچنین گروه خود را ستم است آشنایی

هر چیز که خواهی ز دلم می‌سازی ۱۰۳ در دست تو دل طوری دست افشار است

چون دید در کمال محبت نیاز من ۱۰۴ از من هزار ناز کشد دلنواز من

می اندر دل شیشه ز انسان بود ۱۰۵ چو آتش که در سنگ پنهان بود

غم درین خط طرب پشت و پناهم گشته است ۱۰۶ سنگ راهم بود اکنون خضر راهم گشته است

مصرع ها:

(۲۴) از وصل تو دلی کن درد نگرانی (پای معروف) را ۷، تو به از نظاره نتوان شاد چشم پاک ما ۹، باشد که یابد از تو دوا درد مند ما ۱۰، این سرنوشت من خط آزادی منست ۱۲، دم ساز صدق صاف که دیدم دم آلبست ۱۷، شادی عید و مبارکبادی نوروز نیست ۱۸، حرف ناشایسته کم از ناوک دلدوز نیست، زرغ ناز و عشوه دست آموز استغنای اوست ۲۱، نشود درد من از چاره و مجهود علاج ۲۴، هرگز ندید بخت مرا دوست کام صلح ۲۵، فردتن باش بجز ونامرادی پیشه‌ای خود کن ۲۸، تقویت دل بیشتر از غیرت دین شد ۳۱، خاطر خود را تسلی ساختن مشکل بود ۳۲، بجز شر این جادو بگردان ۳۰، قبول عامه مردودان رحمت را میز ببید ۳۵، تو گر اهل دلی خود کی رواداری که تن بالد ۳۶، جان کندنم بدید چو یار آمد از سفر ۳۹، این علامان پاک وجود از سر حساب ۴۰، تخت خود را نیل بر رخساری باید کشید ۴۲، کی کند سرخیلی این قوم سر ننگ دگر ۴۴، بست حسرت بر سر زنگار دل زنگ دگر، حواله میکنم این ماجرا بوقت حضور، مقبول اهل دل شو منظور چشم تر باش ۵۱، ای دل بتو بالیدن امید مبارک ۵۴، دوای بستن خواب و فسون بستن چشم ۵۵، بیدلم چندان که گویا صاحب دل نیستم ۵۸، حرمت تقوی بر و شیخ باین کیش و فش ۵۹، بتو تحویل کنم باقی جمع سنوات ۶۱، از معجز شراب باصحاب گفتنیست ۶۲، بخاطرت چه رسیده بگو بخاطر من ۶۰، منشین تخت سلیمان مرد از باد مجو ۶۴، آدم بشناس قدر آدم بشناس ۸۰، پاک شیدم چو کوه در دامن ۶۶، جز دو کشتی نکرده ام پیش ادیب مکتبی ۴۴، اگر عنایت مولیست در رعایت ما ۲، رشته جان بگسلد گر بگسلم پیوند را ۶۱، ختم شد حرف محبت به مجوز صلوات ۱۹، بخود رستم بتاب و منت حاتم (قافیه مفتوح التا) ۴۶، ز بیرشدی چو سایه دلپس دیوار میماند ۲۶، دنیا مکان و مسکن و ماوای ما نبود ۲۹، نه فکر دخل بود دارد و خرج پسر ۹۷، همین که آب بسوی خود آسیا غنیمت است ۴۳، راهم نمی‌نهد به عالم گرانی ۸۵، بود لیک نظاره ز رحمت نقاب را ۹، خون ناحق بگیرد گردن ۹۲، پاره پاره

جنس مرا گوهر بانا کار نیست	٩٤	چشم براه تا فسانه بمر دیار نیست
هر زمان فتنه از هر سر کویش پیداست	٩٤	آسمان هیچ نمود مخود از گیسوی پیش
آتش می عشق نمی سوزد با آهن دشمنست	٩٥	دوستی با دوستان دارد بدشمن دشمنست
صوفی صدرنشینی معتکف گوشه طاق	٩٥	شیشه می سبب زندگی اهل نشاط
ما ابنیم غمزه ستمکشش چه میکنی	٩٥	ای جان من بعر بده خوش خوش چه میکنی
صبا بطوف مزارم گزار کن گاهی	٩٥	چراکه ما و تو از یک دیار بسفریم
غنیمت است بهار حیات و موسم گل	٩٦	کسی دوباره درین خاک دان نمیآید
ای فلک ما را ز عشرت دور بودن تا بکی	٩٦	شد تهی خمها نها مخمور بودن تا بکی
دنیا همه هیچ و کار دنیا همه هیچ	٩٧	بیحاصل و بیفایده سودا همه هیچ
خواهی ار بینی تماشاگاه این عبرت سرا	٩٧	گوشه بنشین و تاریکی بنه در پیش خویش
در تمنای گل چرا ای چون چراغ آورده ایم	٩٨	ما چراغ دیر را امشب بباغ آورده ایم
در چمن فصل خزان میداشت ماتم بلبلی	٩٩	تا گلی بر تخت می پاشید از هم بلبلی
از زبان حرف نیک برگوش جان آید گران	٩٩	طبع را گفتار بیمعنی گران آید گران
راحت پهلوی خود را در زمین دانسته ام	٩٩	درد مندم عافیت را در زمین دانسته ام
دوران دون نداند آداب پرورش را	٩٩	یارب تمام گردان این چرخ بیروش را
ما را سر شکایتی از روزگار نیست	٩٩	دیوانه را بکرده خود اختیار نیست
طلب اگر همه یک حبه است باید داد	١٠٠	چه وجه حق مسلمان چه سود قرض جهود
ما خطا نبود جرم بینهایت ما	١٠١	عنایت تو اگر میکند حمایت ما
آنکه خواهد دل ناشاد مرا شاد کند	١٠١	کعبه ویران کند و بتکده آباد کند
من نمیخواهم که از من قصه ماند در جهان	١٠٢	ورنه من هم میتوانم کار صد فرهاد کرد
کاهش جان بود آمیزش ابنای زمان	١٠٢	خوب فهمیده ام آسایش تنهائی را
از خجلتی که دید مرا عذر خواه کرد	١٠٢	من چون بروی یار قدائم نگاه کرد
خود را هلاک دیدن روی نکو مکن	١٠٣	چیزی که دلفریب بود آرزو مکن

مختار الدين احمد

رسالة الشعاعات للكندي

قد اورد ابن النديم للكندي ضمن كتبه النجوميات ثلاث سائل: الاولى كتاب رسالته في الشعاعات، والثانية كتاب سالته في طرح الشعاع، والثالثة كتاب رسالته في فصل ما بين التسيير مل الشعاع، وقد ذكر الاب مكارثي في مصادر الرسالة الاولى: الفهرست عيون الانباء وفي مصادر الثانية: الفهرست واخبار الحكماء وفي مادر الثالثة: الفهرست واخبار الحكماء وعيون الانباء -

مخطوطة رسالة الشعاعات توجد في مكتبة خدابخش بانكي پور سنة رقم ٢٠٤٨ وترجمتها في اللاتينية كيمبرج والمتحف البريطاني يما يخص هذه الترجمات اللاتينية لا اعرف هل هي ترجمات الرسالة مطرح الشعاع ام للرسالة في الشعاعات؛ اذان هذه المعرفة تقتضي راجعة المخطوطات ذاتها" - (التصانيف المنسوبة ص ٧٢-٧٣)-

سبة الرسالة:

قد سبق ان اشرنا الى ان معظم المترجمين للكندي قد نسبوا اليه رسالة ماعات حينما ترجموا له، وهذا دليل واضح على صحة انتساب الرسالة اليه، سرف النظر عن ذلك هنالك ادلة اخرى تصحح هذه النسبة -

منها ان مخطوطة بانكي پور تحمل العنوان الآتي: "كتاب يعقوب بن سحاق الكندي في الشعاعات"-

وشهادت من مادة الكندي انه يوجد تصانيفه اما الخليفة واما الابنه

خون دیدن لخت لخت باغبان ۱۶، بدبو ... یا ساز ... ۲۰، سرو چمان و گل چمن آرای باشد ۲۹، از فرط عشقبازی‌ها نیافتیم ۱۸، سازش عشق بجنون سبب آزادیست ۳۰، علمدار دست بهم ساخته چند ۱۴، بساز کار من ای کارسا بنده نواز ۴۵، دو ترازوی وفا مدار ابنگ کم مکش ۷۴، تو نه چشمی از پیش چشم دور مشو (خطاب بمعشوق) ۵۵، ز دیده پنداری فراغت میکنم ۵۷، خوش مژده رساندی ای مرغ خوشخبر باش ۷۴.

ترکیبها:

(۷۵) ایوان خیال ۱۷، اندیشه مند ۱۲، امن امان (کذا) ۳۷، ابنای دهر ۱۸، ابنای زمان ۴۳، افسوس خوردن ۷، آئینۀ فولاد ۴۶، ارباب سرورد ۵۵، ارباب حرمت ۳۵، اسب چوبین ۶۳، احرام بستن ۴۳، استادگان پایه تخت ۶۱، آزردگی آفت کشیدن ۴۳ — بادۀ گلنار ۴۲، از لب خود بوس بخوریم ۴۹، بزم حضور ۵۵، بسته زبان ۸، بهانه جو ۲۵ — پیشه‌پیش‌گرفته کلاه ۴۴، پر اثری ۴۹، پیچ پیچ لعت ۳۸، پاکیزه نهاد ۷۱، پاک جیلد ۸۰ — تقویت (ی مشدد) ۱۰۷، تلخک شراب ۳۴، ترش ترش قافیه خوش ۴۳، تیره روز ۹ — ثمین ۴۱ — جامه زیبا ۲۱، جهانیان ۴۴ — حرکات ۴۹، حرف زدن ۵، حسن بزم حضور ۵۵، حرف غرض ۵۶، حلوا پختن ۴۴ — خجالت کشیدن ۴، خار خار ۴۳، خط بغداد ۴۴، خطبه‌خوانی ۵۶، خوش‌پیشانی ۶۵، خیره خیره نگریستن ۵۷، خوش خلق ۶۸، خنده آلود ۸۹، خیره چشم ۲۲، خاصیت (بی تشدید) ۹۲، (با تشدید) ۷۹ — دلباخته ۱۴، باکسی در هوا سابودن ۲۶، در جواب دم مکش ۶۴، درمانده جواب ۳۹، در چنین ۱۴، دامنگاه ۸۲، دیدۀ کم بین ۷۲، دوره قمری ۳، دک (دل ک) ۷۹، دوزخ‌ها ۴۵، دریده دهن ۶۳، دلگرمی ۳۰ — رهگذری ۳، ریزش بهت ۵۳، بندق زاغ ۳۶، راز سر بمهر ۲۲، راه آورد ۱۶، روی سخت ۶۰، راه از در خلوت دل دادن دزق ۹، دغدغیان ۸۵، زرصات ۷۷، زبان آورد ۶ — ستیزه‌گر ۲۵، گل سوری ۲۹، سبکروح ۵، ستم آباد ۴۴ — شرح حال ۱۴، شوربختی ۳۰، شیرین حرکات ۱۹، شرم و حیا ۳۱، شادابی طبیعت ۵۷ — صیدگاه ۷۴، صاحب (سکون با) نظری ۳، صومعه دار ۶، با همه کس صلح کل کردن ۲۵ — طرب افزوده ۳۸، طرب انگیز ۴۶، طرب فزا ۵۰، طغیان کردن جنون ۴۳ — ظلمتسرا ۲۹ — عیش دو جهانی (بیای معروف) ۷، عذر لنگ ۴۶، عشق و عاشقی ۹، عمل ناتمام ۱۹، عبرت از حال کسی گرفتن ۳۵ — غم آلود — فتنۀ آخر (ساکن) زمان ۶۸، قد (تشدید) و قامت ۳۵ قد (تشدید) و بالا ۷۱ — کوچ کردن ۶۹، کرده تمنید ۱۱، کنفرحتی ۷۷، گوش کرخت ۶۱ — گشاده پیشانی ۷۷ — لبان خنده آلود ۸۹ — محفل آرا ۷۰، مهرگیا ۴۰، مهرگسل ۸۲، مهرافزوده ۸، محنت سرای دهر ۵۲، مقامات خالد ۲۳ — ناتوان‌بین ۷۴، نوبادۀ اشعاری چند ۴۳، نودولت ۶۳، نادان نکته گیر ۵۳، ناخمیدگی ۱، نعلین از پا بیرون کشیدن ۴، نغمه داود ۲۴، عالم را انتظام بخشیدن ۷۶ — نظربازی ۸، همآهنگی ۴۲ — دلپذیری ۶۳.

الثانية تنتهي على قوله: "اعني" ويبدأ الصفحة الثالثة بقوله "احرق" ومن ان يظفر في المستقبل بما يكمل به الصفحة الثانية. وهكذا نشعر بنقص في الصفحة الرابعة والثلاثين ايضا، ولكن القطع بقدر الناقص يبدو عسيرا.

قصة احراق المراكب وتحقيقها:

والكندي حينما يذكر في الصفحة الثالثة "احراق مراكب المحاربين بشعاع الشمس" يشير بذالك الى القصة المشهورة التي تقول: ان الروم حينما هاجموا في سنة ٢١٢ ق. م. اثنتى عشرة ومائتين قبل الميلاد على "سيراكوز" بلد الحكيم ارشميدس فأحرق الحكيم مراكبهم قبل وصولها على ساحل البحر.

وهذه القصة تصدقها القرائن كما تؤيدها التصريحات التاريخية،

ومن جملة القرائن ان هجوم الروم على سيراكوز في سنة ٢١٢ ق. م.، وجهود ارشميدس الدفاعية حينئذ من الحقائق التاريخية فيقول المؤرخ الشهير بولى بيوس Polybius: وماكينات كانت تستعمل بتأثير قوي ضد الروم في محاصرة لسيراكوز، وكان اختراعها قدتم بحيث يمكن استعمالها للمسافة القريبة و البعيدة على السواء وتلك الماكينات كانت تمطر الصواريخ بواسطة المنافذ في الجدران وبواسطة الاعمدة الطويلة المتنقلة.... التي كانت ترمي اوزانا ثقيلة على مراكب الاعداء وكانت تمسك مساحيلها ثم تعلقها في الهواء حتى تسقط فيما بعد (ت. ل. هيلت: تاريخ الرياضة اليونانية ٢/١٦-١٧).

وهكذا كان مهندس الجيش الروماني يضعف ويلوم المهندسين التابعين له وهو مفزوع، كما ذكرت ـ ل ـ هيلت: "نحن لا نستطيع انهاء الحرب ضد الاعداء الذين يستخدمون مراكبنا مثل الفناجين لتناول الماء من البحر، ويجذبون.... باستخفاف .... ثم يمطرون علينا الصواريخ كانها تأتي من قبل مئات المنتلات المذكورة في الاساطير... (ايضا ص ١٧)

وتصريحات المؤرخ بولى بيوس هذه تدل على ان ارشميدس كان قد

احمد الذي كان مؤدبه ، واما لاحد اخوانه من العلماء ، واما لاحد تلاميذه فيما يكتب الخليفة المعتصم يصفه بنعوت تليق به ، ويدعو له بالخير والسعادة ، وبناء على ذلك نقطع بأن رسالة الشعاعات من تصانيف الكندي ، وانه وجهها الى امير المؤمنين المعتصم بالله ، لانه يقول فيها :

" اطال الله بقاء امير المؤمنين وادام عزه وتأييده وحفظه واكمل سعادته واباد عدوه "

ومنها ان المترجمين للكندي ذكروا له بعض التصانيف في موضوع الشعاعات وما يتصل بذلك وهذا يدل على انه كان قد ألف فيه كتبا ورسائل ، وان الموضوع كان من ضمن اختصاصه وعمله ، وهذا القدر يكفي في رأيي لتأكيد صحة نسبة الرسالة الى الكندي -

موضوعها :

والكندي يشير الى اهمية موضوع الرسالة فيقول : " انه ليس بصغير الخطر علم مخارج الشعاعات الشمسية وانعكاساتها من الاجرام العاكسة لها والزوايا الحادثة عنها ونسب ابعاد النقطة التي تنعكس اليها من الاجرام العاكسة في ترقية النفس الانسانية وتهذيبها ، الخ " -

وصف المخطوطة :

يبدو ان مخطوطة مكتبة خدابخش بانكي بور لرسالة الكندي في الشعاعات ناقصة ، فاننا نجد في الصفحة الثانية منها العبارة الآتية عن موضوع الكتاب " فان هذه خاصة جنس العلم المحيط به اعني " في حين تبدأ الصفحة الثالثة بقوله " احرق مراكب المحاربين له بشعاع الشمس ، وجب من هذه الجهة اثبات ذلك " ومن الواضح انه لا يوجد ارتباط بين العبارتين ، ولذلك نضطر الى فرض ان هذه المخطوطة التي يرجع تاريخ نسخها الى سنة ٨٩٠ ه تسعين وثمان مائة من الهجرة ، قد نقلت من نسخة ناقصة ، ولم يشعر الناسخ بهذا النقص فترك الصفحة

اربعة وعشرون شعاعا على نقطة واحدة ، ولم يبين كيف تكون النقطة التي تجتمع عليها الشعاع على اى بعد شئنا من وسط سطح المرآة " ص ٣

وقد حول الكندى بنفسه اداء هذه المسئولية العلمية فقال : " ونحن ممثلون ذلك على اوضح ما يمكننا واقربه ، ومبتدئ بالبراهين الهندسية ، والجهة الاخرى التي ذكر على اوضح ما يبلغه طاقتنا ، ونتمم من ذلك ما كان ناقصا فانه لم يذكر بعد ما فرضنا " ص ٣

ثم ان الكندى قد ادى هذه المسئولية العلمية بالاشكال الهندسية ، منها اشكال اثباتية ، ومنها عملية ، ويبلغ عدد هذه الاشكال عشرين شكلا -

والكندى كان يرى في بعض الحيل الهندسية بأنها افضل التدابير والحيل التي تم اكتشافها الى عصره ، فيقول بعد شرح طريقة اعداد المرآيا المحرقة : " وبهذا الحيلة يسهل علينا الاحراق على اى بعد شئنا ، لان هذه المسطرة اسهل اتقانا من غيرها مما عملنا او عمل احد من قدماء اليونانيين فمن انتهى الينا خبر عمله " ص ١١

ثم يذكر الكندى المرآة التي تخرج منها الاشعة الاربع وعشرون وتركز على نقطة واحدة فيقول : " فان قد قدمنا من موضوعاتنا ما فيه كفاية في علم هذه الصناعة فلنذكرها وعدنا ذكره مما قال انثاميوس في ذات الاربعة وعشرين شعاعا على اقصد المسالك الى علم ذلك وايضاحه بتوفيق ذى القدرة القاهرة " ص ٢٦ -

ويقول بعد ذلك : " نريد ان نعمل مرآة تنعكس منها اربعة وعشرون شعاعا الى علامة واحدة " ص ٢٦ -

الى ان يقول : " وقد يمكننا ان نعمل مرآة تنعكس منها كم شعاع شئنا من العمود الخارج من مركزها اتقن مما عمل انثاميوس " ص ٣٠

وبعد ذلك يأتي بياض في الرسالة ، لا ندرى ما قدر الناقص في الرسالة

ويقول الكندى في ختام المخطوطة : " وبهذا التدبير نجد السطوح الباقية التي تنعكس منها الشعاع الذى في جهة ص ب " ص ٣٦ -

ارهق المهاجمين الروم بتدابيره الميكانيكية وخاصة بالمناجيق -
والامر الثاني الذي يستلفت انتباهنا هو الملاع ارشميدس
لان " ثماؤن " قد احال على كتاب له باسم Catoptrica الذي ا
بمسألة انعطاف الشعاع الشهيرة في البصريات، اي شيئا ما الذي في الـ
اكبر، وكلما يزداد عمق الماء يكبر حجم الشيء -

وهذان الامران يؤيدان ان ارشميدس كان قد اباد الـ
الروم بمساعدة المرايا المحرقة ويؤيده تاريخيا ما ذكره ت،
في كتابه المسمى بـ " تاريخ الرياضة اليونانية " : " وقصة احر
للمراكب الرومية بالمرايا المحرقة لم تذكر في اي مصدر قديم قبل لو
(تاريخ الرياضة اليونانية)

وهذه القصة كانت قد وصلت الى الكندي ايضا، ولكن لا من طر
بل بواسطة مصدر آخر يسماه في مخطوطة الرسالة : " انثاميوس " ولع
Athinaeis وكان قد عاش، حسب تصريح هيلث، في القرن الماضين

وكان انثاميوس قد نظر الى القصة نظرة انتقاد، وحصل على مق
لترتيب المرايا حسب مقدرته، كما نقل عنه الكندي : " فنحن نالتمو
بقدر ما يمكننا، واصفون لتهيئة ذلك مقدمات اشياء يسيرة نحن
فيما نزيد من تهيئة المرايا، فهذا قول انثاميوس " ص ٣
وقد انتقد الكندي قول انثاميوس هذا انتقادا شديدا فقال : "
يجب على انثاميوس ان لا يقبل خبرا بغير برهان في التعاليم وفي صناعة
خاصة ولا يوجب ايضا شيئا بغير برهان "

والاغلب ان انثاميوس كان قد ذكر مثالا لكيفية صنع المرآة الـ
منها اربعة وعشرون شعاعا على نقطة واحدة، ولكنه لم يبين كيف نع
التي تجتمع عليها الاشعة بعد وصولها . " وقد مثل كيف يعمل مرآة تنعكـ

ا/عبداللودود (ماہنامہ آج کل۔ ۵)

تصحیح و اضافہ

فہرست مخطوطاتِ اُردو

/سلسلہ نمبر ۱ - دیوان نجم الدین آبرو: فہرست نگار نے لکھا ہے: "دوسرا نسخہ کہیں دیکھنے میں نہیں آیا" اس کے ۵ نسخوں کا مجھے علم ہے، نسخۂ کنگز کالج، کیمبرج، نسخۂ ایشیاٹک سوسائٹی کلکتہ، نسخۂ انجمن ترقی اردو پاکستان، کتب خانۂ رضا رامپور (بقول ڈاکٹر طبیار)، نسخۂ پٹیالہ۔ یہ کتاب چھپ بھی گئی ہے مرتبہ ڈاکٹر محمد حسن۔

۱/ ۴ - دیوان عبدالرحمٰن خان احسان: حیدرآباد میں چھپ گیا ہے۔

۱/ ۱۰ - "شیر علی افسوس": پورا نام میر شیر علی افسوس ہے۔ دیوان چھپ گیا ہے، مرتبہ ڈاکٹر طیب ابدالی حسن۔

۱/ ۱۲ - انشاء: ہمزہ کے ساتھ غلط ہے۔ کلیات انشا، سب سے پہلے دہلی میں قبل ۱۸۵۷ء چھپا، بعد ازاں مطبع نولکشور میں طبع ہوا۔ غلط سے مراد یہ ہے کہ فارسی اردو میں بجائے ہمزہ مستعمل۔

۲/ ۱۸ - دیوان تاباں: انجمن ترقی اردو ہند نے چھاپ دیا ہے اور اس کے کئی قلمی نسخے موجود ہیں۔ لہٰذا فہرست نگار کا یہ خیال کہ "یہ نسخہ بھی نوادرات سے ہے" صحیح نہیں۔

۳/ ۲۲ - تمنّی کا پورا نام "نواب اسداللہ مرزا احمد تقی خان" لکھا گیا ہے۔ نواب اسداللہ زیادہ ہے۔

۲/ ۲۳-۲۴ - تسلیم کا نام شیخ بندہ بخش چھپا ہے۔ صحیح شیخ مہدی بخش ہے۔

۳/ ۲۶ - کلیات جرأت: ۲ جلدوں میں چند سال قبل ڈاکٹر اقتدا حسین کا مرتبہ نسخہ اطالیہ میں چھپا۔ لیکن قدیم تر نسخہ طبع ہند بھی ہے۔

/۴۱ - کلیات میر حسن: فہرست نگار نے اس نسخے کو "محشی" بتایا ہے۔ یہاں لکھا تھا "حاشیے میں بھی اشعار"۔ غزلیات میر حسن مرتبہ ڈاکٹر اکرام الحق چھپ چکی ہیں۔ پہلے بھی چھپی تھیں۔ مثنویوں کا مجموعہ بھی طبع ہو چکا ہے۔

/۴۸ - دیوان حفیظ: تعداد اوراق ۱۱۳ اس کی جگہ ۲۲۴ پڑھا جائے۔

۶/ ۵۴ - دیوان داسخ: کلیات چھپ گیا ہے۔ مثنویات مرتبہ ڈاکٹر ممتاز احمد بھی طبع ہو چکی ہیں۔

وبعد هذا العرض الموجز نعود الى ان اشير الى ان ابن النديم قد ذكر في
الكندي، رسالة في عمل المرايا المحرقة (ص ٣٦٥، طبعة مصر) ونحن لا نـ
هذه الرسالة ولا عن موضوعها شيئا، ولكن العنوان يدل على ان الكندي قـ
فيها موضوع احراق الاشياء بمساعدة المرايا، وفي ختام هذا الحديث :
اوضح نقطة تهمني بهذا الصدد، وهي ان المخطوطة التي حاولت التنو
موضوع الشعاعات وانعكاساتها، وانا لست من رجال هذا الفن، فلا
ان اسلط ضوءا كاملا على موضوع الرسالة وانتقد نظريات الكندي
فيه، فان لذلك علماء مختصين. وكل ما قصدت هو ان اقدم هذا الاثر
وامكنهم من الاطلاع على الرسالة حتى يستطيعوا معرفة منزلة الكندي في
ومدى اسهامه فيه، ثم يقوموا بالتعريف بالكندي ورسالته هذه
في الحصول على صورتها والكلام عن محتوياتها في هذه الندوة والسـ
ورحمة الله وبركاته مع الشكر والتقدير.

قاضی عبدالودود (بار۔ایٹ۔لا)

مطبوعات جدیدہ

فرہنگ آصفیہ (۲)

[فرہنگ آصفیہ کے تبصرے کی قسط ۱ جس وقت لکھی گئی تھی میں بیمار تھا، اور یہ قسط بھی جس وقت تحریر ہو رہی ہے میری کیفیت وہی ہے جو اس وقت تھی، بلکہ میں پابہ رکاب ہوں، دہلی علاج کے لیے جا رہا ہوں۔ ترتیب مطالب جس طرح چاہیے نہ ہو سکی، میں ناظرین سے معذرت طلب ہوں۔

× اگر کسی لغت کے ساتھ ہے، تو اس سے مراد یہ ہے کہ یہ مستقل لغت کی حیثیت سے آصفیہ (= فرہنگ آصفیہ) میں نہیں، کسی اور طرح اس میں ہے، تو ہو۔ لغت میں اس کا کوئی خاص طریق استعمال بھی شامل ہے۔ اگر یہ کسی کتاب کے ساتھ ہے، تو اس کے معنی یہ ہیں کہ لغت یا زیر بحث طریق استعمال اس کتاب میں نہیں۔ + اگر کسی لفظ کے ساتھ ہے تو یہ سمجھا جائے کہ وہ اردو میں کثیر الاستعمال ہے، اگر کسی کتاب میں اس کے کسی صفحے کے شمار کے بعد ہے، تو اس سے یہ مراد ہے کہ اس کتاب میں وہ اور جگہ بھی آیا ہے۔ بس = آصفیہ میں ہے مگر بغیر سند۔ میں نے سند میں مکمل شعر یا مصرع پیش کیا ہے، یہ بھی ہوا ہے کہ کسی مصرع کے چند لفظ درج کر دیے جائیں۔ صفحوں کا حوالہ عموماً دیا گیا ہے، جہاں نہیں ہے، وہاں حافظے پر بھروسا کیا گیا ہے]

(۱۸) تو مجھے بھول گیا ہو تو پتا بتلا دوں — کبھی فتراک میں تیرے (اگر فتراک کو مذکر بتایا ہے) کوئی نخچیر بھی تھا
۳ ص ۳۲۵ میں بنام مصحفی۔ یہ غالب کا مشہور شعر ہے۔

(۱۹) جو کوئی کسی یار کو کلپاوے گا   یہ یاد رہے وہ بھی نہ کل پاوے گا
اس دیر مکافات میں سن اے غافل   جو آج کرے گا سو وہ کل پاوے گا

۱ ص ۱۱ میں بنام غافل اور ۳ ص ۵۲۱ میں کسی قدر اختلاف کے ساتھ مگر اس میں بھی "غافل" اپنی جگہ پر ہے، بنام مرزائی۔ مؤلف نے اس صفحے میں اسے "قطعہ" لکھا ہے۔ تذکرۂ میر حسن ص ۱۶۰ میں بنام محمد علی خاں مشہور بہ مرزائی مصرع ۴ میں "غافل" بطور تخلص آیا ہے۔ قطعہ مرزائی کا ہو یا نہ ہو، "غافل" تخلص کے کسی شاعر کا قطعاً نہیں۔

۶/۵۷ — ماقب کے نام میں محمد جعفر کے بعد خان بڑھایا جائے۔

۶/۵۹ — خیل نامہ: تخیل نامہ بنام فرس نامہ طبع ہو چکا ہے۔

۷/۶۱ — غزلیات سخن: دیوان چھپ چکا ہے۔

۷/۶۲ — دیوان سراج: کلیات طبع ہو چکا ہے۔

۷/۶۵ — "بیاض مثنویات" کی جگہ "مجموعۂ مثنویات" لکھنا بہتر ہوگا۔ "یہ بڑی لاجواب بیاض ہے" لکھنا صحیح نہیں۔

۷/۶۶ — کلیات سودا: کلیات پہلے پہل دہلی میں قبل ۵۷ء چھپا۔

۹/۷۶ — (مثنوی) بہار عشق: چھپ چکی ہے۔

۹/۷۷ — (مثنوی) زہر عشق: یہ بھی چھپ چکی ہے۔

۹/۸۱ — دیوان شہیدی: طبع شدہ

۹/۸۲ غزلیات صغیر: اس نسخے کے ساتھ مجہول الاسم متخلص بہ حشمت کی خود نوشت غزلیں بھی ہیں۔

۱۱/۹۵ — دیوان فردی: طبع شدہ، مرتبہ ڈاکٹر محمد حسنین

۱۱/۹۷ — فغاں کے نام میں "اشرف علی" کے بعد "خان" بڑھائیے۔ دیوان فغاں طبع شدہ۔ مرتبہ صلاح اللہ عبد الرحمٰن، انجمن ترقی اردو پاکستان۔

۱۱/۱۰۰ — گلستان بے خزاں: از لطافت حسین ولد شیخ حبیب حسن۔

۱۲/۱۱۲ — دیوان مصحفی (ہشتم): اس کا کوئی دوسرا نسخہ نہیں ملتا۔ یہ لائبریری کی طرف سے چھپ چکا ہے۔

۱۵/۱۲۹ — (مثنوی) لیلیٰ و مجنوں (ہوس): طبع شدہ۔

۱۵/۱۳۱ — آرائش محفل، قصۂ حاتم طائی: طبع شدہ۔

۱۵/۱۳۲-۳۶ — مذہب عشق، قصۂ گل بکاؤلی: طبع شدہ۔

۱۶/۱۴۲ — کتاب کا نام تذکرۂ مثنویات نہیں ہے۔ اس کے دو قلمی نسخے ہیں، ایک آکسفورڈ یونیورسٹی کا ہے اور ایک کتب خانۂ خدا بخش میں ہے۔ "معاصر" میں جو نسخہ بالاقساط شائع ہوا ہے، اس میں بکثرت اشعار نہیں ہیں۔ یہ نسخہ آکسفورڈ پر مبنی ہے۔

۱۷/۱۴۳ — تذکرۂ خوش معرکۂ زیبا: یہ چھپ گیا ہے۔

۱۷/۱۴۵ — تذکرۃ الشعراء: مصنفہ ابن طوفان ہے۔ طبع شدہ۔ مرتبہ قاضی عبد الودود۔

۲۱/۱۸۱ — تقویت الایمان: طبع شدہ۔

۲۳/۲۲۰ — "موہوب" (شاہ آیت اللہ) کی جگہ "جوہری" پڑھا جائے۔ طبع شدہ۔ مرتبہ ڈاکٹر مسعود الحق

کبھی ہی نہیں کہ عرفی اس پر تنبیہ آتا۔ عرفی کی چادر درویشی بھی بے وجہ خاک سے محروم ہے۔ " اپنے گھر۔ اخذ کی ہیں" یہ بات بقول جلالی طباطبائی عرفی نے 'بوالفضول' سے کہی ہے۔ (= ابوالفضل)

(۲۷) مؤلف آصفیہ نے اپنے دیباچے میں دعویٰ کیا ہے کہ آصفیہ " انسائیکلوپیڈیا یا اردو کا حکم رکھتی ہے، اور اسی وجہ سے ہم کہہ سکتے ہیں کہ معلومات و استحکام زبان کے واسطے اس سے بہتر ذخیرہ ابھی تک دستیاب نہیں ہوا" صہ۔ آصفیہ میں بحیثیت دائرۃ المعارف بہت کچھ جو ہونا تھا، نہیں ہے، اور جو نہ ہونا تھا ہے۔ مؤلف سے جو غلطیاں سرزد ہوئی ہیں، ان پر حیرت ہوتی ہے۔ مجھے یقین ہے کہ قسط اول کے مطالعے کے بعد ناظرین مجھ سے اتفاق کریں گے کہ مؤلف پر شعر ذیل صادق آتا ہے، اور وہ اس کام کے جو انہوں نے خواہ مخواہ اپنے ذمے لیا تھا ہرگز اہل نہ تھے:

" تو کار زمین را نکو ساختی　　　که با آسمان نیز پرداختی"

(۲۸) ارمغان دہلی آصفیہ کی " ابتدائی " جلد اور اس مطبع کا نام جس میں یہ کتاب چھپی تھی۔ آصفیہ۔ یہ باب الف کے مندرجات میں ہے، اور آغاز بحث میں " ارمغان دہلی " جلی قلم سے لکھا ہوا ہے۔ مؤلف کے سوا شاید ہی کسی کو سوجھی ہو کہ اپنی کتاب اور اس کے چھاپنے والے مطبع کے لیے ایک مستقل بحث داخل کتاب کرے۔ اس کی جتنی داد دی جائے کم ہے۔

(۲۹) آزاد، غلام علی بلگرامی " مشہور ادیب اور مصنف " " عربی " میں سراپائے (کذا) معشوق سب سے پہلے انہیں نے لکھا " آصفیہ۔ آزاد کا سال ولادت و وفات بآسانی معلوم ہو سکتا تھا، مگر اس کا ذکر غیر ضروری متصور ہوا۔ ادھان کے تذکرہ نگار بارے میں بھی ایک لفظ مؤلف کے قلم سے نہ نکلا۔

(۳۰) آزاد، محمد حسین کا سال موت باوجود معاصرت و ہم وطنی بجائے ۱۹۱۰ء کے ۱۹۰۱ء لکھا ہے۔

(۳۱) آشفتہ دہلی کا ایک " مشہور " شاعر جس نے اپنی معشوقہ بنو کے فراق میں خودکشی کرلی، آصفیہ میں دونوں کے دو دو شعر۔

(۳۲) اوباش دہلی کا ایک ریختی گو، آصفیہ میں اس کا نام تک درج نہیں۔ آشفتہ و اوباش دونوں آصفیہ میں شمول کے مستحق نہ تھے۔

(۳۳) انشا، شاگرد مصحفی لکھنوی۔ موت ۱۲۳۳ھ آصفیہ، شاگرد مصحفی غلط محض، مصحفی کا وطن امروہہ۔ سال وفات انشا ۱۲۳۲ھ ہے۔

(۲۰) جی کی جی ہی میں رہی بات نہ ہونے پائی — ایک بھی اس سے ملاقات نہ ہونے پائی

۲ ص۲۸۵ میں بنام "انشا"، لیکن نہ کلیات انشا کے کسی نسخے میں جو میں نے دیکھا ہے، موجود ہے اور نہ مؤلف کے سوا کسی نے اسے انشا کی طرف منسوب کیا ہے۔ مطلع درد کا ہے ص۳۶

(۲۱) مطلع ذیل سحر لکھنوی کا ہے ص۸۵ آصفیہ ۲ ص۵۰۵ میں بنام "سحر":

ہمیں کیا جو تربت پہ میلے رہے — یہ سب کچھ ہوا ہم اکیلے رہے

(۲۲) آبرو عہد محمد شاہ تک زندہ رہے، اس عہد کا آغاز ۱۱۳۱ھ اور انجام ۱۱۶۱ھ میں ہوتا ہے۔ اس لیے مؤلف کے قول کے مطابق ۱۱۶۲ھ سے پیشتر راہی عدم ہو چکے تھے، مگر معاً بعد ان کے قلم سے نکلا ہے کہ ان کا انتقال سنہ ۱۹۱۵ھ پایا جاتا ہے۔ ابھی اس سنہ کے آنے میں کئی سو سال باقی ہیں۔ یہ بھی نہیں کہہ سکتے کہ سہواً عیسوی کی جگہ ہجری لکھ دیا ہے۔ ۱۹۱۵ء چودھویں صدی ہجری میں پڑتا ہے۔ آبرو کا سال وفات سفینۂ خوشگو میں ۱۱۴۶ھ مرقوم ہے۔

(۲۳) اثر، برادر خرد درد "غالباً دسویں صدی ہجری میں موجود تھے"۔ مؤلف کو اس کا علم ہے کہ درد و اثر کے والد خواجہ ناصر عندلیب ۱۱۰۵ھ میں پیدا ہوئے تھے (ص۳۱۴) مگر اس کے باوجود لکھ دیا کہ "غالباً" الخ۔

(۲۴) درد کی رباعیات کے مجموعے کا نام واردات ہے، اتنا اضافہ کیا ہے کہ یہ کتاب "کچھ اور ہی لطف دکھاتی ہے" (ص۳۲۶) اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اس کے مطالعے کے مدعی ہیں۔ مگر یہ مجموعۂ رباعیات نہیں، شرح رباعیات فارسی ہے۔

(۲۵) مرزا مظہر کے "اردو اور فارسی کے دو دیوان مؤلف فرہنگ کی نظر سے بھی گزرے ہیں" ص۳۲۴ ان کے دیوان اردو کا کسی اور نے (حتی کہ "بہت محقق" آزاد نے بھی) ذکر نہیں کیا، مؤلف پہلے ہی شخص ہیں جو اس کے دیکھنے کے مدعی ہیں۔

(۲۶) عرفی کے ترجمے میں عرفی کے چار درویش کا ذکر ہے، دیباچہ ص۲۳ میں ہے کہ چار درویش خسرو کی "مقبولیت پر رشک کھا کے عرفی نے اسی زبان شیراز میں لکھا" اور خسرو پر "منہ آیا کہ جو باتیں ہم نے اپنے گھر کی بڑھیا سے تو سنی ہیں، وہ خسرو نے عاقلانہ عرفی سے اخذ کی ہیں"۔ کہاں بیچارا چار درویش اور کہاں خسرو کا۔ مؤلف کو دعویٰ ہے کہ یہ ان کے دست "مولوی مرزا بیگ خاں" کے پاس ہے اور ان کی نظر سے گزرا ہے۔ خسرو کا چار درویش

شخص کی طرح ان کا ذکر بھی صاف ظاہر ہے کہ تذکرے مؤلف کی نظر سے نہیں گزرے تھے۔

سید غلام حسین بن میر غلام حسین۔ موت حسن ۱۲۰۰ھ "شیریں زبان" تاریخ کسی نے اچھی نکالی ہے" آصف۔ باپ بیٹے دونوں کا ایک نام! تذکروں میں بشمول تذکرۂ میر حسن بیٹے کا نام غلام حسن اور باپ کا غلام حسین ہے۔ "شیریں زبان" بہت اچھی تاریخ ہوتی، مگر ایک ذرا سی خرابی یہ ہے کہ اس سے ۱۲۰۰ نکلتا ہے۔ اس میں 'شاعر' کا اضافہ ہو تو ۱۲۰۱ مستخرج ہو، اور مصحفی نے جو قطعۂ تاریخ وفات اپنے تذکرۂ ہندی میں درج کیا ہے، اس کا مادۂ تاریخ یہی ہے۔

(۳۷) انوری کو ظیمروں نے قتل کر ڈالا۔ مؤلف سے قبل کسی نے یہ نہیں لکھا، اس لئے کسی کو اس کی تردید کی ضرورت نہیں ہوئی۔ براؤن اور ذبیح اللہ صفا کی تاریخ ادبیات فارسی اور تذکرۂ عوفی وغیرہ دیکھے جائیں۔

(۳۸) دہ مجلس فضلی نے لکھی جو بار بار چھپی ہے دیباچہ ص۲۲۔ کریم الدین پر بھروسہ کر کے میں نے بھی یہی نام لکھا تھا، مگر کتاب کے دیکھنے سے معلوم ہوا کہ اس میں ۱۱ مجالس ہیں اور اس کا نام کربل کتھا ہے۔ یہ پہلی بار چند سال قبل طبع ہوئی (مرتبۂ پروفیسر مختار الدین احمد و مالک رام)

(۳۹) خواجہ معین الدین حسن چشتی اجمیری کے ترجمے میں (جلد ا ص۳۱۳) ان کے والد کو، اور ترجمۂ شیخ علی محمد مخدوم (جلد ا ص۳۱۳) میں خود انہیں سنجری (س ن ج ری) لکھا ہے، حالانکہ سنجری (س ج زی) ہونا مسلمات سے ہے۔ آصف جلد لیں اولیا کے تراجم ص۳۱۳ اور ص۳۲۶ میں ہیں اور مؤلف کا دعوی ہے کہ انہیں ان کے لئے "سیکڑوں کتابیں الٹ پلٹ کرنی پڑیں"

(۴۰) جرأت سال وفات ۱۲۲۵ آصف صحیح ۱۲۲۴، اس کے متعلق میرا مقالہ شائع ہو چکا ہے (۱۱) ثاقب، شہاب الدین بیس پچیس سال قبل موت آصف، باوجود معاصرت و ہم وطنی، نہ یہ بتایا کہ غالب سے تلمذ تھا، نہ یہ کہ سال وفات کیا تھا۔

(۴۱) ناجی، سال وفات ۱۱۶۶ھ۔ تذکرۂ میر کے مکمل ہونے سے قبل مر چکے تھے۔

(۴۲) گلستان سخن (تحت تپاں) سے مؤلف نے بہت کچھ لیا ہے، اور یہ دہلی ہی میں ۱۲۷۵ھ سے کچھ قبل طبع ہوا تھا۔ اس کے سرورق میں مرقوم ہے کہ مؤلف قادر بخش صابر ہیں، اور کتاب صہبائی کی

۳۴۔ آزردہ "وحید العصر یکتائی دہر ہے، وحید اور یکتا میں ہو ایک بیکار" "افضل العلما مولوی مفتی صدر الدین خاں . . جو بہت بڑے عالم عربی، فارسی، ریختہ کے اعلیٰ درجے کے فاضل تھے" ہم شعر بھی منسوب، آصف، آزردہ کی اعلیٰ درجے کی فارسیدانی اور اُردو دانی کا ثبوت موجود نہیں، ان الفاظ میں ان کے شعر کم ہیں۔ سال ولادت و وفات نہیں دیا۔

(۳۵) افلاطون شاگرد سقراط، یہ ترجمۂ سقراط میں ایک جگہ، دوسری جگہ یہ کہ "وہ سقراط جیسے الٰہی حکیم کا استاد تھا" افلاطون کا استاد سقراط ہونا مؤلف کے سوا دنیا میں کسی کو معلوم نہ تھا، مگر اب ان کی بدولت یہ بات عام ہو گئی۔ اس کے متعلق ایک اور نئی بات یہ ہے کہ مصنف کتاب الحکما کا قول ہے کہ اس نے "بچشم خود" اس کی نو سو پچاس تصنیفات دیکھی تھیں۔ مؤلف نے ۴۰ سطور میں افلاطون کا ترجمہ قلمبند کیا ہے، مگر یہ بتانا غیر ضروری سمجھا ہے کہ کتاب الحکما کس کی تصنیف ہے۔ مجھے یاد تھا کہ اس نام کی ایک کتاب قفطی کی ہے، اصل کتاب تو کتبخانۂ خدا بخش میں ملی نہیں، اس کا فارسی ترجمہ ہے، اور اس میں وہ بات جو مؤلف نے اس کے حوالے سے لکھی ہے، نہیں ہے۔ اگر واقعی کتاب الحکما نام کی کسی کتاب میں یہ بات ہے کہ مصنف نے افلاطون کی ۹۵۰ کتابیں بچشم خود دیکھی تھیں، تو یا تو اوّل درجے کا جھوٹا ہے، یا ایک حد درجے کا سادہ لوح شخص جو کہ ما مقیماں کو بھی اگر کوئی کہہ دیتا کہ یہ افلاطون کی طبعزاد ہیں، تو اسے صحیح سمجھ سکتا تھا۔

(۳۶) تاباں "عین عنفوان شباب میں مرے۔ کہتے ہیں کہ حضرت ۱۱۹۷ھ تک زندہ تھے" یہ تو ترجمۂ تاباں میں ہے، ترجمۂ میرزا مظہر میں ہے کہ تاباں ان کے قتل کی وجہ بیان کرتے تھے۔ یہ واقعہ اوائل ۱۱۹۵ھ کا ہے۔ تاباں اس سے بہت پہلے راہی عدم ہو چکے تھے۔ ترجمۂ خسرو میں مؤلف نے تذکرۂ میر کا حوالہ اس طرح دیا ہے کہ اس سے یہ نتیجہ نکل سکتا ہے کہ اس سے بلا واسطہ استفادہ کیا تھا۔ یہ ۱۱۶۵ھ میں تمام ہوا تھا، اور اس میں وفات تاباں کا ذکر ہے۔ سودا (متوفی ۱۱۹۵ھ) کے کلیات کے ایک نسخے میں جو سودا کے دوران حیات میں مرتب، اور شورش ۱۸۵۷ء سے کچھ قبل دہلی میں چھپا تھا، ایک مثنوی ہے جس کا یہ شعر ہے:

خوبصورت یار بھی اپنے گئے مونس و غمخوار بھی اپنے گئے
جب سے عبد الحی تاباں ہو چکا ساتھ اس کے حسن سلیماں ہو چکا

تذکرۂ میر کے بعد جو تذکرے وجود میں آئے ہیں، اور ان میں تاباں کا ترجمہ ہے، سب میں ایک آنجہانی

26.1.55.

To me the library was even only a name, & I think it was a good fortune that I visited it for the first, but I am sure not the last time on Republic day.

کلیات میں اور جگہ بھی ہے) ۲ مُبَر ہن (بفتح با و سکون ہا) "ذات پہ جن کی مبرہن کہہ عز و دلیل" ص ۲۲
۳ مبرہن (بسکون با و فتح را) "مبرہن اس نے ویں ہوا ظاہر ہیں یہ غلام دو" ص ۱ یہ غلط ہے، مگر ہوا
راج میں اکابر کے یہاں کوئی لفظ غلط شکل میں بھی ہو، یا اس کے معنی صحیح نہیں، تو اس کا اندراج لغات کو
میں ضرور ہے ۴ چلتہ آصفیہ میں مذکر، سودا کے یہاں مؤنث "تقسیم کر دیں فقرہ غیرہ میں چلتہیں" ص ۱۲ ۵
دکھیانا "دل مراد کھیا رہا ہے کاسہ چینی کی طرح" ص ۱۲ ۶ دکھ دہند "دکھ دہندوں کی ہوا خواہی میں دی
ہے اپنی جاں" ص ۱۳ ۷ اردی = اردی بہشت "تیغ اردی ذکیا ملک خزاں مستاصل" ص ۱۲ ۸ اژدر ص ۳۰
"نہ اژدر بچا ہے نہ دال اژدہا" ص ۳۵۷ (مثنوی متعلق بجھکار) یہ مصرع اس پر مشعر کہ سودا کے نزدیک اژدر اژدہے سے
مختلف ہے، مگر دونوں ایک ہیں (فرہنگ فارسی محمد معین مؤلف ایران کے مشہور لسانی شناسوں میں تھے، اور یہ فرہنگ
بہت بڑی حد تک قابل اعتماد ہے) ۹ داربان ص ۳۳ + ۱۰ الغزمعک ص ۵۴ ۱۱ اولک "آج وہ دن ہے کہ جس گھر
میں تو دیکھو اس میں" ص ۵۸ "کہیں ہوتی ہے بھگت اور کہیں ہے اولک" ۱۲ اشج ص ۵۹ ۱۳ جھنکار بون عنہ "گجنال مثل
ملکہ کلکی تھی دبہدم" ص ۶۱ "آواز شتر نال تھی طاؤس کی جھنکار" ۱۴ ادھر "نکلا ہے ادھر کو استقبال کو راز نہاں"
ص ۲۵ ۱۵ جگر گیار ص ۱ ۱۶ سرا ازیر "جس قصر میں شوکت ہے تری پہنچو تو پہنچو" ص ۹۰ "تجھ تیغ غضب کے جو ہو سلاکے سرا ازیر"
ص ۷ چرت "خمیازی یہ خمیانہ ہے اور چرت اور چرت" ص ۱۰۲ ۱۸ خان دخوانین ص ۱۰۳ ۱۹ استشہاد "ہزار جا ہے کتب
سے اس کا استشہاد" ص ۱۰۶ + ۲۰ تواریخ ص ۱۱۰ ۲۱ ایلد = اقرار ص ۱۱۱ ۲۲ خلش آصفیہ میں صرف مؤنث، سودا کے نزدیک
کی سند "کہ جن (دل سے مٹا یا خلش رہائی کا (کا، ردیف) ص ۱۱۸ + ۲۳ بیانا = بیعانہ "جو نقد جاں بڑی قیمت
تو دل بیانا تھا" ص ۱۲۳ ۲۴ تابہ تگر ص ۲۵ ۲۵ مقام ص ۱۲۸ ۲۶ خوش آیند "آلودۂ دل ہے خوش آیند دعا کا" ص ۱۲۱
۲۷ انعام کرنا "دل کو غارت کر کے میری جان کو کیوں انعام کیا" ص ۱۴۰ ۲۸ پرنچ "ملائم یہ جو بنا ہے سو غم کھانے کا پرنچ" ص ۱۲۹
۲۹ اقبان ص ۱۴۰ ۳۰ حیران "گرد و پیش اقبان وغیرہ اس کے خویش و اقربا" ص ۱۴۰ ۳۱ پرشال "لیلیٰ کی پرشال اگر پیش گئی"
ص ۱۶۰ ۳۲ جواہری = جوہری ص ۱۷۰ ۳۳ ابر آشفتہ "یک بیک جو کہ ابر آشفتہ لگا یہ کہنے" ص ۱۸۲ ۳۴ کچھ تجھ عقل سے بہرہ بھی میاں ہے کہ نہیں"
۳۵ بیدہ "حلق بریدہ" ص ۱۸۴ ۳۶ بد اختیار ص ۱۸۶ ۳۷ بازلیس "دم بازلیس" ص ۱۹۳ ۳۸ چشم آصفیہ میں
صرف مؤنث سودا کے یہاں مذکر بھی "یہ چشم بھوتی بھوتی تالاب بھرے نگر" ص ۲۲۳ ۳۹ تعاقب کرنا کسی کو کسی سے
"چمن میں جب نہ کر سکیو تعاقب گل کو ڈالا سر" ص ۲۲۴ ۴۰ تطییر ص ۲۲۵ ۴۱ خانہ بہانداز ص ۲۲۵
۴۱ ایدھر ص ۲۳۱ + ۴۲ افلاکی ص ۲۴۴ ●●

the arrangements for ensuring the safety and preservation of this precious collection and for making some, at least, of its valuable treasures — manuscripts & pictures — available to connoisseurs and scholars all the world over in reproductions whose fidelity can be ensured by the development of modern technique.

8.8.57

Zakir Husain

(Governor of Bihar)

It is a privilege to visit the Library and see its wonderful collection. A real lover of art brought together some of the choicest specimens of art from many regions and many ages and they have been looked after with loving care.

The physical condition of the library and equipment for preservation should be improved and it is a duty of national importance.

Humayun Kabir

and with his head full of visions of Mughal grandeur, hummed when he entered this library,—

'Agar firdaus bar ru-i-zamin ast,
Hamin ast wa hamin ast wa hamin ast.

If there be on earth an elysium of bliss
It is this, it is this, and Oh ! it is this.,

That is the best description of it to a scholar.

I cannot say how happy I was to visit the Khuda Bakhsh Oriental Public Library, Patna. It was a fascinating experience. The Library contains a unique collection of the choicest and rarest manuscripts and pictures which would do honour to any of the worlds' biggest capitals. Patna and Bihar have every reason to be proud of it and to remember with loving gratitude the great citizen, the late Maulvi Khuda Bakhsh Khan, whose public-spirited generosity made it available to them.

owner indignantly declined the proposal, but held his peace. When Mr. Eliot retired, he packed his choicest Mss. in some cases and shipped them to England, while his worthless books were put in another case and left at Patna to be sold by auction. But by the irony of fate or of the hand of God, call it what you will,—not only the extorted volume of Odes but some other rare Mss. (such as the *Majalis-i-Khamsa* bearing Shah Jahan's autograph), had got into the wrong case, and Muḥammad Bakhsh bought them ! On reaching England Mr. Eliot discovered his mistake, but only to fret and fume in vain.

One day when Khuda Bakhsh was driving back from the High Court at Hydarabad, his eyes, ever on the look out for Mss., discovered a bundle of volumes on a sack of flour in a grocer's shop. He stopped, turned the books over, and asked about the price. The owner shrewdly answered, "To any other man I should have sold this heap of old and rotten papers for Rs. 3. But as your lordship is interested in them, they must contain something of value. I want Rs. 20 for them". A true guess, for along with some worthless things the bundle contained an old work on Arabic bibliography not to be found elsewhere. Immediately after Khuda Bakash's purchase, Rs. 400 were offered for it by the Nizam, but in vain.

Its Tresures. One of his literary treasures, Jahangir's Book of Fate, has been already described. Another is an autograph copy of the *Shahanshah-namah*, an epic poem celebrating the victories of Sultan Muhammad III (the conqueror of Constantinople in 1453), written by the author in 1594 and presented to Sultan Muhammad III. Many bold and striking battle-pieces illuminate the volume, which reached India in Shah Jahan's reign, and either that Emperor or some later owner paid Rs. 750 for it. Jami's poem *Yusuf wa Zulaikha*, copied by the greatest of Persian Caligraphists, Mir Ali, for which Jahangir paid 1,000 gold mohars, now adorns this library. There are two of Shah Jahan's Commomplace Books, one of them containing his signature at the age of 14,—Dara Shukoh's autograph copy of his work, the Lives of Saints (*Safinat ul-Awlia*),—the *Odes* of Hafiz belonging to the king of Golkonda and brought away to Delhi as a spoil of war,—Amir Khusru's *Masnavi* copied for Sultan Abdul Aziz of Bukhara by Nur Ali (who was kept in confinement for 3 years to finish it),—Ranjit Singh's military account-book with entries in Persian and Gurmukhi,—the richly illuminated copy of Firdausi's *Shahnamah* which Ali Mardan Khan presented to Shah Jahan at his first audience (1640),—the works of Khusru containing the seal of

Akbar's mother Hamida Banu Begam,—Hatifi's romance *Shirin wa Khusrau* written for Ibrahim Adil Shah, king of Bijapur, in a fine small hand, and Jahangir's *Autobiography* presented by himself to the king of Golkonda and brought back by Aurangzib's son after the conquest of that kingdom. Among the best illuminated Mss. are (1) a *History of Timur's dynasty* down to the 22nd year of Akbar's reign, rich in pictures, some of which have been reproduced but very imperfectly in Mrs. Beveridge's *Memoirs of Gulbadan Begam*, (2) the *Padshahnamah* or History of Shah Jahan with illustrations of the finest execution, detail and ornamentation, and (3) a *History of India* written for Ranjit Singh. Most sacred in the eyes of Persian students is the first half of Mulla Jami's autograph works, of which the second half is in the St. Petersburg Imperial Library. The gifted poet's signature and handwriting agree exactly with those reproduced in the St. Petersburg Catalogue from the last page of his second volume.

Among the Arabic works, we have the *Tafsir-i-Kabir*, three gigantic volumes written in an uniformly small, fine and distinct hand. It is a monument of incredible human patience and industry. There is a very old Ms. on botany, the *Kitab ul-Hasha'ish* (full of coloured illustrations), translated from the Greek of Dioscorides into Arabic by Stephen, the son of Basil, (who died in 240 A. H.), in the reign of the Khalif Mamun. Another equally old Ms. is an Arabic treatise on surgical instruments (all illustrated), composed by Zahravi in Granada. Another volume of Zahravi's works bears traces of fire on many pages. Could it have been a survival from the Moorish library burnt by Ximenes ? There is a piece of parchment with Cufic charecters ascribed to Ali's hand ! Another wonder is a complete *Quran* on a single fine film-like parchment roll of great length, written in a minute but distinct hand. A second copy of the *Quran* belongs to the age before diacritical marks came into use in writing Arabic.

A historic curiosity of great interest is the "Story of Christ" (*Dastan-i-Masih*), translated from the Bible into Persian at Akbar's request by the Portuguese missionary Geronimo Xavier. This copy was transcribed by Abdur Razzaq Qandahari in 1013 A. H. (1604 A. D.).

In short, if I go on describing the riches of the Khuda Bakhsh Library I shall never end. He who would know them should see them. In January, 1903, Lord Curzon, fresh from the Delhi Darbar

the O.P.L. by Safdar Nawab ! These are only two examples out of many which show how this library has been the means of keeping in our land India's literary treasures.

Its Paintings And Specimens of Caligraphy. The specimens of Eastern painting,—Chinese, Central Asian, Persian and Indian—, collected here are invaluable to the student of Oriental Art, and have gained the warmest praise from a critic of Mr. Havell's ability. Many of them are illuminations of manuscripts from the Mughal Imperial library, some from Ranjit Singh's collection, most others from the picture-albums of the nobles of the Courts of Delhi and Lucknow, or scrapbooks completed piecemeal after years of waiting and search by the untiring and single-minded founder. Most of the portraits of bygone celebrities are unique. The very papers on which the manuscripts are written are of such varied description and represent so many countries and periods of the paper-making art, that a special treatise may be written on them. The finest and most numerous specimens of Persian penmanship are to be found here, of any country in Asia.

Its English Books. Great as are the value and clebrity of its Persian and Arabic manuscripts, its English books are of no mean importance even by their side. There are standard works on every subject,—poetry, philosophy, history, fiction, essays, etc.—and costly and very complete collections of dictionaries, English translations of Oriental works, and rare books on Indian history. Alibone's *Dictionary of English Literature* (with the supplement), the *Dictionary of National Biography*, 63 vols., the *Sacred Books of the East*, Burton's *Arabian Nights*, and many other works are to be found here only in all Bihar. There is a set of the very first edition of the *Waverley Novels*. Admirers of Scott will be delighted to see the once famous small volumes, printed at Edinburgh by Scott's friend and ruinator Ballantyne, and bearing on the title-page the words "By the author of Waverley" and not Scott's name,—for he was still the "Great unknown," "the Wizard of the North."

Of the illustrated English books the total price runs up to several thousands of Rupees. There are Griffiths's *Ajanta Caves*, Maisey'. *Sanchi*, Cunninghams's *Bharhut*, Fergusson and Taylor's *Bijapur* and *Dharwar and Mysore*, Finden's *Byron* and many more. Khuda Bakhsh purchased an entire library in England by auction of £4,000 (Rs. 60,000). Hence the beautiful leather binding of most of his English volumes.

The Romance Of His Book Collection. There are many romances connected with the history and growth of the library. The most precious Mss. in India were undoubtedly those of the Mughal Library of Delhi. Thither, through the 16th and 17th centuries, came all rare and fine examples of caligraphy and illumination in the East. Some were purchased, others were executed by artists retained in the Imperial service, some were secured by conquest (as of Hyderabad and Bijapur in Aurangzib's reign), and many by the confiscation of the goods of great nobles on their death. Thus was formed the largest library in the East in that period; for, while Central Asia, Persia and Arabia were torn by incessant war, India enjoyed peace under the Great Mughals. In the 18th century many of these Mss. found their way to the library of the *Nawabs* of Oudh. But the Sepoy Mutiny of 1857 brought about the fall of Delhi and Lucknow. The Imperial and Nawabi treasures were dispersed. The *Nawab* of Rampur (Rohilkhand), who had joined the English, got the best of the loot, as he had proclaimed among the victorious loyal sepoys that he would pay one rupee for every Ms. brought to him. Khuda Bakhsh began his collection much later; but there was the greatest rivalry between him and the *Nawab*. At last Khuda Bakhsh won over from the *Nawab's* side that jewel of a book-hunter, an Arab named Muḥammad Makki, paid him a regular salary of Rs. 50 a month (besides commission) for 18 years, and employed him in searching for rare Mss. (mostly Arabic) in Syria, Arabia, Egypt, and Persia (specially at Beirut and Cairo). It was Khuda Bakhsh's invariable practice to pay the double railway fare to every manuscript-seller who visited Bankipur, whether he bought anything from him or not. Thus his fame spread throughout India, and he was given the first choice of every Ms. on sale in any part of the country.

Curiously enough, one year the library was broken into by a former book-binder and some of the best Mss. stolen. The thief sent them for sale to a broker or merchant at Lahore, and the latter unsuspectingly offered them to Khuda Bakhsh as the likeliest person to buy them. So, in the end the honest man came by his own and the thief was punished.

In another case divine justice asserted itself by a similar roundabout process. Mr. J. B. Eliot, Provincial Judge of Patna (a great Mss. collector and donor to the Bodleian), borrowed a unique Ms. of the Odes of Kamaluddin Ismail Isfahani from Muhammad Bakhsh and afterwards refused to return it, offering a large price for it. The

Imambara, and waited at the gate while my guide entered it. After a while he came out, and took me inside to a vast hall in which a veiled being sat surrounded by his friends. My guide said, 'This man has come for the manuscripts.' The veiled one replied, 'Let them be given to him.' Shortly after this, Mss. began to pour into my library from various places". (This was a vision of the Prophet Muhammad and his *Ashab* or companions).

"One night I dreamt that the lane near the library was filled with a dense crowd of people. When I came out of my house they cried out, 'The Prophet is on a visit to your library, and you are not there to show him round !' I hastened to the manuscript-room and found him gone. But there were two manuscripts of the *Hadis* (Traditions) lying open on the table. These, the people said, had been read by the Prophet". (Both these volumes now contain a note by Khuda Bakhsh, stating that they are never to be allowed to go out of the library; but no reason is given for the prohibition).

So keen was his love for the library that in his last year, when age had brought in its train a weakening of the intellect, he constantly thought of it and conjured up imaginary dangers to it. The position of every book in it was fixed in his memory. Only two days before his death he accurately described the case and shelf in which a copy of Abu Daud's work is kept.

I can still picture to my eyes the venerable founder as he sat near the library porch, his *huqqa* resting on a tripod, his grey hair and beard and plain white dress conspicuous from a distance. There were usually one or two visitors with him, or he was sedately turning over the leaves of some manuscript.

The National Importance Of His Library. He is buried in the place which he loved so well, and to which he gave his all. A low unpretentious tomb, between the library buildings and the reading room, marks the last resting-place of the greatest benefactor and first citizen of Patna, a man sprung from the middle class who has left the country richer by a treasure surpassing the gifts of princes and millionaires. He was the Indian Bodley, and unborn generations of Indian scholars and readers will bless his memory and say that he was rightly named *Khuda Bakhsh*, 'the gift of God.'

For, the value of his gift and its full significance in the growth of our nation will be realised more and more as time passes. At present the Indian Orientalists are a small body, and few of them

have taken to Persian, almost none to Arabic. A European scholar, after inspecting his library and noticing its lack of readers, remarked to Khuda Bakhsh, "What a fine cemetery for books have you built! In Europe such a library would have been daily thronged with a hundred students busy in research; but I see none such here". But it will not be so with us for ever; already a new era of research has dawned among us. In the meantime the Khuda Bakhsh Library forms a nucleus round which Indian manuscripts are gathering, sometimes by purchase, but mainly by gift. A most admirable feature of the European character is that whereever they go they collect Mss., antiques, and specimens for presentation to their national museums. In the Bodleian, the British Museum, and the India Office Library, there are many precious Oriental Mss. bearing the signature of historical Anglo-Indians of the 18th century—Kirkpatrick, Gladwin, Fitzpatrick, Jonathan Scott, etc. Even in those early days of British power, while they were conquering and settling the land, they eagerly hunted for Mss. and bequeathed them to their country's use. Many rare and even unique works have thus disappeared from India, and now adorn the libraries of European capitals. European savants use them; to the Indian scholar, unless he is rich enough to visit Europe, they are sealed books. The Khuda Bakhsh Library, by offering a well-known and secure home for books and ensuring their public use, is tempting private owners all over India to send their collections to it and thus save them from being dispersed or lost to the country. This has been strikingly seen in some recent valuable gifts of Persian Mss. to this library by generous Muhammadan gentlemen. Jahangir's book of fortunetelling, i.e., a copy of Hafiz's Odes, which he used to open at random to learn the future, (just as they took sortes from Virgil's Poems in mediaeval Europe),—has been presented by M. Subhanullah Khan of Gorakhpur. It contains marginal notes in the Emperor's own hand, stating when and with what result he consulted his oracle. Then again, Secretary Inayatullah Khan's *Ahkam-i-Alamgiri*, giving the Emperor Aurangzib's letters in his last years and graphically describing the break-down of the Imperial authority, was formerly known by name only; no public library in Europe or India had a copy of it. In October, 1907 I discovered an old Padshahi Ms. of it in the Rampur (Rohilkhand) State Library and got the Nawab's kind permission to take a copy of it. On my return to Bankipur, what was my surprise and pleasure to see that another Ms. of it, (once belonging to some noble of the Court, and supplying many differences of reading),—had been shortly before presented to

Judge, he soon disagreed with his chief, Mr. Latour, and resigned. We next see him serving as a Deputy Inspector of Schools for 1 months. But in January, 1868, he passed the Higher grade Pleadership examination held at Patna, threw up his post, joined the local bar at the age of 25, and followed a career of striking brilliancy and success from the outset. On the very day that he began his practice he signed 101 *Wakalat-nama*. Of no other lawyer has such phenomenal success been recorded.

His memory was wonderful; and numerous as his cases were he required only a rapid view to master his briefs. Sir Louis Jackson, a Judge of the Calcutta High Court, while on a visit to Patna was struck by Khuda Bakhsh's advocacy, and was pleased to learn that he was the son of Muhammad Bakhsh whom he had known well during his District Judgeship of Patna. Sir Louis visited the bed-ridden Muhammad Bakhsh and offered Khuda Bakhsh a Sub-Judgeship with hopes of promotion to the Statutory Civil Service. But he had a roaring practice and declined to enter the Public Service.

Public honours, however, came thick upon him. Like a true citizen he cheerfully gave his time freely to many a public cause. For his work on the School Committee he got a Certificate of Honour at the Delhi Darbar of 1877. He was the first Vice-chairman of the Patna Municipality and of the Patna District Board, when these self-governing bodies were created by Lord Ripon. His forensic ability found recognition in his appointment as Government Pleader; and he received the highest honour of his profession when in 1894, he was appointed Chief Justice of the High Court of the Nizam. A Khan Bahadurship was conferred on him in January 1883, and a C. I. E. in 1903. He was also a Fellow of the Calcutta University.

Returning from Hydarabad in 1898, he again joined the Bankipur bar. But his health was already on the decline, and the toils of his profession were too much for him. Latterly his mental powers gave way, and finally at 1 P. M., August 3rd, 1908, he breathed his last, after having completed his 66th year the day before. His younger brother, Mr. Abul Hassan, Bar-at-law, was for some time Chief Judge of the Calcutta Small Cause Court. Of Khuda Bakhsh's sons; the eldest Mr. Salahuddin, M. A., B. C. L. (Oxford), Bar-at-law has already made his mark as an Orientalist; the second, Mr. Shihabuddin, is a Deputy Superintendent of police and possesses

CONTENTS

Reconstruction of Islamic Chronology: Upstream Downstream ... 1
—Dr. Hashim Amir Ali

My Criticism : A Retrospect (Urdu) ... 1
—Prof. Kalimuddin Ahmad

An Early Urdu Journal, *Adeeb* of Firozabad (Urdu) ... 73
—Dr. A. R. Bedar

Notes & Addenda : Regarding Maulana Azad's Letter (Urdu) ... 103
—Mr. Md. Yunus Khalidi

Corrections & Additions : Library Catalogue Vol. I/151 *Diwan of Hafiz* (Urdu) ... 104
—Mr. Q. A. Wadood (Bar-at-Law)

Review : *Farhang-i-Asafiyah-3* (Urdu) ... 105
—Mr. Q. A. Wadood (Bar-at-Law)

Autograph Impressions—Leaves from the Visitors' Register of the Library : Sir C. V. Raman (Scientist), Sir J. C. Bose (Scientist), R. E. Mortimer Wheeler (Archaeologist) and Sir John Simon (Chairman Simon Commission) ... 113

106. Like Aḥmad Sirhindī before him, Shāh Walī Allāh chiefly criticized the traditional concept of the *pīr* by arrogating to himself a new title (*qa'im az-zaman*) that comprised wider connotations, corresponding to his broad efforts to bridge rifts in the Indian Muslim community of his time, than did the terms *pīr, quṭb* or *walī*; 'Aziz Aḥmad, *Studies in Islamic Culture in the Indian Environment*, Oxford University Press, New York, 1964, p. 203. Also, J. M. S. Baljon ("Prophet logy of Shāh Walī Allāh" *Islamic Studies* (Jan. 1970), pp. 69-80) explains his preference for the companions of the Prophet.

On Muḥammad Iqbāl, see A. Schimmel, *Gabriel's Wing*, Leiden, 1963, where the author deftly examines the many-faceted aspects of Iqbāl's writings on Sufism : while opposed to the abuses of traditional Sufism, especially those associated with 'pirism' and a restrictive interpretation of *waḥdat al-wujūd* (pp. 271-3, 362-9, & 385), Iqbāl nonetheless felt a deep veneration for numerous Sufis, including 'the generations of great practical mystics thanks to whom India had become partly islamized' (pp. 370-1).

107. Throughout *The Sufi Order's in Islam*, New York, 1971, J. Spencer Trimingham dwells on the so-called degeneracy of Sufism, attributing much of this decline to the veneration accorded the *pīr*, e.g., on pp. 144-5. He even goes so far as to claim that there was nothing ethical in the conduct of any of the saints (p. 158).

108. R. C. Zaehrer (*Hindu and Muslim Mysticism*, New York, 1969, pp. 176-8) not only criticizes the boldness of Abū Sa'īd b. Abī'l-Khair but even berates those who have studied him : "Nicholson has devoted many pages to the doings of this far from lovable eccentric in his *Studies in Islamic Mysticism*, and we will not attempt to cover again ground so little worth covering." (p. 177).

109. M. Mujeeb, *Indian Muslims*, pp. 149-50.

Khuda Bakhsh, The Indian Bodley : Life And Character

By Sir Jadunath Sarkar

KHAN Bahadur Khuda Bakhsh, C. I. E. was born at Chapra in North Bihar, on Tuesday, 2nd August, 1842 (23rd *Jamadi-us-sani*, 1258 of the *Hijra* era). His family was distinguished for scholarship if not for wealth, and one of his clansmen, *Qazi* Haibatullah, took part in compiling the **Institutes of Aurangzib** (*Fatwa-i-Alamgiri*). Muhammad Bakhsh, the father of our hero, was a lawyer at Bankipur. Though not a rich man, he had a passion for Persian and Arabic books and succeeded in adding 1200 manuscripts to the 300 which he had received by inheritance. On his death-bed he charged young Khuda Bakhsh to complete the collection in every branch of Oriental learning and build a library-hall for the use of the public. The family was then in hard straits; there was no patrimony for Khuda Bakhsh, and the future seemed cheerles. But without a moment's hesitation or fear, he accepted his father's command, and right nobly did he fulfil it. The 1500 volumes left behind by Muhammad Bakhsh have now increassed to about 5000, and their value in 1891, when they numbered only 3,000, was estimated by an expert under Sir Alfred Croft at two and half lakhs of Rupees £ 16,666). An English collection, worth nearly a lakh of Rupees, as been added; and the whole has been housed in a splendid edifice osting Rs. 80,000. All these represent the life's work of one man, Khuda Bakhsh.

Young Khuda Bakhsh read in Calcutta for some time under he care of Nawab Amir Ali Khan Bahadur, a pleader of the Sadar ourt, who helped to maintain the English administration at Patna uring the Mutiny. Bad news from home recalled the young student Bankipur; his father was stricken with palsy, unable to earn nything, and the family was in great distress. Khuda Bakhsh was alled upon to support them. He applied for a *Naib-ship* under a *Munsif*, but without success. Appointed *Peshkar* of the District

88. Many scholars have assumed that Bū 'Alī Qalandar was a member of the Chishtī *silsilah* (see, e.g., J. A. Subhan, *Sufism : its Saints and Shrines*, Lucknow, 1960, p. 323 and A. Schimmel, *Mystical Dimensions*, p. 350 as well as *Islamic Literatures of India*, Wiesbaden, 1973, p. 16). 'Abd al-Ḥaqq (*Akhbār al-akhyār*, pp. 124-5), however, is suspicious of the traditions that link the saint either to Quṭb ad-dīn or Niẓām ad-dīn. His namesake, Sharaf ad-dīn b. Yaḥyā Manerī, is said to have met him and been impressed with his spiritual powers during the visit to Delhi described above (fn. 76), but Makhdūm al-mulk does not link Bū 'Alī Qalandar to the Chishtī order; according to Sayyid Shāh Ibn 'Alī, *Wasilat-i sharf o-ẓarī'ah-i dawlat*, Daryapur, 1334 A.H.; repr. by M. Tayyib Abdālī, Bodhgaya, 1965 A.D., pp. 18-19 & fn. 2. A. Schimmel has mentioned to me a recent Ph. D. thesis on Bū 'Alī Qalandar from Karachi University by M. Tafhīmī. Though I have not seen it, I would imagine that the author answers the age-old question of Bū 'Alī Qalandar's affiliation or non-affiliation with the Chishtīya.

89. *Mathnawī-yi Bū 'Alī Shāh Qalandar*, Delhi, 1383 A.H., pp. 14-16.

90. Note especially A. Schimmel, *Mystical Dimensions*, pp. 428-9.

91. K. A. Nizami, "Ḥaḍrat Shaykh-i Akbar Muḥyī ad-Dīn Ibn 'Arabī aur Hindūstān" *Burhān* XXIV (1950), p. 16.

92. Sayyid 'Alī Ḥamadānī has attracted a spate of superb scholars. For general bibliographic information, consult C. A. Storey, *Persian Literature : A Bio-Bibliographic Survey*, 1/2, repr. London, 1972, pp. 96-7, fn. 4. An analysis of his Shi'ite proclivities is put forth in M. Mole, "Les Kubrawīya entre sunnisme et shiisme aux huitiéme et neuvième siècles de l'hēgire", *Revue des ētudes Islamiques* 1961, pp. 110-18. On the role of dreams, important to all the Kubrawī saints, in the thought of Hamadānī, we have a lucid, informative study by F. Meir, "Die Welt der Urbilder bei 'Alī Hamadānī (d. 1385), "*Evanos Jahrbuch* 18 (1950), pp. 115-73. On his trip to Kashmir from Central Asia, there is A. A. Hekmat", "Les voyages d'un mystique persan de Hamadān au Kashmir", *Journal asiatique* 240 (1952), pp. 53-66. And finally, the life and major writings of the saint have been examined in J. K. Teufel, *Eine Lebenschreibung des Scheichs 'Alī-i Hamadānī*, Leiden, 1962.

93. Quotation from Professor Shams ad-dīn Aḥmad, Department of Persian, University of Kashmir during a conversation in Salar Jung Library, Hyderabad, January 15, 1976. The learned

professor was stating not merely his own personal view but a belief widely held among Kashmiris.

94. M. S. Commissariat, *History of Gujarat* I, Madras, 1938; pp. 131-3.

95. K. A. Nizami ("Shaikh Aḥmad Maghribī as a Great Historical Personality of Medieval Gujarat", *Medieval India—a Miscellany*, vol. 3, Aligarh, 1975, pp. 234-59) provides an excellent introduction to the uniqueness of this saint and the mediocre quality of the available sources on his life, teaching and influence.

96. Amīr Ḥasan Sijzī, *Fawā'id al-fu'ād*, p. 132. The story also appears in *Khair al-majalis*, pp. 191-3 and *Akhbar al-akhyar* p. 75.

97. M. Mujeeb, *Indian Muslims*, pp. 166, & 171. Also, note the uncritical but still important work of Abdul Ḥaqq : *The Role of Sufis in the Development of Urdu*, Aurangabad, 1923.

98. Of the numerous fourteenth century saints of Northern India, only three, Bū 'Alī Shāh Qalandar, Mas'ūd Bakk and Sayyid Ashraf Jahāngīr Simnānī, regularly quoted the verses of the *Mathnawī-yi ma'nawī* or the *Dīwān-i Shams-i Tabriz*.

99. Amīr Ḥasan Sijzī, *Fawā'id al-fu'ād*, pp. 84-5 and p. 245.

100. Muḥammad Akbar Husainī, *Jawāmi' al-kalim*, pp. 118-20.

101. See, e.g., 'Abdullāh Khweshgī Qasūrī, *Ma'ārij al-wilāyat*, personal copy of Professor K. A. Nizami, ff. 174-8, which describes the conversion of Ajaipal Yogi and his followers. In an unpublished paper delivered at the School of Oriental and African Studies in January 1975, S. Digby identifies Ajaypal as 'the epony mous Cauhan founder of the city of Ajmer' for whom there was a 'cult celebrated locally with an annual festival in the Hindu year' ("Encounters with Jogis in Indian Sufi Hagiography", p. 15).

102. Quoted from *Manāqib al-aṣfiyā*, pp. 138-9 and *Iqtibās al-anwār*, p. 237 in A. Rashid, *op. cit.*, p. 193.

103. Amīr Ḥassn Sijzī, *Fawā'id al-fu'ād*, pp. 70 and 56.

104. In "The Suhrawardi Silsilah and its Influence on Medieval Indian Politics", p. 26, K. A. Nizami aptly analyzes the Nawahun affair, as this incident came to be called. M. G. S. Hodgson, in his monumental but often baffling work, *The Venture of Islam* alludes to this same incident but without mentioning the name of Rāju Qattāl, whose words and actions he attributes to his saintly father ! (*The Venture of Islam*, Chicago, 1974, vol. 2, p. 538).

105. A superb study of the *Rushdnāmah* is contained in the earlier cited article by S. Digby; *Medieval India—a Miscellany*, vol. 3, Aligarh 1975, pp. 38-51.

70. Note, for example, R. A. Nicholson's comment in *Catalogue of Oriental Mss. belonging to E. G. Browne*, Cambridge, 1932, p. 41.
71. Amīr Husaynī Sādāt, *Nuzhat al-arwāḥ*, Delhi, 1912, pp. 96-7.
72. A brief recapitulation of *Jāmi' al-'ulūm* and *Sirāj al-hidāyat* is provided by 'Abdur Rashid, "The Treatment of History by Muslim Historians in Sufi Writings", in C. H. Philips, ed., *Historians of India, Pakistan and Ceylon*, Oxford University Press, London, 1961, p. 138. See also K. A. Nizami, *Religion and Politics*, p. 225, fn. 1 and *idem*, "The Suhrawardi Silsilah and its influence on Medieval Indian Politics", *Medieval India Quarterly* III/1 & 2, Jul-Oct 1957, p. 5.
73. Aḥmad Chirāmpūsh is briefly mentioned by S. H. Askari, "Sufism in Medieval Bihar", *Current Studies* (Patna College) 7, 1957, pp. 33-4. He is also the subject of a further article by Professor Askari : Haẓrat Aḥmad Chirāmpūsh, a 14th century Sufi Saint of Bihar", *Patna University Journal* VII, 1954, pp. 20-32.
74. See the almost too objective but brilliantly articulate assessment of Jamālī's *Siyar al-'ārifīn* by M. Habib : "Chishtī Mystics' Records of the Sultanate Period", reprinted in K. A. Nizami, ed., *Politics and Society during the Early Medieval Period: Collected Works of Professor Mohammed Habib*, vol. 1, New Delhi, 1974; pp. 394-7.
75. Sayyid Husām ad-dīn Rashdī has written an excellent introduction to Jamālī's lifework and also provided a superlative edition to one of his most important poems. See S. H. Rashdī, *Masnawī Mehr-o-Māh of Jamālī Dehlavī*, published by the Iran/Pakistan Institute of Persian Studies, Rawalpindi, 1974.
75. Quoted in 'Abd al-Ḥaqq, *Akhbār al-akhyār*, p. 113. The date of Sharaf ad-dīn's first visit to the capital of the Sultanate remains a subject of controversy. 'Abd al-Ḥaqq, by suggesting that the young Bihari travelled to Delhi in order to become a disciple of Nizām ad-dīn only to find that the great Shaykh had already died, is advancing 1326-7 A.D. as the probable date of his visit. In the twelfth chapter of *Ma'dan al-ma'ānī*, however, Zain ad-dīn Badr-i 'Arabī, presumably on the authority of Sharaf ad-dīn himself, states that the saint visited Delhi during the lifetime of Niẓām ad-dīn, met the resident *pīr* of Ghiyāspūr but preferred the Firdausī Najīb ad-dīn. Since the death date of Najīb ad-dīn is given as 1291 A.D. in *Munis al-qulūb* (as

compared with 1300 A.D. in *Ā'īn-i Akbarī* and 1332 A.D. in *Khazīnat al-aṣfiyā*, the likelihood is that Sharaf ad-dīn did visit Delhi well before the death of Niẓām ad-dīn and, like several early Indo-Muslim saints, lived to be over 100 years of age, not surrendering his soul to God till 1379 A.D. 'Abd al-Ḥaqq must be reflecting an oral tradition of Delhi that obviously preserved the supremacy of Niẓām ad-dīn as the Pole of the Age at the same time that it acknowledged the ascending spiritual power of Sharaf ad-dīn. The testimony of the Firdausī sources seems preferable.

77. P. N. Chopra, *Society and Culture during the Mughal Age*, Agra, 1963, p. 173.
78. *Maktūbāt-i Haẓrat Sharaf ad-dīn Yaḥyā Manerī*, Kanpur, 1329 A.H., pp. 73-4.
79. *Ibid*, pp. 183-4.
80. *Maktūbāt-i Jawābī-yi Haẓrat Sharaf ad-dīn Yaḥyā Manerī*, Kanpur, 1910, pp. 4-5.
81. *Ibid*, p. 5.
82. These minor *malfūẓāt* of Makhdūm al-Mulk are briefly described in A. Rashid, *Society and Culture in Medieval India (1206-1556 A.D.)*, Calcutta, 1969, pp. 168-9.
83. 'Abd al-Ḥaqq, *Akhbār al-akhyār*, p. 113.
84. Many of these *karamat* are detailed in *Manāqib al-aṣfiyā*, a hagiographical extravaganza with modest factual content written after the death of Makhdūm al-Mulk by a relative. It has been lithographed from Calcutta in 1895. We also find unusual and extraordinary acts attributed to the saint in the vast corpus of *malfūẓāt* literature, but they are minor and rare in comparison to the unbridled imagination at work in *Manāqib al-aṣfiyā*.
85. The possibilities for future research are set forth by S. H. Askari in his seminal article, "The Correspondence of Two 14th Century Sufi Saints of Bihar with the Contemporary Sovereigns of Delhi and Bengal", *Journal of the Bihar Research Society* XLII/2, 1956, pp. 177-25.
86. Quoted by 'Abd al-Ḥaqq in *Akhbār al-akhyār*, pp. 119-20.
87. Information on Aḥmad Langar Daryā as well as his illustrious ancestors and their enormous literary output is available in Muḥammad Mu'īn ad-dīn Dardai, *Tārīkh-i silsilah-i Firdausīya*, Taj Press, Gaya, 1962, though the book has long been out of print.

University, f. 14 B (Letter 9). Also quoted in 'Abd al-Ḥaqq, *Akhbār al-akhyār*, p. 149.

Anīs al-'āshiqīn and *Rafīq al-'ārifīn* are extant in the form of rare manuscripts that can, with difficulty, be located in present-day Bihar (e.g., at the uncatalogued library of Phulwari Sharif on the outskirts of Patna). *Anīs al-'āshiqīn* is said to have been once printed in a lithographed edition, but the present writer has never been able to find reference to this publication. S. H. Askari has provided a fine biographical introduction to the neglected Ḥusām ad-dīn Manikpūrī; see his "Hazrat Hesamaddīn, the 15th century Ghishtī saint of Manikpūr", *Current Studies* (Patna College) 1, May 1953, pp. 4-11 A.

Excerpted in 'Abd al-Ḥaqq, *Akhbār al-akhyār*, p. 149.

This work has been extensively quoted 'Abd al-Ḥaqq, *Akhbār al-akhyār*, pp. 187-8 and also in 'Abdullāh Khweshgī Qasūrī' *Ma'ārij a!-wilāyat*, Part IV.

Compare 'Abd al-Quddūs' initiations by the resurrected presence of Aḥmad 'Abd al-Ḥaqq (exaggerated though it may be; see S. Digby, "'Abd al-Quddūs Gangohī (1456-1537 A.D.): The Personality and Attitudes of a Medieval Indian Sufi", *Medieval India-a Miscellany*, vol. 3, Aligarh, 1975, p. 6) with the illiterate Kharaqānī's initiation by the powerful spirit of Bāyazīd Bisṭāmī (A. Schimmel, *Mystical Dimensions of Islam*, Chapel Hill, 1975, pp. 89-90).

S. Digby, *op. cit.*, p. 54.

For the complete spiritual genealogy or *shajrah* of Ḥājjī Imdād Allāh, see K. A. Nizami, "Chishtiyya", p. 53. Too little scholarly attention has thus far been paid to this brilliant and electic Sufi leader. He is briefly cited by Nizami, "Socio-Religious Movements in Indian Islam (1763-1898)" in S. T. Lokhandwalla, ed., *India and Contemporary Islam*, Simla, 1971, p. 112, and his notable essays have been republished in *Kulliyāt-i Imdādīya*, Deoband, n. d.

Amir Ḥasan Sijzī, *Fawā'id al-fu'ād*, pp. 240-1.

Excerpted in 'Abd al-Haqq, *Akhbār al-akhyār*, p. 42.

Qāḍī Hamīd ad-dīn Nāgauri, *Risālah-i 'ishqīya*, Delhi, 1332 A.H., pp. 16-7.

The *Lawā'iḥ* of Qāḍī Hamīd ad-dīn is no longer extant, though it seems to have been a popular book among thirteenth century Indian Sufis (note, for instance, the references to it in *Fawā'id al-fu'ād*, pp. 128 & 162). The excerpt provided here is taken

from the major seventeenth century *tadhkirah* by 'Abdallāh Khweshgī Qasūrī, *Ma'ārij al-wilāyat*, manuscript in the personal collection of Professor K. A. Nizami, f. 198.

62. Quoted in Amīr Hasan Sijzī, *Fawā'id al-fu'ād*, p. 150.
63. *Shek subhōdaya* was published by Babu Sukumar Sen of Calcutta in 1927 and, according to H. E. Stapleton, it was "probably prepared to establish a right to the Ba'is Hazari estates during the preparation of Todar Mall's rent-roll in Akbar's time" (A. A. Khan, *Memoirs of Gaur and Pandva*, p. 106, fn. 1).
64. For a spiritual genealogy or *shajrah* of the early Suhrawardī saints, see J. S. Trimingham, *The Sufi Orders in Islam*, Oxford University Press, New York, 1971, p. 270. Transposed, with minor changes, from Abul Faḍl's *'Ā'in-i Akbarī*, as the author himself acknowledges, the chart has many wrong death dates and also omits mention of Jalāl ad-dīn Tabrīzī.
65. Shaykh Hamīd ad-dīn Suwalī Nāgaurī was the most outspoken Chishtī critic of Bahā ad-dīn Zakariyā. See M. N. Nabi, *Development of Muslim Religious Thought in India from 1200 A.D. to 1450 A.D.*, Aligarh, 1962, p. 29 for an English rendition of the dialogue between the two saints as cited in Jamali, *Siyar al-'ārifīn*. Some of their correspondence is also excerpted by 'Abd al-Haqq in *Akhbār al-akhyār*.
66. Note especially the full often suggestive quotations in 'Abd al-Haqq, *Akhbār al-akhyār*, pp. 63-8.
67. Schimmel, *Mystical Dimensions*, pp. 352-4. For further details, consult Y. D. Ahuja, "Early Years of Shaykh 'Irāqī's Life", *Islamic Culture* 30 (1956), pp. 95-105 and *idem*, "Shaykh 'Irāqī's Travels and His Stay in Rūm", *Islamic Culture* 33 (1959), pp. 260-77.
68. See Maulavi 'Abdul Muqtadir, *Catalogue of the Arabic and Persian Manuscripts in the Oriental Public Library at Bankipore*, Patna, 1908—, vol. XVI, pp. 165-6, where the author favours Rukn ad-dīn Abu'l-Fatḥ (d. 1335 A.D.) as the *pīr* of the famous poet. However, K. A. Nizami, relying on information in *Laṭā'if-i Ashrafī*, declares him to be a disciple and son-in-law of Bahā ad-dīn Zakariyā ("Husaynī Sādāt, Amīr, *EI²* IV, p. 635).
69. They are described in Nizami, *op. cit.*, p. 635, except for *Rūḥ al-arwāḥ*, Husaynī's commentary on the 99 Beautiful Names of God, which Nizami believed to be extinct. Fortunately, it, too, has survived; see S. DeLaugier de Beaurecueil, *Manuscripts d'Afghanistan*, Cairo, 1964, p. 136.

an *ishārāt* (instructional treatise), *Kitāb al-'aqā'id*, published from Gulbarga in 1367 A.H..

41. *Mi'rāj al-'āshiqīn* is a work whose propadeutic value is beyond dispute but its authenticity remains in doubt, M. Mujeeb (*Indian Muslims*, Montreal, (1967, p. 166) does not question its ascription to Gesū Darāz and singles it out for praise among all the *ishārāt* of pre-Mughal Indian Sufism. K. A. Nizami (*op. cit.*, p. 1115), on the other hand, doubts its legitimacy, while nothing five different editions of *Mi'rāj al-'āshiqīn* that are published or about to be published.

42. For a full list of the successors to Gesū Darāz, see Nizami, *Tārīkh-i mashā'ikh-i Chisht*, pp. 207-8.

43. There is much dispute about the death date of Sayyid Ashraf. In the introduction to "A Critical Edition of *Laṭā'if-i Ashrafī*, Part I" (Aligarh Muslim University, Ph. D. dissertation, 1965), Wāḥid Ashraf reviews all the evidence and concludes that his esteemed ancestor died in 829 A.H./1425 A.D. Two letters from the *Maktūbāt-i Ashrafī* are crucial for his argument of a latter death date than the official death date of 808 A.H./1S05 A.D. One is letter 45 to Nūr Quṭb-i 'Ālam referring to Raja Ganesh and the political situation in Bengal; the letter could not have been written before 1414-5 A.D. The second is letter 32, in which he mentions a *second* trip to the Deccan to see Sayyid Gesū Darāz. By the time Sayyid Ashraf arrived there, Gesū Darāz had already died, so his arrival must have keen after 1422 A.D. Presuming that he lived long enough after that time to return home and attend to the question of his successor, we may accept Wāḥid Ashraf's date of 1425 A.D. as a reasonable revised death date for the Master of Kichhauchha.

44. Interestingly, Wāḥid Ashraf, after speculating with great skill on the death date of his ancestor, fails to suggest a precise time for the saint's arrival in India. He dismisses the testimony of *Laṭā'if-i Ashrafī* that Sayyid Ashraf performed funeral prayers for Sharaf ad-dīn b. Yaḥyā Manerī, the great Firdausī saint of Bihar (ca. 1380 A.D.), and argues, on the basis of internal evidence from *Laṭa'if* 22-24 (vol. II, pp. 101 f.), that the saint must have settled in Kichhauchha before 1350 A.D. Yet if it is true that he accompanied Sayyid 'Alī Hamadānī part way on their mutual exodus from Central Asia to Hindustan, then he could not have left his homeland before 1365 A.D. Since he was accepted by 'Alā ad-dīn Lāhūrī, on his arrival in Bengal, as a man already

proficient in spiritual discipline, it seems preferable to suggest a later arrival in Bengal, say, 1368 A.D., when Sayyid Ashraf would have been approximately 45 years of age. If he remained with 'Alā ad-dīn ten to twelve years before proceeding to Kichhauchha, then he would have arrived in Bihar en route to Kichhauchha in time to perform the funeral prayers for Makhdūm al-mulk.

45. On Sayyid 'Alī Hamadānī, see below pp. 53-4.

46. For a full listing of the works of Sayyid Ashraf Jahāngīr Simnānī, see Wāḥid Ashraf, Introduction, pp. 43-6. Of the sixteen or seventeen extinct works, especially valuable would have been the Sayyid's three copious commentaries : *Sharḥ-i Hidāyat* (of Marghinānī), which he presented to Qāḍī Shihāb ad-dīn Dawlatābādī, *Sharḥ-i 'Awārif al-ma'ārif* and *Sharḥ-i Fuṣuṣ al-hikam*. Also the *Fatāwā-yi Ashrafīya* and *Mir'āt al-ḥaqā'iq*, the latter explaining Sufi technical terms (*iṣṭilāhāt*), are frequently cited in *Laṭā'if-i Ashrafī* as pivotal writings from the prolix saint of Kichhauchha.

47. Niẓām ad-dīn Yemenī, *Laṭā'if-i Ashrafī*, Nuṣrat al-muṭaba', Delhi, 1295 A.H. The work also exists in numerous manuscript copies, and an Urdu translation was once published from Karachi.

48. See Wāḥid Ashraf, Introduction, pp. 61-70, which improves on the speculations of W. Ivanow set forth in "The Sources of Jāmī's *Nafaḥat*", *JASB*. *Nafaḥāt*, *JASB*. New Series 19 (1923), pp. 299-303.

49. Again, we are faced with the problem of a controversial death date for a major medieval saint of North-eastern India. The preferred date, in our opinion, is 9 Zil Qa'dah 818 A.H./1416 A.D., as reflected in the chronogram *nūr banūr shud* "Light merged into Light" and cited by A.A. Khan, *Memoirs of Gaur and Pandua*, Calcutta, 1924; p. 107 A.H. Dani, on the basis of patchy literary evidence, culled from a late *tadhkirah* and an ambiguous inscription, argues for 1459 A.D. (28 Zil Hijja 863 A.H.) as the death date of the saint. See A.H. Dani, "The House of Raja Ganesa of Bengal", *JASB*. Letters XVIII/2 (1952), pp. 139-40.

50. Dani, *op. cit.*, pp. 156-8.

51. Nūr Quṭb-i 'Ālam Pandawi, *Maktūbāt*, defective manuscript in Subḥānullāh Collection, Maulānā Āzād Library, Aligarh Muslim

full listing of the sources Rukn ad-dīn consulted, it is a mine of information about the apocryphal as well as genuine writings in vogue among the early Chishtīs.

26. For a comprehensive review of Nakshabī's life and works, see K. A. Nizami, "Maulāna Ḍiya ad-dīn Nakhshabī", *Burhan* (Nov. 1951), pp. 273-302. There also exists an excellent contemporary *tadhkirah* on the saints and scholars of Badaun, including Nakhshabī : Muḥammad Rāẓī ad-dīn Farshūrī, *Tadhkirah al-wāṣilīn*, Badaun, 1945; on Nakhshabī, see pp. 83-9.
27. *Ṭūṭīnāma* manuscript of the Cleveland Museum of Art, with an introduction by Sherman E. Lee and commentary by Pramod Chandra, Akademische Druck-u. Verlagsanstalt, Graz, Austria, July, 1974.
28. Nizami, in his article on Nakhshabī (*Burhan* 277-8), raised some doubt about the accuracy of the tradition that links Nakhshabī to Farīd ad-dīn Chāk Parrān, but he has recently informed me that there is in his possession a touching elegy that Nakhshabī wrote on the death of his *pīr* that leaves no doubt about their intimate spiritual relationship.
29. Ḍiyā ad-dīn Nakhshabī, *Silk as-sulūk*, Mujtabai Press, Delhi, 1313 A.H.; pp. 55-6. Also, see 'Abd al-Ḥaqq, *Akhbār al-akhyār* p. 103.
30. See K. A. Nizami, "Shaykh Muḥyī ad-dīn Ibn 'Arabī aur Hindūstān", *Burhān* (Jan. 1950), pp. 9-25 for an overview of the first responses by Indian Muslims to the doctrine of *waḥdat al-wujūd*.
31. In the introduction to his adition of *Dīwān-i Mas'ūd Bakk* (Nagpur University, Ph. D. Dissertation, 1972), Syed Abdul Shakoor Qadri makes the intriguing suggestion that Mas'ūd Bakk was identical with Aḥmad Bihārī, the follower of Sharf ad-dīn b. Yaḥyā Manerī, who was also reputed to have been executed in Delhi at the behest of Fīrūz Shāh Tughlūq. Though the pen-name Aḥmad does occur in the *Dīwān-i Mas'ūd Bakk*, the supporting evidence Qadri adduces is too circumstantial to be plausible.
32. *Rawā'iḥ* or *'Ishqnāmah* of Mas'ūd Bakk is mentioned in none of the medieval *tadhkirahs* or published catalogues which the present writer has seen. It exists in a *unicum* manuscript of 98 *faṣla* (138 folios) copied by 'Abd al-Malik 'Abbāsī in 1004 A.H. and preserved in Maulāna Āzād Library, Aligarh Muslim University (University Collection 276, *farsī taṣawwuf*). The tone of the

work and the poems, some of which contain Mas'ūd Bakk in the *maqṭa'*, leave little doubt about its authenticity. On the other hand, the authenticity of *Nikāt al-'āshiqīn* is open to question. Qadri describes it as the last work of Mas'ūd Bakk. It consists of 32 *nikāt* or subtle points, conveyed in the form of advice and followed by a *ghazal* from the pen of "Shaykh-i 'Āshiq", whom at the end of *nuktah* 7 is identified as Shaykh Sharaf ad-dīn b. Yaḥyā Manerī. The work, unfortunately, is more tendentious than subtle, and it is hard to accept Qadri's surmise that this work is identical to *Umm an-naṣā'iḥ*, a work of Mas'ūd Bakk to which medieval hagiographers make mention but which does not appear in any of the published catalogues.

Nikāt al-'āshiqīn was published from Hyderabad in 1310 A.H./1891 A.D., the same year that *Mir'āt al-'ārifīn* was published from the same city. In 1316 A.H. 1898 A.D., *Dīwān-i Mas'ūd Bakk* also appeared from Hyderabad. All three works are extremely rare in their printed forms.

Dīwān-i Mas'ūd Bakk, p. 24.

Qadri (op. cit., p. 23) also notes that none of the *ghazals* and only a few of the couplets from the *Dīwān* appear in *Mir'āt al-'ārifīn*, supporting the hypothesis that Mas'ūd Bakk's great work was written in his last years.

See, for instance, Shaykh 'Alī Hujwirī, *Kashf al-maḥjūb* (R. A. Nicholson, trans.) E. J. W. Gibb Memorial Series, London, 1911 (repr., 1976); pp. 413-6.

Mir'āt al-'ārifīn, pp. 181-2; excerpted in Abd al-Ḥaqq, *Akhbar al-akhyar*, p. 165.

Sayyid Muḥammad Husainī Gesū Darāz, *Maktūbāt*, Hyderabad, 1362 A.H.; pp. 124-35.

For the full list of his numerous writings, see K. A. Nizami, "Gīsū Darāz", *EI²*, III, p. 1115. For a thorough description of their content and estimated date of authorship, see S. S. Khusro Hussaini, "Sayyid Muḥammad al-Ḥusaynī-i Gisūdarāz (721/1321 -825/1422) on Sufism", McGill University M. A. thesis, August 1976; pp. 29-38 as well as appendix D—Sources on Gēsū Darāz.

Asmār al-asrār as quoted in 'Abd al-Ḥaqq, *Akhbār al-akhyār*, pp. 131-2.

Tabṣirat al-iṣṭilāḥāt aṣ-ṣūfīya was published from Hyderabad in 1365 A.H. In addition to compiling *Jawāmi' al-kalim* and authoring this work, Sayyid Muḥammad Akbar Ḥusainī wrote

mercy of God'. The explanation is, of course, absurd, but because the situation it purports to explain is so fraught with difficulty we find even a highly cautious scholar like 'Abd al-Ḥaqq including this quotation from *Dalīl al-'ārifīn* in his account of Quṭb ad-dīn. See *Akhbār al-akhyār*, p. 29.

7. 'Abd al-Ḥaqq, *Akhbār al-akhyār*, p. 58.
8. *Ibid*, p. 80.
9. Amīr Ḥasan Sijzī, *Fawā'id al-fu'ād*, Lucknow, 1302 A.H., p. 35. Sayf ad-dīn Bākharzī is often mentioned in the pages of *Fawā'id al-fu'ād* (see especially pp. 221-2, 246-7, 252 & 254), and Niẓām ad-dīn at least once quotes a quatrain of the famous Kubrawī saint, though here as elsewhere the author of the verse is not mentioned. Compare *Fawā'id al-fu'ād*, p. 86 with Sa'id Nafīsī, "Saif ad-dīn Bākharzī", *Majalle Daneshkade Adabiyāt*, II/3 (1334 A. H.), p. 6.
10. *Fawā'id al-fu'ād* was not, however, the first Chishtī *malfūẓāt* collection, as is sometimes supposed. Over 70 years before Amīr Ḥasan began to write down the conversations of Niẓām ad-dīn, a disciple of Quṭb ad-dīn, Khiḍr Mu'īn, compiled *Miftāḥ aṭ-ṭālibīn*. Two copies of this slim work are extant, one in the private collection of Professor K. A. Nizami, the other in Aligarh Muslim University Library. It chiefly extols the virtues of the famed tank of Iltetmish, Hauẓ Shamsī.
11. *Fawā'id al-fu'ād*, p. 80.
12. *Ibid*, p. 113; and Ḥamīd Qalandar, *Khair al-majālis* (K. A. Nizami, ed.), Aligarh, 1959, pp. 70-1. The introduction to the latter work by Professor Nizami (pp. 1-67) is especially thorough and useful.
13. Amīr Khurd, *Siyar al-awliyā*, pp. 261-2; also cited in 'Abd al-Ḥaqq, *Akhbār al-akhyār*, pp. 88-9.
14. Muḥammad Akbar Ḥusainī, *Jawāmi' al-kalim*, Hyderabad, 1356 A.H., p. 336; also cited in 'Abd al-Ḥaqq, *Akhbār al-akhyār*, p. 80.
15. Muḥammad Akbar Ḥusainī, *Jawāmi' al-kalim*, pp. 139-4.
16. On the marginal merit of *Afḍal al-fawā'id* for assessing the mood of popular piety among fourteenth century Indian Muslims, see B. Lawrence, "*Afḍal al-fawā'id*; a reassessment" in Life, Times and Works of Amīr Khusrau Dehlavi, (Z. Ansari, ed.) New Delhi, 1976, pp. 119-31.
17. See Rukn ad-dīn 'Imād, *Shamā'il-i atqiyā*. This extremely important but heretofore neglected work of pre-Mughal Indian Sufism is discussed on p. 20, fn. 25.

ad-dīn Nāgaurī, *Surūr aṣ-ṣudūr*; quoted in ʻAbd al-Ḥaqq, *Akhbār al-akhyār*, p. 36. *Uṣūl aṭ-ṭarīqat* is included as an essay in *Surūr aṣ-ṣudūr*, the *malfūẓāt* of both Ḥamīd ad-dīn and on Azīz ad-dīn, compiled by the latter's son, Farīd ad-dīn k Parrān (ca. 1350 A.D.). The best extant manuscript of this work is in the Ḥabīb Ganj Collection, Maulāna Āzād Library, Aligarh Muslim University.

ʻAbd al-Ḥaqq, *Akhbār al-akhyār*, p. 74.

Jamāl ad-dīn Hānsawī, *Mulhamāt*, Delhi, 1889; p. 5. For a description of Jamāl ad-dīn's *Dīwān*, together with select translations see *Islamic Research Association Miscellany* I (1948), pp. 167-74. On the quotation from K. A. Nizami, see *Religion and Politics*, p. 269.

Since the prose work, *Afḍal al-fawā'id*, though attributed to Amīr Khusrau, is verifiably inauthentic, the sole burden of proving his stature as a Sufi rests with his vast poetic output. Numerous articles in the recent *Amīr Khusrau Commemorative Volume* (New Delhi, 1976) address the topic of Amīr Khusrau and Sufism, but none of them answer the central question : how does his poetry reflect Sufi values ? It is the contention of the present author that a great poet can use Sufi imagery without being a Sufi and that Khusrau has, in fact, done just that.

Amīr Ḥasan Sijzi, *Mukh al-maʻānī*, manuscript in Maulāna Āzad Library, Aligarh Muslim University, *farsī* 115/15, ff. 6-7. Also, see Mutasim A. Āzad, "*Mukh al-maʻānī* of Ḥasan-i-Sijzi Dehlavi", *Islamic Culture* 44/3 (Oct. 1970), pp. 234-43.

An excerpted portion of the *Ḥasrat nāmah* text has been preserved in Amīr Khurd, *Siyar al-awliyā*, pp. 346-7 and also quoted in ʻAbd al-Ḥaqq, *Akhbār al-Akhyār*, pp. 100-1.

Though not mentioned in M. G. Zubaid Ahmad, *The Contribution of Indo-Pakistan to Arabic Literature* (repr., Lahore, 1968), Fakhr ad-dīn Zarrādi's work is a seminal contribution to the Chishtī apologetic writings on *samā*ʻ. It was published in lithograph form, with an interlinear Urdu translation, from Jhajjar in 1311 A.H.

Manuscript copies of *Shamā'il-i atqiyā* exist in many libraries, and are acknowledged in several published catalogues, yet the work has never received any scholarly attention. It is said to have been lithographed once in Hyderabad ca. 1320 A.H., though the present writer has never found a copy even in the vast libraries of modern Hyderabad. Written in 1331 A.D., with a

writings cited in this essay. To understand the variant levels at which this authority was assumed and exercised, however, requires further studies that have scarcely begun. In a sense, the most important writings are those that have been the least studied : the *awrād* or invocatory prayers. We have mentioned 10 such collections from pre-Mughal Indian saints; others undoubtedly also exist. As the most direct varbal link between the great Shaykhs and the Divine Presence, they deserve far more attention than they have so far received from students of Indian Islam. The dominant literary genre in this period was the *malfūẓāt*. We have cited over 30 such collections of conversations. Those of the early Chishtī *mashā'ikh* are comparatively well known; others await the patient and thorough investigation they deserve. Of the 15 *maktūbāt* we have discussed, only one collection, *Maktūbāt-i ṣadī* of Sharaf ad-dīn Manerī, has become famous enough to attract a partial English translation. The other letters of Sharaf ad-dīn, the letters of his fellow Firdausīs and also of the later Chishtīs—all need to be examined and collated with the evidence of the *malfūẓāt*. Some of the 11 *dīwāns* and 12 *ishārāt* have been occasionally mentioned in general surveys of Indo-Persian literature, but they too, demand more detailed study than they have received to date. Speculative treatises (8) and commentaries on Muslim scripture or Sufi classics (25) have been similarly neglected. A special *desideratum* for this period would be to compare the commentaries made by Chishtī and other saints on the *'Awārif al-ma'ārif* and *Ādāb al-murīdīn*. Indeed, a score of similar textual studies is required before the literature of pre-Mughal Indian Sufism can be properly evaluated. Only Fakhr ad-dīn 'Irāqī, Amīr Khusrau and Sayyid 'Alī Hamadānī can be said to have attracted the scholarship due them. It is fitting to conclude this introduction with a list of those saints whose writings warrant the further attention of future Indian, Pakistani, Iranian and perhaps a few Western scholars : Ḥamīd ad-dīn Suwalī Nāgaurī, Jamāl ad-dīn Hānsawī, Amīr Ḥasan Sijzī, Fakhr ad-dīn Zarrādī, Rukn ad-dīn 'Imād, Ḍiyā ad-dīn Nakhshabī, Mas'ūd Bakk, Sayyid Gesū Darāz, Sayyid Ashraf Jahāngīr Simnānī, Nūr Quṭb-i 'Ālam, Ḥusām ad-dīn Manikpūrī, 'Abd al-Quddūs Gangohī, Qāḍī Ḥamīd ad-dīn Nāgaurī, Amīr Ḥusaynī Sādāt, Makhdūm-i Jāhaniyān Jahāngasht, Jamāl ad-dīn Kanboh, Sharaf ad-dīn b. Yahyā Manerī, Muẓaffar Shams Balkhī, Ḥusain Mu'izz Balkhī and the redoubtable Bū 'Alī Shāh Qalandar. Clearly, much work remains to be done before we can speak confidently about early Indian Sufis and their literary achievements.

FOOTNOTES

1. There are numerous references to these martyr graves. In the Deccan, for instance, see M. Y. Kokan, "Language and Literature of the Deccan-Arabic", pp. 4-5 and K. A. Niẓami, "Sufi Movements in the Deccan", p. 195 in H. K. Sherwani, ed., *History of Medieval Deccan*, vol. II (Hyderabad, 1974). Perhaps the most popular martyr grave is that of Salar Mas'ūd *aka* Ghāzī Miyān; see K. A. Nizami, "Ghāzī Miyān", *EI*², III, pp. 1047-8.
2. Thanks to the numerous studies of K. A. Nizami in both English and Urdu, much more is known about the Chishtiya than about any of the other early Indian *silsilahs*. Particularly notable are his monograph, *Ta'rīkh-i Mashā'ikh-i Chisht*. (Delhi, 1953) and his extensive article, "Chishtiya", *EI*², II, p.p. 50-56.
3. An adequate biography of Hamid ad-dīn is now available in Urdu. See Iḥsān al-Ḥaqq Fārūqī, *Sulṭān at-tārikīn*, Karachi, 1963. Concerning Quṭb ad-dīn, see K. A. Nizami, *Some Aspects of Religion and Politics in India during the Thirtheenth Century*, Delhi, 1974; pp. 188-90.
4. Amīr Khurd, *Siyar al-awliyā*, Delhi, 1302 A.H.; p. 158. Also, Nizami, *Religion and Politics*, p. 187.
5. 'Abd al-Ḥaqq Muḥaddith Dihlawī, *Akhbār al-akhyār fi asrār al-abrār*, Delhi, 1283 A.H.; p. 29.
6. Neither *Fawā'id al-fu'ād* (187-88) nor *Siyar al-awliyā* (72-3) adequately explain the complications posed by the untimely death of Quṭb ad-dīn. The fact is that he predeceased his *pīr*. Mu'īn ad-dīn died on 6 Rajab 633 (19 March 1236) while Quṭb ad-dīn expired in ecstasy on 14 Rabī' al-awwal 633 (15 November 1235). The awkwardness of this situation was, of course, "resolved" in the spurious *malfūzāt*: *Dalīl al-'ārifīn* describes the parting scene between Quṭb ad-dīn and Mu'īn ad-dīn before the former went to Delhi. Quṭb ad-dīn is given all the mystic regalia, along with the customary *khilāfat nāmah*. He had not been in Delhi forty days when 'a messenger came to tell me that twenty days after I had left Ajmer, the Khwāja had surrendered his soul to the

attracted to Islam by the exemplary conduct of saints. We have already mentioned the incident of Jalāl ad-dīn Tabrīzī and 'Alī Badā'ūnī. In a similar manner, an elderly *yogin* was converted by Sharaf ad-dīn Manerī, and another by 'Abd al-Quddūs Gangohī.[102] Most of the exchanges between pre-Mughal Sufis and their Hindu contemporaries were pleasant. Ḥamīd ad-dīn Suwalī, for instance, referred to a Hindu of Nagaur as his saintly brother and Niẓām ad-dīn approvingly told his disciples the story of a Brahmin whose sacred thread meant more to him than all his lost possessions.[103] Rarely does one find an incident of extreme violence : Sayyid Ṣadr ad-dīn "Rājū Qattāl", the younger brother of Makhdūm-i Jahāniyān, acquired his nickname because he tried to convert a guileless Hindu who had eulogized Makhdūm-i Jahāniyān on his death bed. When the Hindu resisted efforts to redefine his spiritual allegiance, he was executed as a renegade Muslim.[104]

What one misses in all these anecdotes is any indication of extensive theological dialogue between Sufis and Hindus. The only work that approaches a systematic integration of Hindu with Muslim mystical ascesis is the *Rushdnāmah* of 'Abd al-Quddūs, but it was written toward the end of the pre-Mughal period, and even here the references to *yogin* practices are more tacit than explicit.[105]

The most significant aspect of pre-Mughal Sufi literature is its intimations about the primacy of the *pīr/murīd* relationship. To understand this aspect we must appreciate the intimate character of *khānqāh* life. The Shaykh became the cynosure of his disciples within the space which they commonly shared. Their program was organized to complement his daily routine (*ḍābiṭah*); and the assumption was that their spiritual progress was furthered by what they did for him. We have only to recall Niẓām ad-dīn preparing *del* leaves for Farīd ad-dīn's *Ifṭār*, or Nūr Quṭb-i 'Ālam cleaning the gutters of 'Ālā ad-dīn's quarters, to realize that no task was too menial for the *murīd* to perform at the direction of his *pīr*. Whatever the Shaykh did or said or thought or felt was full of meaning and value to those who served him.

Outside institutional Sufism the authority ascribed to the *pīr* has seldom been understood or accepted. In the pre-Mughal period, such authority was, of course, challenged by religious and political leaders alike : both felt threatened by the extraordinary power that lay beyond their domain. In the Mughal and British periods, it was labelled as non-Islamic by reform leaders such as Shāh Walī Allāh and philosophical poets such as Muḥammad Iqbal.[106] It has also

;en denigrated in various ways by modern Western scholars. Some, ce J. S. Trimingham, feel annoyed that a saint conceals some of his sights : if they are benificial, goes the argument, they should be ıared with all mankind.[107] Others, like R. C. Zaehner, express ıtright disgust that so much authority has been invested in a mere an : after all, does Islam not ascribe all power to God and restrict 'en the veneration accorded the Prophet Muḥammad ?[108] Still :hers have sought to minimize or secularize the institution of the r by showing how much his *khānqāh* resembles the royal court and s rôle within it, the *magisterium* of a ruler.[109]

The institution of the *pīr* is not without its shortcomings and :esses, but when viewed in the context of medieval Indian Islam, reveals a dynamic element that has escaped the attention of its itics—past and present. Living at a point in time within a commu- :y where Islam has been newly accepted, the *pīr* mediates the will God; he makes alive the sanctity of the Qur'ān and reverence for radition; he transmits stories and recites poetry that reflect a right ıtlook and correct behavior, or sometimes merely provide relief om the tedium of spiritual discipline. He becomes the embodiment of ety, learning and hope. He prays and teaches; he teaches and prays.

In fact, the Shaykh is an effective writer only in so far as he is good teacher, and he is a good teacher only in so far as he has a sciplined prayer life. It is with reference to his role as the head of ı order of men who look to him for guidance in all matters that .e resulting literature must be understood. If the *pīr* speaks and ımeone records, the *malfūẓ* is for the benefit of his disciples and the sciples of his successors. If he writes, either on his own initiative · in response to a request, and a copy of his letter is retained, the ıllection of several such copies comprise a volume of *maktūbāt* for , edification of his spiritual dependents. If he writes directives for ıe disciple, the *ishārat* (instructional treatise) is for the entire ımmunity of his followers. If he speculates on questions of meta- ysical import or tries to justify a mystic practice or to explain chnical terms with a mystic signification, he is writing for all those ho have faced these same problems and not found a solution to the fficulties they posed. If he prays to God and the words which from his lips express the intention of the servant before the Lord, those ɔrds constitute *awrād* (invocatory prayers) which he hopes will be ficacious for all his disciples.

In short, it is the *pīr* and his absolute primacy within the ıānqāh which provide the soundest criterion for evaluating the

literature, we have dealt with what has been written by great saints or what others have written about them. Our focus of concern has also been our limitation : the written word. Even if all the extinct works to which we have made reference could be recovered, published, translated analyzed, the resulting picture of Pre-Mughal Indian Sufism would remain incomplete : it would provide the distilled recollection of the great Shaykhs—their stories, their teachings, their deeds,—but it could not recreate their living presence.

An historical reality confronts us : within a span of little more than three hundred years (ca. 1200-1526 A.D.), Sufism became immensely important in a part of the world where Islam had previously enjoyed only a marginal, sequestered existence. To understand the emergence of Indian Sufism we have to examine the literature of Indian Sufis. We must be humble about what we can claim to learn from written sources but we have no alternative except to rely on them.

And the literature does reveal much of interest. It shows, for instance, the preeminence of persian among Sufi writers of pre-Mughal India. Though some authors like Jamāl ad-dīn Hānsawī, Fakhr ad-dīn Zarrādī, Sayyid Gesū Darāz, Sayyid Ashraf Jahāngīr Simnānī and 'Abd al-Quddūs Gangohī were adept in both Arabic and Persian, most of them relied on Persian for most of their literary efforts. In poetry especially, Persian was the unrivalled medium through which these saints expressed the subtle emotions of their spiritual states. There has been much discussion about the use of proto-Hindustanī in some writings : for instance, *Kitāb-i Ashraf* and *Mi'rāj al-'āshiqīn* (attributed to Sayyid Ashraf Jahāngīr Simnānī and Sayyid Gesū Darāz, respectively) are said to be among the earliest books in Urdu.[87] Other writings also contain numerous sayings or couplets in Indian dialects, but these are an incidental rather than dominant feature of the mystic literature of the period. It was Persian which flourished, inspiring nearly every Sufi prose writer of pre-Mughal India and occasionally producing poets of exceptional ability, such as 'Irāqi, Khusrau, Ḥusaynī and Nakhshabī.

The literature also reveals some oddities about the response of Indian Sufis to outside forces. Theologically, the period up to the end of the first five Chishtī *mashā'ikh* (ca. 1350 A.D.) was insulated. Writings dealt with basic concepts of *taṣawwuf*, correct modes of behavior, anecdotes from early Sufis and, above all, reverence for the Shaykh. They were not characterized by efforts to systematize either in the theological or in the mystical realm : if Ibn 'Arabī's influence

as delayed, Imām Ghazzālī's effect was also negligible, and even lāl ad-dīn Rūmī's verses were quoted less frequently than one ould expect.[98] After the mid-fourteenth century, however, the imate of North Indian Sufism became imbued with intellectual and eoretical discussion, as is attested in the writings of Sayyid Gesū arāz, Sayyid Ashraf, Jahāngīr Simnānī, Mas'ūd Bakk, Sharaf ad-dīn anerī and Sayyid 'Alī Hamadānī. *Waḥdat al-wujūd* became an sue, though one could argue that even in the later period questions ncerning the authority of the Shaykh and the role of *samā'* eoccupied Indian Sufis to a greater extent than the subtleties of ntological or existential unity. Structurally, the most striking velopment was the influence of the Kubrawīya. In the persons of yyid 'Alī Hamadānī and Sayyid Ashraf Jahāngīr Simnānī, that der produced two of the major figures in 14th century Indian am. If one further considers the connection of Sharaf ad-dīn anerī and his spiritual predecessors with Najm ad-dīn Kubrā, then e impact of Kubrawī doctrine and practices on Indian Sufis becomes ill greater. A study of Indian Kubrawīs in the light of their entral Asian origins would immensely broaden our still limited nderstanding of early Indian Sufism.

Suprisingly, the literature just reviewed provides sparse evidence Sufi interaction with Hindus. Discourse with *yogins*, borrowing their tenents or practices and efforts to convert them to Islam— l occur, but at irregular intervals and with no special emphasis. nough Farīd ad-dīn Ganj-i Shakar and Niẓām ad-dīn Awliyā tertained Hindu ascetics in their *khānqāhs*,[99] only brief notices of nversations between them have been preserved. Naṣīr ad-dīn iirāgh-i dehli once analogized the *yogin's* control of *siddhīs* to the rfected Sufi's mastery of *anfās*; yet we find no reference to his changes with contemporary Hindus. We learn that Sayyid Gesū arāz acquired sufficient knowledge of Sanskrit literature to dazzle group of Brahmins; when he invited them to become Muslims, owever, they declined.[100] On the other hand, Jalāl ad-dīn Tabrīzī reported to have prevailed upon a large number of Bengalī Hindus embrace Islam, though only after having first subdued their liest exorcists. Sayyid Ashraf allegedly performed the same feat in ichhauchha. Yet the accounts of these mass conversions seem to aggerate historical reality, as do reports in later *tadhkirahs* which cribe to Mu'īn ad-dīn Chishtī similar mass conversions in 13th ntury Rajasthan.[101] The authentic incidents of conversion are litary and sporadic. They relate to rare individuals who were

istic teachings. One of the earliest *tadhkirahs* about him was *Khulāṣat al-manāqib*, compiled by a disciple, Nūr ad-dīn Ja'far Badakhshī, within a year of the saint's death. Other popular, legendizing *tadhkirahs* abound, as one would expect of a saint who is regarded as the patron of Islam in Kashmir and about whom a learned Kashmiri once told me : It was a divine act that Sayyid 'Alī was not buried in Kashmir (his tomb is in Khatlan in presentday Transoxiana), or he would have been worshipped as God Himself."[93]

Literarily less assertive than Sayyid 'Alī, Aḥmad Khattu (d. 1445 A.D.) is as important pre-Mughal Gujrati Sufism as Sayyid 'Ali was for Kashmiri Islam in the same period. He belonged to the Maghribi *silsilah*, principally a North African order with little influence in medieval India. Aḥmad Khattu's life, more than that of any other major Indian Shaykh, turns on a single *karāmat* incident : allegedly he produced bread from the Unknown which fed and kept alive a group of prisoners after they had fallen into Timur's hands during the Mongol chieftain's sack of Delhi in 1399 A.D. Timur came to learn of this extraordinary circumstance. He summoned the saint to his presence. In the ensuing interview Qirān as-sa'dain became convinced of Aḥmad Khattu's spiritual prowess. He did not punish the saint. Instead, he ordered the release not only of Aḥmad, but of the other citizens of Delhi who had survived the ordeal of make-shift Mongol prisoner-of-war camps. Subsequently, Aḥmad Khattu became very popular in Delhi. Yet fame failed to subvert his resolute humility or to diminish his wanderlust. Some time later, when a friend requested that he migrate from Delhi to Sarkhej in Gujrat, he complied. What words can express the influence he subsequently exerted; upon Gujratī Muslims, in spite of rival, often hostile claimants within his spiritual domain (*wilāyat*) ? Princes as well as common people flocked to him. Aḥmad Khattu is said to have had a formative role in the very foundation of Ahmedabad, Gujrat's largest and most beautiful city.[94] Not surprisingly, the tomb eventually built to house his last remains is itself an imposing marble structure. Situated in Sarkhej, it bears testimony even today to the favor that Aḥmad Khattu found among the rulers and people of medieval Gujrat.

As a writer the Maghribī saints produced only one epistle of record : a brief paean addressed to Aḥmad Shah, the first ruler of Ahmadabad. But Aḥmad Khattu did prompt others to write. It was at his instance, for example, that Sayyid Ashraf Jahāngīr Simnānī wrote two *ishārāt* or instructional treatises, *Fawā'id al-ashraf*

i *Ashraf al-fawā'id.* And Aḥmad himself inspired two *malfūẓāt*; *ıhfat al-majālis*, compiled by a disciple, Maḥmud b. Sa'd Irijī and *ılfūẓāt-i Shaykh Aḥmad Maghribī*, compiled by another disciple, uḥammad b. Abi 'l-Qāsim.[95] As always in such cases, one would ɛe to have more information than is now available. Though few number and lacking in eloquence, the *malfūẓāt* of Aḥmad Khattu ı allow us to reconstruct at least a partial picture of the foremost ɪnt of medieval Gujarat.

ƆNCLUSION

Sufism is more than the writings of Sufis; it is more than their ɔrds. It is an intence preoccupation with God and an awareness His closeness which is at the same time His distance. It can be ɔached in metaphors, rediated in a glance or diffused in music. It lures the mind and the senses, while remaining beyond rational, storical or even intuitive explanation.

Some of the most famous Sufis have affected the lives of others ːhout writing a single word. They have embodied an experience the Divine so intensely that their persons became a mirror of God r others. The effect of Shams Tabrīzī on Jalāl ad-dīn Rūmī is ːll known; less well known but no less dramatic was the effect of lāl ad-dīn Tabrīzī on one 'Alī of Badā'ūn :[96]

> After Jalāl ad-dīn reached Badā'ūn [relates Niẓām ad-dīn Awliyā in *Fawā'id al-fu'ād*], he was sitting on the threshold of his house one day and a (Hindu) curd-seller, carrying a pot of curds on his head, passed before the door. Now this curd-seller belonged to a band of robbers who were on the outskirts of Badā'ūn. When his eyes fell on the blessed face of Jalāl ad-dīn, at the very first glance he was completely changed. The Shaykh then looked at him intently and said : I am of the religion of Muḥammad, in which there are men like this (that is, who can convert a person by a single look).

ıis solitary incident may say more about the spiritual prowess of ،āl ad-dīn Tabrīzī than any book which he could have written but ose not to write.

If this essay has not accorded the same attention to Jalāl ad-dīn ıbrīzī as it has to his contemporary Suhrawardī fellow saint, ·dī Ḥamīd ad-dīn Nāgaurī, it is because, like all students of Sufi

That is why 'Ali was made heir to he kingdom of the Prophet.

آن وصی مصطفی شیر خدا آن علی زوج بتول پارسا

The right hand of Muhammad, that lion of God,
He became the noble husband of virtuous Fatima.

زال دنیا را چنان زد پشت پا تا نیاید در نکاح اولیا

He kicked the world with such force
That she never entered into marriage w'th the saints.

پھر دنیا آن یزید نا خلف دین خود کرده برای او تلف

But that rascal Yazid married her;
He made this world his religion and for her sake plundered.

زال دنیا چون در آمد در نکاح کرد بر خود خون آن سید مباح

Having married this old hag,
He justified shedding the blood of that Sayyid.

داد یاری ھمچو کسے را پیر زال کرد او را در دو عالم پائمال

Whomever this old hag befriended,
She destroyed him in both the worlds.

چون خوری پس خوردهٔ خوان یزید تلخ گردان کام از نان یزید

Why then do you eat the remnant from the table of Yazid
And make your throat bitter with the bread of Yazid ?

گر بر افتد پرده از روے مجاز نفرت گیری ز زال حیله ساز

When the veil is lifted from the face of illusion,
Then will you hate this deceitful hag.

زشت روے او چو آید در نظر از خدا خواهی امان اے بے خبر

When her ugly face comes into view,
Then will you beg mercy from God, O foolish one.

آتشی از دور چون گلشن بود در حقیقت سر بسر گلخن بود

Fire from a distance may look like a rose garden
But close up it proves to be an oven.

نخوت آرد مر ترا مال و منال گر نه داری از تهیدستی ملال

Wealth and status bring nought but pride,
So if you have nothing, don't feel empty-handed.

The equation of this world or worldliness with an elderly ıan of low taste is hardly novel in the history of Sufism or an poetry,[90] but the further suggestion that the meretricious ıter is the spouse of Yazīd and that the Sufi's struggle with the d is akin to that of 'Alī with Yazīd marks an advance over entional imagery. Bū 'Alī Shāh Qalandar storms the world of ıry conformity, just as his reclusive but chiding presence must affronted the comfortable Muslim saints of the Punjab. He ›sh, outrageous, uncompromising.

In 1371 A.D., almost half a century after Bū 'Alī Shāh ndar breathed his last and was buried in Panipat or (according variant report) Karnal, Sayyid 'Alī Hamadānī (d. 1385 A.D.) ared in Kashmir with perhaps as many as seven hundred wers. They had journeyed together from Central Asia to the hern most region of the sub-continent. Were they also accomed by Sayyid Ashraf Jahāngīr Simnānī for part of this journey? tradition may be baseless, but it highlights the fact that both ids had been pupils, disciples and successors of 'Alā ad-daula ıānī, even though they subsequently rejected his criticisms of ıyi'd-dīn Ibn 'Arabī. Like Sayyid Ashraf, Sayyid 'Alī taught ›rinciples of *waḥdat al-wujūd* with contagious zeal; at the same he, unlike his Kichhauchha contemporary, remained faithful to Kubrawī order.

Sayyid 'Alī Hamadānī is said to have written 170 books. ›ably that number did not exceed 50. Many of them are short uctional pamphlets (*ishārāt*) or essays explaining Sufi technical (*iṣṭilāḥāt*) or collections of *awrād*. *Awrād al-fatḥiyāt*, composed ting Arabic, became especially popular. Sayyid 'Alī also wrote erous commentaries. Those on Ibn 'Arabi's works are among first of their kind in the subcontinent.[91] Since he was the ıder of a new *silsilah* in an area where Islam itself was almost ıown, it is not surprising to find that he also wrote commentaries ›oth the *'Awārif al-ma'ārif* of Shihāb ad-dīn Suhrawardī and the *b al-murīdīn* of his uncle, Abū Najīb. Another famous work ı his energetic hand was *Zakhīrat al-mulūk*, a kind of guidebook, copious anecdotes, on the behaviour expected of a Muslim ruler. every medieval Sufi of note, he composed poetry, and a thin *n* has also been attributed to him.[92]

Sayyid 'Alī Hamadānī joined the host of Indian saints who ired others to record their conversations, activities and character-

his credit a Persian *dīwān* as well as a copious *maktūbāt* collection. The *maktūbāt* have become famous due to their wide topical scope and unabashed frankness. In them Ḥusain exhibits a refreshing common touch while commending the rigorous ascesis of Sufism :

> Keep your body free from sins both great and small [he writes to his son, Qāḍī Amjad][86] and through renewal of repentence and faith day and night, keep your heart under surveillance. On these occasions you may use the special devotions (*awrād*) which you have learned from this humble servant. The basis of work is repentance......Repentance is to the spiritual stations what earth is to plant life : whoever has no earth can have no plants. For us and for you alike, the task is to keep eyes and ears, hands and tongue, free from disobedience and opposition to God's will. Night and day we must be vigilant in questioning our selves : "Today is my tongue clean or not ?" In the same way, we should question all our members to determine whether they have remained clean or become polluted. Every one which may have been sullied you should rededicate to God with repentance and renewal of faith. If you busy yourself with this concern......God will credit you with the devotions of the whole world. In these days if you manage to eat a morsel of acceptable food and to keep your body free from sin, you will be the Junayd of your time. Note well : the distillation of speech is this and the core of all work is this. The rest is like writing on water.

Ḥusain also inspired a collection of his *malfūẓāt, Ganj-i lā yakhfā*. As its name makes clear, it was intended to be a companion volume to *Ganj-i lā yafnā*, one of the many *malfūẓāt* of Sharaf-ad-dīn.

Extending to the third generation after Makhdūm al-mulk, we find the son and successor of Ḥusain Mu'izz Balkhī, Ḥasan Balkhī, writing Persian poetry sufficient to comprise a *dīwān*. He also wrote letters that have not survived, and to further the memory of Sharaf ad-dīn, he prepared a summary of Zain ad-dīn's *Ma'dan a'-ma'ānī*, which he entitled *Laṭā'if al-ma'ānī*. His own son, Aḥmad Langar Daryā, inspired still another collection of *malfūẓāt, Mūnis al-qulūb*, edited by Qāḍī Sayyid b. Khiṯāb Bihārī.[87]

In sum, the Firdausī *silsilah* is remarkable as a regional Sufi order in medieval Bihar. Not only did it produce a succession of able saints but all of them wrote extensively and forcefully on almost every subject of interest to Indo-muslim mystics.

MISCELLANEOUS SAINTS

In addition to members of the Chishtī, Suhrawardī and Firdausī orders, there were other 'saints in pre-Mughal India who gained popularity and either themselves wrote or inspired others to write about them. Notable among such saints was Sharaf ad-dīn Pānīpatī, also known as Bū 'Alī Shāh Qalandar (d. 1324 A.D.). Though sometimes linked to the Chishtī *silsilah*, he seems to have had no formal attachment to a *pīr*; like other *qalandars*, he belonged to the Uwaysī tradition.[88] Some of his alleged works, such as *Ḥukmnāmah* and *Ḥikmatnāmah*, are almost certainly spurious, while others, specifically the famed *Mathnawī* and *Maktūbāt*, bear all the markings of authenticity. Both the latter works suggest that the scholar who came to disdain books, in much the same manner as his spiritual brother from Anatolia, Jalāl ad-dīn Rūmī, nonetheless learned much from them and imbibed their lessons before discarding them. In style, the *Mathnawī* and *Maktūbāt* are concise and direct, yet they retain a lyrical softness even when the saint's mood becomes sardonic, as in the following passage from the *Mathnawī* :[89]

هست دنیا پیر زال و پر فریب   می کند پیر و جوان را ناشکیب

The world is an aged and deceitful hag;
She excites every man young and old.

عارفان دادند او را صد طلاق   هر که عاشق شد برو او گشت عاق

The men of God have divorced her a hundred times,
For to be her lover is to be faithless to God.

این سخن در گوش داری ای جوان   مولوی گفته ز روی امتحان

Keep this in mind, young man :
The great Maulvi (Jalal ad-din Rumi) spoke from experience (when he said) :

هم خدا خواهی و هم دنیای دون   این خیالست و محالست و جنون

"If you want both God and this world,
That is foolishness, absurdity, lunacy !"

بهر دین دل کند از دنیا علی   آن علی شد والی ملک نبی

For the sake of his faith, 'Ali turned his heart from the world.

O brother, the son of Adam is a tiny ant. He languishes in the desert, hoping to arrive in Mecca at an auspicious time. It is utterly impossible.

دردا که غم کوه بکاه افتادست   معشوق دل مور چه ماه افتادست
این واقعه طرفه براه افتادست   درویش بعشق پادشاه افتادست

Alas, the mountainous burden has fallen to the straw man,
And the ant has fallen in love with the moon.
But this miracle has occurred in the Way :
The dervish due to love has become a king.

O brother, the lover must accept with resignation everything which comes from the beloved. If it be a blessing, he acknowledges the beloved as its source; and if it be violence he also acknowledges the beloved. Whatever be the purpose of the beloved for the lover, it is all sufficient. The true lover is he who makes his purpose the sacrifice of his own purpose.

Beyond the *maktūbāt* collections, Sharaf ad-dīn composed several works that contained instructive guidelines (*ishārāt*) for his disciples. Numerous collections of invocatory prayers (*awrād*), too, have been attributed to him. But his great work is a commentary on *Ādāb al-murīdīn* of Abū Najīb Suhrawardī. Composed soon after his descent from the Rajgir Hills to Bihar Sharif, it is the basis for all his subsequent writings and speculations. In it he expands the pithy directives of Abū Najīb by relating them to his own interior quest for truth. Quotations and verses from earlier Sufis are also included, but chiefly *Sharḥ-i Ādāb al-murīdīn* represents the varied reflections of Sharf ad-dīn on the goals and methods of the mystic life.

No other saint of medieval India has inspired as many *malfūẓāt* as Makhdūm al-Mulk. No less than nine are extant. They cover the entire period of the saint's life from the time he reappeared in Bihar Sharif in the early 14th century till the time of his death in 1379 A.D. The first is also the largest : *Ma'dan al-ma'ānī* was compiled by Zain ad-dīn Badr-i 'Arabī, the chief attendant of Sharaf ad-dīn, who lies buried near him in a grave marked only by a small deadstone. Zain ad-dīn compiled many of the other *malfūẓāt* as well as the *Maktūbāt-i ṣadī* of his master, but *Ma'dan al-ma'ānī* represents his most comprehensive effort to record the memory of Makhdūm al-Mulk for future generations. It fills

lithographed volumes, and gives minute details of the saint's ersations with a wide cross-section of people. Other *malfūẓāt* *Khwān-i pur ni'mat*, recording discourses between 1348-50; *h al-ma'ānī*, also early, though no dates are given; *Maghz al-nī*, from mid-1356 to early 1358; *Kanz al-ma'ānī* (also known r the titles *Bahr al-ma'ānī* and *Tuḥfat al-ghaibi*), from 1358-1368; *i lā yafnā*, from the same period; *Malfūẓ as-safar*, from 1360-; *Munis al-murīdīn*, the latter half of 1373; and *Rāḥat al-qulūb*, h provides the final legacies (*waṣiyatnāmah-hā*) of both Najīb n Firdausī and Sharaf ad-dīn b. Yahyā Manerī.[82] Though it een suggested that the literary quality of these *malfūẓāt* is not gh as that of the *maktūbāt*,[83] a careful study of their contents ides valuable insight into the daily habits, the spontaneous rks, the mood and manner of this extra-ordinary Bihari shaykh.

Sharaf ad-dīn, like most medieval saints, has been credited with erous *karāmāt*.[84] Yet one of his indisputable *karāmāt* has been ed from the *malfūẓāt* and later hagiographies : the ability to uce successors who were distinguished in their literary as well as ual attainments.

Muẓaffar Shams Balkhī (d. 1400 A.D.) was his principal succe-and the addressee of *The 28 Letters*. Muẓaffar, it appears, never ed India. He travelled extensively and finally settled in Arabia, e he died. His discontent fostered an extensive output of letters. oth subject matter and correspondents, the extant collection of *naktūbāt*, numbering over 200, constitute an important, though om noted, source for the study of 14th century Indian Islam.[85] affar was fond of poetry. Many of his verses appear in manuscript s of the *maktūbāt*, and it is not surprising that he has a small *n* to his credit. Unfortunately, neither this *dīwān* nor two ninous commentaries—*Sharḥ-i 'Aqā'id-i Ḥāfiẓī* and *Sharḥ-i hāriq al-anwār*—have survived. The loss of the *Sharḥ-i Mashāriq* pecially regrettable since this work on Tradition, so long a ite among Indian Sufis, attracted the ablest commentators among Mughal Indian saints. It would have been interesting, for instance, ompare Muẓaffar's observations on *Mashāriq al-anwār* with those e Chishtī Gesū Darāz and the Suhrawardī Makhdūm-i Jahāniyān.

Muẓaffar's nephew was also his frequent correspondent and tual successor. Ḥusain Mu'izz Balkhī "Naushah Tawḥīd" 1440 A.D.), like his predecessors, was a talented author. He osed a number of invocatory prayers (*awrād*), wrote both uctional manuals (*Ishārāt*) and speculative treatises, and has to

renunciation (61 and 62). Though it is the subtle, hidden dimension of the seeker which preoccupies Sharaf ad-dīn, he is careful never to overlook the outer aspect of worship. All life for him is an endless struggle for perfection within the parameters of the outer and inner, conceived as contrasting but complementary dimensions of the human experience. The exegetical basis for this mystical logic is the *shahādah* itself. For instance, in Letter 26 on the relationship of Law (*sharī'ah*) to Truth (*haqīqah*), he writes :[78]

> The Sufis use the term Law to connote the soundness of the outer condition; Truth, to connote the soundness of the inner condition. The outer is joined to the inner : they are inseparable. One cannot assent to God in the heart without a verbal profession of faith, nor can one profess belief in God without assenting in the heart. "There is no god but God" is the Truth; "and Muḥammad is the Messenger of God" is the Law. If one wants to have soundness of faith, he cannot separate the two.—Hence the Law is like the body and Truth is like the soul. Just as man cannot live without either body or soul, so he cannot believe unless he adheres to both the Law and the Truth.

And again, from Letter 65 :[79]

> O brother, God Almighty is One, and a true believer must profess the unity of God. Look for the proof of this in the *shahādah*, one half of which "There is no god" separates the believer from what is not God, while the second half "except God" unites him with God. In other words, one becomes united with God in proportion to one's renunciation of what is not God.
>
> کو آتشی که بر وے این خرقه را بسوزم کین خرقه در بر من زنار می نماید
>
> Where is the fire in which I may burn my cloak ?
> Even the clothes on my back have become a *zunnār*.
>
> He who claims to have faith should look to his own heart. If his heart flees from what is not God, his claim is genuine, but if it runs after something other than God, then let him weep over his faith. Either he has already lost it, or is about to do so.
>
> هنوز از کاف کفرت هیچ خبر نیست حقایق هاے ایمان را چه دانی
>
> You who don't even know the first thing about your own heresy,

How can you pretend to know about the Realities of
Faith ?

In addition to the *Maktūbāt-i ṣadī*, three other *maktūbāt* ections are attributed to Makhdūm al-Mulk : *Rukn-i fawā'id*, *:tūbāt-i dū ṣadī*, and *Maktūbāt-i bīst-o-hasht*. The first collection :ains numerical exaggerations and hyperbolic assertions of the that are not found in the saint's other correspondence; they :ar to be a later, supinely credulous fabrication. The *Maktūbāt-ṣadī* deal with many of the same topics as the *Maktūbāt-i ṣadī*, *Maktūbāt-i bīst-o-hasht* seem like the faint glittering of an que gem. They are all that remain of the vast correspondence 'een Sharaf ad-dīn and his principal disciple and successor, affar Shams Balkhī. The rest, said to number over 200, were :d with Muẓaffar at the direction of his *pīr*, apparently because hdūm al-Mulk felt it too dangerous to disclose all the divine :ts that had been revealed to him. There is a passion and or in the surviving 28 letters which the larger collection of blic" letters, despite their smooth exposition of complex doct-:, seem to lack. The poetry is especially simple, direct, and !. For example, on separation from God :[80]

هجران تو خوشتر ز وصال دگران   مکر .شدنت به ز رضاے دگرا

Separation from you is better than union with another.
To be denied by you is better than to be accepted by
others.

His incomprehensibility :

هر چه در خلق سوزی و سازیست   اندران مر خداے را رازیست

All creation is cast into the refiner's fire :
In this there lies a mystery known only to God.

also on Ḥallāj :

زنهار مگوی بر سر جمع   گر عاشق صادقی تو اسرا
دیدی که بسکر عشق رمزے حلاج بگفت و رفت بر دا

Beware, do not utter a secret in public,
If you be truly a lover of secrets.
Have you not seen how in the flush of love
Ḥallāj spoke the secret and went to the gallows ?

The dialectical rhythm of *The 28 Letters* is consistently intense, e following excerpt from Letter 2 reveals :[81]

Makhdūm-i Jahāniyān exercised his pen as well as his feet. He wrote at length on many subjects. His extant works include two commentaries on *ḥadīth* collections, *Sharḥ-i Mashāriq al-anwār* and *Sharḥ-i Maṣābīḥ as-sunnah*, a compilation of *maktūbāt* (*Muqarrarnāmah*), and a Persian translation of Quṭb ad-dīn Dimashqī's *Ar-risālat al-makkīya*. Fortunately, many of his *malfūẓāt* have survived, having been recorded, collected and disseminated by disciples. The most voluminous is also the most interesting: *Khulāsat al-alfaẓ jāmi'al-'ulūm* (Urdu translation: *Ad-durr al-manẓum*). It gives a vivid impression of the saint's personality. He was fond of Sufi anecdotes, intimately acquainted with Qur'ān and *hadīth*, and consistently cogent in his explanation of mystic practices. *Sirāj al-hidāyat*, *Manāqib al-Makhdūm-i Jahāniyan*, *Maẓhar-i Jalālī* and *Khazānat al-fawā'id al-jalālīya* (also known as *Khazānah-i jalālīya*)—all contain valuable incidental information about the saint, but they lack the fluency of style and insightful observations of *Jāmi'al-'ulūm*.[72]

The Suhrawardī *silsilah* flourished in medieval Bihar as it did it neighbouring Bengal. Its saints must have inspired much more literature than is now available to us. We know, for instance, that the ancestors and contemporary relatives of Sharaf ad-dīn-b. Yaḥyā Manerī (d. 1379 A.D.), were linked to the Suhrawardīya. Yet apart from the mellifious verses of Aḥmad Chirampūsh (d. 1373 A.D.), a first cousin of Sharaf ad-dīn,[73] we have scant information on the 14th and 15th century Suhrawardī saints of northern Bihar.

In Delhi itself the Suhrawardī order flourished sporadically. Samā'ad-dīn Dihlawī (d. 1496 A.D.), a descendant of Makhdūm-i Jahāniyān, drew the brilliant poet Jamāl ad-dīn Kanboh "Jamālī" (d. 1536 A.D.) into the circle of his disciples. Jamālī, in addition to a *dīwān* and several independent *mathnawīs*, wrote the first *tadhkirah* on Indian Sufis which includes saints of more than one *silsilah*. Though *Siyar al-'ārifīn* was not completed till the time of the Mughal emperor of Humayun, it was begun during the Lodi period and contains a wealth of information about the Chishtī as well as Suhrawardī *mashā'ikh* of pre-Mughal India. Jamālī has sometimes been criticized for relying on oral evidence to supplement the sparse biographic data in earlier sources,[74] but *Siyar al-'ārifīn* is a masterpiece. Not only does its author make an objective assessment of saints from both *silsilahs* but he writes in a fluid style, punctuated with humorous, often poetical anecdotes.[75]

FIRDAUSĪ *SILSILAH*

Like the Suhrawardī *silsilah*, the Firdausīya enjoyed mostly regional popularity, being scarcely known outside the Muslim community of Northern Bihar and Western Bengal. In the person of Sharaf ad-dīn b. Yahyā Manerī "Makhdūm al-Mulk", however, it produced one of the outstanding saints of medieval India. Originally an offshoot of the Kubrawīya, the Firdausī order had floundered in Delhi in comparative anonymity until the young Biharī visited the capital during the late 1280's. He chose not to enrol as a disciple of Niẓām ad-dīn Awliyā, though the spiritual prowess of the great Chishtī saint must have impressed him as it did all visitors to Ghiyaspur. Instead, Sharaf ad-dīn became a disciple and successor of Najib ad-dīn Firdausī (d. 1291 A.D.), having been warmly greeted by his future master with these words : "O dervish, for years I have been sitting in wait for you. I have a sacred trust that is to be conferred upon you."[76] Returning to Bihar, Sharaf ad-dīn became so dazzled with the lights of insight sparked by Najīb ad-dīn that he spent 15 to 20 years in the jungle before emerging from the Rajgir Hills to teach some of the local villagers. Eventually he established the Firdausī *silsilah* in Bihar Sharif and began to write as well as teach. Today attendants at his shrine insist that Sharaf ad-dīn wrote over 1,000 books. In his case, we may be glad that not all of them have survived : what we do have is a sufficient literary milestone. Not only did Sharaf ad-dīn write much but he wrote with a clarity and perception that has few parallels in the history of Indian Sufism.

The most famous of his writings is *Maktūbāt-i ṣadī* (*The Hundred Letters*). Throughout the Mughal period they were prescribed on the syllabus for advanced theological study.[77] Had he composed nothing other than these letters, Sharaf ad-dīn would be reckoned an able and innovative exponent of Sufi theory. The topics of the *Maktūbāt-i ṣadī* are inclusive of the range of mystical experience within Islam. They stress the polar dimension or dialectical byplay so essential to the interiorization of all spiritual values. The very first letter describes *tawḥīd* (profession of faith in the Absolute Unity of God) as an inward journey. Subsequent letters delineate such concepts as inner repentance (2 and 63), inner polytheism (9 and 44), the inner and outer lights of God (equated with *jamāl* and *jalāl* in Letter 12), the inward journey of visions (14), inner sickness (19), inner purification (29 and 30) and inner

Story : One day I was sitting, and I saw a fleck of dust on which the sun was shining so brightly that the fleck reflected the light of the sun. I said, "O fleck of dust, O lover, you are face to face with the Beloved, how do you merit this honor ? O burnt one, they accommodated you, from where did you arise that they wanted you ?

In search of Him I wander from door to door and street to street.
O breeze, tell me, due to what friendship
Do you go boldly into those tresses, hair by hair ?
Already you are on His doorstep, lip on lip and face to face.

The fleck of dust replied : "This place is meant for me because my first step was to renounce multiplicity. Don't you know that no one sees the Beloved unless he drives away the rivals ? How can you enter without first dispelling the mist ?

O you who out of greed
Have tied your foot; like the eagle,
Once this knot is loosed,
You may arise and escape, o eagle.
Since you can fly, O lofty bird,
Why not escape this prison ?
The demon of death is stalking you.
Let both worlds be sacrificed for you : fly away !

—Egotism and self-display are the two chains which bind you. Note this sentence, for it is better than a thousand counsels : he who obtains release (*khalāṣ*) from these two chains, by God, he finds the essence of sincerity (*ikhlāṣ*).

Since your lower self has been reared in lust,
These two attributes have become its wings.
Arise and clip off these two wings.
Then go sit on the throne.

Egotism and self-display are the sings of double vision (*aḥwalī*). He who is a saint (*walī*) does not have this defect. You should know that all the attributes which veil the learned are the result of these two faults.

Your hypocrisy is a fraud, your pride a jest.
Alas ! Why carve an idol from deceit ?
Don't see yourself; put off that false front.

Otherwise you will be caught in your own trap.
From egotism the parrot must endure
What the peacock experienced from showing off.
Don't rebel; it was due to the ill effects of pride
That Kā'ūs became a captive in the hand of Gev,
Just as from egotism the fate of Jamshed became
What the poet of Ṭūs has described in the *Shāhnāmah.*

In this passage, as in most of *Nuzhat al-arwāḥ*, rhymed prose flows into poetry so smoothly that one has the impression of reading a continuous poem, with slight pauses. The use of imagery is also noteworthy. The fleck of dust and the eagle, though stock Sufi metaphors, are juxtaposed in an unusual way, suggesting that the attainment of Sincerity (or Union) requires both absolute stillness (a fleck of dust) and vibrant motion (an eagle in flight). The paradox of soaring stasis is reinforced by the command to cut off both wings and *then* fly. The final reference to *Shāhnāmah* is also rare among Indian mystical writings of the pre-Mughal period.

It was from their center in Multan that the Suhrawardī *silsilah* developed a branch in Ucch. Sayyid Jalāl ad-dīn Surkh Pūsh (d. 1291 A.D.) settled there at the behest of his *pīr*, Bahā ad-dīn Zakariyā. Though he himself wrote nothing (at least that he survived), his influence is believed to have been very great, and what he thought and said and did is now remembered because of his grandson, Sayyid Jalāl ad-dīn Makhdūm-i-Jahāniyān (d. 1383 A.D.). Makhdūm-i-Jahānyān inspired loyalty and admiration among a wide sector of Muslim mystics, both Suhrawardī and non-Suhrawardī. There exist to the present day numerous Indian Chishtīs and Qādirīs who claim him as a saint in their *shajrah* or spiritual lineage. One reason for Makhdūm's fame may have been his extensive travels. Even within his own lifetime they became legendary, so that the epithet Jahāngasht ("he who has travelled the world") became added to his name. A fabricated work, *Safarnāmah-i Makhdūm-i Jahāniyān*, depicts his journeys as an endless sequence of mind-boggling *karāmāt*. Less exaggerated is the persistent oral tradition that Makhdūm-i Jahānyān visited every saint's tomb in Hindustan, and planted a tree there. So gracious are the leafen arms which shelter the sacred burial spaces of early Indian *mashā'ikh* that it is tempting to ascribe at least this *karāmat* to the peregrine saint from Ucch.

where he met Ṣadr ad-dīn Kunyawī and perhaps also Jalāl ad-dīn Rūmī.[67] His *qaṣīdahs* in praise of Bahā ad-dīn radiate the warmth of the transcendental love which they shared. His *dīwān* also contains superb *ghazals* and *rubā'īyāts*. Chishtīs as well as Suhrawardīs appreciated the delicate verses of 'Iraqi : they were sung again and again by Chishtī *qawwāls*, and were frequently quoted by eminent Chishtī saints such as Sayyid Gesū Daraz and Nūr Quṭb-i 'Ālam Pandawī.

Among 'Irāqi's other works his *Lama'āt* has gained special fame, both because it gives poetical expression to Ibn Arabī's monistic speculations and because it was imitated by Jāmī in his 15th century work by the same name. In it 'Irāqī apotheosizes love (*'ishq*) as the only existent in the vniverse; he turns his *shahādah* into *lā 'ilāha illā'l-'ishq* (*lam'ah* 7). Elsewhere, he echoes the *Lawā,ih* of Qāḍī Ḥamīd ad-dīn Nāgaurī when he asserts that separation from the Beloved is preferable to union with Him (*lam'ah* 22).

Amīr Ḥusaynī Sādāt (d. 1328 A.D.) was 'Irāqī's younger contemporary. He may have been a disciple of Bahā ad-din Zakariyā or a disciple of one of his successors.[68] In either case, he joined 'Irāqī in celebrating the virtues of the Multani Shaykhs, for instance, in the introductory chapters of *Kanz ar-rumūz*. Many of his works, including his *dīwān*, have perished, but at least five have survived,[69] and of them *Nuzhat al-arwāḥ* is unquestionably the most popular. It exists in multiple manuscript copies throughout the sub-continent, has been the subject of several commentaries, and was once lithographed (Delhi, 1911). In content *Nuzhat al-arwāḥ* does not differ from other *kutub-i sulūk* (writings on spiritual progress), such as Nakhshabī's *Silk as-sulūk*, with which it has sometimes been compared.[70] The choice of the Path, the nourishment of Love, the suppression of the lower self, the value of Seclusion, the necessity of Patience—all are familiar themes to every student or would-be practitioner of Sufism. What sets the book apart from others of this genre is the author's deft use of rhymed prose and his genius as a raconteur of Sufi tales. Frequently he uses the mere fragment of a story to introduce the major point of his discourse. For instance, in describing *jidd* and *ijtihād* (the exertion of effort and application of individual judgment on the Path to God), he wrties :[71]

حکایت

روزی نشسته بودم ذرهٔ را دیدم که آفتاب بر او می تافت و او در پرتو آن نور خود
می یافت گفتم ای ذرهٔ عاشق که معشوق را مقابلی آخر بچه استعداد این مرتبه را قابل
ای سوخته که با تو ساخته اند از کجا خاسته ای که ترا خواسته اند -

نظم

آخر بچه آشنایی ای باد بگو گستاخ در آن زلف روی موی بموی
من در طلبش در بدر و کوی بکوی تو در بر او لب بلب و روی بروی
ذرهٔ گفت این مقام آن کسی را سزا است که اول قدمش ترک اجزا است نه دانسته ای
که کسی بی دفع اغیار یار نه بیند و بی رفع غبار یار نیاید -

نظم

ای آنکه ازین دراز دستی خود را چو باز پای بستی
یک بار گر این گره شود باز بر خیز که باز رستی ای باز
ای باز یگانه گر گریزی زین بند چرا نمی گریزی
غولی است که گرد سر کند پر ای گرد سرت جهان تو می پر
خود بینی و خود نمائی ترا دو بند است این یک سخن به از هزار پند است -
هر که ازین دو خلاص یافت حقا که حقیقت اخلاص یافت -

نظم

چون نفس تو از هوا بر آمد این هر دو صفت شهیر آمد
بر خیز و ببر تو هر دو پالش آنگاه بنشین بچهار بالش
خود بینی و خود نمائی نشان احولی است این علت نه دارد هر که ولی است
او صافی که حجاب اهل معرفت اند میدان که هر یک نتیجه این دو صفت اند -

نظم

ریا و کبر تو رزق است و افسوس چرا از خود بگله سازی بسالوس
مبین خود را و کم کن خود نمایی که باشی هم بدام خویش محبوس
ز خود بینی کشد بیچاره طوطی همان کز خود نمایی دید طاؤس
مکن گردن کشی کز شومی کبر اسیر آمد بدست گیو کاوس
ز خود بینی چنان شد کار جمشید
که در شهنامه گوید شاعر طوس

Bountiful One comes through the distance and separation of that *raḥīm*.

Qāḍī Ḥamīd ad-dīn also composed Persian verse, graphic, intense, compact, all of it echoing his central pre-occupation : the love relationship is ambiguous and the seeker of God must continually strive for Union with a Beloved who has mandated separation in order to preserve the love relationship.

بے عاشق و عشق کار معشوق هبا است   تا عاشق نیست ناز معشوق کجا است

> Without the lover and love the work of the Beloved is futile.
>
> Unless there be a lover, what use is the coquetry of the Beloved ?

he writes in *Lawā'iḥ*.[61] Like other Sufis, he found the scriptural authority for seperation in Moses' dialogue with God on Mount Sinai (Q. 7 : 143). "*Arinī......lan tarānī*" ["Show me......" (asked Moses), "you cannot see Me" (replied God)], and it was in this vein that he wrote the following famous quatrain in a letter to Farīd ad-dīn :

آن عقل کجا که در کمال تو رسد   آن روح کجا که در جلال تو رسد
گیرم که تو پرده برگرفتی ز جمال   آن دیده کجا که در جمال تو رسد

> Where is the intellect that can perceive Your perfection ?
> Where is the soul that can attain Your majesty ?
> I want You to remove the veil from the face of beauty,
> But where are the eyes that can behold Your beauty ?

A contemporary of Qāḍī Ḥamīd ad-dīn Nāgaurī and, like him a successor of Shihāb ad-dīn Suhrawardī was Jalāl ad-dīn Tabrīzī (d. 1244 A.D.). After a checkered career in and around Delhi, Jalāl ad-dīn migrated East and became the most celebrated saint of Bengal. To the present day his fame exceeds even that which Nūr Quṭb-i 'Ālam later acquired among the residents of Lakhnauti. Anecdotes about him abound in the Chishtī literature as well as the Mughal period *tadhkirahs*. He also apparently inspired a biography in Sanskrit, *Shek subhodaya* (The Blessed Advent of the Shaykh), though the authenticity of the published work by this name is doubtful.[62] No one is certain what happened to the successors of Jalāl ad-dīn Tabrīzī. Only in secondary works like *Maktūbāt-i Ashrafī* do we find reference to disciples of the Jalālī *silsilah* working

in Bengal. There may be some truth to Sayyid Ashraf's conclusion that by the early 15th century the Jalālīs, together with other early Suhrawardī saints, "had gone under the dust of Bengal."[63]

During the pre-Mughal period the strongest concentration of the Suhrawardīs was in Northwest India. The developed major centers first at Multan and then at Ucch. Bahā ad-dīn Zakariyā (d. 1249 A.D.), the earliest saint of this branch, was a contemporary of Qāḍī Hamīd ad-dīn Nāgaurī and Jalāl ad-dīn Tabrīzī. Like them, he was also a successor of Shihāb ad-dīn Suhrawardī.[64] He began a redoubtable local tradition which was continued by his sons and grandsons, who were his spiritual as well as his biological successors. Through the 13th and 14th centuries, the Suhrawardīs maintained cordial but cool relations with their rival neighbors, the Chishtīs. For their part, the Chishtīs admired the spiritual discipline of Shihāb ad-dīn Suhrawardī, and made extensive use of the *'Awārif al-ma'ārif*, but they did not refrain from criticizing what appeared to them as the extravagant and "un-Sufi" lifestyle of Bahā ad-dīn Zakariyā.[65] Bahā ad-dīn's immediate successor, Ṣadr ad-dīn 'Ārif, shared neither his father's predilection for wealth nor his indulgence in politics. Yet Ṣadr ad-dīn's son and successor, Rukn ad-dīn Abu'l-Fatḥ, reverted to the tradition of his grandfather : he was comfortable with the ways of the world though otherwise spiritually advanced. Disparaging remarks about his affluence are frequent but probably exaggerated; he seems to have been on good terms with Niẓām ad-dīn Awliyā and even performed his funeral prayers.

What we know about the daily life and thought of the Multānī Suhrawardīs is almost solely derived from the Chishtī records and medieval *tadhkirahs*. Three important Suhrawardī *malfūẓāt* of this period have not survived. *Kanz al-fawā'id*, a *malfūẓāt* of Ṣadr ad-dīn 'Ārif, *Majma'al-akhbār*, a similar work about Rukn ad-din Abu'l-Fatḥ and *Fatāwā-yi ṣūfīya*, a later collection containing information about both these saints and their successors—all have perished. Only brief excerpts from them have been preserved in *tadhkirahs* of the Mughal period.[66]

Fortunately, the medieval Suhrawardī saints of Multan did produce two stellar poets whose fame extended well beyond the Khyber Pass and whose works (at least in part) have survived to the present day. Fakhr ad-dīn 'Irāqī (d. 1289 A.D.) stayed for 25 years with Bahā ad-dīn Zakariyā in Multan before proceeding to Kunya

THE SUHRAWARDĪ *SILSILAH*

While Chishtīs dominated the spiritual and literary life of pre-Mughal Indian Sufism, two other orders, the Suhrawardīya and the Firdausīya, also played important, albeit secondary, roles in the propagation of mystic ideals during this period. The Suhrawardīs can proudly claim the first major Sufi author of Indian Islam. Reputedly a bad organizer, Qāḍī Ḥamīd ad-dīn Nāgaurī was nonetheless an impressive personality in 13th century Delhi. Like many of the early Chishtīs, he came to India after having travelled to the major centers of the Islamic world. It was allegedly in Baghdad that he met both Quṭb ad-dīn Bakhtiyār Kākī, the major successor to Mu'īn ad-dīn Chishtī Ajmerī and the future ruler of the Slave Dynasty, Shams ad-dīn Iltetmish. Once in Delhi, Qāḍī became a fast friend and constant companion of Quṭb ad-dīn. Later he exchanged intimate letters with Quṭb ad-dīn's successor, Farīd ad-dīn Ganj-i Shakar and in *Fawā'id al-fu'ād*,[58] his erudition is glowingly recalled by the greatest of the Delhi Chishtīs, Niẓām ad-dīn. Qāḍī Ḥamīd ad-dīn shared the Chishtī predilection for *samā'*. He issued a *fatwā* or legal decree in its support, parried the attacks of critics and himself wrote couplets for recitation in the gatherings he attended, frequently in the company of Quṭb ad-dīn.

The Qāḍī's writings are extensive and brilliant. Originally, they were said to have filled four bound volumes, but only fragments have survived : a partial Qur'anic commentary; a commentary on 40 *hadīth*, after the model of Nawāwī's classic work; excerpts from a speculative tract, *Lawā'iḥ*; another speculative treatise, *Risālah-'ishqīya* also known as *Khayālāt al-'ushshāq*; and finally, his magnum opus, a mystical commentary on the 99 beautiful Names of God *Ṭawāli'ash-shumūs*. Two quotations—one from *Tawāli'ash-shumūs* the other from *Risālah-i 'ishqīya*—will provide a glimpse into the dialectical subtlety of this 13th century Suhrawardī saint. Concerning Ḥallāj, he writes in *Tawāli'ash-shumūs* :[59]

> Oh my brother, in the world of travelling toward God, peace of mind is not possible. "I am going to my Lord, and He will guide me" (Q 37 : 99) is proof of this. If Abraham had achieved composure, then why did he say, "He will guide me" ? For in the condition of Union the idea of separation is impossible. The secret of "I am the Truth" and "Glory be to Me" is this : that neither Manṣūr nor Abū Yazīd

experienced separation at the time that he made this declaration.

By my life, at the station where "He" is to be said, to utter "I am the Truth" is impossible, and at the stage where one should declare "I am the Truth", the mention of "He" is erroneous and misguided. If the one who says "I am the good" were to say "He is the good", at that stage he would come out of the secret, but because he says "I" instead of "He", he will enter into the secret. Hence in the case of Manṣūr, were he to have exclaimed "He" instead of "I", he would have come out of the secret, and he would have departed from the treasury of Unity. But since he said "I", he entered into the secret and ascended thousands upon thousands of stages.

Among the gem-like discourses of *'Ishqīya* are some involved specimens of letter mysticism, such as the following :[60]

When God is the First He is *raḥmān*, and when He is the Last, He is *raḥīm*. Hence every creature stands between these two attributes, that is, everyone dwells between *raḥmān* and *raḥīm*. Rather, the world is the dot of the *nūn* of *raḥmān*. God is always looking with a merciful glance on the dot, and everything is maintained because of that glance. —Hence everyone who is dedicated to the Way of God and love of Him, just like the dot of the *nūn* which has found its place in the heart of *raḥmān*, so he is always under the glance of the Beloved. Those who love another, however, remain in the world of duality and polytheism; they are thrown on the back of God like the dots of *raḥīm*. —Though the purpose of the dots is to convey distance and duality, were unbelievers not thrown on the back of God, *raḥīm* would not come into manifestation. While the believers and righteous and lovers and gnostics and monotheists are exclusively dedicated to His love, as the dot of the *nūn* has its place in the heart of *raḥmān*, yet sinners and hypocrites and polytheists and unbelievers, due to their love of another in the world of duality, remain distant and separated, like the dots of *yā*, from the glance of *raḥmān* : instead, they are near the back of *raḥīm*. In the glance of *raḥmān* there is great favor, yet in the back of *raḥīm* there is endless hope, and there can be no doubt that the generosity of the

As his major disciple and successor, Nūr Quṭb-i 'Ālam chose a man whose literary tastes were as lofty as his own. Ḥusām ad-dīn Mānikpūrī (d. 1477 A.D.) compiled two *malfūẓāt* of his *pīr* during the latter's lifetime. *Anīs al-'āshiqīn* and *Rafīq al-'ārifīn* supplement the fragmentary impression we have of the saint's personality from the incomplete collection of his *maktūbāt* that has survived.[61] *Rafīq al-'ārifīn*, especially, contains anecdotes that highlight the winsome ingenuousness of Nūr Quṭb-i 'Ālam :

> Someone asked the Shaykh [reports Ḥusām ad-dīn][62] : "Why do the Shaykhs customarily shake hands after the *salām* at the end of the obligatory prayer ? Please tell me what is the inner meaning of this practice." "It is traditional," replied the Shaykh, "that when a traveller returns from a journey, he shakes hands with his friends. When the dervish stands up in prayer, he becomes immersed in God : leaving himself, he goes on an inward journey. When he says *salām*, he comes back to himself. Hence he shakes hands with those present."

A collection of Ḥusām ad-dīn's own *maktūbāt* number over 100. Together with *Jam' al-fawā'id*, a compilation of his *awrād*, they enable us to sense the spiritual mood of the Chishtī order in mid-15th century Bengal. Ḥasan Ṭāhir (d. 1503 A.D.), the successor of Ḥusām ad-dīn's successor, also wrote numerous tracts on mystic principles, the most famous of which was *Miftāḥ al-faiḍ*.[64] Beyond these writings, our knowledge of pre-Mughal Bengalī Sufism is slim, and has to be sifted from later, often wildly legendary accounts of the early saints.

By the end of the 15th century, the network of the Chishtī *silsilah* had been extended over much of North India. Whereas the saints of the first period (Mu'īn ad-dīn through Naṣīr ad-dīn), together with their followers, had worked mainly in Rajasthan, the Punjab and what is present-day Uttar Pradesh, the regional successors of Niẓām ad-dīn effected the spread of the *silsilah* through Awadh, Jaunpur, Bihar and Bengal, while in Gujrat and the Deccan their efforts were supplemented and brought to fruition by Sayyid Gesū Darāz and his spiritual descendants. The literary output of the first period was, as we have seen, occasional and topically limited, while the writings of the second period were numerous but chronologically restricted to the generation of Sayyid Gesū Darāz and Sayyid Ashraf Jahāngīr Simnānī. The Bengali Chishtīs represent an independent development. From the end of the 14th century their major *shaykhs*

roduced a steady stream of writings : *awrād* and poetry collections, ogether with *maktūbāt, malfūẓāt,* and *ishārāt.* Yet they did not ttempt systematic commentaries on mystical classics, *ḥadīth* collec-ons or even the Qur'ān.

A separate branch of the Chishtīya also appears in the 15th entury and is worthy of notice. The Ṣābirī Chishtīs, although nysterious in origin, became historically verifiable and increasingly mportant from the time of Aḥmad 'Abd al-Ḥaqq (d. 1433 A.D.). None of the saint's own writings have survived, but after his death, n a manner of initiation not uncommon in the annals of medieval Sufism,[55] he chose as his disciple and principal successor a man amply endowed with literary as well as spiritual sensibilities. 'Abd al-Quddūs Gangohī (d. 1538 A.D.) wrote prolifically on a wide range of subjects. In addition to a *tadhkirah* of his *pīr* entitled *Anwār al-uyūn*, he composed 17 works, of which 9 have survived. The most engaging are his Arabic commentary on Shihāb ad-dīn Suhrawardī's *Awārif al-ma'ārif*, the fovorite organizational manual for Indian Chishtīs, the *Rushdnāmah*, a speculative tract which implicitly adapts Hindu practices to the Sufi ascesis, and two collections of his extensive *maktūbāt*, *Makātib-i Quddūsī* and *Muntakhab-i Maktūbāt-i Quddūsī*. His own life and teachings are set forth in *Laṭā'if-i Quddūsī*, a *adhirah* composed by one of his sons, Rukn ad-dīn. The appendix of the *Laṭā'if* also offers a selection of 'Abd al-Quddūs' Persian verse. In the estimate of one modern scholar, however, they leave the mpression of "a poet of limited technical proficiency writing in a hackneyed Sufi style."[56]

Whatever his shortcomings as a poet, 'Abd al-Quddūs was a skilled organizer and theoretician of the Ṣābirī Chishtīya. His influence extended far beyond his own time. One of his disciples was the father of Shaykh Aḥmad Sirhindī (d. 1624 A.D.), the major promulgator of the Naqshbandī tradition in Mughal India and founder of the Naqshbandī Mujaddidīya while another branch produced a string of luminaries culminating in Ḥājjī Imdād Allāh of Thana Bhawan (d. 1899 A.D.). the foremost Indian Sufi of the ill-fated 19th century.[57] Before migrating to Mecca after the unsuccessful Revolt of 1857, Ḥājjī Imdād Allāh influenced several major figures in the Deoband movement, as well as the founder of Aligarh Muslim University, Sayyid Aḥmad Khān.

letters only toward the end of his life. Moreover, there are only 75 letters in the extant *maktūbāt* collection. Some of the lost letters must have belonged to an earlier period, overlapping with the *Laṭā'if*. Yet those 75 which comprise the present *Maktūbāt-i Ashrafi* are themselves highly interesting. They are addressed to a wide circle of friends, acquaintances and disciples. From their contents it would appear that many eminent Indian Muslims of the late 14th and early 15th centuries in India consulted Sayyid Ashraf's opinion on a variety of subjects. Some wanted him to resolve doctrinal difficulties. (*MA* 22, e.g., complies with Qāḍī Shihāb ad-dīn Dawlatābādī's request to justify Ibn 'Arabī's interpretation of Pharaoh's death, while *MA* 5 and 52 explain the levels of professing the Divine Unity and *MA* 7, the meaning of One with reference to the Divine Essence.) Others asked him to comment on the meaning of Qur'anic verses (*MA* 3 and 25) or puzzling *hadīth qudsī* (*MA* 40 and 41). Still others enquired about cryptic lines of poetry (*MA* 23, 31, and 39, e.g., concern verses from Amīr Khusrau, Sharaf ad-dīn Bū 'Alī Qalandar and Abū Sa'īd b. Abī'l-Khair). Some of the most unusual letters contain his advice to rulers and commiseration with Muslims suffering under Hindu tyrants. His response to the entreaty of his fellow Chishtī, Nūr Quṭb-i 'Ālam, for relief from the oppression of Rājā Ganesh (*MA* 45) falls into the latter category, while directives to Sulṭān Hushang of Mandu (*MA* 28) and Sulṭān Ibrāhīm Sharqī of Jaunpur (*MA* 23, 24, and 46) fall into the former. He had two meetings with Timur to which reference is also made in the *Maktūbāt*. The second occurred in Meshhed sometime after Timur had sacked Delhi. It is reported that when Qirān as-Sa'dain asked the saint from Kichhauchha how to win battles (!), Sayyid Ashraf instructed him to recite *Sūrat al-Mujādalah* (*MA* 16). In many instances, the topics of the *Maktūbāt* are identical to the subject matter of the *Laṭā'if*, for instance, on the jurisdiction of a *shaykh* (*MA* 71=*LA* 2), the benefits of visiting saints' tombs (*MA* 12=*LA* 17), the scope of *waḥdat al-wujūd* and its dissenters (*MA* 19=*LA* 27), the principal teachings and major Shaykhs of 14 *silsilahs* (*MA* 55=*LA* 14) and the permissability of *samā'* (*MA* 74=*LA* 20). In general, the *Maktūbāt* give more explicit, if briefer, information than discourses on the same subject in the *Laṭā'if*.

The regional popularity of Sayyid Ashraf Jahāngir Simnānī in Jaunpur was mirrored by the success of his contemporary and co-*khalīfah*, Nūr Quṭb-i 'Ālam (d. 1415 A.D.)[40] in Pandua (Bengal). The exchange of correspondence between these two illustrious Chishtī

saints has already been mentioned. Though they shared a common spiritual master, 'Alā ad-dīn Bengālī, their approaches to Sufism—both theoretical and practical—were very different. Nūr Quṭb-i 'Ālam expounds an exquisite theology of pain; he quotes the verses of Fakhr ad-dīn 'Irāqī and Farīd ad-dīn 'Aṭṭār but does not allow himself the metaphysical comfort of pantheism. Like earlier Chishtīs, he eschewed the company of kings, and though some historians have suggested that he may have been at least a tacit partisan in the dynastic struggles of early 15th century Bengal, [80] the evidence is too circumstantial to be convincing. Moreover, apart from a single letter to Sayyid Ashraf, no copy of which is extant, his correspondenc is free of anything but the outpourings of a soul tortured by its separation from the Beloved. In his old age, he writes :

> My life has passed eighty, and I have sought peace of mind for sixty years, but from the evil of the lower self, I have not been free for one hour. Except wind in the hand, fire in the liver, water in the eyes and dust on the head [that is, except bad luck, lust, regret and humiliation], nothing has remained. I have not succeeded in acquiring anything except disappointment and shame, and wherever I have turned there has been pain and sighing.
>
> درد درا باش اے برادر درد را
>
> Bear the pain, O brother, bear the pain.
>
> دل مردان دین پر درد باید ز محنت فرق شان پر گرد باید
>
> The hearts of the men of God must be full of pain.
> From affliction, they must bow their heads to the dust.
>
> However much I belabored myself from head to foot, I have not attained my purpose :
>
> گفتم مگر که کار بسامان شود نه شد یار از جفای خویش پشیمان شود نه شد
> گفتم مگر زمانه مدارا کند نه کرد بخت ستیزه کار بفرمان شود نه شد
>
> I asked that my work might bear fruit—it has not.
> And that the Friend from His tyranny might relent—He did not.
> I asked that my times might be favorable to me—they were not.
> And that I might be the master of my adverse fate—I was not.

then become sub-symbols of an endless drama within the heart of man. Still another interpretation posits the girl, the interlocutor and Jesus as different aspects of *nafs*, i.e., *nafs al-'ammara*, *nafs al-lawwama* and *nafs al-muṭma'inna* (the recalcitrant soul, the blaming soul, the peaceful soul) respectively. In *Tabṣirat al-iṣtilaḥat aṣ-ṣūfīya*.[40] Sayyid Muḥammad Akbar Ḥusaini, Gesū Darāz's oldest son, devotes an entire chapter to explaining the subtleties of this 49th *samar*, and only proves that its imagery recedes beyond the net of discursive reason.

Gesū Darāz wrote many other works, including a popular Persian *dīwan* and possibly two *isharat* in local Deccani.[41] Yet his influence as a Sufi theorist and organizer was chiefly regional : his greatest popularity has always been in those areas where he and his successors lived, laboured and died, namely, Gujarat and the Deccan.[42]

The pattern of regional dispersion and local fame among later Chishtīs is also evident in the case of Sayyid Ashraf Jahāngīr Simnānī (d. 1425 A.D.).[43] Originally he had been a disciple of 'Alā ad-daula Simnānī, the Central Asian Kubrawī saint noted for his opposition to Ibn 'Arabī's teaching. Sometime between 1340 and 1370,[44] perhaps in the company of Sayyid 'Alī Hamadānī, Sayyid Ashraf migrated to India. Unlike their common *pīr*, both Sayyids were zealous advocates of *waḥdat al-wujūd*, and in that difference may lie a partial explanation of their journey to India. Sayyid 'Alī settled in Kashmir, where to the present day he is revered,[45] while Sayyid Ashraf eventually came to Bengal and enrolled as a disciple of 'Alā ad-dīn Bengālī, himself the successor of Akhī Sirāj, Niẓām ad-dīn's emissary to Gaur (Bengal). After some years, 'Alā ad-dīn ordered Sayyid Ashraf to propagate Chishtī teachings in Jaunpur. The Sayyid hesitated to accept : a popular Suhrawardī saint, Sayyid Ṣadr ad-dīn *aka* Chirāgh-i-Hind, had already claimed that region as his *wilāyat* or spiritual domain. But 'Alā ad-dīn assured Sayyid Ashraf of eventual success. He settled in Kichhauchha, a village in the district of Jaunpur renowned for its occult practitioners and yogin exorcists. He trained himself to be a masterful exorcist, and after outmaneuvering his Hindu rivals as well as Chirāgh-i Hind, Sayyid Ashraf Jahāngīr Simnānī became the master of Kichhauchha. For the rest of his life he zealously maintained this spiritual trust. At the same time he travelled extensively, visiting most of the Indian *mashā'ikh* of his day as well as many saints and poets outside of India. During one of his visits to Shiraz, for instance, he is reported

to have joined in a poetic recitation with no less a person than the immortal Ḥāfiẓ himself. And the Sayyid wrote copiously. Titles of no fewer than 25 of his writings have survived, and partial or complete texts of 10 of these are available, mostly in manuscript form in libraries throughout the subcontinent.[46]

Sayyid Ashraf's most famous works are *Laṭā'if-i Ashrafī* (abbreviated as *LA*) and *Maktūbāt-i Ashrafī* (abbreviated as *MA*). The *Laṭā'if* or Subtle Insights are discourses of the saint collected by one of his disciples, Niẓām Gharīb Yamanī, allegedly between A.H. 750 and 780. They are the most voluminous single *malfūẓāt* collection attributed to an Indian saint : comprising 60 *laṭā'if*, with introduction and conclusion, they run to almost 850 pages of small print in an extremely rare lithograph edition[47]. The topics are diverse and their treatment extensive. Sayyid Ashraf's loyalty to 'Abd ar-Razzāq Kashānī, the well-known commentator of *Fuṣuṣ al-ḥikam*, is attested throughout the *Laṭā'if* but is especially evident in the chapters on Unity (*LA* 1) and technical terms (*LA* 7). Some chapters contain eloquent apologia, such as *LA* 20, in which he defends the Chishtī practice of *samā'*, and *LA* 27, in which he explains the proof of *waḥdat al-wujūd* and the objections that Sufis have raised against them. In *LA* 16 his fascination with speculative thought accounts for the intricate explanations he offers of ecstatic utterances (*shaṭḥiyāt*) attributed to early Sufis. His taste for poetry is apparent in the discussion of poetic images (*LA* 18) and the biographical sketches of Sufi poets (*LA* 54). (The latter *laṭīfah*, together with the introduction is thought to be a source used by 'Abd ar-Raḥmān Jāmī in compiling his famed *tadhkirah*, *Nafaḥāt al-uns*)[48]. Other *laṭā'if* are dedicated to explaining mystic practices, such as determining the *wilāyat* or jurisdiction of a saint (*LA* 2), meditating on the image of the Shaykh (*LA* 10), the use of scissors in initiating disciples (*LA* 12), and the practice of visiting saint's tombs (*LA* 17). Still others concern the mystical interpretation of obligations incumbent on all Muslims : *LA* 29-32 exposit the inner and, therefore, the essentiat meanings of prayer, fasting, alms-giving, pilgrimage, and holy war. Some of the most fascinating *laṭā'if* describe Sayyid Ashraf's own travels and meetings with different saints (*LA* 22-24).

The *Maktūbāt-i Ashrafī* belong to a different period of the saint's life than the *Laṭā'if-i Ashrafī*. In their entirety they appear to derive from the last phase of his long and highly successful spiritual career (ca 1390-1425 A.D.). Yet it is inconceivable that a scholarly saint with Sayyid Ashraf's disposition to write would have written

was after 1398 that two major forces impinged on his life and made writing not only desirable but necessary. First and foremost was the Mongol holocaust. The Sayyid left Delhi when he had a premonition (which his disciples interpreted as divine) that Timur was about to invade the capital. Gesū Darāz, like many of his fellow Muslims, must have feared that the entire mystic tradition in which he had been nurtured would be obliterated by the relentless plunders of the steppes. How could the varied teachings and memories of bygone Chishtī saints be preserved unless they were written down *Jawāmi'al-kalim*, which is among the earliest and most comprehensive of the Sayyid's writings, must be understood against the background of his narrow escape from near total disaster.

A second impetus to write arose out of the demands of Gesū Darāz's life after leaving Delhi. In Gujarat and even more in Gulbarga he was conscious of beginning a new *silsilah* in a region that was scarcely familiar with Islam. Gesū Darāz's position in the Deccan in the early 1400's was similar to that of Mu'īn ad-dīn in Rajasthan two hundred years earlier : although the western part of the Deccan had been the focus of attention for some of Niẓām ad-dīn's disciples, including the aged Burhān ad-dīn Gharīb, the eastern region was almost devoid of Muslim traditions. The Sayyid could have followed the example of Mu'īn ad-dīn or any of his Chishtī predecessors and chosen *not* to write, but his situation was theologically more complex than theirs. To disseminate Sufi teachings without committing the excesses of *waḥdat al-wujūd*, Gesū Darāz opted to mediate the entire mystical tradition as it was understood up untill his time. Not surprisingly, many of his extant works are commentaries and translations[26].

In addition to a partial Qur'ānic commentary, a Persian translation of the famed *ḥadīth* collection, *Mashāriq al-anwār*, and a compilation of forty *Aḥādīth* (after the model of Nawawī's work), Gesū Darāz analyzed the two major guidebooks used by Indian Muslims for organizing *khānqāh* life : *'Awārif al-ma'ārif* of Shihāb ad-dīn Suhrawardī and *Ādāb al-murīdīn* of Abū Najīb Suhrawardī. Both commentaries exist in Arabic as well as Persian recensions. The biographies of early Sufis were broached and basic mystic terms (*iṣṭilāḥāt*) explained in a commentary on *ar-Risālat al-Qushairīya*, again in both Arabic and Persian. Further commentaries—all in Persian—concerned the *Tamhīdāt* of 'Ain al Quḍḍāt Hamadānī, *Fuṣūṣ al-ḥikam* of Ibn 'Arabī, the *Ta'arruf* of Abū Bakr Bukhārī and a *risālah* of 'Abd al-Qādir Jīlānī.

It was also in Persian that the Sayyid chose to write probing often puzzling speculations on *taṣawwuf*. *Wujūd al-'āshiqīn*, *'ā'ir al-quds*, *Istiqāmat ash-sharī'at*, and *Asmār al-asrār* are works piritual artistry, stretching new horizons before Indian Sufis intent inding the treasures of inner space. *Asmār al-asrār* is dazzling. 14 *asmār* or night discourses constitute a series of symbolic ana- ies, often couched in the form of stories with a mystic flavor but ixed equivalents. The reader or listener (one can well imagine many of them were recited in the circle of the saint's followers) it discover the shades of meaning for himself. Only the numerical allel of the *asmār* to the Qur'ānic *sūrahs* is obvious; the rest has e pondered before it yields its delicate secrets. *Samar* 49, for ance, seems to describe a vision or a dream : [39]

> One time it happened that I saw a lake the length and breadth of which only God knows, but it was no more than waist deep. Some people were wading into it, and I was among them. There was also a girl of about 15 years among the waders. The strange thing is that we were all naked up to the waist. This young girl was a beauty such that if the *houris* had been created from the reflection of her light they would have claimed to be gods. Her complexion and stature were like that of a young boy. Between us there was a distance of about one *farsang*. She beckoned me to her. In the same manner that they bring a bridegroom to the bride, they brought me a distance of one *farsang* to be united with her. A man from the world of the unknown was a witness to this. He threw a cloak over us, as thought to hide us, and at that moment I saw myself clothed in the same beauty and grace as she. From between us the Prophet Jesus arose and cried out, "I am the Son of God." The two of us began to quarrel, I saying that Jesus was my child and she saying, "No, he is mine". Jesus was complaining and leaping about and denouncing both of us. "I am neither your son nor hers, "he would say. "I am only of myself and with myself." And when the girl again said, "Jesus is mine," "I remarked, "I find myself to be just like him and just like that water; I am everything."

An old man drifting into reveries of his approaching journey the Divine Presence --such is one interpretation of this *samar*. other suggests that the bridegroom and the bride are the Spirit ḥ) and the lower soul (*nafs*) respectively, while Jesus ('Īsā), their uted progeny, represents the heart (*dil*); the sequential actions

described, For *samā'* the trifold pattern of *tawājud, wajd*, and *wujūd* (induced ecstasy, real ecstasy and 'finding', i.e. finding God through music) is familiar to Sufis[25]. But the postulation of three stages of *rūḥ* (the Spirit)—origin, subsistence, and return (*mabda, ma'ādash* and *ma'ād*)—is novel, at least within the writings of Indian Sufism which predate Mas'ūd Bakk.

Bakk's analysis of the Spirit exemplifies his approach to the mystical life : he is at once systematic and ecstatic. He begins by reviewing various answers that have been given to the major questions about the Spirit : how did it come into being ? what is its relationship to the body ? and how can man understand its operation ? He probes the subtleties as well as the shortcomings of every viewpoint, and then at last sets forth his own assessment. Here, as elsewhere in the *Mir'at al-'ārifīn*, his language is less reminiscent of Ibn 'Arabī than of Suhrawardī Maqtūl (d. 1191 A.D.), and his extended imagery seems to anticipate the martyrdom which he was to share with his *ishrāqī* predecessors[26] :

> As for the Spirit, [he concludes], there is an aspect to every one of its manifestations, and in every aspect the source of manifestation shows forth a realm which signifies both origin and return. For the Sufis there are many subtle points in this process. Know that the origin expresses the secret of the Spirit, which is an aspect of the Lord of the morning in the depth of eternal beauty. This is potential knowledge, in the same sense that the power of illumination is latent in the sun. Return indicates the shining of the Divine aspect in the mirror of the human form. That illumination appears in stages. Its first appearance takes place in the attribute of the heart, just as in the mirror of the moon, the crescent is reflected from the face of the sun. When God considers the place sufficiently polished, the attribute is reflected in the whole person, in the same way that the crescent in the lunar mirror, when it waxes to full, causes the entire sun to appear in the form of the moon. This is the perfection of perfection.
>
> From first to last the Spirit manifests itself as an aspect of the Divine splendor. With reference to origin, the Spirit is an aspect of enternity without beginning (*abad*), with reference to return, it is the beauty of eternity without end (*azal*). Return signifies the appearance of the Spirit in the mirrors of human forms : heresy and belief, happiness and sadness—all are part of this aspect. In searching for perfection, the Spirit progresses

through cycles of prophethood and sainthood, just as sunlight progressively penetrates into the moon, transforming it from crescent to full. Everything appears as cycles and periods of return. How then does light come into the fullness of the Essence ? Just as the moon begins to wane when it comes near the sun till it merges with the sun and the moon no longer appears and to the sun nothing appears except the sun—" Everything perishes except His Face" (Q. 28:88)—so return is an expression of the vision of God. The spirit appears as an aspect of eternity without beginning in the form of eternity without end. All creation reflects degrees of that appearance. Here it becomes light when every particle of the whole shines forth with the same splendor. Hence this dervish has said :

گو از خودی خویش برون آیی تو   در پردهٔ توحید درون آیی تو
ور از روش چون و چرا بر گذری   از خود شده بی چرا و چون آیی تو

You should come outside the realm of self
And enter into the veil of Divine Unity,
For when you go beyond asking when and why,
Leaving the self, you enter without why and when.

Mas'ūd Bakk's contemporary was the principal successor of laṣīr ad-dīn, Sayyid Gesū Darāz. It is strange that little information as survived of the relationship between these two major figures ' 14th century Delhi. One exchange of letters, preserved in the *faktūbāt* of Gesū Darāz, suggests that they had profound doctrinal isagreements.[37] Yet the Sayyid shared Bakk's predliection for oetry, for mystic music, and above all, for the literary expression of iritual truths. His own writings are said to number 105, although robably they did not exceed 40. While in Delhi he wrote very little, id most of his extant works are ascribed to the later period of his e, after he had settled in Gulbarga. Before we review the outline atures of this vast corpus, we must ask the question : why would man who has written little during most of his adult life become a erary windmill after the age of 80 ? Several explanations come to ind. Some have been broached in the preceding pages of this onograph; they are worth repeating here. Probably during the elhi years the Sayyid not only formulated his thoughts but made tensive notes on the various mystical writings that he had read. so, during the same period, he may have felt the urge to conteract hat he perceived to be the restrictive or nefarious application of n 'Arabī's thought to the mystic outlook of the Chishtīs. But it

gradual reduction of their domains during the last half of the 14th century. When Timur invaded and devastated North India in 1398-99, the authority of Delhi collapsed; in its stead regional dynasties, already on the ascendant, flourished everywhere. (2) At the same time, Niẓām ad-dīn's successors, who had fanned out into many parts of Hindustan, themselves produced able successors. As the second and third generations of regional Chishtīs found increasing favour in the hearts of provincial Muslims, they disseminated the teachings of the *silsilah* with minimal attention to Delhi and its saints (3) Indian Islam, which had always been affected by events in other Muslim lands, was slow to respond to the penumbric doctrine ascribed to Ibn 'Arabī and labeled *waḥdat al-wujūd*[20]; but during the latter half of the 14th century, immigrants from Iran and Central Asia who were convinced of the truth of Shaykh al-Akbar's teachings joined the Chishtī *silsilah*. They felt an urge to propound Ibn 'Arabī's construction of *taṣawwuf*; others felt an urge to refute it. Both groups resorted to writing.

Yet it is also possible that personal inclination as much as historical circumstances or theological duress impelled later Chishtīs to write down mystic speculations, scriptural commentaries, practical instructions, anecdotes, prayers, and, above all, poetry.

Three saints who were contemporaries--Mas'ūd Bakk, Sayyid Gesū Darāz and Sayyid Ashraf Jahāngīr Simnānī...exemplify the shift in spiritual mood and literary tempo that took place among Chishtīs during the late 14th and early 15th centuries. Of the three, the two who came from Central Asia (Mas'ūd Bakk and Sayyid Ashraf) were supporters of *waḥdat al-wajūd*, though Mas'ūd Bakk was less explicitly an advocate of Ibn 'Arabī's views than Sayyid Ashraf. Gesū Darāz, as indicated earlier, was wary of Shaykh al-Akbar's speculations. All three were spiritually linked to Niẓām ad-dīn through his successors : two (Gesū Darāz and Mas'ūd Bakk) through his Delhi heirs, one (Sayyid Ashraf) through a regional saint. Two of them changed the course of their lives in reaction to Timur's invasion. For Sayyid Ashraf, the slaughter of his relatives in Simnan impelled him to seek solace in the authority of a *pīr*; for Gesū Darāz his premonition of an attack on Delhi prompted him to leave his home of more than half a century : he had to ensure not only his own survival but the continuity of the Chishtī *silsilah*. Together, Mas'ūd Bakk, Sayyid Gesū Darāz and Sayyid Ashraf Jahāngīr Simnānī reflect the decentralization of the Chishtīya during this period; Mas'ūd Bakk, the youngest of the three, remained in Delhi;

Gesū Darāz began his spiritual career in Delhi but moved to Gwaliyor Gujarat and finally Gulbarga; Sayyid Ashraf settled in Jawnpur and had no attachment to Delhi, though he occasionally visited there.

In his biographic profile Mas'ūd Bakk (d. 1387 A.D.) resembles Nakhshabī. Like Nakhshabī, he migrated to India from Central Asia. (One tradition even alleges that he had been the governor of Bukhara in his younger days). Also, like Nakhshabī, after joining the Chishtī order, he became a recluse—sitting, praying, reflecting and writing. Occasionally he spoke to visitors, and the reports of his ecstatic utterances so outraged the Delhi *'ulamā* that they succeeded in having him executed at the order of Fīrūz Shāh Tughluq[31]. Before his untimely death, Bakk produced a few disciples whose names appear now and then in medieval *tadhkirahs*, but like Nakhshabī, he is primarily known for the lofty tenor of his writings. In addition to occasional letters, he wrote six books, of which four have survived to the present day : *Rawā'iḥ* or *'Ishq Nāmah*, *Nikāt al-'āshiqīn*, *Mir'at al-'ārifīn* and a Persian *dīwān*[32]. The latter two are the best known. The *dīwān* consists of *qaṣīdahs*, *rubā'iyāts* and *ghazals*, but like Khusrau, his *ghazals* are the most numerous and the most attractive of his verses. In the art of composing these beguiling connundra, he declares Sa'dī to be his master[33], and the mellifluous quality of his best *ghazals* suggests that he was a faithful, though somewhat erratic, student of the Shīrāzī lyricist. *Mir'at al-'ārifīn* also contains a large number of Bakk's poems, but since none of them are found in the *dīwān*, it appears that *Mir'at al-'ārifīn* was composed sometime after 1378 A.D., the year that Bakk comleted hi *dīwān*[34].

For subtlety of expression and depth of insight, there are few speculative writings in the history of Indian Sufism that can be compared to *Mir'at al-'ārifīn*. Divided into fourteen chapters to correspond to the numerical value of Ṭaha, a mystical name for the Prophet Muḥammad, it covers the entire range of topics on which Sufis have eternally mused : Existence, Unity, Knowledge, Love, Transcendence, Immanence, Union, Speech, Vision, Purity, Discipleship, Sainthood, Mystic Music and the Spirit. Some are discussed experientially with reference to the polar psycho-physical states in which they occur. The chapter on Love, for instance, treats both sobriety (*saḥw*) and inebriation (*sukr*), the chapter on Transcendence, both concealment (*satar*) and manifestation (*tajallī*), the chapter on Vision, both sleep (*nawm*) and wakefulness (*yaqaẓat*).

Unlike other topics, however, Mystic Music and the Spirit comprehend three points of reference in the chapters where they are

of *Fawā'id al-fu'ād*—perhaps under the influence of his own Chishtī *pīr* Farīd ad-din "Chāk Parrān"[28]......the resulting essays offer a uniquely individualistic and often severe interpretation of early Chishtī doctrine.

Consider the concept of *balā* (affliction). It was central to the teachings of both the ancient Sufis and the Chishtīs. Like the concept of *faqr* or poverty to which it was closely related, *balā* embodied a paradox that had to be experienced to be understood : the seeker had first to divest himself of selfhood before he could know God. 'Poverty' and 'affliction' were verbal symbols of self-divestiture. Yet for Nakhshabī, *balā* involved nothing less than the mandate for the Sufi traveller to assume all the burdens of an errant human race :[29]

> For someone on the Way [he writes in *silk* 70] there have not been sown so many thorns of violence in his path that they may constitute a real affliction, any more than did the fire into which they threw Abraham or the axe with which they cut Zeckariah to pieces. Affliction is this which They strew before us when They cause us to precede all the people of heaven and earth. They bind to the skirt of our intercession the sinfulness of Adam's race. We have to tread the path of deviants; we have to make apologies for the unrepentant; we have to do the work of the lazy. Sometimes They make us sit on the Throne which is "nearer than the distance of two bowlengths" [Q 53:9]. Sometimes they send us to the abode of violence of Abu Jahl. Sometimes thay call us both the witnesser and the witnessed, the receiver and the bearer of good tidings. At other times they call us the bewitcher and the bewitched. Sometimes they send Gabriel to hold our stirrups, and sometimes they don't let us enter Mecca without a peace treaty. Sometimes they bring the treasures of the Kingdom to the door of our cell; at other times for a little barley they send us to the door of Hoy Shahmā. Sometimes they let us into Khaibar by the hand of one of our servants; at other times they break our teeth with the rocks of the infidel. All this they do that the world may know that our Way is a Way full of affliction. If you intend to enter this Way, then enter on your head; otherwise take your troubles off this Path, for no one can tread it by walking on his feet.

نخشبی قرب بی بلا نه بود   زخم تیشه همیشه بر دل کان است
هر که از عشق دور از غم دور   غم و محنت برای نزدیکان است

Nakhshabī, one cannot be near to God without affliction.
Adversity hammers and hammars at the mine of the heart.
Whoever is far from grief is far from love.
Grief and torment are the lot of the near ones.

Nakhshabī, with his brilliant rhetorical flourishes, and Naṣīr ad-dīn, in his disdain for writing, represent the polar images of an era that ended with their deaths. Throughout the 13th century and the first half of the 14th, the pattern of literary activity among the Chishtīs had been fairly constant. Apart from a few letters, poems, and prayers the major Shaykhs wrote nothing. Their followers may have composed *dīwāns* or *ishārāt* (instructional manuals) or an occasional speculative treatise, but it was through *malfūẓāt* (transcribed conversations) of the Shaykhs that Indian Sufis affiliated with the Chishtī order communicated the most specific details about the mystic outlook of their times. Only two major literary figures emerge from the Chistīs of this early period : Amīr Khusrau and Ḍiyā ad-dīn Nakhshabī. Both were ancillary members of the *silsilah*, and though their writings were warmly appreciated and often quoted by later mystics they neither reflected nor affected the day-to-day activities of other Chishtīs.

Undoubtedly our picture of literary activity among the early Chishtīs would be fuller if all the works that had been written about the great Shaykhs had survived. There were writings the titles of which we do not even know today, and of those of which we know the titles, frequently the texts have not survived, or if they have, they exist only in fragmentary form in the excerpts quoted by a later author. With reference to Niẓām ad-dīn, for instance, we know that five *malfūẓāt* of the saint were compiled by disciples. In addition to *Fawā'id al-fu'ād*, however, only *Durar-i Niẓāmīya* is extant, and it is an inferior work.

The preservation or recovery of lost works would enlarge our knowledge but it would not modify our judgment of the literary productivity of this period. The major saints seldom wrote; they communicated their spiritual insights verbally and in person, whether to their disciples or to their numerous visitors. Surprisingly, the next generation of Chishtī Shaykh proved to be the most prolific writers in the entire history of that *silsilah*. Why such a sudden and dramatic shift in the literary fortunes of the Chishtīya ? Several forces seem to have been simultaneously at work. (1) Although Delhi remained the political centrifuge of Muslim India, its rulers had to accept the

of the spiritual domain—people of every sort, kings and princes, men of fame and other sorts. Out of fear of hell they have cast themselves on the protection of the lovers of God. Hence the Shaykhs have made disciples from the elite and from the masses. But no one should compare the practises of saints from one age to another, on the assumption that since so-and-so made disciples in such-and-such a way, I should do likewise."

What a contrast between Ḍiyā ad-dīn Baranī and Fakhr ad-dīn Zarrādī (d. 1347 AD), the courageous, learned and articulate disciple of Niẓām ad-din who authored an impressive treatise in defence of *samā'*. Chaste in its Arabic style, *Risālat uṣūl as-samā'*[24] covers all the controversial aspects of musical assemblies among mystics, from the beautiful voice and the recital of poetry to the use of instruments, the rending of garments and the pretense of ecstasy (*tawājud*). Written during the lifetime of Niẓām ad-dīn and probably at his direction, *Uṣūl as-samā'* was much discussed by both proponents and opponents of *samā'* throughout the 14th century. It became a major source for the earlier mentioned chapter on *samā'* in Amīr Khurd's *Sīyar al-awliyā*.

Other disciples of Niẓām ad-dīn also wrote or inspired others to write about them. Burhān ad-dīn Gharīb (d. 1340 AD), though rebuked for some of his questionable practises in Delhi, became a pioneer of the Chishtī order in the westerd Deccan during the last years of his life. He inspired no less than four *malfūẓāt*; *Aḥsan al-aqwāl, Nafā'is al-anfās, Gharīb al-karāmāt* and *Baqīyat al-gharā'ib* —all compiled by three brothers, Ḥammād, Rukn ad-dīn and Majd ad-dīn. In addition, Rukn ad-dīn authored *Shamā'il-i anqiyā o-dalā'il-i atqiyā*, also known as *Shamā'il-i atqiyā*, an encyclopedic work citing extracts from over 100 sources—Indian as well as non-Indian, many of which are now extinct—to describe the seminal concepts and technical terms of *taṣawwuf*.[25]

One other literary figure from this period merits mention. Outside of Delhi, seemingly unrelated to Niẓām ad-dīn but very much aware of him, lived a reclusive immigrant from Central Asia named Ḍiyā ad-dīn Nakhshabī (d. 1350 AD). According to the accepted biographical sketch of his life, Nakhshabī came to India in the early 14th century and settled in Badā'ūn, a city near Delhi famed for the medieval saints and literatures it produced, including the father of Niẓām ad-dīn and the teacher of Amīr Khusrau. With a rare singlemindedness Nakhshabī devoted the remainder of his life to

research, reflection and writing. The resulting literary corpus staggers the mind—not so much in its profusion as in its topical diversity and consistently high quality.[26] The most famous of Nakhshabī's works was *Ṭūṭī Nāmah*, the rendition of a Sanskrit fable into Persian verse. Its apt similes and melodious rhymes have immortalized the parrot as the symbolic messenger of Paradise for Indian Muslims. The persistent popularity of *Ṭūṭī Nāmah* is attested by the large number of its manuscripts, many of them handsomely illustrated, which are to be found in libraries of the sub-continent and Europe. The work has itself been rendered into many languages, and a new, illustrated edition has recently been published in Austria.[27]

The fame of *Ṭūṭī Nāmah* has obscured some of Nakhshabī's other, equally superb writings. *Juz'īyāt-o-kullīyāt*, otherwise known as *Chahal Nāmūs*, graphically portrays the special functions which forty different parts of the body assume in the imagination of the poet and the discipline of the Sufi (for Nakhshabī, the two were inseparable). *Ladhdhāt an-nisā* is the poetic rendering of another Sanskrit classic, in this case, the notorious *Kok shastra*. *Sharh-i-du'ā-yi suryānī*, as its name implies, is also a translation, but from Arabic rather than from Sanskrit. Nakhshabī analyzes each line from the original Arabic poem prior to translating it; he also provides frequent excursi to explain the inner meaning of its cumulatively repetitious invocations. What to say of *Gulrez ?* It appears to be a love story of the traditional Persian variety. Yet Nakhshabī has construed the relationship of Ma'ṣūm Shāh, the princely heir of the kingdom of Nakhshab, and Nushlab, the daughter of the queen of the fairies, in such a way that the tale becomes a religious parable in which numerous minor tragedies postpone and almost prevent the expected final triumph of virtue.

None of Nakhshabī's writings relate so immediately and effectively to 14th century Indian Sufism as *Silk as-sulūk*. After the usual opening remarks about his reason for writing the book, Nakhshabī presents an extended discussion of Sufi technical terms (*iṣṭilāḥāt*), followed by an explanation of mystic principles, often through the telling of tales of early Sufis (similar to those found in Farīd ad-dīn 'Aṭṭār's *Tadhkirat al-awliyā*). Every *silk* (section) concludes with a fragment of Nakhshabī's own composition that summarizes, and sometimes adds a new twist to, the content of that section. The format is simple but subtle : as in the case of his other works, Nakhshabī has recast a well-known tale or saying to offer a new insight into a familiar subject. Though he frequently echoes the phraseology

> O Aḥmad, every prayer which is performed without awareness of God is like the moon in eclipse; the light has gone out of it.

However, it was the disciples of Niẓam ad-dīn Awliyā who displayed the greatest penchant for literary creativity among early Chishtīs. The more difficult question is to determine which of the numerous writings of Niẓām ad-dīn's spiritual progeny can be termed "Sufistic". Amīr Khusrau (d. 1325 AD), for instance, would have been reckoned a great poet even if he had not been attached to Niẓām ad-dīn. Because the great poet became a disciple of the great saint, the relationship of the two men has been idealized and probably exaggerated in medieval *taḏhkirahs*.[21] Hence there is a popular belief, shared by many scholars, that Amīr Khusrau was a Sufi poet. The extant corpus of his work, which is the largest from any medieval poet of the subcontinent, contains a variety of verse forms : *qaṣīdahs rubā'īyāts* and above all, *ghazals*. They delicately depict everything from the *gaucherie* of Delhi prostitutes to the unique qualities of betel leaf. His *Khamsah* (in awkward imitation of Niẓāmī Ganjawī), historical *mathnawīs*, *dīwān* an occasional prose works—all attest to the monumental genius of Ṭūṭī-ye Hind (the Parrot of India), as Khusrau was affectionately known even in his own day. But they do not prove him to have been a Sufi poet; rather, they suggest that he was a superlative lyricist who deftly conflated Sufi with other, less traditional imagery.

Khusrau's contemporary, Amīr Ḥasan Sanjarī (d. 1336 AD), on the other hand, was indisputably a Sufi poet, not only because, like Khusrau, he was a disciple of Niẓām ad-dīn but because his verse exhibits the humility, the pathos and the directness of one who has traveled the Path. In addition to a *dīwān* and the *malfūẓāt*, *Fawā'id al-fu'ād*, earlier mentioned, Amīr Ḥasan wrote a short prose treatise, *Mukh al-ma'ānī*. It is a paradigm of speculative enquiry. Often couched in the form of letter mysticism or rhetorical questioning, it explores all the levels of meaning in the pivotal Sufi concept of *'ishq*. Concerning *samā'*, for example, he writes :[22]

> One who has experienced ecstasy in *samā'* (*ṣāḥib-e samā'*) finds it difficult to answer questions about *samā'* posed by an enquirer. Why ? Because (1) the enquirer is in a state of distraction (*tafriqah*) while the respondent combines in himself all the qualities of love (*'ishq*); (2) the enquiry comes from the outer mouth, while the reply pertains to the heart; (3) the enquiry concerns the external reasons for listening to *samā'*,

while the reply relates to its inner secrets; and (4) the enquiry is based on the exercise of intellect (*'aql*), while the reply reflects the outpouring of love (*'ishq*).

Still another literarily-minded disciple of Niẓām ad-dīn was /ā ad-dīn Baranī (d. 1338 AD), the author of *Tārīkh-i Fīrūzshāhī* 1 *Fatāwā-yi Jahāndārī*. Though attached to the company of the at Shaykh, Baranī seems to have neatly separated his spiritual m his secular life. Apart from eulogistic references to Niẓām dīn, Baranī's historical writings are characterized by a passionate ism that hardly befits a Sufi worthy of the name. Even Niẓām dīn does not escape the ascerbic pen of Baranī for the egalitarian jesse which the Delhi saint evinced in conferring discipleship on a le variety of men. However, Baranī is clever enough to combine critique with eulogistic references to the keen insight and devotion iis *pīr*.[22]

> One day I went to see the Shaykh [he writes in the famed *Ḥasrat nāmah*]. He was occupied from times of Ishrāq to Chāsht prayers in doing God's work. On that particular day many of God's servants were waiting to be mad his disciples. I was thinking to myself just then that the saints of old exercised great restraint in making disciples, while Shaykh Niẓām ad-dīn Awliyā liberally extended his hand to the elite and the common alike, making all sorts of people his disciples. I was about to ask him about this policy when the Shaykh intuitively sensed my apprehension and said : "Ask me anything else you want, but do not ask me why I give the hand of discipleship to all comers without first examining them." Then he added : "God in His almighty wisdom gives a particular quality to each age, which is manifested in the customs and habits of the people of that time—and you may not find that quality in the nature of character of people of some other period. The purpose of discipleship is to sever oneself from everything but God and to occupy oneself solely with Him. The saints of old did not enrol someone as a disciple until they saw that that person had cut himself off from the world entirely; but from the time of Shaykh Abū Sa'īd ibn Abī'l Khair, who was a true wonder of God, to the time of Shaykh Saif ad-dīn Bākharzī, and from the time of Shaykh Shihāb ad-dīn Suhrawardī to the time of the reign of Shaykh Farīd ad-dīn, the same condition has persisted : there has been an onslaught of humanity beating at the doors of the masters

The heart is a temporary abode. Leave it and come.
The soul is the last destination. Go and have it.

He has put a path before you. It is both narrow and long. He has given you a life. It is both dark and short. And in this short life He has commanded you to tread this long path. The night of the world may be dark (for this world is nought but darkness), yet in this darkness for your sake He has caused the moon to shine. He created mankind in darkness but then He caused the light of the heavens and the earth to shine upon them, and He illumined the earth with the light of its Lord. Arise and hasten, but you should count the moonlight as your gain. And this short life that He has given you, take advantage of it. Count yourself as already among the dead, and if you are not dead, then know yourself to be subject to death, and in your heart continuously focus upon this line of poetry :

جانی که هر آئینه بخواهد رفتن   اندر غم عشق تو رود اولی تر

Necessarily the soul will go from the body;
If it goes due to the pain of its love for You, that is
better,

But the negligent man, sleeping contentedly on the bed of neglect, does not know that he has made a claim to love. Woe to him who in bad faith has made a claim to love; if, when night comes, he does not sleep with his Beloved, his name will be etched upon the ledger of liars.

Q. When a man dies and his soul becomes separated from his body, does it return to its origin or not ?

A. Whoever in his natural life has recognized his origin will return to the origin of all life. He has learned about the veils and hindrances and attachments of this world and the love of that world has appeared in him. His desire for God abets his love of God, so that he is able to throw aside veils and cut through obstacles and break attachments. He turns his face from existing things and brings himself to the source of existence. He fulfills the obligations of every station but leaves the appendages when he leaves the station. In short, he experiences real death before his natural death. Whoever lives like this, he will return to his origin; he will attain union with God.

Ḥamīd ad-dīn also wrote a number of essays on specific topics f mystic life and practise, including an impassioned defense of *samā'*. ccasionally he composed Persian verse, as the above quotation ıdicates. The intensity and pathos of his spiritual quest was reflected ı his poetry. The *maqta'* or concluding stanza of one of his *ghazals* ıspired his oldest son, Azīz ad-dīn, to martyrdom.[19] On hearing ıe *qawwāl* sing:

جان بده , جان بده و جان بده فایده گفتن بسیار چیست

Surrender, surrender, surrender your soul !
What is the use of saying anything more ?

Azīz ad-dīn spontaneously echoed, "I have surrendered ! I have ırrendered !" and gave up his soul to God. Fortunately, Azīz ad-dīn ad married and produced children prior to his martyrdom; it was ne of his sons, Farīd ad-dīn, also known as Chāk Parrān, who edited ıe discourses, essays, and poetry of the early Chishtīs from Nāgaur ı a *malfūẓāt* entitled *Surūr aṣ-ṣudūr*.

The senior disciple of Farīd ad-dīn Ganj-i Shakar, Jamāl ad-dīn ānsawī (d. 1261 A.D.), also had a penchant for writing. He roduced a copious Persian *dīwān*, running into two lithographed olumes. But his masterpiece was a small book of aphorisms in mple, catchy Arabic. Like *Uṣūl aṭ-ṭarīqat* of Ḥamīd ad-dīn Suwālī 'āgaurī, the *Mulhamāt* of Jamāl ad-dīn Hānsawī must have served propadeutic function in the expansion of the new *silsilah*. ne quotation will suffice to illustrate what K. A. Niẓāmi has escribed as 'the electric aptitude [of Jamāl ad-dīn] for seizing upon nalogies':[20]

يا احمد الحضور في الصلوة نور لان الصلوة عين و نورها حضور
يا احمد الصلوة مع الحضور كموسى عليه السلام في الطور
يا احمد الصلوة بلا حضور و ذهن كالطعام بغير ملح و دهن
يا احمد كل صلوة ليس فيها الحضور كالقمر المخسوف ذهب عنه النور

O Aḥmad, awareness of God in performance of prayer is a light because performance of prayer is only an eye; its light is the awareness of God.

O Aḥmad, he who performs prayer with awareness of God is like Moses—peace be upon him—on Mount Sinai.

O Aḥmad, performance of prayer without awareness of God and attentiveness to Him is like food without butter or salt.

> After I had defended my views, he would say, "My dear Sayyid, go pray to the Prophet". (It is a custom among the Arabs that when someone puts forth an unconvincing argument, they say, "Go pray to Muhammad". That is to say, "stop talking pointlessly and go pray to the Prophet for guidance"). Finally one day after a protracted discussion, he said, "My dear Sayyid, wait a little". He knelt as if he were going to meditate. He reflected for a while. At that time he was an old man of eighty and I but a youth of twenty or so. Finally he declared, "Mīr Sayyid is a dervish among dervishes; you have converted me", and putting his hands on his ears, he bowed his head toward me——.

Jawāmi' al-kalim is the last of the major biographical writings about the early Chishtī *shaykhs* of India. Together with *Fawā'id al-fu'ād*, *Khair al-majālis* and *Siyar al-awliyā*, it provides the sum total of verifiable historical data about the thought and lives of the pre-Mughal Chishtīya. It is meagre. Though these writings have great value, they do not begin to measure the full significance of the saints whose words they record. The fault lies initially with the saints themselves. Until Sayyid Gesū Darāz they chose not to write. Writing was devalued, even demeaned, as we saw earlier in Niẓām ad-dīn's glowing estimate of the terse poetry of Sayf ad-dīn Bākharzī. The resulting literary gap, however, is without precedent in the development of a major Sufi *silsilah*. Consider, by contrast, the prodigious reflections in prose and poetry, Arabic and Persian, of 'Abd al-Qādir Jīlānī, Shihāb ad-dīn Suhrawardī and Najm ad-dīn Kubrā.

The conscious decision on the part of the first Indian Chishtis not to write had a predictable consequence. The dearth of writings by or about these saints stood in such glaring contrast to their spiritual achievements and the legends which soon developed about them that credulous followers, seeking 'more' information to bolster their lively faith, found it in spurious works. Pious forgeries are hardly unique to the early Chishtī *silsilah*; wherever saints have flourished bogus works have sprung up in the fertile soil of saint-worship. But the Chishtī forgeries exhibit two recurrent characteristics : (1) they came into existence at an early date, probably in response to *Fawā'id al-fu'ād*, which they awkwardly imitate, and (2) though spurious *dīwāns* and *awrād* collections appear at random, the fraudulent *malfūẓāt* are sequential and 'complete' in their patterning. Hence, we find *Anīs al-arwāḥ*, purporting to be the *malfūẓāt* of 'Uthmān Hārūnī compiled by Mu'īn ad-dīn, *Dalīl al-'ārifīn*, the conversatio

ı'īn ad-dīn supposedly overheard by Quṭb ad-dīn, *Fawā'id ikīn,* the best of Quṭb ad-dīn's *dicta* allegedly preserved by ad-dīn, and *Rāḥat al-qulūb,* instructions from Farīd ad-dīn ɔ have been copied down by Niẓām ad-dīn. It would seem that was no need to continue this line of forgeries by preparing *ẓāt* of Niẓām ad-dīn, inasmuch as *Fawā'id al-fu'ād* already ɪ and bore ample testimony to the spiritual magnanigmity of ɔūb-i-Ilāhī, as Niẓām ad-dīn was often affectionately called. Yet nd a spurious *malfūẓāt* linked to Niẓām ad-dīn also; indeed, *al-fawā'id* purports to be nothing less than the conversations ām ad-dīn recorded by his favorite disciple, the lauded court Amīr Khusrau[16]. All of these works, including *Afḍal al-fawā'id,* ɪtently frauds. It must be conceded that they do have incidental for estimating the mood of popular piety in 14th century Delhi, ve do find one important mid-14th century Chishtī saint citing contents in describing technical terms of special importance to [7]. Yet on the whole, they seriously distort the historical image saints whom they awkwardly attempt to eulogize.

Fortunately for the students of Indian Sufism as well as its ɪt day adherents, some disciples of the great Chishtī *shaykhs* roduce books. Prior to the time of Niẓām ad-dīn the most sive writings came from saints outside Delhi. Quṭb ad-dīn ıyār Kākī wrote little, perhaps nothing, but Ḥamīd ad-dīn ī Nāgaurī, the other major disciple of Mu'īn ad-dīn, produced literary gems. The most valuable was *Uṣūl aṭ-ṭarīqat,* a ques-ɪnswer handbook that must have served as a kind of catechism is followers. It was one of the first *ishārāt* or instructional es from the pen of an Indo-Muslim saint. (This genre of ure later became very important for all Sufi *silsilahs* in the ntinent). The subtle directness of the farmer saint from Nāgaur mplified in his explanation of the Sufi concept of death[18] :

Q. What is the goal ?

A. That you daily recite the Qur'anic verse : "Everything perishes except His face" (Q. 55. 26) and apply to yourself the following quatrain :

کاریست ورای علم رو آنرا باش   در بند گهر مباش رو کان را باش
دل هست مقام گاه بگذار و بیا   جان منزل آخر ست رو جان را باش

There is a work beyond all knowledge. Go and have it.
Don't go after the gem. Go and have the mine.

corner of their house, but they continually say to themselves, 'Perhaps some increase in livelihood will come to me'."

The public door-to-door beggar is better than the private one, for public beggary is just what it appears to be, while the private beggar appears even to himself to be busy with God but inwardly he moves from door to door".

Another early Chishtī writing of great historical importance was also a collection of *malfūẓāt*. *Jawāmi' al-kalim* records the conversations of Sayyid Gesū Darāz just after his departure from Delhi (ca. 1399-1400 AD). They were compiled by his eldest son and disciple, Muḥammad Akbar Ḥusainī, en route to Gujarat. *Jawāmi' al-kalim*, though completed at the end of the 14th century, belong to the first half of that century, since much of its content focuses on Chishtī saints of earlier generations, their teachings, their practices and, of course, their stories. Some of the anecdotes are contained in the *malfūẓāt* already cited, i.e., *Fawā'id al-fu'ād* and *Khair al-majālis*, but many are unique. We also find Niẓām ad-dīn more frequently mentioned than Gesū Darāz's own *pīr*. And when references are made to Naṣīr ad-dīn, they place him in a very different light from the sober guardian of tradition portrayed by Ḥamīd Qalandar in *Khair al-majālis*. The following anecdote from *Jawāmi' al-kalim* almost appears to be describing another Naṣīr ad-dīn[14] :

> Once the Shaykh was sitting in his *khānqāh*, and on hearing the following couplet he was overcome with ecstasy :
>
> جفا بر عاشقان گفتی نخواهم کرد هم کردی   قلم بر بیدلان گفتی نخواهم راند هم راندی
>
> You have sworn not to oppress your lovers,
> yet us you oppress.
> You have sworn not to write off those
> who lost their hearts to you; yet us you obliterate.
>
> The poet Maulāna Mughīs wrote a letter describing what had happened in this gathering. He maintained that the above couplet carried no true meaning. "To apply terms like 'oppressive' and 'tyrannical' to God is heretical", he argued, and made other statements in a similar vein. He gave a copy of the letter to Maulana Mu'īn ad-dīn 'Imranī, who sent it to the Shaykh. Naṣīr ad-dīn read it and then sent for Maulāna Mu'īn ad-dīn. When the Maulāna arrived, the Shaykh returned the letter to him without comment. After presenting the Maulāna with a turban and a shirt, he gave him permission to leave.

Subsequently, there was a Sufi assembly in which Naṣīr ad-dīn was so moved by the following quatrain that he became manifestly agitated and began to dance :

ما طبل مغانه دوش بیباک زدیم   عالی علمش بر سر افلاک زدیم
از بهر یکی مغبچه میخواره   صد بار کلاه توبه بر خاک زدیم

Last night we fearlessly beat the drum of a young tavern goer;
We raised his flag high into the skies.
For the sake of this tavern-going youth we all became drunk;
A hundred times we flung the cap of repentance into the dust.

Then, still highly agitated, he went up to sit on the roof and sent for Maulāna Mughis. The Maulāna was distraught. Reluctantly, he paid a call on the Shaykh. "Now, Maulāna,' said Nasir ad-din, "record all the foolishness you see here." Having spoken these words, he dismissed the Maulāna, who never returned to the *khānqāh* and died shortly thereafter.

Jawāmi' al-kalim is also full of poetry, much from the Sayyid's own lips, and for the first time in a work about one of the major Chishtī Shaykhs we find references to the writings of Muhyī'd-dīn Ibn al-'Arabī. Not all of them are friendly, and one anecdote from his own youth underscores the Sayyid's aversion to Ibn al-'Arabī's most popular mystical treatise, *Fuṣuṣ al-ḥikam*[15].

Maulāna Jamāl ad-dīn Maghribī [recalls Sayyid Gesū Darāz] had complete mastery of *Fuṣuṣ al-ḥikam* of Muhyī'd-dīn Ibn al-'Arabī. Moreover, he was a well-traveled man, deeply learned, knowledgeable about the world and well advanced in years. He also knew most of the great Shaykhs of his time.... He professed faith in the doctrines expounded in the *Fuṣuṣ*: in fact, he had written an extremely fine commentary on this work. For two years, I studied obediently under him, supporting his position with citations from Qur'ān and *ḥadīth*. At his direction I established prooftexts for the entire *Fuṣuṣ*. But one day I ventured to express a hint of disagreement on one point. The Maulāna was startled, as though he had just been awoken from a deep sleep. "My dear Sayyid", he protested, "I have put such trust in you ! How can you say such a thing ?" Then I began to support my viwpoint with rational arguments and scriptural citations. I covered every point, down to the last detail. For six months we continued in this manner. Every day I would call attention to problematic doctrines in the *Fuṣuṣ* and express my disagreements with him.

much disturbance and commotion, but it does not impede me; and if I should be disturbed, I may go out to some garden or isolated spot, under some trees, where I see no one and no one sees me". "And do you not also take along an inkstand and some paper", enquired the Shaykh, "in order to busy yourself composing *ghazals* and other forms of poetry ? It was not this sort of preoccupation to which I was referring. What is required of you is to preoccupy yourself with God". "Alas !", I exclaimed, "you have correctly intuited the whole matter. If a line of poetry comes to me, I write it down, and then I focus my attention on God again". "If you are able to focus your attention on God (in such a manner)", replied Naṣīr ad-dīn, "that is commendable, for there is no thicker veil between God and man and no greater impediment to spiritual progress than composing poetry".

In both passages the writers confess their frustrations to their respective spiritual guides. But how disparate are the responses of the two saints ! Niẓām ad-dīn turns the discussion away from Amīr Ḥasan's problem to a generalized depiction of *samā'*. Naṣīr ad-dīn, on the other hand, dwells on the spiritual inadequacies of Ḥamīd Qalandar, concluding that even the accomodation he has made between his ascetical and creative impulses is ill-founded and unacceptable. At least part of the variance in tone between these two passages must be imputed to the uneven talents of their respective authors : Amīr Ḥasan excelled as a poet and a Sufi, while Ḥamīd Qalandar languished on both counts. Yet Naṣīr ad-dīn corrected *Khair al-majālis*, just as Niẓām ad-dīn had corrected *Fawā'id al-fu'ād*, and therefore, the passage in each case bears the impress of the saint indirectly as well as directly : stern asceticism divorced from poetry and music (except on rare occasions) was as much the mark of Naṣīr ad-dīn as limitless compassion inspired by music and abetted by verse was the mark of Niẓām ad-dīn.

At about the same time that Ḥamīd Qalandar was recording the conversations of Naṣīr ad-dīn (ca. 1350 A.D.), Amīr Khurd was compiling his extensive memoirs of Niẓām ad-dīn which he entitled *Siyar al-awliyā* (*Biographies of Saints*). The book is, in fact, neither a *tadhkirah*, as its title implies, nor a collection of *malfūẓāt*, but an untidy amalgam of both literary genres. It has several defects. Amīr Khurd unabashedly borrows much material from *Fawā'id al-fu'ād*, though he scarcely refers by name either to Amīr Ḥasan or to *Fawā'id al-fu'ād*. He also indulges in literary excursi that are more

confusing than edifying to the modern reader. Like virtually every medieval Muslim writer, he also has pretensions to poetry. Often he manages to cite his own mediocre verses, sometimes side by side with those of Khusrau or Sa'dī or Sanā'ī. The contrast is at best instructive, at worst distracting. Yet, despite these shortcomings, *Siyar al-awliyā* would be of inestimable value if only for the detailed biographical notices it provides of all the Chishtī saints and their companions up till the time of Niẓām ad-dīn. The ninth chapter, moreover, provides a unique collation of Chishtī statements on *samā'* (mystic music). The information on Niẓām ad-dīn alone is enormous. Not all of it can be accepted as authentic: the inevitable legendizing tendency, with its cycle of miracles and self-inflating stories, has already begun to affect Amīr Khurd's portrayal of Niẓām ad-dīn, even though reference to fabricated hagiographical writings about Niẓām ad-dīn (e. g., *Afḍal al-fawā'id* of Amīr Khusrau) has been omitted. Most of the biographical data in *Siyar al-awliyā* has the ring of authenticity about it, and we may accept each invocatory prayer, letter and counsel that Amīr Khurd ascribes to Niẓām ad-dīn as a treasure snatched from the engulfing anonymity of pre-Mughal history, still resplendent with the sparkling genius of this early Chishtī saint. Consider, for instance, the counsel that he gave to the learned Ḥusām ad-dīn Multānī when the chains of voluntary poverty began to chafe him, as they did many of the formerly prosperous disciples of the Shaykh[18].

> "Your humble servant has received a charitable donation", explained Ḥusām ad-dīn. "I am thinking that I should give some of it to my family and reserve the rest for the needs of guests. Often days go by, and I receive nothing. On account of this, my family suffers and guests go away disappointed. In such a circumstance, is it not better to accept a large donation and preclude the possibility of wanting to take a loan?" "How can you be a dervish if you fall into the trap of planning?" rejoined Niẓām ad-dīn. "The true dervish is he who, if he is given something, spends it. Otherwise, he waits patiently and tolerates his disappointment. But he does not fall into the trap of trying to manage his affairs.
>
> "The dervish should not be a door to door beggar", he continued. "Of this kind of beggar there are two types : the public and the private. The public beggars are those who go from door to door asking for charity. The private beggars are those who busy themselves in remembering God in some

followers seem to have an inexhaustible stock and which are invariably told to illustrate a viewpoint or practice peculiar to mystics. One story may be related here[11] :

> Concerning the death of saints, one of those present told the story of a certain saint who expired while slowly repeating the name of God. The eyes of Niẓām ad-dīn filled with teasrs, as he recited the following quatrain :
>
> آیم بر کوے تو پویان پویان   رخساره بآب دیده شویان شویان
> بیچاره ره وصل تو جویان جویان   جان میدهم و نام تو گویان گویان
>
> I come running to the end of Your street.
> Tears are washing and washing my cheek.
> Union with You—what else can I seek ?
> My soul I surrender as Your name I repeat.

Fawā'id al-fu'ād repeatedly suggests the didactic intention of Niẓām ad-dīn; it seldom burdens the reader with superfluous detail or exaggerated encomium. Nor do we feel Amīr Ḥasan calling undue attention to his role in the Shaykh's councils. He intrudes often enough to let us know that he was not merely recording Niẓām ad-dīn's every word and motion, but he remains in the back-ground rather than the foreground of most conversations.

A second Chishtī collection of *malfūẓāt*, *Khair al-majālis*, was also made by a poet, in this case one who had been admitted to the company of Naṣīr ad-dīn. Ḥamīd Qalandar's work is useful for the information it provides about the life and outlook of a distinguished, early Indian saint. Yet it lacks the simple elegance of *Fawā'id al-fu'ād*. Ḥamīd was a *qalandar* only in name, and a poet only in temperament. His scholarly ambitions were held in check by literary and spiritual shortcomings : he was not a poet of the rank of Amīr Ḥasan, and, unlike the resolutely ascetical Naṣīr ad-dīn, he seems to have been inclined to hesitancy and self-doubt. If Ḥamīd cannot refrain from intruding his own personal frustrations into the pages of *Khair al-majālis*, it is at least in part because he wants to voice the mildly adversary relationship that existed between him and his *pīr*. Two distinctive passages from *Fawā'id al-fu'ād* and *Khair al-majālis* exemplify the difference not only between Amīr Ḥasan and Ḥamīd Qalandar but also between the saints whom they describe[12] :

> One time (reports Amīr Ḥasan) the subject under discussion was *samā'*. "I am perplexed", I said; "no matter how many of the customary acts of devotion, or even how many of the special devotions of the dervishes, I perform, I am frustrated.

Yet when I participate in *samā'*, complete tranquility and peace of mind overcome me. A similar state is produced when I am in the company of my spiritual master, for at that time my heart is free of the passions of the world and the lower self". "Is your heart then also free of attachments ?", asked the Shaykh. "Yes, it is", I replied.

"*Samā'*", the Shaykh commented, "is of two kinds : assaulting and non-assaulting. The first is the kind which assaults the listener when he hears a (beautiful) voice or a line of poetry. It produces an agitation in him and, therefore, is called "assaulting". It is inexplicable. The second is "non-assaulting"; that is to say, it has the effect of transporting the listener to some other place, whether it be to the presence of God, or to the presence of the Shaykh, or to some place which he just happens to recall.

Ḥamīd Qalandar begins his account of the 18th council by saying : "I received the blessings of kissing the feet of the Shaykh". "In this city", "I submitted, "nothing matters to me except the sacred tomb of Shaykh Niẓām ad-dīn and, after that, the blessings of meeting with you". "So long as one does not pursue the path", replied Naṣīr ad-dīn, "he will not arrive at the goal. If you are idle and still hope to reach the goal, you will not reach it. Striving is the precondition for success". "Those who strive in us, surely we will guide them to our paths" (Q. 29, 69). Afterwards he added, "And what is the fruit of this endeavor ? Through striving you obtain the purification of the heart from any object other than God, and you become totally absorbed in the task of conforming your will to His." Then he added, "This is the true meaning of 'There is no god but God'. Purifying the heart from anything other than God is the denial ('there is no god . . . .'), while absorbing oneself in obedience to God is the affirmation (. . . . but God)". "O Master", I rejoined, "this humble creature is in some small measure preoccupied with God, but to practise continual fasting is virtually impossible. The climate of Delhi in the summer is notorious; the wind is like a rain of fire. With every breath, one's thirst increases". "O dervish", exclaimed Naṣīr ad-dīn, "if you cannot keep the fast, at least reduce your consumption of food". And then he added, "Where do you go to busy yourself with God ? To your house, or to some other place ?" "In my house", I replied, "there is

lājīs. Naṣīr ad-dīn, on the other hand, openly voiced his desire go to Mecca. Prostration before the *pīr* or spiritual guide was a ntroversial practice of the early Chishtīs. Naṣīr ad-dīn prostrated nself before his *pīr*, but did not allow his own disciples to prostrate mselves before him. Naṣīr ad-dīn was also indifferent to poetry lukewarm at best in accepting its spiritual value for others. Above it was his approach to *samā'* that separated Naṣīr ad-dīn from ām ad-dīn and other Chishtīs. The following anecdote appears ustify Naṣīr ad-dīn's wariness toward *samā'*, but its very tone also lerscores the extent to which Naṣīr ad-dīn deferred to orthodoxy her than the absolute authority of his *pīr*[8].

> It is recorded that one day several of Niẓām ad-dīn's disciples were sitting together listening to a woman singing and playing a tune on the drum. Naṣīr ad-dīn, who had been sitting with them, got up to leave. His friends urged him to stay, but he refused, saying : "this activity is contrary to accepted practice (*sunnah*)". They replied, "Are you rejecting *samā'*, which is an accepted practice of your own spiritual master'?" "That is not sufficient proof," he rejoined; "you must adduce some supporting evidence from Qur'ān or *ḥadīth*". Some of the disciples reported this matter to Nizām ad-dīn, saying, "Naṣīr ad-dīn said thus and so . . ." The Shaykh, however, had no doubt about the sterling character and probity of Naṣīr ad-dīn. "He has spoken the truth," affirmed the Shaykh.

While in outlook and practice Naṣīr ad-dīn differed from his shtī predecessors, he did produce an array of scholarly disciples. ne, like Qāḍī 'Abd al-Muqtadir and Aḥmad Thānesarī, composed ıbic poetry that won acceptance and praise beyond the borders of ia. Others, like Sadr ad-dīn Ḥakīm and Sayyid Muḥammad b. 'ar, developed elliptical styles of thought and expression without allel in the history of the Chishtī order. It is not clear that Naṣīr dīn designated a successor. His foremost disciple was a saint of ərse talents whom many acknowledged as his de facto successor, pite the suggestion that the Chishtī *tabarrukāt* were buried with īr ad-dīn. In temperament Sayyid Muḥammad Husainī "Gesū 'āz" (d. 1422 A.D.) resembled Niẓām ad-dīn. His predilection for e, his ease of conversation with Hindus and, especially, his atten- to *samā'* as the locus for spiritual growth—all link him to the nplar saint of the Chishtīya rather than to his own *pīr*. At the h of Naṣīr ad-dīn, Gesū Darāz continued the Chishtī tradition elhi. For over 40 years he lived in the capital city of the decli-

ning Tughluq dynasty. Then, in 1398 A.D. presaging Timur's invasion of India, he departed Delhi with a few of his followers. The hardy troupe made brief stops in Gwaliyor and Gujarat before settling in the eastern Deccan at Gulbarga. It was there, at the furthest outpost of medieval Indian Islam, that the Sayyid left his enduring mark, patiently gaining the trust of local rulers, adapting the Chishtī outlook to regional customs and building a spiritual network that persists, with great influence, to the present day.

Literary output of the Early Chishtī Saints :

As an effective missionary agency the Chishtī *silsilah* succeeded. It established numerous regional branches and disseminated the teachings of Sufism throughout the area of Hindustan under Muslim rule. Yet the authentic literature produced by the major Chishtī saints of the Sultanate period is astonishingly meagre. For the whole of the 13th and the first half of the 14th century, we find no book written by the major *shaykhs* from Mu'īn ad-dīn through Naṣīr ad-dīn. It is small wonder that in one of his recorded conversations Niẓām ad-dīn approvingly quotes the precedent of Sayf ad-dīn Bākharzī (d. 1260 A.D.), the illustrious Kubrawī saint. When his *murīds* used to goad him about his sparse literary output, noting that every great *shaykh* had written a book or made some sort of compilation, Sayf ad-dīn would rejoin, "Every verse of mine is equivalent to a book".[9]

Like Sayf ad-dīn, Niẓām ad-dīn wrote only poems or prayers and a few scattered letters. The bulk of reliable information we have about him and his fellow Chishtīs is found in the recorded conversations (*malfūẓāt*) that were collected and frequently embellished by their close followers. Foremost among this literary genre is *Fawā'id al-fu'ād*, a selection of Niẓām ad-dīn's conversations on sundry topics during the evening of his life (1307-22 A.D.)[10]. Though compiled by the poet Amīr Ḥasan, they were edited by the saint himself and may be said to reflect his chaste, understated tone. In style *Fawā'id al-fu'ād* is preeminent among all *malfūẓāt* of medieval Indian Sufism : it exemplifies the virtue of Persian prose as a simple but effective tool for communicating diverse situations, moods and thoughts. It captures the spirit of Niẓām ad-dīn's towering presence, his absolute loyalty to his *pīr*, his taste for poetry and *samā'* and his empathy with the sufferings of his fellowmen. We hear him crying and laughing and praying. Above all, we delight in the stories of which he and his

That saint who gave up his soul on this verse—
Take note : what a rare gem he was,
Those slain by the dagger of submission,
Every moment get a new life from the Unseen.

Quṭb ad-dīn attracted countless people in 13th century Delhi. His closest associate was a Suhrawardī saint, Qāḍī Ḥamīd ad-dīn Nāgaurī, but it was a lonely, ascetical figure from the Punjab who became his principal disciple and the man on whom he conferred his considerable spiritual gifts. Farīd ad-dīn Mas'ūd "Ganj-i-Shakar" (d. 1265 A.D.) enjoyed the formal blessings of both Quṭb ad-dīn and Mu'īn ad-dīn, having received the *barakah* of the Ajmerī saint during one of his infrequent visits to Delhi. On the unexpected death of Quṭb ad-dīn[6], Farīd ad-dīn succeeded him as head of the Chishtī order. He was invited to live in the capital city of the Turkish sultanate. He declined, preferring instead to eke out his meagre existence in Ajodhan, a small town of the Punjab, since renamed in his memory Pakpattan ('the pure village'). Outwardly, his life was tumultuous. Farīd ad-dīn had to weather spiritual competition with the great Suhrawardī saint, Bahā ad-dīn Zakariyā. He contended with political intrigues from jealous, local officials; he even survived assassination attempts from disconsolate visitors. Yet Farīd ad-dīn remained at peace with himself and immersed in the love of God. Like his predecessor, Quṭb ad-dīn, he experienced the most intense moments of spiritual communion during the recitation of verse, whether in *samā'* or in the semi-privacy of his prayer cell. The man who was to become his successor, on frequenting the cell of Farīd ad-dīn, reported[7] :

"Often I would see the Shaykh in a grave demeanor, with his head bared, as he recited the following verse :

خواهم که همیشه در وفاے تو زیم   خاکی شوم و بزیر پاے تو زیم
مقصود من خسته ز کونین توئی   از بهر تو میرم و برای تو زیم

I wish that always I may live in loyalty to You
May I become dust and live under your feet.
My goal, beyond both worlds, is You.
It is for You I die, and for You I live.

After he had finished reciting the verse, he would prostrate himself. Only then would I enter and lay my head at his feet. "Khwāja", he would ask, "what do you wish ?" I would then ask for some spiritual gift, which he would grant. But many times since I have regretted that I did not ask to die in *samā'*.

The saint who reports this story and by it reveals not only hi oyalty to his *pīr* but to the whole Chishtī tradition of affirming an extending the use of *samā*ʻ was Niẓām ad-dīn Awliyā (d. 1325 A.D.) In many ways, Niẓām ad-dīn represents the pinnacle of the ear. Chishtī *silsilah*. He had begun a promising career as a scholar i Delhi, but gave it up to become a disciple and eventually the principa successor of Farīd ad-dīn. There were several stars which comprise the galaxy of Farīd ad-dīn's company. They included the Shaykh' own progeny—5 sons and 3 daughters—many of whom emulated hi ascetical devotions. There was also Jamāl ad-dīn Hānsawī, an eminen poet and astute counseler, Najīb ad-dīn Mutawakkil, the younge brother of Farīd ad-dīn and his alter ego (insofar as either sain could be said to have possessed an ego); and Ṣābir ʻAlī, the myste rious, terrorizing zealot of Kalyar in northern Uttar Pradesh. Al made substantial contributions to the growth of Chishtī influenc among the Indian Muslims of their generation. Yet Niẓām ad-d outshown them : in humor, in pathos, in love and in poetry he wa an exemplar whom many reckon as the greatest Indo-Muslim saint o all time. His stature in Delhi was enhanced through his associatio with the poets, Amīr Ḥasan and Amīr Khusrau, as well as th historian *nonpareil*, Ḍiyā ad-dīn Baranī. The greatest achievemen of Niẓām ad-dīn, however, was to establish the provincial dispersio of the Chishtī order on a firm basis. In the opinion of some, includin Baranī, Niẓām ad-dīn admitted too many men into the Chishtī fol as his disciples. History, none the less, bears out the wisdom of hi open-ended policy, even as it attests to the inspiration of his ceasele quest for truth. To far flung areas of Uttar Pradesh, Rajasthan Gujarat, Bihar, Bengal and the Deccan, Niẓām ad-dīn sent abl disciples well versed in Chishtī practises yet sensitive to the needs o the local populace. Many of them are still venerated in the place where they first planted the Chishtī banner.

Shortly before his death, after having directed the activities o the Chishtī order for more than half a century, Niẓām ad-dīn appo inted as his principal successor a man who, if we accept the testimon of recorded sayings from both saints, was almost opposite to him i temperament. Naṣīr ad-dīn Maḥmūd "Chirāgh-i-Dihlī" (d. 13 A.D.), struggled with the burdens of a Sufi *shaykh*. He constantl longed for the reclusive life which Niẓām ad-dīn had ordered him abandon. At the same time, he relaxed the Chishtī discipline of stri obedience to the *pīr*. Niẓām ad-dīn had never performed the *ḥa* because his own *pīr* had not. Often he had criticized the false prid

presumtptuous or even preposterous). It is reported that by the en of the 12th century A.D. he had travelled through much of the Muslir world. He had met many of the great Sufi shaykhs of his time, an obtained their spiritual *barakāt* or blessings. Then the Prophe Muḥammad appeared to him in a dream, directing him to go to Indi and settle in a place resembling Medina. Obstacles beset him. H persisted, finally reaching Ajmer, then the stronghold of a local Hindu dynasty, situated amid mountains in a desert setting not unlike tha of Medina. The social climate of Rajasthan was indifferent to Islam and probably hostile to its outspoken propagators. Mu'in ad-dīn was very old. Yet he made converts; he trained disciples; he founded a spiritual dynasty. Most of his successors we know only in name; some are so obscured by accretions of legend that no kernel of historical information can be gleaned from their biographies. Two, however, we know comparatively well; Quṭb ad-dīn Bakhtiyār Kākī (d. 1232 A.D.) and Ḥamīd ad-dīn Suwālī Nāgaurī (d. 1276 A.D.)[3]. Like Mu'in ad-dīn, both men traced their lineage to venerable Muslim families outside of India, though Ḥamīd ad-dīn was actually born in Delhi. In his early life, Ḥamīd ad-dīn had been, by his admission, a ne'er-do-well, with profligate tendencies. An encounter with Mu'īn ad-dīn changed the course of his life. Joining the company of men attached to the Ajmerī saint, he subjected his body and his spirit to the rigorous ascesis of Sufism. Once designated to be a successor of Mu'īn ad-dīn, he chose the vocation of a farmer and, together with his wife, settled in Suwal, a village just outside Nagaur, then one of the major commercial centers in Rajasthan. Kings and lesser rulers attempted to assist him (probably to gain spiritual merit for themselves, as was the custom in medieval Islam), but he resisted all such efforts. His rejection of one royal offer epitomizes the poverty and humility for which Ḥamīd ad-dīn has always been renowned[4] :

> The *muqta'* or local administrator of Nagaur offered a plot of land and some cash to him. The Shaykh declined, explaining that none of his elder saints had accepted a government gift. The *muqta'* then reported the matter to Sultan Iltetmish.
> A royal messenger was despatched, with 500 silver *tankahs* and a *farmān* conferring a village (i.e., the income of a village) on the saint. When the *muqta'* approached the saint with the royal gifts, Ḥamīd ad-dīn ran to tell his wife. At that time they were living in such straitened circumstances that she wore a tattered scarf on her head, and the saint, a grimy loin-cloth around his waist. On hearing the news, his wife exclaimed,

"O master, do you want to squander years of spiritual devotion and sacrifice by accepting this gift ? Do not worry. I have spun two seers of yarn. That will be enough to prepare a loin-cloth for you and a scarf for me". Delighted with her reply, Shaykh Ḥamīd ad-dīn reported to the *muqta'* that he had decided not to accept the royal gifts.

While Ḥamīd ad-dīn passed his life as a farmer in far off Rajas-an, the other major successor to Mu'īn ad-dīn settled in the capital ty of the Sultanat. Qutb ad-dīn Bakhtiyār Kākī did not choose elhi as his habitat. He went there at the direction of his *pīr*. The rthodox *ulamā* objected to his presence. They constantly harrassed im. Once he almost quit the city, but when the Sultan interceded n behalf of Qutb ad-dīn, Mu'īn ad-dīn was persuaded to allow his ivorite disciple to remain in the capital.

We know very little about the activities of this reclusive but ıspiring saint. The *majdhūb* element predominated in Quṭb ad-dīn › such an extent that he expired at an early age while listening to a :rse sung in *samā'*. In the Sufi tradition, he became a martyr to ıve, offering his life as selflessly as had the early warriors of Islam. he story of his death itself became part of the lore that was shared mong Indo-Muslim mystics and told and retold in order to inspire thers[5].

One time (relates a medieval hagiographer) Quṭb ad-dīn attended a gathering at the house of 'Alī Sijzī, a dervish who was related to Mu'īn ad-dīn Chishtī. He was a neighbor of Quṭb ad-dīn and now lies buried near him. The *qawwāl* recited this verse of Shaykh Aḥmad Jām (may God have mercy upon him) :

کشتگان خنجر تسلیم را هر زمان از غیب جانی دیگر است

Those slain by the dagger of submission,
Every moment get a new life from the Unseen.

This line so captivated Quṭb ad-dīn that for four days and nights he remained dumbfounded, continually longing to hear this line repeated. On the fifth night, he died. Amīr Ḥasan Dihlawī has referred to the event in a quatrain which is recited to the present day.

جان بردن یک بیت داده ست آن بزرگ آری این گوهر ز کانی دیگر است
کشتگان خنجر تسلیم را هر زمان از غیب جانی دیگر است

DR. BRUCE LAWRENCE

(*b.* 1941, Newton, New Jersey, U. S. A.)

Professor of Religion at the Duke University, U. S. A., his field of specialization both for teaching and research being the historically important subject of Islam in India. He has an excellent background in history having won his A. B. from the Princeton University after long years of work (1958-62) in the field of Near Eastern History. He has also a deep background in religion, having worked on the *Old Testament* for his B. D. for an almost equally long period (1964-67) at the Episcopal Theological School Cambridge. After another long ordeal (1967-71), he was awarded the Ph.D by Yale University for his work on the History of Religions, his field of specialization being Hinduism and Islam.

This lecture, on Indian Sufism, of an American Professor who has devoted the best part of his life to a deep study of the major religions of the world—Judaism, Christianity, Hinduism and Islam—I am sure, will be read with much interest and curiosity.

INTRODUCTION—It was the invading Turkish armies from Central Asia that brought Sufism to India around 1200 A.D. Though graves of martyrs, some of whom are alleged to have been Sufis, exist in Sind, Uttar Pradesh, Gujrat, Rajasthan and the Deccan, they are isolated instances of a sporadic Muslim presence in the sub-continent[1]. The development of Indian Sufism did not begin on a broad scale till *silsilahs* or mystic orders were introduced simultaneous with the expansion of Muslim military and political power into the nothern region of Hindustan. One by-product of the *silsilahs* was a distinctive corpus of Indian Sufi writings. To understand this literature we must first examine the structure of the *silsilahs* from which it arose, to which it continuously related and without which it remains almost incomprehensible.

CHISHTĪ *SILSILAH* :

Foremost among the mystic orders of early medieval India was the Chishtīya[2]. For a period of over 200 years, it was the dominant force in Muslim spiritual life of the sub-continent. Not only did it establish a pattern of discipline and a singular outlook for its own adherents but it made an impact on other mystic orders as well as the Muslim ruling class and even the non-Muslim populace of northern Hindustan. In effect, the genesis of Indian Sufism is synonymous with the development of the Chishtī *silsilah*.

Beyond India the Chishtīs enjoyed only a sporadic success; to the present day they are scarcely known in other areas of the Muslim world, and they cannot be said to have produced any non-Indian saints of lasting fame. But within India they became spiritual kings. Their first standard-bearer was Mu'in ad-dīn Sijzī Ajmerī (d. 1233 A.D.). Stripped of its numerous legendary accretions, his biography still inspires admiration (though to the diehard skeptic it may sound

Our Contributors :

Sir Jadunath Sarkar, M.A., D. Litt., C.I.E. (*b.* 1870 *d.* 1958)

A well known name in Mughal and Maratha historiography, writer of several books, among them : *History of Aurangzeb, 5 Vols.*; *The Fall of the Mughal Empire, 4 Vols.*; *Shivaji and His Times*; *Bihar and Orissa During the Fall of Mughal Empire*; *Anecdotes of Aurangzeb and Historical Essays*; *Ma'asir-i-Alamgiri* (*translated*); *Ahkam-i-Alamgiri* (*translated*).

Dr. Bruce B. Lawrence (*b.* 1941)

Professor of Religion, Duke University, Newton, New Jersey U.S.A. (see p. 2)

Dr. Mukhtaruddin Ahmad, M.A., D. Phil., (*b.* 1924)

Head, Department of Arabic, Aligarh Muslim University, Aligarh. Editor of several books on Arabic and Urdu literature, among them : *Al-Hamasat al-Basariyah, two vols.*; *Risalah al-Mubarrad*; *Karbal Katha*; *Ahwal-i-Ghalib*; *Naqd-i-Ghalib*.

For Others, See Journal, I

An Overview of Sufi Literature in the Sultanate Period (1206-1526 A.D.)

—Bruce B. Lawrence

1. The Khuda Bakhsh Library Journal is a quarterly journal specialising in oriental studies in Arabic, Persian and Urdu languages, covering meaningful research based on the material preserved in the Khuda Bakhsh Oriental Public Library, or having any concern with it.

2. Articles will be accepted in English, Arabic, Persian and Urdu.

3. Notes and Addenda, by way of corrections and additions to any information published in this Journal or in any publication of the Library e.g. Catalogues, will be a regular feature of the Journal.

Rs. 15.00 per copy

Printers : Tara Press, Tripolia, Patna-7 & Label Litho Press, Patna-4
Publisher : Mahboob Husain, for Khuda Bakhsh O.P. Library, Patna.

CONTENTS

An Overview of Sufi Literature in the Sultanate Period (1206-1526 A.D.) ... 1
—Dr. Bruce B. Lawrence

Khuda Bakhsh—The Indian Bodley
—Late Sir Jadunath Sarkar

Persian Poets of the 18th Century : From the unpublished *Majma' un-Nafai's* of Sirajuddin Ali Khan Arzu (Persian) ... 77
—Dr. A. R. Bedar

The *Diwan* of Girami Shamlu (Persian) ... 89
—Mr. Q. A. Wadood (Bar-at-law)

An Introduction to the Rare Manuscript of Risalah *ash-Shua'at* of Al-Kindi (Arabic) ... 109
—Dr. Mukhtaruddin Ahmad

Corrections and Additions : The Library Handlist of Urdu Manuscripts ... 115
—Mr. Q. A. Wadood (Bar-at-law)

Review : *Farhang-i-Asafiyah*—2 (Urdu) ... 117
—Mr. Q. A. Wadood (Bar-at-law)

Autograph Impressions—Leaves from the Visitors' Register of the Library : Dr. Zakir Husain (3rd President of India), Syedna Tahir Saifuddin & Syedna Burhanuddin (Late & Present *Imams* of the Bohra Community), Prof. Humayun Kabir (Writer & Statesman) and Mrs. Shanti Kabir ... 125

خدا بخش لائبریری

جرنل

۴

خدا بخش اورینٹل پبلک لائبریری، پٹنہ

۱۹۷۸ء

Khuda Bakhsh Library

Journal

3

1977

Khuda Bakhsh Oriental Public Library,
PATNA-800 004
(INDIA)

فہرست

میری تنقید — ایک باز دید	از پروفیسر کلیم الدین احمد	۱
رسالہ ادیب (فیروزآباد) — ایک جائزہ	از ڈاکٹر عابد رضا بیدار	۴۳
مراسلہ: دربارۂ مکتوب ابوالکلام آزاد	از جناب محمد یونس خالدی	۱۰۳
تصحیح و اضافہ: دیوان حافظ	از جناب قاضی عبد الودود	۱۰۴
مطبوعات جدیدہ: فرہنگ آصفیہ (۳)	از جناب قاضی عبد الودود	۱۰۵
خدابخش لائبریری کو مصنفین کے تحفے (مطبوعات تازہ)		۱۱۳
نوادر: لائبریری کے وزیٹرز رجسٹر سے ماخوذ عکسی تحریریں [سی۔ وی۔ رمن (سائنسداں)؛ جگدیش چندر بوس (سائنسداں)؛ جان سائمن (چیرمین سائمن کمیشن)؛ اور مارٹیمر وہیلر (ماہر آثار قدیمہ)]		۱۱۵

اسلامی تقویم کی بازیافت (انگریزی)	از ڈاکٹر ہاشم امیر علی	۱

مجلس ادارت

چوتھا شمارہ : ۱۹۷۸ء

اس سہ ماہی مجلے میں انگریزی، اُردو، فارسی یا عربی میں ایسے مضامین شائع ہوں گے جو خدابخش لائبریری کے نادر مواد پر مبنی ہوں۔ یا لائبریری سے کسی نہ کسی قسم کا تعلق رکھتے ہوں۔

قیمت : پندرہ رُوپے

محبوب حسین نے اُردو حصہ پٹنہ لیتھو پریس رمنا لین پٹنہ ۴ - اور انگریزی حصہ تارا پریس ترولیہ میں چھپواکر خدابخش لائبریری سے شائع کیا

سلسلہ خدابخش خطبات ۱۰

ی تنقید

ا بازدید

کلیم الدین احمد

ہمارے مقالہ نگار

پروفیسر کلیم الدین احمد (بی۔اے (کینٹب)، سری کرشنا پوری، پٹنہ (پ ۱۹۰۹ء)

(تفصیل کے لئے ص ۷۱-۷۲)

ڈاکٹر ہاشم امیر علی، ایم۔اے، پی۔ایچ۔ڈی، حیدرآباد (پ ۱۹۰۳ء)

—— دیہی عمرانیات پر شکاگو یونیورسٹی سے پی۔ایچ۔ڈی؛ جامعہ ملیہ اسلامیہ دیہی انسٹی ٹیوٹ کے سابق ڈائرکٹر؛ نظام حیدرآباد کے نجی اور مذہبی اوقاف کے متولی؛ قرآن اور عمرانیات پر متعدد کتابوں کے مؤلف، مثلاً: قرآن؛ طلبہ کے لئے ایک تعارف (انگریزی)؛ نزولی تفسیر؛ قرآن مجید کا نزولی ترتیب کے ساتھ ترجمہ (انگریزی)؛ میوات کے میو لوگ (انگریزی)

جناب محمد یونس خالدی

—— سکریٹری، آزاد میموریل اکادمی، بشیشر ناتھ روڈ، لکھنو۔

بقیہ کے لئے ملاحظہ ہو، جرنل، ۱، ۱۹۷۷ء

۱

گالز وردی نے لکھا ہے کہ کسی جگہ لوگ نہایت آرام و سکون کی زندگی بسر کرتے تھے کہ ایک صاحب کو خبط سوار ہوا۔ آپ نے ایک لالٹین لے کر شہر کی سڑکوں پر اور گلی کوچوں میں ٹہلنا شروع کیا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ سڑکوں اور گلیوں پر ہر جگہ گندگیاں نظر آنے لگیں۔ اس حرکت سے لوگ بہت خفا ہوئے اور خفا ہونا فطری تھا۔ جہاں انہیں صفائی نظر آتی تھی اب گندگی نظر آنے لگی۔ حُسن کی جگہ بدنمائی نے لے لی۔ جس شہر کو وہ دنیا کا سب سے زیادہ خوبصورت شہر سمجھتے تھے وہ بدنمائی اور گندگی کا گہوارہ نکلا۔ ہاں تو ان لوگوں کا خفا ہونا برحق تھا۔ بھلا یہ کسی سرپھرے شخص کا کام تھا کہ اس حسین اور صاف شہر میں گندگی پھیلائے۔ اس کو پکڑ کر لوگ قاضی کے پاس لے گئے، تو اقبال جرم کے عوض فرمانے لگے۔ "میں بے قصور ہوں اور یہ لالٹین بھی بے قصور ہے۔ میں تو صرف لالٹین لے کر شہر میں چکر لگاتا رہا۔ لالٹین کی روشنی سڑکوں پر پڑتی ہے، تاریک گوشوں کو روشن کرتی ہے۔ اب اس روشنی میں گندگیاں جو پہلے سے موجود تھیں نظر آنے لگیں تو اس میں میرا یا اس لالٹین کا کیا قصور ہے۔" تنقید اسی قسم کی لالٹین ہے۔ اس کی روشنی شہرِ ادب کے قصروں، گلستانوں اور اس کی سڑکوں، گلی کوچوں پر پڑتی ہے اب اگر اس روشنی میں گلستاں خارزار ٹھہرے اور قصر کھنڈر نظر آئے، اور سڑکوں اور گلی کوچوں میں گندگیاں نظر آنے لگیں تو قصور شہرِ ادب کا ہے یا تنقیدی روشنی کا۔ میری تنقید اسی قسم کی لالٹین ہے۔

بہرکیف میری تنقید کی ابتدا 'گل نغمہ' کے مقدمے سے ہوئی۔ 'گل نغمہ' میرے والد کی نظموں کا مجموعہ ہے۔ میں اسکول ہی میں تھا جب میں نے ان نظموں کو پڑھا تھا اور نقل بھی کر لیا تھا۔ جب میں انگلینڈ گیا تو یہ نظمیں میرے ساتھ تھیں۔ میں نے چاہا تھا کہ ان نظموں کو لندن سے شائع کردوں۔ چنانچہ میں نے FOYLES (لندن کے مشہور کتب فروش اور پبلشر) کو ان نظموں کا مسودہ دکھایا تھا۔ لیکن بعض وجہوں سے میں انہیں شائع نہ کر سکا۔ لیکن یہ نظمیں میری ہمدم رہیں۔ پھر ۱۹۴۸ء میں اس طرف دھیان گیا۔ میں نے ان نظموں کی از سرِ نو ترتیب کی، ایک بسیط مقدمہ لکھا اور اشارات کا اضافہ کیا اور ان سب چیزوں کو کاتب کے حوالہ کر دیا۔

خدا بخش توسیعی خطبات ــــ ۱۹۷۸ء

سال طباعت ــــ ۱۹۷۸ء

خدا بخش لائبریری میں پچھلے چند برسوں سے خدا بخش سالانہ خطبات کا ایک سلسلہ قائم ہے۔ ۱۹۷۷ء سے خدا بخش توسیعی خطبات کا ایک سلسلہ مزید شروع ہوا ہے جس میں علوم اسلامیہ کے علاوہ اُردو ادب اور تاریخ ہند کے فاضلوں کے لکچر ہوتے ہیں۔
۱۹۷۸ء میں اس کے لئے پروفیسر کلیم الدین احمد منتخب ہوئے۔

محبوب حسین نے پٹنہ لیتھو پریس رمنا لین پٹنہ ۴ میں چھپا کر خدا بخش لائبریری پٹنہ سے شائع کیا

اسی مقدمے میں وہ بدنامِ زمانہ جملہ میرے قلم سے نکلا تھا: غزل نیم وحشی صنفِ شاعری ہے۔ اس پر ایک شور و غوغا اٹھا تھا گویا میری زبان سے کفر کا جملہ نکل گیا تھا اور آج بھی یہ جملہ کانٹے کی طرح کھٹکتا ہے۔ میں نے چند جملوں میں اس کی تشریح بھی کر دی تھی: وہ جملے سنیئے:

"ربط، اتفاق، تکمیل یہی تہذیب کا سنگِ بنیاد ہیں اور ان سے غزل بالکل مبرا ہے۔ ہر شعر مکمل فرد ہوتا ہے لیکن غزل میں چند مختلف المعنی اشعار اکٹھا کر دیئے جاتے ہیں جن سے یہ اثر زائل ہو جاتا ہے اور ذہن و ادراک پر کسی مکمل تجربے کی تصویر نقش نہیں ہوتی بلکہ چند بے ربط نقوش مرتسم ہو جاتے ہیں جن سے تہذیب یافتہ دماغ کو لطف نہ تربیت یافتہ تخیل کو سرور ممکن ہے۔"

ذرا موضوع سے ہٹ کر میں یہ بتا دوں کہ میں نے یہ جملہ تیس سال کی عمر میں لکھا۔ میں ان لکھنے والوں میں نہیں ہوں جو 'کاتا اور لے دوڑی' کہے جانے کے مستحق ہیں۔ میں نے جو کچھ لکھا وہ وسیع مطالعہ اور برسوں کے غور و فکر کے بعد۔ یہ خیال بھی درست نہیں کہ میری مشرقی ادب سے واقفیت نہیں ہونے کے برابر تھی جب مجھے انگلستان بھیج دیا گیا اور اسی لئے مغربی چھاپ اس قدر گہری پڑی۔ میں نے اس کی ضرورت نہیں سمجھی کہ لکھنے سے پہلے میں ایک شہادتوں کا محضر پیش کروں جن میں میرے qualifications کی تفصیل ہو۔ جس نے 'اپنی تلاش میں' پڑھی ہے وہ کم سے کم یہ تو نہیں کہہ سکتا کہ مشرقی ادب سے میری واقفیت نہیں ہونے کے برابر تھی۔ سچ تو یہ ہے کہ بچپن سے مشرقی ادب میرا اوڑھنا بچھونا رہا اور اب بھی ہے، لیکن اسے کیا کیجئے کہ بقول اقبال

مشکل ہے کہ اک بندۂ حق بین و حق اندیش   خاشاک کے تودے کو کہے کوہِ دماوند

آمدم برسرِ مطلب — تو غزل نیم وحشی صنفِ شاعری ہے۔ اس اجمال کی تفصیل میں نے اُردو شاعری کے تیسرے اڈیشن میں کر دی ہے لیکن مجھے ایسا لگتا ہے کہ یہ جملہ پڑھ کر لوگ ایسا بدک جاتے ہیں کہ وہ آگے پڑھنے کی ضرورت نہیں سمجھتے۔ اس صورتِ حال کا الزام بھی برسرِ غزل ہے۔ غزل نے افتادِ طبیعت ایسی بنا دی ہے کہ ایک شعر، ایک مصرع، ایک فقرے پر ہی توجہ مرکوز ہو جاتی ہے اور آگے نہیں بڑھ پاتی۔ لیکن تنقیدِ غزل نہیں، یہاں توجہ کو آگے بڑھنا ہے۔ یہ سوچنا ہے کہ غزل نیم وحشی صنفِ شاعری ہے تو کیوں ہے اور نیم وحشی کا کیا مفہوم ہے۔

میں اکثر سوچتا ہوں کہ اگر میں نے ساری باتیں کہہ دی ہوتیں اور نیم وحشی کا لفظ استعمال نہ کیا ہوتا تو ردعمل کیا ہوتا۔ آخر میں نے کوئی نئی بات نہیں کہی تھی۔ حالی نے کہا تھا: "غزل میں جیسا کہ معلوم ہے

ان کو کاتب کے حوالے کر کے میں نے "اُردو شاعری پر ایک نظر" کی ابتدا کی۔ اِدھر نظموں کی کتابت ختم ہوئی اور اُدھر "اُردو شاعری" کی کتابت شروع ہوئی۔ اسی لئے "گلِ نغمہ" ۱۹۳۹ء میں نکلی اور "اردو شاعری" اوائل ۱۹۴۰ء میں۔

"گلِ نغمہ" کے مقدمے پر بہت کچھ چہ میگوئیاں ہوئیں۔ حالانکہ مقدمہ بالکل معروضی تھا۔ اس مقدمے کے دو حصے تھے۔ ایک اُردو شاعری سے متعلق تھا اور دوسرا ان نظموں سے۔ دونوں حصے معرضِ بحث بنے اور بہت سی باتیں جو کہی گئیں وہ غیر متعلق تھیں۔ مثلاً یہ کہ میں انگریزی کا پروفیسر ہوں مجھے اُردو ادب سے کیا واسطہ، میں نے اُردو کب پڑھی، مجھے اُردو شاعری کا علم نہیں، مجھے ان نظموں پر مقدمہ خود نہیں لکھنا چاہئے تھا کسی سے لکھوا لینا چاہئے تھا۔

مجھے ان نظموں سے اس لئے دلچسپی تھی کہ میرے خیال میں وہ صحیح معنوں میں نظمیں تھیں۔ ان میں تسلسل تھا، ارتقائے خیال تھا، ابتدا وسط اور انتہا میں ربط تھا یعنی ان میں وہی چیزیں تھیں جو مغربی نظموں کا طرۂ امتیاز ہیں اور پھر خلوص بھی۔ یہ نظمیں انگریزی نظموں کے زیرِ اثر لکھی گئی تھیں اور زبانی لغزشوں کے باوجود یہ نظمیں تھیں، مسلسل غزلیں نہ تھیں، غیر مربوط نظمیں نہ تھیں۔ پھر یہ نظمیں بیسویں صدی کی پہلی دہائی میں لکھی گئی تھیں۔ جب انگریزی کے زیرِ اثر نظمیں لکھی جانے لگی تھیں لیکن ان میں عموماً نظم کی امتیازی خصوصیتیں نہ تھیں اور یہ ان نظموں کی تاریخی اہمیت ہے اور اگر آپ تعصب کی عینک اُتار کر ان نظموں کو پڑھیں — وہ نظمیں جو "گلِ نغمہ" کے پہلے حصہ "رقصِ بسمل" میں ہیں تو آپ کو کبھی کبھار زبانی لغزشوں، محاوروں کی غلطی کے باوجود نظم کا صحیح پیکر ملے گا اور جس نے "اپنی تلاش میں" دیکھی ہے اس نے یہ ضرور محسوس کیا ہوگا کہ میں نے اپنے خاندان اور اپنے رشتہ داروں سے متعلق نہایت صاف گوئی سے کام لیا ہے۔

محمود علی خاں صبا نے لکھا ہے: "انہوں نے "اپنی تلاش میں" جس ہمت، جرأت اور بیباکی کے ساتھ جو کچھ اپنے خاندان اور اپنے ماحول کے متعلق لکھا ہے اسے ان کا شدید سے شدید مخالف بھی شاید لکھنے سے گریز کرتا" قابلِ غور بات یہ ہے کہ کیا "گلِ نغمہ" کی اشاعت کے وقت یہ ہمت، جرأت اور بیباکی ہوا ہو گئی تھیں۔

آج میں نے اس مقدمے کا پہلا حصہ تقریباً ۴۷ سال کے بعد پڑھا یہ حصہ ۱/۲ ۲ صفحوں پر مشتمل ہے۔ مجھے یہ دیکھ کر خوشی ہوئی کہ جو کچھ میں نے ان چند صفحوں میں کہا تھا اسی کی تفسیر و تشریح میری کتابیں، خصوصاً "اُردو شاعری"، "اُردو تنقید" اور "عملی تنقید" ہیں اور مجھے خوشی ہوئی کہ میں ایک صراطِ مستقیم پر چلتا رہا کبھی اس سے سرِ مو تجاوز نہیں کیا۔ چند مثالوں سے یہ بات واضح ہو جائے گی۔ دیکھئے

آپ جملے کو ختم کر لیں۔

غزل کو نیم وحشی صنفِ شاعری کہیں یا نہ کہیں لیکن اب یہ احساس عام ہو چلا ہے کہ غزل میں صنفی خامیاں ہیں اور میں نے مضامینِ غزل کی یکسانی سے زیادہ ان صنفی خامیوں پر زور دیا تھا۔ مجھے یاد آتا ہے کہ سرور صاحب نے کسی جگہ لکھا ہے کہ میں نے غزل کی صنفی خامیاں بتائی ہیں اور یہ خامیاں واقعی ہیں، خیالی نہیں۔ انہوں نے لکھا ہے:
"غزل کے جواز میں جاپانی شاعری ہائیکو کی مثال دی جاتی ہے۔ کلیم الدین نے واضح کیا ہے کہ "ہر ہائیکو شعر کی طرح اپنی جگہ خود آزاد اور مکمل اکائی ہے اور آزاد اور مکمل اکائیوں کا ایک جگہ اکٹھا کرنا جس طرح غزل میں کیا جاتا ہے تحصیلِ حاصل ہے۔" اسی طرح کسی صاحب نے لکھا ہے کہ "غزل کی صورت کچھ ایسی ہے کہ غزل گو شاعر بڑا شاعر نہیں ہو سکتا ہے۔ اور اگر کسی زبان کی بہترین شاعری اس کی غزلیہ شاعری ہے تو یہ اس زبان کی تہی مایگی کا ثبوت ہے۔" اگر یہ بات صحیح ہے تو اردو شاعری کی لاج کہاں رہی۔

اکثر لوگ مجھ سے پوچھا کرتے ہیں کہ اب آپ کی غزل سے متعلق کیا رائے ہے۔ سرور صاحب نے بھی کسی جگہ لکھا ہے کہ میری مخالفت میں اب وہ شدت نہیں رہی۔ دوسرے حضرات سمجھتے ہیں کہ نئی غزلوں کو پڑھ کر میں نے اپنی رائے بدل لی ہوگی۔ جہاں تک سرور صاحب کی بات کا سوال ہے، میں نے غزلوں کی مخالفت نہیں کی تھی، صنفِ غزل کی خامیوں پر روشنی ڈالی تھی اور اردو شاعری کے تیسرے اڈیشن میں میں نے اس تفصیل سے اپنا نظریہ پیش کر دیا ہے کہ میں اس کے اعادے کی ضرورت نہیں سمجھتا۔ رہے دوسرے حضرات تو مجھے ان کی معصومیت پر ہنسی بھی آتی ہے اور رونا بھی۔ مضامینِ غزل بدل گئے اور بدلتے آئے ہیں لیکن غزل نہیں بدلی ہے۔ میں نے اقبال کی غزلوں پر لکھتے ہوئے کہا تھا کہ ان غزلوں میں مضامین نئے ہیں اور چونکہ اقبال کے خیالات ایک نہج پر پختہ ہیں اس لئے ان میں تسلسل نظر آتا ہے۔ دورِ حاضر کی غزلوں میں مضامین نئے ہیں اور کبھی کبھار شعروں میں تسلسل بھی نظر آ جاتا ہے لیکن غزل آج بھی غزل ہے۔ اس کی صنفی خصوصیات وہی ہیں جو اگلے زمانوں میں تھیں۔ اس لئے اس میں بھی وہی صنفی خامیاں ہیں۔ یعنی آج بھی غزل نیم وحشی صنفِ شاعری ہے۔

میں نے قارئین کی اشک شوئی کے لئے انگریزی شاعر براؤننگ کا حوالہ بھی دیا ہے۔ وہ نظمیں لکھتا ہے، غزلیں نہیں لیکن اس کی نظموں کو بھی Santayana نے نیم وحشی کہا ہے اور انگلستان میں اس اعتراض پر کوئی شور و غوغا نہیں ہوا۔ کیونکہ وہاں غور و فکر کی عادت ہے، وہاں غزل کی عالمگیری کی وجہ سے تنگ خیالی نہیں آئی ہے۔ وہ ایک جملے کو متن سے علیحدہ کر کے اس پر واویلا نہیں مچاتے۔ پھر وہ کسی شاعر یا کسی صنفِ شاعری

کوئی خاص مضمون مسلسل بیان نہیں کیا جاتا۔ الا ماشاء اللہ بلکہ جدا جدا خیالات الگ بیتوں میں ادا کئے جاتے ہیں۔" طباطبائی نے کہا تھا: "ستم کی بات تو یہ ہے کہ شاعر غزل گو کسی مضمون کے کہنے کا قصد ہی نہیں کرتا۔ جس قافیے میں جو مضمون اچھی طرح بندھتے دیکھا اس کو باندھ لیا۔ ایک شعر میں بت پرستی ہے، دوسرے میں توحید و عرفان۔ ابھی ناقوس پھونک رہے تھے، اس کے بعد ہی نعرۂ تکبیر بلند کیا۔ ۔ ۔ ۔ میں خود بھی غزل کہتا ہوں اور رسم زمانہ کے مطابق ایسے ہی بے سر و پا مضامین باندھ لیا کرتا ہوں مگر انصاف یہ ہے کہ جس کلام میں ایسا تناقض و تہافت ہو اس میں کیا اثر ہوگا بھلا۔ اور عظمت اللہ خاں نے کہا تھا: "فرض کیجئے ایک آپ کے معقول، مقطع، تعلیم یافتہ دوست آپ سے اس گونا گونی سے گفتگو کریں۔ ایک جملے میں اپنی معشوق کے لب لعلین کا ذکر کریں، دوسرے میں حمد و قصیدہ کا بیان ہو، ایک میں ناصح پر بھونڈا فقرہ کسیں، دوسرے میں تصوف کی ترنگ میں کوہ طور پر خدا کا جلوہ دیکھیں! غرض اس طرح بے ربط خیالات کا طومار باندھ دیں۔ ۔ ۔ ۔ تو کیا آپ ان صاحب کو یہ سمجھیں گے کہ وہ اپنے آپے میں ہیں؟

ہاں تو میں اکثر سوچتا ہوں کہ اگر میں نے 'نیم وحشی' کا لفظ استعمال نہ کیا ہوتا تو شاید اتنا شور و غوغا نہ ہوتا لیکن مجھے ایسا لگا کہ ان لوگوں کو غزل کی خامیوں کا ادھورا احساس ہے اسی لئے میں نے سوچا کہ بات دوٹوک کہہ دی جائے۔

غزل کے شعروں میں ربط نہیں، غزل میں ارتقائے خیال نہیں، غزل میں کوئی مکمل تجربہ نہیں۔ وجہ یہ ہے کہ غزل نیم وحشی صنف شاعری ہے کیونکہ وحشی اپنے جذبات کے وجود کو ان کے وجود کی کافی وجہ سمجھتا ہے۔ احساسات و اعمال کو وہ غور و فکر پر ترجیح دیتا ہے اسی لئے اپنے آرٹ میں وہ مواد کی زیادتی اور شوکت پر زور دیتا ہے۔ اسے اپنی تشفی کے لئے آپ a series of climaxes کہہ لیں۔ جزئیات کے حسن کو تو وہ سمجھ سکتا ہے، لیکن صورت، فورم کے حسن اور تکمیل سے بے اعتنائی برتتا ہے۔ تفصیل کے لئے دیکھئے "اردو شاعری"۔ جو سوالات میں نے اٹھائے ان کا آج تک کسی نے جواب دینے کی ضرورت بھی نہیں سمجھی۔ کہا تو بس اسی قدر کہ غزل تو کچھ دو تہذیب، انتہائی پختگی کی پیداوار ہے۔ کسی نے یہ ثابت کرنے کی کوشش نہ کی کہ غزل میں حسن صورت ہے، غزل میں ارتقائے خیال ہے، غزل میں مکمل تجربہ ہے۔ غزل میں حسن صورت ہے تو اسی قدر کہ سب شعروں کی بحر ایک ہوتی ہے۔ ردیف قافی کی پابندی ہوتی ہے پھر مطلع و مقطع کی بھی۔ لیکن ظاہر ہے کہ یہ مصنوعی صورت ہے۔ رہا ارتقائے خیال یا مکمل تجربہ تو وہ کسی دوسری دنیا کی چیز ہے پھر بھی اصرار ہے کہ اردو شاعری کی لاج غزل نے رکھ لی۔ اگر ایسا ہے تو ...

"ہر شعر بجائے خود مکمل سہی لیکن اس کی تکمیل بھی نامکمل ہے۔ اگر نظم کو مجسمہ سے تشبیہ دی جائے تو شعرِ مفرد کی مثال محض ایک عضو کی سی ہے۔ مجسمہ مکمل ہے۔ عضو بذاتِ خود مکمل ہو لیکن مجسمے کے مقابلے میں نامکمل ہے۔ شعرِ مفرد بھی مثلِ غزل شاعری کا نیم وحشی عنصر ہے۔"

یہی بات کسی قدر وضاحت سے "اردو شاعری" میں کہی گئی ہے:

"غزل سے قطع نظر اگر ہر شعر کو ایک مکمل نظم تصور کیا جائے، تو شعر پر بھی نیم وحشی صنفِ شاعری ہونے کا الزام عائد ہوگا۔۔۔ وحشی اپنے ہر شعر میں کسی وقتی احساس کی ترجمانی کرتا ہے اور اس ترجمانی سے اس کے جمالیاتی ذوق کی تسکین ہو جاتی ہے۔۔۔ وہ نہ غور و فکر کرتا ہے اور نہ غور و فکر اس کے بس کی بات ہوتی ہے۔ وہ محض اضطراری کیفیت سے مجبور ہو کر اس سے فوری نجات چاہتا ہے اور یہ نجات وہ شعر کی شکل میں حاصل کرتا ہے۔۔۔ (اس لئے) اگر شعرِ مفرد کو نظم کی طرح مکمل سمجھا جائے اور اس کو اپنے جمالیاتی ذوق کی تسکین کا آلہ بنایا جائے تو یہ بھی ایک نیم وحشی صنفِ شاعری ہوگا اور کسی تہذیب یافتہ دماغ کو اس سے پوری تسکین نہیں مل سکے گی۔"

کہا جاتا ہے کہ ہر شعر میں ایک جہانِ معانی پنہاں ہوتا ہے، اس چھوٹے سے کوزے میں بحرِ ذخار موجیں مارتا ہے۔ میں نے غالب کے آرٹ کی یہ خصوصیت بیان کی ہے:

"غالب کوشش کرتے ہیں کہ ایک شعر میں مختلف خیالات و جذبات یا ایک ہی خیال، ایک ہی جذبے کے مختلف پہلوؤں کو سمیٹ لائیں۔ اس ارادے میں جامعیت کے ساتھ کامیابی ممکن نہیں۔ لیکن وہ ایک ترکیب استعمال کرتے ہیں جس سے مشکل آسان ہو جاتی ہے۔ چند خیالات تو پوری طرح ایک شعر میں نظم نہیں ہو سکتے لیکن غالب ایک بات کو کچھ اس طرح بیان کرتے ہیں کہ دوسری باتوں کی طرف توجہ جا پڑتی ہے اور شعر پڑھ کر ذہن ان دوسری باتوں کی جستجو میں لگ جاتا ہے، گویا شبستانِ خیال کا دروازہ کھل جاتا ہے اور غالب کا شعر اس دروازے کی کلید ہے۔ اگر آپ دریا کے کنارے کھڑے ہو کر دریا کا نظارہ کیجئے، تو ممکن ہے کہ دریا کی سطح پر آپ کو کامل سکون نظر آئے۔ پھر ایک پتھر کا ٹکڑا اٹھا کر پھینک دیجئے تو سطحِ دریا پر ایک لہر نمودار ہوگی۔ یہ لہر دوسری لہروں کو بیدار کرے گی۔ لہروں کا دائرہ بڑھتا جائے گا۔ ایک بھنور کی سی کیفیت نمایاں ہوگی اور یہ لہریں پھیلتے پھیلتے نظروں سے غائب ہو جائیں گی۔ غالب کے اشعار دریائے تخیل میں اسی قسم کی لہریں پیدا کرتے ہیں۔"

مجھے کبھی کبھار ایسا لگتا ہے کہ کسی نے "اردو شاعری" پڑھی نہیں۔ ابتدا ضروری لیکن یہ جملہ پڑھتے ہی کہ غزل نیم وحشی صنفِ شاعری ہے، قارئین کچھ اتنے غضبناک ہو جاتے ہیں کہ وہ کتاب کو فوراً بند کر کے

کیونکہ لوگ اعتراض یا نہیں سمجھنے سے پہلے بحث بنا کر اس کی پروا نہیں کرتے۔ وہ کھلاڑی نہیں کہتے۔ پھر میں نے قارئین کی اطمینان کے لئے یہ بھی کہہ دیا تھا کہ میں نے غزل کو نیم وحشی صنف شاعری کہا ہے۔ غزل گو شعراء کو نیم وحشی نہیں کہا ہے۔ غزل گو شاعر مہذب ہو سکتا ہے البتہ جب وہ صنف غزل میں اس کے مخصوص اوصاف کے ساتھ طبع آزما ہوگا تو نتیجہ ایک نیم وحشی کارنامہ ہوگا۔ میں نے یہ بھی کہا تھا کہ غزل مسلسل ہو سکتی ہے اور ہوتی ہے اور میں نے مثالیں بھی دی تھیں اور میں نے یہ بھی کہا تھا کہ غزل نظم بھی ہو سکتی ہے اور اس کی مثال بھی دی تھی۔ لیکن یہ سب باتیں ان سنی کر دی گئیں۔ جیسے میں نے غزل نیم وحشی صنف شاعری کے علاوہ کچھ اور لکھا ہی نہیں۔

بہرکیف جیسا کہ میں نے کہا ہے مخالفت کے باوجود میری باتیں مان لی گئی ہیں۔ میں دو مثالیں پیش کرتا ہوں :

" ریزہ خیالی اچھی ہو یا نہیں ایک حقیقت ضرور ہے۔ یقیناً ایسا شاعر کس مصرف کا جو ایک ہی غزل یا نشست میں کبھی ہجر میں مبتلا ہے کبھی وصل سے بہرہ مند، کبھی دنیا کے فانی ہونے کا ذکر کرتا ہے تو کبھی عیش کوشی کی تلقین کرنے لگتا ہے۔"

یہ تھی پہلی مثال، اب دوسری مثال ملاحظہ ہو:

" غزل گو شاعر انسان دوستی کے جذبات رکھتا ہے مگر ان سے کوئی بڑا کام نہیں لیتا۔ یہی وجہ ہے کہ وہ بکھری ہوئی تجلیوں اور لپکی ہوئی بجلیوں کا قائل ہے۔ غزل کے نشتروں سے ایک لطیف خلش پیدا ہوتی ہے اور اس سے کام لیا جاتا رہا ہے، ابھی اور بھی لیا جا سکتا ہے۔ مگر یہ نشتر تلوار نہیں بن سکتے۔ غزل کی زبان بڑی ڈھلی منجھی ہوئی چیز ہے۔ مگر اس میں انفرادیت کو پھولنے پھلنے کا موقع مشکل سے ملتا ہے۔ اس کی رمزیت خاصی جامع اور گہری ہے مگر پھاوڑے کو پھاوڑا کہنے کے دور میں زیادہ دور تک کام نہیں دے سکتی۔ اس لئے شاعری کا مستقبل زیادہ تر غزل سے نہیں نظم سے وابستہ ہے۔"

یہ پھاوڑے کو پھاوڑا کہنے کا دور ہو یا نہ ہو، لیکن میں پھاوڑے کو پھاوڑا کہنا پسند کرتا ہوں بالفاظ آلہ نہیں کہتا۔ اسی لئے بکھری ہوئی تجلیوں اور لپکی ہوئی بجلیوں کے ضمن میں غزل کو نیم وحشی صنف شاعری کہتا ہوں۔

غزل چند شعروں سے مرکب ہوتی ہے اور ہر شعر بجائے خود کل ہوتا ہے۔ میں نے "گل نغمہ" کے مقدمے میں لکھا تھا:

نہیں سکتیں حالانکہ یہ بہت سادہ ہیں، ان میں زیادہ پیچیدگی نہیں، محشرِ خیال نہیں۔ اور اگر کہا جائے کہ کیٹس کی 'Ode to a Nightingale' کو یا شیلی کی 'Ode to the west wind.' کو دو مصرعوں میں کہہ دیجئے تو پھر کیا ہو۔ 'گنجینۂ معانی'، محشرِ خیال، شعر کئی نظموں پر بھاری ہے۔ یہ سب صاف کہیے کہ زبانی جمع خرچ ہے اور کچھ نہیں۔ شیکسپیئر کی مشہور سطریں ہیں:

Tomorrow and tomorrow and tomorrow
creeps in this petty pace from day to day
To the last syllable of recorded time;
And all our yesterdays have lighted fools
The way to dusty death. out, out, brief candle!
Life's a walking shadow, a poor player
That struts and frets his hour upon the stage
And then is heard no more. It is a tale
Told by an idiot full of sound and fury
signifying nothing.

آپ حضرات شاعر بھی ہیں، انگریزی اور اردو زبانوں سے جانکاری بھی رکھتے ہیں۔ اگر آپ ان معانی کو دو مصرعوں میں بیان کر دیں تو میں اپنا اعتراض واپس لے لوں۔ یہ ممکن نہیں۔ اس لئے مجھے اقبال کے لفظوں میں تعریف یک لفظ کہنے دیجئے۔ 'دعویٰ بجا بھی کرے کوئی تو لازم ہے شعور' ——— اور مجھے سنتیانا کے لفظوں میں یہ بھی کہنے دیجئے۔ دو مصرعوں میں تکمیل نہیں۔ وضاحت نہیں، وہ چھوٹے چھوٹے مصرع ہیں ٹوٹے ہوئے بنائے گئے ہیں اس لئے کہ پڑھنے والے بازوؤں اور ٹانگوں کی کمی کو پورا کریں۔ ان دو مصرعوں میں ستائش کے لائق جو چیزیں ہیں وہ یہ ہیں: فقروں کی معنی خیزی، جوش واحساس کی تیز جھلک، شاہ پارے کے ٹکڑوں کا ابھار، کبھی کبھار نور کی جھلک اور شعریت کا حسن یہ سب ہی۔ لیکن ایسی کوئی چیز نہیں، جو خالص حسن کے روح میں جذب ہو کر نکلی گئی ہو، جو خلوص کے ساتھ تکمیل کو پہنچائی گئی ہو جو سارا اور قطعی طور پر درست ہو۔

پھندکو دیتے ہیں اور پھر اسے کبھی نہ پڑھنے کی قسم کھا لیتے ہیں غزل کے شعروں کی رمزیت، ایمائیت وغیرہ کی طرف اشارہ کیا جاتا ہے لیکن کسی نے شاید ہی اتنی وضاحت کی ہے۔ "گویا طلسمستانِ خیال کا دروازہ کھل جاتا ہے اور شعر اس دروازے کی کلید ہے۔ ۔ ۔ ۔ اشعار دریائے تخیل میں اسی قسم کی لہریں پیدا کرتے ہیں۔" یہ سب بجا لیکن میں شعر کو نظم کیسے کہوں۔ شعر چاول پر قل ھو اللہ لکھنے کا فن ہو، شعر miniature painting ہو، لیکن شعر نظم نہیں۔

ایک بار میں علیگڑھ گیا ہوا تھا۔ خواجہ منظور حسین نے مجھے چائے پر بلایا، پھر چائے کے بعد اپنے خانہ باغ میں چہل قدمی کرنے لگے۔ پھر وہی شعر و غزل کی بات نکل آئی۔ کہنے لگے ایک شعر کئی نظموں پر بھاری ہے۔ ایک شعر میں اتنے معانی ہوتے ہیں کہ آپ کو کئی نظموں میں نہیں ملیں گے۔ میں نے کہا: خواجہ منظور صاحب آپ تو انگریزی کے پروفیسر ہیں۔ ورڈزورتھ کی نظم A Slumber did my spirit seal کو نہ جانے آپ نے کتنی بار پڑھا اور پڑھایا ہوگا، جو معانی اس میں ہیں وہ آپ دو مصرعوں میں کہہ دیجیے۔ آپ سب جفوات جانتے ہوں گے۔

وہ نظم یہ ہے:

A slumber did my spirit seal,
I had no human fears,
She seemed a thing that could not feel
The touch of earthly years.

No motion has she now, no force,
She neither hears no sees;
Roll'd round in earth's diurnal course
With rocks and stones and trees.

خواجہ منظور صاحب تو خموش ہو گئے لیکن یہ مسئلہ عام ہے۔ یارانِ نکتہ داں ہوں یا نہ ہوں۔

اسی طرح میں نے اردو شاعری میں پول ویرلین کی 'Arietta'، تھیوفیل گوتی ایر کی 'La dernière Feuille'، سلی پرودم کی 'Ici-bas' کا ترجمہ کیا ہے۔ یہ نظمیں [illegible]

پھر ایک بات یہ بھی ہے کہ میں نے ایک حصہ قطعہ کے لئے وقف کر دیا ہے اور اس کے امکانات حسن کی بالتفصیل وضاحت کی ہے۔ غالب کے مشہور قطعہ جس کا پہلا مصرع ہے: "اے تازہ واردانِ بساطِ ہوائے دل" تفصیلی تجزیہ کر کے اس کی خوبیوں کی وضاحت کی ہے اور قطعہ کے ساتھ مسلسل غزل کے حسن کی طرف بھی اشارہ کیا ہے۔ دو غزلوں کا کچھ تفصیل سے تجزیہ کیا ہے ایک غزل آتش کی ہے: "شبِ وصل تھا چاندنی کا سماں تھا" دوسری نظیر اکبرآبادی کی: "یہ جواہر خانۂ دنیا جو ہے با آب و تاب"۔ کہنے کا مقصد یہ ہے کہ میں نے غزل کے ساتھ انصاف کرنے کی بھرپور کوشش کی ہے اور کہیں ناانصافی نہیں کی ہے۔

"اردو شاعری پر ایک نظر" میں غزل کے علاوہ اور صنفیں بھی ہیں قصیدہ، مثنوی، مرثیہ، ان کی بھی صنفی خامیوں پر روشنی ڈالی ہے اور نمائندہ شعراء پر تفصیل سے لکھا ہے لیکن ان باتوں کے خلاف اتنا شدید ردعمل نہیں ہوا جتنا غزل پر ایک جملہ لکھ دینے سے۔ مرثیہ سے متعلق جو کچھ میں نے لکھا ہے اس کی کچھ شکایت ضرور ہوئی ہے، لیکن پھر بھی ان شکایتوں کا وہ طومار نہیں جو غزلوں سے متعلق ہے حالانکہ مجھے خیال تھا کہ اس کے خلاف زیادہ شدید ردعمل ہوگا کیونکہ یہاں مذہبی جذبات کا سوال تھا، مذہبی جذبات کو ٹھیس لگنے کا سوال تھا اور میں نے اس کی طرف اشارہ بھی کیا تھا اور کوشش کی تھی کہ صرف مرثیہ کی شعری خوبیوں اور خامیوں سے بحث کی جائے اور شاید میں اس میں کامیاب بھی ہوا لیکن میں نے مرثیہ کی دو اہم صنفی خامیوں کو واضح کیا۔ ایک تو یہ کہ مرثیہ Elegy بھی ہے اور پھر رزمیہ یعنی Epic بھی اس لئے اسے ایک مخصوص خطرے سے دوچار ہونا پڑتا ہے۔ یعنی جسے انگریزی میں کہتے ہیں It falls between two stools نہ تو یہ خالص مرثیہ ہوتا ہے اور نہ خالص رزمیہ۔ یہ نہیں کہ رزمیہ میں مرثیہ کی جگہ نہیں اور میں نے فردوسی کے شاہنامہ کا حوالہ بھی دیا تھا اور کچھ اقتباسات بھی پیش کئے تھے، لیکن صنفی طور پر مرثیہ اوّل و آخر مرثیہ ہے، اس کو زبردستی رزمیہ کا رنگ دیا گیا ہے اور میں نے یہ بھی کہا تھا کہ نہ تو دبیر اور نہ انیس میں یہ تعمیری صلاحیت تھی کہ وہ واقعۂ کربلا کو ایک مکمل نظم کی صورت میں پیش کریں۔ شاید وہ کوشش کرتے بھی تو کامیاب نہ ہوتے کیونکہ وہ epic کی architectonics سے واقف نہ تھے۔ ابھی کچھ دن ہوئے میں نے پروفیسر شبیہ الحسن صاحب سے دریافت کیا تھا کہ کسی نے یہ کوشش کی ہے کہ انیس کے ہم بحر مرثیوں کو ترتیب دے کر واقعۂ کربلا کا پورا نقشہ دکھلانے کی کوشش کریں۔ ان کا جواب نفی میں تھا۔ جوش صاحب نے انیس کے مرثیوں کو لے کر ہم بحر مرثیوں کو tick off کر دیا تھا۔ ارادہ تھا اس طرح

اس لئے میں شعر کو نظم نہیں کہہ سکتا۔ میں نے "گل نغمہ" کے مقدمے میں لکھا تھا۔ "شاعر کسی واردات، کسی تصور داخلی، یا کسی مشاہدۂ خارجی کا انکشاف کرنا چاہتا ہے۔ لیکن اس کی نظم بعد تکمیل صرف ایک جذبہ، ایک خیال کا خاکہ نہیں کھینچتی۔ ایک جذبہ دوسرے جذبات کو ابھارتا ہے، ایک خیال دوسرے خیالات کی تحریک کرتا ہے، ایک نقش ظاہری دوسرے نقوش کی یاد تازہ کرتا ہے، ایک لفظ دوسرے الفاظ کی مقناطیسی کشش کرتا ہے۔ اس طرح جو تجربہ شاعر ایک نظم میں پیش کرتا ہے وہ مختلف احساس و تفکرات کا مجموعہ، مختلف نقوش و الفاظ کا گلدستہ ہوتا ہے۔" یعنی نظم میں (۱) تجربہ پیچیدہ ہوتا ہے، مختلف جذبات و خیالات کا مجموعہ ہوتا ہے۔ (۲) اس میں نقوش بھرپور ہوتے ہیں (۳) بہترین الفاظ کی بہترین ترتیب ہوتی ہے (۴) ارتقائے خیال ہوتا ہے، یعنی ابتداء، وسط اور انتہا میں ربط کامل ہوتا ہے۔ (۵) حسن مکمل ہوتا ہے۔ یہ خصوصیتیں نہ تو غزل میں ملتی ہیں اور نہ شعر میں۔ کہا جاتا ہے کہ ایک لفظ بلاغت کا تصور کیجئے تو ساری مشکلیں آسان ہو جائیں گی، سارے اعتراضات مہمل ثابت ہوں گے اور کسی تنقید کی گنجائش باقی نہ رہے گی۔ اگر بلاغت میں یہی جادو تھا تو مولانا روم کی مثنوی نہ ہوتی اور نہ فردوسی کا شاہنامہ اور نہ کوئی اُردو شاعر قصیدہ، مثنوی، مرثیہ یا نظم کی طرف توجہ کرتا۔ اور یہ بھی کہا جاتا ہے کہ غزل پر اعتراض کرنے سے پہلے ہندوستان کے سماجی، سیاسی، معاشی، روایتی، لسانی وغیرہ وغیرہ حالات کو پیش نظر رکھنا چاہیئے۔ یہ سب غیر متعلق باتیں ہیں۔ غزل فارسی سے اُردو میں آئی جیسے قصیدہ اور دوسری صنفیں آئیں۔ یہ محض اُردو شعرا کی تن آسانی تھی کہ انہوں نے آسان ترین صنف کو اپنایا، اسی پر اپنا سارا ذہنی سرمایہ صرف کر دیا اور جو ذہنی سرمایہ تھا وہ دوسری صنفوں کے لئے ناکافی تھا۔

غزل سے متعلق اردو شاعری میں صرف چند صفحے ہیں۔ پہلے حصے میں تفصیل سے چھ شعرا کا ذکر ہے، میر، سودا، درد، ایک طرف تو مومن، ذوق، غالب دوسری طرف اور ان شعرا کی بھرپور تعریف کی ہے، جس کے وہ مستحق تھے۔ یہ ضرور ہے کہ جہاں میں نے ان کی خوبیوں کا بیان کیا ہے وہاں ان کی خامیوں پر بھی روشنی ڈالی ہے اور یہ بھی کہا ہے کہ Potentially یہ شعرا بزرگ شعرا تھے اگر وہ نظمیں لکھتے۔ پھر میں نے ان کے شعروں کے حسن، ان کی لطافت، ان کی زود اثری پر تفصیل سے لکھا ہے۔ اگر میں سمجھتا کہ یہ صنف بالکل مہمل اور تضیع اوقات ہے تو میں اپنا وقت ضائع نہ کرتا۔ البتہ میں نے اس قسم کی شاعری کی تنگ دامانی کا گلہ کیا ہے۔ جیسا کہ غالب نے کہا ہے "کچھ اور چاہیئے

ناعری کی خوبیوں پر تفصیل سے لکھا، قدامت پرستی، رجعت پسندی کو غیر متعلق قرار دیا اور جتنی تعمیری
نقید، ان کے شعروں سے متعلق میں نے کی وہ پہلے شاید کسی نے نہیں کی تھی۔ لیکن اکبر کا آرٹ مختصر تصویریں یا
نقشے بنانے کا ہے اور یہ تصویریں حسین بھی ہیں اور موثر بھی اور اپنے مقصد میں کامیاب۔ اسی لئے مجھے
لہنا پڑا کہ اگر وہ نظم کے صحیح مفہوم سے واقف ہوتے اور اس بات میں مغرب سے کچھ سیکھتے، تو ان کی شاعری
کی اہمیت زیادہ سے زیادہ ہو جاتی، تو پھر اردو کے شیدائی چلا اٹھے کہ میں نے نظم اور مغرب کا نام
یوں لیا۔ گویا مجھ سے کوئی بڑا گناہ سرزد ہو گیا ہے۔ حالانکہ جو میں نے کہا ہے، وہ بدیہی بات ہے۔ اگر
اکبر نظمیں لکھتے اور اپنا وقت مفرد اشعار اور دو شعروں کے قطعوں پر برباد نہ کرتے، تو ان کے فن میں
عظمت آ جاتی جو ان میں نہیں ہے اور کامیاب نظمیں لکھنے کے لئے مغرب سے استفادہ ضروری تھا۔

سب سے بڑی شکایت یہ ہے کہ میں نے اقبال کو بھی نہ چھوڑا۔ یہاں چھوڑنا نہ چھوڑنا غیر متعلق سی
بات ہے۔ میری thesis یہ ہے: (۱) قومی و ملی شاعری سریع التاثیر ہوتی ہے۔ چند جذبات کو زور
شور سے ابھارتی ہے لیکن اس کی دنیا بہت تنگ ہے۔ (۲) پیغام محض شعر نہیں ہو سکتا۔ پیغام
اور شعر میں کوئی بیر نہیں شرط یہ ہے کہ پیغام شعری تجربہ بن جائے لیکن ایسا کم ہوتا ہے۔ اگر آپ کو ان دونوں
باتوں سے انکار ہے، تو پھر آپ کے اور میرے درمیان کوئی common ground نہیں۔ بہرکیف
میں نے انہیں دو اصول کی روشنی میں اقبال کی نظموں کا جائزہ لیا ہے۔ 'خضر راہ' اور 'طلوع اسلام' کا تجزیہ
کر کے demonstrate کیا ہے کہ خیالات محض اور شعری تجربے میں کیا فرق ہے۔ جہاں خضر راہ کے
پہلے بند میں شعریت ہے جیسے جیسے خیالات آگے بڑھتے ہیں ان کے جوش اور ولولہ انگیزی میں ترقی ہوتی
ہے لیکن شعریت میں کمی ہوتی جاتی ہے۔ میں نے حسب معمول مثالیں دی ہیں:

شب سکوت افزا، ہوا آسودہ، دریا نرم سیر — تھی نظر حیراں کہ یہ دریا ہے یا تصویر آب
جیسے گہوارے میں سو جاتا ہے طفل شیرخوار — موج مضطر تھی کہیں گہرائیوں میں مست خواب
رات کے افسوں سے طائر آشیانوں میں اسیر — انجم کم ضو گرفتار طلسم ماہتاب

اور یہ نثر ہے:

ربط و ضبط ملت بیضا ہے مشرق کی نجات — ایشیا والے ہیں اس نکتے سے اب تک بے خبر
پھر سیاست چھوڑ کر داخل حصار دیں میں ہو — ملک و دولت ہے فقط حفظ حرم کا اک ثمر

ایک یا دو مرثیے کی ترتیب دی جائے لیکن میں اپنی دوسری مصروفیتوں کی وجہ سے اس کام کو مکمل نہ کر سکا۔ اب وہ مرثیے جن پر میں نے نشان لگا دیئے تھے میرے پاس نہیں رہے۔ بہرکیف جیسا کہ میں کہہ رہا تھا اُردو شاعری کے ان حصوں کے خلاف زیادہ شدید ردعمل نہیں ہوا۔ البتہ یہ شکایت ضرور ہوئی کہ میں نے کسی صنف کو نہیں بخشا۔ قصیدہ، مثنوی، مرثیہ سبھی پر نکتہ چینی کی اور قصیدہ، مثنوی، مرثیہ لکھنے والوں کو بھی لیکن ان شکایتوں میں شدت نہ تھی، برہمی خفگی نہ تھی اور کسی نے میرے اعتراضات کا جواب بھی نہیں دیا۔

"اُردو شاعری" کا دوسرا حصہ بھی برہمی کا سبب ہوا۔ جہاں اکبر، حالی، اقبال، جوش، ترقی پسند شعراء زیر بحث تھے اور ان کے ساتھ بھی میرا وہی رویہ تھا جو غزل گو شعراء کے ساتھ تھا۔ مثلاً حالی کی نظم تھی لیکن میں نے کہا کہ اس نظم میں شعریت نہیں اور اچھی نثر بھی نہیں اور کوئی سمجھ بوجھ بھی نہیں، لوگوں کے جذبات کو ٹھیس لگی۔ فراق نے بھی لکھا کیا آپ اس کی ظاہری سادگی اور بے رنگی کا دھوکا کھا گئے لیکن سادگی اور چیز ہے اور شعریت کچھ اور۔ فراق نے یا کسی اور شخص نے یہ ثابت کرنے کی کوشش بھی نہ کی کہ جو مثالیں میں نے دی تھیں ان میں شعریت نہیں تھی۔ اس طرح میں نے کہا تھا کہ اس مسدس میں ربط و تسلسل مکمل نہیں اور ارتقائے خیال بھی فطری نہیں اساسی ہے۔ مضامین پھول کی طرح نہیں کھلے بلکہ ایک اینٹ پر دوسری اینٹ رکھ کر اس کی عمارت بنائی گئی ہے۔ اینٹیں ایک دوسرے سے پیوستہ نہیں، دیواریں ہیں تو ٹیڑھی اور بے ڈھنگی، مینار و سقف میں بھی تناسب نہیں یہاں تک کہ اس کے ٹکڑوں میں بھی، دو مصرعوں، دو بیتوں، دو بندوں میں بھی وہ ربط و تسلسل نہیں جو ہونا چاہیئے اور اپنی بات کے ثبوت میں چار بند پیش کئے تھے اور دکھایا تھا کہ ان چار بندوں اور ان کے مصرعوں کی ترتیب ردوبدل ممکن ہے، جو مثال میں نے دی تھی اسے آج بھی اُردو شاعری میں آپ پڑھ سکتے ہیں اور فیصلہ کر سکتے ہیں کہ میں نے جو بات کہی تھی وہ صحیح ہے یا غلط۔ غالباً کسی کو اس سے اختلاف نہ ہوگا کہ میری باتیں مفصل ہیں اور مثالوں یا ثبوت سے بھرپور۔ مجھے اپنے معترضین سے گلہ یہی ہے کہ وہ پوری باتیں پڑھتے نہیں اور پڑھ کر Point wise ان کا جواب نہیں دیتے۔ بلکہ عام قسم کے اعتراضات کرتے ہیں جن کا میری تنقید سے بہت کم واسطہ ہوتا ہے۔

بخلاف حالی، اکبر کے ساتھ میں نے بقول معترضین ضرورت سے زیادہ ہمدردانہ سلوک کیا، اکبر کو تنگ نظر، کوتاہ بینی والے قدامت پرست، رجعت پسند، مقصود پرست اور نہ جانے اور کیا کیا کہا کرتے تھے میں نے اکبر

ہو رہے تھے شہر میں افسانۂ گویا تمام — ایک دردانگیز صدا ان کی شکست آرزو کا
دل کے دھڑکنے کی ایک آواز — تیرے ناواقفیت، سطح دنیا پر نگاہ
گاہ مرنے کے عزائم گاہ جینے کی امنگ — بس یہی ہلکی سی باتیں بس یہی تھے سو رنگ

میں نے یہ بھی بتایا تھا کہ جوش کی بہت ساری نظموں کا خادم اقبال کی فارسی نظموں سے ماخوذ ہے اور یہ بھی بتایا تھا کہ جو سلیقہ، جو سوجھ بوجھ، جو شعری حسن اقبال کی بعض نظموں میں ہے وہ جوش کی نظموں میں نہیں اور پھر جوش کی ایک نظم جس کا پہلا شعر ہے:

کیا ہند کا زنداں کانپ رہا ہے، گونج رہی ہیں تکبیریں
اکتائے ہیں شاید کچھ قیدی اور توڑ رہے ہیں زنجیریں

کا تنقیدی تجزیہ کر کے تعریف (علی سردار جعفری اور عزیز احمد کی تعریف) اور تنقید کا فرق بتایا تھا اور جو کچھ میں نے کہا تھا اس کا آج تک کسی نے تفصیلی جواب نہیں دیا۔ یہ ثابت کرنے کی کوشش بھی نہ کی کہ جو باتیں میں نے کہی تھیں وہ صحت سے دور تھیں اور پھر میں نے حرف آخر کے ایک حصے کا تفصیلی تجزیہ کیا تھا اور اس نتیجہ پر پہنچا تھا کہ جوش کے مانگے ہوئے افکار تخیلی تجربہ نہیں بن پاتے۔ بات یہ ہے کہ لفظی شاعری نہیں۔ جوش کے پاس الفاظ کا کھوکھلا ڈھول تھا، جسے انہوں نے زور شور سے بجایا جب ہنگامہ فرو ہوا تو اس کا کھوکھلا پن نظر آنے لگا اور جو کچھ میں نے کہا تھا اور جس نتیجہ پر میں پہنچا تھا آج سب لوگوں نے مان لیا۔ آج شاید جوش کا کوئی نام بھی نہیں لیتا۔

اور جب ترقی پسند شاعری کا عروج تھا، اس وقت میں نے ان کی ہنگامہ آرائی کے خلاف آواز بلند کی اور یہ بتایا کہ اقبال نے جن پر وہ مرتے تھے۔ ترقی پسندوں سے پہلے ترقی پسندانہ باتیں کہی تھیں لیکن زیادہ سوجھ بوجھ کے ساتھ زیادہ شاعرانہ ڈھنگ سے اور بہت سی باتیں جنہیں ترقی پسند شعرا اپنی نظموں میں دہراتے تھے وہ اقبال کی نظموں کی صدائے بازگشت تھی اور میں نے اس بات پر زور دیا کہ ہمیں بقول ایلیٹ یہ دیکھنا چاہیے کہ جو ہمارے سامنے ہے وہ شعر ہے یا کچھ اور۔ اور میں نے یہ دکھانے کی کوشش کی تھی کہ زیادہ تر ترقی پسند نظموں میں نعرہ بازی ہے، پروپیگنڈا ہے، فلسفہ ہے، اشتراکیت ہے، سرمایہ داری کی مخالفت ہے، بغاوت ہے اور بہت کچھ ہے، لیکن شاعری نہیں ہے۔ اور پھر بعض شاعروں کی تفصیل
[illegible] جہاں ان کی پروپیگنڈا بازی کی مذمت کی تھی [illegible]

Our Countributors :

Prof. Kalimuddin Ahmad. B.A. (Cantab.) (*b*. 1909)
Sri Krishnapuri, Patna-13 (see pp. 71-72 Urdu Section)

Dr. Hashim Amir Ali, M.A. Ph. D., Hyderabad (*b*. 1903)
Ex-Director Rural Institute, Jamia Millia, Delhi; Trustee of the Private and Religious Trusts of Nizam.
Wrote several books on the *Qur'an* and sociological themes, among them : ***Student's Qur'an : An Introduction; The message of the Quran; Meos of Mewat*** : His life-work, almost his mission, is ***the discovery of the lost Islamic Calendar.***

Mr. Muhammad Yunus Khalidi
Secretary, Azad Memorial Academy, Bashishar Nath Road, Lucknow.

For others, see Journal I.

کہا تھا، میر کی بھی اور اقبال کی غزلوں کے بارے میں لکھا کہ نئی آواز ہے، نئی زبان ہے، نئی باتیں ہیں اور یہ بھی لکھا تھا کہ جس زمانے میں اقبال نے اس انداز میں غزلیں کہیں وہ بہت بڑا کارنامہ تھا، اسی طرح میں نے بتایا کہ جو میر کی غزلوں میں بھی نئی آواز اور نئی باتیں ہیں اور اگرچہ ان کی غزلیں کوئی بڑا کارنامہ نہیں پھر بھی ان میں خلوص کی آواز ہے جو اردو شاعری میں کم ملتی ہے۔

میں پھر بھی کہوں گا کہ کسی نے اردو شاعری کو شروع سے آخر تک پڑھنے کی زحمت گوارا نہیں کی۔ یہ کتاب منتشر خیالات کا مجموعہ نہیں، بلکہ ایک مربوط، منظم اور مسلسل تنقید ہے۔ اسی لئے شاید نیاز فتحپوری نے لکھا تھا کہ یہ اردو شاعری پر پہلی کتاب ہے جس کا ایک ورق بھی بیکار نہیں لیکن قارئین کا ذہن چونکہ غزل کا تربیت یافتہ ہے اس لئے وہ ادھر ادھر سے چند جملے چن کر ان پر اپنی برہمی کا اظہار کرتا ہے اور محض تخریبی تنقید ہے، سراسر تنقیص ہے، مغرب زدگی کا نتیجہ ہے اور اسی قسم کے جملے کہہ کر اپنے دل کی بھڑاس نکال لیتا ہے۔ یہ اس کے بس کی بات نہیں کہ وہ اسے غور سے پڑھے، سمجھنے کی کوشش کرے کہ کیا کہا جا رہا ہے اور کیوں کہا جا رہا ہے۔ کیونکہ یہاں غیر ذمہ دارانہ، نادری احکام نہیں ہیں۔ منطقی باتیں ہیں، منطقی دلائل ہیں، منطق اور سائنسی زبان ہے ان کا جواب جذباتی رد عمل نہیں ہے اور نہ ہو سکتا ہے۔

اصل دشواری یہ ہے کہ اردو میں تنقید سے مراد تعریف ہے، تحسین ہے، تقریظ ہے اور کبھی کبھار نری تنقیص، بیجا نکتہ چینی، بے حاصل خردہ گیری ہے۔ آج بھی یہ کہنے کی ضرورت ہے کہ تنقید ایک قسم کی پرکھ ہے۔ ایک قسم کی کسوٹی ہے جس سے کھرے کھوٹے میں امتیاز کرنا ممکن ہے۔ یہ تنقید نہیں کہ ہم کسی شاعر کی وہ میر ہوں، غالب ہوں، انیس ہوں، اقبال ہوں یا کوئی اور مبالغہ آمیز، محبت سے دور تعریف کریں اور اس میں زمین آسمان کے قلابے ملا دیں۔ تنقید یہ ہے کہ ہم ان شاعروں یا کسی اور شاعر کی خوبیوں، خامیوں اور حدود کو بھی واضح طور پر بے کم و کاست بیان کریں۔ اگر ہم ان کی صرف خامیاں بیان کریں تو یہ تنقیدی بددیانتی ہو گی۔ اسی طرح اگر ہم ان کی خوبیوں کو اچھالیں اور ان کی خامیوں سے چشم پوشی کریں، تو یہ بھی تنقیدی بددیانتی ہو گی، لیکن اردو میں اسی بددیانتی یعنی خوبیوں کو اچھالنا اور خامیوں پر پردہ ڈالنا۔ اسی بددیانتی کو اصل تنقید سمجھا جاتا ہے۔

اور پھر ایک بات یہ بھی ہے کہ اردو میں خطائے بزرگان گرفتن خطاست پر عمل کیا جاتا ہے اور شعراء کا شمار بزرگوں میں ہے۔ اس لئے ان کی خطاؤں کی پردہ داری اصل ایمان ہے لیکن خطا بزرگوں سے سرزد ہو تو

اچھی نظمیں کا فقدان ہی کی تھی اور خصوصاً ان کی دو نظمیں سے متعلق تھی کہ اگر ان میں سے بکھرا مصرعہ بند نکال دیئے جائیں تو وہ بہت اچھی نظمیں ثابت ہوں گی اور وہ نظمیں تھیں " میرے خواب " اور " پتھر " شاید اس سے زیادہ تعمیری تنقید ممکن بھی نہ تھی اور پھر میں نے فیض کو دوسرے ترقی پسند شعراء کے مقابلے میں امتیازی حیثیت دی تھی کیونکہ فیض کو نظم کے فنی تقاضوں کا احساس تھا اور وہ ان تقاضوں کو پورا کرنا چاہتے تھے اور دوسری خصوصیت یہ بھی تھی کہ فیض میں ایک خود فعلی تھی وہ اپنے کو لٹا دیتے تھے اور سر پھرے باغیوں کی طرح اپنے نعروں سے آسمان کو نہیں ہلا دیتے تھے اور میں نے بتایا تھا کہ حسن انقلاب میں کوئی تضاد نہیں ' دائمی مخاصمت اور تصادم نہیں ۔ اگر انقلاب حسن بن جائے ' تو شاعر جو سکتا ہے میں پانی کی فراوانی ہو سکتی ہے ۔

ایک باب آزاد نظم سے متعلق ہے ۔ اس میں میں نے مغربی شاعری کے نقادوں کو یہ بتانے کی کوشش کی ہے کہ جیسا کہ ایلیٹ نے کہا ہے آزاد نظم کم آزاد کوئی نظم نہیں vers is libre for the man who wants to do a good job لیکن آسانی کی خوگر طبیعت کو نظم سے زیادہ غزل دل آویز ہے اور پابند نظم سے زیادہ آزاد نظم عزیز ۔ کیونکہ یہاں ہاتھ باگ پر نہیں اور نہ پاؤں رکاب میں ' خشِ عمر رو میں رہتا ہے ۔ جب تھک جاتا ہے تو رک جاتا ہے یہی وجہ ہے کہ نظم ، نظم معرّا ، نثری نظم ، شعر نما نثر وغیرہ کا ناموزوں سیلاب ہے :

فریاد کی کوئی لے نہیں ہے   نالہ پابندِ نے نہیں ہے

بہرکیف یہ تو جملۂ معترضہ تھا ۔ اگر میں مغرب زدہ ہوتا ، تو میں آزاد نظم کا پرستار ہوتا اور نظم لکھنے والوں کی مداحی کرتا ۔ لیکن صورتِ حال کچھ اور ہے ۔ وہ فارسی کی پیروی ہو یا انگریزی کی اگر کامیاب ہے تو قابلِ ستائش ہے ورنہ نہیں ۔

آخر میں میں نے غزلوں پر نظر ڈالی تھی اور پانچ غزل گو شعراء کا تفصیلی جائزہ لیا تھا ۔ اصغر ، فانی ، حسرت ، جگر اور فراق ۔ حسرت اور فراق کی خوبیوں کو سراہا تھا ، اصغر اور فانی کو بھی ایک حد تک سراہا تھا ، لیکن جگر پر نکتہ چینی کی تھی اس لئے میں معتوب ٹھہرا کہ میں نے جگر کی تعریف نہ کی ۔ اور یہ بات بالکل نظر انداز کر دی گئی کہ میں نے حسرت اور فراق ، اصغر اور فانی کے محاسن کو تفصیل سے بیان کیا تھا ، لیکن اندھا دھند تعریف نہیں کی تھی ۔ ان کی [illegible]

تجزیہ ہے تو تنقید کا مفہوم آپ کے خیال میں زیادہ تر یہی ہے تو البتہ میری تنقید تجزیاتی ہے لیکن بات یہ ہے کہ اچھی تنقید تجزیاتی نہیں ہوتی یہ ہمیشہ تبصرہ ہوتی ہے وہ کسی صنف سے متعلق ہو یا کسی شاعر سے میں نے ہمیشہ یہ بتانے کی کوشش کی ہے کہ جو چیز پیش نظر ہے وہ کیا ہے اس کی حدود و امکانات کیا ہیں یا اس میں کیا کمی ہے اور کیا ہونا چاہیئے۔ مثلاً غزل کو لیجئے میں نے بتایا اور یہ کوئی نئی بات نہیں کہ اس کی قیاسی خصوصیت یہ ہے کہ اس کے اشعار ایک دوسرے سے بے نیاز ہوتے ہیں۔ اسی لئے میں نے کہا کہ اس کے اشعار میں ربط و تسلسل نہیں، ارتقائے خیال نہیں، ابتدا وسط اور انتہا میں کوئی ربط نہیں اور پھر میں نے کہا کہ ربط و تسلسل ہونا چاہیئے، ارتقائے خیال ہونا چاہیئے، ابتدا، وسط اور انتہا میں ربط کامل ہونا چاہیئے اور یہ بھی بتایا کہ یہ سب چیزیں غزل کے فارم کو قائم رکھتے ہوئے بھی حاصل ہو سکتی ہیں اسی لئے میں نے مسلسل غزلوں قطعہ بند غزلوں کی مثالیں پیش کیں اور نظیری کی ایک نظم کو توڑ مروڑ کر اسے نظم کی صورت میں پیش کیا۔ اسی طرح میں نے قصیدہ سے متعلق کہا کہ اس کے چار حصے ہیں تشبیب، گریز، مدح، دعا۔ اہم حصہ مدح کا ہے جس میں ناموزوں، مبالغہ آمیز مداحی ہوتی ہے، جو مذاق سلیم پر گراں گزرتی ہے اور پھر یہ بھی بتایا کہ قصیدہ سے ode کا کام لیا جاسکتا تھا خصوصاً اس کا پہلا حصہ جسے تشبیب کہتے ہیں اس میں کافی گنجائش ہے اور کبھی کبھار اس گنجائش سے اچھا کام بھی لیا گیا ہے لیکن اسے قصیدہ کے اور اجزا سے الگ کر کے مختلف و متنوع مضامین پر نظمیں لکھی جاسکتی ہیں۔

یہ رہی صنف کی مثالیں۔ اسی طرح میں نے میر سے متعلق لکھا کہ ان کی قوت حساسیت تیز تھی اور ان کی تلخ و غم انگیز جذبات اور احساس تھے۔ لیکن غزل کی ریزہ کاری کی وجہ سے ان کے شدید جذبات اور احساس کو پھلنے پھولنے کا موقع نہیں ملا اگر وہ انہیں کو مرتب و منظم صورت میں پیش کرتے تو وہ دنیا کے ایک بہترین شاعر ثابت ہوتے یا میں نے غالب سے متعلق لکھا ہے "شاعر اپنے زمانے میں ادراک کے سب سے اونچے مقام پر ہوتا ہے۔۔۔ غالب اپنے زمانے میں ادراک کے اسی بلند مقام پر تھا وہ اس جگہ سے زندگی، احول، پیش منظر اور آنے والی ہونے والی چیزوں کو دیکھتے تھے۔ لیکن اپنے تاثرات کے لئے انہیں ایک سانچہ ملا یعنی غزل اور وہ بھی ناقص اس لئے وہ اتنے بلند و بزرگ کارنامے نہ پیش کر سکے، جو ان کی شان کے شایاں تھے" کیا آپ کہہ سکتے ہیں کہ یہ نری تجزیاتی تنقید ہے۔ یہاں دوسرے لفظوں کے الفاظ میں میں نے غالب کو وہی

بھی خطا ہے اور خود اپنے سے بدتر کی خطا ہے۔ اس لئے اخلاق خطا پوشی اچھی بات ہو اور خطا بینی بری
لیکن تنقید میں خطا پوشی اصل ایمان نہیں بلکہ ایک قسم کا گناہ ہے اور خطا بینی کی ضرورت آپڑتی ہے البتہ
اگر اچھائی سے چشم پوشی کی جائے یا اچھائی کو برائی بنا کر پیش کیا جائے تو وہ گناہ ہے۔ کہہ سکتے ہیں
کہ مشرقی افتاد طبیعت بت گری اور بت پرستی کی طرف مائل ہے تو بات یہ ہے کہ اسی افتاد طبیعت کی
وجہ سے ہم اپنے شعراء کی پوجا کرتے ہیں۔ ہم اسے مانیں یا نہ مانیں۔ میرؔ، غالبؔ، انیسؔ، اقبالؔ وغیرہ
ہمارے لئے دیوتاؤں کی حیثیت رکھتے ہیں اور یہ فطری بات ہے کہ کوئی اپنے دیوتاؤں کی نکتہ چینی برداشت
نہیں کر سکتا اور برداشت کرے تو کیسے۔ اس کے پرستارانہ جذبات کو زبردست ٹھیس لگتی ہے اور
یہ دیکھ کر اور شق گراس کی مقدس ہستیوں کو ہدف ملامت بنایا جا رہا ہے اس کی رگ حمیت جوش میں آتی
ہے اور وہ ہر جائز و ناجائز طریقے سے مخالفت پر آمادہ ہو جاتا ہے اور یہ ناگزیر ہے کیونکہ اگر وہ ایسا
نہ کرے تو پھر اس کے ایمان میں خلل پڑ جائے گا۔ اس کی ساری ذہنی اور جذباتی دنیا متزلزل ہو جائے گی
یہی وجہ ہے کہ وہ کھلے ذہن سے نہ کسی بات کو سن سکتا ہے اور نہ اسے سمجھنے کی کوشش کرتا ہے
بلکہ اس کا اور اس کی گروہ کا ایک ہی ردعمل ہے۔ جیسا کہ کالزوڈی نے کہا ہے: 'heads
down, horns pointed' مخالف کو کچل ڈالنا چاہتے ہیں۔ اب ان پجاریوں کو یہ کون
بتائے کہ شاعر دیوتا نہیں وہ ہم آپ جیسا انسان بھی ہے اور کوئی شاعر وہ شیکسپیئر ہی کیوں نہ ہو ہمیشہ اچھی
نظمیں نہیں لکھ سکتا اس لئے اس کی کچھ نظمیں اچھی ہوتی ہیں تو کچھ بری بھی ہوتی ہیں اور یہ تنقید کا فرض ہے کہ
وہ اچھے برے میں امتیاز کرے، ان کے فرق کو واضح کرے، اس کے لئے منطقی دلیلیں پیش کرے تو اگر آپ اس
بات کو مان لیں کہ شاعر دیوتا نہیں، شاعر ہے اس میں خوبیاں بھی ہوتی ہیں اور خامیاں بھی ہو سکتی ہیں۔ اگر آپ
اس بات کو مان لیں تو میری باتیں طبع نازک پر گراں نہ گزریں گی کیونکہ میرا شیوہ بت گری یا بت پرستی نہیں
اور میں قصداً بت شکنی بھی نہیں کرتا۔ میں شاعر کو شاعر سمجھتا ہوں اس کی نظموں کو پوری توجہ سے پڑھتا ہوں
اس کی خوبیوں کو سمجھنے کی کوشش کرتا ہوں اور انہیں بیان بھی کرتا ہوں۔ البتہ اسی پر اکتفا نہیں کرتا
بلکہ اگر اسی کی نظموں میں کچھ خامیاں ہیں، اگر شاعری کی کچھ حدود ہیں تو انہیں بھی بیان کرنا اپنا فرض سمجھتا ہوں
اب اسے آپ بت شکنی کہئے تو کہئے میں اسے حق بینی کہتا ہوں۔

جہاں میری تنقید سے متعلق بہت سی باتیں کہی گئی ہیں وہاں ایک بات یہ بھی ہے کہ میری تنقید

کا تفصیلی تجزیہ کیا جو مجھ سے پیشتر کسی نے نہیں کیا تھا اور بہت سارے قطعے پیش کئے اور ان کے ساتھ کچھ مسلسل یا قطعہ بند غزلوں کے بھی نمونے پیش کئے۔ میر کو بالقوہ بہترین شاعر پاس کیا اور درد، مومن، ذوق کی ستائش کی۔ غالب کے قصیدہ تہنیت کا مطلع ہے:

ہاں مہ نو سنیں ہم اس کا نام جس کو تو جھک کے کر رہا ہے سلام

اس قصیدہ کے حسن کا پہلی بار تفصیلی جلوہ دکھایا۔ ہجو کو جسے گالی کا مرادف سمجھا جاتا تھا۔ اس کا جائز ادبی مقام دیا اور اپنے ایک دوسرے مضمون اردو ادب میں طنز و ظرافت میں ہجو، طنز اور ظرافت کی تعریف و تشریح کی انہیں ترتیب وار Irony، Satire اور Humour کا مرادف بتایا اور ذہنی پراگندگی و انتشار کے عوض سمجھ کی روشنی دکھائی۔ میر کی مثنوی معاملات عشق کی اہمیت بتائی اور مرزا شوق لکھنوی کی مثنویوں کی خوبیوں کی نشاندہی کی اور یہ افسوس ظاہر کیا کہ شوق کی ادبی جدت کی وہ قدر نہیں ہوئی جس کے وہ مستحق تھے اور نظیر کی طرف قارئین کی خصوصی توجہ منعطف کی، اس لئے نہیں کہ وہ عوامی شاعر تھا، بلکہ اس لئے کہ انہوں نے ایک طرف تو مسلسل اور قطعہ بند غزلیں لکھیں اور دوسری طرف انہوں نے نظموں کی راہ لی اور ربط و تسلسل کی طرف خاص دھیان دیا۔ اسی طرح اکبر کو ان کا جائز مقام دیا اور شوق کی دو نظموں 'عالم خیال' اور 'نیرنگ خیال' پر تفصیلی تجزیاتی تنقید لکھی اور بتایا کہ شوق نے ایک قسم کا اجتہاد کیا ہے جس کی مثال اردو میں کم ملتی ہے۔ پرانی لکیر کو چھوڑ کر انہوں نے نیا راستہ نکالا تھا۔ یہی ان کی جدت تھی اور اس کی جس قدر تعریف کی جائے کم ہے۔ اقبال کے 'ساقی نامہ' پر خصوصاً تفصیلی تنقید لکھی اور اس کے محاسن پر روشنی ڈالی اور پھر اقبال کی غزلوں کو بڑا کارنامہ کہا۔ جوہر کے خلوص کی نشاندہی کی اور حسرت اور فراق کو غزل گو شاعروں کی فہرست میں ان کا جائز مقام دیا۔ یہ مشتے نمونہ از خروارے ہے۔ کیا یہ سب تجزیہ تنقید تھی اور ان کے علاوہ اس بسیط پیمانہ پر تجزیاتی اور تقابلی تنقید کا نمونہ پیش کیا جو پیشتر کسی نے نہیں کیا تھا۔ یہ جو کچھ میں نے کہا ہے اس کا مقصد نہ تو اعتذار ہے اور نہ تعلی فقط حقیقت کا اظہار ہے۔

اب میں ایک بات اور کہہ دوں جس سے نہ صرف ادب شناسی کو سمجھنے میں آپ کو مدد ملے گی۔ بلکہ میرا تنقیدی نقطۂ نظر بھی واضح ہو جائے گا۔ یہ بات میں نے اپنے ایک مقالہ کچھ اصول تنقید میں

مقام دیا ہے جو ایک بڑے شاعر کا ہوتا ہے۔ یہاں ان کے ساتھ انصاف ہے یا نا انصافی نہیں لیکن کیا کیجئے کہ زمانے کے تقاضے سے مجبور ہو کر غالب نے بھی غزل کو اپنے تجربات کے اظہار کا ذریعہ بنایا اس نے تو وہی کہا جو ہونا تھا یعنی وہ اتنے بلند و بزرگ کارنامے نہ پیش کر سکے جو ان کے شان کے شایان تھے۔ مغربی نظم نہ سہی، اگر وہ نظیر کی طرح مخمس، مسدس، مثلث وغیرہ میں اپنے تجربات کو پیش کرتے تو ان کے کارنامے زیادہ وقیع، زیادہ رفیع، زیادہ وسیع ہوتے لیکن انہوں نے اس طرف توجہ نہ کی اور تنگنائے غزل ہی سے دل بہلاتے رہے۔ یہ چند مثالیں سرسری طور پر پیش کی گئی ہیں ورنہ ہر جگہ میں نے یہی دکھانے کی کوشش کی ہے کہ کیا ہے، کیا کمی ہے اور کیا ہونا چاہیئے۔

اس کے علاوہ اگر آپ اردو شاعری کو پڑھے، جھنجھلایئے نہیں تو آپ کو ان گنت تعمیری باتیں ملیں گی۔ جن کا میں سمجھتا ہوں کہ آپ کو احساس ضرور ہے لیکن آپ میرے چند جملوں سے اس قدر برافروختہ ہو جاتے ہیں کہ اور باتوں کو بالکل فراموش کر دیتے ہیں، آیئے دیکھئے:

میں نے شاعری کی اہمیت پر زور دیا اور اسے وہ مقام دیا جو شاید اسے اردو میں حاصل نہ تھا۔ پھر شاعری کی جامع تعریف پیش کی اور شاعر کی بھی۔ پھر تخیل کی اہمیت پر روشنی ڈالی اور قوت حاسہ کی اہمیت پر بھی جو اردو تنقید کے لئے نئی چیز تھی اور پھر یہ بتایا کہ نظم کیا ہے۔ اردو میں نظم کے لفظ سے یا تو:

رب کا شکر ادا کر بھائی   جس نے ہماری گائے بنائی

یا قصیدہ، مثنوی، مسدس وغیرہ کی شکل نظر کے سامنے آجاتی تھی اور آزاد اور حالی نے مغرب کے زیر اثر نظمیں لکھیں اور نظم لکھنے کی ترغیب دی لیکن ان کے ذہن میں نظم کا صاف و صحیح conception نہیں تھا۔ میں نے پہلی بار واضح طور پر بتایا کہ نظم کیا ہے اور یہ conception عام ہو گیا ہے، مجھے یاد آتا ہے کچھ عرصہ ہوا میں نے سوغات کے ایک خاص نمبر میں دیکھا کہ سید صاحب اور خلیل الرحمٰن اعظمی نے نظم سے متعلق وہی باتیں لکھی تھیں جو میں نے ۱۹۴۰ء میں لکھی تھیں۔

میں نے قطعوں کی اہمیت پر زور دیا اور باب دوم کا ایک حصہ اس کے لئے وقف کر دیا۔
غالب کا مشہور قطعہ:

اے تازہ واردان بساط ہوائے دل   زنہار اگر تمہیں ہوس نائے و نوش ہے

۲

آپ نے دیکھا کہ میرے ایک جملہ کا کیا شدید ردِعمل ہوا۔ "غزل نیم وحشی صنفِ شاعری ہے" یہ جملہ کوئی ۳۸ اڑتیس سال پہلے لکھا گیا تھا، لیکن لوگ آج تک اسے نہیں بھولے ہیں اور شاید جب تک اردو میں غزل لکھی جاتی رہے گی اس وقت تک یہ جملہ دلوں میں کھٹکتا رہے گا۔ یہی اثر ایک دوسرے جملے کا بھی ہوا، وہ جملہ جس سے "اردو تنقید" کی ابتدا ہوتی ہے: "اردو میں تنقید کا وجود محض فرضی ہے۔ یہ اقلیدس کا خیالی نقطہ ہے، یا عنقا کی موہوم کمر"۔ کسی نے کہا اس میں لطفِ زبان تو ہے، لیکن صحت نہیں۔ کسی نے کہا یہ مبالغہ ہے۔ کسی نے کہا یہ سنسنی خیزی ہے اور کچھ نہیں۔ لیکن اسے کیا کیجیے کہ میں تنقید میں لطفِ زبان سے دور بھاگتا ہوں، مبالغے سے پرہیز کرتا ہوں اور سنسنی خیزی میری سرشت میں نہیں۔ میں نے جو کچھ لکھا ہے سوچ سمجھ کر لکھا ہے، اس کے Implications کو جانچ پرکھ کے بعد لکھا ہے۔ لوگ کہتے ہیں کہ اگر اردو میں تنقید کا وجود محض فرضی ہے تو اس موہوم شے کو موہوم ثابت کرنے کے لئے میں نے تقریباً چار سو صفحے برباد کیوں کئے۔ لیکن ذرا سوچیے تو نئے اور پرانے تذکرے کتنے ہیں۔ برائے نام تنقیدیں کتنی ہیں۔ اگر آپ اس میز پر تذکروں کو ایک دوسرے کے اوپر رکھتے جائیں پھر آبِ حیات، گلِ رعنا، شعر الہند اور پھر شبلی و حالی اور حالی کے پیروؤں کی تصنیفوں سے علی سردار جعفری کی ترقی پسند ادب تک تو میں سمجھتا ہوں کہ یہ کتابیں اس میز سے اٹھتے اٹھتے چھت کو چھو لیں گی یعنی سوچیے تو جہاں ہزار صفحے تنقید کے نام پر سیاہ کر دیئے گئے ہیں اگر میں ۴۰۰ صفحوں میں یہ ثابت کرنے کی کوشش کروں کہ یہ تنقیدیں نہیں کچھ اور چیزیں ہیں، تذکرے ہیں، تعریفیں ہیں، تنقیصیں ہیں، رائیں ہیں، پُرلطف یا بے مزہ باتیں تو اس میں کونسی تعجب کی بات ہے اور میں نے اردو تنقید کے دوسرے اڈیشن میں یہ بات واضح کر دی تھی۔ دیکھیے:

اصولِ تنقید سے عدم واقفیت میں۔۔۔ جو بات بھی کہی جائے گی وہ تنقید نہ ہوگی رائے زنی ہوگی، ممکن ہے کہ بعض صائب ہوں لیکن یہ اتفاقی بات ہوگی۔

پہلی بحثی اور وہ یہ ہے : " نقاد کو اپنے دماغ کی کھڑکیوں کو کھلا رکھنا چاہیئے تاکہ اس میں نئے، تازہ، زندہ، زندگی بخش اور ان جانے خیالات بے تکلف سما سکیں۔ وہ خیالات جو دوسرے ادبوں اور کلچروں میں رواں دواں ہیں بقول آرنلڈ اپنے خیالات کے ذخیرے میں صحت مند اور تازہ خیالات کا اضافہ کرتے رہنا چاہیئے۔ کیونکہ وہی فیصلہ خود اعتماد ہے جو صاف، غیر جانبدار اور پُر از معلومات دماغ کرتا ہے۔ نقاد کو ہمیشہ علم تازہ علم کی پیاس چاہیئے۔ کیونکہ دنیا کے بہترین خیالات و تصورات و معلومات سے واقفیت ہی اسے آزادیٔ خیال عطا کر سکتی ہے اور آرنلڈ کے خیالات کو توسیع دے کر ہم کہہ سکتے ہیں کہ وہ تنقید مفید اور اہم ہے، جو دنیا کو روحانی اور دماغی مقاصد کے لئے ایک واحد مملکت سمجھتی ہے اور خصوصی اور مقامی اور عارضی رشتوں سے آزادی اختیار کر لیتی ہے۔ دنیا کے ادب، دنیا کے خیالات ایک ہے۔ اس کو مختلف حصوں میں تقسیم کرنا، مختلف قسم کی رکاوٹیں پیدا کرنا خودکشی کرنا ہے۔ اس مصنوعی تقسیم کا نتیجہ ہے کہ ہمارے فیصلے جزئی ہوتے ہیں، ہمارے خیالات کی دنیا تنگ ہو جاتی ہے اور ہم ایک قسم کی جامد دماغی اور روحانی نخوت کا شکار ہو جاتے ہیں جو غول بیابانی کی طرح ہماری تباہی کا سبب ہوتی ہے۔ کوئی شاعر، کوئی فن کار اپنا علاحدہ وجود نہیں رکھتا۔ اس کی صحیح قدر و قیمت اسی وقت معلوم ہوتی ہے جب ہم اسے دوسرے شعراء اور فن کاروں کی صف میں لا کھڑا کریں۔"

پانے کا سوال ہے ان تذکروں سے بہت زیادہ مدد نہیں ملتی، اگر تذکرہ نگاروں نے شعراء کی شاعری کو خود شعراء کے انفرادی یا اجتماعی شعور سے متعلق کرنے کی کوشش نہیں کی۔ اگر ان سے فلسفۂ نقد کے اہم اصول مرتب نہیں کئے جا سکتے، اگر ان اصولوں کی مدد سے ہم شاعر کے نہاں خانۂ دل میں جھانک کر نہیں دیکھ سکتے تو؟

آب حیات، گل رعنا، شعر الہند سے متعلق جو کچھ میں نے لکھا ہے اس سے غالباً لوگوں کو زیادہ اختلاف نہیں۔ یوں تو اختلاف ضرور ہے۔ چونکہ میری ہر بات سے اختلاف کرنا شیوۂ اہلِ نظر ہو گیا ہے۔ لیکن شاید میں نے پہلی بار بتایا کہ آب حیات، کی اہم خصوصیات، مثلاً عبارت آرائی، واقعہ نگاری، مبالغہ یہ چیزیں انہوں نے تذکروں سے سیکھی ہیں اور اس سے بھی کسی کو انکار نہیں کہ آزاد قیاس کے گھوڑے دوڑاتے تھے لیکن میں نے جب لکھ دیا کہ آب حیات کا اہم ترین عیب اس کی انشا ہے، تو کوئی صاحب بپھر گئے اور دانستہ میرے جملے کا غلط مطلب نکالا کہ میں آزاد کی زبان پر اعتراض کر رہا ہوں۔ حالانکہ اگر آپ پوری عبارت پڑھیں تو میرا مطلب بالکل واضح ہے۔ دیکھئے:

"ان کی عبارت آرائی دو خامیوں کا سرچشمہ ہے۔ ایک تو یہ ہے کہ نقاد اپنے موضوع کو پسِ پشت ڈال کر الفاظ کے حسن اور عبارت کی رنگینی میں جا پھنستا ہے اور دوسری خامی یہ ہے کہ اس قسم کے اسلوب میں خیالات اور ان کے مختلف پہلوؤں کو صاف محکم اور منطقی طور پر بیان کرنا ناممکن ہو جاتا ہے۔ آب حیات میں یہ دونوں خامیاں موجود ہیں۔ انشاء کے لحاظ سے یہ بلند پایہ ہو۔ کم سے کم اس کی شہرت اور عام مقبولیت کا سبب اس کی انشا ہے لیکن اسی وجہ سے اس کی تنقیدی اہمیت کم ہو جاتی ہے۔" مطلب بالکل صاف ہے کہ آزاد کی زبان تنقید کی زبان نہیں اور بس۔ بہرکیف 'گل رعنا' اور شعر الہند کو میں سمجھتا ہوں کہ اقرار کرے یا نہ کرے کوئی ان دونوں کتابوں کو تنقیدی کارنامہ نہیں سمجھتا۔

یہ تو پرانے تذکرے تھے اور میں نے ان میں جو تنقید ملتی ہے اسے ایک جملے میں مجمل طور پر بیان کر دیا ہے "یہ لفظ صحیح نہیں یہ محاورہ غلط ہے۔ یہ بحر ناجائز ہے بس یہی پرانی تنقید کی بساط ہے۔" لیکن اردو تنقید کے جس حصہ کا شدید ردِ عمل ہوا، وہ حالی سے متعلق ہے۔ وجہ وہی ہے جو میں نے پہلے لیکچر میں بیان کی تھی۔ یعنی یہاں عقیدہ یہ ہے کہ خطائے بزرگاں گرفتن خطاست۔ حالی بھی بزرگان ادب میں ہیں اس لئے ان کے خلاف کچھ کہنا کفر ہے اور چونکہ میں اس کفر کا مرتکب ہوا مجھے زمرۂ مومنین سے خارج سمجھا گیا تو بات یہ ہے کہ میں نے حالی کی اسی قدر تعریف کی جس کے وہ مستحق تھے اور شاید اس سے زیادہ تعریف ان کے مداحوں نے بھی نہیں کی

اگر آپ کشت کاری کے اصول سے واقف نہیں، تو آپ کسان نہیں بن سکتے۔ اسی طرح اگر آپ اصول تنقید سے واقف نہیں تو آپ نقاد نہیں بن سکتے۔ اُردو میں اصولِ تنقید کی ترتیب و تشریح ابھی تک نہیں ہوئی ہے۔ میں نے بتایا ہے کہ تذکروں میں کیا ہے اور کیا نہیں ہے: (۱) شعراء کا ذکر باعتبار حروفِ تہجی ہے اس لئے پراگندگی لازمی نتیجہ ہے (۲) شعراء کی زندگی ناکافی ہے، اس میں بے جا اختصار ہے، کبھی کبھار شاعر کا صرف تخلص ہوتا ہے۔ (۳) شعراء کی شخصیت کی تعمیر بھی ناکامیاب اور ناکافی ہے۔ (۴) تنقیدی حصہ بھی نہ ہونے کے برابر ہے۔ بہت سے شعراء ایسے ہیں جن کے کلام پر رائے زنی نہیں ہوتی۔ ان اجزاء کے علاوہ ادبی، سیاسی، معاشرتی، نفسیاتی نکتے بھی ملتے ہیں اور شعراء سے متعلق کچھ دلچسپ واقعات بھی جن کی اہمیت ان ادبی، سیاسی، معاشرتی، نفسیاتی نکتوں سے زیادہ ہے۔ تذکروں کا ایسا تفصیلی تجزیہ پہلے کسی نے نہیں کیا تھا اور کوئی یہ بھی نہیں کہتا کہ جو اجزاء میں نے بتائے ہیں ان سے زیادہ یا کم اجزاء تذکروں میں پائے جاتے ہیں۔ پھر بھی گلہ ہے کہ میں نے تذکروں کے ساتھ انصاف نہیں کیا ہے۔ میں نے خاتمہ میں لکھا ہے:

"تذکرہ نویس تنقید، ادب، شاعری سے کوئی لگاؤ نہیں رکھتے تھے۔ وہ شاعر ہوتے تھے لیکن کبھی اپنے فن اور فن کے پیچیدہ مسائل پر غور و فکر نہیں کرتے تھے اور کبھی کبھار غور و فکر کرتے بھی تھے، تو غور و فکر کا کوئی روشن نتیجہ نہ ہوتا تھا اور ان کے پیشِ نظر چند اصول تو تھے لیکن یہ اصول بہت محدود تھے۔ زبان اور عروض سے متعلق تھے۔ شاعری سے نہیں۔ شعر کی تعریف، زبان کی صفائی، محاوروں کی چستی، بندشوں کی درستی سے متعلق ہوتی تھی۔ صنائع اور بدائع اچھے سمجھے جاتے تھے۔"

اسی صورتِ حال کی وجہ سے میں نے کہا تھا کہ "تذکرے بیاضیں ہیں، تنقیدیں نہیں۔ ان میں بہت کچھ خام مواد ہے۔ جس سے نقاد کام لے سکتا ہے۔ اُردو شاعروں کے احوال، نقطۂ نظر، طرزِ معاشرت وغیرہ سے متعلق بہت کچھ لکھ سکتا ہے اس لحاظ سے یہ تذکرے مفید ہیں۔ لیکن اس افادیت کی وجہ سے انہیں تنقیدی کارنامہ سمجھنا صحت سے دور ہے۔"

یعنی تذکرے تنقید نہیں، اُردو شاعری کی تاریخ کے لئے Source Material ہیں اور یہی ان کی اہمیت ہے اور یہی میں نے کہا ہے اور جو میں نے لکھا ہے، وہی دوسرے بھی لکھتے ہیں۔ دیکھئے اردو تنقید کا پانچواں باب جس کا عنوان ہے "غلطہائے مضامین" اور احتشام صاحب بھی جو تذکروں سے متعلق کہتے ہیں اس کا منطقی نتیجہ یہ ہے: اگر تذکروں کا تنقیدی حصہ بہت کم ہو اور تشنہ ہے اگر یہاں تک اصول تنقید کا ...

اس کی تشریح کرتے ہیں، وہ کہتے تو ہیں کہ سادگی اضافی ہوتی ہے۔ لیکن جو سادگی کا معیار پیش کرتے ہیں وہ ہے کہ "خیال کیسا ہی بلند اور دقیق ہو، مگر پیچیدہ اور ناہموار نہ ہو اور الفاظ جہاں تک ممکن ہو محاورہ اور روزمرہ کی بول چال کے قریب قریب ہوں جس قدر شعر کی ترکیب معمولی بول چال سے بعید ہوگی اسی قدر سادگی کے زیور سے معطل سمجھی جائے گی۔" وہ یہ سوال نہیں اٹھاتے کہ شاعری ہمیشہ ان کی تعریف کے مطابق simple نہیں ہوتی۔ بات یہ ہے کہ یہ simple ہوتی بھی ہے اور نہیں بھی ہوتی ہے۔ مثلاً ورڈزورتھ کی یہ سطریں:

Will no one tell me what she sings ?
Perhaps the plaintive numbers flow
For old, unhappy, far-off things
And battles long ago.
Or is it some more humble lay,
Familiar matter of today,
Some natural sorrow, loss or pain
That has been and may be again.

شیکسپیر کی یہ سطریں جب King Lear ٹریجڈی کے نقطۂ عروج پر کہتا ہے۔

Pray you, undo this button. Thank you sir

ملٹن کی نظم Comus سے Comus کی مشہور تقریر کی یہ سطریں لیجئے جس میں وہ Lady اپنے دام تزویر میں پھنسانا چاہتا ہے۔

Wherefore did Nature poure her bounties forth
With such a full and unwithdrawing hand,
Covering the earth with odours, fruits and flocks
Thronging the seas with spawn innumerable
But all to please and sate the curious taste

سے دیکھئے :

"اردو تنقید کی ابتدا حالی سے ہوتی ہے ۔۔۔ حالی نے سب سے پہلے جزئیات سے قطع نظر
بنیادی اصول پر غور و فکر کیا۔ شعر و شاعری کی ماہیت پر کچھ روشنی ڈالی اور مغربی خیالات سے استفادہ
کیا۔ اپنے ماحول میں حالی نے جو کچھ کیا وہ بہت تعریف کی بات ہے۔ وہ اردو تنقید کے بانی بھی ہیں اور اردو
بہترین نقاد بھی۔ ان کی تاریخی اہمیت اظہر من الشمس ہے۔ ان کی نثر بلند پایہ ہے۔ ان کا خلوص زبردست۔

اور دیکھئے : "ان کا کارنامہ یہی ہے کہ وہ تا مقدور مغربی ادب سے استفادہ کرنے میں منہمک
ہو گئے اور جو کچھ اچھا یا برا، تھوڑا یا بہت انہوں نے سیکھا اس کو شرح و بسط کے ساتھ بیان کیا اور اس
روشنی میں اردو شاعری کو دیکھا اور اردو شاعری میں جو خامیاں نظر آئیں انہیں دور کرنا چاہا۔ یعنی جو بات
لوگ چاہتے تھے اور کہتے تھے اس کو انہوں نے عملی طور پر کر دکھایا اور یہی ان کی اہمیت ہے اور کسی میں یہ سکت
تھی کہ وہ ان باتوں کو اس تفصیل کے ساتھ بیان کرے اور ان کو اردو شاعری پر منطبق کرے" اور سنئے :

"دوسری بات یہ ہے کہ وہ کام کی باتیں کام کی زبان میں کرتے ہیں۔ حالی نے صاف اور سادہ طرز ادا ایجاد کیا
لیکن اس طرز میں بے رنگی نہیں، پھیکا پن نہیں۔ اس میں ایک لطافت ہے، ایک جاذبیت ہے، ایک
ہے اور پھر یہ تنقیدی مسئلوں پر بحث کرنے کے لئے موزوں بھی ہے ۔۔۔ حالی کی یہی خصوصیت ہے کہ انہوں
نے نثر کو اپنایا، یا اس میں کوشش کی کہ جو کچھ لطف ہو وہ صرف مضمون کے ادا کرنے میں ہو۔ جو اپنے دل میں ہو
دوسروں کے دل میں پڑے تاکہ دل سے نکلے اور دل میں بیٹھے۔ اور پھر اس نثر کو انفرادی خصوصیتیں عطا کیں اور
انفرادی رنگ میں جو کچھ وہ کہنا چاہتے تھے، اسے حسن و خوبی کے ساتھ ادا کیا اور یہی ان کی نثر کی ادبی اہمیت ہے"

شاید بیشتر حضرات کو تعجب ہوگا کہ میں نے یہ باتیں بھی کہی ہیں۔ لیکن یہ ساری باتیں اردو تنقید میں موجود
ہیں لیکن قارئین کی نظروں میں تو صرف ایک جملہ گھومتا ہے اور وہ یہ ہے : "خیالات ماخوذ، واقفیت محدود، نظر
سطحی، فہم و ادراک معمولی، غور و فکر ادنیٰ، دماغ و شخصیت اوسط یہ تھی حالی کی کائنات" اسی ایک جملے
سے قارئین اس قدر برہم ہو جاتے ہیں کہ وہ اور کسی بات کو سننے اور سمجھنے کے لئے تیار ہی نہیں ہوتے
اگر جو کچھ میں نے حالی سے متعلق لکھا ہے، اسے آپ غور سے پڑھیں، تو آپ بھی اس نتیجہ پر پہنچیں گے۔ ایک مثال
سے یہ بات واضح ہو جائے گی۔ حالی ملٹن کا قول نقل کرتے ہیں :

Poetry should be simple, sensuous and passionate

"آزاد و حالی کی کچھ مجبوریاں اور معذوریاں ہیں، وہ مغرب سے متاثر ہونے کے باوجود آگے بہت دور تک نہیں جاتے، کچھ تو اس لئے کہ ان کو شعری اصول تنقید سے واقفیت بہت کم ہے۔ کچھ اس لئے کہ وہ زندگی کے کسی شعبے میں بھی معمولی اصطلاحات سے آگے بڑھنا نہیں چاہتے تھے۔ آزاد تو بزرگوں کا ادب اس حد تک کرنا چاہتے تھے کہ جب ان کی خامیاں نکالنے کا وقت آتا تو ان کی زبان گنگ ہو جاتی تھی اور حالی پر ایک اخلاقی نقطۂ نظر اس طرح مسلط تھا کہ وہ کسی قیمت پر اس سے دستبردار ہونے کو تیار نہ تھے بلکہ شاید یوں کہنا بہتر ہوگا کہ انہوں نے شعر کی حسین دیوی کو اخلاق کی چٹان سے باندھ رکھا تھا اسی طرح (وہ) عملی تنقید کی طرف متوجہ ہوئے اور اپنے اپنے انداز میں انہوں نے مختلف شعرا کے کلام کا تجزیہ کیا حالانکہ سوا معمولی اشاروں کے کہیں بھی یہ شعرا کے خیالات کی بنیادوں یا شعور کے سرچشموں تک نہ پہنچ سکے اور نہ اسے واضح شکل میں زندگی کے میلانات سے متعلق کر سکے۔ تجزیہ کی یہ کمی ان علوم سے ناواقفیت یا سطحی واقفیت کی غمازی کرتی ہے تنقید میں جن کی ضرورت ہے۔"

میں ساری باتیں نقل کر کے آپ کا وقت برباد کرنا نہیں چاہتا لیکن جیسا کہ میں نے اردو تنقید میں لکھا ہے۔ احتشام صاحب کی باتوں کا ماحصل یہ ہے:

"آزاد، حالی، شبلی، مغربی اصولی تنقید سے واقفیت بہت کم رکھتے تھے۔ سوا معمولی اشاروں کے کہیں بھی یہ شعراء کے خیالات کی بنیادوں یا شعور کے سرچشموں تک نہیں پہنچ سکے۔ وہ ان علوم سے ناواقف تھے جن کی تنقید میں ضرورت پڑتی ہے۔ دوسرے نقادوں نے بھی ایسے اصول نہیں بتلائے جو شمع راہ بن سکیں یا جنہیں آگے بڑھنے کے لئے بنیاد بنایا جا سکے۔ سب اپنی اپنی جگہ پر چھوٹی یا بڑی چمکتی ہوئی چنگاریاں ہیں، جو شعلہ نہیں بنتیں۔ بعض باتوں کی طرف معمولی اشارے اور بات ہے اور مکمل یا واضح تجزیہ اور استدلال کی کسوٹی پر پورا اترنے والا تنقیدی نقطۂ نظر دوسری بات۔ اگر یہ سب باتیں صحیح ہیں تو کیا یہ کہنا ہٹ دھرمی نہیں کہ اردو تنقید کی ابتدا گذشتہ انیسویں صدی کے آخر اور بیسویں صدی کے ابتدائی حصے میں ہوئی۔ ان باتوں سے ایک ہی نتیجہ نکل سکتا ہے جدید تنقید میں معمولی اشارے البتہ ملتے ہیں لیکن استدلال کی کسوٹی پر اترنے والا تنقیدی نقطۂ نظر نہیں ملتا اور مکمل نقد واضح اور استدلال کی کسوٹی پر پورے اترنے والے اصول تنقید بھی نہیں ملتے یعنی اردو میں تنقید مشتق کا مبہم کرے ہے۔

And set to work millions of spinning worms
That in their green shop weave the smooth-haired silk
To deck her sons; and that no corner might
Be vacant of her plenty, in her own loins
She hutched the all worshipped ore and precious gems
To store her children with.

اس پر simple کا اطلاق نہیں ہوتا اور اگر حالی ان سطروں یا ان جیسی سطروں سے واقف ہوتے تو انہیں sensuous کے معنی سمجھنے میں کوئی دشواری نہ ہوتی اور وہ اس کا ترجمہ اصلیت نہ کرتے۔ اس کا مفہوم حسی یا حسیاتی ہے یعنی حواس خمسہ کی تیزی ہے۔ اردگرد کی چیزوں سے اثر پذیری کا نتیجہ ہے۔ جو اس مثال میں واضح طور پر موجود ہے۔

یہ ایک مختصر اقتباس ہے۔ لیکن اسے آپ خود سے پڑھیں، تو آپ پر sensuous کے معنی واضح ہو جائیں گے۔ جو حالی پر واضح نہیں تھے۔ یہ spawn یہ odours 'fruits and flock' اور خصوصاً innumerable

millions of spinning worms

That in their green shop weave the smooth-haired silk

tactile image جسے انگریزی میں smooth haired silk کہتے ہیں۔ اور ان سب کے علاوہ سونا اور جواہرات۔ غرض ان سطروں میں آپ کے حواس خمسہ کی انگیزش اور تشفی کے سارے سامان موجود ہیں اور ملٹن کی sensuous سے یہی مراد تھی اصلیت نہیں۔ اس کے علاوہ ان سطروں کو آپ simple بھی نہیں کہہ سکتے ورنہ simple کے لئے نئے معانی وضع کرنے ہوں گے۔
پھر اگر کہا جائے کہ حالی کے خیالات ماخوذ تھے، واقفیت محدود تھی۔ کیونکہ انہوں نے کسی سے ملٹن کا یہ جملہ تو سن لیا تھا، لیکن ملٹن کی نظموں تک ان کی رسائی نہیں تھی۔ نظر سطحی تھی وہ سنی سنائی باتوں کی سطح پر پھسلتی تھی ان کی تہوں کو ٹٹول نہیں سکتی تھی۔ فہم و ادراک معمولی اور غور و فکر ادنیٰ سے تھے ورنہ تہہ دار باتیں کہتے اور جو باتیں میں نے کہی ہیں وہی باتیں احتشام صاحب نے بھی آزاد و حالی کے متعلق کہی ہیں سنئے :

ہوں۔ میری تنقید تخریبی ہوتی ہے وغیرہ وغیرہ۔

ترقی پسند تحریک اور ترقی پسند نقادوں پر میں نے قدرے تفصیل سے کام لیا۔ یہ اس لئے کہ اس وقت ترقی پسند تحریک عروج پر تھی اور اس نے ہندوستان میں اودھم مچا رکھا تھا۔ اردو شاعری میں میں نے ترقی پسند نظموں کا مفصل جائزہ لیا تھا اور اس نتیجہ پر پہنچا تھا کہ ان میں چیخ پکار، نعرہ بازی، پروپگنڈا زیادہ اور شاعری کم ہے۔ اردو تنقید میں میں نے ان کے نظریوں کا جائزہ لیا اور ان کے کھوکھلے پن کو واضح کیا۔ اس پر ترقی پسند قسم کے لوگ برافروختہ تو بہت ہوئے لیکن کسی نے مفصل اور مدلل جواب دینے کی ضرورت نہ سمجھی اور میں سمجھتا ہوں کہ عام طور پر میری تنقید کو پسند کی نگاہوں سے دیکھا گیا۔ خصوصًا محمد احسن فاروقی نے اس باب کی تعریف کی، جس میں میں نے ترقی پسند تحریک سے بحث کی تھی اور کہا:

"وہ زمانہ دور نہیں جب کلیم الدین احمد صاحب کی رایوں کو مشاہدہ حرف بحرف ثابت کر دے گا۔"

اور بھی لوگوں نے اتفاق ظاہر کیا۔ بہرکیف میں نے ترقی پسند تحریک کے علاوہ کچھ ترقی پسند نقادوں پر بھی لکھا اور جو کچھ میں نے لکھا اس کا بظاہر ردعمل زیادہ نہیں ہوا شاید اس لئے میری باتیں زیادہ قارئین کے لئے قابل قبول تھیں۔ جن نقادوں پر میں نے لکھا تھا انہوں نے بھی جواب دینے کی ضرورت نہ سمجھی شاید اس لئے کہ جو کچھ میں نے لکھا تھا وہ ہرزہ سرائی تھی یا شاید اس لئے کہ مفصل اور مدلل اور منطقی جواب دینا ان کے بس کی بات نہ تھی۔ البتہ احتشام صاحب کا ردعمل ہوا۔ ہونا بھی واجب تھا۔ کیونکہ میں نے ان پر نسبتاً زیادہ لکھا تھا۔ کیونکہ میں انہیں ترقی پسند نقادوں کی صف میں زیادہ اہم سمجھتا تھا۔ لیکن یہ ردعمل سخت برہمی سے زیادہ نہ تھا، وہ لکھتے ہیں:

"میری تنقیدات پر سب سے زیادہ مفصل تنقید پروفیسر کلیم الدین احمد کی ہے۔ اپنے طنزیہ اور تحقیر آمیز انداز کی وجہ سے وہ بہت جلد اپنی طرف متوجہ کر لیتی ہے۔ کلیم الدین احمد نے جو کچھ میری تنقیدوں کے متعلق ارشاد فرمایا ہے اس کا خلاصہ یہ ہے کہ میں نے جو کچھ لکھا ہے وہ مارکس کا عطیہ ہے میرے پاس کہنے کو خود کچھ نہیں۔۔۔ مجھے صرف اتنا کہنا ہے کہ اگر یہ سارے الزامات صحیح ہیں اور میری تحریروں سے یہی نتیجہ نکلتا ہے، تو مجھے لکھنا پڑھنا چھوڑ کر کوئی اور کام سنبھالنا چاہیئے۔ لیکن ان کی ساری کتابیں اور سارے مضامین کچھ سیکھنے کے لئے اور اپنی اصلاح کرنے کے لئے بار بار پڑھتا ہوں، تو مجھے محسوس ہوتا ہے کہ ہم دونوں کی تخلیق بالکل دو طرح ہوئی ہے اور ہم کبھی ایک دوسرے سے ادبی مسائل کے متعلق متفق نہیں ہو سکیں گے۔ کچھ تسکین اس بات

کیا ہے۔ تاثراتی تنقید کی انگریزی میں ایک مشہور مثال Walter Pater کی ہے جس نے Leonardo da Vinci کی مشہور تصویر La Gioconda پر اپنے تاثرات بیان کیے تھے۔ کچھ جملے آپ بھی سنئے:

She is older than the rocks among which she sits; like the vampire, she has been dead many times, and learned the secrets of the grave; and has been a diver in deep seas, and keeps their fallen day about her, and trafficked for strange webs with eastern merchants and as Leda, was the mother of Helen of Troy, and as Saint Anne, the mother of Mary; and all this has been to her but as the sound of lyres and flutes, and lives only in the delicacy with which it has moulded the changing lineaments and tinged the eyelids and the hands.

یہ تنقید نہیں۔ اس سے صرف یہ معلوم ہوتا ہے کہ Pater اس تصویر سے متاثر ہوا تھا اور اس تصویر میں اس نے اپنے معانی پہنائے جن کا شاید وہم و گمان بھی مصور کو نہ ہوا ہوگا۔ یہی حال فراق اور حسن عسکری کا ہے وہ تنقیدیں نہیں کرتے اپنے تاثرات بیان کرتے ہیں اور ظاہر ہے کہ یہ تاثرات کچھ بھی ہو سکتے ہیں متعلق بھی اور غیر متعلق بھی اور ان کا جواز صرف ان کی شخصیت کے عناصر میں پایا جا سکتا ہے، یا لکھتے وقت وہ کس mood میں تھے۔ ظاہر ہے کہ اگر mood بدل جائے تو پھر رد عمل بھی بدل جائے گا اور جو چیز پہلے بھلی لگتی تھی وہ بری لگنے لگے گی۔ بہرکیف میں نے جو کچھ ان دونوں سے متعلق کہا اس کا شدید رد عمل ہوا۔ شاید اس وجہ سے کہ فراق زیادہ مشہور شاعر کی حیثیت سے ہیں نقاد کی حیثیت سے نہیں۔ رہے حسن عسکری تو ان کا کیا رد عمل ہوا اس کا مجھے علم نہیں۔ یوں عام طور سے یہ بات مزید کہی گئی کہ میں ہر شخص کا تمسخر کرتا

کا ذکر کیا گیا ہے۔ مختصراً یہ ان پر مبنی ہے۔"

۳۔ ذرائع پیداوار اور انسانی شعور کے عمل اور ردعمل سے زندگی آگے بڑھتی ہے۔

۴۔ لینن نے کہا ہے کہ طبقاتی شعور جبلی یا پیدائشی نہیں ہوتا بلکہ حاصل کیا جاتا ہے۔

۵۔ حقیقت کو اس کی مختلف شکلوں میں پہچاننے کے لئے ہر افسانے کے مواد کا مطالعہ سماجی معاشی رجحانات، طبقاتی تضاد اور جدلیت کی روشنی میں کرنا چاہیئے۔

۶۔ مادی انقلاب کے بغیر تہذیب کی قدریں نہیں بدلتیں۔

یہ مارکسی خیالات نہیں ہیں تو اور کیا ہیں اور یہ تو صرف ایک مثال تھی۔ اس قسم کی بہت سی مثالیں میں نے پیش کی تھیں۔ میری باتیں باد ہوائی نہ تھیں اور صرف احتشام صاحب ہی نہیں سب اسی مارکسی رنگ میں رنگے ہوئے ہیں۔ ایک رنگریز تھا اس کے پاس جب کوئی ساڑی رنگوانے کے لئے لے جاتا تو وہ کہتا اعوا رنگ بہت اچھا ہوتا ہے اور اسی رنگ میں ساڑیوں کو رنگ دیتا۔ تو ترقی پسند تنقید کا بھی ایک اعوا رنگ ہے۔

اب رہے سرور صاحب، تو میں انہیں بالقوہ سب نقادوں سے بہتر سمجھتا تھا۔ پھر وہ مشرقی ادب اور مغربی ادب پر عبور رکھتے ہیں۔ ان کو وہ وسعت نظر ہے جو آزاد، شبلی، حالی، عبدالحق کو میسر نہ تھی۔ اردو تنقید کو کیا کچھ نہ دے سکتے تھے، لیکن انہوں نے اس کی طرف وہ توجہ نہ کی جس کی یہ مستحق تھی۔ میں نے سرور صاحب پر بہت تفصیل سے لکھا تھا اور جو summing میں نے کی تھی وہ آج بھی ان پر صادق آتی ہے۔ سنئے:

"سرور صاحب غور و فکر کرتے ہیں لیکن غور و فکر سے سر میں درد ہونے لگتا ہے۔ وہ خیالات کی لطیف پھوار چاہتے ہیں۔ خیالات کی گولہ باری کو ایٹم بم کے زمانے میں برداشت نہیں کر سکتے ۔۔۔ وہ بھونرے کی طرح ہر پھول پر منڈلاتے ہیں لیکن پھول کے رس سے شہد نہیں بناتے۔ وہ دسترخوان کی مکھی ہیں شہد کی مکھی نہیں۔ ان کی تنقید میں خیال نہیں خیالوں کا رنگین غبار ہے۔ وہ شرافت اور مروت کا پہلے خیال کرتے ہیں اور بعد میں ادب کا۔ وہ ادب پر طائرانہ نظر ڈالتے ہیں، جزئیات پر زیادہ توجہ نہیں کرتے اور جزئیات سے زیادہ دلچسپی نہیں رکھتے۔ وہ جوش پر جوشِ بیان کو ترجیح دیتے ہیں۔ ان کا طرز بھی کام کی بات کا نہیں مزے کی بات کا ہے۔ کہیں کہیں ان کی تحریروں میں ابہام پیدا ہو جاتا ہے اور الفاظ کے طلسم میں حقیقت کا پہچاننا مشکل ہو جاتا ہے۔ ان کے اسلوب میں بھی ایک خاص شوخی ہے، اس میں خشکی بالکل نہیں

سے بھی ہوتی ہے کہ جن کی کسوٹی پر میر، غالب، سودا، مومن، جوش، فیض، فراق، کلیات حالی، شبلی، مجنوں، سردار سب ناقص ٹھہرتے ہیں ممکن ہے کہ اس کی کسوٹی ہی میں کوئی خرابی ہو اور اس نے لکھنے والے کے مافی الضمیر کو ہی سمجھنے کی کوشش نہ کی ہو یا نفسیاتی طور پر وہ ایک ایسی شخصیت رکھتا ہو جو متوازن اور صحت مند نہیں ہے بلکہ احساس برتری یا کمتری نے اسے مریض بنا دیا ہے۔ اس لئے خاص طور پر ان الزامات یا اعتراضات کا جواب دینے کی ضرورت نہیں محسوس ہوتی۔"

یہ بھی ظاہر ہے لیکن میں نے احتشام صاحب کی تنقیدوں کو حرف بہ حرف پڑھ کر اپنا مضمون لکھا تھا اور جو باتیں میں نے لکھی تھیں ان کے ثبوت میں ان کی تحریروں سے اقتباسات پیش کئے تھے اور ان اقتباسات سے جو نتیجہ نکلتا تھا وہی نکالا تھا ان میں اپنے معانی نہیں پروئے تھے۔ وہ خاص طور سے ان الزامات یا اعتراضات کا جواب دینے کی ضرورت محسوس نہیں کرتے۔ کیونکہ ان کے خیال میں میری شخصیت متوازن اور صحت مند نہیں ہے بلکہ احساس برتری یا کمتری نے اسے مریض بنا دیا ہے۔ جو "جواب" احتشام صاحب نے دیا ہے وہی جواب سارے نقاد دیتے ہیں، کیونکہ وہ جانتے ہیں کہ اس طرح وہ اپنی ذمہ داری سے آسانی سے عہدہ برآ ہو سکتے ہیں۔ انہیں point by point میری ہر بات کو پڑھنے، اس کو سمجھنے، اس پر غور و فکر کرنے اور پھر اسی طرح point wise جواب دینے کی زحمت اٹھانی نہیں پڑے گی۔

احتشام صاحب کہتے ہیں کہ جو کچھ میں نے کہا ہے اس کا خلاصہ یہ ہے کہ انہوں نے جو کچھ لکھا ہے وہ مارکس کا عطیہ ہے ان کے پاس کہنے کو خود کچھ نہیں؛ میں نے لکھا تھا: وہ جو کچھ کہتے ہیں مارکس کی زبان سے کہتے ہیں، جو کچھ دیکھتے ہیں مارکس کی نظر سے دیکھتے ہیں۔ اس کے بعد میں نے بلا تخصیص چھ مثالیں ان کی تحریروں سے پیش کی تھیں، وہ یہ تھیں:

۱۔ "زندگی کے بھیدوں کو سمجھنے کی طاقت اور انہیں فاش کرنے کا یقین اس وقت پیدا ہوتا ہے جب انسان شعوری طور پر سماج کی رفتار ارتقا اور فلسفۂ تغیر سے واقف ہو، مارکس کے فلسفے اور دوسرے فلسفیوں کے افکار میں ایک امتیازی فرق یہ ہے کہ اور لوگ فلسفے کی مدد سے محض دنیا کو سمجھنا چاہتے ہیں اور مارکس اس کی مدد سے دنیا کو بدلنا چاہتا ہے۔"

۲۔ "جس فلسفے نے کل طور پر دونوں کو الگ کر دیا ہے اور تغیر کا ایسا مادی اور سائنٹفک نظریہ پیش کیا ہے جس سے ہر جگہ ان کی شکلیں پہچانی جا سکیں، وہ مارکسزم ہے۔ اس وقت تک جس ادبی نقطۂ نظر

طرف وہ التفات نہیں جس کی یہ اپنی اہمیت کی وجہ سے مستحق ہے۔ شاعری کی کیا اہمیت ہے؟ اس کا انسان کے مختلف داخلی، دلی، روحانی، جسمانی اعمال سے کیا تعلق ہے؟ یہ کسی ذی شعور اور ذکی الطبع فرد کی زندگی میں کیا مرتبہ رکھتی ہے؟ ان مباحث پر کہیں صاف اور عمیق خیالات کا اظہار نہیں دستیاب ہوتا۔ خیالات اگر ملتے ہیں تو مثل زلف شام تاریک، جو عموماً مستعار لئے گئے ہیں اور بغیر توازن و تفرقہ یکجا بہم کر دیئے گئے ہیں۔ تنقید کی محیط و غائر نظر سے انہیں پرکھ سکے، اتنی بھی امید افزا صلاحیت کہیں رونما نہیں ہوتی۔ پھر وہ کہتے ہیں۔ یہ اردو کے نقاد کی ان سوالات کی بابت رایوں کی نہایت ہی صحیح تصویر ہے۔ پھر کلیم الدین صاحب مختصر طریقے پر ان سوالات کا جواب ایسا صحیح و صاف دیتے ہیں ویسا اردو میں کہیں اور نہیں ملتا۔ اس کے بعد وہ ایک لمبا اقتباس اردو شاعری سے پیش کرتے ہیں۔ آپ اسے اردو شاعری میں دیکھ سکتے ہیں۔ اس لئے میں اسے یہاں دہرانا نہیں چاہتا۔ اس کے بعد وہ کہتے ہیں "اس مختصر مگر جامع و واضح بیان کو پڑھ کر یہ محسوس ہوتا ہے کہ جن باتوں کو پیش کرنے میں آزاد، حالی، شبلی اور انگریزی کتابوں کا آنادگر مبہم ترجمہ کرنے والے مطلبین صفحوں پر صفحے سیاہ کر گئے یا کرتے ہیں ان کا منظر یہ ہے اور اس کو ایک سچا معلم ادب اس طرح پیش کر سکتا ہے اسی طرح وہ شاعر کی فطرت اور شاعری کے فن کو بھی واضح کرتے ہیں۔ اس لئے اردو شاعری پر ایک نظر کا باب (۱) اردو تنقید نگاری میں اپنا مثل نہیں رکھتا۔ اس کو غور سے پڑھنے کے بعد اس کے نظریئے پر جو کچھ اردو میں لکھا گیا ہے وہ مضحکہ خیز معلوم ہونے لگتا ہے"۔

کہنے کا مقصد یہ ہے کہ اردو شاعری میں صرف تجزیاتی تنقید ہی نہیں بلکہ اصولی باتیں بھی ہیں۔ وہ مشعر ہی ہیں۔ اس طرح اردو تنقید میں بھی میں نے صرف دوسروں پر منفی تنقید نہیں کی ہے بلکہ کچھ اصولی باتیں بھی کہی ہیں۔ پھر محمد احسن فاروقی کی زبان میں:

اسی طرح تنقید کی ماہیت اور اہمیت کے بارے میں بھی سارے معلمین نے طومار باندھ رکھا ہے۔ اس سب کو چھانٹ کر کلیم الدین صاحب اردو تنقید پر ایک نظر میں مختصر طور پر بنیادی باتیں صاف کر کے رکھ دیتے ہیں۔ وہ کہتے ہیں "مصنف کے مقصد کو سمجھنا، اس کے کارنامے کی قدر و قیمت کا اندازہ لگانا، پھر یہ دیکھنا کہ حصول مدعا میں اسے کہاں تک کامیابی حاصل ہوئی ان چیزوں کی طرف جو اصل تنقید ہیں کسی کا خیال بھی نہیں جاتا۔ سبحان اللہ ایک طرف تو استغفراللہ دوسری طرف بس یہی اردو تنقید کی بساط ہے اور پھر وہ تبلیغ ہی کا عمل ہے تنقید کیا ہے۔ تنقید کوئی کھیل نہیں جسے ہر شخص بآسانی کھیل سکے۔ یہ ایک فن ہے، ایک

پتہ نہیں بلاغت بھی ہے اور شاعرانہ لطف و انبساط بھی۔ وہ یقین اور بے یقینی کے درمیان ڈانواں ڈول ہوتے رہتے ہیں۔ تنقید کی آتشِ نمرود کا نظارہ دُور سے کرتے ہیں، اس میں بے خطر کود نہیں پڑتے۔ یہی وجہ ہے کہ ان کے لئے آگ گلزار نہیں بن جاتی۔"

سرور صاحب میری باتوں سے برہم نہیں ہوئے۔ کم از کم کبھی برہمی کا اظہار نہیں کیا۔ لکھا تو یہ لکھا، ہرچہ از دوست می رسد نیکوست۔ البتہ کبھی ان کو میری تنقید گلستاں میں کانٹوں کی تلاش نظر آئی اور کبھی ان کے خیال میں میری تیشہ زنی نے ایک قصر کو کھنڈر بنا دیا لیکن وہ یہ بھی لکھتے ہیں: "اردو تنقید میں کلیم الدین کی ایک خاص اہمیت ہے اور انہیں محض مغرب کا اندھا مقلد اور مارکسی تنقید کا کٹر مخالف کہہ کر ٹالا نہیں جا سکتا۔ کلیم الدین ایف آر لیوس کے شاگرد ہیں۔ لیوس کی طرح ان کے یہاں ادب کے ایک انسانی اور اخلاقی پہلو سے گہری شیفتگی ہے۔ ان کے یہاں Scrutiny کی close study یعنی گہرے اور غائر مطالعے کی روایت ہے اور اس کے ساتھ ایک ادعائیت اور بت شکنی بھی ہے، جو بعض اوقات ناگوار بھی ہوتی ہے لیکن ان کی انتہا پسندی سے چڑنے کے بجائے اگر ان کا سنجیدگی سے مطالعہ کیا جائے تو عالمی معیاروں کے مطابق ان کی اردو ادب کو پرکھنے کی کوشش مستحسن ہے۔"

بہرکیف میں نے اردو تنقید میں یہ دکھانے کی کوشش کی کہ اردو تنقید کی کیا بساط ہے اور اس میں کیا کمی ہے۔ کمی سب سے بڑی اس بات کی تھی کہ اس میں اصول کی تدوین نہیں تھی، اصولی باتیں کم تھیں اور جو تھیں وہ تشفی بخش نہیں تھیں۔ میں نے اپنی کتابوں میں تجزیاتی تنقید کے علاوہ برابر اصولی باتیں بھی کیں، کہیں تفصیل سے تو کہیں اختصار سے لیکن کیں ضرور اور جو کچھ عملی تنقید میں نے کی ان کے پیچھے چند واضح اصول کارفرما تھے۔ یہ محض باتیں نہ تھیں۔ دل خوش کن یا دل آزار بلکہ تفصیلی تجزیے تھے، پرکھ تھی، علامتیں تھے اور یہ سب کچھ بغیر اصول کے ناممکن تھا۔ محمد احسن فاروقی نے لکھا ہے: 'اردو شاعری پر ایک نظر' کے پہلے باب میں شاعری کی حقیقت، ضرورت، ماہیت، وغیرہ پر اختصار کے ساتھ جو کچھ کہا گیا ہے وہ اردو تنقید میں اہم اضافہ ہے۔ وہ پھر لکھتے ہیں: پروفیسر کلیم الدین اپنی تنقیدوں میں بنیادی امور پر بہت زور دیتے ہیں۔ مثلاً شاعری کی بابت کچھ سوالات حالی نے اٹھائے تھے اور ان کا جواب وہ کم علمی کی وجہ سے مبہم دے گئے ہیں۔ ان امور پر اب تک لوگ نہ معلوم کیا کیا لکھتے رہے ہیں۔ کلیم الدین صاحب نے اختصار کے ساتھ تمام باتوں کو 'اردو شاعری پر ایک نظر' کے پہلے باب میں ایسا صاف کر دیا ہے کہ شاعری کی ہندوستان میں [illegible] نہیں۔ ان کی

یاد ہوگا کہ اس سے پہلے حصے میں میں نے Eliot کے اس جملہ criticism is as inevitable as breathing کی تشریح کی تھی اور اس کی اہمیت بتائی تھی اور یہ بھی کہا تھا کہ شاید خود الیٹ کو اس جملہ کی معنی خیزی سے پوری واقفیت نہیں تھی۔ اس پر احتشام صاحب نے اپنی برہمی ظاہر کی تھی اور کہا تھا کہ میں نے خواہ مخواہ اس معمولی سے جملے میں اپنے معانی پرو دیئے ہیں۔ اور اب کوئی صاحب یہ بتا کر فخر محسوس کرتے ہیں کہ Eliot سے بہت پہلے Dryden نے کہا تھا To breathe is to criticise جیسے یہ کوئی revelation ہو۔ لیکن بات یہ ہے کہ نہ تو ڈرائیڈن اور نہ الیٹ نے اس بات کی وضاحت کی اور جو باتیں میں نے کہی ہیں وہ بالکل نئی ہیں۔ یہ اور بات ہے کہ آپ ان باتوں سے متفق نہ ہوں یا آپ انہیں لغو سمجھیں لیکن یہ تو آپ کو ماننا پڑے گا کہ یہ باتیں میں نے نکالی ہیں۔ ان کی خبر نہ تو ڈرائیڈن کو تھی اور نہ الیٹ کو تھی۔ اس کے علاوہ اس مضمون میں کئی حصے ہیں جن میں تنقید اور تعلیم، تنقید اور دماغی صحت، تنقید اور کلچر وغیرہ پر پہلی بار روشنی ڈالی گئی ہے اور یہ ساری باتیں نظریاتی ہیں، اصولی ہیں اور مجھے کہنے دیجئے کہ اردو تنقید کے لئے بالکل نئی ہیں۔ بات یہ ہے کہ میرا ارادہ فنِ تنقید پر ایک کتاب لکھنے کا تھا اور تنقید کیا ہے اس کتاب کا مقدمہ ہوتا۔ اصل موضوع پر آنے سے پہلے میں یہ بھی کہہ دوں کہ ایک اور تعمیری کام جو میں نے کیا وہ معیار میں تبصرہ کا نمونہ پیش کر کے۔ یہ نہیں کہ میں نے تبصرہ لکھنے کی ابتدا کی۔ لیکن پہلے تبصرے جو لکھے جاتے تھے وہ عموماً یا تو تقریظ ہوتے یا تنقیص یا کچھ گول قسم کے بیانات۔ میں نے پہلی بار یہ بتانے کی کوشش کی کہ تبصرہ بھی تنقید کی ایک شاخ ہے جو پڑھ کے لکھا جائے وہی تبصرہ ہے۔ جو غور و فکر کے بعد لکھا جائے وہی تبصرہ ہے۔ جس میں زیرِ نظر تصنیف کا تنقیدی تجزیہ ہے، وہی تبصرہ ہے، جس میں تصنیف کی جانچ پرکھ ہے، اس کی خوبیوں یا خامیوں کے متعلق فیصلہ ہے وہی تبصرہ ہے۔ چار تبصرے کافی اہمیت رکھتے ہیں۔ پہلا تبصرہ تھا پنڈت کیفی کی مثنوی 'جگ بیتی' پر۔ دوسرا عظمت اللہ خان کی کتاب 'سریلے بول' پر۔ تیسرا فراق کی مشہور کتاب 'اردو کی عشقیہ شاعری' پر اور چوتھا آصف علی صاحب کی 'پرچھائیں' پر۔ انہیں پڑھنے کے بعد معلوم ہوگا کہ تبصرہ بھی ایک فن اور مشکل فن ہے۔ 'نغمہائے گفتنی' کے ان حصوں کے بعد میں ایک تحریر کا ذکر کروں۔ ابھی بیگم صالحہ عابد حسین کی دعوت پر میں نے سیدین میموریل لیکچرز دیئے تھے۔ وہ لیکچر نئے۔ پہلا لیکچر نظریوں سے متعلق تھا جیسا کہ آپ جانتے ہیں الیٹ نے کہا ہے کہ ادبی تنقید کی دو حدیں ہیں [illegible]

مثالی بصیرت ایک فن ہی نہیں بلکہ ایک مشکل ترین فن ہے جس کی طرح اس کے بھی اصول و ضوابط اور اغراض و مقاصد ہیں۔ ادب و زندگی میں اس کی مخصوص اور قیمتی جگہ بھی ہے اسی لئے ہر شخص ایک نقاد کے فرائض کو انجام نہیں دے سکتا ہے نقاد شاعر و انشا پرداز کی طرح چند مخصوص اوصاف کا حامل ہوتا ہے جو اسے عوام سے ممیز کرتے ہیں۔ اسے فن تنقید کے ہر پہلو سے واقفیت ہوتی ہے۔ شاعر کی طرح وہ بھی ایک لطیف قوت حاسہ کا مالک ہوتا ہے اس کی نظر وسیع ہوتی ہے۔ وسعت نظر کا صرف یہ مفہوم نہیں کہ وہ بہترین ادبی کارناموں یا مختلف زبانوں کے ادب سے واقف ہو امر ضروری یہ بھی ہے کہ وہ جو کچھ بھی پڑھے اس سے متاثر ہونے کی صلاحیت رکھتا ہو۔ اپنے تاثرات کو محفوظ رکھ سکے اور انہیں دوسرے تاثرات کے ساتھ ترتیب دے کر ایک مرتب و مرکب نقش کامل تیار کر سکے۔ نقاد میں یہ طاقت ہوتی ہے کہ وہ شاعر کے دماغ میں سما کر اس کے تجربے کے ہر عنصر کو سمجھ سکتا ہو اور خود سمجھ کر دوسروں کو سمجھا بھی سکتا ہو۔ وہ اس کے تجربے کی قدر و قیمت کا اعلان کرتا ہے اور اس سلسلے میں اپنے ذاتی خیالات، جذبات اور رجحانات کو وقتی طور پر فراموش کر دیتا ہے۔ اس کے علاوہ وہ کہتے ہیں کہ یہاں بھی ایسی بات بتائی گئی ہے جس کو جانے بغیر تنقید نگاری کرنا کفر ہے۔ تنقید کی ماہیت کو سمجھنے اور سمجھانے کی کوشش ہمارے پرانے انشا پردازوں نے نہیں کی۔ دور جدید میں کچھ لوگوں نے کچھ معمولی انگریزی کتابوں کی بے تکی ترجمانی کی ہے۔ کلیم الدین صاحب کا بیان ان کی تنقیص کرتا ہے وہ پھر لکھتے ہیں۔ اردو تنقید پر ایک نظر میں بنیادی امور پر اس قسم کے بصیرت افروز بیانات ہر جگہ پر نظر آتے ہیں[؎] اور وہ بہت سے اقتباسات پیش کرتے ہیں لیکن میں ان اقتباسات کو پیش کر کے آپ کا وقت ضائع نہیں کروں گا۔ یہ بات بھی یاد رہے کہ یہ باتیں محمد احسن فاروقی نے اردو شاعری اور اردو تنقید کے پہلے ایڈیشن سے متعلق کہی تھیں۔ اردو شاعری کے تیسرے اور اردو تنقید کے دوسرے ایڈیشن میں بنیادی امور پر کچھ اور زیادہ تفصیل سے باتیں ملیں گی۔ شرط یہ ہے کہ آپ تعصب کی عینک اتار کر انہیں پڑھنے کی زحمت گوارا کریں۔

ان دونوں کتابوں کے علاوہ سخنہائے گفتنی کے بعض حصوں میں بھی میں نے اصولی باتیں کی ہیں۔ یہ مضامین معاصر میں وقتاً فوقتاً چھپتے رہتے تھے ان اداریوں کو دیکھئے جو میں نے خاص طور سے لکھے تھے جہاں کہیں کسی بنیادی امر پر باتیں کی گئی ہیں یا اپنے نقطۂ نظر کی وضاحت کی گئی ہے وہ مختصر ہیں لیکن خود طلب ہیں۔ اس طرح "فوریت" کیا ہے یا الفاظ اور شاعری میں بھی بنیادی باتیں ہیں اور پھر تنقید کیا ہے میں قدرے تفصیل سے تنقید کے معنی، اس کی وسعت، اس کی اہمیت پر روشنی ڈالی گئی ہے [illegible]

ایک لطف ہوتا ہے، ایک تازگی ہوتی ہے، ایک یکتائی ہوتی ہے، یہ خوبیاں روزمرہ کی باتوں میں نہیں ہوتیں۔ اگر شاعر وہی کہے جو ہم آپ کہہ سکتے ہیں، اگر اس کے تجربے ایسے ہوں جن سے ہم اپنی زندگی میں دوچار ہوتے ہیں تو پھر ہم اس کے شعروں کو کیوں سنیں۔ شعروں میں نئی باتیں ہوتی ہیں، کام کی باتیں ہوتی ہیں، پُرلطف باتیں ہوتی ہیں ان میں رنگین و دلکش تجربے ہوتے ہیں، جن سے دل و دماغ کو نئی گرمی اور روشنی ملتی ہے۔ جن سے زندگی بارونق ہو جاتی ہے۔ ہاں تو زیادہ سے زیادہ شعروں میں کوئی تاثر، کوئی احساس کوئی جذبہ ہوتا ہے۔ میں نے کہا کہ شاعر ہم آپ جیسا انسان تو ضرور ہوتا ہے لیکن کچھ غیر معمولی قسم کا۔ بے حسی سے اس کو قطعاً کا واسطہ نہیں وہ کسی حساس آلہ کی طرح تھرتھراتا رہتا ہے اور ہونے والے واقعات اس پر برابر اثر ڈالتے رہتے ہیں۔ یعنی قوت حاسہ کے ذریعہ اثرات و حسیات کی بارش ہوتی رہتی ہے۔ اس کے دل میں بوقلموں جذبات اور کوائف ابھرتے اور رنگین اور دلکش تجربات گزرتے رہتے ہیں۔ پھر میں نے بتایا ہے شاعر کے تجربوں کو وہ خیال کی صورت میں ہوں، ذہنی نقش کی صورت میں ہوں یا تاثر کی صورت میں ہوں کیسے جانچ پرکھ کی جائے، کیسے ان کی قدر و قیمت کا تعین کیا جائے۔ کیسے بھیڑ بکروں میں فرق کیا جائے۔ یہ بحث تقریباً ۴۴ صفحوں پر پھیلی ہوئی ہے اور ہر بات کے لئے مثالیں پیش کی گئی ہیں۔ شعروں کا تجزیہ کیا گیا ہے۔ تقابلی تنقید کی گئی ہے جنہیں آپ عملی تنقید میں دیکھ سکتے ہیں۔ جو باتیں کہی گئی ہیں ان کا خلاصہ یہ ہے

(۱) شعر میں ایک تجربہ ہوتا ہے، یگانہ و یکتا۔ یہ یاد رہے کہ شعری تجربہ ہے۔

(۲) یہ تجربہ کوئی خیال ہو سکتا ہے، کوئی ذہنی نقش ہو سکتا ہے یا کوئی احساس یا جذبہ۔

(۳) تجربہ اچھا بھی ہوتا ہے اور برا بھی، قیمتی بھی اور کم قیمت بھی۔

(۴) یہ تجربہ اگر خیال ہے تو اس میں نیاپن، باریکی، گہرائی، پیچیدگی لازمی شرطیں ہیں۔ اگر یہ چیزیں ہیں، تو اس تجربے سے ذہنی بصیرت میں اضافہ ہوتا ہے اور ذہنی انبساط حاصل ہوتا ہے، ورنہ نہیں۔ اگر خیال معمولی قسم کا ہے، پیش پا افتادہ ہے، شعرا کی عام ملکیت میں ہے، اس میں کوئی نئی بات نہیں ہو پاتی تو اس کی کوئی قدر و قیمت نہیں۔

(۵) اگر کسی ذہنی نقش میں (وہ تشبیہ و استعارہ کے روپ میں ہو یا آزاد ہو) نئی بات پیدا کی گئی ہو اس سے کام لیا گیا ہو، اس کے ذریعہ کوئی نئی بات کہی گئی ہو یا پرانی باتوں سے نئی بات نکالی گئی ہو، اگر اس میں احساس کی تیزی سے نئی جان ڈال دی ہو، یا وہ نقش نیا ہو جس کا شمار عام ملکیت میں نہ ہو۔ ان

کی تعریف نہیں۔ سوال یہ ہے کہ شاعری اور زندگی میں کیا تعلق ہے، زندگی اور سماج میں شاعری کی کیا جگہ ہے؟ میں نے پہلے مجرمیں انہی اصولی باتوں سے دست و گریباں ہونے کی کوشش کی ہے اور جو باتیں میں نے کہی ہیں ان سے آپ اتفاق کریں یا نہ کریں انہیں پڑھ لینے کے بعد آپ کو یہ کہنے کا حق حاصل نہ ہوگا کہ میں آرٹ یا ادب یا شاعری سے متعلق کوئی نظریہ نہیں رکھتا اور اپنا سارا وقت تجزیاتی تنقید میں صرف کرتا ہوں۔ یہ کہنے کا حق تو آپ کو اب بھی نہیں ہے۔ اگر آپ نے عملی تنقید پڑھی ہے مجھے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ جن لوگوں نے عملی تنقید پڑھی ہے انہوں نے بھی اس کے مقدمہ کو نہیں پڑھا ہے اور اگر پڑھا ہے تو اس کی طرف دھیان نہیں دیا ہے۔ حالانکہ اس کتاب کا اہم حصہ مقدمہ ہے۔ لیکن زیادہ سے زیادہ لوگ مقدمے کو نظر انداز کر دیتے ہیں اور کتاب کے متن پر سارا وقت صرف کر دیتے ہیں جس میں صرف تجزیاتی تنقید یا تقابلی تنقید ہے اور شاید یہ خیال بھی ان کے دل میں نہیں ہوتا کہ جو تجزیہ یا تقابل کیا گیا ہے وہ کس اصول کے پیش نظر ہے اور جو اصول پیش نظر رہے ہیں انہیں کی وضاحت مقدمہ میں کی گئی ہے۔ اگر مقدمہ نہ ہوتا تو کتاب کا بقیہ حصہ بے معنی ہوتا، اس کا کوئی جواز نہیں ہوتا۔ اس لئے میں کہوں گا کہ آپ متن کتاب کو بالکل بھول جائیں اور دھیان دیں تو صرف مقدمہ پر کیونکہ اگر میں نے اپنی دوسری کتابوں میں صرف تجزیاتی تنقید کی ہے (اگرچہ یہ درست نہیں جیسا کہ میں مثالیں دے کر ثابت کر چکا ہوں) تو یہ کوئی نہیں کہہ سکتا مقدمہ بھی صرف تجزیاتی تنقید ہے۔ سرور صاحب نے لکھا ہے کہ "میرے نزدیک ان کا سب سے بڑا کارنامہ عملی تنقید ہے"۔
انہوں نے اپنے اس خیال کی توجیہہ نہیں کی ہے لیکن غالباً وجہ یہی ہے کہ اس میں اصول تنقید کا واضح، معین، بسیط بیان ہے اور بیان ایسی صاف، سادہ آسان زبان میں ہے کہ سرسری طور پر پڑھنے والوں کو یہ گمان بھی نہیں ہوتا کہ کیسی تہہ دار، کیسی نئی (اردو تنقید کے لئے) کیسی فکر انگیز باتیں کہی جا رہی ہیں اور جو کچھ میں نے کہا ہے اس کی تلخیص یہ ہے۔

"دیکھنا یہ چاہئے کہ شاعر کیا کہتا ہے اور کیسے کہتا ہے۔ کیا یعنی مضمون = تاثر، ذہنی نقش یا خیال اور کیسا یعنی اسلوب = نقوش (تشبیہات و استعارات)، الفاظ، آہنگ، لب و لہجہ۔ ہر شعر ایک اکائی ہوتا ہے یعنی کیا اور کیسے مضمون اور الفاظ کچھ ایسے گھل مل جاتے ہیں، ان میں کچھ ایسا کیمیاوی تغیر ہو جاتا ہے کہ ان کے میل سے ایک نئی چیز بن جاتی ہے۔ دوئی وحدت میں تبدیل ہو جاتی ہے کہ [illegible]
اہم [illegible] کہ شاعر اپنے جذبے [illegible]

اہمیت ظاہر ہے۔ اگر الفاظ نہ ہوں تو شعر کا وجود بھی ممکن نہیں۔ کہہ سکتے ہیں کہ شعر خاص خاص لفظوں کا مجموعہ ہے لیکن یہ بھی یاد رکھنا چاہئے کہ لفظوں کا ہر مجموعہ شعر نہیں ہوتا۔ اگر ہم ان دو باتوں کو دھیان میں رکھیں تو تنقید کے کام میں بہت سہولت ہو جائے گی وہ دونوں باتیں یہ ہیں:

(۱) شعر خاص خاص لفظوں کا مجموعہ ہوتا ہے۔

(۲) لفظوں کا ہر مجموعہ شعر نہیں ہوتا۔

شعر تجربہ ہے، شعر میں تجربے کا بیان ہوتا ہے لفظوں کی زبانی۔ الفاظ تجربہ کو بیان کرتے ہیں، تجربہ میں اضافہ یا تبدیلی کرتے ہیں اور بذات خود تجربہ بھی ہوتے ہیں۔ کوئی خیال، ذہنی نقش یا احساس شاعر کو متاثر کرتا ہے۔ اس خیال، ذہنی نقش یا احساس میں زور وقوت ہوتا ہے لیکن وضاحت نہیں ہوتی۔ یہ کچھ مبہم اور غیر متعین سا ہوتا ہے۔ لفظوں میں جب کسی تجربہ کا بیان ہوتا ہے، تو اس میں وضاحت آجاتی ہے، اس میں اضافہ ہوتا ہے، تبدیلی ہوتی ہے، نئے نئے تجربے آتے ہیں اور اس کی پیچیدگی، رنگینی قدر و قیمت بہت بڑھ جاتی ہے گویا اس کی صورت کچھ اور ہو جاتی ہے۔ یہ سب باتیں کہی جا چکی ہیں لیکن ان پر بار بار زور دینا ضروری ہے۔ ورنہ شعر میں لفظوں کی جو جگہ ہے، جو اہمیت ہے، جو جادوگری ہے، وہ نمایاں نہیں ہو پاتی۔ جگر کا ایک شعر ہے:

تصور رفتہ رفتہ اک سراپا بنتا جاتا ہے وہ اک شے جو کبھی میں ہے مجسم ہوتی جاتی ہے

شعر میں کچھ اسی طرح کی بات ہوتی ہے۔ تجربہ رفتہ رفتہ لفظوں کی مدد سے سراپا بن جاتا ہے۔ جو چیز غیر مرئی تھی وہ مجسم ہو جاتی ہے۔

شعر میں لفظوں کی اہمیت کیا ہے اسے پوری طرح سے سمجھنے کے لئے دو متضاد حقیقتوں کو سمجھنا ضروری ہے۔ ایک طرف تو ہمیں یہ سمجھنا چاہیئے کہ لفظوں کی کوئی اپنی ادبی خصوصیت نہیں ہوتی وہ نہ تو حسین ہوتے ہیں اور نہ تو بدصورت، نہ تو خوشگوار ہوتے ہیں اور نہ مکروہ۔ لیکن یہ بھی ایک حقیقت ہے کہ شعری لفظ اور نثری لفظ میں فرق ہوتا ہے۔ آسمان زمین کا فرق ہوتا ہے۔ نثری لفظ چپٹا اور مفید ہوتا ہے اسے دوسری طرح سے بھی کام میں لایا جا سکتا ہے لیکن شعری لفظ آپ اپنا وجود ہے اور ایک دنیائے معانی اس میں پنہاں ہوتی ہے۔ ہر شعری لفظ غالب کے لفظوں میں گنجینۂ معانی کا طلسم ہوتا ہے۔ پھر ہر لفظ کا ایک پیکر ہوتا ہے۔ اسے پڑھتے ہیں تو اس کی ساخت کو ہم ذہن میں محسوس کرتے ہیں، سنتے ہیں تو ایک خاص پیکر کا احساس ہوتا ہے،

صورت میں سے کوئی صورت ہو نقوش کامیاب ہے ورنہ نہیں۔ یہ بات نقوش جو شاعری کے عام دائرہ اپنی کوئی خاص قدر و قیمت نہیں رکھتے اور اگر ان میں کوئی حد سے ایچ پیچ تاب ہے، وہ ادا کار صنعتیں ہیں تو ہم کوئی قدر و قیمت نہیں۔

(۶) اگر تجربہ کوئی احساس یا جذبہ ہے تو بے حسی، خامی، عمومیت، سطحیت، چھچھورا پن، سے بازاری قسم کا ہوتا ہے — یہ عیوب اس کی بے لطفی کا سبب بن جاتے ہیں۔ شرط یہ ہے کہ اس میں خلوص ہو ہو، سچائی ہو، تازگی ہو، لطافت یا تیزی ہو، شدت یا گہرائی ہو، پیچیدگی ہو۔ یعنی مختلف اجزا احساس اور جذبات کو ملا کر ایک نیا پیرہن بنایا گیا ہو۔ اس کیا کے بعد کیسے کی بات آتی ہے میں جیسا کہ میں نے کہا ہے چار اجزا ہوتے ہیں: (۱) نقوش (۲) الفاظ (۳) آہنگ (۴) لب نقوش بذات خود بھی اہم ہو سکتے ہیں اور ان کی اہمیت اس لئے بھی ہوتی ہے کہ ان سے کوئی خ دیا گیا ہے۔ لیکن ابھی زیر بحث یہ بات ہے کہ وہ کس کام آتے ہیں۔ شعر میں ان کی کاریگری کس قسم ہے۔ میں نے کسی جگہ کہا ہے شعری تجربہ کا بیان براہ راست نہیں بالواسطہ ہوتا ہے۔ اگر کہنا ہو کہ میں سویا ہو میری روح سوئی ہوئی تھی تو ورڈز ورتھ کہتا ہے میری روح پر نیند نے مہر لگا دی تھی اور نقش بیکار نہیں با یہ کوئی زیور یا آرائش نہیں ہوتا بلکہ تجربے کا جزو لاینفک ہوتا ہے۔ لیکن یہ کام آسان نہیں۔ کبھی یہ نقو بیکار نہیں ہوتے، کبھی یہ زیور یا آرائش کا کام دیتے ہیں۔ کبھی یہ بذات خود اہمیت اختیار کر لیتے ہیں یہ تجربے کا جزو نہیں بن پاتے اور اس کے حسن، اس کی لطافت اس کی پیچیدگی میں اضافہ نہیں کرتے میں نے مثالیں دے کر یہ باتیں واضح کر دی ہیں۔ نتیجہ یہی ہے کہ نقوش میں اگر کوئی خامی رہ جاتی ہے تو با خود اچھا ہوتے ہوئے بھی ان کا اثر، ان کا نتیجہ اچھا نہیں ہوتا۔ شعر میں وسعت کم ہوتی ہے اس لئے نقو زیادہ پھیلنے پھولنے کا موقع نہیں ملتا ہے اس لئے شعروں میں جو نقوش ملتے ہیں ان میں پھیلاؤ نہیں ہوتا نہیں ہوتی۔ نظموں میں پھیلاؤ کی صورت پیدا ہو جاتی ہے، پیچیدگی آ جاتی ہے اور جذبات کی رنگینی ا زرخیزی میں اضافہ ہوتا ہے۔

یہ تو نقوش کی بات ہوئی اب دیکھئے کہ دوسرے جزو کو لیجئے یعنی الفاظ۔ شعر لفظوں سے بنتا ہے شاعر کچھ کہتا ہے وہ خیال ہو، ذہنی نقش ہو یا تاثر ہو اور جو وہ کہتا ہے وہ لفظوں میں کہتا ہے اور لفظوں میں کہہ سکتا ہے۔ وہ رنگوں یا سروں یا پتھر سے کام نہیں لیتا اور نہ لے سکتا ہے۔ اس لئے شعر میں الفاظ

تک یہ لہجہ شاعر کی شخصیت پر منحصر ہے۔ شخصیت ہی کی بنا پر تجربوں کی تشکیل ہوتی ہے اور جس لہجہ میں شاعر بات کرتا ہے اس میں اس کی شخصیت کا پرتو نظر آتا ہے۔ میر کی شخصیت سودا سے مختلف تھی اس لئے ان کے ہوں میں مشابہت ممکن نہ تھی لیکن ابھی یہ فرق زیر بحث نہیں۔ بات یہ ہے شعر میں جن تجربوں کا بیان ہوتا ہے ان کی جذباتی سطح بدلتی رہتی ہے اور اس تبدیلی کا اثر لہجہ میں بھی نمایاں ہوتا رہتا ہے۔ کبھی لہجہ بلند ہوتا ہے تو کبھی دھیما ہو جاتا ہے، کبھی بات آہستہ آہستہ ہوتی ہے تو کبھی لہجہ میں تیزی آجاتی ہے کبھی نرمی ہوتی ہے تو کبھی کرختگی، کبھی شیرینی ہوتی ہے تو کبھی تیکھا پن غرض حرکت سے قطع نظر لہجہ میں تبدیلی ہوتی رہتی ہے جذبات کا مد و جزر برابر اثر ڈالتا رہتا ہے۔ میں نے کہا ہے تجربے کو ایک چشمہ سمجھئے۔ اس چشمے کا پانی ایک طرح سے نہیں بہتا۔ کبھی تیزی سے بہتا ہے تو کبھی آہستہ سے کبھی ایسا نرم سیر ہو جاتا ہے کہ جیسے تصویر آب ہو، کبھی ہلکی ہلکی لہریں چلتی ہیں، تو کبھی یہ لہریں بلند ہو جاتی ہیں اور کبھی بھنور کی کیفیت پیدا رہتی ہے کبھی ہلکے ہلکے بلبلے بنتے ہیں اور بگڑتے ہیں تو کبھی جھاگ کا ابھار ہوتا ہے، کبھی دھیمی دھیمی سرسراہٹ کی آواز آتی ہے، تو کبھی آواز کی لے تیز ہو جاتی ہے۔

میں نے تقریباً دو سو صفحوں کو چھ صفحوں میں سمیٹنے کی کوشش کی ہے لیکن اس سے بھی آپ کو اندازہ ہو سکتا ہے کہ میں نے اصول باتیں کی ہیں اصول منضبط کئے ہیں، کمی صرف یہ ہے کہ مثالیں میں نے صرف غزلوں سے دی ہیں۔ چونکہ میرا ارادہ دو اور جلدیں لکھنے کا تھا، جلد دوم میں قصیدوں، مثنویوں اور مرثیوں سے بحث ہوتی اور تیسری جلد میں نظموں سے لیکن اصول وہی ہیں جو میں نے پہلی جلد کے مقدمے میں بیان کئے ہیں۔ یہ حقیقت مثل روز روشن ہے کہ میں نے صرف دوسرے نقادوں پر نکتہ چینیاں نہیں کی ہیں بلکہ مثبت باتیں کی ہیں اور کیا ہونا چاہیئے یعنی اصول تنقید پر اس کتاب میں مفصل بحث کی اور دوسری کتابوں میں بھی اصولی باتوں سے متعلق اجمالی لیکن واضح اشاروں کی کمی نہیں۔

سوچتے ہیں تو آنکھوں کو' اندرونی آنکھوں کو' اس کا صوتی پیکر نظر آتا ہے۔ ظاہر ہے کہ ہر لفظ کا ایک پیکر ہوتا ہے اور یہ پیکر کئی پیکروں سے مل کر بنتا ہے۔ اس کی مختلف کیفیتوں کو اپنے حواس خمسہ کی مدد سے ہم محسوس کر سکتے ہیں۔ مرئی بھی اور صوتی بھی' اسے ہم چھو سکتے اور سونگھ بھی سکتے ہیں اور زبان و لب اس کی ساخت کا لطف بھی اٹھا سکتے ہیں۔ اس کے علاوہ ہر لفظ میں ایک مخصوص جوہر ہوتا ہے جو دوسرے لفظوں میں نہیں ہوتا۔ ممکن ہے کئی الفاظ ہم معنی ہوں لیکن ہر لفظ کی ایک انفرادی خصوصیت ہوتی ہے' جو اس کے مرادف لفظوں میں نہیں پائی جاتی۔ ہر لفظ کی اپنی ایک ذہنی اور جذباتی فضا ہوتی ہے' ہر لفظ کا ایک ذہنی پس منظر ہوتا ہے۔ ہر لفظ میں احساس کی ایک مخصوص لہر پوشیدہ ہوتی ہے لیکن احساس کی بے حسی' خیال کی کم نظری' تخئیل کی سستی کی وجہ سے گنجینۂ معنی تک رسائی نہیں ہوتی۔ نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ الفاظ چپٹے ہو جاتے ہیں۔ مختلف معانی گویا گھس کر ایک شکل کے بنا دیئے جاتے ہیں۔ ان کی انفرادیت مٹ جاتی ہے اور ان پر ایک قسم کی مفلسی سی چھا جاتی ہے۔ ان میں جو فطری رنگینی یا رنگینی ہے وہ مٹ جاتی ہے اور وہ مجلس شعر میں مفلس کی چراغ کی طرح شام ہی سے بجھے بجھے سے دکھائی دیتے ہیں۔ الفاظ کے بعد آہنگ کی باری آتی ہے۔ یوں تو شعر میں وزن ہوتا ہے لیکن وزن ایک ہوتے ہوئے بھی آہنگ مختلف ہو سکتا ہے۔ اس لئے وزن کی زیادہ اہمیت نہیں جو چیز اہم ہے وہ لفظوں کی موجِ خرام ہے۔ لفظوں کا چلتا پھرتا جلوس ہے وہ ہمیشہ بدلتا ہوا متحرک نظام ہے' جو ہمیشہ نئے نئے ڈھنگ سے حسن خرام کے نئے نئے جلوے دکھاتا رہتا ہے۔ انگریزی میں ایک لفظ ہے Rhythm یہ وزن نہیں کچھ اور چیز ہے وزن کو metre کہتے ہیں۔ اردو میں Rhythm کو آہنگ کہتے ہیں۔ دشواری یہ ہے کہ اردو میں آہنگ کا تصور ذرا مشکل ہے۔ بہت ممکن ہے کہ دو شعروں میں وزن ایک ہو لیکن آہنگ مختلف ہوتا اور ہو سکتا ہے۔ لفظوں کا رقص مختلف ہوتا ہے اور یہ فرق اس لئے ہے کہ لفظوں کے حروف۔ وہ حرف صحیح ہو یا حرف علت سب کی آواز الگ الگ ہے اور دو شعر یا دو مصرعوں میں حروف کا پیٹرن ایک نہیں ہو سکتا پھر لفظوں کا جو قدموں کا مجموعہ بنتا ہے اور یہ الفاظ کبھی آہستہ چلتے ہیں تو کبھی تیز تیز۔ کبھی بہکتے ہیں تو کبھی لڑکھڑاتے ہیں اور کبھی سنبھلتے اور رکتے رکھاؤ کا خیال رکھتے ہیں اس لئے نغمہ اور رقص دونوں لحاظ سے اثر پڑتا رہتا ہے۔

وزن' آہنگ حرکت کے بعد لہجے کی بات آتی ہے۔ انگریزی میں ایک لفظ ہے Tone اور شعر میں اس کی خاص اہمیت ہے۔ شاعر کچھ کہتا ہے اور اس کے کہنے کا ایک خاص لہجہ ہوتا ہے ایک

طلسم ہوشربا یا باغ و بہار، فسانۂ عجائب۔ یا گلزارِ نسیم تحریریں داستانیں نہ تھیں۔ میں نے جلد کے کچھ اشعار بھی نقل کیے ہیں جن کا پہلا مصرع ہے: لکھی جو لسے جاہ داستان عجب معرکے کی حکایتیں ہیں۔ اگر یہ باتیں ذہن میں رہیں تو بہت سے اعتراضات بے محل ثابت ہوں گے۔ دوسری بات یہ ہے کہ مجھے یہاں بھی یہ شکایت ہے کہ لوگ پڑھتے ہیں لیکن سمجھتے نہیں ہیں۔ چند جملوں کو متن سے الگ کر کے ان پر اعتراض کرنا اصولی طور پر غلط ہے۔ اگر کسی کو اختلاف ہو تو اسے پورے باب کو پڑھنا چاہیئے اور دیکھنا چاہیئے کہ وہ all of a piece ہے یا نہیں۔ اسی طرح جہاں میں نے عیاروں کو موجودہ زمانے کی secret service کہا ہے اس میں سے کسی ایک حصہ کو لے کر اعتراض کرنا درست نہیں۔ یہ تو درست ہے اور اس کا میں نے اعتراف بھی کیا ہے کہ داستان نویس کا تخیل پرزور ہے لیکن اس کا execution کمزور ہوتا ہے۔ اسی طرح میں نے کنگ آرتھر اور اس کے نائٹوں کا امیر حمزہ اور ان کے جانبازوں سے مقابلہ کیا ہے۔ اسے بھی لوگ سمجھ نہیں پائے ہیں حالانکہ معنی بالکل واضح ہے۔ دیکھئے "آرتھر محض ایک انگریزی بادشاہ نہیں وہ ایک مخصوص بہادر، مہذب، فیاض ہستی نہیں۔ وہ نیکی کا حامی ہے۔ دیو، اژدہے، بدکار نائٹ جن سے وہ جنگ آزما ہوتا ہے بدی کے مجسمے ہیں اور جو معرکے ہوتے ہیں وہ معنی خیز ہیں۔ ان میں نیکی اور بدی، روشنی اور تاریکی، سفیدی اور سیاہی کی کشمکش کا نقشہ کھینچا گیا ہے۔ یہی بات طلسم ہوشربا میں بھی ملتی ہے۔ امیر حمزہ اور ان کے سردار نیکی کے پتلے اور نیکی کے حامی ہیں۔ افراسیاب اور اس کے سردار و مددگار دراصل بدی کی طاقتیں ہیں اور نیکی بدی کی طاقتوں میں زبردست تصادم ہوتا ہے۔" [illegible] all of a piece ہوتا ہے۔ اس کے ایک حصے سے بحث کرنا درست نہیں۔ اب اسے کیا کیجیئے۔ مجھے نہ ہم تو فہم کا اپنی قصور تھا۔

بہرکیف۔ جیسا کہ میں نے کہا ہے کہ اس کتاب کو لوگوں نے نظرِ تحسین سے دیکھا۔ گرچہ اس کے بعض حصوں سے بہت بحث بھی ہوئے۔ یہاں چند صاحب جنہیں اس کتاب کی بعض باتوں سے سخت اختلاف ہے پھر بھی کہتے ہیں:

"اردو زبان اور فن داستان گوئی اردو داستانوں کے موضوع پر پہلا بھرپور تنقیدی کتاب ہے ——

[illegible] افسانہ میں داستانوں کے بارے میں

۳

"اُردو شاعری"، "اُردو تنقید"، "سخنہائے گفتنی" اور "عملی تنقید" کو آپ دیکھ چکے۔ اب "اردو زبان اور فن داستان گوئی" کو دیکھئے۔ اس کی میری نظر میں زیادہ اہمیت نہیں لیکن اسے عموماً نظر استحسان سے دیکھا گیا۔ یوں سرور صاحب نے لکھا "جادو پر ایمان کون لائے" اور گیان چند صاحب نے کچھ اعتراضات کئے جن میں کچھ غلط فہمی پر مبنی ہیں اور کچھ اختلاف رائے ہے جس کا انہیں حق حاصل ہے لیکن عام طور پر انہوں نے بھی اس کی تعریف کی ہے خصوصاً اس کے اسلوب کی۔ دو تین جملوں سے یہ بات واضح ہو جائیگی۔

(۱) کلیم الدین صاحب نے اس کتاب میں کئی جگہ انسانی نفسیات اور سماجی زندگی کی ایسی حسین حقیقتیں واشگاف کی ہیں کہ انہیں پڑھ کر وجد آتا ہے۔

(۲) دو تین مثالوں سے قطع نظر کتاب زبان و بیان کے لحاظ سے بے داغ ہے۔ کلیم الدین احمد صاحب پر کوئی مقالہ لکھا جائے تو اس میں زیر نظر کتاب کو اہم مقام دینا ہوگا۔

(۳) کلیم الدین احمد صاحب کی اس کتاب نے داستان جیسی فرسودہ صنف کو اُردو ادب میں اس کا مقام دلایا۔ اس صنف پر یہ ان کا سب سے بڑا احسان ہے۔

بہر کیف۔ یہ تاریخی حقیقت ہے کہ اس کتاب کے خلاف وہ شدید ردعمل نہیں ہوا جیسا "اُردو شاعری" اور "اُردو تنقید" کے خلاف ہوا تھا۔ وجہ شاید یہ تھی کہ اس میں تخریبی یا منفی تنقید نہیں تھی مثلاً "غزل نیم وحشی صنف شاعری ہے" یا "اُردو میں تنقید کا وجود محض فرضی ہے" یہ اقلیدس کا خیالی نقطہ ہے یا معشوق کی موہوم کمر" جیسے کھٹکتے ہوئے جملے نہیں تھے۔ پہلے میں چند باتیں واضح کردوں جن سے کچھ غلط فہمیاں دور ہو جائیں گی۔ "فن داستان گوئی" تحقیقی کتاب نہیں۔ یہ اُردو کی اہم داستانوں کا تنقیدی تجزیہ ہے۔ دوسری بات یہ ہے کہ میں نے فارسی originals سے واسطہ نہیں رکھا ہے۔ صرف اُردو داستانوں سے۔ تیسری بات یہ ہے کہ میں نے کہا ہے کہ لکھنؤ میں داستان گوئی کا چرچا تھا۔ لیکن میں نے کہیں نہیں لکھا کہ

ڈوب سے شاداب کر دیں۔"

ان سطروں میں سے کچھ سطریں نقل کر کے گیان چند صاحب لکھتے ہیں:

"آخری دو اقتباسات میں انہوں نے ادب کے تغیرات اور قارئین ادب کی مزاج دانی کے مکمل ادراک کا ثبوت دیا ہے۔ پھر آخر کتاب میں وہ یہ تقاضا کیوں کرتے ہیں کہ آج کے قارئین افسانوں اور ناولوں کو چھوڑ کر (داستانوں میں) ڈوب جائیں۔"

میں نے کہیں یہ نہیں لکھا ہے کہ قارئین افسانوں اور ناولوں کو چھوڑ کر داستانوں میں ڈوب جائیں۔

جو میں نے لکھا تھا وہ یہ ہے:

"داستان کی جگہ پہلے ناول اور پھر مختصر افسانے نے لے لی ہے۔ اُردو داستان تو ختم ہو چکی اور ناول بھی دم توڑ رہا ہے۔ آج کل کچھ لوگوں نے ہمت کی ہے اور ناول کو موت سے بچانے کی کوشش کی ہے لیکن نتیجہ تشفی بخش نہیں۔ جہاں غزل کو بہترین صنف شاعری اور شعر مفرد کو شاعری کی معراج شمار کیا جاتا ہو، وہاں ناول جیسی مشکل صنف میں کامیابی معلوم! ناول کے لئے کچھ نہیں تو کافی طویل محنت اور دماغ سوزی کی ضرورت ہے اور طبیعت اس کی عادی نہیں۔ اس لئے کام میں ہر قسم کے جھول رہ جاتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ آج اردو میں سب سے زیادہ مقبول عام شئے مختصر افسانہ ہے۔ جو شہرت غزل کی تھی وہی اب افسانے کی ہے۔ جیسے پہلے لوگ غزل لکھتے اور پڑھتے تھے آج افسانے لکھتے اور پڑھتے ہیں .. .. .. اور ہمارے انشار پرداز اس صورت حال سے بظاہر مطمئن ہیں لیکن مجھے اطمینان کی کوئی وجہ نظر نہیں آتی۔"

یہ باتیں ۱۹۴۴ء میں لکھی گئی تھیں اور جو ناول اور افسانے اس وقت لکھے گئے تھے ان سے میں نے اپنی بے اطمینانی ظاہر کی تھی اور بس۔ جہاں تک داستان کا تعلق ہے میں نے صرف یہ کہا تھا — اور ان جملوں کو گیان چند صاحب نے حذف کر دیا تھا کہ "کوئی کامیاب فنی کارنامہ پرانا یا مردہ نہیں ہوتا ... ... داستان گوئی اب زندہ فن نہیں لیکن کامیاب داستانیں زندہ ہیں اور زندہ رہیں گی۔"

کسی پر اعتراض کرنے سے پہلے اس کی پوری باتوں کو سمجھ لینا چاہیے لیکن جہاں ریزہ خیالی میں فرصت والے خیالات کے گھنے جنگلوں سے نکلنا ناممکن نہیں تو دشوار ضرور ہو جاتا ہے۔

مختصر لکھا تھا اور فوق الفطرت داستانوں کو سراہا تھا لیکن کلیم الدین صاحب نے داستانوں کی اس شد و مد سے قدر شناسی کی کہ یہ کہنا غلط نہ ہوگا کہ ان کی کتاب کی اشاعت کے بعد ہی اُردو ادب میں صنف داستان کو اس کا جائز مقام حاصل ہوا۔ ان کے بعد اس موضوع پر کئی تحقیقی مقالے، کئی دوسری کتابیں لکھی گئیں جن میں سے بعض ابھی تک لباسِ طبع سے محروم ہیں۔"

ظاہر ہے کہ میں نے پہلی بار اُردو کے اس قیمتی سرمایہ کی طرف لوگوں کی توجہ کو مبذول کیا۔ جو سر گوشۂ گمنامی میں پڑا ہوا تھا اور جسے لوگ بھول چکے تھے یا بھول چلے تھے پھر اس سرمایہ کی خوبیوں اور خامیوں دونوں سے قارئین کو باخبر کیا اور یہ بھی کہا:

"داستانوں کا یہ سرمایہ کسی دوسری زبان کی داستانوں کے مقابلے میں بلا تامل پیش کیا جاسکتا ہے اور یہ بھی بلا تامل کہا جا سکتا ہے کہ یہ کسی دوسری زبان کے سرمایہ کے مقابلے میں ہیچ نہیں۔ لیکن یہ تو اُردو دنیا کا شیوہ ہے کہ اچھی چیزوں سے واقفیت نہیں اور کم قیمت چیزوں کی تشہیر کی جاتی ہے۔"

جہاں میں نے داستان کی خوبیوں کا بالتفصیل ذکر کیا ہے وہاں میں نے یہ بھی لکھا ہے:

"یہ فطرت کا قانون ہے کہ زمانے کے تغیرات کے ساتھ ہماری قدریں بدل جاتی ہیں اور نئی نئی چیزیں ہماری دلچسپی اور تشفی کا سامان ہوتی ہیں۔ ادب میں بھی یہی قانون جاری و ساری ہے۔ بعض صنفیں زمانے کے تقاضے کے مطابق پرانی ہو جاتی ہیں اور انہیں ہم پس پشت ڈال دیتے ہیں اور نئی صنفیں ایجاد کرتے ہیں۔ مثلاً ایپک اب کوئی نہیں لکھتا مدت سے یہ صنف ادب بے کار پڑی ہے۔ اسی طرح داستان گوئی بھی اب زندہ صنف ادب نہیں رہی۔ لیکن ہمیں یہ نہ بھولنا چاہیے کہ کوئی کامیاب فنی کارنامہ پرانا یا مردہ نہیں ہوتا۔ ہومر کی ایلیڈ، دانتے کی ڈوائن کومیڈی، شیکسپیر اور راسین کے ڈرامے آج بھی زندہ ہیں اور ہمیشہ زندہ رہیں گے۔ اسی طرح داستان نویسی اب زندہ فن نہ ہو لیکن کامیاب داستانیں زندہ ہیں اور زندہ رہیں گی۔ انہیں ہم مردہ سمجھ کر دفن نہیں کر سکتے۔ خصوصاً اردو ادب کا سرمایہ کچھ اتنا زیادہ نہیں کہ ہم ان داستانوں کو حقیر سمجھ کر انہیں ادب سے

، جائے۔ اب شگفتہ۔ ابتدا میں میں نے چند سطریں لکھ دی تھیں جس میں کریم کا قول نقل کیا تھا کہ کریم نے
تذکرہ کی تاریخ ترتیب غلط دی تھی۔ ۱۲۱۸ھ۔ اور میں اس سے واقف تھا، اسی لئے میں نے عکس
رہ کے آخری صفحہ کی عکسی تصویر دے دی تھی جس میں صحیح تاریخ ۱۲۱۹ھ صاف دی ہوئی تھی۔ سالہا سال
ہمارے دوست عطاء الرحمٰن صاحب نے غلطیہائے مضامین میں اس بات کی نشاندہی کی کہ کریم نے غلط
یخ دی ہے اور تصحیح ضروری تھی۔ اگر وہ آخری صفحہ کی عکسی تصویر دیکھ لیتے تو اعتراض کی ضرورت محسوس
ہیں کرتے۔ بات یہ ہے کہ اوڈیسس کی طرح میرے مخاطب وہی قارئین ہیں جنہیں میں سمجھتا ہوں کہ وہ میری
تیں غور سے پڑھتے اور سمجھتے ہیں اس لئے میں چھوٹی چھوٹی باتوں میں پڑنا نہیں چاہتا۔

اس سلسلے کی دوسری کڑی "دو تذکرے" ہے جس میں تذکرۂ شورش اور تذکرۂ عشقی کے انتخابات
آپ کے سامنے پیش کیا گیا ہے۔ یہاں ایک نئی راہ نکالی گئی ہے۔ مجھے تو نہیں معلوم کہ مجھ سے پہلے کسی نے
دو یا دو سے زیادہ تذکروں کو اس طرح پیش کیا ہو۔ سید حسن صاحب نے لکھا ہے :

"ابھی کلیم صاحب کی تنقیدی تالیفات کے متعلق لوگ بحث و مباحثے میں مشغول ہی تھے کہ یکایک تنقید کے میدان سے نکل کر تحقیق کے اسٹیج پر نمودار ہو گئے اور ان کی بغل میں ان کی نئی تالیف دو تذکرے تھی۔ یہ کتاب ان کا پہلا تحقیقی کارنامہ ہے اگرچہ اس میں تحقیقی مواد قدرے قلیل ہے لیکن اس کتاب نے تحقیق کی دنیا میں ایک نئی روش ایجاد کی جس کی اور بھی دوسرے محققین نے تقلید کی ہے۔ تذکرۂ شورش اور تذکرۂ عشقی کو ایک ساتھ اس طرح شائع کرنے کا کہ ایک شاعر کے متعلق دونوں تذکرہ نگاروں کے بیانات آمنے سامنے کے صفحوں پر ہوں۔ مقصد یہ ہے کہ دونوں تذکروں کے اختلافات نمایاں ہو جائیں اور قارئین خود فرق معلوم کر لیں۔ دونوں تذکروں کے زمانۂ تالیف میں تقریباً پچیس سال کا فاصلہ ہے۔ اس فاصلے نے کیا فرق پیدا کیا ہے اور دونوں تذکرہ نگاروں کے طرز نگارش اور موضوع کو پیش کرنے کے خاص طریقے کیا ہیں ان باتوں کی کلیم صاحب نے وضاحت نہیں کی ہے بلکہ انہیں خود قاری کو سمجھنے اور سوچنے کے لئے چھوڑ دیا ہے۔ اس کتاب کو مکمل تحقیقی کارنامہ اس لئے بھی نہیں کہہ سکتے کہ تذکرہ نگاروں نے کسی شاعر کے متعلق جو معلومات فراہم کی ہیں وہ کہاں تک صحیح یا غلط ہیں ان کو جانچنے کی کوشش نہیں کی گئی ہے۔"

میرے خیال میں "فنِ داستان گوئی" کی اہمیت تاریخی ہے اور کچھ تنقیدی بھی۔ تاریخی اس لئے کہ یہ اُردو داستانوں کے موضوع پر پہلی بھرپور کتاب ہے۔ تنقیدی اس لئے کہ داستانوں کے بہت ایسے گوشے جو تاریکی میں پڑے ہوئے تھے، وہ پہلی بار منور ہوگئے اور بہت سی ایسی باتیں جنہیں داستانوں کا عیب کہا گیا ہے وہ حسن نظر آنے لگیں۔ ایک دوسری اہم بات میں نے کہی تھی اس کی طرف افسوس کہ کسی نے توجہ نہ کی اور وہ یہ کہ اگر اُردو انشا پرداز داستان امیر حمزہ کی طرف توجہ کرتے تو انہیں بے شمار نقوش، تصاویر، تلمیحات پر دسترس ہوتی اور ان چیزوں سے مصرف لے کر وہ اپنی تصنیفوں کو سجا سکتے تھے۔ ہر زبان میں اساطیر اور داستانوں کا ایک ذخیرہ ہوتا ہے۔ شعراء اور انشا پرداز اس ذخیرے کی قیمتی چیزوں کو اپنے تصرف میں لاتے ہیں ...... یونانی اساطیر، یونانی دیوتاؤں اور دیویوں اور ان کی دلچسپ کہانیوں کا اثر یورپ کے ہر ادب میں نمایاں ہے۔ اُردو میں داستان امیر حمزہ خصوصاً طلسم ہوش رُبا سے یہی کام لیا جا سکتا ہے اور اگر مصرف لیا جاتا تو اُردو ادب اور اردو زبان میں ایک جان پڑ جاتی لیکن اردو ادب میں داستان امیر حمزہ سے گویا بالکل عدم واقفیت ظاہر ہوتی ہے شاید کہیں ایک آدھ مثال مل جائے۔ ع سینہ میرا غم گیتی سے عمرو کی زنبیل۔ لیکن یہ نہ ہونے کے برابر ہے۔ ایک عمرو کو لیجئے۔ ان کی صورت، ان کی زنبیل، گلیم عیاری، جال الیاسی، ان کا لحنِ داؤدی، ان کی حکایات اور خصوصاً ان کی حیرت انگیز عیاریوں سے ہم بیشمار نقوش و استعارے اختراع کر سکتے ہیں۔ ضرورت ہے کہ داستان امیر حمزہ سے مختلف قصے لے کر سیدھی سادی آسان زبان میں کامل اختصار کے ساتھ بچوں کے لئے لکھے جائیں۔ اس طرح یہ چیزیں ہماری زبان، ہمارے شعور میں رچ جائیں گی پھر بہ آسانی یہ ادب کا جزو بن جائیں گی۔

اب فنِ داستان گوئی کو یہیں چھوڑیئے۔ میں نے چار تذکرے بھی شائع کئے ہیں۔ پہلا دیوان جہاں ہے۔ اس کی شانِ نزول یہ تھی کہ میں پرنسپل پٹنہ کالج تھا۔ کسی صاحب کو ــــ اب نام یاد نہیں، اس کی ضرورت ہوئی اور کہا کہ اسے Royal Asiatic Society سے منگوا دیجئے۔ چنانچہ میں نے ان لوگوں کو لکھا اور انہوں نے بھیج دیا۔ میں نے بھی اسے دیکھا اور گرچہ اس میں کوئی خاص بات نہ تھی لیکن اس کا ہندوستان میں اور نسخہ Royal Asiatic Society میں تھا۔ میں نے سوچا اسے شائع کر دیا جائے۔ ان دنوں میں Current Studies نکالا کرتا تھا۔ چنانچہ میں نے اس کا ایک خصوصی ایڈیشن نکالا، نقل بصورت اصل کے طور پر شائع کر دیا۔ مقصد اس کے سوا کچھ اور نہ تھا کہ اس کا متن لوگوں کے سامنے

علاوہ علاوہ بھی شائع کر سکتا تھا اور میں نے قارئین کی سمجھ پر بھروسا کیا کہ جو فرق ہے وہ اسے خود دیکھ لیں گے۔ وہ شعرا کے حالات میں ہو، اشعار میں ہو، طرزِ نگارش میں ہو یا واقعات کو پیش کرنے کے طریقے میں۔ میری برابر یہ کوشش رہی ہے کہ جو کچھ میں لکھوں اس سے قارئین سوچنے پر مجبور ہو جائیں۔ یہ نہیں کہ جو بات کہی جائے اسے وہ بغیر غور و فکر مان لیں۔ میں نے قصداً یہ دکھانے کی کوشش نہ کی کہ ان تذکروں میں تذکرہ نگاروں نے کسی شاعر کے متعلق جو معلومات فراہم کی ہیں وہ کہاں تک صحیح یا غلط ہیں۔ یہ کوئی omission نہیں بلکہ ارادی ہے۔

اور سید حسن صاحب کو اس کی وجہ کا بھی تھوڑا بہت علم ہے۔ وہ لکھتے ہیں:

"درحقیقت کلیم صاحب نے سارے تذکروں کو جمع کر کے ان کے ذریعہ اردو شاعروں کا ایک ایسا تذکرہ تیار کرنے کا منصوبہ بنایا تھا جو سارے تذکروں کا نچوڑ ہو۔ ظاہر ہے کہ یہ تذکرہ کئی جلدوں پر مشتمل ہوگا۔"

سید محمد حسنین کو بھی میرے اس منصوبے کا علم تھا۔ لکھتے ہیں:

"ان کے شوقِ تحقیق کا ایک شاندار و بے مثال نمونہ تذکروں کا ایک نادر و نایاب گنجینہ ہے۔ ان کے پاس شعرائے ریختہ کے تقریباً کل معروف و گمنام قلمی زیرِ مطبوعہ تذکروں کا ذخیرہ جمع ہے۔ ان تذکروں کی دستیابی و فراہمی میں کلیم الدین نے حیرت ناک مستعدی دکھائی اور جانفشانی اٹھائی ہے۔ کچھ تذکروں کی عکسی نقلیں زرِ کثیر خرچ کر کے لندن اور برلن سے منگوائی ہیں۔ دو چار تذکرے ایسے بھی ہیں جنہوں نے ان کی نیند حرام کر ڈالی ہے۔ راتوں رات جاگ کر ان کی نقل اُتارنے میں کلیم الدین نے خاندانی اور پیدائشی کاتبوں کے بھی کان کاٹ دیئے ہیں۔"

مبالغے سے قطعِ نظر، میرا ارادہ تھا کہ سارے تذکروں کو اکٹھا کر کے ہر شاعر کے جو حالات مختلف تذکروں میں ملتے ہیں انہیں ترتیب وار جمع کر دیا جائے ــــ اور ان کے شعروں کو بھی۔ اس طرح اگر آپ یہ جاننا چاہتے کہ کسی شاعر سے متعلق تذکروں میں کیا معلومات ہیں اور ان کے کون سے اشعار نقل کئے گئے ہیں تو وہ بیک نظر آپ کو مل جاتے۔ پھر یہ بھی ارادہ تھا کہ چار پانچ جلدوں میں ان تذکرہ نگاروں کے حالات اور ان کے تذکروں پر مفصل تنقید بھی کی جائے اور یہ کام بہت آگے بڑھ بھی چکا تھا۔ تقریباً سارے مطبوعہ تذکرے اور قلمی تذکروں کی نقلیں یا ان کے زیراکس اسٹیٹ میں نے جمع کر لئے تھے اور ۵۰ فی صد کام ختم بھی ہو گیا تھا لیکن ۱۹۷۵ء کے سیلاب میں [illegible] تباہ ہو گئی وہاں۔ مسودے، فائلیں برباد ہو گئیں اور اب نہ اتنی

سید حسن صاحب نے میرا مقصد بھی ہمارا نہیں سمجھا ہے۔ میرا مقصد تحقیق نہیں تھا۔ میرا مقصد یہی تو تھا کہ "دونوں تذکروں کے اختلافات نمایاں ہو جائیں اور قارئین خود فرق معلوم کر لیں۔ دونوں تذکروں کے زمانۂ تالیف میں تقریباً پچیس سال کا فاصلہ ہے۔ اس لئے فطری طور پر اس فاصلے نے فرق پیدا کیا ہے اور پھر دونوں تذکرہ نگاروں کے طرزِ نگارش اور موضوع کو پیش کرنے کے خاص طریقوں میں بیّن فرق ہے۔ اس لئے میں نے ان کی تفصیل ضروری نہیں سمجھی بلکہ قارئین کے ذوقِ صحیح پر بھروسا کر کے ان باتوں کو انہی کو سمجھنے اور سوچنے کے لئے چھوڑ دیا ہے۔ یہ تحقیقی نہیں تنقیدی کارنامہ ہے اور اس میں محققوں کی عام ڈگر سے ہٹ کر الگ راہ نکالی گئی ہے اس لئے سید حسن صاحب کا یہ اعتراض غیر متعلق ہے کہ یہ مکمل تحقیقی کارنامہ اس لئے بھی نہیں کہ تذکرہ نگاروں نے کسی شاعر کے متعلق جو معلومات فراہم کی ہیں وہ کہاں تک صحیح ہیں یا غلط ہیں ان کو جانچنے کی کوشش نہیں کی گئی ہے۔

اس سلسلے کی چوتھی کڑی گلزارِ ابراہیم ہے اور بقول سید حسن صاحب کلیم صاحب کا یہ بھی اُردو ادب پر ایک بڑا احسان ہے۔ گلزارِ ابراہیم کو ایڈٹ کرنے میں البتہ کاوش کی گئی ہے۔ پہلے تو کلیم صاحب نے پورے تذکرے کو اپنے ہاتھ سے نقل کیا اور پھر دو قلمی نسخوں اور گلشن ہند سے مقابلہ کر کے اس کا متن درست کیا۔ اس کے مقدمے میں تحقیق سے خاصا کام لیا گیا ہے۔ اس تذکرے کی خصوصیات کی نشاندہی اور اہمیت کی طرف توجہ دلائی گئی ہے۔ یہ تذکرہ رسالہ معاصر کے دو خصوصی شماروں میں شائع ہوا ہے۔"

میں یہ بات واضح کر دوں کہ ان چار تذکروں کی اشاعت محض اتفاقی امر ہے۔ 'دیوانِ جہاں' کیسے اور کس مقصد سے شائع ہوا اس کی میں نے تشریح کر دی ہے۔ قاضی عبدالودود صاحب کی فرمائش پر میں نے تذکرۂ شورش اور تذکرۂ عشقی کی فوٹو اسٹیٹ کاپیاں پٹنہ یونیورسٹی لائبریری کے لئے منگوائی تھیں اور مجھے امید تھی کہ قاضی صاحب ان دو تذکروں کی طرف توجہ خاص کریں گے۔ جب انہوں نے اپنی دوسری مصروفیتوں کی وجہ سے توجہ نہ کی تو مجھے خیال ہوا کہ یہ دونوں عظیم آبادی تذکرے ہیں اور ان کی ترتیب میں تقریباً پچیس سال کا فرق ہے۔ میں نے یہ ترکیب سوچی کہ کیوں نہ مشترک شعرا کے حالات کو آمنے سامنے شائع کر دیا جائے۔ اس طرح شائع کرنے سے بہت سی باتیں واضح ہو جائیں گی جو انہیں الگ الگ پڑھنے سے واضح نہیں ہوتیں۔ اسی لئے میں نے یہ طریقہ اختیار کیا ... نہیں

پیش کیا شاہوں کی وہ حیثیت رہ گئی تھی کہ وہ Titular King رہتے اور ان کے سارے اخراجات انہیں ملتے رہتے۔ صرف سلطنت کے انتظامی امور Administration پر انگریزوں کا کامل دخل ہوتا۔ واجد علی شاہ نے تخت چھوڑنا پسند کیا لیکن اس Treaty پر دستخط کرنے سے انکار کر دیا۔ بات یہ ہے کہ کوئی شخص بالکل لچر نہیں ہوتا اور نہ کوئی شخص کامل ہوتا ہے۔ ایک لچر آدمی بھی جرأت با ہوشمندی کا کام کر سکتا ہے اور ایک بظاہر کامل آدمی سے بھی غلطیاں سرزد ہو سکتی ہیں اور جہاں تک دو سو بیویوں کا سروکار ہے تو ہندوستان کے راجاؤں، مہاراجاؤں اور نوابوں کے یہاں ایسی بہت سی مثالیں ملیں گی۔ آخر شرر نے دربار حرام پور کس لئے لکھا۔

بہرکیف! ان کتابوں سے زیادہ اہم میں تین مضامین کو سمجھتا ہوں جو ابھی کتابی شکل میں شائع نہیں ہوئے ہیں اور وہ یہ ہیں: (۱) تذکروں کی جنگ (۲) شاعروں کی نوک جھونک (۳) شاعر لوگ۔ میں نے کہا ہے کہ تذکروں میں شاعر کی زندگی، شخصیت، تنقید اور اس کے نمونۂ کلام کے علاوہ اور بھی دلچسپ باتیں ملتی ہیں جیسے سیاسی، تاریخی یا معاشرتی اشارے یا تصویریں اور ان کے علاوہ شاعروں کے متعلق بہت سے دلچسپ قصے بھی ملتے ہیں۔ لیکن لوگ تذکروں کی ورق گردانی کرتے ہیں اور ان سے اپنے کام کے اقتباسات لے لیتے ہیں۔ جو لوگ تذکروں کو ایڈٹ کرتے ہیں ان کی توجہ بھی ان باتوں کی طرف نہیں جاتی، یا جاتی ہے تو کم جاتی ہے، یا وہ ان کی اہمیت کو نظرانداز کرتے ہیں۔

سید حسن صاحب نے دو مقالوں کا ذکر کیا ہے۔ شاعروں کی نوک جھونک اور شاعر لوگ۔ غالباً پہلا مقالہ جو ان دو مقالوں سے پہلے شبخون میں شائع ہوا تھا ان کی نظر سے نہیں گزرا۔ یہ مقالہ مجھ سے مظہر امام صاحب نے لے کر شمس الرحمٰن فاروقی صاحب مدیر شبخون کو بھیج دیا تھا اور انہوں نے یہ بات نوٹ کی تھی کہ کسی نے اس طرح تذکروں پر نظر نہیں ڈالی ہے۔ یہ مقالہ اس وقت پیش نظر نہیں کیونکہ شبخون کی کاپی تو نذر سیلاب ہو گئی اور تلاش کے باوجود مجھے شبخون کا وہ شمارہ ابھی تک نہیں مل سکا ہے جس میں یہ مضمون شائع ہوا تھا۔ بہرکیف اپنی یاد کی بنا پر میں کچھ باتیں اس مقالے سے متعلق کہوں گا۔

میر نے نکات الشعراء کیا لکھی کہ اس کا ردعمل فوری ہوا اور تا دیر قائم رہا۔ بات صرف اتنی تھی کہ جہاں میر نے بہت سے شاعروں کی تعریف و تحسین کی تھی، وہاں انہوں نے بعض شعراء کی تنقیص بھی کی تھی۔ شفیق

حالت بگڑ رہی ہے اور نہ اتنی سکت باقی ہے کہ دوبارہ اس کام کو شروع کیا جائے ۔

سید حسن صاحب نے میری ایک اور کتاب کا ذکر کیا ہے وہ ہے تاریخ نور۔ وہ کہتے ہیں،

"کلیم صاحب کا ایک اور تحقیقی کارنامہ تاریخ نور کی اشاعت ہے جو معاصر کے ایک شمارہ میں شامل ہے۔ تاریخ نور سابق نواب اودھ واجد علی شاہ کے ان خطوط کا مجموعہ ہے جو انہوں نے اپنی محبوبہ نواب نور زماں بیگم کو لکھے تھے۔ کلیم صاحب نے اس کے دو نفیس نسخوں کی مدد سے یہ کتاب مرتب کی ہے اور اس میں ایک مقدمہ کا بھی اضافہ کیا ہے جس سے کلیم صاحب کے تحقیقی انداز نظر کا پتہ چلتا ہے۔"

سید حسن صاحب کے اس بیان میں ایک غلطی ہے۔ تاریخ نور میں نے اس کے "دو نفیس نسخوں کی مدد سے" مرتب نہیں کی ہے۔ تاریخ نور کے صرف ایک واحد نسخے کا مجھے علم ہے جو میری ملکیت ہے اور میں نے مسعود حسن رضوی صاحب سے بھی دریافت کیا تھا کہ ان کی نظر سے اس کا کوئی دوسرا نسخہ گزرا ہے یا نہیں۔ انہوں نے جواب دیا تھا کہ اس کا واحد نسخہ میں نے آپ ہی کے گھر میں دیکھا تھا۔ بات یہ ہے کہ 'تاریخ نور' خطوط کے دو مجموعوں کا نام ہے۔ پہلا مجموعہ تو وہی ہے جسے میں نے ایڈیٹ کیا ہے جس میں واجد علی شاہ کے وہ خطوط ہیں جو انہوں نے نواب نور زماں بیگم کو لکھے تھے۔ اسی نام کا دوسرا نسخہ خدا بخش لائبریری میں موجود ہے جس میں وہ خطوط ہیں جو نواب نور زماں بیگم نے واجد علی شاہ کو لکھے تھے۔ میرا ارادہ تھا کہ ان خطوط کو بھی شائع کر دوں اور اس کی نقل بھی محبوب حسین صاحب نے کی تھی لیکن بات یہ تھی کہ نواب نور زماں بیگم ناخواندہ تھی اور یہ خطوط اس کے لکھے ہوئے نہیں تھے بلکہ اس کی طرف سے اس کے رشتہ داروں نے لکھے تھے۔ اسی لئے میں نے اسے قابل توجہ نہیں سمجھا۔ ایک بات اور کہہ دوں۔ میں نے تاریخ نور کی ایک کاپی محترمی قاضی عبدالودود صاحب کو بھی دی۔ اس کے بعد دائرۂ ادب کی میٹنگ تھی، اس میں قاضی صاحب فرمانے لگے کہ واجد علی شاہ نہایت لچر آدمی تھا۔ اس کی دو سو بیویاں تھیں۔ میں نے کہا وہ لچر آدمی سہی لیکن جو کچھ اپنے مقدمے میں میں نے لکھا ہے وہ دستاویزی ثبوت پہ مبنی ہے۔ یہ کتاب مجھے ڈاکٹر کے۔ کے۔ دت سے ملی تھی اور یہ واحد کتاب واجد علی شاہ پر تھی جس میں ان دستاویزوں سے مدد لی گئی تھی اور اقتباسات پیش کئے گئے تھے جو آج بھی National Archives میں محفوظ ہیں۔ بات یہ تھی کہ انگریزوں نے واجد علی شاہ کے سامنے ایک new Treaty

متعلق وہ صرف اسی قدر لکھتے ہیں :

" فقیر سیراشارتش نمودہ و چشمے آب دادہ۔ حقاکہ دراں تلاش معنیٔ بیگانہ کردہ است وحرف آشنارا بروئے کار آوردہ۔"

انہیں نقطوں میں حشمت کا بھی ذکر ہوتا ہے اور جہاں سجاد کے کلام کا نمونہ گیارہ صفحوں میں پیش کیا گیا ہے وہاں میر کا صرف ایک مبتذل شعر نقل کیا گیا ہے۔

جب نکات الشعرا حیدرآباد پہنچی اور شفیق کی نظر سے گذری جو یقین کا مداح تھا۔ اس نے میر پر سخت اعتراضات کئے۔ تفصیل کی ضرورت نہیں، نکات الشعرا کا ایک ردعمل تذکرۂ شورش میں بھی ہے۔ ایک مختصر سے اقتباسات سے یہ بات ظاہر ہو جائے گی۔

" میر۔ شاعر بے نظیر محمد تقی میر تخلص شاگرد خانِ آرزو متوطن اکبرآباد فی الحال در شاہجہان آباد تشریف می دارد۔ خود فخر شاعران دہلی خود را می دانند چنانچہ در تذکرہ خود شعر شاعرانِ ہندوستانی غلط تلاش نمودہ، مرقوم ساختہ۔ اگر غلط بدست نیامدہ تاہم اعتراض بیجا و اصلاح خود جاری نمودہ در زندہ و مردہ کسے را بسلامت نہ گزاشتہ۔ بعضے اعزہ کہ از و مربوط بودند آں را محفوظ داشتہ۔ غرض عجب کسے است و در تذکرہ مذکور خود را سید نوشتہ اند۔ مردماں می گویند کہ شیخ است چنانچہ کسے گفتہ :

شیخ تقی نام ہو اور میر کہاوے

از وست :

سیر کے قابل ہے دل صد پارہ اس نخچیر کا جس کے ہر ٹکڑے میں ہو پیوستہ پیکاں تیر کا

در مصرع اول قطع اضافت درست داشتہ اند نزدیک شاعران دہر درست نیست :۔

یہ بھی ایجاد میر صاحب ہے

ازیں قبیل۔ نکات الشعرا کا ردعمل اور اس کے Reverberations آب حیات میں بھی ملتے ہیں۔ آزاد لکھتے ہیں : " دیباچہ میں فرماتے ہیں کہ اردو کا پہلا تذکرہ ہے اس میں ایک ہزار شاعر کا حال لکھوں گا۔ مگر ان لوگوں کا نام نہ لوں گا جن سے دماغ پریشان ہو۔ ان ہزار میں ایک بیچارہ بھی طعنوں اور ملامتوں سے نہیں بچا۔ ولی کہ بنی نوع شعرا کا آدم ہے اس کے حق میں فرماتے ہیں :

(۱) خاکسار۔ شعر ریختہ می گوید و خود را دور می کشد و بسیار سفلگی می کند بلکہ از نکستہ آں بنائے ریختہ را آب رسانیدہ۔

(۲) ثاقب۔ در ہمہ چیز دست دارد و ہیچ نمی داند۔

(۳) یک رو۔ دو سہ مرتبہ در مجالس ریختہ دیدہ ام باآنکہ بیگانہ از فن ریختہ بود لیکن خود را ہمہ داں می شمرد۔

یہ تو عام باتیں تھیں۔ میر خاص خاص نکتوں پر بھی اپنی رائے دیتے ہیں۔ مثلاً:

(۱) حاتم: دیکھو طور اس دور کا حاتم نہیں کی ترک شراب ۔ یاد کر کر سبز ردیاں کو وہ اب پیتا ہے بھنگ

میر لکھتے ہیں: در لفظ سبز رویان تامل کردن ضرور است زیرا کہ آشنائے گوش ہیچ مدلول نیست۔

(۲) محمد شاکر ناجی: دیکھ ہم صحبت کی دولت سے نہ رکھ چشم کرم ۔ لب صدف کے تر نہیں ہر چند گوہر آب ہیں

میر کہتے ہیں: بر متامل پوشیدہ نیست کہ پیش مصرع این چنیں می بائیست ع مت رکھے چشم کرم دولت سے اپنے خورد کی۔

(۳) یقین: مجنوں کی خوش نصیبی کرتی ہے داغ مجھ کو ۔ کیا عیش دے گیا ہے ظالم دوانہ پن میں

میر کہتے ہیں: اگر بجائے خوش نصیبی خوش معاشی می گفت این شعر بسیار بامزہ می باشد۔

اس قسم کے اور بہت سے اعتراضات تھے لیکن میر کا اصل جرم یہ تھا کہ انہوں نے یقین سے متعلق لکھا تھا کہ لوگوں کا خیال ہے کہ یقین کو مرزا مظہر جان جاناں غزلیں لکھ کر دے دیا کرتے ہیں اور یہ بھی لکھا تھا کہ یقین سے لوگوں نے غزل کہنے کی فرمائش کی لیکن وہ ایک شعر بھی موزوں نہ کر سکے۔

اس قسم کے اعتراضات سے ان شعرا کے احباب فطری طور پر برافروختہ ہوئے، خصوصاً یقین پر جو انہوں نے حملہ بول دیا تھا اس کا شدید ردعمل ہوا۔ اس کا فوری اثر یہ ہوا کہ فتح علی حسینی نے فوراً نکات الشعرا کا جواب لکھا۔ میر کا ذکر نہیں کیا لیکن روئے سخن میر کی طرف ہے کہتے ہیں کہ: "تذکرہ ہائے اخوان زمان" کے دیکھنے سے یہ پتہ چلتا ہے کہ ان کی تالیف کی علت غائی "خردہ گیری ہمسراں و ستم ظریفی با معاصر است" انہوں نے فیصلہ کیا کہ وہ بھی ایک تذکرہ لکھیں جس کی بنا انصاف پر ہو۔ بہرکیف مقصد جو کچھ بھی ہو ان کے تذکرے کی بنا نکات الشعرا پر ہے اور اکثر شعرا کے ترجمے انہوں نے نکات الشعرا سے نقل کر لیے ہیں اور اپنے دوست یقین کی تعریف مبالغہ آمیز طور سے کی ہے اور میر کے تذکرے کا جواب دینا چاہا ہے۔ میر سے

اگر آپ کولرج سے واقف ہیں تو آپ دیکھیں گے کہ یہاں کولرج کی خوبیاں اور اس کی کمزوریاں دونوں کا بے مثل بیان ہے اردو شعرا کی صورت حال کچھ اور ہے۔ اس مقالے کے آخر میں ساری بحث کا میں نے خلاصہ پیش کر دیا ہے۔ یہاں اس خلاصے کا بھی خلاصہ پیش کرتا ہوں۔

ولی اور ناصر کی نوک جھونک مشکوک ہے۔ مظہر جان جاناں اور آبرو کا معاملہ بھی کچھ یوں ہی سا ہے۔ ضاحک نے مظہر جان جاناں کی شان میں ہزل کہی۔ سودا نے البتہ جان جاناں کی زبان پر اعتراض کیا کہ یہ نہ فارسی ہے نہ ریختہ۔ ضاحک نے سودا کی ہجو کہی لیکن اس میں تنقید بس اسی قدر ہے۔ "فال کا قافیہ ہلال کرے۔ اور "بحر و تقطیع کی نہیں ہے خبر"۔ سودا نے قائم کی ہجو میں کام کی بات صرف یہ کہی۔ اس کی سات بیتوں میں "پانچ ہیں مبتذل بے معنی دو"، اور مکین اور اس کے متبعین پر اعتراضات کا خلاصہ یہ ہے کہ وہ تلازم الفاظ کے مہمل حد تک دیوانے تھے۔ ندرت کشمیری کی ہجووں میں اس کی زبان "لب و لہجہ" تلفظ پر اعتراض ہے لیکن سب سے زیادہ زور قلم سودا نے سبیل ہدایت میں صرف کیا جس میں ایک سالم دیوان کی بالتفصیل خامیاں دکھلائیں۔ میر کا میدان ہجو نہ تھا۔ بقا کی ہجو میں بھی ادبی نکتے نہیں ملتے البتہ جام کے ساتھ ساتھ کچھ چھینٹے سودا پر بھی پڑ گئے ہیں۔ بقا نے میر پر سرقہ کا الزام لگایا اور سودا اور میر پر اعتراض کیا۔

شعر سودا و میر کے دیکھے   وہ "تو" "تو تو کریں ہیں" یہ "میں میں"

مصحفی نے سودا کے خلاف خوب زہر اگلا — ان کی وفات کے بعد — سودا کم علم تھے فارسی دانی میں ناقص تھے۔ ان کی تعریف بازاریوں تک محدود تھی لیکن مصحفی نے خیالیں نہیں دیں اس لئے ان کی نکتہ چینی کوئی اہمیت نہیں رکھتی۔ سودا کے شاگردوں نے مصحفی کا جواب دیا ان کے شعروں پر اس قسم کے اعتراضات کئے جو اس زمانہ میں رائج تھے۔

مصحفی و انشاء میں سخت نوک جھونک ہوئی بلکہ جھگڑا نوک جھونک کی حد سے بڑھ گیا لیکن اس میں تنقید کا حصہ نہ ہونے کے برابر تھا۔ البتہ گردن والی غزل پر نکتہ چینی ہوئی۔ انشاء کی نکتہ چینی بس اسی قدر ہے:

بلوہ گو مدحت ہو لیکن ضرور کیا   خواہی نخواہی اس کو غزل میں کھپائیے

اور مصحفی کی بھی اسی قدر ہے:

"ہمہ شاعریست از شیطان مشہور تذکرے میر کی شخصیت کو بہت ناگوار بنا دیتے ہیں۔ ان کی خود پسندی، خود بینی، بدمزاجی تذکروں نے اس قدر اُچھالا ہے کہ میر کی شخصیت ناگوار اور بدنما ہو گئی ہے۔ ایک مثال:

"اگر یہ غرور اور بے دماغی فقط امرا کے ساتھ ہوتی تو معیوب نہ تھی۔ افسوس یہ ہے کہ اوروں کے کمال بھی انہیں دکھائی نہ دیتے تھے۔ خواجہ حافظ شیرازی اور شیخ سعدی کی غزل پڑھی جائے تو وہ سر ہلا نا گناہ سمجھتے تھے۔ کسی اور کی کیا حقیقت تھی"

اختصار کے باوجود بھی مضمون لمبا ہوتا جا رہا ہے۔ کہنے کا مطلب یہ ہے کہ تذکرہ گو بھی انسان تھے۔ ان میں انسانی کمزوریاں تھیں۔ آپس میں چشمکیں تھیں اور یہ چشمکیں تا دیر ہوتی رہیں۔

تذکرہ نگاروں کی طرح اور ان سے زیادہ شاعروں میں چشمکیں ہوتی رہیں۔ اس سلسلے کی دوسری کڑی کا میرا لمبا مقالہ شاعروں کی نوک جھونک ہے۔ جس میں میں نے یہ دکھانے کی کوشش کی ہے کہ انگریزی میں جہاں اس طرح کی نوک جھونک کا نتیجہ کوئی فنی کارنامہ ہوتا ہے یا کوئی گہری تنقید، اردو میں اس قسم کی چیز نہیں ملتی۔ مقالہ بہت طویل ہے۔ اس لئے میں صرف اپنے conclusions بیان کروں گا۔

شیلی نے Peter Bell the third لکھی اور اس میں کولرج اور ورڈز ورتھ پر طنز کی لیکن یہ طنز تنقید تھی۔ ایک مثال دیکھئے۔ یہ کولرج ہے:

He was a mighty poet-and
A subtle-souled psychologist!
All things he seemed to understand
Of old or new-of sea or land
But his own mind which was a mist

He was a man who might have turned
Hell into Heaven and so in gladness
A heaven unto himself have made
But he in shadows undiscerned
Trusted-and damned himself to madness

باتوں کا اشتہار ہوتا تھا اور بُری باتوں کی پردہ داری۔ نتیجہ یہ ہوا کہ بزرگوں کی خطاؤں، ان کی کمزوریوں پر پردہ ڈال دیا گیا۔ پھر بھی جب یہ خطائیں حد سے گذر جاتی ہیں، جب ان کی کمزوریوں کا گلی کوچوں میں چرچا ہونے لگتا ہے، جب کجروی اتنی بڑھ جاتی ہے کہ چھپائے نہیں بنتی تو اس کی طرف اشارہ ناگزیر ہو جاتا ہے۔ تذکروں کی ورق گردانی کیجئے تو ایسے ہی کچھ اشارے مل جاتے ہیں۔ ان اشاروں کو نظر انداز کرنا حقیقت سے گریز کرنا ہے۔ ان اشاروں سے پتہ چلتا ہے کہ ہمارے شعراء بھی "سیدھے اور تنگ رستے" سے بہت بھٹکتے رہے ہیں۔ اس بات کا احساس ہوتا ہے کہ فن کی ضرورتوں کو پورا کرنے میں ان کی شخصیتوں میں کیسے پیچ وخم پیدا ہو گئے ہیں وہ فن کے سہارے اُبھرتے ہیں، بلند پروازی کرتے ہیں اور پھر اسی فن کی بدولت قعرِ مذلت میں بھی گرتے ہیں۔

ایک میرؔ کو لیجئے۔ ان کی شاعری ایک ناقابلِ انکار حقیقت ہے۔ لیکن اس بات سے بھی انکار ممکن نہیں کہ میرؔ کی شخصیت میں بہت ساری ایسی کجرویاں تھیں جنہیں سراہنا مشکل ہے۔ ان کی بد دماغی اور نازک مزاجی افسانہ بن گئی تھی جس کی تفصیل کی ضرورت نہیں۔ میرؔ کو بھی اس بات کی خبر تھی:

ہے مجلسوں میں نام مرا میرؔ بے دماغ ۔۔۔ از بسکہ کم دماغی نے پایا ہے اشتہار

لیکن صرف یہی نہیں۔ کہتے ہیں کہ Genius اور دیوانگی میں حدِ فاصل بہت کم ہے اور میرؔ کے متعلق روایتیں ملتی ہیں کہ عنفوانِ جوانی میں وہ اپنے دماغ کا توازن کھو بیٹھے تھے۔ دوسری کجروی عشقِ سادہ رویاں تھی۔ میرؔ خاکسار کے منظورِ نظر تھے اور جن لفظوں میں وہ میر عبدالحی تاباںؔ کا ذکر کرتے ہیں ان سے ان کی افتادِ طبیعت کا پتہ چلتا ہے۔

شہروں میں جو عشقِ سادہ رویاں کی مثالیں ملتی ہیں وہ صرف رواجِ زمانہ کے مطابق نہیں۔ ان کی بنا حقیقت پر تھی۔ میرزا مظہر جانِ جاناں کی خانقاہ حسن وجمال بڑی پُر کیف تھی۔ ایک سے ایک حسین اور جمیل شاگرد اور حلقہ بگوش کا جمگھٹا رہتا۔ یقینؔ، فقیہہؔ، دردمندؔ، تاباںؔ تو ان کے منظورِ نظر ہی تھے۔ میر عبدالحی تاباںؔ معشوق عاشق مزاج تھے۔ بقول قاسم "آخر ہائے روزہا امردانِ شیریں ادا وسادہ رویانِ ملاحت آمادر خانہ وے بزور زیور آراستہ وپیراستہ می شوند وحسب الطلب امرائے قزلباش در حیا فہا نشستہ بشب مہمان می رفتند"۔ اور تاباںؔ خود بھی ایک سلیمان نامی لڑکے پہ عاشق تھے۔ میرزا محمد یارؔ، ذکرؔ، غلام احمد دوستؔ، ذکیؔ، رستمؔ، رسواؔ، رضاؔ، شوقؔ، تمکینؔ،

• گردن کو صراحی کے لئے وضع بنا لواں بے جلہ خم بادۂ انگور کی گردن

انشاء نے عظیم بیگ کے ایک مصرعے پر جو اعتراض کیا کہ دوسری بحر میں جا پڑا ہے : "بحر رجز ڈال کے بحر رمل چلے"، اس کا جواب عظیم بیگ سے نہ بن پڑا۔ جرأت اور نوا کے معارضے میں کوئی خاص نہیں۔ ناسخ و آتش میں بھی نوک جھونک ہوئی اور خوب ہوئی لیکن مفید نکتے نہیں ملتے۔ ناسخ کے متبعین نے بقول آزاد جو اعتراضات آتش پر کئے وہ کسی حد تک درست تھے لیکن ان کی نوعیت لفظی گرفت سے زیادہ نہیں۔ نمش، بیگم (بفتح کاف فارسی)، پیشگی وغیرہ۔ نصیر و ذوق میں بھی نوک لیکن نوعیت یہ تھی کہ سنگ میں آتش کا ثبوت چاہیئے، اس شعر میں روانی کا ثبوت نہیں ہے پھول بڑے میں ڈال کر نہیں بھیجتے، دونے میں ڈال کر زیادہ مناسب ہوگا۔ مومن پر بھی اعتراضات ہوئے کہ شمر کو شمرؔ نظم کیا اور نو عروساں کی نئی ترکیب استعمال کی۔ غالب کی مشکل پسندی پر خوب لے دے ہوئی۔ حکیم آغا جان عیش نے یہ قطعہ کہا:

اگر اپنا کہا تم آپ ہی سمجھے تو کیا سمجھے مزا کہنے کا جب ہے اک کہے اور دوسرا سمجھے
کلام میر سمجھے اور کلام میرزا سمجھے مگر ان کا کہا یہ آپ سمجھیں یا خدا سمجھے

اور غالب نے اس قسم کی ساری شکایتوں کا جواب ایک شعر میں دے دیا :

دستائش کی تمنا نہ صلے کی پروا گر نہیں ہیں مرے اشعار میں معنی نہ سہی

آپ نے دیکھا کہ شاعروں کی نوک جھونک میں کوئی خاص ادبی نکتے یا تنقیدی اشارے نہیں ملتے ان کی شخصیت پر البتہ روشنی پڑتی ہے جس کی تفصیل میں میں سر دست جانا نہیں چاہتا۔

اس سلسلے کی تیسری کڑی "شاعر لوگ" (تذکروں کی روشنی میں) ہے۔ اس مضمون کو پڑھ کر سید حسن صاحب نے کہا کہ آپ نے character assassination کیا ہے۔ حالانکہ میں نے جو کچھ لکھا ہے اسے حسب دستور تذکروں سے متعدد اقتباسات دے کر ثابت کر دکھایا ہے۔ میں نے کہا ہے کہ اردو شاعروں کی زندگی کے نجی واقعات نہیں ملتے یا ملتے ہیں تو اس قدر کم کہ نہ ہونے کے برابر۔ اس لئے جو حالات بھی مل جائیں ان کی اہمیت ظاہر ہے۔ اردو میں یہ شیوہ رہا ہے کہ خطائے بزرگاں گرفتن خطاست، اور پھر یہ بھی ہے کہ مُردوں کو خیر کے ساتھ یاد کرو اور جیسا کہ میں نے لکھا ہے : "طرز عمل کچھ اردو ہی تک محدود نہیں۔ انیسویں صدی تک یورپ میں بھی پردہ داری ہوتی تھی۔"[۱۱]

میر حسن، خواجہ حسن، احسن اللہ خاں احسن، شیخ ظہور الدین حاتم، فضائل علی خاں فضائلی، جرأت، مومن، شیفتہ، غالب؛ ان کے علاوہ نہ جانے کتنے عشق پیشہ، حسن پرست، عیاش، اوباش، رند مشرب گذرے ہیں۔ تفصیل کی ضرورت نہیں اشارے کافی ہیں۔ بوالہوسی کی طرح بادہ خواری کی مثالوں کی بھی کثرت ہے۔ عبدالحی تاباں کی ایک extreme مثال ہے لیکن تنہا نہیں۔ جرأت، سکندر، حاتم، رسوا، غالب، اقبال، وغیرہ وغیرہ۔ غرض اچھا شاعر اخلاقی نقطۂ نظر سے اچھا انسان نہیں تھا۔ جلوس شاعراں میں ہر قسم کے لوگ ہیں۔ امرد پرست، رند، عیاش، اوباش، قلندر، سر و پا برہنہ، اندھے، بہرے، پاگل، جذامی، مخنث، ہزال، غرض۔ گلہائے رنگ رنگ سے ہے زینت چمن۔

میں نے ان تین مضامین، "تذکروں کی جنگ"، "شاعروں کی نوک جھونک"، "شاعر لوگ" کا ذکر کچھ تفصیل سے اس لئے کیا کہ ایک تو وہ ابھی کتابی شکل میں شائع نہیں ہوئے ہیں۔ دوسری بات یہ ہے کہ یوں تو تذکروں کی ورق گردانی سبھی کرتے ہیں لیکن ان مضامین میں انداز نظر جدا ہے، طریق کار بھی جدا ہے اس لئے ان میں ایک قسم کا نیاپن ہے جو دلچسپی کا سبب بن جاتا ہے۔

تنقید کے سلسلے میں صرف ایک اور کتاب کا ذکر کروں گا اور وہ کلیات شاد کا اڈیشن ہے۔ پرانے شعرا کے دواوین یوں تو تحقیقی کام کرنے والوں کا تختۂ مشق ہیں۔ عموماً طریقۂ کار یہ ہے کہ کسی شاعر کے دیوان کے جتنے نسخے مل سکے انہیں اکٹھا کیا اور اختلاف نسخ کی بصد احتیاط حواشی میں نشاندہی کی۔ مجھے اس طریقۂ کار میں بہت کچھ سعیٔ لاحاصل معلوم ہوتی ہے۔ میرا خیال ہے کہ وہی نسخے اہمیت رکھتے ہیں جو شاعر نے خود لکھے ہوں یا جو اس کی نگرانی میں لکھے گئے ہوں، یا جو اس کی زندگی میں لکھے گئے ہوں یا زیادہ سے زیادہ جو اس کے قریبی دوستوں یا عزیز شاگردوں یا معاصرین نے لکھے ہوں یا ان کی نگرانی میں لکھے گئے ہوں۔ ورنہ ایسے نسخے جو نقل در نقل ہوں اور وہ بھی جو شاعر کی زندگی میں نہیں لکھے گئے ہوں ان کی کوئی خاص تحقیقی یا تنقیدی وقعت نہیں۔ یہ جانی بوجھی بات ہے کہ کاتب نقل کرنے میں غلطیاں کرتے ہیں۔ کچھ تو کام کی یکسانی کی وجہ سے طبیعت اکتا جاتی ہے اور sheer boredom کی وجہ سے توجہ بھی چوک جاتی ہے اور نظر بھی۔ کچھ اس وجہ سے بھی کہ ایک پورے دیوان کو نقل کرنے میں غلطیوں کا ارتکاب فطری ہے کاتب کا ہاتھ اور قلم

میر علی نقی کافر سپاہی، شاغل، فدوی لاہوری، شاہ وارث اللہ ہدایت، شاہ محمد واقف واقف، میر بھیکا، ثابت، محمد امام بخش دل، سید نور الحق منعم، خواجہ بخش منتظر، نور اللہ مرزا، میاں امانت۔ غرض کس کس کا نام لیا جائے۔ ظاہر ہے کہ عشق سادہ رویاں شہروں کی حدود سے گذر کر زندگی کا جزو بن گیا تھا اور لطف یہ ہے کہ تذکرہ نگار بھی اسے برا نہیں سمجھتے تھے۔ زیادہ سے زیادہ تذکروں میں ایسے حسین الفاظ اور ایسی رنگین عبارت کا استعمال ہوتا ہے جس سے لذتیت ظاہر ہوتی ہے۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ سب کے سب فراق کے ہمنوا ہیں۔

"اور امرد پرستی کے بارے میں آپ کا کیا خیال ہے کیونکہ خواہ آپ اسے غیر فطری کہیں، خواہ مکروہ اور ذلیل، خواہ آپ تعزیرات ہند کا سہارا لیں۔ یہ یاد رہے کہ جو لوگ امرد پرستی کے مرتکب رہے ہیں، وہ نہ تو خود جرائم پیشہ ہوتے ہیں، نہ ذلیل نہ رذیل، نہ کمینے نہ عام طور سے خراب آدمی ہوتے ہیں۔ بلکہ کئی امرد پرست تو اخلاق و تمدن اور روحانیت کی تاریخ کے مشاہیر رہے ہیں جیسے سقراط، سیزر، مائیکل اینجلو، سرمد، شیکسپیر، اور دنیا بھر میں جو لکھو کھا آدمی امرد پرست رہے ہیں، وہ نہایت شریف آدمی رہے ہیں۔"

اب ایک دوسری کجی کو لیجئے۔ سوسائٹی کا کچھ ایسا حال تھا کہ عشق اور ہوس پرستی میں کوئی فرق نہیں تھا جس طرح امرد پرستی کا رواج تھا اسی طرح ہوس پرستی عام ہو گئی تھی۔ یعنی ہر بوالہوس نے حسن پرستی شعار کی۔ اردو شاعروں کا معشوق بیسوا ہے اسی لئے اس کے چلن برے ہیں۔ جس قسم کے عشق کی رنگین داستانوں سے اردو شاعری بھری پڑی ہے وہ عشق extra-marital ہے۔ وہ غالب ہوں یا داغ، سبھی اسی عشق کی غزل خوانی کرتے ہیں:

غالب: مانگے ہے پھر کسی کو لب بام پر ہوس — زلف سیاہ رخ پہ پریشاں کئے ہوئے
اک نوبہار ناز کو تاکے ہے پھر نگاہ — چہرہ فروغ مے سے گلستاں کئے ہوئے

داغ: بھنویں تنی ہیں خنجر ہاتھ میں ہے تن کے بیٹھے ہیں — کسی کی آج آئی ہے جو وہ یوں بن کے بیٹھے ہیں
یہ اٹھنا بیٹھنا محفل میں ان کا رنگ لائیگا — قیامت بن کے اٹھیں گے بھبھوکا بن کے بیٹھے ہیں

اور صرف یہ شہروں تک محدود نہیں۔ یہ بوالہوسی زندگی کا جزو بن گئی تھی۔ میر مظفر علی آزاد، شیخ برکت اللہ فریاد، میر حسین حسینی، مولوی سر اللہ منعم، محمد عابد زخشاں، میر مہدی داغ، میر قمر الدین منت،

سے زیادہ اختلافات جو درج کئے گئے ہیں وہ دراصل اصلاحیں ہیں جو شاد اپنے شعروں پر کرتے رہتے تھے۔

"عام نقطۂ نظر کے مطابق شاعر محض ایک ساز ہے جس کے پردے وجدان کی ہوا سے بجتے ہیں۔ وہ نغموں کا خالق نہیں ہے، محض ایک حساس آلہ ہے، تشنۂ مضراب ساز ہے اور جس کی تشنگی کو وجدان اپنے من کی موج کے مطابق رفع کرتا ہے۔ یہ نقطۂ نظر حقیقت سے دور ہے۔ کم سے کم یہ پوری یا ادھوری حقیقت بھی نہیں۔ اگر شاعروں کے اوتکمل مسودوں کو دیکھا جائے تو یہ بات بیّن طور پر واضح ہو جائے گی کہ شاعر مجبور نہیں مختار ہے۔ وہ صرف وجدان پر بھروسا نہیں کرتا، بلکہ شعوری طور پر غور وفکر کرتا ہے، کاوش کرتا ہے، فنی نکتوں، بیان اور حسن بیان کی دشواریوں سے واقف ہوتا ہے۔ انگریزی شعرا کے بہت سے اوتکمل مسودے محفوظ ہیں اور انہیں دیکھنے سے ان کی ذہنی کاوشوں کی تصویر اجاگر ہو جاتی ہے۔ کیسے اور کتنے مرحلوں سے گذر کر نظمیں اپنی آخری کامیاب صورتوں تک پہنچی ہیں۔ الغرض شعر مسلسل ذہنی جد وجہد کا نتیجہ ہے۔ کلیات شاد سے اس حقیقت پر کافی روشنی پڑے گی۔ گرچہ سارا مواد نہ مل سکا لیکن جتنی اصلاحیں یا اختلافات حواشی میں درج ہیں۔ ان سے مسلسل شعری کوشش کا بخوبی اندازہ ہوتا ہے۔ اقبال نے کہا ہے۔ سعیٔ پیہم ہے ترازوئے کم وکیف حیات۔ کہہ سکتے ہیں کہ سعیٔ پیہم ترازوئے کم وکیف شاعری ہے۔ ان اصلاحوں کی اہمیت یہی ہے کہ ان سے ثابت ہوتا ہے کہ شاد سعیٔ پیہم کی اہمیت سے واقف تھے اور اس پر عمل بھی کرتے تھے۔ الغرض فن کارانہ حیثیت سے شعر کو انہوں نے اپنا آرٹ بنا لیا تھا۔ یہ نہیں کہ شاد آرٹ برائے آرٹ کے قائل تھے۔ لیکن شاعری کو وہ ایک ریاضت سمجھتے تھے۔ ریاضت، جانکاہی، ہنر یہ الفاظ (اور ایسے بہت سے الفاظ ان کے شعروں میں بھی ملیں گے) اس حقیقت کا بیّن ثبوت ہیں۔ ان میں بھی Tennyson کی طرح ایک قسم کا lapidarian discontent تھا۔ وہ تکمیل کے خواہاں تھے۔ خوب کو خوب تر بنانا چاہتے تھے۔ یہ اور بات ہے کہ کبھی ان کی کاوش کامیاب ہوتی تھی تو کبھی ناکام۔ لیکن ان کی اہمیت یہی ہے کہ وہ تکمیل کے متلاشی تھے اور ریاضت وجانکاہی کا خیر مقدم کرتے تھے۔

کلیات شاد کی حیثیت سنگ میل کی ہے۔ اس میں پہلی بار اس وسیع پیمانے پر مختلف نسخ نہیں بلکہ شاعر کی اپنے شعروں پر اصلاحوں کو، اس کی اپنے شعروں کو خوب سے خوب تر بنانے کی کوششوں کو یکجا کیا گیا ہے۔ دوسری اہمیت اس کی یہ ہے کہ اس حقیقت کو پایۂ ثبوت تک پہنچا دیا گیا ہے کہ

دونوں تھک جاتے ہیں۔ یعنی یہ غلطیاں غیر شعوری ہوتی ہیں۔ کچھ غلطیاں شعوری بھی ہوتی ہیں۔ یعنی کاتب قصداً تغیر و تبدل کر دیتے ہیں۔ خصوصاً پڑھے لکھے کاتب جان بوجھ کر شاعر کے کلام پر اصلاح کر دیتے ہیں۔ اس کے شعروں کو بہتر بنانے کی کوشش کرتے ہیں۔ ایسے اختلافات جو شعوری یا غیر شعوری طور پر کاتب کے زائیدہ ہوتے ہیں ان کی کوئی اہمیت نہیں اور ایسے اختلافات کو گنانا صرف وقت کی بربادی ہے۔ مثلاً خدا بخش لائبریری میں راسخ کے دو نسخے ہیں۔ میں نے ایک نسخہ دیکھا جو ان دو نسخوں میں سے ایک کی نقل ہے۔ اس نسخے اور اوریجنل نسخے میں کچھ اختلافات ہیں لیکن یہ اختلاف صرف کاتب کے سہو قلم کا نتیجہ ہیں اس لئے ان کی کوئی اہمیت نہیں۔ جب اوریجنل تک رسائی ممکن ہو تو پھر نقل کی طرف توجہ کرنے کی کوئی ضرورت نہیں۔ اکثر ایسا ہوتا ہے کہ کاتب مصرع کا مصرع بدل دیتا ہے۔ دو شعروں سے ایک شعر بنا لیتا ہے۔ الفاظ کا ردوبدل تو اس کے بائیں ہاتھ کا کرتب ہے۔ کاتب کی شعوری یا غیر شعوری تحریف کو نوٹ کرنا لاحاصل ہے۔ البتہ اگر اس بات کی نشاندہی کی جائے کہ کہاں کہاں غیر شعوری یا ارادی تحریف ہوئی ہے، تو وہ ایک مفید چیز ہو سکتی ہے۔ خیر یہ تو جملہ معترضہ تھا۔

کلیات شاد میں مجھے حسن اتفاق سے سید نقی احمد ارشاد سے چند قابل وثوق نسخے مل گئے۔ ایک تو کلیات شاد جلد سوم بخط شاد، دوسرا ناقص نسخہ دیوان اول ہے جس میں شاد نے پہلی بار اپنی غزلوں کو ترتیب دیا تھا۔ تیسری چیز بیاض شاد مملوکہ پروفیسر ذکی الحق تھی جس میں شاد کے مراثی کی اولین شکلیں ہیں، لیکن کچھ غزلیں بھی ہیں۔ چوتھا نسخہ ریاض عمر کے دو جز تھے۔ جو شاد نے خود شائع کئے تھے۔ لیکن دیوان دو جز سے آگے نہ بڑھ سکا۔ پانچواں نسخہ کلام شاد مع اصلاحات شاد۔ قاضی عبدالودود صاحب نے شاد کے منتخب کلام کی اشاعت کا ذمہ لیا تھا۔ یہ اس سلسلے کی پہلی کڑی تھی جس پر شاد بہت برہم ہوئے تھے اور اس کے ایک نسخے کو بقول خود خرید کر انہوں نے اصلاحوں سے رنگ دیا تھا۔ چھٹا نسخہ دیوان ضخیم ہے جسے شاد کے بھانجوں نے کل سات دیوانوں سے ملا کر اشعار ردیف الف کو مرتب کیا تھا۔ ساتواں مطبوعہ دیوان ناکمل مع فارسی دیباچہ ہے جس میں صرف آٹھ غزلیں ہیں۔ ان کے علاوہ وہ اصلاحات ہیں جو شاہ عطاء الرحمٰن صاحب نے شاد کی زبانی سن کر قلم بند کر لی تھیں۔ کہنے کی غرض یہ ہے کہ یہاں کاتب درمیان نہیں اور زیادہ

سال فروری میں میں نے میٹرک کا امتحان دیا تھا۔ محمد حسن صاحب اس کتاب پر ریویو کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

"ان کی ذاتی زندگی کی معمولی تفصیلات بھی یا تو سرے سے موجود ہی نہیں ہیں اور اگر ہیں تو بہت دب کر رہ گئی ہیں۔ مثلاً ان کی شادیوں کا تذکرہ صرف اس قدر ہے کہ دو شادیاں بھی ہوئیں اور کیمبرج کا ذکر صرف اتنا ہوا ہے کہ مجھے ۱۹۳۰ء میں اسٹیٹ اسکالر شپ مل گئی اور ستمبر میں ام۔اے کے امتحان کے بعد ہی انگلینڈ روانہ ہو گیا۔

اور وہ پھر لکھتے ہیں:

سب سے بڑی کمی یہ رہ گئی کہ کلیم الدین احمد کی ادبی رایوں کی تشکیل کا کچھ احوال اس آپ بیتی سے نہ کھلا۔ یہ مانا کہ قدیم بیاضوں سے ان کی ادبی پسند اور ناپسند کا کچھ سراغ ملتا ہے لیکن ادبی تنقید اور اقدار کا جو پورا انظام ان کے نام سے پہچانا جاتا ہے اس کے فروغ کا حال اس آپ بیتی میں درج نہیں۔

میں کہہ چکا ہوں کہ پہلی جلد میں ۱۹۲۴ء تک کے واقعات ہیں۔ جس وقت میری عمر ۱۵½ سال کی تھی۔ اس وقت میری شادی نہیں ہوئی تھی اس لئے میری شادیوں کا بیان محمد حسن صاحب کیسے ۱۹۲۴ء میں ڈھونڈھتے ہیں۔ پھر کیمبرج جانے کی بات بھی ضمنی طور پر آ گئی جس نے "اپنی تلاش میں" دیکھی ہے اسے معلوم ہوگا کہ میں اپنی جنم کنڈلی میں جو پیشین گوئیاں تھیں ان کا ذکر کر رہا تھا اور اس سلسلے میں شادیوں اور کیمبرج جانے کا ذکر آ گیا۔

پھر یہ بھی غور طلب ہے کہ پندرہ سال کی عمر میں میں "ادبی تنقید اور اقدار کا جو پورا انظام" میرے نام سے پہچانا جاتا ہے اس کے فروغ کا حال اس آپ بیتی میں کیسے درج کر سکتا تھا۔ شاید محمد حسن صاحب کو یہ خود احساس ہوا کہ یہ demand غلط ہے کیونکہ انہوں نے ایک جملے کا اضافہ کر دیا: ممکن ہے اس آپ بیتی کی اگلی جلد میں ان امور کی طرف توجہ کی جائے۔

یہ تھی مختصر سی باز دید ـــــ میں صاف کہہ دوں کہ میں ادب میں chauvinism کا قایل نہیں۔ مقامی ذہنیت، مقامی تعصب، مقامی تنگ خیالی، مقامی غرور ـــــ ان کی ادب میں کوئی جگہ نہیں۔ سیاسی دنیا میں ابھی تک H.G. wells کا one-world state کا خواب تشنۂ تعبیر ہے۔ لیکن دنیائے ادب، دنیائے تنقید ایک ہے۔ اس میں — many

شاعری وجدان نہیں، الہام نہیں، وحی نہیں بلکہ ذہنی کوہکنی ہے ـــــ جیسا کہ ایلیٹ نے کہا ہے:

> *Probably, indeed the larger part of the labour of an author in composing his work is critical labour, the labour of sifting, combining, constructing, expunging, correcting, testing.*

اور یہ محنت تنقیدی محنت تخلیقی عمل کے وقت بھی ہوتی ہے اور اس کے بعد بھی ہوتی رہتی ہے۔

اب میں ایک اور کتاب کا ذکر کروں گا اور وہ ہے "اپنی تلاش میں"۔ اس کی ابھی ایک ہی جلد شائع ہوئی ہے لیکن دوسری اور تیسری جلدیں بھی لکھی جا چکی ہیں، چوتھی اور آخری جلد ابھی باقی ہے۔ گرچہ یہ خود نوشت سوانح حیات ہیں لیکن اس کتاب سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ میں نے تنقید کی راہ کیوں اور کیسے اختیار کی اور میری تنقید پر کون کون سے شعوری اور غیر شعوری اثرات پڑے ـ جسے میری تنقیدوں سے دلچسپی ہے اس کے لئے اس کتاب کا مطالعہ ناگزیر ہے۔ لیکن اس وقت میں نے اس کا ذکر صرف اس لئے کیا کہ جیسا کہ میں نے کہا ہے میری کتابوں کو پڑھنے، شروع سے آخر تک پڑھنے اور سمجھنے کی کوئی ضرورت نہیں سمجھتا اور مجھے غالب کے لفظوں میں یہ کہنے کی ضرورت محسوس نہیں ہوتی کہ:

کچھ نہ سمجھے خدا کرے کوئی ـ

'اپنی تلاش میں' کی جلد اوّل میں ۱۹۰۸ء سے ۱۹۲۴ء تک کے واقعات ہیں۔ بعض باتوں کے ساتھ یہ البتہ ہوا ہے کہ ابتدا کرنے کے بعد میں نے انہیں تکمیل تک پہنچا دیا ہے جیسے وہ حصہ جو وہابی تحریک سے متعلق ہے یا وہ حصہ جو ساغر کی نظموں سے متعلق ہے ـ کچھ دن ہوئے میں دلی گیا تھا ـ حمیدہ سلطان صاحبہ نے چائے پر بلا لیا اور مہمانوں میں ساغر صاحب بھی تشریف رکھتے تھے۔ انہوں نے فرمایا: میں نے آپ کا کوئی مضمون دیکھا تھا جس میں طالب علمی کے زمانے میں آپ نے میری ۱۶ نظموں کو پسند کیا تھا اور اپنی بیاض میں نقل کر لیا تھا ـ پھر بعد میں آپ نے انہیں خارج کر دیا تو میں نے بھی ان ۱۶ نظموں کو اپنے دیوان سے خارج کر دیا ہے۔

یہ تو جملۂ معترضہ تھا ـ میں کہہ چکا ہوں کہ اس جلد میں ۱۹۲۴ء تک کے واقعات ہیں ـ اسی

پروفیسر کلیم الدین احمد

تاریخ پیدائش ۱۵ ستمبر ۱۹۰۹ء ابتدائی تعلیم روایتی قاعدے کے مطابق ہوئی، بعد کو محمڈن اینگلو عربک اسکول پٹنہ سٹی، سابق نیو کالج پٹنہ اور پٹنہ کالج میں انگریزی کی تعلیم حاصل کی۔ ۱۹۲۸ء میں پٹنہ یونیورسٹی سے بی۔اے (آنرز)(انگریزی) اور ۱۹۳۰ء میں ایم۔اے (انگریزی) کیا۔ حکومت بہار سے اسٹیٹ اسکالرشپ ملی۔ ۱۹۳۲ء میں کیمبرج یونیورسٹی سے TRI POS (ٹرائی پوس)، اور ۱۹۳۳ء میں جدید زبانوں میں ٹرائی پوس کیا۔ اگست ۱۹۳۳ء میں پٹنہ کالج میں انگریزی کے اسسٹنٹ پروفیسر مقرر ہوئے اور جون ۱۹۳۷ء میں پروفیسر ہوئے۔ ۱۹۵۲ء میں پٹنہ کالج کے پرنسپل مقرر کئے گئے اور ۱۹۵۸ء میں بہار کے ڈائرکٹر آف پبلک انسٹرکشن مقرر ہوئے۔ ڈائرکٹری کے دوران میں دو بار بھاگلپور یونیورسٹی کی وائس چانسلری کے فرائض انجام دیئے۔ اکتوبر ۱۹۶۴ء سے ستمبر ۱۹۶۷ء تک بہار سکنڈری اسکول اگزامنیشن بورڈ کے اعزازی چیرمین رہے۔ ۱۴ ستمبر ۱۹۶۷ء کو سرکاری ملازمت سے سبکدوش ہوئے اور ۱۵ ستمبر ۱۹۶۷ء سے ۱۷ جنوری ۱۹۷۰ء تک بہار اسکول اگزامنیشن بورڈ کے کل وقتی چیرمین رہے، اس کے بعد فروری سے اگست ۱۹۷۲ء تک خدابخش اورینٹل پبلک لائبریری کے ڈائرکٹر کی حیثیت سے کام کرتے رہے۔ ۱۹۷۳ء میں 'غالب ایوارڈ' ملا۔ ۱۹۷۴ء سے ترقی اُردو بورڈ کے انگریزی اردو لغت پروجیکٹ کے چیف اڈیٹر ہیں اور پانچ جلدوں کے منجملہ چار مکمل کر چکے ہیں۔

تصانیف: (۱) ڈاکٹر عظیم الدین احمد کے مجموعہ کلام 'گل نغمہ' کا مقدمہ ۱۹۲۹ء؛

اُردو شاعری پر ایک نظر ۱۹۴۰ء؛ دوسرا ایڈیشن، دو جلدوں میں، پہلی جلد ۱۹۵۲ء؛ دوسری جلد ۱۹۵۶ء؛ تیسرا اڈیشن، ترمیم و اضافہ کے ساتھ، دو جلدوں میں، پہلی جلد ۱۹۶۴ء، دوسری ۱۹۶۶ء

اردو تنقید پر ایک نظر: ۱۹۴۲ء؛ دوسرا ایڈیشن (ترمیم و اضافہ کے ساتھ ۱۹۵۷ء؛

اردو زبان اور فن داستان گوئی: ۱۹۴۴ء؛ دوسرا ایڈیشن ۱۹۶۵ء؛

تحلیل نفسی اور ادبی تنقید (انگریزی) ۱۹۴۸ء Psycho Analysis and Literary Criticism؛ سخنہائے گفتنی (مجموعہ مقالات) ۱۹۵۵ء

goodly states and Kingdoms کی علاوہ علاوہ گنجائش نہیں یہ حقیقت مثل روز روشن ہے لیکن :

گر نہ بیند بروز شپرہ چشم　　چشمۂ آفتاب را چہ گناہ

نقاد کا فرض ہے کہ وہ آفتاب سے آنکھیں ملائے، سیارہ کو سیارہ سمجھے اور چنگاریوں کو چنگاریاں سمجھے، شعلہ نہیں۔ کبھی کبھی مجھے ایسا لگتا ہے کہ زیادہ سے زیادہ قارئین دل و دماغ سے میری باتوں کو مان لیتے ہیں لیکن زبان سے 'نہیں' رہے نہیں، کہنا اپنی ادا سمجھتے ہیں ۔

●●

خود نوشت : اپنی تلاش میں (جلد اول)، ۱۹۷۵ء (دوسری اور تیسری جلد زیر طبع)

تذکروں کی ترتیب : دیوانِ جہاں، مؤلفہ بینی نرائن ۱۹۵۹ء

دو تذکرے، تذکرۂ شورش اور تذکرۂ عشقی، ۱۹۶۱ء، ۱۹۶۲ء

تذکرہ گلزار ابراہیم، مؤلفہ علی ابراہیم خان خلیل، دو جلدیں، ۱۹۶۸ء، ۱۹۷۲ء

دواوین کی ترتیب : کلیاتِ شاد عظیم آبادی، ۳ جلدیں، ۱۹۷۵ء، ۱۹۷۷ء

دیوانِ جوشش عظیم آبادی ۱۹۷۷ء

رقصِ شرر : مسلم عظیم آبادی کی غزلوں اور نظموں کا مجموعہ ۱۹۷۷ء

ایک اور ترتیب : تاریخ نور (واجد علی شاہ کے خطوط، بیگمات کے نام) ۱۹۷۳ء

نظمیں (مجموعۂ کلام) : ۳۲ نظمیں : (۱۹۶۵ء)، ۲۵ نظمیں (۱۹۶۵ء)

قاضی عبدالودود پر : معاصر قاضی عبدالودود نمبر ۱۹۷۶ء

مقالاتِ قاضی عبدالودود (پہلی جلد) ۱۹۷۷ء (مزید جلدیں زیر طبع، بقیہ ۳ زیر ترتیب)

زیر طبع : Glassory of Literary terms

English Urdu Dictionary تین جلدیں (چوتھی، پانچویں

جلدیں زیر ترتیب -

عابد رضا بیدار

فیروز آباد کا رسالہ

ادیب

[یادش بخیر ! بیس بائیس سال قبل کی بات ہے اپنے عزیز دوست ڈاکٹر اعجاز احمد (جواہر لال نہرو یونیورسٹی) کے ساتھ ان کے وطن فیروز آباد جانا ہوا، وہاں جن ممتاز لوگوں سے بھائی صاحب رفیع الدین احمد (مصنف آنکھوں کے شہتیر) نے ملاقات کرائی ان میں اختر حسین انصاری صاحب (فیروز آباد کے معروف سوشل ورکر) اور رتن لال بنسل صاحب (ہندی کے مشہور ادیب) بھی تھے۔ انصاری صاحب کو متعارف کراتے ہوئے ان کے ساتھ ایک لاحقہ یہ بھی لگایا گیا کہ وہ اردو کے ایک اہم رسالہ ادیب (فیروز آباد) کے مالک میر اکبر علی کے نواسے ہوتے ہیں۔ بعد میں رشتہ کی تفصیل اس طور پر سامنے آئی کہ : میر صاحب کے خسر غلام عابد صاحب تھے۔ غلام عابد صاحب کے ایک بھائی غلام حیدر صاحب تھے۔ غلام حیدر صاحب کے پوتے صفدر حسین صاحب کے فرزند اختر حسین صاحب ہیں جو اپنے نام کے ساتھ انصاری بھی لکھتے ہیں۔ انصاری صاحب کی پیدائش ۱۹۰۱ء میں ہوئی۔ گویا میر صاحب کی وفات کے وقت ان کی عمر ۲۱ سال کی تھی۔ ذیل میں میر اکبر علی کے جو حالات درج کیا وہ انصاری صاحب ہی کے فراہم کیے ہوئے اس مواد پر مبنی ہیں جو میری گزارش پر رتن لال بنسل صاحب نے قلمبند کرکے بھیجا ہے اور جس کے لئے انصاری صاحب اور بنسل صاحب کا شکریہ ادا کیا جاتا ہے]

(بیدار)

عظیم آباد کے مجاز سیدان کے سید علی نقی جو کسی عربی مدرسہ میں معلم تھے، ان کے تین بیٹے تھے۔ سید تقی علی، سید غلام مصطفیٰ اور سید اصغر علی۔ یہ تینوں بھائی تلاش معاش میں عظیم آباد کی سکونت ترک کرکے الہ آباد چلے آئے، جہاں سید تقی علی نے دیوانی کچہری میں وکالت شروع کر دی، غلام مصطفیٰ ان کے منشی کے طور سے کام کرنے لگے اور اصغر علی عدالت میں اہل کار ہو گئے۔ کچھ عرصہ بعد یہ پیدا خاندان



میر اکبر علی
ایڈیٹر ادیب فیروزآباد

عہدے پر پہنچ گئے۔

اس کے بعد زمانۂ قیام حیدرآباد کی بقیہ کہانی قریب وہی ہے، جو متعدد دوسرے غیرملکیوں کے ساتھ پیش آتی رہی ہے۔

"اسی زمانے میں میر اکبر علی کے مرکزی پولیٹیکل ڈیپارٹمنٹ میں اثر و رسوخ کو استعمال کر کے نواب سرور جنگ نے منسٹر ہو جانے میں کامیابی حاصل کر لی۔ سرور جنگ نے وعدہ کیا تھا کہ اگر وہ منسٹر ہو گئے، تو میر اکبر علی کو بھی منسٹر بنانے میں پوری مدد کریں گے۔ مگر اتفاق سے میر صاحب اور نواب سرور جنگ میں ناچاقی ہو گئی اور دونوں حضرات کا جھگڑا مرکزی حکومت تک پہنچ گیا۔ جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ نواب سرور جنگ اور میر اکبر علی کو حیدرآباد بدر ہونا پڑا۔ نواب سرور جنگ کو ان کے اثر کے تحت پنشن مل گئی مگر میر اکبر علی خالی ہاتھ حیدرآباد چھوڑ کر چلے آئے۔"

"حیدرآباد سے آنے کے بعد وہ کچھ عرصے راجہ صاحب ناپارہ کے سکریٹری رہے۔ مگر راجہ صاحب کے انتقال ہو جانے پر میر صاحب فیروزآباد چلے آئے۔"

"فیروزآباد آنے کے بعد دو موضع ہمایوں پور اور کرٹھی کو پا خریدے۔ ساتھ ہی شہر کے اندر بھی کافی جائداد خریدلی۔ وہ فیروزآباد میونسپل بورڈ کے سکریٹری بھی رہے اور بعد میں میونسپل کمشنر بھی۔"

اختر حسین انصاری صاحب کے بیان کے مطابق میر صاحب مندرجہ ذیل کتابوں کے مصنّف تھے:

(۱) تذکرۂ دلچسپ : راجستھان اور مدھیہ پردیش کے علاقوں کی پسماندہ اور قدیم اقوام کے رہن سہن، معتقدات اور حالات کے بارے میں۔

(۲) تذکرہ شاہ ابوالعلا اکبرآبادی۔

(۳) تذکرہ شاہ صوفی فیروزآبادی۔

رسالہ "ادیب" جنوری ۱۸۹۸ء سے دسمبر ۱۸۹۸ء تک جاری رہا۔ یہ ایک سال چل کر اس وجہ سے بند ہو گیا کہ اس سال ان کے نو سالہ تنہا فرزند امجد علی کا انتقال ہو گیا تھا۔"

میر صاحب کا انتقال ۳ جون ۱۹۳۲ء کو ہوا۔ ان کی قبر اختر حسین صاحب کے خاندانی قبرستان میں ٹھیک مسجد کے سامنے تھی۔ قبر کا کوئی نشان تو باقی نہیں، مگر وہ جگہ اختر حسین انصاری صاحب کو یاد ہے۔

آگرہ چلا آیا جہاں تقی علی ہائیکورٹ میں پریکٹس کرنے لگے۔

آگرے میں ۱۸۴۷ء کے آس پاس سید غلام مصطفیٰ کے فرزند میر اکبر علی کی پیدائش ہوئی اور اس دوران سب سے چھوٹے بھائی سید اصغر علی کے فرزند لیاقت علی پیدا ہوئے۔ ان دونوں بچوں کی ماؤں کا شیر خوارگی ہی میں انتقال ہو گیا۔ اس لئے دونوں بچوں کی پرورش سید تقی علی کی بی بی نے کی جو خود لاولد تھیں۔

میر اکبر علی، چچا تقی علی کے یہاں پروان چڑھے۔ میر اکبر علی کی پہلی شادی چھوٹے چچا اصغر علی کی بیٹی سے ہوئی جو جلد ہی فوت ہو گئیں۔ ان کے بعد دوسری شادی سید غلام عابد ڈپٹی سپرنٹنڈنٹ پولیس (رئیس محلہ کوٹلہ، فیروز آباد) سے ہوئی۔ دو بچے ہوئے: بڑی بیٹی اصغری بیگم اور چھوٹا بیٹا امجد علی۔ بیٹے کا بچپن ہی میں نو سال کی عمر میں انتقال ہو گیا۔ اصغری بیگم کی شادی چچا زاد بھائی لیاقت علی کے ساتھ ہوئی۔ اصغری بیگم لاولد تھیں۔ ۱۹۴۲ء میں فیروز آباد میں وفات پائی۔

میر اکبر علی کی سروس بک سے پتا چلتا ہے کہ ان کی تعلیم آگرہ کالج آگرہ میں ہوئی جہاں سے ۱۸۷۱ء میں کلکتہ یونیورسٹی کا دسویں درجہ کا امتحان پاس کیا۔ بورڈ کے اس سرٹیفکٹ کے علاوہ آگرہ کالج کے اساتذہ کی جانب سے ملا ہوا ایک اور سرٹیفکٹ بھی ان کے کاغذات میں محفوظ ہے جس میں انگریزی، فارسی اور ریاضی کے اساتذہ نے ان مضامین میں میر صاحب کی ذہانت اور دلچسپی کا ذکر کیا ہے۔

میر صاحب کی زندگی کا بہترین حصہ سرکاری اور نیم سرکاری ملازمت میں گزرا۔ ۱۸۷۶-۱۸۷۷ء میں بورڈ آف ریونیو، الٰہ آباد میں کلرک رہے۔ ۱۸۷۷-۱۸۷۸ء میں اجمیر میں چیف کمشنر کے دفتر میں مترجم (ٹرانسلیٹر) ہو گئے۔ ۱۸۷۹ء میں عدالت خفیفہ، اجمیر میں کلرک ہوئے۔ ۱۸۸۳ء میں اجمیر ہی میں تحصیلداری کے عہدہ پر تقرر ہو گیا۔ کچھ عرصے بعد اجمیر کے چیف کمشنر کو، جس کے ساتھ یہ کام کر چکے تھے، نظام حیدر آباد کے یہاں ریزیڈنٹ مقرر کیا گیا، اور وہ میر صاحب کو اپنے ساتھ لیتا گیا جہاں یہ ریزیڈنٹ کے میر منشی کے طور سے کام کرنے لگے۔ کچھ مدت بعد وزیر اعظم حیدر آباد نواب خورشید جاہ بہادر نے میر صاحب کو ریزیڈنٹ سے مانگ کر اپنا پرسنل اسسٹنٹ مقرر کر دیا۔ وہاں سے ترقی کرتے ہوئے یہ پہلے تعلقدار (یعنی کلکٹر!) ہوئے اور پھر صوبہ صاحب (یعنی کمشنر!) ہو گئے اور بالآخر حکومت نظام کے شعبۂ امور مذہبی کے ڈائرکٹر کے

۱۔ سروس بک کے بموجب سال پیدائش ۱۸۵۲ء ہے۔ لیکن اختر حسین انصاری صاحب کو وہ خود بتایا کرتے تھے کہ زمانۂ غدر میں ان کی عمر دس سال تھی۔

نائن ٹینتھ سینچری، ریویو آف ریویز، چیمبرس جرنل، نیچر وغیرہ کو حاصل ہے۔ انہیں رسایل سے چیدہ آرٹیکل بھی نہایت سلیس اور عام فہم عبارت میں وقتاً فوقتاً ترجمہ ہوا کریں گے۔

(۲) فلسفہ، تاریخ، اخلاق، طبیعیات، تجارت، صنعت و حرفت کے متعلق اعلیٰ مضامین لکھنا۔

(۳) وقتاً فوقتاً ہر قوم اور ملک کے مشاہیر کی زندگی کے حالات شائع کرنا جس سے ہمارے ہموطنوں کو معلوم ہو کہ ہمارے اسلاف کیا تھے اور ہم کیا ہوئے جا رہے ہیں۔

(۴) مختلف ملکوں کے باشندوں کے اخلاق، عادات طرز معاشرت وغیرہ کے دلچسپ حالات طبع کرنا۔

(۵) نامور سیاحوں کے کارناموں کو اشاعت دینا اور اس کے ذریعہ ناظرین کو کبھی عرب کی مقدس سرزمین، کبھی وسط ایشیا کے سبزہ زار کوہستان کبھی افریقہ کے ریگستان اور کبھی یورپ و امریکہ کے مشہور مقامات کی سیر کرانا۔

اُس کے ایک حصہ میں (علاوہ) ولایت کے میگزین و رسایل کے ترجموں کے، چیدہ چیدہ مضامین اردو کے خاص اخباروں اور رسالوں سے مثل اودھ اخبار، روداد، پیسہ اخبار، اخبار عام، چودھویں صدی، حبل المتین، رہبر، نیر اعظم، مفید عام، راجپوتانہ گزٹ، وکٹوریہ پیپر، ہندوستانی، رفیق، نسیم، مخبر دکن، معارف، مرقع عالم، الاسلام، تحفۂ حنفیہ، اصلاح وغیرہ کے منقول ہوا کریں گے ...“ (ادیب: مقاصد: بطور اداریہ) ۱/۱

مندرجہ بالا باتوں میں بعض کو خلاصتہً اور بعض کو مجملاً کہنے کے ساتھ ساتھ بعض امور کا اضافہ اس شمارہ میں شامل ایک اشتہار میں پایا گیا جو اس طرح ہے:

”مقاصد۔ ادیب جو ہندوستان بھر میں اپنی خاص طرز کا ایک بالکل جدید علمی میگزین ہے، عمدہ کاغذ کے پچاس صفحے ہر مہینے میں ایک بار شائع ہوا کرے گا۔ پولیٹیکل معاملات سے مطلق بحث نہ کی جائے گی کیونکہ یہ اخبارات کے لئے موزوں ہیں نہ کہ علمی رسالہ کے لئے۔ اس کی بڑی غرض یہ ہے کہ ملک میں اعلیٰ لٹریچر کا مذاق پیدا کیا جائے اور مغربی فلسفہ اور نیچرل سائنس کے جو حملے آج کل مذہب پر ہو رہے ہیں وقتاً فوقتاً ان کی تردید خود یورپ کے مستند عالموں اور مشہور فلاسفروں کی تصانیف و اقوال سے کی جاوے اور ناظرین کے لئے علوم و فنون تاریخی واقعات اور کار آمد معلومات کا ایک مفید اور دلچسپ ذخیرہ فراہم ہو۔ اس کی ترتیب میں مضامین مندرجہ ذیل کا لحاظ رکھا جائے گا گو یہ ضروری نہیں ہے کہ ایک ہی پرچے میں سب مضمون آجاویں۔

(۱) ولایت کے نامور میگزین اور رسالوں کے آرٹیکلوں کے ترجمے؛ (۲) فلسفہ، اخلاق، تاریخ، طب، طبیعیات، تمدن، معاشرت، صنعت و حرفت، تجارت کے متعلق مضامین؛ (۳) والیان ملک اور ہر قوم کے

(۲) ادیب کے مقاصد:

پہلے شمارہ میں ادیب کی خاص پالیسی یا مقاصد کو اس طرح واضح کیا ہے:

"ماشاءاللہ یوں تو ہندوستان کا کون سا شہر اور قصبہ ایسا باقی رہا ہے، جہاں کوئی نہ کوئی اخبار یا کسی نہ کسی علم و فن کا رسالہ یا کسی نہ کسی سوسائٹی یا انسٹی ٹیوٹ کی جانب سے کوئی میگزین یا جرنل شائع نہ ہوتا ہو۔ یہاں تک کہ اگر ہم اس عام اشاعت کے لحاظ سے ہندوستان کے قدیم حدود اربعہ کی جگہ اب یہ حدود قائم کر دیں کہ اتر میں پنجابی اور پیسہ اخبار، دکھن میں مرہٹہ اور شمس الاخبار، پورب میں بنگالی اور اودھ اخبار، پچھم میں گجراتی اور راست گفتار تو شاید ہر شخص کو اس بات کی منصفی کرنی آسان ہوگی کہ ہندوستان کے چاروں کھونٹ میں ہر مختلف مذہب و ملت کے ہندوستانی سیکڑوں نہیں ہزاروں قوم اسی پریس کے کام میں مصروف ہیں ... لیکن ... جہاں تک ہمارا علم ہے ان اخباروں اور رسالوں میں کوئی پرچہ ایسا (نہیں) ہے جس کی توجہ اب تک اس امر کی طرف رجوع ہوئی ہو کہ موجودہ تعلیم سے جس قدر صدمہ مذہب کو پہنچ رہا ہے، اس کے اندفاع اور انسداد کی کیا تدبیر کی جائے۔ ہمارے محبانِ ملک اور اہل الرائے خاموشی اور افسوس کے ساتھ دیکھ رہے ہیں کہ انگریزی تعلیم کا کیڑا ہمارے ہرے بھرے مذہبی درخت کو اندر ہی اندر کھوکھلا کر رہا ہے اور اس وقت مسلمان اور ہندو دونوں فرقوں کے انگریزی خوانوں میں یہ تمام خیال بڑے شد و مد سے پھیلا ہوا ہے کہ یورپ کے بڑے بڑے فلاسفر اور عقلاء نہ خالقِ عالم کے قائل ہیں اور نہ کسی مذہب کے پابند۔ اس کا (نتیجہ) یہ ہے کہ ملک میں عام طور سے بے دینی روز بروز پھیلتی جاتی ہے اور الحاد و ارتداد مسلط ہوتا جاتا ہے۔ عام تعلیم یافتہ نوجوان جن کو شومیِ بخت سے مذہبی تعلیم کا کوئی حصہ نہیں ملا یہ سمجھ کر کہ یورپ میں بڑے دانشمند اور محقق ہیں ہم کو بھی ان کی تقلید کرنا چاہیے، مذہب کو خیرباد کہتے اور مسلمان روزہ (و نماز) اور ہندو پوجا پاٹ ترک کرتے چلے جاتے ہیں ... ادیب کے جاری کرنے کے دیگر اغراض و مقاصد کے علاوہ سب سے بڑی غرض یہ ہے کہ اس کے ذریعہ یہ ثابت کیا جائے کہ سائنس اور مذہب میں فی الاصل کوئی (تضاد) نہیں ہے ..."

"یہ تو ادیب کی خاص پالیسی ہوگی۔ اس کے علاوہ دیگر مقاصد یہ ہیں:

(۱) اردو زبان کے اعلیٰ درجہ کے لٹریچر کا مذاق پیدا کرنا اور اس وقت ہمارے ملکی تعلیم یافتہ خصوصاً نوجوانوں کے خیالات پر جو خراب اثر گندے ناولوں اور قصہ کہانیوں کی اشاعت سے پڑ رہا ہے اس کے انسداد کی امید نیز اس امر کی کوشش کرنا کہ ادیب اردو زبان میں وہی رتبہ حاصل کرے جو ولایت کے میگزین اور رسالے

وفنون کی کتابوں کے مطالعہ کا عام شوق پیدا ہو۔ اس لئے جو صاحب ہم کو کسی جدید تصنیف یا تالیف سے اطلاع دیں گے ہم اس کی اشاعت میں بشرطیکہ وہ قابل قدر ہو ہر طرح سے مدد دیں گے۔ (اشتہار ۱/۳)

ادیب کے چوتھے شمارہ میں :

"... ایک اور مژدہ یہ دیا گیا ادیب کی اشاعت اب اس حد تک پہنچ گئی ہے کہ آئندہ ششماہی سے اس سال کے لئے اس کی قیمت میں ایک روپیہ کی تخفیف کی گنجائش ان لوگوں کے لئے نکل آئی ہے، جو شروع سال سے درخواست خریداری بھیج کر پچھلے پرچے طلب فرماویں۔ (اداریہ) ۱/۴

شمارہ ۱۲ کے اداریہ میں اڈیٹر کی کم فرصتی اور رسالہ کے بند ہونے کے آثار تھے :

ادیب کا پروگرام' بابت ۱۹۰۰ء کے عنوان کے یہ سطریں بھی تھیں :

"... مجھ کو بعض ضروری مشاغل کے باعث فی الحال اس قدر فرصت نہیں ہے کہ ماہوار اشاعت کا انتظام قائم رہ سکے۔ اس لئے اب یہ تجویز ہے کہ اس سال کی رواں سہ ماہی سے ادیب بطور کوارٹرلی ریویو کے پانچ جز کی ضخامت پر سہ ماہی میں ایک بار شائع کیا جاوے؛ اور اس کے دو جز میں علمی، تاریخی، اخلاقی، تمدنی، مذہبی مضامین، جدید سائنٹفک تحقیقات و علمی ترقیات وغیرہ کے حالات اسی ترتیب سے شائع ہوتے رہیں گے جیسا کہ گذشتہ میں ہوتے رہے ہیں۔ باقی تین جز یعنی ۴۸ صفحوں میں ایک کتاب موسومہ مرقع صد سالہ یعنی ۱۹ ویں صدی کے تاریخی واقعات' علمی و عملی ترقیات' ایجادات و اختراعات وغیرہ کی یادگار شائع کی جاوے ..." (ادیب ۱/۱۲)

یہ ادیب کا آخری شمارہ تھا۔

(۳)

پرچہ کا ایک عام اندازہ کرنے کے لئے ادیب کے اولین شمارے کے مشتملات ملاحظہ ہوں :

ادیب کے مقاصد (اڈیٹوریل) (ذکاء اللہ)؛ علامہ ابن خلدون (ملخص)؛ سال نو کا خیر مقدم (نہال احمد علوی عیدی)؛ برفستان کے باشندے اور ان کی عادتیں (مترجمہ اڈیٹر)؛ عجائبات عالم؛ اشتہارات کتب و رسائل: حامد لے طرائی المعروف بہ الیڈ مصنفہ ہومر ملک الشعرائے یونان ... مولف و مشتہر محمد یاسر علی خاں ولد مولوی احمد صاحب صوفی مرحوم' مہتمم مطبع مفید عام آگرہ؛ رسالہ الاسلام الہ آباد۔ اشتہارات متعلق توسیع اشاعت ادیب؛ ملک کے مشہور مضامین نگار' مصنفین اللہ علمی [illegible] ... التماس۔

مشاہیر کے تذکرے؛ (۴) دنیا کے بڑے بڑے شہروں کی عمارتوں کا ذکر؛ (۵) نامور سیاحوں کی سیر و سیاحت اور مختلف ملکوں کے باشندوں کے رسم و رواج کے متعلق دلچسپ حالات؛ (۶) مہینے بھر کے اخباری یادگار واقعات؛ (۷) نیچرل نظم؛ (۸) کسی مضمون پر اعلیٰ لٹریچر کا نمونہ؛ (۹) نامی اُردو اخباروں اور رسالوں کے اعلیٰ مضامین کا اقتباس؛ (۱۰) کتب مفید اور تصانیف جدید پر ریویو۔

"اس رسالہ میں علاوہ اور امور کے بعض باتیں بڑی مفید و کار آمد ہوں گی۔ مثلاً ایک یہ کہ اس میں ہر مہینے کے اہم یادگاری واقعات درج ہوا کریں گے جو سال تمام کے بارہ پرچوں میں یکجا کتاب کی صورت میں فراہم ہو کر اس سال کے واقعات کی ایک مکمل تاریخ کا حکم رکھیں گے جس کے نشان و حوالہ دینے کی ضرورت ہر زمانہ میں ہوا کرتی ہے۔ دوسرے یہ کہ اس کے ایک حصہ میں علاوہ ولایت کے میگزین اور رسالوں کے ترجموں کے چیدہ چیدہ مضامین اُردو کے نامی اخبارات و رسایل سے منقول ہوا کریں گے۔ اس طریقے سے ہمارے ہمعصروں کے وہ منتخب مضامین جو ان کی اعلیٰ درجے کی علمی قابلیت، محققانہ رائے اور پاکیزہ خیالات کا نتیجہ ہوتے ہیں لیکن پڑھنے کے بعد اخباروں کے ساتھ بیدردی سے ردّی کے حوالے کر دیئے جاتے ہیں معرض اتلاف سے نکل کر ادیب کے صفحوں میں جس کی سالانہ جلد بندی بآسانی ہو سکے گی، ہمیشہ کے لئے محفوظ رہیں گے۔" (اشتہار) ۱/۱

"ادیب کے مضامین میں اس بات کا خاص خیال رکھا جاتا ہے کہ عبارت ایسی صاف سلیس، مغلق اور ثقیل الفاظ سے پاک اور عام فہم ہو کہ معمولی لیاقت سمجھ کے آدمی جو اُردو میں کچھ بھی شد بد رکھتے ہوں، ہر مضمون کو آسانی سے سمجھ سکیں۔" (اشتہار) ۱/۳

لکھنے والوں کو دعوت دی گئی کہ:

"ملک کے مشہور مضامین نگار، جو مضامین ادیب کے لئے عنایت فرما دیں گے وہ شکریہ کے ساتھ طبع کئے جا دیں گے۔ اگر کوئی صاحب کسی خاص مضمون کے لئے نقد معاوضہ چاہیں گے وہ بھی مضمون کی حیثیت اور عمدگی کے لحاظ سے ادیب کی طرف سے پیشکش کیا جائے گا، مگر شرط یہ ہے کہ وہ مضمون کسی دوسرے اخبار یا رسالہ میں ان کی طرف سے شائع نہ ہوا ہو۔ معاوضہ کا تصفیہ پرائیویٹ خط و کتابت سے ہو سکتا ہے۔" (اشتہار) ۱/۳

مصنفوں اور مطبع والوں کو مژدہ دیا گیا کہ:

"ادیب کا ایک بڑا مقصد یہ بھی ہے کہ ملک میں قابل قدر کتابوں کی اشاعت میں کامل مدد کی جائے، تاکہ بجائے گندے ناولوں اور فضول قصے کہانیوں کے اُردو خواں پبلک میں علم، ادب، تاریخ، علوم

یہ منظومہ ایک ہندو شاعر (قرآن) کا ایک منظوم ترجمہ لیکن سات ۲۱ء میں کہا گیا تو محزن قبل الذکر پر چوں کی ایک بار آور شاخ تھا۔ دنیا میں چراغ سے چراغ جلتا آیا ہے ۔

'ادیب' کی نسبت عام رائیں کے عنوان سے مندرجہ ذیل مشاہیر کی چند سطری رائیں دوسرے شمارے میں درج کی گئی ہیں :

محسن الملک ، نذیر احمد ، حالی ، شاہ محمد اکبر ابو العلائی ، عبد الرزاق صاحب البرامکہ ، منشی محمد جان شوخ ظریف عظیم آبادی ، شبلی ۔

(۴)

ادیب کے ۲۷ پرچوں میں بہت کم ایسی چیزیں ہیں جنہیں نظر انداز کیا جا سکے ۔ ذیل میں ہم صنف وار ان کے اہم مشمولات کا تجزیہ پیش کر رہے ہیں جو تحریریں زیادہ مفید اور کار آمد ہیں ان کے اقتباسات بھی دیے جا رہے ہیں ۔ مفید اور کار آمد تحریروں کو تمام و کمال نقل کیا جا رہا ہے :

مذہبیات :

خدا کی نسبت حکمائے قدیم کے خیالات (ماخوذ از کرزن گزٹ) ۱/۵ ؛ تخلیق انسان مطابق قرآن مجید (محمد اکبر ابو العلائی) ۱/۷ ؛ ذات باری تعالیٰ کے متعلق اقوام کے ضرب الامثال ۱/۷ (ملخص از کتاب فلسفۂ امثال ، مولفہ مولوی ذکاء اللہ دہلوی) چینیوں کے بعض مذہبی عقائد (ایڈیٹر) ۱/۳ ؛

فلسفۂ مذہب : خدا ہے اور ایک ہے (سید اعجاز علی اشہری) ۱/۲

الروح ما الروح : اعلم (محمد اکبر ابو العلائی دانا پوری) ۱/۲

۔ آخر میں 'لا اکبر المحبوب' کے عنوان سے اپنی ایک مسلسل غزل بھی دی ہے

قادیانی : مثیل مسیح (محمد مظہر الہادی سہیل) ۱/۳ ؛

۔ مخالفانہ مضمون ، مرزا صاحب کے تازہ دعویٰ مثیل مسیح ہونے پر

عورتوں کا پردہ : نیچر ، سائنس ، مذہب ، استدلال : اجواب ثبوت (سید اعجاز علی اشہری مجوزہ ، ملی العمد ۱/۴) ذیلی عنوانات : پردہ کی تعریف ، فرضیت ، مختلف مذہبوں ؟ جمادات اور حیوانات میں پردہ ؛ سائنس ، مذہب ، علما اور مجتہدین کی رائیں ، سوال جواب ، پردہ کی حمایت میں ایسوا مضمون ؛

دلچسپ و مفید مکالمات (متعلقہ بعلم ہیئت، علم الارض، علم نباتات)؛ کارآمد معلومات؛ ایجاد و اختراع صنعت و حرفت وغیرہ؛ متفرق علمی نوٹس وغیرہ، قیمتی باتیں؛ نصیحت کے عنوان سے ایک نظم با اسم شاعر؛ یادگاری واقعات؛ ریویو: ایک رسالہ البصائر؛ ایک کتاب بحر الحیات — ضخامت: ۳۲ ص + اول و آخر کے چار صفحات۔

اس رسالہ کا سرورق اس طور پر تھا:

ادیب

ایک بالکل نئی طرز کا ماہوار علمی میگزین

زیر ایڈیٹری سید اکبر علی اکبر آبادی

سند یافتہ کلکتہ یونیورسٹی

مطبع مفید عالم آگرہ میں باہتمام محمد قادر علی خاں صوفی چھپ کر مقام فیروز آباد ضلع آگرہ سے شائع ہوا۔

عام قیمت مع محصول ڈاک للعہ / سالانہ، ششماہی ۸/ فی پرچہ (بشرطیکہ موجود ہو) ۸/ "

ادیب کا جو درجہ اپنے معاصر ادب دوستوں اور صحافیوں کے ذہن میں تھا اس کا کچھ اندازہ اس امر سے ہو سکتا ہے کہ مخزن کے اپریل ۱۹۱۰ء کے شمارے میں ایڈیٹر شیخ عبدالقادر نے الٰہ آباد سے جاری ہونے والے اسی نام کے رسالہ ادیب پر جو تبصرہ کیا اس پر خود ادیب کے ایڈیٹر نوبت رائے نظر نے ادیب کے مئی ۱۹۱۰ء کے شمارے میں تبصرہ کرتے ہوئے لکھا تھا:

"ہمارے طباع دوست نے ادیب نام کی فرسودگی پر بھی توجہ فرمائی ہے اور اسے حیدرآباد کے مرحوم ادیب کا محل تناسخ قرار دیا ہے۔ تعجب ہے کہ وہ ایک پرانے اور مشہور ادیب کو بھول گئے جو سید اکبر علی صاحب کی ایڈیٹری میں غالباً فیروز آباد سے شائع ہوا تھا۔ خوش قسمتی سے اس وقت خدنگ نظر نکلتا تھا اور سید صاحب نے ہمیں بھی اس کے تبادلے میں اپنے قابل تعریف پرچے سے سرفراز فرمایا تھا۔ اس کی زندگی بہت تھوڑی ہوئی مگر بارہ تیرہ سال کا عرصہ منقضی ہونے پر بھی اہل نظر اب تک اسے بھولے نہیں ہیں۔ اس طرح ہمارے ادیب پر تناسخ در تناسخ کا مسئلہ صادق آتا ہے، جو دنیا کے ہر نام اور ہر چیز میں موجود ہے۔ ہم اسی کے قائل کرنے

علمِ ہیئت (دنیا الادب، اعظم گڑھ ... الجبیر) ... مضمون نگار سید بیں علی گوہر کے دانش پانے
ہوئے ہیں اور مضمون غالباً اداروں کے الشیر سے نقل ہوا۔

دلچسپ مفید نکات : — متعلق بہ علمِ ہیئت: کیا آفتاب فی الذاتہ سرد ہے؛ ایک نیا ستارہ۔
— متعلق بہ علم الارض: کرہ آتش فشاں؛ — متعلق بہ علم نباتات : سونے والے درخت
(مترجمہ و ملخصہ ایڈیٹر) ۱/۱؛ حیوانات باجے سے متاثر ہوتے ہیں ۱/۳؛ ہوا سے الکٹرسٹی (برقی
قوت) اور اسٹیم (دھواں) کا کام لینے کا حیرت انگیز ایجاد ۱/۴

جدید طبی تحقیقاتیں (کذا) : بعض امراض کا علاج ۱/۷؛ — دق کا علاج؛ جذام کی دوا۔
تردید خوف ۱۸۹۹ء: دافع وہم با دلائل (بقا حسین خاں فلکی منجم اعلیٰ کا نپور) — انتہ نجوم
کرۂ ارض کی ہیئت مجموعی (مرزا مہدی خاں کوکب) ۱/۱۱؛ عجائبات آفرینش: کوہ آتش فشاں
(غالباً خود ایڈیٹر کے قلم سے) ۱/۱۱؛ جیالوجی یا علم ارض (مرزا مہدی خاں کوکب حیدر آباد) ۹/۱

عجائبات عالم : — آسٹریا میں ایک علم دوست امیر کونٹ زیلین نے ۴۰ ہزار پونڈ خرچ
کر کے ایک ایسا جہاز بنایا ہے، جو ہوا میں مثل پرندوں کے اڑے گا ... رفتار فی گھنٹہ ۲۵ میل ہوگی؛
— جاپانیوں نے زلزلہ سے محفوظ رہنے کے لئے ایک طریقہ اختیار کیا ہے جس سے ان کو معلوم ہو جاتا ہے کہ
کب زلزلہ آئے گا۔ ایک آہنی سیخ وہ چھت پر لٹکا دیتے ہیں۔ مقناطیس کی گولی اس کے ساتھ ہوتی ہے۔ زمین
پر تھالی ہوتی ہے، جب زلزلہ آنیوالا ہوتا ہے تو چند منٹ پیشتر گولی تھالی میں گر پڑتی ہے اور یہ لوگ فوراً اپنے اپنے
مکانوں سے باہر آ جاتے ہیں؛ — پروفیسر ناگیندرا چندر ناگ نے آگرہ کالج میں بے تار کے خبر رسانی
کی آزمائش کی ... یہ کام اسی کام کے سلسلہ میں ہے جو وہ بشرکت مسٹر اور ریلی متعلقہ محکمہ گورنمنٹ تار برقی کرتے ہیں۔

- دنیا کا سب سے بڑا نقشہ؛ • دنیا میں سب سے بڑا اُپل؛ • دنیا میں سب سے بڑی نہر؛
- دنیا میں توپ کا نشانہ کا سب سے زیادہ فاصلہ؛ • دنیا میں سب سے بڑا کتب خانہ - ۱/۱
- نینی تال کے واٹر ورکس کا افتتاح نواب لفٹننٹ گورنر بہادر نے فرمایا۔ ۱/۵-۴

ایجاد و اختراع صنعت و حرفت؛ ۴/۱
- بے تار کے پیام برقی بھیجنے کی جدید ایجاد کے تجربے آجکل انگلینڈ میں بڑی کامیابی کے ساتھ جاری
ہیں۔ ایک موقع پر بڑے بڑے سرمایہ داروں، ڈاکخانہ، تار گھر اور جہازوں کی کمپنیوں کے موجود تھے اور باوجود

پہلو۔ (مع افضل الدین الطبیب ؛ ۱/۸ جلالہ القیع و تشبیہ دیا) ، ۱/۲ ۱ بیلیاتہ
(آغا بیگم، نامہ نگار تہذیب نسواں، لکھنؤ) نے ۔ بہت اچھی نسوانی زبان استعمال
سجاد حیدر، 'معارف' کے مضمون مطبوعہ 'چودھویں صدی' (راولپنڈی)، مورخہ ۲۳ مئی کے جوا
'اسلام کی کثرت ازدواجی پر یورپین فاضلوں کی رائیں' ــــ ڈیون پورٹ، کارلائل
آئزک ٹیلر۔

ریویو کتاب - حقیقۃ الازدواج فی اباحۃ الازدواج، مصنفہ منظور الحق آزاد، تعلقہ
احکام الطاعون - بنگلور کے ابوالبرکات مولوی شیخ احمد درویش صاحب قادری متولی مسجد
استفتا کے جواب میں بحوالہ احادیث معتبرہ یہ ثابت کیا ہے کہ جان بچانے کی غرض سے طاعون زدہ شہر کو چھوڑ کر
کوئی شرعی ممانعت نہیں ہے۔ اور یہ خیال جو عوام میں پھیلا ہوا ہے کہ طاعون سے مرنے والے کو بدرجہ مجبو
درجہ شہادت ملتا ہے صحیح نہیں ہے"۔

فسادات پر ــــــــ ۔ بڑی خوشی کی بات یہ ہے کہ بخلاف ماضی اس سال
دخوبی ختم ہوا اور اہل ہنود و اہل اسلام دونوں اس سالانہ تقریب میں اتحاد اور خلوص دل سے شریک
کسی جگہ کسی قسم کا فساد نہیں ہوا۔ ان دونوں قوموں کا اتفاق ملک کے لئے نیک فال ہے۔ اللھم ...
ــــ مدراس پریسیڈنسی کے ضلع تناول میں ہندو مسلمان قوموں میں فساد عظیم ہوا۔ قریب سو آدمیوں کے ...
اور ایک بڑا مندر شیو کاشی کو لوٹ لیا گیا اور کئی گاؤں جلا دیے گئے۔ اب مفسدین گرفتار ہوتے جاتے ہیں

سائنس وغیرہ :

نیچر : ہوا، آگ ؛ پانی، خاک (ذکا راللہ) ۱/۱، ۲، ۳، ۵، ۴) ۳۱ صفحات پر مشتمل
عالمانہ مضمون ـــ
"ـــ میرا مقصود ... یہ نہیں ہے کہ نیچرل سائنس سکھاؤں بلکہ ... اردو زبان کے علم و ادب میں
معلومات کی ایک نئی طرز کی بنا رکھوں اور اپنے ملک کے سرمایۂ دانش کو بڑھاؤں"

ڈارون اور اس کا مسئلہ ارتقا (ایڈیٹر) ۱/۱۱ ؛ مادہ کی حقیقت (منقول ...
شہاب ثاقب : یعنی آسمانی آتشبازی (ایڈیٹر) ۱/۸ ــــ ...
... ہونے والا ہے ... جس کے دیکھنے کے لئے ایک سائنٹفک جم ...

اِس ہفتہ کی اموات: ۱/۷ — ولیم ہنٹر رکسن؛ سابق چیف جسٹس کلکتہ۔ سرا ولیش چندر؛ سوامی بھاسکرانند؛ لکھنؤ کے رئیس الشعراء شمس العلماء سید محمد مہدی؛ آخری شاہ دہلی بہادر شاہ کی بیگم شاہ زمانی بیگم
وفیات ماہ ستمبر بذیل یادگاری واقعات ۸/۱: پنڈت اوتار کرشن آغا؛ مالک اخبار نجم الہند مراد آباد؛ نواب یار جنگ محمد اکرام اللہ خان رئیس کاکوری سابق صوبہ دار گلبرگہ؛ حاجی ہارون جعفر یوسف سیٹھ رئیس پونا؛ دیوان بوٹا سنگھ مالک اخبار آفتاب پنجاب لاہور؛ —
مختصر حالات زندگی، تھیوڈور بک مرحوم سابق پرنسپل محمڈن اینگلو اورینٹل کالج علیگڑھ:
۲ ستمبر ۱۸۹۹ء (منقول از اودھ ریویو) ۱۰/۱
مسٹر گلیڈ اسٹون کی زندگی کے بعض دلچسپ حالات (ایڈیٹر) ۲/۱

سوانح حیات:

حضرت امام علی رضاؑ بن امام موسیٰ کاظمؑ (ابوالمؤید محمد مظہر الباری سہیل امروہوی) ۵/۱؛ علامہ ابن خلدون: ایک مشہور مسلمان مورخ کی دلچسپ سوانح عمری (ملخص) ۱/۱
شمرو کی بیگم کے دلچسپ حالات زندگی ۱۲/۱ — چونکہ شمرو کی بیگم کا ایک باغ اور مقبرہ وغیرہ چند عمارتیں پہلے شہر آگرہ میں شاہ گنج کے متصل واقع ہے اور اس وجہ سے بیگم مذکور کے نام سے بچہ بچہ تک واقف ہے اور اس کی زندگی کے حالات نہایت دلچسپ اور حیرت انگیز ہیں۔ لہٰذا ہم ان کو ... حیدرآباد کے مشہور و ممتاز اخبار مشیر دکن سے اخذ کرکے ذیل میں درج کرتے ہیں تاکہ وہ اخبار کے کالموں کے معرض اتلاف سے نکل کر ادیب کے صفحوں میں مستقل طور پر محفوظ رہیں۔

تعلیم و متعلقات تعلیم:

یونیورسٹی قاہرہ موسومہ الازہر (ایڈیٹر) ۱/۵-۶
لنگٹ سنگھ کالج مظفر پور: سائنٹفک سوسائٹی مظفر پور بنگال کی طرف سے جو اسکول اب تک جاری تھا، اس کو کالج بنانے کے لئے بابو لنگٹ سنگھ زمیندار و ٹھیکہ دار ریلوے نے ۵۰ ہزار روپیہ اور چودھری مکوناتھ دواس زمیندار جینت پور نے ۳۰ ہزار روپیہ کی دو بڑی رقمیں چندہ میں دی ہیں، اولوالعزمی اور توجہ بہ درجہ کی ہے کہ جلد اسکول مذکور ماہ جون میں کالج کے مرتبہ کو پہنچ جائے گا۔ ۱/۵-۶

...نے موسم کے تغیر تارکے رقیہ پیام آمت و کامیابی کے ساتھ پہنچ گئے۔

مفید و دلچسپ معلومات: ۸/۱ ٭ مرض نقرس کا عجیب دفع ...؛
مصر حبل المتین کا ایرانی نامہ نگار لکھتا ہے کہ ... " • چاند میں آبادی؛ • ...
ہونے لگا؛ • کرنیا سے شکر نکالنے کا تجربہ کیا جا رہا ہے؛ • آفتاب کی حدت خانگی اور تجارتی
کے لئے پنڈت شریکا سرکرشن، بنگال نے ایک کل ایجاد کی ہے۔

سیاحت وغیرہ:

عجائبات عالم، ۱/۱؛ • برفستان کے باشندے اور ان کی عادتیں (مرحوم
۱/۱؛ • مسٹر سون ہیڈن کا سفر وسط ایشیا میں (محمد فضل الدین الطیب۔ از بنگال ...)

تعمیرات:

• فن عمارت کے کمال و زوال کا تذکرہ (منشی معین الدین اکبر آبادی) ۱/۳-۴
• مدینہ منورہ میں آنحضرت صلعم کے مزار مبارک پر جو جواہرات لگے ہوئے ہیں۔ ان کی مالیت ۳۰
یعنی قریب تین کروڑ روپے کے شمار کی جاتی ہے۔ ۱/۲ • ڈھاکہ کے مشہور رئیس نواب سر
خان نے حسینی دالان امام باڑہ ڈھاکہ کی مرمت کے لئے دو لاکھ روپے عنایت فرمائے۔ ۱/

وفیات:

• اس مہینہ میں انتقال ۱/۳ مولوی عبدالحق خیرآبادی؛ مولوی عبدالرحمن ...
سپرنٹنڈنٹ پولیس اودھ سے پنشن (صاحب تصنیف و تالیف تھے)؛ ڈاکٹر لائٹنر کالج ...
پنجاب یونیورسٹی کے بانی۔

امواتِ مشاہیر: ۱/۵-۶: آنریبل نواب محمد علی خاں رئیس ... اکبر آباد
شیفتہ (م-۲۰ مئی ۱۹۰۰ء)؛ سید فضل رب قرشی خانہ پور ... بمقام حیدرآباد
سوانح لیتو دھانند سرتی، (۱۸۳۳–۱۸۹۹ء) ۱/۷ (م ... ۱۸۹۹ ... ضیاء ...
کے ... فقیر ... ؛ نواب سید ولایت علی خاں بہادر رئیس اعظم پٹنہ (...)

میں مسلمانوں کی تعداد صرف ۲۶ ہے - ۵/۱-۶

تصنیف و تالیف : • مہاراجہ گائیکواڑ، بڑودہ نے ایک کتاب "از قیصر تا سلطان" ولایت کے مشہور مطبع مسٹر فشر انون کے چھاپہ خانہ میں طبع کرائی ہے؛ • مہاراجہ جے پور نے ایک نہایت دلچسپ کتاب شائع کی ہے - یہ کتاب دربارہ ان زبانوں کے ہے، جو ریاست جے پور میں بولی جاتی ہیں، اور جن کی تعداد ۱۵ ہے - اس کتاب کی صرف سو جلدیں چھپی ہیں؛ • مسٹر جسٹس امیر علی ہندوستان کے مسلمان حکمرانوں کی تاریخ لکھ رہے ہیں - جس میں وہ رسم و رواج اور طرز حکومت بھی لکھا ہے - وہ آج کل رخصت لیکے ولایت گئے ہوئے ہیں اور وہیں اس کتاب کو ختم کریں گے؛ • ریاست جودھپور کے فاضل مصنف کویراج مرار جی نے ایک مذہبی کتاب تصنیف کے صلہ میں فرمانروائے جودھپور سے ۵ ہزار روپیہ کی سالانہ جاگیر حاصل کی • دہلی کی لٹریری سوسائٹی جس کی کارروائیاں عرصہ سے موقوف تھیں پھر جاری ہو گئی ہیں - پہلا لکچر سقراط کی معذرت پر پادری رائٹ صاحب ایم اے نے دیا تھا • اورینٹل کانفرنس جو امسال روما میں ہوگی اس میں شریک ہونے کے لئے حیدرآباد گورنمنٹ کی طرف سے شمس العلما مولوی سید علی بلگرامی ڈیلیگیٹ مقرر ہو کر روانہ ہو گئے (علمی نوٹس) ۵/۱-۶

یادگاری واقعات : • شمس العلما مولوی سید علی بلگرامی کو حضور نظام نے ۲۵ اشرفیاں اور دو مرصع پوشش عنایت فرمائے، جن کی قیمت دو ہزار روپیہ ہے؛ • ندوہ کا سالانہ جلسہ بڑی دھوم دھام سے سہارنپور میں منعقد ہوا - ۴۵ ہزار کے قریب چندہ جمع ہوا؛ • دہلی میں مدرسہ طبیہ کا سالانہ جلسہ ہوا - یہ مدرسہ ہندوستان کے مشہور طبیب حاذق الملک جناب حکیم عبدالمجید خاں صاحب کی ذاتی کوشش اور ہمت سے عمل ہوا ہے - اس وقت ۷۰ طلبا زیر تعلیم ہیں - (یادگاری واقعات) ۳/۱

- دہلی کے خان بہادر سید محمد ضیاء الدین خاں کو اڈنبرا یونیورسٹی نے ایل ایل ڈی کی آنریری ڈگری دی؛
- مہاراجہ صاحب کوچ بہار نے بابو پرسنو کمار سین کلکتہ کے مشہور عالم آٹھ ہزار روپے اس غرض سے عطا فرمائے ہیں کہ اورینٹل کانفرنس میں شریک ہوں اور انگلینڈ جا کر علوم و فلسفہ جدید تحصیل کریں؛
- لکھنؤ کا امیر علی یونیورسٹی میں بمبئی سے کرشنا جی واجے کل یوجاری نامی طالب علم پہنچ کر داخل ہوئے ہیں
- ۱۹۰۶ء کا آخری ہفتہ بخیر و خوبی ختم ہوا - قومی جلسوں کی بڑی دھوم دھام رہی - لکھنؤ میں نیشنل کانگریس، [illegible] کانفرنس، ایریگیشن یونیورسٹی کانفرنس، میرٹھ میں بہادر گڑھ کانفرنس اور کلکتہ میں ایجوکیشنل کانفرنس ہوئی

تحفظ نسل یا انتظام ؛ لاہور کے کھتریوں نے ایک ریزولیوشن پاس کیا ہے کہ ایک عورت کی موجودگی میں دوسری عورت سے شادی کسی طرح مناسب نہیں ہے۔ دوسری شادی کے لئے برادری سے اجازت حاصل کرنا ضروری ہے، جو اس صورت میں دی جائے گی کہ امید اولاد منقطع ہوگئی ہو اور مرد کی عمر ۴۰ سال سے زائد نہ ہو (یادگاری واقعات) ۱/۵ ؛ — راے بہادر گنگا پرشاد نے دربھنگہ کی سرائے میں ایک شفاخانہ کی تعمیر کے واسطے ۳۱ ہزار روپیہ چندہ دیا ہے۔ گورنمنٹ نے اس فیاضی کا شکریہ ادا کیا ہے۔ (یادگاری واقعات) ۱/۵ : ہندی :— مہاراجہ صاحب بیکانیر نے حکم دیا ہے کہ آئندہ سے کل دفاتر ریاست میں ناگری حروف میں کارروائی کی جاوے (یادگاری واقعات) ۱/۵ ؛ آرٹ : — نمائش بمبئی میں مشہور دکنی مصور راجہ روی ورما نے اعلیٰ انعام حاصل کیا۔ (یادگاری واقعات) ۱/۴

• کرزن کا دورۂ ہندوستان کے ان علاقوں کا جو طاعون و قحط زدہ ہیں؛ • راجہ صاحب جنید کو لفٹنٹ گورنر پنجاب نے اختیارات ریاست عطا کئے ؛ • مہاراجہ صاحب بھرت پور کے یہاں فرزند ارجمند تولد ہوا ؛ • مہاراجہ گوالیار نے طوفان زدگان دارجلنگ کے لئے ۵ ہزار روپیہ دیا ؛ • مہاراجہ جے پور نے قحط زدوں کی امداد کے لئے ۲۲ لاکھ دیا اور ۲۵ لاکھ تک کا وعدہ کیا ؛ • مہاراجہ بہاولپور نے لاہور ایچیسن کالج میں مسجد تعمیر کرنے کے لئے ۴ ہزار دیا ؛ • بابو رامچندر ملدوالی کی کوشش سے کلکتہ میں ۲۰ ہزار کا ایک فنڈ ہندو بیواؤں کے لئے قائم کیا ؛ • جگناتھ پوری میں جاتریوں کی آسائش کے لئے کلکتہ کے ایک سیٹھ کنھیالال بوگلا نے ۲۵ ہزار دیا ؛ • علاقہ مدراس کے شہر ... میں سخت طوفان و باران کئی لاکھ کا نقصان ؛ • جنگ ٹرانسوال جاری ، • قحط و طاعون جاری — (یادگاری واقعات) ۱/۴

• حاجی محمد محمود علی خاں صاحب مرحوم و مغفور، رئیس چھتاری کی وفات کے بعد نوابی کا خطاب ان کے فرزند اکبر خان بہادر محمد لطف علی خاں صاحب بہادر کو عطا ہوا۔ (یادگاری واقعات) ۲/۱

راجپوت سبھا کا ایک بڑا مفید کارآمد جلسہ آگرہ کالج بورڈنگ ہاؤس میں ہوا، جس کے پریسیڈنٹ ہمارے شہر کے رئیس اعظم ٹھاکر امراؤ سنگھ صاحب تھے۔ اس جلسہ میں کثرت الاولاد، صغر سنی کی شادی، شادیوں میں فضول خرچی اور بیزاری کے انسداد کے متعلق رزولیوشن پاس ہوئے۔ ۳/۱

مسلمان تعلیم یافتہ : — کلکتہ یونیورسٹی کے امتحانات کا نتیجہ شائع ہوگیا۔ انٹرنس میں ہر قوم کے پاس شدہ طلبا کی مجموعی تعداد ۲۰۵۳ ہے، جن میں ۲۲۳ مسلمان ہیں ... ایف-اے کے ۲۴۸ پاس شدہ

جسٹس امیر علی اس کالج کے ٹرسٹی مقرر ہوئے اور آنریبل جسٹس بدرالدین طیب جی نے ۲ ہزار روپے سرسید میموریل فنڈ کو عطا فرمائے (یادگاری واقعات) ۲/۱؛ — شیخ اصغر علی مشہور سوطین پنجاب نے اپنی پوری تنخواہ ایک مہینہ کی سرسید میموریل فنڈ میں بطور چندہ کے دیدی (یادگاری واقعات) ۵/۱

• ٹھاکر درگا پرشاد سنگھ، رئیس اعظم تعلقہ ملا نیل گاؤں ضلع سیتاپور، سیدھی اور اولوالعزم رئیس ہیں، جنہوں نے نہایت سیر چشمی سے سرسید میموریل فنڈ میں ڈیڑھ سو ہزار روپے کا چندہ عنایت فرما کر ملک کو اس بات کا ثبوت دیدیا کہ سچی فیاضی کے لئے مذہبی یا قومی امتیاز کی ضرورت نہیں ہے۔ ۱/۷

• علی گڑھ کالج میں ۲۵ تاریخ کو چیف جسٹس سر آرتھر اسٹریچی کی صدارت میں مسٹر بیک کی یادگار کے قیام کے لئے جلسہ ہوا، جس میں ۲۵ ہزار چندہ سے جمع کرنا تجویز ہوا، جس کے وظیفے سے کالج کا ایک طالب علم اس شرط پر تکمیل علم کے لئے انگلینڈ بھی جائے گا کہ وہاں سے آکر علی گڑھ کی پروفیسری قبول کرے۔ اب تک ۸ ہزار روپیہ جمع ہوا ہے۔ (یادگاری واقعات) ۱۱/۱

الہ آباد یونیورسٹی میں امتحانات ڈگری ۱۸۸۹ء سے شروع ہوئے۔ گیارہ سال کی گزشتہ مدت میں ۹۱ طلبا نے امتحان ایم اے پاس کیا، ۱۳۹۸ طلبا نے امتحان بی اے پاس کیا اور ۳۳۶ نے امتحان ایل، ایل، بی۔ منجملہ اس تعداد کے ۱۸ ایم اے، ۲۷۲ بی اے اور ام ایل، ایل، بی مسلمان ہیں؛ — ہمارے نئے گورنر جنرل نے مشہور پنڈت کیسری موہن گنگولی کو جو مہابھارت کے مترجم ہیں ۵۰ روپے مہینہ کی پنشن عنایت فرمائی؛ — مدراس یونیورسٹی نے حال ہی میں چار مدرتوں کو ایم اے کی ڈگری دی ہے؛ — مدراس پریذیڈنسی کالج کے ہونہار طالب علم مسٹر رامی مین کو انگلستان جانے کے قصور میں برادری سے خارج کر دیا گیا۔ راجہ صاحب کوچین نے جن کی وہ رعایا میں سے ہیں حکم دیا کہ مسٹر رامی مین اور اس کی زوجہ کسی مندر میں نہ جائیں اور نہ کسی کنوئیں یا تالاب کو چھوئیں۔ نیز اس کے اور اس کی بیوی کے رشتہ دار کسی مندر میں نہ جائیں، جب تک برہمن لوگ اس معاملہ میں آخری فتویٰ نہ دیں۔ ۸/۱

مشہور شاعر رڈیارڈ کپلنگ کو ۵ ہزار پونڈ ملتے تھے کہ آٹھ سطروں کی عبارت دستخطی خود ایک دوا کی تعریف میں لکھ دے، مگر شاعر نے انکار کر دیا۔ اسی شاعر کو لارڈ کا خطاب ملنے والا ہے (علمی نوٹس) ۸/۱

علمی نوٹس ۱۰/۱:— کپلنگ مشہور شاعر و ناولسٹ جس کو لارڈ کا خطاب ملنے والا ہے، پہلے ہندوستان میں اخبار پایونیر الہ آباد کا سب اڈیٹر تھا؛ — ہندو کالج بنارس میں ولایت سے ایک لیڈی پروفیسر بلا تنخواہ کام کرنے آئے؛ — نواب بیگم صاحبہ مرشد آباد نے تعلیم نسواں کے مضامین

• نواب سر حسن اشرف خان بہادر رئیس ڈھاکہ بابو جی گوبند لال کی میعاد ختم ہونے پر بمبئی لیجسلیٹو کونسل کے ممبر مقرر ہوئے • جدید مہاراجہ صاحب دربھنگہ نے اپنے برادر عزیز بہادر مرحوم کی یادگار میں ۵۷ ہزار روپیہ کا چارہ خیراتی کاموں کے لئے عطا فرمایا • مہاراجہ قاسم بازار نے مسلم زنانہ اسکول کے لئے ۱۰ ہزار روپیہ کا چندہ دیا • کلکتہ کے ایک نامی مہاجن لالہ پیارے لال نے چار لاکھ روپیہ کی وصیت مرنے کے قبل کر دی تھی۔ یہ روپیہ ایک جین کالج قائم کرنے میں صرف ہوگا • بنارس ہندو کالج کے لئے چھ لاکھ روپیہ کی ضرورت ہے • اسی مہینہ ہز ہائینس نواب شاہجہاں بیگم صاحبہ والیہ ریاست بھوپال فرمانروائے مدار المہام حاجی عبد الجلیل خان بہادر کو صلہ حسن خدمات بجا لانے پر دو ہزار روپیہ ماہوار کے ڈھائی ہزار روپیہ مشاہرہ مقرر فرمایا • اسی مہینہ نواب صاحب بہاولپور نے عین عالم شباب میں انتقال فرمایا • اس مہینہ میں سلطان موسیٰ علی راجہ لکادیپ کا انتقال ہوا۔ (یادگاری واقعات) ۲/۱

ندوۃ العلما لکھنؤ اور یونیورسٹی علیگڑھ (امجد علی اشہری) ۳/۱

— ہمارے اتفاق نے جو کام کئے وہ کبھی تاثیر سے خالی نہیں رہے... لیکن بعض اتفاق نا اتفاق کے ہاتھوں (مدرسۃ العلوم علیگڑھ کی) اس محمود عمارت کو جس نقصان کا اندیشہ ہے وہ معمولی بھونچالوں بھی سال گزشتہ کے زلزلہ سلہٹ و آسام سے کم نہیں پایا جاتا۔ اسی طرح ہماری دوسری مقدس اور متبرک مجلس ندوۃ العلما، بعض اختلافوں سے جو مخالفت کے درجہ میں پہنچے ہیں اپنے اغراض و مقاصد کو پورا نہیں کر سکتی۔

• بابو بھگوان داس ایم۔ اے ڈپٹی کلکٹر نے اپنے عہدہ سے استعفا دے کر ہندو کالج بنارس کا عہدہ آنریری سکریٹری قبول کر لیا ہے۔ ۱/۵-۶؛ • ہندو کالج بنارس ۱۵ مئی کو کھولا گیا۔ ۱/۵-۶؛ • سنسکرت کالج دہلی میں ۱۵ مئی سے جاری ہو گیا۔ (یادگاری واقعات) ۱/۵-۶

علی گڑھ: — ملک و قوم کے لئے سب سے بڑا یادگاری واقعہ تصفیہ مسئلہ تقرر سکریٹری شپ محمڈن کالج علی گڑھ ہے، جو کالج موصوف کے ٹرسٹیوں کے سالانہ جلسہ میں تاریخ ۱۳ جنوری ۱۸۹۹ء کو نہایت اطمینان بخش طریقہ سے طے ہو گیا۔ اس جلسہ میں کثرت آرا سے مسٹر سید محمود کو لائف پریسیڈنٹ اور نواب محسن الملک بہادر کو سکریٹری مقرر کیا گیا ہے۔ اختتام جلسہ پر سید محمود صاحب نے اپنی تقریر میں صدارت کو خوشی منظور اور نواب محسن الملک کی دوامی رفاقت کا وعدہ کیا۔ یہ بڑی خوشی کی بات ہے کہ آئندہ کل

قیمت مع محصول ڈاک صرف ۸؍ سالانہ مقرر ہے۔ منشی حامد حسین صاحب مالک رسالہ سے درخواست کرنے پر خریداروں کے نام جاری ہو سکتا ہے۔ (اشتہار) ۱/۱؛ — ممالک شمال و مغرب میں ۱۱۸ اخبار درج رجسٹرڈ ہیں، جن میں ۷۰ ہفتہ وار اور ۴۰ ماہوار اور صرف ۲ روزانہ ہیں؛ جلوۂ محبوب' حیدرآباد (ماہوار گلدستہ) مہتمم و ایڈیٹر غلام صمدانی خاں گوہر حیدرآبادی (ریویو' ۱/۵)' — اس کے دو نمبر موصول ہوئے ہیں۔ ایک حصہ میں دکنی اور ہندوستانی شاعروں کی غزلیں' دوسرے حصے میں لطیفے اور تیسرے حصہ میں ایک جھوڑ دو دو ناول ہیں۔ لیکن سب سے عمدہ حصہ اس رسالہ کا وہ ہے جس میں سریر آرایان سلطنت آصفیہ کا تاریخی سلسلہ شروع کیا گیا ہے؛ — المعلومات' جے پور ۱/۵' — اس بے نظیر علمی رسالہ کے چار نمبر لغایتہ ماہ اپریل ۱۸۹۹ء بڑی آب و تاب سے اس وقت تک شائع ہو چکے ہیں۔ فی الحقیقت ان کو تاریخیٔ معلومات کا ایک نایاب و بیش قیمت مخزن پایا۔ مطبع مفید عام آگرہ سے چھپ کر ریاست جے پور سے شائع ہوتا ہے۔ آخر کے ۲۰ صفحوں میں ایک انگریزی ناول موسومہ عشوہ کا سلیس و شستہ ترجمہ ہوتا ہے اور شروع کے ۱۶ صفوں میں انگلستان کے مشہور مورخ گبن کی تاریخ زوال و انتزاع سلطنت رومتہ الکبریٰ' کا با محاورہ نہایت عمدہ ترجمہ طبع ہوتا ہے۔ اس ترجمہ میں سب سے عمدگی یہ ہے کہ مترجم نے متن تاریخ کو جابجا محققانہ فٹ نوٹ (حواشی) سے مزین کر کے اصل کتاب کی خوبصورتی کو دوبالا کر دیا ہے؛ — شرارہ۔ مرادآباد'، شمس المطابع' باہتمام ایم فضل محمد ۱/۵' — یہ علمی رسالہ ۲۴ صفحوں پر چھپ کر مہینہ میں دو بار شائع ہوتا ہے۔ اس کے تین نمبر اس وقت دفتر ادیب میں آ چکے ہیں۔ اس رسالہ میں باستثنا پولٹیکل مباحث کے معلومات عامہ کے متعلق تازہ تازہ خبریں علمی چون و چرا' پند و نصائح' لطائف، تاریخی و جغرافیائی معلومات، سوانح عمریاں' عجائبات عالم، شعر و سخن، اسلامی معلومات، صنعت و حرفت، سیر دنیا' حفظ صحت' اور طالب علموں کے لئے مخصوص مضامین درج ہوتے ہیں؛ — رفیق ہند کا دوبارہ اجرا ماہ اکتوبر سے (ایڈیٹر محرم علی چشتی) ۱/۸؛ — گلزار ہند (ہفتہ وار) لاہور۔ باہتمام شیخ گلزار محمد ۱/۸؛ — پیام محبوب (ماہنامہ گلدستہ)؛ سرپرستی نواب شمس الملک ظفر جنگ۔ باہتمام غلام حسین داد' ۱/۷؛ — تفریح' (ہفتہ وار) باہتمام منشی راجندر اس بھارگو' مینجر اودھ ریویو ۹/۱ — پبلک گزٹ (ہفتہ وار)' پبلک پریس' امرتسر — اس سال کے جدید اخباروں میں ۱۷ اس (ریلیز) ۱/۱۲؛ — اصلاح (المشتہر: علی حیدر' پٹنہ' محلہ گزری (اشتہار)' ۱/۱۲)؛ — اخبار

ہر دو انعام آٹھ اور چار اشرفیوں کے مشتہر فرمائے ہیں۔ مضامین اجلاس ایجوکیشنل کانفرنس کلکتہ میں پیش ہو کر ان کی نسبت فیصلہ ہوگا ؛ — خواجہ حافظ کی قبر پر کوئی قبہ نہ تھا۔ کچھ عرصہ ہوا ایک دولتمند گبر نے منت مانی کہ اگر اس کی مراد پوری ہو جاوے گی، تو وہ ایک عالیشان قبہ حافظ کی قبر پر تیار کرے گا، جو ایک کھلے میدان میں ایک آہنی کٹہرے سے گھری ہوئی بالکل زمین کے ہموار ہے۔ اب اس کی آرزو پوری ہوگئی اور اس نے اپنے وعدہ کے موافق عالموں سے قبہ بنانے کی اجازت طلب کی۔ دو تین مجتہدوں نے فتویٰ دے دیا۔ اور اس نے کئی ہزار تومان کا مصالحہ وغیرہ جمع کر کے کام شروع کر دیا۔ لیکن سید علی اکبر مجتہد نے لوگوں کو بلا کر عمارت کو خراب کر دیا۔ مگر اخبار جامع العلوم میں سید ضمیر حسن صاحب سیتاپوری نے اس خبر کی تردید میں ایک مضمون چھپوا دیا ہے، خدا کرے وہ صحیح ہو۔

علمی نوٹس وغیرہ ۱/۱۱ • مشہور مالک مطبع الکزنڈر میکملن ۲۵ لاکھ روپیہ نقد چھوڑ کر مرا ؛ • ڈنمارک میں کوئی خاندان ایسا نہیں جس کے تمام آدمی لکھنا پڑھنا نہ جانتے ہوں ؛ • سیام کا ایک شہزادہ تحصیل علم کی غرض سے لندن میں وارد ہوا ؛ • سول سروس کے گزشتہ امتحان میں پاس شدگان کی تعداد ۶۳ ہے، منجملہ ان کے ۷ ہندوستانی ہیں۔ اس وقت ۲۷ دیسی سول سروس میں ہیں۔ اب ان کی تعداد ۳۴ ہو جائے گی ؛ • گورنمنٹ ہند نے مسٹر ٹاٹا کی مجوزہ یونیورسٹی کی سکیم منظور کر لی ہے، عنقریب کونسل میں پیش ہو کر قانون بن جائے گا ؛ • چین میں اخباروں کی قیمت عموماً ایک پائی کے قریب ہوتی ہے۔

اخبارات و رسائل : — (چند معزز اور نامی اخباروں کی رائیں)

ادیب کی تعریف میں منقول از دبدبۂ قیصری بریلی، معین الہند اجمیر؛ رہبر، مرادآباد

فن اخبار نویسی (ایڈیٹر) ۱/۱ ؛ — اخبار بینی کے فوائد (منور خاں) ۱/۲

بصائر ماہوار اسلامی رسالہ۔ باہتمام مولوی بقا حسین خاں فلکی منجم مالیجاہ بہادر (ریویو) ۱/۱

الاسلام، الہ آباد : یہ اسلامی رسالہ الہ آباد سے ہر انگریزی مہینہ کی ۲۵ تاریخ کو شائع ہوتا ہے اس میں اسلامی خبروں کے علاوہ مشہور مورخ علامہ ابن خلدون کی معتبر تاریخ کا اردو ترجمہ اور مشاہیر عالم کی سوانح بھی بہ صفو بندی جداگانہ شائع ہوتے ہیں۔ مسلمانوں کی ترقی اور تنزل کے اسباب ظاہر کر کے قوم کو اسباب ترقی کی طرف متوجہ کرنا اور مخالفین اسلام کے اعتراضات کا جواب دینا بھی اس کے مقاصد میں داخل ہے

جریات بوعلی سینا وغیرہ کی کچھ جلدیں پولیس نے برآمد کرکے جاہلانہ حماقت کی ہیں۔ ساتھ ہی اس کے یہ خبر بھی دیکھنے میں آئی کہ ڈاکٹر گنگا دین کی ایک طبی کتاب "ینگ مینس گائیڈ" کو کلکتہ ہائی کورٹ نے جائز قرار دیا اور عدالت ماتحت نے جو اس کو فحش قرار دیا تھا اس حکم کو منسوخ کر دیا۔ کلکتہ ہائیکورٹ کا یہ فیصلہ نہایت اطمینان بخش ہے۔ کیونکہ طبی کتب خاص کر طبابت پیشہ لوگوں یا اس فن کے عام شائقین کے لئے مخصوص ہوتی ہیں، جن کی تعداد انگلیوں پر گنی جا سکتی ہے۔ ان کے ناظرین کی تعداد ناول کے شائقین کی طرح محدود نہیں ہوتی اور اس لئے ان کا اثر عام نہیں ہوتا۔ اگر جریات بوعلی سینا کو جوڈیشیل نظر سے فحش قرار دیا جائے، تو انگریزی کتب اناٹمی (علم الابدان) کے ترجمے جن میں اعضاء انسانی کے ہر رگ و ریشہ کی تصاویر درج ہوتی ہیں اور جو طبی مدارس سرکاری میں پڑھائی جاتی ہیں بدرجہ اول فحش قرار دیئے جانے کی مستحق ہوں گی۔ ہم نہیں سمجھ سکتے کہ جس صورت میں رسائل مکہ فحش اور مخرب الاخلاق ناول اور ان کے ترجمے کھلے خزانے تین تین چار چار آنے بازاروں اور اسٹیشنوں پر بکتے پھرتے ہیں اور سرکار سے کوئی مزاحمت ان کی فروخت میں نہیں ہوتی، تو جریات وعلی سینا جو ایک خاص فن کی کتاب ہے کس اصول پر قابل اعتراض سمجھی جاتی ہے۔

طب یونانی اول تو ملک کی غفلت اور ناقدری سے یوں ہی نیم جان ہے، اگر اس کی یہ چند کتابیں بھی قانونی شکنجے میں پھنس کر ناقابل الاشاعت قرار پا گئیں تو فن مذکور رہا سہا بالکل نیست و نابود ہو جائے گا۔ یہ ایک بڑا اہم اور نازک مسئلہ ہے جس کو روز روشن میں لانا اور اس پر متانت اور سنجیدگی سے بحث کرکے گورنمنٹ کی توجہ معطوف کرانا اخباروں کا کام ہے۔ ہم امید کرتے ہیں کہ ہمارے معزز ہمعصر جلد اس کا نوٹس لیں گے۔ اگر اس بارہ میں ایک خاص کمیٹی سرکار سے مقرر ہو کر رائے طلب کی جاوے اور ملک کے مشہور اطبا و اد باشل حاذق الملک جناب حکیم عبدالمجید خاں صاحب دہلوی، خان بہادر ڈاکٹر رحیم بخش صاحب لاہوری، ڈاکٹر پیارے لال صاحب سند یافتہ لندن، شمس العلماء مولوی محمد ذکاء اللہ صاحب، خان بہادر شمس العلماء مولوی حافظ نذیر احمد صاحب وغیرہ اس کمیٹی کے ارکان مقرر کئے جاویں، تو یہ اہم مسئلہ نہایت عمدگی اور اطمینان کے ساتھ طے ہو سکتا ہے۔" (متفرق علمی نوٹس: از ایڈیٹر) ۱/۴

گلدستۂ تمیز: مصنفہ نواب میر صدرالدین حسین خاں رئیس بڑودہ: ۲۹ مضامین انتظام امور خانہ داری اور دیگر ضروریات زندگی کے متعلق۔ اس سے پہلے مصنف چھوٹی چھوٹی کتابیں مثل گلدستۂ علوم و گلدستۂ وعظ تصنیف کر چکے ہیں۔ (ریویو) ۱/۳

لبسمل (اعظم گڑھ) - مہینہ میں چار بار (اشتہار) ۱/۱۲ -

ادیب کی نسبت چند معزز اور نامی اخباروں کی رائیں، کے عنوان سے کچھ اخبارات و رسایل سے رائیں دی ہیں۔ اس ذیل میں مندرجہ نام ملتے ہیں: ریویو ۱/۲

— اودھ اخبار، چودھویں صدی، راجپوتانہ گزٹ، روزانہ اخبار دہلی، مفید عام آگرہ، سول اینڈ ملٹری نیوز لدھیانہ، ریاض الاخبار، انیس ہند میرٹھ، حبل المتین، کلکتہ، نیر اعظم مراد آباد، مخبر دکن مدراس، جنرل و گوہر آصفی کلکتہ، شرارہ مراد آباد۔

المعلومات، جے پور ، نیرنگ جہاں، جے پور ۱/۲

یہ دونوں رسالے ماہ جنوری ۱۸۹۹ء سے جے پور سے شائع ہونا شروع ہوئے ہیں۔ شہر مذکور میں دو سوسائیٹیاں ہیں، جن میں سے ایک کا نام انجمن تعلیمی اور دوسری کا نام انجمن احباب ہے۔ یہ دونوں رسالے انہیں دونوں سوسائٹیوں کی مساعی جمیلہ کے نتیجے ہیں۔

• المعلومات ۳۲ صفحوں پر ماہوار شائع ہوتا ہے۔ جس کے ۱۶ صفحوں میں اماں جان کا راز نامی ایک ناول جو انگریزی ناول کا ترجمہ ہے طبع ہوتے ہیں اور دوسرے حصے میں گبن صاحب کی مشہور تاریخ کا اردو ترجمہ ۱۶ صفحوں میں شائع ہوتا ہے۔

• نیرنگ جہاں کے پہلے حصہ میں رسالہ کے اغراض و مقاصد کے علاوہ دو مضمون درج ہیں۔ جن میں سے ایک میں تو خاندان مغاربہ کے دو نامور ہیرو یعقوب و عمر کی سوانح عمری شروع کی گئی ہے اور دوسرا مضمون عقل و مذہب کے عنوان سے محمد زکی صاحب کا لکھا ہوا ہے۔ یہ مضمون نہایت دلچسپ اور قابل قدر ہے۔ دوسرے حصہ میں اسکاٹ لینڈ کے ایک مشہور شاعر و ناولسٹ کی لیڈی آف دی لیک کا ترجمہ ہے۔ اس رسالہ کی ضخامت ۳۸ صفحہ ہے۔ المعلومات کے منیجر منشی عاشق علی صاحب اور نیرنگ جہاں کے منیجر ولی محمد صاحب آزاد ہیں۔

کتابیں:

کیا طبی کتابیں داخل فحش ہیں؟

— لاہور کے بعض اخبارات سے معلوم ہوا کہ کشمیری بازار کے کتب فروشوں کی دکان سے

نحش تھا یا نہیں، اور نحش کی تعریف کیا ہے۔ اکثر مستند اہل زبان کی شہادت بھی لی گئی ہے
اور فیصلہ نہایت مدلل لکھا گیا ہے"۔ (ریویو) ۱/۱۰؛ — اردو رائٹر: یعنی نامہ نگار مصنفہ
راجہ جیداس بہار گو، ایڈیٹر و پبلشر اخبار التفریح لکھنؤ؛ — مطبع مفید عام آگرہ: تعریف
میں محسن الملک کے دو خطوط بھی دیے ہیں۔ (ریویو) ۱/۱۰؛ — ضیاء العین: مصنفہ حکیم سید
خورشید حسین لکھنوی، مطبع دبدبۂ احمدی لکھنؤ؛ — بڑی جنتری ۱۹۰۰ء: "ہمارے مخدوم منشی محمد
رحمت اللہ رعد کی اعلیٰ صنعت اور شاق محنت و دیانت کا نمونہ (ریویو) ۱/۱۱؛ —
انگلینڈ اینڈ انڈیا: مصنفہ رائے بہادر لالہ بیجناتھ صاحب، طابع منشی گلاب سنگھ، لکھنؤ؛
— سفرنامۂ انگلستان: فرانس، سوئٹزرلینڈ و سیلون وغیرہ؛ — ذکر رحمانی: مصنفہ قاضی
محمد ابرار احمد خاں، ناشر: نیر اعظم بک ایجنسی مراد آباد؛ — سوانح عمری حضرت گنج مراد آبادی؛
شمس التواریخ: مصنفہ محمد امیر الدین و اشفق علی، مطبع لامع النور، آگرہ؛ — اسلامی تاریخ
(ریویو) ۱/۱۴؛ — ترجمہ تاریخ ابن خلدون (المشتہر حامد حسین — الہ آباد) (اشتہار) ۱/۱۲؛
سفرنامہ برہما؛ سفرنامہ پہاڑا: ملک نیپال کا سفرنامہ؛ پرورش اطفال؛ جواہر نباتات
(المشتہر مطبع ودیا درپن میرٹھ) ۱/۱۲؛ — حسن بن صباح؛ ایام عرب: مولوی عبد الحلیم
صاحب شرر ایڈیٹر دلگداز کی جدید اور بے بہا تصانیف (المشتہر محمد نثار حسین، پیام یار، لکھنؤ)
۱/۱۲؛ — جام جم: یعنی انسان کی کھوپڑی میں خواص و عادات کے بنانے اور کم و بیش کرنے کی
ترکیب، کا عجیب علم؛ کلید تصوف، (چھ سو صفحے کی کتاب) (المشتہر منیجر اتم پرکاش مراد آباد)
۱/۱۲؛ — **ناول**: — زندہ کرامات؛ بحر در قطرہ؛ زندہ جاوید (صوفی انبیا پرشاد
کی تصانیف مسمریزم اور اسپریچولزم پر)؛ افسوں (فرانسیسی سے یہ ناول انگریزی میں آیا۔ انگریزی
سے سخاوت حسین نے ترجمہ کیا)، شرارت؛ خوبیٔ قسمت؛ بھول بھلیاں؛ انگشتری؛
قتیل جفا (المشتہر انیس ابن علی نیر اعظم مراد آباد) ۱/۱۲؛ — شہنشاہ جرمن کا سفر قسطنطنیہ؛
نگار خانہ منصور (منصور حلاج کی سوانح عمری ... مرتضیٰ) (المشتہر، نیر اعظم مراد آباد) ۱/۱۲۔

کتاب فلسفۂ امثال و منتخب الامثال مؤلفہ خان بہادر ذکار اللہ دہلی ۳۰۳ص (ر
بحر الحیات : مصنفہ حکیم اصغر علی فیروز آبادی (ریویو) ۱/۱ — ازالۂ بیعۃ
کتاب حقیقۃ الازدواج فی اباحۃ الازواج : مصنفہ اظہر الحق آزاد تعلقدار مؤانگر (ریویو) ۳/۱ : احکام الطلا
مولوی سید شاہ درویش قادری (ریویو) ۱/۵ ؛ — ملفوظات حضرت شاہ عبد العزیز مح
باہتمام قاضی محمد بشیر الدین رئیس میرٹھ و حال مقام متھرا ؛ — سو برس کی عیسوی و ہجری
مرتبۂ قاضی محمد بشیر الدین - ۱۸۵۱ء لغایتہ ۱۹۵۰ء - یعنی ۱۲۶۶ھ لغایتہ ۱۳۶۸ھ ؛ — (
معلومات السنین : عیسوی، ہجری، فارسی، فصلی، بنگلہ وغیرہ کے تاریخی حالات۔ مصنفہ اسا
احمد تسنیم نارلوی ؛ — انشاء فیض منشار، مصنفہ احمد حسین عاقل فرید آبادی (ریویو
— تجلیاتِ عشق یعنی دیوان اکبر مصنفہ شاہ محمد اکبر ابو العلائی، خانقاہ دانا پور (ریویو)
— یادگار سعدی، شاہنامۂ ہند (مصنفہ مہاراجہ پوربکشن رگھوبیر جنگ بہادر،
بہادر (شاہ ظفر) ؛ — تاریخ دربار لاہور ۱۸۹۴ء ؛ — گلشن سخن ؛ — کلید د
— اسلوب شریعت، حضرت غوث اعظم ؛ مرقع اسلام یا راز نہاں ؛ — حرماں نصیب
— ناکام ؛ — جنٹلمین ؛ — گردش ایام ؛ — گلاب کور ؛ — بڑھاپے کی ش
— ہنسی کی پڑیا ؛ — دل بہلاؤ کا نسخہ۔ (اشتہار۔ صدائے ہند بک ایجنسی لاہور) ۱/
— امراؤ جان ادا، مصنفہ مرزا رسوا (ریویو) ۱/۸ ؛ — امیرانہ و غریبانہ زندگی..
زوفن۔ مترجمۂ پنڈت مانک راؤ وٹھل راؤ حیدرآبادی (ریویو) ۱/۸ ؛ — برکات قیصر
مصنفہ مولوی نہال احمد علوی حمیدی رئیس کٹرا ؛ — البرامکہ مصنفہ عبد الرزاق کانپور
(ریویو) ۱/۹ ؛ — تحفۃ الاحباب، مصنفہ حاذق الملک حکیم ابو سعید محمد عبد المجید خاں د
فراش خانہ دہلی ؛ اصول صحت ؛ مصنفہ ڈاکٹر کننگھم ملخصہ خواجہ غلام الثقلین ؛
بھول بھلیاں : شکسپیر کی کامیڈی آف ایررس کا ترجمہ۔ از فیروز شاہ خاں رامپور
باعانت بابو سیتل پرشاد، مینجر اخبار نیر اعظم مراد آباد (ریویو) ۱/۱۰ ؛ — علی کی سنوا
ناشر نیر اعظم مراد آباد : عدالت دیوانی منصفی مراد آباد کے ایک فیصلے کی نقل جس میں یہ بحث
بڑی دلچسپی اور تحقیق کے ساتھ کی گئی ہے کہ ایک خاص فقرہ مندرجہ اخبار نیر، مراد آباد، (ا

مؤلف نے ناول میں جابجا فی البدیہ اور برجستہ اشعار بھی لکھے ہیں جن سے حسنِ زبان دوبالا ہو گیا ہے اور
ایک بڑی ندرت یہ کی ہے کہ ہر مضمون کو شعر سے شروع کیا ہے جس سے آئندہ واقعات کی جھلک دکھائی دیتی ہے۔"
الغرض اس دلچسپ و دلفریب ناول کی خوبیاں دیکھنے سے تعلق رکھتی ہیں۔ جن صاحبوں کو اودھ کے دار السلطنت
کی سوسائٹی کے فوٹو دیکھنے، "فیشنیبل" مقامات کی سیر کرنے اور لکھنؤ کی زبان کے چٹخارے اور مزے لینے کا شوق
ہو وہ یہ رنگین قصہ منشی مہادیو پرشاد صاحب مہابادوں امین آباد لکھنؤ سے طلب فرمائیں۔

بعض امور جو ہم کو مصنف صاحب کے غور کے قابل معلوم ہوتے ہیں حسب ذیل ہیں۔ ہندوستان اور یورپ میں [illegible]
نواب چھبن صاحب کے ڈوبنے کے متعلق ہوا، یہ فنِ تیراکی کا یہ نکتہ درج ہے کہ جو شخص تیرنا جانتا ہے وہ
اپنے قصد سے نہیں ڈوب سکتا مگر اس کی خبر بہت (Remote) دور جا کر صفحہ ۱۸۳ پر ناول کے خاتمہ کے قریب
نکالی ہے۔ اس سے طبیعت کو ایک غیر معمولی خلجان ہوتا ہے۔ دوسری بات یہ ہے
کہ امراؤ جان کے مکان پر نواب سلطان صاحب اور اون کثار باز خاں سے جو تکرار
ہوئی اور سلطان صاحب طمنچہ مار کر صاف بچ گئے اس کو عقل بمشکل قبول کرتی ہے کیونکہ وہ تو غدر کے بعد ہی کا
غیر ذہنی زمانہ تھا۔ کوتوال کو خوب رقمیں چیرنے کا موقع تھا۔ ایک انصاف پسند اور تجسس طبیعت چاہتی ہے
کہ اس مقدمہ کی تفتیش ہوتی۔ نواب صاحب کچہری گھسیٹے جاتے کہ ذرا طوائف کے گھر جانے کا مزا ملتا۔ شہر میں
شہرت اور لوگوں کو عبرت ہوتی۔ تیسری بات یہ ہے کہ اگر ایک فہرست مضامین دیدی جاتی تو ناظرین جس سبجکٹ
کو دوبارہ پڑھنا چاہتے اوسکے نکالنے میں آسانی ہوتی۔ اگر یہ امور مصنف صاحب مناسب جانیں تو ان امور کا طبع ثانی
کے وقت لحاظ رکھیں جس کی نوبت ناول کی عام مقبولیت اور ہر دلعزیزی کے خیال سے جلد پہنچنے کی امید۔ ایڈیٹر (ریلی) ۱۸۹۱

فردوس بریں : مصنفہ عبد الحلیم شرر

"ہمارے کرم دوست منشی محمد نثار حسین صاحب نثار، مالک قومی پریس و مہتمم گلدستہ پیام یار
لکھنؤ نے وقتاً فوقتاً اردو لٹریچر میں بیش بہا اضافہ کر کے جو احسان ملک و قوم پر کیا ہے وہ محتاج بیان نہیں
ہے۔ سچ پوچھو تو یہ منشی صاحب کی ذات ہے جس نے پچھلی ربع صدی میں اپنے ہر دلعزیز و مشہور گلدستہ
کے دامن عاطفت میں ایشیائی شاعری کو جو لٹریچر کا جزو اعظم ہے جگہ دے کر بچا لیا ہے ورنہ وہ اب تک
کبھی کی ملک سے رخصت ہو جاتی اور آج اس کا کوئی نام تک بھی نہ جانتا۔ چند عرصہ سے قدیم شاعری

ایک [illegible] سالہ رسالے کے یہ صفحے خاص ہو گئے

ریویو کی دو مثالیں: اُردو کے دو بڑے ناولوں پر تبصرہ:

امراؤ جان ادا، مصنفہ مرزا رسوا۔

"اگرچہ ہم عام ناولوں کے اس طوفان بے تمیزی کے عموماً مخالف ہیں جو فی زمانہ برپا ہو رہا ہے لیکن بعض صورتوں میں عام قاعدہ کے ثابت کرنے کے لئے مستثنیات لازم ہوتی ہیں اور یہ ناول بھی استثنائی فہرست میں داخل ہے۔ لہٰذا ہم اس کا ریویو ذیل میں درج کرتے ہیں۔

یہ ناول جیسا کہ ٹائیٹل سے ظاہر کیا گیا ہے، لکھنؤ کی ٹکسالی زبان میں ایک طوائف کی سوانح عمری اسی کی زبانی ہے جس میں لکھنؤ کے طرز معاشرت کی ہو بہو تصویریں، سچے واقعات اور اصلی مقامات کے جیتے نقشے اعلیٰ درجے کے ستھرے مذاق کے ساتھ دیئے گئے ہیں۔ مصنف کا فرضی نام (nom de plume) مرزا رسوا لکھا ہے لیکن مضامین کی بندش، الفاظ کی شستگی، خیالات کی نیچرل روانی صاف صاف پکار کر کہہ رہی ہے کہ یہ کسی بڑے قادر الکلام انگریزی داں کے قلم سے نکلی ہیں۔

لائق مصنف اپنی ہیروئن کو عجب ناز و انداز اور دلفریب طریقے سے اسٹیج پر لائے ہیں، پردہ اٹھتے ہی ناظرین کو ایک اعلیٰ درجہ کا خوشنما سین لکھنوی مشاعرہ کا نظر آتا ہے جس میں ہر مذاق کے لوگ ہیں۔ شاعروں کا کلام، ان کی خوش بیانی، ظرافت، بذلہ سنجی، نوک جھونک، طرز غزل خوانی ہر شعر پر واہ واہ غرضیکہ مشاعرہ کے کل فروعی لوازمات کو اس خوبی سے ادا کیا ہے کہ گویا تصویر کھینچ دی ہے اور فی الواقع اس مشاعرہ میں جو غزلیں پڑھی گئی ہیں ان کے بعض شعر لاجواب ہیں خصوصاً آغا صاحب کی غزل میں تو اکبر آباد کے مشہور شاعر کالیخاں سفلی مرحوم کے کلام کا لطف آتا ہے۔ جن صاحبوں کو لکھنؤ کے مشاعرے دیکھنے کا اتفاق نہیں ہوا ہے ان کے لئے یہ سین بڑا دلچسپ ثابت ہوگا۔ اسی مشاعرے میں بی امراؤ جان تشریف لاتی ہیں، کیونکہ وہ بھی شاعرہ ہیں اور بعد اختتام حسب فرمائش مرزا رسوا صاحب اپنی سرگذشت یا سوانح عمری کہہ سناتی ہیں جس کا ہر ایک سین برگ گروٹن[1] کے رنگ کی طرح سرعت کے ساتھ ہر گھنٹے پر بدلتا جاتا اور نیا سماں دکھاتا ہے۔

یہ ناول محض قصہ نہیں ہے بلکہ بہ نظر غور دیکھا جائے تو وہ نوجوانوں اور خصوصاً شہری امیرزادوں کے لئے ایک گائیڈ یا رہبر ہے، جو ان کو شاہراہ زندگی کے خاروں، گڈھوں اور کھائیوں سے بچانے میں بڑی مدد دے گا اور اس فرقہ بنات الشیاطین نے جو دام تزویر ہر شہر کے بازاروں اور گلی کوچوں میں بچھا رکھا ہے اس سے محفوظ رکھے گا۔

۱۔ اس نام کا ایک انگریزی درخت ہے، جو دن میں کئی رنگ بدلتا رہتا ہے۔

وغیرہ دس بیس گلدستے نکلے ... آخر میں ہمارے مخدوم حسان الہند مولانا شوکت میرٹھی ایڈیٹر طوطی ہند نے پروانہ نام کا ایک ماہواری گلدستہ جاری کیا جس میں بعض مضامین فاضل ایڈیٹر کے قلم سے نہایت قابل قدر نکلے اور امید تھی کہ یہ بعض مزید توقعات کو پورا کرے گا لیکن ہمارے مخدوم کو لڑائی سے فرصت بھی تو ہو"

لٹریچر کا نمونہ : مغربی ترکیب، مشرقی مذاق، نیچرل حالتوں کا فوٹو (اشہری) ۱/۴؛ ● لٹریچر: ہماری زبان: ادبی کورس کے لئے (اشہری) ۱/۷؛ ● نیچرل نظم: فلسفۂ مذہب: ادبی کورس کے لئے (اشہری)

اُردو شاعری — اور ایک فلسفیانہ اصلاحی خیال (محبوب الرحمٰن کلیم عزیزی اعظم گڈھی متعلم بی اے کلاس سینٹ جانس کالج آگرہ) ۳/۱

— داغ کی تعریف؛ دوسرے درجہ پر امیر، جلال، تسلیم، ریاض، شوق، مضطر کے نام لئے ہیں۔ رعایت لفظی کی تنقید کی ہے اور لکھا ہے کہ "شعر جس قدر قیود اور پابندیوں کے شکنجوں میں جکڑ جائے گا اسی قدر اظہار خیالات کا دائرہ بھی محدود ہو گا"

اِرتقائے :- ● انسان میں ترقی کا مادہ (خادم قوم میر صدرالدین حسین بڑودوی) ۱/۷؛ افسانۂ عالم : (بادی منور خاں) ۱/۴؛ — ارتقائے کائنات اور ارتقائے ذہن انسانی پر بسوط مقالہ؛ زمانہ کی ترقی اور پہلو اتنزل (خادم المحققین غلام رسول واحد) ۱/۸؛ ● انسانی اخلاق (نہال احمد علوی حمیدی) ۱/۸؛ ● انسان کی آمد و رفت (محمد اکبر ابو العلائی) ۱/۱۰؛ ● ریاضت: نیچر کی ڈسپنسری میں ایک مقوی دوا (سید امجد علی اشہری) ۱/۱۰؛ ● گردش ایام (جمیل احمد جمیل، ایڈیٹر النظم، مراد آباد) ۱/۱۱؛ ● سال نو کا خیر مقدم (نہال احمد علوی حمیدی) ۱/۱

منظومات : قطعات تاریخ سالگرہ ادیب، ۱۳۱۷ ہجری نبوی صلعم (ڈاکٹر شیخ محمد حسین گجراتی) ۱/۳۲؛

بے ثباتی زمانہ : ع "شب کہ تھا میں عالم رویا میں نظارہ کناں" (بابو دوار کا سہائے سرور جہان آبادی) ۱/۱۱؛ ● نور جہاں کا مزار (بابو دوار کا سہائے سرور جہان آبادی تلمیذ حضرت بیان یزدانی، رئیس میرٹھ) ۱/۹؛ ● نیچرل شاعر (سرور جہان آبادی تلمیذ بیان یزدانی) ۱/۸؛ ● قطعہ فارسی: در مشورہ نواب محمد سلطان رشکی (مولانا حالی) ۱/۶؛ ● نیچرل نظم: فلسفۂ مذہب ادبی کورس کے لئے: (امجد علی اشہری) ۱/۵ - ۶

کی حفاظت کے ساتھ ساتھ یہ التزام کیا گیا ہے کہ گلدستہ مذکور میں ایک اعلیٰ درجے کا ناول بھی شایع ہوتا ہے اور قومی پریس بک ایجنسی کے سلسلے میں قیمتی کتابیں طبع کی جاتی ہیں۔

ناول زیر ریویو جو ہندوستان کے والٹر اسکاٹ مولانا شرر مشہور ناولسٹ کی تازہ ترین تصنیف ہے اسی سلسلے میں داخل ہے۔ فرقہ باطنیہ اسمٰعیلیہ کے تاریخی حالات اور ان کی مصنوعی فردوس کی دلفریب حقیقت بالآخر ہلاکو خان کے ہاتھ سے اس کے انہدام کی کیفیت بڑے دلچسپ طریقے سے بیان کی گئی ہے۔ مولانا موصوف کے طبع شدہ ناول اب تک جو شہرت اور قبول عام کی سند حاصل کر چکے ہیں وہ اظہر من الشمس ہے۔ مگر اس میں کوئی کلام نہیں کہ ان میں سے کوئی بھی اس سے لگا نہیں کھاتا۔ پلاٹ (بندش قصہ) گو ابتدا میں کسی قدر پیچیدہ ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ ہم کسی سوپر نیچرل (مافوق الفطرۃ) عالم کی سیر کر رہے ہیں اور ہرگز اس امر کا شبہ تک نہیں گزرتا کہ یہ فردوس بریں کی دلفریب و دلچسپ سیریاں اور اس کے محیر العقول محلات وحور و قصور حقیقتہً انسانی صنعت کا نمونہ ہیں۔ لیکن باب بست و ہشتم "افشائے راز" کے پڑھتے ہی یہ طلسم آن واحد میں ٹوٹ جاتا ہے اور خدائے عزوجل نے اپنی قدرت کاملہ سے جو طاقت اشرف المخلوقات حضرت انسان کو عطا کی ہے اس کا کرشمہ نظر آ جاتا ہے۔ ہم اس ناول کی تعریف کہاں تک کریں۔ اگر اس کی سب خوبیاں بیان کی جائیں تو ادیب کا پورا ایک نمبر بھی کافی نہیں ہو سکتا۔ ہم صحیح کہتے ہیں کہ ہم نے جس وقت سے اس ناول کو ہاتھ میں لیا بغیر ختم کئے نہیں چھوڑا۔ جن صاحبوں کو فردوس بریں کی سیر کرنے کا شوق ہو ان کو حسین (ہیرو کا نام ہے) کی سی مالایطاق تکلیفیں اٹھانے، شیخ الطائفہ باطنیہ شریف علی وجودی کی بیعت کرنے، امام نجم الدین نیشاپوری اور امام نصر بن احمد جیسے علماء و مشاہیر وقت کو قتل ہوتے ہوئے خود دیکھنے کی کوئی ضرورت نہیں ہے۔ صرف ایک روپیہ خرچ کر کے منشی نثار حسین صاحب مالک قومی پریس لکھنؤ سے طلب کر لیں اور جب جی چاہے گھر بیٹھے فردوس بریں کی سیر کر لیا کریں۔ (ریویو) ۱/۱۱

نقد:-

اُردو لٹریچر: ہماری نظم و نثر (سید امجد علی اشہری) ۱/۱۱-

— ایشیائی شاعری کی اہمیت بلکہ یورپی شاعری پر اس کی فوقیت: "ہندوستان میں نظم کے متعلق کئی گلدستے نکلے۔ اگر میری یاد میں غلطی نہیں تو سب سے پہلے جناب ... [illegible] ... گلدستہ [illegible] جاری کیا

علامت کے طور پر زیادہ کام لیتا ہے؛ بشپ ہیڈینس: مجھے خیال جلد مجسّم اعمال کی طرف رجوع کر سکتا ہے؛ لیبریری: مفلس وہ ہے جس کا خرچ آمدنی سے زیادہ ہو؛ ایل اسٹیج: ناشکرہ خدا اور انسان دونوں کو ناپسند ہے؛ رکٹر: خوشیاں ہمارے لئے مثل پرندوں کے ہیں اور تکلیفیں مثل بھیڑیوں کے؛ رڈبری: نیکی کے موقع کو ہاتھ سے مت کھوؤ؛ پٹمین: انضباط اوقات علامت ہے ایک ضابطہ پسند طبیعت کی۔ (مترجم ایڈیٹر) ۱/۵-۶

لارڈ برلے کی دس نصیحتیں (مترجم ایڈیٹر) ۱/۵-۶

(۱) جب تم جوان ہو اپنی شادی کرنے میں نہایت احتیاط اور دور اندیشی سے کام لو۔ کیونکہ اس وقت سے تمہاری آیندہ کی بھلائی اور برائی کی بنیاد پڑیگی۔ (۲) اپنی اولاد کو علم اور اطاعت سکھاؤ اور ان کی تعریف سب کے سامنے کرو اور سرزنش علیحدہ۔ ان کا کھانا اور پہننا اپنی حیثیت کے موافق درست اور ٹھیک رکھو ورنہ تمہاری زندگی تلخ ہو گی۔ (۳) اپنے دوستوں اور عزیزوں کی بخوبی تواضع اور تکریم کرو اور ان کے نیک کاموں میں ان کی اعانت کرو۔ کیونکہ اس وسیلہ سے رشتۂ محبت دو چند مستحکم اور مضبوط ہو جائے گا، گر خوشامدیوں سے پرہیز کرو ... (۶) جبتک تمہارا کوئی سخت فرزند ہو کسی مفلس پر نالش نہ کرو۔ کیونکہ اس نالش پیشہ ادمی کو درحقیقت اپنا ہمسر بنانا ہے ..

(۹) اپنی جان اور مال حتی الوسع اور کسی کے سپرد نہ کرو۔ خدا جانے وہ کب تم سے جدا ہو جائے اور پھر تم کو اس کی غلامی میں زندگی بسر کرنی ہو۔ (۱۰) گفتگو میں سخت کلامی نہ کرو۔ زبان شیریں ملک گیریں ایک مشہور ضرب المثل ہے۔ ورنہ لوگ نفرت کرنے لگیں گے۔ ۱/۵-۶

مختلف قوموں میں مزاج پرسی کے فقرے: (مترجم ایڈیٹر)

انگریز۔ "کیسے ہو؟" فرانسیسی۔ "کیسی گزرتی ہے؟" جرمن۔ "کیونکر بسر ہوتی ہے؟" روسی۔ "خدا تمہیں سرسبز رکھے" ہسپانی۔ "تمہاری عمر دراز ہو" مصری۔ "آپ کو پسینہ خوب آتا ہے؟" یونانی۔ "خوشیاں مناتے نظر آؤ" ایرانی۔ "تمہارا سایہ دراز ہو" ترکی۔ "تم ہنستے مسکراتے رہو" چینی۔ "تم نے خوب کھایا؟ معدہ تو درست ہے؟" عبرانی۔ "تمہارے سر پر امن کا سایہ ہو" افغان۔ "تندرستی ہو" (۱/۵-۶)

۱/۵-۶

— فن انجنیری کی حیرت انگیز ایجاد: ایک پٹری کی برقی ریلوے: رفتار ۱۲۰ میل؛

متفرقات :

صدی کب شروع ہوگی : "یکم جنوری ۱۹۰۰ء کو یا یکم جنوری ۱۹۰۱ء کو اس سوال پر بحث ہو رہی ہے۔ بعض کہتے ہیں کہ سن رواں کے خاتمہ پر آئندہ صدی شروع ہو جاتی ہے اور بعض کا قول ہے کہ ۱۹۰۰ء انیسویں صدی کا آخری سال ہے اور اس کے بعد بیسویں صدی شروع ہوگی اور حقیقت میں آخرالذکر حق بجانب ہیں۔ کیونکہ جب تک ایک سیکڑہ پیمانہ پورا نہ ہو دوسرا کس طرح محسوب ہو سکتا ہے۔ ۹۹ کے خاتمہ پر لپد تو نہیں ہو جاتے بلکہ صدی کا آخری سال پورا ہوتا ہے۔ (سول اینڈ ملٹری نیوز)" ۱/۵-۶

جنتری کے متعلق عجیب و غریب معلومات : "ہماری جنتری میں کئی باتیں واقعی عجیب ہیں (۱) کوئی صدی چہارشنبہ، جمعہ اور یکشنبہ سے شروع نہیں ہو سکتی۔ یعنی کسی صدی کی پہلی تاریخ ان تینوں دنوں میں واقع نہیں ہو سکتی۔ (۲) کسی سال کی جنتری بیسویں برس پھر صحیح طور پر استعمال ہو سکتی ہے۔ (۳) اکتوبر کی پہلی تاریخ کو ہمیشہ وہی دن پڑے گا جو جنوری کی پہلی کو ہوگا اور اسی طرح اپریل کی پہلی تاریخ یکم جولائی سے یکم ستمبر اور یکم دسمبر سے بلحاظ دن کے مطابق ہوگی۔ (۴) فروری، مارچ اور نومبر ہمیشہ سے ہر سال ایک ہی دن شروع ہوتے گئے ہیں۔ (۵) مئی، جون اور اگست ہمیشہ متفرق دنوں سے شروع ہوتے ہیں اور کبھی ان میں مطابقت نہیں ہو سکتی۔ (۶) ہر سال کا پہلا اور آخری دن ہمیشہ ایک ہی ہوتا رہے گا۔ یعنی اگر یکم جنوری کو دوشنبہ ہے تو ۳۱ر دسمبر کو بھی ضرور دوشنبہ ہوگا۔

نوٹ : سال کبیسہ میں ان قواعد کی پابندی ٹوٹ جاتی ہے"

بعض مشہور انگریزی شاعروں اور مصنفوں کے یادگار مقولے (مترجم ایڈیٹر) ۱/۵-۶

شیکسپیر :- (۱) نہ قرض لو نہ قرض دو۔ (۲) غصے کی آگ کو تحمل کے پانی سے بجھاؤ۔ (۳) جس معاملے کے بگڑنے کا اندیشہ ہو، اس کی درستی میں عجلت کرو۔ (۴) اپنے ہر مقصد میں ملک کی بھلائی، خدا کی اطاعت، اور حق کی تلاش مدنظر رکھو۔

"لارڈ میکالے : خوش خلقی کے معنی یہ ہیں کہ چھوٹے چھوٹے امور میں بھی مروت برتی جائے۔ ہربرٹ :- خدا شفا بخشتا ہے اور طبیب شکریے کا مستحق ٹھہرتا ہے۔ مُڈرائیڈن : زیادہ سوچو کم بولو۔ برک : بغیر سوچے پڑھنا ایسا ہے، جیسا کہ بغیر ہضم ہوئے کھانا۔ کوپر : کفایت شعاری نصف بڑی آمدنی ہے۔ بیکن : احتیاط سے گفتگو کرنا فصاحت سے بہتر ہے۔ لوتھیہ : ہاتھوں سے محبت

محمد یونس خالدی
مولانا ابوالکلام آزاد میموریل اکادمی
۷۔ بشیشر ناتھ روڈ، لکھنؤ

ابوالکلام آزاد کے خط کے بارے میں

مولانا آزاد کے گرامی نامے کے عکس کا شکریہ۔ تحریر کے متن نے یقیناً میری رہنمائی کی، یہ مکاتیب ابوالکلام آزاد مرتبہ ابوسلمان شاہجہان پوری کے صفحہ ۷۴، و ۷۵ پر شائع ہو چکا ہے، یہ خط یقیناً مولوی عبداللطیف صاحب مالک اخبار "دارالسلطنت" کے نام ہے۔ دارالسلطنت کا اجراء ۴ مئی ۱۸۸۱ء میں ہوا تھا۔ دور ثانی کا سنہ اشاعت ۱۸۸۷ء ہے، دور ثالث کی ادارت کے لئے مولانا آزاد کو آمادہ کیا گیا، اس کی خوشخبری مولانا نے ۸ دسمبر ۱۹۰۶ء کو خواجہ حسن نظامی کو سنائی تھی (ملاحظہ فرمائیے، "اتالیق خطوط نویسی" مرتبہ خواجہ حسن نظامی چوتھا اڈیشن صفحہ ۵۰) اور مولوی انشاء اللہ خاں مرحوم، مالک و مدیر "وطن" لاہور کو اس مژدہ سے ۱۲ دسمبر ۱۹۰۶ء کو شادکام کیا تھا (دیکھئے "تبرکات آزاد" مرتبہ غلام رسول مہر ہندوستانی اڈیشن صفحہ ۱۵۹)، یہ اخبار مولانا کی ادارت میں ضرور نکلا تھا، اس کے ثبوت میں علامہ شبلی کا وہ خط پیش کیا جا سکتا ہے جو انہوں نے ۵ اپریل ۱۹۰۷ء کو خواجہ حسن نظامی کو تحریر فرمایا تھا، جس میں لکھتے ہیں کہ:

"آزاد 'دارالسلطنت' میں پھنس کر نکل گئے۔ اب وکیل نے ڈورے ڈالے ہیں، غریب نازک گردن کس کس سے بچ سکتی ہے" (اتالیق خطوط نویسی صفحہ ۵۸) خط یقیناً اہم ہے۔ مولانا کی زندگی کے متعدد گوشوں پر روشنی پڑتی ہے، مولانا نے ڈھاکہ کا سفر کیا تھا۔ مگر مسلم لیگ کے جلسے میں شرکت کے لئے نہیں بلکہ آل انڈیا اینگلو اورینٹل ایجوکیشنل کانفرنس میں شرکت کے لئے۔ یہ اتفاقی بات ہے کہ مسلم لیگ کا قیام بھی اسی موقع پر عمل میں آیا۔

• چھاپنے کی ایجاد نے زمانۂ حال میں کس قدر ترقی کی ہے ۱/۵-۶ • چھاپنے کی دنیا میں ایک عظیم انقلاب عظیم: ایک جرمن نے برقی قوت سے بیسیوں حروف کے ذریعہ ٹائپ کی صورت میں بغیر سیسہ لکڑی کا پہلا چھاپنے کا طریقہ ایجاد کیا ہے! • مصنوعی چاند: کولمبیا یونیورسٹی لائبریری میں، فلکیات کے لئے ایک بڑا چوبی گولا تیار کیا جا رہا ہے! • امریکہ کے ایک قصبہ میں شہر کے چاروں طرف چار توپیں لگی ہوئی ہیں۔ جب کبھی سخت بادل آتے ہیں تو ان میں بارود بھر کر بادلوں کو اڑا دیا جاتا ہے۔ اور اس طرح قصبہ کو سخت بارش سے بچایا جاتا ہے؛ (ماخوذ از اخبار سائنٹفک امریکن) • پیرس اور برلن کے درمیان ۵۰۰ میل سے زیادہ کے فاصلے پر، خط پہنچانے کے لئے ایک الیکٹرک نل تیار کی گئی ہے کہ ایک شہر سے دوسرے شہر میں ۳۵ منٹ میں خط پہنچایا جاتا ہے

صنعت و حرفت وغیرہ: ۱/۱۱ • امریکہ کا موجد اڈیسن ایک ریل گاڑی بنانے میں مصروف ہے، جو ۲۴ گھنٹے میں ۵۰۰ میل چلے گی؛ • امریکہ میں بجلی کی کلوں سے سڑکوں پر جھاڑو دینے کا رواج شروع • لالہ اچھر دل پہلے پنجابی ہیں، جنہوں نے بمبئی سے میکنیکل انجینئر کا امتحان پاس کیا

مفید و دلچسپ معلومات: ۱/۱۰ • ملکۂ سیام کے برابر دنیا میں کسی عورت کا پاؤں چھوٹا نہیں ہے۔ اس کا انگوٹھا صرف ۲½ انچ کا ہے • بمبئی کے ایک مسلمان تاجر حاجی محمد سلطان نے بڑی فیاضی سے ڈیڑھ لاکھ روپیہ اپنے قصبہ کا نل جاری کرنے کے لئے دیا۔

(۵)

فیروز آباد کا ماہنامہ 'ادیب' اس صدی کے آغاز پر ۱۹۱۰ء کی جنوری سے دسمبر تک ۱۲ پرچے نکال کر اردو سائنس کی تاریخ میں ایک سنگ میل چھوڑ گیا۔ اس رسالہ کی نوعیت کئی لحاظ سے غیر معمولی ہے۔ افسانے سرے سے اس میں ہیں ہی نہیں۔ منظومات کا حصہ (دیگر شعر و شاعری کے بغیر ہم فواد نہیں توڑتے) نہ ہونے کے برابر ہے۔ انشا برائے انشا (سیناریو علی والی! یا پھر ادب لطیف؟) اس رسالے میں کہیں نظر نہیں آتی (ایسے کالموں سے ہم نے جن تحریروں کو یکجا ذکر کیا ہے وہ بھی مفید اور کارآمد معلومات پر ہیں) رسالے کا جو اصل مقصد ہے اس سے کوئی شمارہ ذرا سا بھی بھٹکتا نظر نہیں آتا۔ ظاہر ہے کہ جس میں زیادہ سے زیادہ علمی اور سائنسی معلومات دینے کی کوشش ہے۔ بڑا حصہ خود ایڈیٹر کے قلم سے ترجمہ یا طبعزاد ہوتا تھا جس میں سائنسی معلومات، اہم ملکی و غیر ملکی علمی اطلاعات جمع کی جاتی تھیں اور اہم کتابوں پر تفصیلی تبصرے ہوتے تھے۔ اس کے علاوہ سائنسی موضوعات پر مبسوط مقالے لکھے یا لکھوائے جاتے تھے۔ تحریر کے جادو نگری کا [illegible] 'آفرینش حیات' 'فلسفۂ نظر' یا [illegible] کا مضمون یا 'علم الافلاک' پر طبعیات پر مضامین، یہ سب اس رسالے کے غیر معمولی معیار دینے کے لئے کافی تھا۔ ہم مجبور ہیں کہ آج [illegible] (legend) بن کر داستان ہو گیا تھا!

قاضی عبدالودود (بار-ایٹ-لا)

مطبوعات جدیدہ

فرہنگ آصفیہ (۳)

(۵۲) الفاظ و طرق استعمال ذیل کلیات میر، دیوان قائم، غزلیات میر حسن و دیوان مصحفی وغیرہ آصفیہ میں غیر حاضر ہیں:

کلیات میر جلد ا، مرتبہ جناب ظل عباس عباسی + ۱۹۶۸ء صفحہ ۱۰۸۰۔ ۱- بجھنید ہونا = بجھنودہ شدن (ر بہ چراغ ہدایت = چراغ) "مجلس میں رات ایک ترے پرتوے بغیر ص۱۰۵ کیا شمع کیا پتنگ ہر اک بجھنودہ تھا" ۲- ترکتازی کرنا ص۸۳۶ ۳- بر اسبابی ص۸۳۲ ۴- جباہ ص۱۰۱ ۵- ایکوں (جمع ایک) "ایکوں کی کھال کھینچی ایکوں کو دار کھینچا" ص۱۳۷ + ۶- استظہار کشی ص۲۰۷ ۷- بابت گم ہونا کسی کی "دل کا نہیں ٹھکانا بابت کسی کی گم ہے" ص۱۱۰ ۸- امنداد ہ ۹- تسلی رہنا ص۱۴۸ ۱۰- دستگاہ مسخرہ "سب خوبیاں ہیں شیخ مشیخت پناہ میں پر ایک جبہ سازی ہے اس دستگاہ میں" ص۲۱۴ + ۱۱- زن جلبی ص۳۱۱ ۱۲- بوکرنا = سونگھنا ص۴۷ ۱۳- یوسفستان ص۵۱۴ ۱۴- قسم اقسام "مستی کی دیر میں قسم اقسام کر چکے" ص۸۳۹ ۱۵- زہینی ص۱۲۹ ۱۶- عاصمہ ص۸۲۸ ۱۷- برغوش چیدہ ص۸۰۸ ۱۸- بیعانگی " ۱۹- احتساب کرنا کسی پر ص۴۹۶ ۲۰- سرمشق ص۵۸۷ ۲۱- بلاچاقی "قد دلکش اس کا بالا چاق ہے" ص۶۰۶ ۲۲- نعدیہ کش ص۶۱۲ ۲۳- تخلف ص۶۰۳ ۲۴- تخیفی (مطبوعہ دونوں جگہ تحقیقی، غلط محض - ر بہ چراغ) "تخیفی شملہ پیرہن و کنگھی و کلاہ" ص۵۲۷ "تخیفی کچھ لپٹی باندھو ساختہ ہی معاملہ ہو" ص۸۴۸ ۲۵- الکلائی ص۶۱۹ ۲۶- تشتت "ساری حواسوں میں ہے تشتت جان بھی ہے گھبرائی جنی" ص۶۷۷ ۲۷- حواسوں "تنہا نہیں - ۲۸- تنیدنی ص۶۷۹ ۲۹- بریدنی " ۳۰- خیدنی ص۶۸۰ ص۵۶۴ ۳۱- بالیدنی ص۵۲۲ ۳۲- دیدنی ص۵۰۳ ۳۳- چمنی "جاں کا تری رنگ ستمگر چمنی ہے" ص۲۸۹ ۳۴- شوابٔ ۳۵- عصاکشی ص۲۸۲ ۳۶- چلاؤ "جب سے سمجھا کہ ہم چلاؤ ہیں ص۲۹۲ حال پرسی تک آ کے کر جاؤ" ۳۷- طلاقی ص۲۲۵ ۳۸- ٹھاگ "فلک کر دلی کو تمکو ہاتھ کب آؤ ہیں میر ص۴۴۸ پھر ایک ایک کو سو پھیریاں ہیں ڈاگ گو" ۳۹- شیوخانہ (ر بہ چراغ) "قسمت تو دیکھ شیخ کو جب لہر آئی تب ص۱۱۲ دروازہ شیوخانہ کا معمور ہوگیا"

<u>تصحیح و اضافہ</u>

دیوان حافظ

فہرست توضیحی مخطوطات فارسی جلد اول (انگریزی) نمبر ۱۸۱ صفحہ ۲۳۱ پر دیوان حافظ کے اس شاہی نسخہ کی تفصیل مذکور ہے، جس پر ہمایوں اور جہانگیر کی خود نوشت تحریریں ہیں۔ فہرست نگار نے ریو صفحہ ۶۲۸ کے حوالے سے حافظ کے سن وفات ۷۹۲ھ کی دلیل میں مندرجہ ذیل قطعۂ تاریخ پیش کیا ہے:

بسال با و صاد و دال ابجد — ز روز ہجرت میمون محمد
بسوی جنت اعلیٰ روان شد — فرید عہد شمس الدین محمد

اس قطعے سے (بٓ + صٓ + دٓ) ۸۰۶ مستخرج ہوتے ہیں۔ ریو نے بھی یہی غلطی کی ہے۔ مصرع اول کو جب تک اس طرح نہ پڑھا جائے ۷۹۲ مستخرج نہیں ہوں گے: بسال با و صاد و ذال ابجد (بٓ + صٓ + ذٓ) مزید برآں بیت اول کا قافیہ محمد نہیں احمد ہونا چاہیے۔ اگر شعر میں محمد موجود ہی ہے تو محمد سے موزوں بھی نہیں رہتا۔

—— از افادات قاضی عبدالودود

۱۔ متن شروع ہونے سے قبل کے صفحہ پر اس نادر نسخہ کو اس کتب خانہ کی نذر کیے جانے کی بابت میں ایک تحریر ہے جو غالباً سبحان اللہ خان کے نسخہ نویس کی ہے:

"یہ دیوان حافظ جس پر بعض کتبے خود جہانگیر کی ہیں کتب خانہ جناب قبلہ حضرت مرحوم مولوی حبیب اللہ خان صاحب کا [illegible] بطور ہدیہ اس کتب خانہ کی نذر کرتا ہے۔ آئندہ کوئی حقدار کتب خانہ حضرت مولوی صاحب [illegible] اختیار نہیں رکھتا۔ فقط ۵ رجب ۱۳۲۶ مطابق [illegible] ۱۹۰۸ء۔"

اس کے بعد خدا بخش خان کی تحریر ہے جس میں بڑے لطیف پیرایہ میں سبحان اللہ خان کا نام بھی آگیا ہے:
"[illegible] سبحان اللہ [illegible] میں نہایت شکر گزار ہوں اور ان کے نام کا [illegible] کتب خانہ [illegible] باقی پور تاریخ ۵ جولائی ۱۹۰۷ء"

ورق ۹ ب پر تغافل کے ساتھ ایک حاشیہ اس طرح ہے: "[illegible]"

۱۔ [illegible] کے معنی میں

۸۰۔ بجز بادی ص۵۳۰ ۸۱۔ خلیع العذار ص۵۴۱ ۸۲۔ رکن "ق کی رکن" ص۵۴۲ ۸۳۔ بیڈھنگی
"باتیں ہماری ساری بیڈھنگیاں ہیں دہری" ص۵۱۲ ۸۴۔ درد کھنچنا ص۵۳۲ ۸۵۔ بات نہ چیت
۸۶۔ بکانا "خریداری نہیں مطلق کہاں جا کر بکاؤں میں" ص۵۵۶ ۸۷۔ مساہلہ کرنا "نہ رہتے جیتو اگر ہم
مساہلہ نہ کریں" ص۵۵۹ ۸۸۔ دہلہ ۸۹۔ گل پھول ص۵۶۳ ۹۰۔ نالیدن ۹۱۔ دماغ تخت
ہونا "اپنوں ہی کو تو دلشدہ ہم روسیاہ ہیں" ص۵۷۱ "ہو تخت کچھ دماغ تو ہم بادشاہ ہیں" ۹۲۔ مواجہہ
کرنا ص۵۷۶ ۹۳۔ دقبال من شدد ص۵۷۷۔

(۵۳) دیوان قائم (صرف غزلیں) مرتبہ ڈاکٹر خورشید الاسلام ۱ تا ۲۸۲ آصفیہ × ۱۔ لوک ہنسائی
"رو کر کے عبث کچھ کیوں لوک ہنسائی" ص۱۹۷ ۲۔ شامہ زمیم غیر مشتق "دو ناہوں میں ارباب جہاں کے
حسن شامہ کا" ص۲۰۴ "گل ہی وہ گلشن میں باقی ہیں نہ وہ شامے (ق) ہے" ص۲۰۲ ۳۔ سارا "عنبر سارا" ۹۶
۴۔ ۵۔ ۶۔ ۷۔ —— . افسردن، افشردن، آزردن، آوردن ص۸۴ ۸۔ بردن ص۸۵ ۹۔ منقش ۱۰۔
ڈھبنا = ڈھب پر آنا "قائم اغیار کے اغوا نے بگاڑی شب بات ص۲۰۸ ورنہ کچھ کچھ تو وہ ان روزوں لگا تھا
ڈھبنے" ۱۱۔ ڈھبانا = ڈھب پر لگانا "لگتا ہی سی ہے ابھی تو خیال (کذا) ص۲۹ ڈھب چڑھیگا تو کچھ
ڈھبائیگا" "یاں ڈھب تو ڈھبانے کے بہت یاد ہیں لیکن ص۱۵۵ کیا کیجے کہ اس بت کی ملاقات کڈھب ہے"
۱۲۔ گنہگار دینا "اک نگہ کے جرم میں سو دین و دل چاہیں آپ ص۱۳۳ عشق میں دینے پڑے کیا کیا گنہگاری مجھے"
۱۳۔ بیع سلم "بے جرم کردہ کی (کذا) مری عفو خریدار ۲ تا گرم ہے بازار تری (کذا) بیع سلم کا" ۱۴۔ امالہ "ہے
القاضا بطریاں کے طبیبوں کے امالے کا" ص۳ ۱۵۔ فضولی کرنا ص۸ ۱۶۔ اصلاح کرنا "نامہ بدل رہا ہے غیر
کے ساتھ ص۱۱ خط میں کچھ اصلاح کیجیگا" ۱۷۔ اشتاقی "اگرچہ دلکش اس فرق کی ہے شوخی و شتاقی" ص۱۲۲
۱۸۔ باز پس دینا "یہ دل وہ جنس ہے کہ دیا گر کہیں اسے ص۱۶۹ دھڑکا یہی رہا کہ نہ دے باز پس مجھے" ۱۹۔
معکوسی ص۱۷۰ ۲۰۔ جیدھر = جدھر ص۱۱۷ ۲۱۔ خواب (مؤنث) "خواب اک خلق پر تمام ہوئی (کذا ردیف) ص۱۳۰
۲۲۔ دھوئیں = دھواں "خوشا آتش کہ جس کے گرد اس خوبی سے دھواں ہے" ص۱۸۷ ۲۳۔ مار (مؤنث) "سوتی
ہوئی یہ مار تو ناحق کو جگائی" ص۲۹ ۲۴۔ سوتی ص۱۶۹ ۲۵۔ شیب۔ ۲۶۔ قلاب ص۹۸ ۲۷۔ خوابیدہ
ص۱۴۳ ۲۸۔ نبھاہ ص۹۶ ۲۹۔ خواب کرنا ص۹۸ ۳۰۔ قلاقت ص۱۱۵ ۳۱۔ خو پکڑ ص۱۳۳ ۳۲۔ طیب
"الٹی پھریں ہیں طیب کی لپٹیں ہوا کے ساتھ" ص۱۴۰ ۳۳۔ رنگ و ڈھنگ ص۱۳۱ ۳۴۔ دکھ دہی ص۱۸۱ ۳۵ نسخہ ۱۸۲

+ ۴۰ - اندروز " اندروز کو جیسے داغ لگا " ص۳۵۲ آصفؔ میں بطور معنی - ۴۱ - اُسارا " طائر آزاد ہو
ساری اپنی اسارا جا ذی ہے " ص۱۰۶ ۴۲ - مجہول ص۲۲۷ ۴۳ - وفات کرنا " سمجھا اس آستاں کا کیا اندر وفات
ص۲۷۰ میرحسن کے یہاں بھی ص ۴۴ - ناگی " گر بیکلی ذکی ہیں تکلیف ناگی " ص۲۵۱ ۴۵ - تاتی ص
مزبلہ دار ص۲۳۰ ۴۶ - ہرزہ مرس " تھک کر کہیں تک (کذا) بیٹھ رہو اے ہرزہ مرس بس " ص۲۲۴ ۴۷ - ص
۶۶۹ ۴۸ - معقولگو " معقولگو ہم اتنے وہ اتنے ہرزہ چانہ " ۴۹ - عاجز سخن ص۲۰۹ ۵۰ - قادر سخن
میانگیری " پیام اس گل کو پہنچا پھر نہ آئی ص۸۳۱ نہ خوش آئی میانگیری صبا کی ۵۱ - آب انسان " کہ
نسل آدمی کی اٹھ نہ جاوے اس تناز سے ص۲۳۵ کہ معنی (مطبوعہ: غلط) آب حیواں جانتے ہیں آب انساں
۵۳ - مصطبہ " جہاں کہ مصطبے میں مست طرفہ ہی نظر آئے " ص۲۲۵ ۵۴ - ہتھولی " گریباں شورِ محشر کا ادھر گیا
ہو کر ص۲۲۳ فغاں پروانہ کرتا ہوں کہ بل بے تیری ہتھ بلیاں " ۵۵ - معیبت بیانی " کھو دیں ہیں نیند میری مصیبت
بیانیاں " ص۲۴۰ ۵۶ - سجادۂ محرابی ص۲۲۸ ۵۷ - گفتا بالفم " سعی و تلاش بہت سی رہیگی اس انداز
کی ص۸۱۷ صحبت میں علما فضلا کی جا کر پڑھیے گفتگا " ۵۸ - معلوۃ ص۸۱۶ ۵۹ - مالا یطاق ص۸۱۰ ۶۰
جلاب سالگ جانا ص ۶۱ - قران بوزن زبان " گر آدی شیخ پہن کر جامہ قران کا " ص۱۵۶ ۶۲ -
ص ۶۳ - شاخچہ بندی " اس گل کو لگی ہے شاخ گل کیا ص۴۹۹ یہ شاخچہ بندی چمن ہے " ۶۴ - مستہلک
" مستہلک اس کے عشق کے جانیں ہیں قدر مرگ ص۲۳۳ عیسیٰ و خضر کو ہے مزا کب وفات کا " ۶۵ - ما
" کس امید کا تجھ کو اے دل چاہ میں اس کی حصول ہوا ص۱۰۷ شوخ و شلائیں خوشرو یاں سے رہتا ہے ما حول کے
ص۶۶ ۶۶ - دداعی " صبح کو آنسو نومیدانہ جیب دداعی آنا تھا ص۷۶۲ آج کسو خواہش کی شاید دل سے ہمارا
رخصت ہے " ۶۷ - گوشماری ص۸۳۰ ۶۸ - خوش سرانجام ص۵۰۶ ۶۹ - نثار کرنا " ایسا نہ ہو
تم کو جوانی نثار کرے " ص۱۴ ۷۰ - مغز " یارب بے بیداد مغز اور ہم بے اختیار " ص۲۷۰ ۷۱ - پہن
کسی کا " میر کے قابل ہے ہوتا پہن میرے نام کا " ص۵۲۸ ۷۲ - ناموسدار ص۵۵۵ ۷۳ - کاہے = کرا
" کاہے سرکشاں جہاں میں کھینچا تھا ہم نے بھی سر " ص۱۳۰ ۷۴ - قران کرنا ص۲۸۸ ۷۵ - ستاجنا = ستانا
ستاجیں جان کے ہوش و حواس و دم نہ تھا " ص۱۱۲ ۷۶ - حرف نشنو ص۳۶۸ ۷۷ - بگیر آنا " گلگشت
کی ہوس تھی سو تو بگیر آئے ص۲۷۲ آئے جو ہم چمن میں ہو کر اسیر آئے " ۷۸ - منگرا " دل کو بچا کر رکھیں تو
جانیگی عشق میں ص۳۴۵ ہر چند میر صاحب و قبلہ ہیں منگرے " ۷۹ - بدذات " اجل تو ہے دل کے خوبی کی با

۶- نیزن ص۲۳ ۷- سودمز(ا) ص۲۹ ۸- الاس بالف مقص ص۴۲ ۹- مظلم ص۵۷ ۱۰- لغزلغز کرنا "معنی پھرتے ہیں بھوک سے کرتی لغز لغز" ص۶۳ ۱۱- گوارا "وادی اس زیست پہ اس دکھ میں جو ہو دیگی گوارا" ص۷۴ ۱۲- شکل پذیر ص۹۳ ۱۳- تغیر و تعطیر ص۹۵ ۱۴- اشتاة ص۹۶ ۱۵- وادیلاہ ص۹۷ ۱۶- دیباہ ص۹۸ ۱۷- ملاگوں (جمع الجمع ملک) ص۱۰۲ ۱۸- ذرنیم ص۱۲۵ ۱۹- جھونٹ ق اونٹ ص۱۵۳ ۲۰- اوستاد ۲۱- بین کاری "کہ تھو بین کاری میں وہ اوستاد" ص۔ ۲۲- بلشت = بالشت ص۱۶۶ ۲۳- مصالحہ ص۱۷۴ ۲۴- اہون ص۱۹۳ ۲۵- خیازہ ص۱۹۶ ۲۶- زلزال ص۲۰ ۲۷- خزلان ص۲۴۳ ۲۸- زفت "چہرۂ زفت" ص۴۰ ۲۹- بھڑنگ "بھڑ وں میں ہے جہاں کے تو بھڑوا بڑا بھڑنگ" ص۵۷ ۳۰- بادشاہی تی گدائی ص۸ ۳۱- خرسک ص۶۷ ۳۲- انند کرنا ص۳۰ ۳۳- اُتہات ص۱ ۳۴- بہارانہ ص۲۹۳ ۳۵- استعجال ص۔ ۳۶- اصول ص۲۵۴ ۳۷- آزادہ طور ص۱۴۰ ۳۸- غام ص۷۹ ۳۹- اغام ص۸۰ ۴۰- جانکوب ص۳۱۷ ۴۱- زقوم ص۱۰۲ ۴۲- ڈھنڈوانا ص۱۳ ۴۳- اقتران "اقتران نجوم" ص۱۰۵ ۴۴- چکوندہ ص۳۰۴ ۴۵- ڈاٹ دینا "خوشی سے دہن کو دیکھو اب ڈاٹ" ص۲۱۰

(۵۵) غزلیات میر حسن، مرتبہ ڈاکٹر ذکی الحق ص۱ تا ۵۰۰ آصف ×

۱- حلال "حلال خلق کی ہے وہی مشکلات کا" ص۵ "دو جگ میں آسرا ہے محمدؐ کی ذات کا" ۲- مُخلص "جلوے سے ہے بنی ہے کہ ساری یہ کائنات" ص۶ "مُخلص وہی ہے دونوں جہاں میں تمام" ۳- بود و باش مذکر "وے دن گئے کہ گلشن تھا بود و باش اپنا" ص۸ یہ شعر کا مصرع اول ہے، اور "اپنا" ردیف یا قافیہ نہیں، یہ ناممکن نہیں کہ اصل 'اپنی' ہو، مگر کلیات میر حسن کے چار پانچ نسخے جو میں نے دیکھے ہیں، ان میں 'اپنا' ہی ہے، اور ڈاکٹر ذکی الحق کو بھی کسی نسخے میں جو ان کی نظر سے گذرا ہے (اور انہوں نے کم و بیش ۲۰ نسخے دیکھے ہیں)، 'اپنی' نہیں ملا۔ اس لیے قریب بہ یقین ہے کہ میر حسن نے 'اپنا' ہی لکھا تھا۔ ۴- آفات کرنا کسی پر ص۲۶۵ ۵- اشتہار پانا کسی کا "پاوے جہاں میں میرا تا اشتہار رونا" ص۹ ۶- ذکر اور اذکار "نہ لا پھر پھر کے تو کچھ ذکر اور اذکار رونے کا" ۷- ڈھانا "کعبہ سمجھ کے میرے اس دل کے گھر کو ڈھاہا" ص۱۲ ۸- افغاں = فغاں ص۲۱ ۹- اچانا "ہوش میں ہوش نہیں جب سے سنا ہوا اس کو" ص۲۹ "پھر ٹک اچایا ہوا اس کو وہ ترانہ کیا تھا" ۱۰- جلیاب ص۳۸ ۱۱- ڈھیڑا تی چیڑا "کوئی لنگڑا کوئی لولا کوئی کانا کوئی ڈھیڑا" ص۴۰ ۱۲- خانہ جنگی کرنا ص۴۸ آصف میں خانہ جنگی ہے ۱۳- چشمک زن ص۴۸ ۱۴- پچھر بند (بمعنی تشدید پ) "مرکے رونے سے جا نہ ہیا پچھر بند" ص۵۶ ۱۵- لت = رتھ "نکلے ہیں سیر کو سب جمع ہو رتھ پہ" ص۵۹

۳۶- شگفتگی ص۱۰۵ ۳۷- بہ منت فرنگی ص۱۵۱ ۳۸- طوسی ص۱۴۸ ۳۹- طوفان طرازی ص۱۸۲ ۴۰- مجوسی ص۱۳۱ ۴۱- وابستہ ص۱۱

۴۲- مغلو کرنا "چھیڑی ہوئی کلک نسیم مجھ سے مغلو کردن" ص۱۱۸ ۴۳- رہگذری "جس دشت خطرناک کا ہیں رہگذری ہم" ص۱۳

۴۴- شہرت اندوز ص۱۰۲ ۴۵- خود آرا ص۹۷ ۴۶- سوختن ص۹۲ ۴۷- معادم ص... ۴۸- ترکیان ص۱۶۸ ۴۹- آئے

ہاں ص... ۵۰- اٹالا "اک ترے غم ہی کا اس گھر سے اٹالا نہ گیا" ص۶ ۵۱- ادب دینا، کسی کو "آداب ناز

جو نہ سکھائے تمہیں ہیں شوخ ص۱۳۳ مقدور ہو تو دیکھو اب اس ادیب کو" ۵۲- ادیب " ۵۳- اکاس (= آکاش)

۵۴- ایلچیا "آج تمام مجھ تو گئی سنبھال کے خبل ص۴۰ روکے تھا جو تو جس دم تو لیجیے ہے آب" ۵۵- ادھر ادھر (بطور اسم) "معرفت بطور

صفت" فلک زجیند کو منزل دی مجھ دوانی ص۱۵۰ کی بارے نکر اس ادھر کو بھی بسا لائی" ۵۶- بد شرابی کرنا "نہ جانے کس کی

چشم مست نے یہ بد شرابی کی" ص۲۶ ۵۷- بدگوہری "بدگوہری گردوں کا کیا تجھ سے بیاں کیجئے" ص۱۴۰ ۵۸- براقی "سیاہی

میں مسی کی ہے جوان دانتوں کی براقی" ص۱۶۱ ۵۹- بسمل (= قتل کرنا) "ہم نہ شائستۂ بسمل نہ سزاوار قفس" ص۶۹

۶۰- بلد "راہ نہ دیدہ کو بلد چاہیئے" ص۱۴۳ ۶۱- پراچہ "پھوٹیں اک ملگی یہ دیدۂ گریاں میرے" ص۱۴۳ "ہر گلی کوچہ ہے

بستی کا پراچہ کی دوکان" ۶۲- تاؤ بھاؤ "ناچ کے شیخ وجد میں کس تاؤ بھاؤ سے" ص۲۶ ۶۳- تغیر (بروزن طرق)

"دیکھ تو تغیر حال اب کہ یہی ص۶۵ کام اپنا تو تھا تغیر لباس" ۶۴- تقید کرنا، کسی پر "پر تقید میں چشم پر نہ کیا"

۶۵- توف (= تف) ص۱۲۵ ۶۶- تیں (= تم) ص۱۱۶ ۶۷- ٹمال (ٹالنا سے حاصل مصدر) ص۱۹۶ ۶۸-

ٹھری بیٹھنا "ماری جانے کے ٹھری بیٹھی ہیں" ص۹۹ ۶۹- جیب (= زبان) ص۱۳۳ ۷۰- چڑھا چڑھی ص۲۷

۷۱- چھوٹ "عشق چھوٹے ہے دمک قائم ہزاروں ہیں علاج" ص۱۲۱ ۷۲- چاؤ کرنا، کسی امر کا "یار جس طرح

کہ طوفان کا کرتے ہیں چاؤ" ص۱۴۵ ۷۳- چھڑکاؤ ص۶ ۷۴- خراش (مذکر) "جاتی جاتی جائیگا ہر دیدۂ سینہ

کا خراش" ص۶۶ ۷۵- زمانا "جو پوچھے کوئی دنیا کا حال مجھ سے تو پوچھ" ص۱۹۲ "کہ ایک عمر میں یہ فاحشہ زمانی ہے"

۷۶- زیاد (= زیادہ) ص۱۴۵ ۷۷- سکنا "جل بجھا دل جب تلک ہم جی کو سکنا آتے رہے" ص۱۳۶ ۷۸- شوخ لنگی "یہ سفلہ

پیش لے جاتا ہے اپنی شوخ لنگی سے" ص۱۵۷ ۷۹- فارق "فارق نیک وبد ہے بیز امتیاز" ص۹۸ ۸۰- کڈھنگ

"خدا کرے کہ یہ ڈھنگ اس کڈھنگ سے چھوڑے" ص۱۴۱ ۸۱- لب جیب "رہے ہشیار تو لب جیب سے تباں کی قائم" ص۱۲۰

۸۲- ہتیا دینا "کیا ہتیا تجھے یہیں دینی ہے اے عزیز" ص۱۱۱ "اتنا پڑا ہے ملک ــــــ خدا جا کر

مر کہیں"

(۵۴) کلیات قائم ۲، مرتبہ ڈاکٹر اقتدا حسن ۱-۱-۱۵۹۸ صفر x ۱- بنیدق ہیں ص۶

۲- بیسیں خیز ص۱۸۱ ۳- حلوا خا تو (بروزن...) ص۱۸۱ ۴- تکھونٹی "دانت میں جو نکلی تو تکھونٹی نکلی" ص۲۴۳ ۵- کھم کھا جا

(۵۷) دیوان مصحفی ۱ (علمی مجلس دہلی) ۱تا۴۵۵ صفحہ x ۱- نامہ پردازی ص۵۷ ۲- نام رکھنا
کسی پر "نام آنسو نے مرے سلک گہر پہ رکھا" ص۵۸ ۳- جرم رکھنا کسی پر "جرم نظارہ عبث میری نظر پہ رکھا"
۴- برہم کھانا "کام اک عالم کا برہم کھا گیا" ص۶۱ ۵- خصمی ص۶۲ ۶- مُرنا بالضم "تو دیکھو گر نہ خاک
میں مُرل (ت کھل) گیا ص۶۴ ۷- یک پلک (پھینٹو کی صفت) ص۶۵ ۸- جاں گن ص۷۰ ۹- اکرشا کنان
ص۷۵ ۱۰- عدم = معدوم ص۸۳ ۱۱- طری ر ۱۲- نذر آوری کرنا ص۸۶ ۱۳- نقش ونگار باندھنا ص۸۹
۱۴- بااین ہمہ ص۹۹ ۱۵- برہم زن " ۱۶- گستن ص۱۰۴ ۱۷- دوباگا "گہ فارسی کہتا ہوں گو مصحفی ہندی
ص۱۰۴ یعنی کہ مری طبع کا گھوڑا ہے دوباگا" ۱۸- چھاں ص۱۰۶ ۱۹- بیاد جانا ص۱۰۸ ۲۰- دنبالہ داری ص۱۱۹
۲۱- کہوں یکہیں "دیکھو میں کہتا ہوں تو رسوا کہوں (ق) ہو جائیگا" ص۱۲۱ ۲۲- تعلیں ص۱۲۸ ۲۳- خلش کرنا
ص۱۳۲ ۲۴- بن بعد ص۱۳۵ ۲۵- دوختنی ص۱۳۲ ۲۶- رعب مزاجی ص۱۳۶ ۲۷- رنگ رخ ہونا ص۱۵۱
رخ تو رخ ۲۸- نازک کاری ص۱۵۷ ۲۹- تمرغہ ص۱۵۸ ۳۰- قزدلی ص۱۵۹ ۳۱- بیلیں "یار پہیں
اسے کہتے ہیں کہ یہ مات ہے شاذ" ص۱۶۱ ۳۲- بہ شدن ص۱۶۲ ۳۳- جیدھر "رخ یار کا جیدھر گیا ادھر ہی
گیا پھر" ص۱۶۳ ۳۴- اذیت کھینچنا ص۱۶۵ ۳۵- افزایش ص۱۶۹ ۳۶- اخلاص بانٹنا ص۱۸۱ ۳۷-
فروشدہ ص۱۸۲ ۳۸- خوش ڈول ص۱۸۵ ۳۹- پھٹانا ص۱۸۷ ۴۰- شکنج ص۲۱۵ ۴۱- امرائی "جب تک
کہ ترا جلوس امرائی ہے" ص۲۱۹ ۴۲- پردپوچ "دنیا پروپوچ محض مفہوم ہوئی" ص۲۲۰ ۴۳- باستانی ص۲۲۰
۴۴- ڈھلا ڈھلی (صفت چارپائی) ص۲۲۳ ۴۵- لبزخ ص۲۲۵ ۴۶- امعانہ ۴۷- قطورہ ۴۸- مجتبس
۴۹- خلل "خلل بلغم" ص۲۲۶ ۵۰- وصف مونث "ہو زباں تیز بابت تانہ مری ص۲۲۷ کس طرح کر سکوں
ہوں وصف تری" ۵۱- چونکا اٹھنا ص۲۳۳ مطبوعہ میں خوز؛ غلط محض ۵۲- رسوم بطور واحد "تھی جو
اس کو رسوم ماتم کی ص۲۳۵ یارہ اللہ تک وہ رسم ہیم کی" ۵۳- ندد اندود ص۲۳۷ ۵۴- خراجی ص۳۰۵
۵۵- زجاجی-

(۵۸) دیوان مصحفی ۲ (علمی مجلس دہلی) ۱تا۴۴۲ صفحہ x ۱- تماشا کدہ ص۵ ۲- سالح
"سالح نے بھلا کون سی تلوار میں رکھا" ص۱۲ ۳- زنگی ص۱۳ ۴- خراش ص۱۷ ۵- بارالہا ص۲۱ ۶- ادھر
"کہاں تک ناتوانی ہی پھرا ایدھر ادھر بھٹکا" ص۲۵ ۷- فزوں ۸- چاؤبھری ص۲۸ ۹- بجھانا "کبھی
خط ہاتھ کا مسک بجھایا" ص۳۱ ۱۰- نشیدخواں ص۳۴ ۱۱- ادھر "اک ساتھ اٹھا ہے ادھر کبوتر ادھر کا"

۱۶- دار و مدار کرنا ۹۴ "گیا دل کو جنتی جنتو صنم ص۹۶ کر کے دار و مدار اور اخلاص" ۱۷- بالغ = بلغ و بالغ ہوئے
۱۸- کنارہ کھینچا کسی سے ص۹۶ ۲۱- حلوہ (غلط لفظ) " حلوۂ بیدود " ص۹۷ ۲۲- جذ دکر ص۱۱۵ ۲۳-
ٹھونک بجا کر لینا ص۱۱۶ ۲۴- زبونی ص۱۲۱ ۲۵- حکاتیں جمع الجمع حرکت " کھب رہی ہیں وہ تری سب حکاتیں دل میں "
ص۱۲۴ ۲۶- جل جلانا ص۱۲۹ ۲۷- اور نہیں تو " ہر بات میں اس سے جو سُنا اور نہیں تو ص۱۳۰ ہم کو بھی یہی درد
ہوا اور نہیں تو " " اک بات تو سُن جاؤ بھلا اور نہیں تو " ۲۸- رائی دہائی " اگر چاروں طرف تیری ہی اک
رائی دہائی ہو " ص۱۳۲ ۲۹- حیرانی ص۱۳۹ ۳۰- بجو مٹا ایک غزل کی ردیف ص۱۴۰ اس کے ساتھ دوسری ہائیہ غزلیں
۳۱- حرف و حکایات کے لیے فعل واحد ص۱۶۷ ۳۲- اشارات کے لیے فعل واحد مونث ۳۳- آفات مثل اشارات
ہر دو ص۲۱۰ ۳۴- چقماقی " رکھو ہو کون یہ بندوق چقماقی تکلف ہے " ص۲۵۵ ۳۵- ۳۶- الیمانی ، انگریزی = انگریزی
" یا الیمانی ہے یہ تلوار یا انگریزی ہے " ۳۷- خلاقی ص۲۵۴ ۳۸- جاؤ چونڈ " دو دن کے جاؤ چونڈ حسن کے بھی ہو ہے ص۲۴۱
پھر رفتہ رفتہ اپنے قریب یہ آ رہے " ۳۹- لب مونث خواب میں شب جو تری لب کاٹی " ردیف - مذکر بھی ص ۴۰-
خلاق ص۲۵۴ ۴۱- اغراقی " سخن جو نہ تکلف ہوئے تو وہ جی کو لگتا ہے ص۲۵۵ نہیں تو کیا بندھو گر بات اغراقی تکلف ہے "
۴۲- انگیز " گالیاں ہیں صاف واں اور یاں بڑی انگیز ہے " ص۱۹۷ ۴۳- دار السلام ص۶ ۴۴- منھ پھیڑا
" کبھی زلفوں سے ہے اس کی کبھی گیسو سے منھ پھیڑا " ص۳۰ ۴۵- افسوس کھانا ص۸ ۴۶- ادھ بیچ " بلبل کا جی
نکل کے بھی پہنچا نہ گل تلک ص۲۵۱ ادھ بیچ سے صبا اسے آپ ہی اڑا لے گئی " ۴۷- اول میں لینا " پھوڑیں نہ جی کو جب
تک دل لیں نہ اول بیٹھے " ص۲۴۶ ۴۸- انگارہ ص۲۴۳ ۴۹- پہاڑیا " ناقہ ہیں شہد و مشک کو اکثر پہاڑیا ص۲۳۹
۵۰- مشوہ (یہ تلفظ میں نہیں) ص۳۸۵

(۵۶) تذکرۂ میر حسن طبع ۲ ، اتالیق اصفر × ۱- دھمکاؤنا " شمشیر لے کے سپر کو دھمکاؤ تو ہیں
ہم کو - یہ بھی سپاہیوں کی مانند ادائیاں ہیں " میر محمد حسین کلیم ۲- ادائیاں جمع ادائی ۳- خبر عطر " باد صبا
سے زلف معطر کی ہم تلک - مدت ہوئی کہ پہنچی نہیں کچھ خبر عطر " سجاد ۴- نستر نا " ایسا مرید کیوں نہ دو عالم میں نستر ے
پیروں کی راہ میں جو کہ دروں دیا کرے " اشتیاق ، ولی اللہ ۵- تماکو = تنباکو " تماکو کو نہ جلا کیا سبب ہے "
جعفر علی خان ذکی ، ۶- مشیلیں (یہ تلفظ میں نہیں آیا) ، نو خصم گی کے مشیلیں ذکیہ " کمترین
۷- نفراقی " چلا کے مست نفراقی کو تاڑی "

تحفۂ مصنف، خدا بخش لائبریری

• حسین خدیو جم، مستشار فرہنگی سفارت کبریٰ ایران در کابل

۱- آن روزہا - ترجمۂ الایام تصنیف طٰہٰ حسین، تہران، چاپ خواجہ، ۱۳۵۰ شمسی، ۲۸۴ ص -

— ترجمۂ خود نوشت طٰہٰ حسین -

۲- گفت و شنود فلسفی در زندان ابو العلاء معری - ترجمۂ "مع ابی العلاء فی سجنہ"، تصنیف طٰہٰ حسین - تہران، انتشارات زوار، ۱۳۴۴ شمسی، ۲۸۰ ص -

۳- ترجمۂ احصاء العلوم، تصنیف ابو نصر فارابی، تہران، بنیاد فرہنگ ایران، ۱۳۶ ص

— علم زبان، علم منطق، ریاضیات، علم طبعی، علم الٰہی، علم مدنی، علم فقہ، و علم کلام

۴- ترجمۂ رسالۂ اضحویہ، تصنیف ابو علی سینا، با تصحیح و مقدمہ و تعلیقات - تہران، بنیاد فرہنگ ایران ۱۳۵۰ شمسی - ۱۳۶ ص -

— در معاد؛ ابطال مذہب تناسخیان؛ جوہر روح و پس از مرگ -

۵- میراث مشترک فرہنگی در ایران و مصر، تہران، ۱۳۵۴ شمسی - ۴۶ ص

۶- ترجمۂ جبر و مقابلہ، تصنیف محمد بن موسیٰ خوارزمی، تہران، چاپخانۂ خواجہ، ۱۳۴۸ شمسی، ۱۹۰ ص

۷- احیاء علوم الدین، تصنیف امام غزالی، ترجمانی مؤید الدین محمد خوارزمی - ترتیب و تصحیح - تہران، بنیاد فرہنگ ایران، ۱۳۵۲ شمسی، ۵۲۵ ص

— کتاب شرح عجائب دل؛ کتاب ریاضت نفس؛ کتاب آفت شہوت و فرج شکم؛ کتاب آفتہای زبان؛ کتاب آفت چشم وغیرہ -

۸- احیاء علوم الدین ج ۲ - ربع مہلکات، تصنیف غزالی، ترجمانی مؤید الدین محمد خوارزمی، تہران، بنیاد فرہنگ ایران، ۱۳۵۱ شمسی، ۴۵۱ ص

— کتاب علم، کتاب قواعد عقاید، کتاب اسرار طہارت و مہمات آن -

۹- احیاء علوم الدین ج ۳ : دنبالۂ ربع عبادات -

— اسرار نماز؛ اسرار زکات؛ اسرار روزہ؛ اسرار مہمات حج؛ اسرار تلاوت قرآن؛ ذکرہا و دعاہا، ترتیب وردہا -

۱۰- مسیر طالبی یا سفرنامہ ابو طالب خان (لکھنوی اصفہانی لندنی)، تہران، فرانکلین، ۱۳۵۲ شمسی، ۴۴۴

— سفرنامۂ یورپ [illegible]

۱۲- شور پڑنا ص۴۹ ۱۳- حد " میاں مصحفی کہا ہیں یہ بات حد بری ہی ص۵۳ ہر اک سی راز دل کا افشا نہ کیجئے
۱۴- پردگی ص۵۶ ۱۵- قنات کھنچنا " ۱۶- کیٹ " مصحفی دور ہی فرنگیوں کا ص۶۱ کام ایسا نہ کر کہ کھاوے کا
(قاسمینٹ) ۱۷- کم بغل ص۶۴ ۱۸- علاج لینا " لیتا ہی کم بغل کوئی عطار کا علاج " ۱۹- سپید باف
۲۰- تیات ص۸۷ ۲۱- کیدھر " کیدھر چلی ہو معلوم نہ مجھ کو میری گھر " ص۸۰ ۲۲- لبیاری ص۱۰۲ ۲۳-
ص۱۲۱ ۲۴- دودہ ص۱۲۳ ۲۵- چہرہ افروزی ص۱۳۶ ۲۶- ریل " کون سا وقت ہی کہ آنکھوں سی نہ
سیل خون جگر کی ریل (ریل پیل) نہیں " ۲۷- بطالت ص۱۴۷ ۲۸- مغز پھرانا ص۱۴۸ ۲۹- نقد
کھنچنا ص۱۵۰ ۳۰- مزدوری ص۱۵۶ ۳۱- خانہ برانداری ص۱۵۷ ۳۲- قیافی سی دور ہونا " یہ
کا محل اس کی قیافی سی دور ہی ص۱۶۵ یہ بات تو کچھ اپنی قیافی سی دور ہی " ایسی غزل کہی
قیافی سی دور ہی " ۳۳- معما کھولنا ص۱۷۲ ۳۴- کم نگہی ص۱۷۲ ۳۵- لاف مارنا کسی سی ص۱۷۸ ۳۶
نظارہ مارنا " اور نظارہ ترا دیدۂ روزن مارے " ۳۷- تغابُر ص۱۸۷ ۳۸- بقم " ۳۹- آگو = آ-
ص۱۸۸ + ۴۰- کاغذ گر ص۲۰۰ ۴۱- اپا ہا " نکلی کسی صورت تو مری دل کی اپا ہا " ص۲۲۳ ۴۲-
بریز بریز کرنا " سو تو اس کی زبان ہی ایسی تیز ص۲۳۴ جس سی کرنے لگیں بریز بریز "۔

, this library as a
·ch every Indian should
'own a mere truism.
that pride translated
t given to the efforts
nature and value better
e education of any
ot seen this great
preciate its value

C. V. Raman
3. December. 1944

- شاہ ابوالحسن زید فاروقی، درگاہ شاہ ابوالخیر، دہلی ۶

۱۔ علامہ ابن تیمیہ: علمی تحقیقی جائزہ۔ درگاہ شاہ ابوالخیر، دہلی ۶۔ ۱۹۷۶ء، ۱۲۹ ص

— دہلی کی مشہور نقشبندیہ درگاہ کے سجادہ نشین کے قلم سے "قال النبی انزلوا الناس منازلھم" سے آغاز کے ساتھ ایک عالمانہ جائزہ۔

۲۔ حضرت مجدد اور ان کے ناقدین، درگاہ شاہ ابوالخیر، دہلی ۱۹۷۷ء ۲۵۵ ص

— عکس خط حضرت مجدد؛ احوال و تالیفات؛ شیخ اکبر اور حضرت مجدد؛ شواہد تجدید: آپ کی مخالفت؛ ڈاکٹر اطہر عباس رضوی کی کتاب کا جائزہ۔ پروفیسر محمد مجیب کی تحریروں کا جائزہ؛ انوار الحق کی کتاب کا جائزہ

۳۔ مقامات خیر، دہلی، درگاہ شاہ ابوالخیر، ۱۹۷۲ء۔ ۸۰۰ ص

— احوال حضرت شاہ ابوالخیر عبداللہ محی الدین عمر فاروقی مجددی دہلوی قدس سرہٗ ۔ اس کا فارسی ترجمہ بھی ۱۹۷۷ء میں چھپ چکا ہے۔

- محمد ظفر الحسن، کراچی

۱۔ دیوان دل عظیم آبادی (ترتیب) کراچی ۵، مکتبہ مہر نیمروز، ۱۹۷۴ء، ۱۲۸-۸۴ ص

— پیشگفتار سید مہدی احمد بلگرامی مرحوم کے قلم سے جنہوں نے نسخۂ دیوان دریافت کیا؛ علی ابراہیم خاں (جن کے خاندان سے یہ نسخہ ملا) کے خاندان کا حال بھی درج کیا ہے۔

— مقدمہ (۱۳۰ ص): خاندانی حالات؛ دل تذکروں اور کتابوں میں؛ احوال دل؛ بعض ہمعصر شعرا؛ دل کی شاعری؛ الفاظ و محاورات؛ دل اور غالب۔

- اختر راہی، سرگودھا

۱۔ مسعود عالم ندوی: سوانح و مکتوبات پاکستان، سرگودھا روڈ، پنجاب ۱۹۷۵ء، ۱۰۴ ص

- م۔ احمد، دہلی

۱۔ دل لگی اور کچھ دل کی لگی، دہلی، الجمعیۃ بکڈپو، ۱۹۷۵ء، ۱۲۸ ص

— طنزیات

۲۔ شگوفے، دہلی، الجمعیۃ بکڈپو، ۱۹۷۴ء ۱۰۴ ص

— طنزیات

- شکیل احمد صدیقی، الہ آباد

۱۔ تصوف اور اس کی مختصر تاریخ، لکھنؤ، نعمت اللہ روڈ امین آباد، ۱۹۷۴ء، ۲۰۶ ص

- جالب کاشمیری، سری نگر

۱۔ دیوان جالب، سری نگر، ستمر اشاعتی کالونی، ۱۹۷۴ء، ۳۰۶ ص

— ساڑھے چار سو کے قریب کشمیری افراد کی تصویریں اس کتاب میں مل جائیں گی جو بیسویں صدی میں کسی نہ کسی اعتبار سے مشہور ہیں۔ ●●

ted ideas. He has proved that the present calendar should be rejected and replaced by a purely solar reckoning, and once this is accepted the adoption of the WORLD CALENDAR wi follow as a necessary corollary, being a distinct improvement over the present system. . Dr. Ali has indicated the correct line of approach to the problem. . . It is now for the Muslim leaders to think and to act.

"I believe that the inexorable forces of nature will sooner or latter carve out a path for the truth of this thesis, through the religious dogmas and superstitions in which much of the Muslim world is still submerged. I congratulate him on his bold liberalism and I am sure his ideas will have the widest publicity in the realm of the Crescent."

—Prof. Prankumar Ghosh, Vishva-Bharati University, Bengal, J of C. R. New York, Dec. '53, p. 190.

5. At the end of the Alberuni and Aryabhata Seminar convened by the Abul Kalam Azad Oriental Research Institute in May 1977, it was R E S O L V E D that :

THE STUDY OF ISLAMIC SOLAR AND LUNAR CALENDARS BE REJUVENATED KEEPING IN VIEW THE SUGGESTIONS OF DR. HASHIM AMIR ALI.

—Resolution moved by Khwaja Muhammad Ahmad,
Seconded by Dr. Saleh Mohammad Alladin.

To describe the contents of
ational possession of wh
feel proud is to put a
I would rather like to see
into action and all suppor
being made to make their
known. I do not think th
Indian complete. who has n
Collection and learnt to ap
no interest.

9. *The Message of the Qur'an-Presented in Perspective*, Charles E. Tuttle Co. Rutland, Vermont and Tokyo, Japan. A full translation of the Qur'an, with the 114 Suras with original Arabic text presented in perspective order. The *Nasi* explained in Appendix C I at the end of the volume.

10. The Genesis of the Purely Lunar Calendar and its Influence on World History. A printed Paper distributed at the meeting of the American Oriental Society, held in the Museum of the University of Pennsylvania, Philadelphia, Penn. in March 1976.

11. The 'Month' in the Qur' an, ISLAMIC CULTURE, Hyderabad, India Vol. II, No. 1, January 1977.

Extracts from C O M M E N'T S on Hashim Amir Ali's Thesis

1. " . . there is ample material, both literary and traditional, to prove that a calendar which had some kind of seasonal basis and in which 'intercalation' was also provided was in vogue in the time of our Holy Prophet. It is also mentioned in early Arab literature that the knowledge of adjusting the additional month . . was possessed by a certain family, and it was often misused. . . In such circumstances, verses 36 and 37 of the IXth Sura of the Holy Qur'an were revealed . . which prohibited intercalation. The Hijri calendar has stood the test of nearly fourteen centuries . . Dr. Amir Ali's views however offer sufficient scope for re-examining the problem, particularly if the above verses of the Holy Qur'an were interpreted according to his reasoning."
—Dr. Ghulam Yazdani, Director Archaeology, and author of repute, (d. 1962): in his Introduction to ***Facts and Fancies,*** by Hashim Amir Ali, Hyd. 1947.

2. "Dr. Ali has put his finger on an important question which is not only a religous matter but also one with secular implications. He has successfully shown that the use of the lunar system in Islamic countries was originally due to an error and misunderstanding, that it was not an absolute religious necessity, and that it can be changed without any damage to the faith. I wholeheartedly agree with his approach and conclusions."
—Professor Niazi Berkees, of Turkey, Institute of Islamic studies, McGill University Montreal, Canada Journal of Calendar Reform, N. Y. Sept. '53.

3. "There is a great deal of truth in Dr. Ali's position. His ideas ought to be widely broadcast."
—Editor Abdul Majid, of the Islamic Review, woking, London, ibid.

4. "Dr. Ali's thesis has ushered in a new era of progressive ideas in the realm of the Crescent . . Dr. Ali has given the 1300-year old calendar rather a mighty jerk and twist at its very root. In doing so he has behaved most admirably; he has nowhere taken cover behind a smokescreen of untenable hypotheses or distor-

the solution which has now been discovered and elaborated in these lectures :

> "My own theory, which I hope one day to support with evidence, is that the transposition of a mid-summer month to mid-winter was probably the outcome of a sudden change of the month of Hajj from the autumn to the spring and the consequent juxtaposition of the two halves constituting the Arab year."
>
> *Dr. M. Hamidullah*, of the Osmania University, on reading this paper in manuscript, tells me that it is even possible, though not likely, that such a transposition took place during the brief all-round sway of the Fatimide dynasty which was notorious for its unorthodoxy : like many other notable incidents in history, it is not impossible that the record of this also was lost in oblivion.

3.48. See Islamic Culture; The 'Month' in the Qur'an, Section IV, January, 1977.

3.51. See note to 1.5

3.53. See in note 3.41 above how this had been foreshadowed 30 years earlier.

3.54. See note to 2.13.

EARLIER COMMUNICATIONS

FACTS and FANCIES, Hyderabad, India, 1947. A book of essays, a majority among them analysing the four calendars then prevalent in Hyderabad State, and submitting for the first time the thesis that the two verses of the Qur'an (IX : 36-7), generally interpreted as the prohibition of intercalation, in fact, implied a suggestion to adopt the purely solar calendar then prevalent both among Iranians and Christians as against the luni-solar calendar of the Jews, which was then being followed more or less closely, by the Muslims.

English translation of Caussin de Perceval's article on the Arab Calendar before Islam, published a hundred years ago in *Journal Asiatique*, Paris, in 1843. ISLAMIC CULTURE, Hyderabad, India, Vol. XXII, No. 1, April 1947.

Fresh Observations on Perceval's 100 Year Old Notes on the Arab Calendar before Islam, ISLAMIC CULTURE, Hyderabad, India, Vol. XXII, No. 2, April 1948.

The Crescent and the Moon, JOURNAL OF CALENDAR REFORM, New York, Vol. XXIII, No. 2, June 1953. This article repeated the thesis originally presented in *Facts and Fancies*, 1947, and suggested that the Muslim countries accept the proposed World Calendar then under consideration of the United Nations.

The First Decade in Islam, THE MUSLIM WORLD, Hartford, Connecticut, April, 1954. Referred to by Montgomery-Watt in *Mohammad in Medina*, p. 339.

India's Calendar Horizons, JOURNAL OF CALENDAR REFORM, New York, April, 1954. A resume of the four calendars analyzed in item 1 above.

The Jewish Origin of the world Calendar, JOURNAL OF CALENDAR REFORM, New York, December 1954.

Must the Hajj Rotate Round the Seasons ? ISLAMIC REVIEW Woking, England, March 1956.

Eduard Mahler, Leipzig, 1916. A photostat copy of this table given to me by Professor Baron of the Jewish Seminary, New York, in 1953, has been invaluable to me in my study of the *Hijrah era*.

1.36. The word *Ḥajj* also implies a time and place for social mingling and settlement of disputes by arbitration or other peaceful means. See Sura 2 : 189 as well as the note on that verse by the present writer given in the Appendix of Mirza Abul Fazl's *Gharib ul Qur'an*, an Urdu dictionary of the Qur'an printed in Hyderabad, India in 1947, pp 432-4.

1.49. *Memoire Sur le Calendrier Arab Avant L'Islamism*, an article by Caussin de Perceval in the Journal Asiatique, Paris 1843. For English translation see Islamic Culture, Hyderabad, April 1947, p. 150, footnote.

1.51. *Annali Dell' Islam*, compiled by Leone Caetani, Milan 1905. In ten volumes; Vol. I covers the years 1 to 6 A. H. in its 740 pages.

1.55. See Note on 1.25 above.

Lecture II

2.13. This is an off-print of his article entitled, The *Nasi*, the *Hijrah* Calendar and the Need of Preparing a new Concordance for the *Hijrah* and Gregorian Eras. In this the auther makes the following important statement :

> "The *Hijrah* calendar is the direct successor of the Makkan luni-solar calendar which practised *nasi* (intercalation). Axel Moberg's researches on *Nasi* in German (*an-Nasi*, Lund. 1931) date from 1931, and of course new sources have have since become available. *Except the last three months, the Prophet passed his entire life under the old order* (emphasis added). It is therefore indispensible that relations between the two calenders should be investigated anew when new material has come to light or new avenues are opened for one reason or another."
>
> (Journal of the Pakistan Historical Society, Vol. XVI Pt. I, Jan. 1968 pp 2-3)

3.26. "In 1953 the annual pilgrimage . . came in mid-summer. Ahmad Kamal in the Saturday Evening Post wrote that the heat ranged between 116 and 127 degrees and on one day the mercury climbed to 142 causing the death of 4,411 pilgrims on that day alone. And all this tragic loss of life was due to the non-seasonal moon calendar !" (Journal of Calendar Reform, New York, Jan. 1954 p. 79)

3.29. See para 11 in M. Hamidullah's article mentioned in note 2.13 above.

3.36. See Note 1.20 above.

3.40. By that time Islam had already spread far and wide. Perhaps there lay a further attraction in having a unique calendar which was not even adjustable to those of the Iranians, the Christians and the Jews all of whom were now regarded as conquered peoples. This pride in distinction and uniqueness, a very human weakness, was displayed in our own times by Muhammad Ali Jinnah when he eulogized his 'two nations' theory in the following memorable words :

> "We are a nation of hundred millions with our own distinctive culture and civilization, language and literature art and architecture, names and nomenclature, sense of value and proportion, legal laws and moral codes, customs and *calendar*, history and traditions, aptitudes and ambitions, in short, a distinctive outlook on life and of life. Hindus worship the cow, we eat it and our heroes are their enemies."

I remember my attention being particulaly drawn to the word 'calendar' when reading the above statement displayed prominently in the Muslim League Camp in Delhi a few months before the partition of the subcontinent.

3.41. The following verbatim extract from my unpublished book, FACTS and FANCIES, printed and bound by the Central Government Press of the then Hyderabad State, in 1947, just prior to the Partition of India, will show how closely I had reached, within three years of having started on the search, to

64. All that I request my audiences, and the readers of the printe versions of my lectures, is to do their best and utmost in these nex three years, to initiate discussions, to weigh both pros and cons an to get a verdict on whether my thesis is plausible and acceptable c puerile and unwarranted. This, it seems to me, is a duty of all thos who come in contact with this problem, a duty which they owe t Allah, to the Qur'an and to the Prophet; to the Muslim communit and the rest of humanity. Let there be a candid controvers throughout the Muslim world over this issue. Let the learned of th East and the West try to tear it to pieces. And if, even at the end c three years, the men of vision in the *Ummah* cannot accept th validity of my thesis, nothing further can or needs to be done. The will have done their duty, even as I have done mine.

65. If, on the other hand, the efforts of my listeners and my reader lead to an affirmative consensus on my thesis, the answer to th question whether anything needs to be done or not for the future w itself come to the surface in the minds of those who are convinced c the validity of my thesis. No forecast can, or need, be indulged i before such a situation arises.

66. The five years between the time-points 'a' and 'b' will the provide ample time for deliberating on what exactly needs to be don and how the change is to be effected at the end of these five year. Time-point 'b' will provide an opportunity which will not recur agai for the next 33 years.

67. If, however, this time-point 'b', the Autumnal Equinox of 22r September 1985, is taken advantage of, the rennaisance of Islam, w have commenced only eight years hence !

NOTES

Lecture I

15. Abdullah Yusuf Ali's Appendix No. XI (pp. 1077-8 in his English translation of the Qur'ān) gives several examples to show the unbelievable chaos in fixing the dates and sequence of events even during the end of the Prophetic mission. It is not the paucity of dates but the abundance of mutually contradicting estimates that leads to this confusion. It is the basic cause of this confusion that these lectures are meant to reveal.

20. Ishaqun Nabi 'Alavi gives the following references to the *Ḥajj al Aṣghar*, also known as '*Umrah* which used to assemble at Mecca during the month of *Rajab* : "Ṭabari III, 157 and 174; Baihaqi, *Sunan*, IV, 345." This month of *Rajab* coinciding with the Jewish moon-month of *Nisan*, and covering the vernal equinox, was considered the most sacred among the Four Sacred Months known as the *ashhur ul ḥurum*. See Burhān, Delhi, November 1964, pp 283-4.

22. See M. Hamidullah's references to these tithes in his two books : *Introduction to Islam*, 1968, paras 175 b and 349; *Muḥammad Rasulillah*, 1974, paras 20, 39 and 263.

25. Obviously the Jewish and the Arab year was originally identical, both commencing close to the autumnal equinox, the first month being named *Tishri* by the Jews and *Muḥarram* by the Arabs. Exodus XII : 1-6 testifies how, on their return from exile, the Jews were enjoined to transfer their New Year from this first month *Tishri* to their seventh month *Nisan*, that is from the autumnal to the Vernal equinox. With this transfer of the new year from *Tishri* to *Nisan* the intercalary thirteenth month, which had to come at the end of the year also had to be shifted to a place between *Adar*, the last month and *Nisan* the first month of the next year; this intercalary month corresponding with the Arab *Nasi*, was named *Veadar* or the 'extra *Adar*'. This feature of the Jewish calendar is clarified in the Table on pages 540-1 in *Handbuch der judichen Chronologie* by Dr.

G. Reconstruction : Possibilities and Limitations

57. It will now be obvious that much of the *Sirah* has to ' chronologically reconstructed in the light of the thesis that has bee unearthed by the application of inductive analysis to the scant records. We now have a scale against which to test and adjust th recorded data. Such an effort will either set the events and thei sequence in obvious order, or it will prove the inadequacy, perhaps the falsity of my thesis and of the scale itself. Unfortunately, evei the latter outcome will not help much; we shall still need ai alternative formula and scale which will meet the needs better, an which will clear away the discrepancies that abound. Until such formula and such a scale are discovered we have only tw alternatives before us—either to work with this new formula as tentative hypothesis, or to continue to be smugly satisfied with th old chronological chaos which 'Alavi laments with such poignancy.

58. In any case, such a reconstruction of Islamic chronology canno be expected from any individual, or group of pedants, committed tc the old deductive system of reasoning in which every new idea has tc be corroborated by precedent and tradition rather than by experimen and trial and error, supplemented by logical inference. Only person familiar with the scientific method, those who are as willing tc unlearn as to learn, can be expected to make headway in this labyrinth of doubtful information where there is much more to reject and discard than to accept or add. It is this need that throws wide open the doors of Islamic research to the many, instead of limitin this responsibility to the few who claim the monopoly of knowledge in the field of Islamic historiology. No person who claims to be ' Muslim and has worked for a high research degree, or has published some papers, no matter in what field, can be absolved from the duty of examining the *Sirah* literature with a view to obtaining for himself, if not for others, a logically clear perspective of the Prophet's life, his aims and his achievements. It is only the siftings by such a multitude of laymen that will give us a clearer picture of the Prophet, the greatest benefactor of Muslims—if not of mankind.

59. Here my task as a researcher ends. I have outlined my thesis and have explained the basis of the contradictions found in *Sirah* literature; I have, in short, shown that it is an expedient solution of a problem raised by the entanglements of history that has led to the roving *Ḥajj* and the roving *Ramaḍān* over the past nearly fourteen centuries. I have even gone slightly beyond my sphere in suggestin

how the recasting of the *Sirah* can be hoped for through fresh approaches and new talents. But it would be dishonest for me to say that beyond this point I am not interested in any reform of the Muslim religious calendar in the future.

H. The Future

60. That, however, is a problem for the *Ummah* and the *Ulu'l amr* (*Nisā* 4:82) 'those deserving of command', and the *Ulu'l aydī wa'l abṣār* (*Ṣād* 38:45) 'men of action and foresight', 'the *Ulu'l faḍl waṭ ṭaul* 'men of generosity and means', to deliberate upon.

61. Besides, as I have already said at the beginning of this last lecture, calendrical modification or reform is not a phenomenon to be treated as child's play or pushed through in a hurry. Years of deliberation at the highest intellectual levels of the *Ummah* will be needed to arrive at a modus operandi which will not throw Islam from confusion into chaos.

62. Such a problem becomes all the more risky in times such as ours when things move so fast that a single thoughtless deed or word carries its reverbrations over the globe in a matter of seconds and when we are not quite sure as to whether mankind itself will survive to witness the opening of the 21st century. We have at this moment little knowledge of what new vistas or what clamities will face mankind during this last quarter of our current century.

63. Restricting ourselves, therefore, to the fate of only the peculiar calender that we Muslims have inherited, I can see three points of time which are significant :

(a) The transition point of our unadjusted lunar calendar from its 14th to its 15th century. Such points always evoke resolutions for the future and give rise to thinking and emotional fervour. This particular point of time the 1st of *Muharram*, 1401 A. H. will coincide with Sunday, 11th November 1980, a little more than three years from now.

(b) The 22nd of September 1985, when the 1st of *Muharram* 1406 A. H. will fall close to the Autumnal Equinox and re-railment of the Muslim Calendar from the orbit of the moon to the orbit of the sun will be most feasible at that point of time. The duration between points 'a' and 'b' will be only 5 years,

(c) The transition of the Western Era from its 20th to its 21st century. The current year being 1977, another 23 years intervene between now and then.

with the seasons; one is left with the only conclusion that most probably all the details were either simple fabrications, or pious intellectual exercises on the part of the early preachers of Islam who were too innocent to visualize that their versions might be scientifically examined at some later stage of history.

"On the other hand, there are examples of dates that are obviously authentic and correct; these are not many but sufficient in number to suggest that the early Sirah writers had some basic source material at their disposal; otherwise there would have been contradictions in these also.

"This makes the issue all the more complex." (p. 2)

51. Lest this honest fellow-seeker be suspected of having indulged in overstatements, I might mention that his verdict is based on no less than 148 references to Ibn Ishaq, Waqidi, Ibn Hisham, Tabari, Albiruni and last of all William Muir whom we too have quoted.†

F. Removal of Doubts

52. But one other duty I must fulfil, even at the risk of repetition, before I conclude : I must anticipate at least some doubts about the credibility of the thesis itself and also answer some questions that the thesis naturally leads to. This I shall now try to do, as briefly as I can.

53. Many of you will naturally want to ask : How is it that a vital chronological manipulation, like the one I assume as a hypothesis, finds no mention in all the copious *Hadith* and *Sirah* literature ? The answer is that the very purpose of the manipulation seems to have been to obliterate the *Nasi*—not only its stem and branches but its roots as well. How then could this effacement itself be incorporated, or allowed to exist, in historical records ?†

54. You will ask : Have you no other than circumstantial evidence to support this disturbing thesis ? Humbly, I admit that I have only negative evidence. Let me summarise the logic and sequence of my thinking which has led me to this hypothesis :

(i) If the adjusting *Nasi* had not been in practice till the Farewell Pilgrimage, how could it have been called "a recurrent cause of confusion" in Surah *Bara'ah* 9:37 which, as I have shown, is generally accepted as being associated with the *Hajjat al Wida'* ?† Is there then any alternative to accepting that the months were seasonal even during the ten years of the Medinan period ?

(ii) If the *Nasi* existed till then, it must have occurred three mes during the preceding 10 years. Where then have these three ıonths disappeared ? What other explanation than this thesis larifies this effacement ?

(iii) Coming downstream, one finds the Farewell Pilgrimage ɔ correspond with the *Minor Ḥajj* of the spring month of *Rajab*, nd corresponding closely with the Vernal Equinox. Going upstream 'om this very current month of *Rabi'ath-thani*, 1397 of the Hijrah ra, we find that the vernal equinox of 10 A. H. corresponds with ıe month of *Dhu'l Hajj*. How else but through this thesis, can one xplain this overlapping of the *Major* over the *Minor Ḥajj* ?

(iv) According to all *Sirah* and *Hadith* literature, the *Hijrah* ccurred in the month of *Rabi'al-Awwal*, A.H. 1. Is there a single radition mentioning the immediately preceding months of *Safar* and *iharram*—the very first two months of the first year with which ıe Muslim Era commenced ? How have these two months become on-existent ? How else, but on the basis of this thesis, can one xplain this disappearance ?

5. When not one, not two, not three, but all these four contradicons are explained away by a single thesis; and when, further, there no alternative thesis to clear away even one of these four contraictions, what alternative is there to the acceptance of this thesis ?

6. I admit that the acceptance of this thesis is a painful experience ɔ every Muslim. It hurts our cultural ego. As a born and avowed ıember of the Muslim community, my individual ego too cannot ut be pained at the exposure of this wide crack in the armour of r age-old traditions. But, if I have been aroused by even one of ıe glories of the Qur'an, it is its sincerity, its honesty, its presentaon of facts without any attempts at dilution or toning down in onsideration of human weaknesses. If I am asked to point out the ıost outstanding features in the character of our Prophet as I see im reflected in the Qur'an, I can point to no other than his straightorwardness, his transparent honesty, his refusal to compromise with egard to truth. Such being the teaching of the Qur'an and such the xample set by the man whom we accept as our Prophet, shall we ıirk our duty of accepting a logical thesis which we cannot prove to e false ? Is it not imperative on us to overcome hesitations prompted y both our individual and our collective egos ?

مرا دردیست اندر دل اگر گویم زبان سوزد
وگر دم درکشم ترسم که مغز استخوان سوزد

thesis. Of course, this thesis, like all other theses, is open to refutation, but that could be done only by another thesis which is still more formidable and irrefutable. Until such a thesis appears, this one would serve to reconcile many seeming irreconciliables. Naturally, I felt like shouting Eureka !

E. Resulting Dislocations

43. The expectations of the Qalammas were fulfilled. This ingenious manipulation seems to have aroused little notice amidst the great conquests extending to Khurasan in the north-east, to Egypt in the south-west. Naturally, it went entirely unrecorded. The succeeding tumultuous regime of the Bani Umayyah buried it deeper still and beyond even the reach of the collective subconscious.

44. When more than a hundred years later, Ibn Ishāq and Wāqidī, Ibn Hishām and Ibn Sa'd tried to recapture and martial the sequence of events, they found all the twelve months of a lunar reckoning, unbridled by the seasons, ubiquitously appearing here and there without rhyme or reason. Historical records were all in disarray; the formula of the Qalammas, which would have provided a scale of adjustment was nowhere to be found for solving this inherited jig-saw puzzle.

ٿهڪ ٿهڪ کي هو، مقام پهه ٻو چار، ٻه ڪٿي
ڏيرا پتا نه پائين، تڏ ناچار ڪيا ڪري

45. It could not have been otherwise. All the events of the Medinan decade had been subjected, so to say, to a double exposure; subsequent attempts to etch in the correct outlines had further blurred the images almost beyond recognition. In trying to comply with the demand for presenting a clear picture, these historians had no alternative but to make use of their own imaginations :

چون نه دیدند حقیقت ره افسانه زدند

46. Perhaps the most conspicuous instance is the imaginative building up of the Hijrah narrative. Just because the manipulation of the Qalammas had shifted this effulgent event of early Islam from the sacred months of *Dhu'l Hajj* and *Muharram* to the ordinary month of *Rabī'al-Awwal* during which violence was *not* taboo, the sagacity and the careful planning of the exodus from Mecca to Medina have been regrettably overlooked. Instead, the Prophet has been

exposed to the charge of not having availed of the inviolability of the later half of of *Dhu'l Hajj* immediately following the Second Pledge of 'Aqaba. Worst still, aspersions have been cast on his sense of loyalty by the prevailing belief that he had left at night in search of safety while deliberately leaving his cousin and protege to face the wrath of the discomfited and frustrated Quraish during a month in which there was no guarantee of safety !

47. As we tried to show at the end of the first lecture, this exodus of the Muslims had been planned and executed more precisely than the exodus of the Israelites from Egypt. But, thanks to the cynical manipulation recommended by the Qalammas, the *Sīrah* of the Prophet has been blemished rather than ornamented by the traditions which are still innocently accepted.

48. The tragedy extends even to the blurring of some passages of the Qur'an. For example, if the three months of the Nasi had not been effaced from Muslim records, it would have been clear that the month of *Ramaḍān* throughout the life of the Prophet had corresponded with the May-June season of the year. Hence the injunctions on fasting, revealed a decade before the elimination of the *Nasi*, applied to that particular season. Nor was there any sacredness attached to that month. Many of the active adults used to be away from their homes either on trade or on administrative duties. Badr had occurred in *Ramaḍān* : the submission of Mecca also dates in the same month. Is it, therefore, possible that the verse enjoining fasting, (*Baqarah*, 2 : 185) applies only to those who stay at home in that month ?†

49. I am not saying that it does; all that I wish to convey is that it is this double exposure of the Medinan decade that has led to the two alternative interpretations of the word *shahr* in that verse; some comentators take it to mean the 'moon', others the 'month', We laymen are left to decide for ourselves, without having any clear evidence, on which of these to base our decisions.

50. Without further elaboration of this blurring let me quote another layman, Ishaq un Nabi 'Alavi who has had much more access to *Hadīth* and *Sīrah* literature than I could ever hope to. Mentally battered and bruised in this debris he says :

> "... in the chronological analysis of all important events, there are apparent contradictions and variations on such a vast scale that these narratives can hardly be regarded as history. Neither the days tally with the dates, nor the months coincide

Qalammas clan to provide a solution. It was apparently a shrewd representative of this calendar-manipulating clan that had solved this dual problem in his own cynical and spiteful style.

38. It must be remembered that the elimination of the *Nasi* in the time of the First Khalifah had already deprived this clan of its prestige, perhaps even of its livelihood. Now one of this clan was being asked by his detractors to remove the consequent anomalies in their time-reckoning and for this purpose to use, so to say, the know-how of his discredited occupation ! If this Qalammas of Arabia had had a sense of humour equal to that of the Brahmin of India, he might have said :

ببین کرامت بتخانهٔ مرا ای شیخ
که چون خراب شود خانهٔ خدا گردد

Anyway, assuming this situation, my personal deciphering of the records, written between the lines, with invisible ink, has suggested that the seemingly attractive formula provided by this virtuoso was somewhat as follows :

39. "The Farewell Pilgrimate, the *Ḥajjat-ul widā'*, had concurred with the *Ḥajj al Asghar*, the Minor Pilgrimage of *Rajab*. In view of the supreme importance which this occasion had acquired after the demise of the Prophet, this 'minor' Ḥajj could legitimately be given the status of the 'major' Ḥajj by giving to this month of *Rajab* the title of *Dhu'l Ḥajj*. This will advance the year 5 months by transforming the 7th month into the 12th month of that year. From this titled month of *Dhu'l Ḥajj* go back upstream on the river of time naming the months retrogressively *as if* there had been no *Nasi*. This procedure will efface the 3 months of *Nasi* by having given them the names of three ordinary months; the remaining two months *Ṣafar* and *Muḥarram* will recede behind the horizon of the *Hijrah* and be lost in the darkness of the pre-Hijrah Meccan period. They will be overlapped by the last two months of *Dhu'l Ḥajj* and *Dhu'l Qa'd* of the old *Nasi*-adjusted epoch. In time, the addition of these 2 months also will be effaced from Muslim memory even as the 3 months of *Nasi* will have been effaced from the first decade of the newly introduced Muslim Era."

40. This is exactly what seems to have been done†. The 3 months of *Nasi* that had actually occurred in the Medinan decade of the Prophet's life as months of *Nasi* assumed other names in the *Sirah*

ture; likewise, no one has thought of asking the question which have been framed as follows :

"If the *Hijrah* had taken place in *Rabī'al-Awwal*, is there no rd whatsoever of any events that occurred in the immediately eding *Ṣafar* and *Muḥarram* ? Is there nothing worth mentioning le very first two months of the Muslim era ?"

answers to these questions will corroborate my thesis. No events be attributed to these two months of *Ṣafar* and *Muḥarram* simply use these two months had no existence; in reality they were the ths of *Dhu'l Qa'd* and *Dhu'l Ḥajj*, the latter being the month in h the *Hijrah* had commenced.

Years ago, my own intermittent attempts to reconcile what ıed to be irreconciliable had made me suspect that some tinkering ome time in Islam's history had made the moon calendar take a turn on its axis making vi into xii and xii into vi.† I even ember telling Dr. Hamidullah while he was still in the Osmania ersity i. e. before 1947, about this possibility; I even remember suggesting that something of the kind might have been done r the Fatimid regime in Egypt. Later, I had tried to explain to friend and colleague, Syed Kazim, what seemed to be a sformation of the *Minor Ḥajj* into a *Major Ḥajj*. But when ? ? By whom ? Under what compulsions ? and lastly, what ence had I ? all these questions I could not answer. Therefore, ong I had failed to make this thesis convincing to others or even ıyself. It was this chagrin at seeing the solution behind a thin so to say, and its elusive play of hide and seek that had made mash my teeth over and over again during the last three des !

But now all these questions can be answered with arithmetical ision. The basic motive was apparently the effacement of the —the removal of the contradiction between (a) the denigration of *Nasi* in the Qur'ān, and (b) the factual retention of the *Nasi* during ery first decade of the new Muslim era. The person responsible for ingenious manipulation could have been no other than a member he Qalammas clan. The numerous references to calendrical stment in the 16th or 17th year of the *Hijrah* era pointed clearly ıis period in the regime of the Second Khalifah, 'Umar, the queror of Syria, Iran and Egypt, who had been long known for capacity to cut such Gordian knots. The findings of these ing links had made my reasonable conjectures into a formidable

asked, 'What do you mean by dates ?' The man explained that the Khusros of Iran, on their letters and Farmans inscribed the date, the month and the year in which they were issued. 'Umar said, "This is a good system."

(Daily Navid -e Deccan, 1st Jan. 1977)

31. These quotations I give only as brief illustrations. But references are many to the fact that it was in about the fourth year of the Second Khalifah's regime that some serious attention was paid to the setting in order of the Muslim calendar.

32. But a perusal of many such references like those given above leaves one with a peculiar frustration. They, so to say, beat about the bush, but evade, the crucial questions. For example, we have had to infer from the dates given by William Muir how the *Nasi* was overlooked and ceased to be intercalated during the regime of the First Caliph. But nowhere in this book or elsewhere is it specifically mentioned that it was during this regime that the *Nasi* ceased to be intercalated. Coming to the regime of the Second Caliph, we are often shown that some chronological problems were taken notice of; their solutions had become imperative; they were attended to during his regime. But, when you try to see what these problems really were and what solutions had been adopted, there are just no such details available. All that we are told, over and over again, is that the point of the Hijrah was fixed as the beginning of the Muslim Era. But this was the least complicated of the problems; the old Arab year, from time immemorial, had begun with the new-moon of *Muharram*. To add to this, the Hijrah from Mecca, as we have already shown, had taken place, almost as if it had been timed by the Prophet himself to herald both a new year and a new era commencing with the new moon of that month. It must, therefore, be concluded that fixation of the Muslim calendar, as an achievement of the Second Khalifah involved other adjustments beside the point of time from which the Muslim Era was to commence.

D. The Emerging Thesis

33. The question of questions that canfronts us is : What happened to the three months of *Nasi* that had actually intervened during the first ten years of the new *Hijrah* era ? By what calendrical device did they become non-existent ? The cessation of intercalation during the regime of the First Khalifah had eliminated the *Nasi* from the

present and the future; but when, and by what *mantra* was their existence effaced from the past ?

34. This was the question the answer for which had eluded me for thirty years. It had seemed an unanswerable question when fourteen centuries had buried the scanty historical records to depths unreachable. It was only the concentration and mental strain experienced in the course of preparing these very lectures that brought the answer to the surface. I was, and will continue to be, amazed at the answer which suddenly appeared before me.

35. Yesterday I presented to you the chart fixing the important events of the Medinan decade according to the months of the Julian, the 'Downstream' and the 'Upstream' calendars. Column 6 of this chart had revealed a peculiar rise of numbers in the difference between the two above-mentioned lunar reckonings : every time a *Nasi* month had intervened, the difference had increased by 1. For example, the month of the *Hijrah* was *Muharram*, the 1st month of the year according to the Downstream reckoning; *Rabi'al Awwal*, the 3rd month according to the Upstream reckoning; the difference between 3 and 1 was 2. But, after passing one *Nasi*, such difference became 3. After traversing over the next two *Nasi* months such difference rose from 3 to 4 and then from 4 to 5 !

36. And wonder of wonders ! This made *Rajab* the seventh month of the 10th year in the Downstream calendar correspond to the *Dhu'l Ḥajj* the twelfth month in the Upstream reckoning ! The month of the *Ḥajj al Akbar* had become superimposed upon the month of the *Ḥajj al Asghar* !† There lay the answer for which I had been racking my brain for three decades. Someone had managed not only to transform the *Ḥajj al Asghar* into the *Ḥajj al Akbar* but also to efface the three *Nasi* months which would, otherwise, obtrude so garingly in a decade at the end of which the *Nasi* had been denigrated. This legerdemain, I felt, was not possible for any one but a member of the Qalammas clan which we have already discussed in connection with the one weak and fragile link in the cultural chain binding the Arab tribes into a people.

37. What seems to have happened is this : The Second Khalifah, beset with the problem of reconciling (a) the actual existence and (b) the desired non-existence of the *Nasi* in the very first decade of the Muslim era, initiated in his regime and, finding it imperative to restore some order and sequence in the accumulating chaos of months and years, had commandeered the services of a member of the

24. In any case it is said to have become obvious to the Caliph that Islam had to be prepared in advance for the recurrence of such situations. So, Abu Bakr organised,

> "eleven independent columns, and over each appointed a distinguished leader ... Arabia was parcelled out and each detachment given a quarter to reclaim with marching orders—where to begin and what course to take ... By this great scheme, in course of time, no spot would be left unconquered. ... " (ibid p. 16)

25. Changed circumstances had apparently effected a metamorphosis of Islam. In contrast to the peaceful occupation of the Arab citadel of Mecca only four years earlier, the Muslim armies were, henceforth, to spread far and wide expanding the glory of a conquering creed to the ends of the earth.

26. But time moves on oblivious of human struggle with an ever-changing situation. Another twelve moon-months passed by and another Ḥajj is said to have assembled in February (15th ?) 634. Comming only 11 days earlier in the season each year, the moon month was still (the old) *Rajab*. The emergent situation had apparently relaxed somewhat. So the Caliph attended this Hajj in a season which had become appreciably cooler than it had been until the Farewell Pilgrimage of 8th March 632. Thanks to the elimination of the adjusting *Nasi*, it would thus continue to change its climatological nature around the seasons; one year it would expose the bare-headed pilgrims to the intense heat of the desert sun†; during another year their bodies, covered with nothing more than two pieces of unsewn cloths, would shiver in the bitter winds of the desert nights. During still another year a large proportion of the animals, led to Mecca for the great sacrifice, would consist of mothers bearing their unborn young.

27. Abu Bakr passed away on the 23rd of August 634. But it was in this brief interlude of just a little more than two years that an anomalous cultural pattern had infiltrated into the socio-economic life of Islam. It appears that the Prophet of Islam had hoped and planned to advance the calendar of his people from the inefficient but adjusted lunar to the pragmatic and progressive solar reckoning. His sudden demise, the chaos that followed and, apparently, the earnest zeal of his followers to carry out what they thought to be his wishes to the last letter, had retrogressed it from a 'lunar' not to a solar but to a 'pseudo-lunar' reckoning.

C. The Second Khalifah

28. Weir's revised version of Muir's *The Caliphate*, which we have been following, devotes sixteen chapters, covering 112 pages, to the regime of 'Umar, the Second Khalifah. Whether the dates or the sequence of events during these 10 years and 3 months (August 634 to November 644) were any more reliable than those of Abu Bakr's regime is not mentioned. The only reference of chronological significance is the following brief passage and its footnote :

"To Umar is popularly ascribed ... the regulation of the Arabian year. He introduced for this purpose the Mohammadan Era, commencing with the new moon of the first month (Moharram) of the year in which the Prophet fled from Mecca. Hence the Mohammdan era was named the *Hijra*, sometimes written *Hegira*, or "Era of the Flight" 1 (ibid p. 181)

29. M. Hamidullah, in an article contributed in 1968 to a Pakistani journal,† provides the following corroboration :

"The calendar reform dates from the lifetime of the Prophet, yet the adoption of the *Hijrah*, as the point of the beginning of the Muslim era, dates from the Caliphate of 'Umar, some six years after the death of the Prophet. According to our sources, (Ṭabari, Sakhawi, Ibn al Jawzi, Ibn 'Asākir) it was the governor of Basrah, Abū Mūsā al-Ash'ari, who first felt the need of citing the year along with the date and the month in State documents; a certain Yemenite explained the practice in his country; 'Ali suggested the adoption of the *Hijrah* as the starting point; it was 'Uthman whose suggestion prevailed that Muharram should continue to be the first month, and not *Rabi' al awwal* in which the Prophet had reached Medina."

30. A more recent article in Urdu by one Mowlana Sa'īd al A'ẓamī of Hydrabad repeats the same information still more elaborately :

(a) "Abu Musa, in a letter to the Second Khalifah, asked why it was that no date was mentioned in the communications received from him.

(b) "Maimun bin Mehran reports that a payment order was received by the Amir al-Mu'minin on which the date mentioned only the month Sha'ban. He asked, "Which Sha'ban ? the current Sha'ban ? the preceding Sha'ban ? or the coming Sha'ban ?"

(c) "Muhammad bin Miran reports that a man asked the Khalifah 'Umar to specify dates on his instructions. 'Umar

17. The plight of the trading communities of the towns, including the *Quraish*, was even worse; their very economic existence depended upon the close synchronization of their trade cycles with the cycles *of the seasons*. Their trade agreements, the *ilāf*, (Sūra *Quraish*, 106 : 2) would have to be fulfilled a month earlier than anticipated. The protection from violence guaranteed to their caravans could be counted upon only a month later; would not their trade be exposed to ravage in the intervening month ? The timing of the Winter Caravan, the *riḥlāt ash-shitā'*, became a matter of concern. The *Ḥajj al Akbar* had not assembled in August 632; presumably, the subsequent pre-winter setting out of the caravan to the south would also have to be cancelled; when goods from the north had not been exchanged in August, what would be available for being transported to the south in the November that would follow ?

18. At the beginning of yesterday's lecture it had been shown that the adjusting *Nasi* had served as the king-bolt that had kept together and co-ordinated the functioning of the other four cultural patterns of the pagan Arabs. In spite of the far-reaching reforms in the ideology of the people, in spite of the change over from idolatory to the worship of the One and the Only Allah, this king-bolt had continued to function and to retain the identity of the Arabs as a people even during the Medinan decade of the Prophet's mission. With the removal of this king-bolt, the adjusting and co-ordinating *Nasi*, within two months of the Prophet's demise, the old Arab culture fell apart into pieces. The reaction to religious reform, so adroitly controlled by the Prophet even till the end of his mission, suddenly gave place to accelerating anarchy and chaos. Along with the *Nasi* the other four co-ordinating cogwheels grinded to a halt. When the Second Khalifah took over the leadership of the orphaned Ummah, the Minor and Major Assemblies of Spring and Autumn, the trade caravans of winter and summer, the four sacred months and the trade covenants with the tribes of the north and the south had all become well-nigh obsolete.

19. What we have noted above are only logical conclusions drawn from the significance of the occurrence of the first post-Prophet Ḥajj having become due in the month of February 633. Let us see what Muir/Weir's account, which is so conspicuously silent with regard to any mention of the change over from the adjusted to the unadjusted moon-calendar, has to report between the lines on these developments during the regime of the first successor of the Prophet.

"The Arabs were on all sides rising in rebellion. Apostasy and affection raised their heads. Christians and Jews began to stretch ut their necks; and the faithful were as a flock of sheep without a epherd; their Prophet gone, their numbers few, their foes a multi- ıde...(p. 11)

"The Collectors of tithe (an impost hateful to the Bedouin), ıe Legates and the Residents of Mohammad throughout the Provin- s,—all, in fact, who represented the authority of Islam,—fled or ere expelled. The Faithful, wherever found, were massacred, some f the Confessors suffering a cruel death. Mecca and Aṭ-Ṭaif wavered t first; but in the end through the strong influence of the Koreish ood firm...'Amr, returning from Oman, reported that the whole f central Arabia was in open apostasy or ready to break away on ıe first demand of tithe ... his report filled the citizens of Medina ith dismay ... " (ibid p. 12)

"A *deputation offered to hold by Islam and its ritual, if only* ıey were excused the tithe ... But the Caliph indignantly rejected ıe offer ... 'If you withhold but a tether of a tithed camel, will fight you for it', said the Caliph." (ibid p. 13)

). It is reported that some of the Bedouin around Medina actually tacked the town but strong defences had been set up so that they ıspersed in discomfiture. This little victory turned the tide and the ımediate danger was passed over.

. But the basis of this revolt the earlier-than-usual arrival of the ew Year and the consequent inability of the people to pay tithe, efore harvest, went unnoticed, or at least unrecorded.

2. On the very next page we read :

"Soon afterwards, the spirits of the Muslims rose as they saw ome chiefs appear bringing in the tithes. The tribes whom they epresented were indeed few compared to the apostate hordes, but it as an augury for brighter days ... " (ibid p. 14)

3. What is not recorded is that this delayed but voluntary submi- ion was perhaps due to the arrival of the proper season and the onsequent facility for payment of the seasonal tithes. Instead, hat is recorded is as follows :

> "It was the simple faith of Abu Bakr which fitted him for the task, and made him carry out the law of his Master to the letter ... " (ibid p. 14)

the Qur'an itself, "the second of the two," (Sūrah *Barā'ah*, 9 : 40), i the historic Mecca-Medina journey, ten years earlier. Within a wee of the Prophet's demise he took over charge of the Ummah with b one aim : **to carry out to the last letter what he believed to be th wishes of Allah and His Messenger.** Let us now see how the *Nası* denigrated so recently, was dealt with during his brief regime of tw and a half years.

11. In the slightly condensed version of William Muir's **The Caliphate,** Weir devotes the eleven opening chapters, altogethe covering 80 pages, to Abu Bakr's brief regime as Khalifah. In thi narrative of events he gives more than 25 seasonal dates of the Juliaı calendar as milestones to earmark the chronological sequence events. But the contents of all these eleven chapters are governe by the following passage which he ends almost apologetically :

> "...tradition, upto the Prophet's death clear and copious now suddenly becomes curt, obscure and disconnected. Th scene of confusion that prevailed throughout the land, present itself to us in meagre, dim and hazy outline. With Islan struggling thus for very life, its followers thought at the momen only of the lance and the sword; and when the struggle was a last over, little remained but the sense of escape from a terribl danger. **No dates are given for the many battles fought through out the year** (that followed the demise of the Prophet). W can only guess at the sequence of events . . ".
>
> (p. 83; emphasis added

12. This last admission makes most of the above-mentioned 25 oı more seasonal dates into merely reasonable conjectures which canno be accepted as altogether reliable. Four of them, however, divid the 27 months of this regime into three distinct periods; they canno be far wrong and do throw much light on the events of this fatefu interlude :

1.	10th June 632	Abu Bakr takes charge	Period A 9 month
2.	(26?) Feb. 633	Not able to attend Ḥajj	Period B 12 "
3.	(15?) Feb. 634	Attends Ḥajj	Period C 6 "
4.	23rd Aug. 634	Abu Bakr passes away.	

13. The second of the above four dates, earmarking the fir post-Prophet Ḥajj of February 633 is the most significant of all particularly for our chronological analysis, and provides the follow ing important conclusions : The Prophet, as we have seen, passe

away in June 632, corresponding to *Shawwal* of the old Downstream calendar. Normally, therefore, the first of the three sacred months, *Dhu'l Qa'd*, should have commenced within a month of the Prophet's demise. Preparations for embarking on the Ḥajj that would follow should have commenced in Medina in this month of *Dhu'l Qa'd*. The Ḥajj itself would assemble at Mecca in the subsequent month of *Dhu'l Ḥajj* i.e. August 632. But the above reference to a six months later date, February 633, as the date of the very first post-Prophet Ḥajj, is a clear indication of the fact that owing either to the earlier annoucement by Abu Bakr at the August 631 Ḥajj (*Surah Bara'h* 9 : 1-10), or to the confusion that followed the demise ot the Prophet in June 632, or to the combination of both these factors,

either (a) No Ḥajj had assembled in Mecca in August 632,

or (b) No notice of that Ḥajj had been taken in Medina.

14. On the other hand, if this major Ḥajj had assembled in August 632, that would have been the third year after the preceding intercalation of the *Nasi*, and the question of whether or not another *Nasi* was to be intercalated immediately after that *Dhu'l Ḥajj* would have had to be faced squarely. The fact that that Ḥajj, for one reason or another, had failed to assemble obviously eliminated any chances of the Qalammas to announce the intercalation. Consequently, THE MOON-MONTH THAT FOLLOWED THE DHU'L HAJJ WAS NOT THE INTERCALARY MONTH OF NASI BUT MUHARRAM—THE FIRST MONTH OF THE NEXT YEAR !

15. This omission of the *Nasi*, even in the third year after its preceding occurrence, brought in the NEW-YEAR moon of Muharram on 23rd August, that is, more than a month prior to the Autumn Equinox. This had not happened in Arab memory; or at least not in the memory of the then living generation. Even the Bedouin, scattered in the rocky hills and sandy plains, could not have failed to notice this earlier than usual commencement of the New Year. The cycle of their sheep and camel breeding would have to be expedited, if the *'ushr*, or the tithed animals were to be handed in as one-tenth of the year's produce.

16. But the classes of people for whom this acceleration or advance of the New Year Moon was more disconcerting were the people of the oases who grew wheat and barley and paid their *'ushr* after having harvested their crops. How could they pay these tithes in kind before their crops were harvested ?

LECTURE III

After The Prophet

A. Recapitulation

1. We ended yesterday's lecture at the demise of the Prophet when "it must have seemed that the sun had set for ever...". The nascent Muslim community found itself in sudden darkness and beset with many difficult problems.

هوا مخالف، شب تار و بحر طوفان خیز   گسسته لنگر کشتی ، ناخدا خفته است

Let us, at this crucial stage of our narrative, take some fresh bearings to understand in better perspective the place of the *Nasi* in the basically changed situation.

2. Calendrical adjustment is a subject with which few people are ever familiar. Mecca had only the one family of Qalammas that had retained its power and privilege by keeping this knowledge to its own elders. They alone had, from time immemorial, virtually dictated when the adjusting month of *Nasi* needed to be intercalated in order to keep the moon-months abreast with the seasons of the terrestrial year. The rest of the Arabs of town or country had little idea of why the *Nasi* was an indispensable feature of any moon-reckoning, and why it could not be abandoned without alternative calendrical provisions.

3. Eliminating the *Nasi* was deceptively easy : to cope with the consequences of such elimination was far, far more, difficult and complicated a procedure. It had required the determination and the power of a Julius Caesar, backed by the administration of a Roman Empire, to replace the inefficient but age-old moon-reckoning by a solar calendar which served the purpose of time-recording infinitely better.

4. Was it to be expected that, with the diffused, primitive cultural base, such as that which existed in the Hijaz of the seventh century

e adjusted moon-calendar could be easily replaced by an entirely fferent and unfamiliar reckoning in which the waxing and the ıning of the desert moon had no meaning ?

Both commonsense and historical evidence would suggest that ch a far reaching change would certainly have been too dislocating, o sudden and too premature. Would the Prophet have plunged into ch a venture if he had known that he was so close to the end of his ssion ?

One is, therefore, bound to conclude that the two announcements ıbodied in the Qur'an, first, the closing of the August Ḥajj to the corrigible *a'rāb* (Sūrah *Barā'ah* 9 : 1-10); second, the denigration of e *Nasi* as the source of confusion (ibid 9 : 37), both constituted servations rather than injunctions.

It must also be remembered that, even if the first of these two ssages had announced the closure of the Sanctuary to those who dulged in obscene practices during the Ḥajj, that announcement d not abolished the August assemblage itself. If the second of ese two passages denigrated the *Nasi* as the source of confusion, ıd, indirectly condemned the moon calendar in which such adjustent was indispensable) it had not *enjoined* the elimination of the si as an isolated move. It had not enjoined even a premature option of the solar reckoning before the ground had been prepared introducing what already prevailed in Iran and in Byzantium. th passages, it must be inferred, were apparently the initial and lirect observations to provide Qur'anic sanctions to facilitate the placement of the lunar by the solar calendar if and when the time s ripe for such a great step forward in the race of civilization.

Despite the justification of the above statements, one cannot get that the condemnation of the *Nasi* even as an observation, s itself a bold initiative. If death had not intervened, if the need intercalation had not so tragically coincided with the ensuing os, that Qur'anic sanction could have led to the eventual adoption the changeover from the moon to the sun reckoning.

With this brief synopsis let us proceed to the post-Prophet riod of the Caliphate.

The First Khalīfah

The faithful Abu Bakr was one of the earliest to believe in the vine mission entrusted to the Prophet. He was, as mentioned in

Placement of Events in the Medinan Decade According to Three Different Calendars

Serial No.	Julian Date of New Moon	Downstream Calendar	Upstream Calendar	Events	Diff. in Mon.
1	2	3	4	5	6
		A.H.	A.H.		
1	16 July 622	Dhu'l Qa'd —2 11th	Muḥarram 1 1st	Upstream Muḥarram	2
2	15 Aug. ,,	Dhu'l Ḥajj —1 12th	Ṣafar 1 2nd	2nd Pledge/Exodns	2
3	13 Sep. ,,	Muḥarram 1 1st	Rab. I 1 3rd	Entry into Medina	2
4	4 Aug. 623	Dhu'l Ḥajj 1 12th	Ṣafar 2 2nd	'Ali-Fātimah m.	2
5	15 Feb. 624	Jam. II 2 6th	Sha'bān 2 8th	Change of Qiblah	2
6	25 Apr. ,,	Ramaḍān 2 9th	Dhu'l Qa'd 2 11th	Badr	2
7	22 Aug. ,,	*NASI*	Rab. I 3rd		
8	23 June 625	Shawwāl 3 10th	Muḥarram 4 1st	Uḥad	3

9	4 Mar. 627	Sha'bān	5	8th	Dhu'l Qa'd	5	11th	Khandaq	3
10	20 Aug. „	*NASI*			Rab. II		4th		
11	13 Mar. 628	Rajab	6	7th	Dhu'l Qa'd	6	11th	Ḥudaibiyah	4
12	2 Mar. 629	Rajab	6	7th	Dhu'l Qa'd	7	11th	'Umratu'l Qaḍa	4
13	27 Aug. „	*NASI*			Jam. I	7	5th		
14	2 May 630	Ramaḍān	8	9th	Ṣafar	9	2nd	Submission of Mecca	5
15	5 Aug. 631	Dhu'l Ḥajj	9	12th	Jam. I	10	5th	Ḥajj Abu Bakr	5
16	31 Dec. 631	Jam. I	10	5th	Shawwāl	10	10th	Death of Ibrahim	5
17	18 Feb. 632	Rajab	10	7th	Dhu'l Ḥajj	10	12th	Ḥajjatu'l Widā'	5
18	27 May 632	Shawwāl	10	10th	Rab. I	11	3rd	Wafāt : June 8, 632	5
	15 July 632	*NASI*			Jam. I	11	5th	Abandoned	

38. Ladies and gentlemen, I wish I had the time, and the occasion permitted me, to recount more of what was said. Even then I could not possibly have conveyed to you the emotional fervour that must have arisen to unimaginable heights. There are many accounts of all the lessons from the Qur'ān, and from his own life and experience of the past twenty years, to which he drew the attention of the gathering; but it was the emotional tone of this assemblage which left an unforgettable impression on the Muslim memory.

39. Some affirm that (except for the intervening parenthetical passage) the *Nasi* verses (Sura *Barā'ah* 9 : 36-7) were revealed in the course of this oration. Others are inclined to believe that several other utterances having the weight of revelations, and incorporated in the Qur'ān as independent passages which do not connect with the preceding and subsequent text, are also passages revealed on this occasion. For example, one such passage is,

> "O thou, (My Messenger !) Proclaim (anon) the message which has (now) been sent to thee from thy Lord. IF THOU DOST NOT, THOU WOULDST NOT HAVE THEN FULFILLED THY DUTY ! (Emphasis added) Allah will protect thee from the wrath of men. Verily He guideth not a people who obstruct !"
>
> (Sūra *Mā'ida* 5 : 63)

> Another passage which is, perhaps, a corollary to the above is :
>
> "This day have I perfected for you your faith; brimmed you with my blessings; your creed Islam I have decreed !"
>
> (Sūra *Mā'ida*, 5 : 3)

40. In *Hadīth* literature, a saying of the Prophet, attributed to this occasion reads as follows :

> "Verily, this day Time has made a full cycle and returned to the point at which Allah created the heavens and the earth."

41. Of course, every Muslim is inclined to, and has the right to, interpret such legacies in the light of his own background of knowledge and experience. One might, however, be permitted to suggest that, in view of the importance of the *Nasi* verses to the past and the future of Islam, both the Qur'ān and the *Hadīth* literature need to be combed again for ascertaining whether they can possibly mean something other than what they have been understood to mean. For example, CAN the emphasis on 'the TWELVE MONTHS prevalent ever since He created the HEAVENS AND THE EARTH' be taken to refer to the 'twelve sections of the year' corresponding to the Twelve signs

f the Zodiac? Must they be taken to mean only the twelve volutions of the moon around the earth—a duration which falls even days short of the terrestrial year and has very little to do with ntrolling the earthly life of plants, animals and human beings ?†

!. This is at least one question which posterity is likely to ask over d over again. But, all that can be said at this stage of our present alysis is that this Farewell Pilgrimage left so deep an impression on e minds of the Muslims of those days, and the condemnation of the *isi*, as a recurrent source of confusion, constituted such a palpable lief to those who had experienced the recurrent dislocation it s wont to cause, that its elimination became a religious mission— least to those who found themselves entrusted with power and ponsibility after the demise of the Prophet.

. Did they realize that the elimination of the *Nasi* by itself, and thout the adoption of the alternative means of recording the restrial year correctly, was bound to land them from confusion o chaos ?

Obviously they did not. But how many of us, placed in the cumstances in which they found themselves, would have done so ? parently, all that their zeal made incumbent on them was to see t this *Nasi*, condemned by the word of God, was eliminated any cost, at least as a duty owed to their deceased Mentor's ewell message. Arab loyalty apparently demanded that elimina- n, made it incumbent on them. How this elimination, and later effacement was achieved, we shall try to explain in tomorrow's ture.

What we have to emphasize at the end of this second lecture is t, within three months of this Farewell Pilgrimage, the Prophet denly fell ill; before 13 days had passed, the Muslim Ummah was haned on the 8th of June 632 of the Julian Calendar.

It must have seemed as if the sun had set for ever. They must e been reminded of the verse in Sūra *Mu'min,* (40 : 34) where, rring to the passing away of *Yūsuf*, the Qur'an says :

"...and then you said, "Allah will never send another Messenger again...".

Caesar. In comparison with the solar reckonings of neighbouring Iran and Byzantium even this adjusted lunar reckoning had become well-nigh obsolete. The uncertainty in the appearance of the New Moon over and over again led to disputes about the commencement of the Ten Nights of *Dhu'l Ḥajj* (Sura *Fajr* 89 : 1-10). The commencement of the fasts of *Ramaḍān* was another recurrent occasion for uncertainty. Worse still, the choice left to the Qalammas in announcing the intercalation of the *Nasi*—either between the Sacred Months of *Dhu'l Ḥajj* and *Muḥarram*, or after the end of the Four Sacred Months—tended to cast doubts every two or three years when the *Nasi* had to be intercalated. Would not the abandonment of the moon altogether, and the adoption of the solar reckoning eliminate once for all these multiple problems in the annual cycle of life? Would this not lighten the shoulders of the expanding community of the righteous? Was not this community of the righteous destined to incorporate all mankind?

32. It was these contemplations that apparently revolved in the mind of the Prophet, and the happenings of the remaining two years only confirm the vital decision he arrived at and the actions he both planned and initiated.

33. The *Ḥajj al-Akbar* that assembled in August 630 came only two months after Mecca accepted Islam; naturally, it brought together both Muslim and pagan pilgrims; naturally, there was much confusion and at least some friction in the performance of the ritual by the pagans and the Muslims. That *Ḥajj* was later designated as the *Ḥajj al makhlūṭ* or 'the mixed *Ḥajj*'. The major and minor incidents of this occasion too must have led to much thinking of some alternative possibilities, during the next twelve months.

H. *Ḥajj* Abu Bakr

34. So, when the next *Ḥajj al Akbar* came round in August, 631, the Prophet's trusted companion, Abu Bakr, headed the caravan from Medina to make an important announcement in the large and still mixed gathering which was to assemble in Mecca. Soon afterwards the younger and intrepid 'Alī was despatched to buttress his older colleague. The announcement made on this occasion is clearly recorded in the opening verses of Sura 9, *Barā'ah* (vv. 1-9), which is generally accepted as chronologically the last Sūra of the Qur'an.

This proclamation guaranteed protection to all pilgrims assembled at that Ḥajj; it allowed even the pagans to roam about at will and to perform their pagan ceremonies during the current three Sacred Months—provided only that they did not indulge in mischief or create disturbance. On the other hand, this same announcement absolved Allah and His Messenger from providing similar protection during the Assemblages that would follow in the years to come. This virtually closed the doors to all those who would persist in the old and often barbarous and obscene ritual. This, it was hoped, would enable the law-abiding and assimilable pagans to be gradually brought into the fold of the Muslims—the submissively righteous among mankind.

35. This Ḥajj of 15th August, 631 was followed less than five months later by a tragic event which could not but have affected the human emotions of the aging Prophet. His infant son, Ibrahim, had been born to his Christian wife Maryam, only 18 months earlier. Suddenly, this infant passed away on Monday, 27th January, 632. Astronomical records still confirm the fact that this day had witnessed a conspicuous eclipse of the sun in that region. But from that striking coincidence he refused to draw any supernatural conclusions. This was the end of *Jamādi al-awwal* (downstream). Only the moon month of *Jamādi al ākhir* intervened between that date and the New Moon of *Rajab* the month in which was to be performed the long looked for *Ḥajj al Islam*. He continued to prepare himself and his righteous band of followers for this minor Ḥajj that was, perhaps, to be his last. Perhaps, he hoped that it would henceforth become the one and only annual assemblage heralding the New Year.

I. The Farewell Pilgrimage

36. The Prophet was right. This *Ḥajj* constituted the zenith of the Islamic teaching: it left its indelible stamp on the history of this great Message.

37. It is estimated that more than a hundred thousand people had assembled from among the tribes and regions of Mecca and Medina, places which were 200 miles apart. After completing the rites of the Pilgrimage, the Prophet addressed the multitude from the Hill of *'Arafāt*.

> "O ye people! Harken to my words, for I know not whether, after this year, I shall ever be amongst you again..."

city in June, 630. We have just seen how the Meccan antagonism had been softened in March, 628; how the peaceful performance of the Minor Ḥajj in March, 629 had inclined the Quraish to accept the moral supremacy of the Prophet and the suitability of the Muslims to serve as the leaders of the Arabs. Perhaps, they even missed the presence of the Muslims in the next *Ḥajj al-Aṣghar* in March, 630. Perhaps, their aggression against a tribe which had been guaranteed protection by the Muslims, was itself a subtle invitation to the Prophet to return and take up the reins of Meccan affairs which had been deteriorating. In any case, their default with regard to the treaty entered into with the Prophet, could not be overlooked; a large expedition started from Medina and reached the holy city in *Ramaḍan*, May-June of 630. The Quraish submitted unconditionally. The grace and magnanimity of Allah's Messenger to this submission provided a righteous example of clemency unequalled in the history of political combat or the annals of religious confrontation.

28. I cannot help quoting here a passage from *The Life of Mohammed*, compiled from various sources, by my late and revered teacher, Mirza Abul Fazl :

> "The once haughty chiefs of the Koreish appeared with abject countenances before the man they had persecuted so virulently only yesterday, for now their lives were in his power.
>
> "Descendants of the Koreish ! how do you think I should act towards you ?" demanded Mohammed. "With kindness and pity, gracious brother and nephew !" replied they with one voice.
>
> At these words, says the Chronicler, Mohammed burst into tears, and repeated a verse from the Koran recounting how Joseph had forgiven his brothers : "Yes, I will not reproach you this day : Allah will pardon you ! Verily, He is the most Merciful of the Mercifuls."
>
> (Sura *Yūsuf*, 12 : 92)

29. This submission added temporal supremacy over the Arabs to the moral and spiritual eminence which the Prophet and his followers had already achieved. Islam was now firmly established, thousands flocked to Mecca to pledge their allegiance to him and his righteous creed. But, faithful to the *Anṣar* of Medina, who had so loyally befriended him in his hour of Meccan rejection, he returned with them to Medina.

G. New Vistas, New Horizons

He was now 60 years old and had to expedite the great reforms it he had dreamed of in his helplessness over the past two decades. ith the changed circumstances he realized that the proper organiza-n of the enlarged finances of the community had become imperative its very existence. The ad hoc voluntary contributions, the *laqāt* according to individual inclinations and timely persuasions, uld not suffice any longer. The levies on the trade in different rkets, on the produce of land and livestock, the offerings collected the *Baitullah*, all these incomes, so far collected by the heads of ferent tribes and hereditary functionaries, had to be co-ordinated d effectively enforced. There had to be a central treasury, a *it ul māl*, under the custody of a trusted authority. Different rates d to be fixed for different types of levy. The '*Ushr* or tithe tenth) was the age-old rate of levy on the produce of land and estock; the *zakāt*, presumably, the one-fortieth (2½%) of the value sales, on different articles of trade; the *khums*, i.e. one-fifth (20%) unearned or fortuitous acquisition, all these had to become ligatory. Some accounts suggest that levies on trade "differed cording to whether the merchant was a citizen, a resident-alien or foreigner, and they paid 2½%, 5% or 10% respectively." Very on, the enforcements of these regulations, under the supervision the faithful Bilal, began to attract not only money but also sheep d camels, date-fruit and other products of the seasonal harvests. e functions and the functionaries of the *Bait ul māl* expanded and d to be organized with such efficiency as had never been needed fore.

This prime need of enforcing order and efficiency in the life of expanding Muslim community necessitated, more than ever before, need of further tightening up of the annual cycle of tribal life and till closer synchronization of the economic order with the seasons the terrestrial year. He had for long realized that Mecca and its o assemblages of August and March (*Dhu'l Ḥajj* and *Rajab*) were nucleuses of Arab life and culture. He had to build the arch of am on these two, or perhaps a beacon on only one of these emblages, so that the teaching of the Islamic way of life may ead far and wide and still move around a single focal centre of th space and time. The adjusted lunar reckoning of the year had ntinued to be operative in both Mecca and Medina for more than) years *even after* the adoption of the solar reckoning by Julius

the large crowds. Obviously, the March assemblage at the time c the *Ḥajj al-Aṣghar* was a safer and better choice.

20. So, virtually unarmed and only as peaceful pilgrims, he decidec to approach Mecca. Presumably, on the appearance of the new moon of the Sacred Month of *Rajab*, the band of Muslims, led by the Prophet himself, embarked from Medina. Most of those who hac participated in the Exodus from Mecca were with him. Presumably those of Medina who had then brought him away from Mecca as their guest were also there.

21. The parleys that had taken place on the outskirts of Mecca this is not the occasion to ıelate or to analyse. For our present purpose all that needs to be mentioned is that a compromise was reached. The Quraish of Mecca, declined to suffer what seemed to be a gate-crashing at such short notice; but they could not bluntly rufuse; they promised to let the Medinan pilgrims perform the *Minor Ḥajj* next year if they went back peacefully this time. Being a relatively less important occasion, they would, in March next year themselves resort to the hillsides of Mecca so that there may be neithe close contact nor occasion for friction. Left to themselves, th Medinans too would have the opportunity to perform the rites of the *Minor Ḥajj* in their own way.

22. Naturally, there was some disappointment among those who despite long confrontation, expected warmer response from thei erstwhile neighbours and relatives. But the caution and foresight o the Prophet softened the apparent rebuff and converted it into wha was in reality a victory for the sagacious. The Qur'ān itsel proclaimed :

Inna fataḥnā laka fathan mubīnā

Lo ! We have made thee victor in a glaring victory !

(Sura *Fataḥ* 48 : 1

23. The status of Islam and that of the Muslims rose overnight From being a negligible band of remonstrators ('protestants' if you like to call them) who deserved to be crushed, they became both a religious and a political entity with whom even the Quraish of Mecc had entered into a mutually esteemed treaty. From now on religious confrontation would be replaced by sociological adjustment. The basic and unbending principle of the Oneness of the Creator and, conse quently, the Oneness of Mankind, was to be left undisputed. Insteac

of violently denying this principle, the Quraish had come so far as to cease reacting adversely to it. They did not defiantly reject it; in time, this silence would mean acceptance; in time, acceptance would be transformed into conviction. This is apparently how the Prophet's inspired mind generally worked.

24. Immediately, Ḥudaibiyah opened up fresh vistas; he began to entertain hopes of wide acceptance, even increasing and smooth spread of the Divine message to realms beyond Arabia. Invitations were sent to the Heads of neighbouring tribes who had not till then entered into compacts of righteous solidarity. Unassuming 'Envoys' of the unpretentious Prophet were despatched even to the Heads of neighbouring religious Communities and political States inviting them to participate in a vast and glorious venture to establish a universal Faith.

25. For our particular purpose, however, what we need to remind ourselves is that this compromise-cum-victory had been achieved during the One Sacred Month of *Rajab* corresponding, year after year, and more or less closely, with (a) the *Vernal Equinox* of our solar system (b) the *Passover* of the Jews, (c) the *Easter* of the Christians, and (d) the *Now Roz* of Iran.

26. A year later, thanks to the Quraish having honoured their word, and the peaceful performance of the *Ḥajj al-Aṣghar* by the Muslims, the prestige of the *Rajab* gathering was enhanced. The Muslims too, left to perform the rites in their own way, found themselves closer to this Minor assemblage of March than to the Major Ḥajj of August. The latter occasion, as we have seen, was dominated by pagan ceremonies—some of which the Muslims regarded as uncouth and even obscene. On the contrary, this minor Ḥajj—which later came to be known as the *'Umrat al-Qaḍa*, or the postponed pilgrimage, had provided them the hope that the *Ḥajj al-Aṣghar* might itself become the major assemblage of Islam. Perhaps it even occurred to some of them that the August Ḥajj coming in the last month of the Arab year, was often followed by the adjusting month of *Nasi* which so often led to misunderstanding and unnecessary strife: obviously, *Rajab* would also have the advantage of being free of such aftermaths.

F. Submission of Mecca

27. Once again we shall pass over the intervening causes that led to the Medinan expedition to Mecca and the peaceful submission of that

if that is more expressive) ***on the recorded history of the Medina*** decade : (a) the old Arab calendar carried "downstream" from th past into the future; (b) the unadjusted lunar reckoning retrospective imposed "upstream" ***after the demise of the Prophet.***

16. When and why and how I think this happened will become clea in tomorrow's lecture. Today, I shall content myself by giving th ascertained solar dates of a few outstanding events along with tl two lunar dates according to what 'Alavi calls the 'Meccan' an 'Medinan' calendars and which I call, respectively, the 'downstrean and the 'upstream' reckonings.

Interlude

The printed leaflet distributed in today's session (chart opp. 34-5) will show on the calendrical placement of the more impor tant events of the Medinan decade which we are in the process o examining in this second lecture. Please confirm on it what I nov have to say.

Column 1 shows 19 events which, according to column 2, cove exactly 10 solar years. Commencing from 16th July, 622, that bein the supposed date on which the Muslim era begins, the decade end on 15th July, 632 when the adjusting *Nasi* ceased to be intercalated.

Column 3 gives the moon-months of these 19 events accordin to what 'Alavi calls the "*Meccan*" and I the "*Downstream*" calendar column 4 shows the dates according to what 'Alavi calls th "*Medinan*" and I the "*Upstream*" reckoning.

In both columns 3 and 4 you will find two thin columns o figures; the first denotes the serial number of the A.H. years to which the event pertains; the second represents the sequence number of the month in the respective year.

Column 5 specifies the event itself and column 6 shows th difference between the sequence numbers of the months shown in columns 3 and 4.

At this stage I'd like you to go down the figures in column 6 and to notice how the figures increase from 2 to 3, 3 to 4 and, finall from 4 to 5. Each such increase, you will see, occurs after ever month of *Nasi* that intervenes.

While going down column 5 I'd like you to notice also the events which it records and particularly item 11 designated as Hudaibiyah which is placed in ,

March according to the Julian calendar,
Rajab according to the Downstream calendar, and
Dhul Ḥajj according to the Upstream calendar.

The significance of this increase will be explained later. For the present let us examine the significance of the event known as the *Ṣulḥ*, or "Peace Treaty" of Hudaibiyah.

E. Ḥudaibiyah and After

17. The compromise arrived at between the Muslims and the Quraish of Mecca at Ḥudaibiyah stands out as another distinct milestone in the history of early Islam. The frustrating persecution of the Meccan period, extending over thirteen years, is over; the subsequent five years in Medina, with their disillusionment with the Jews, massive confrontation with the Quraish of Mecca, the self-identification of the Muslim community, all these had led to a group-yearning to visit Mecca, the city of their birth and childhood. The Prophet too began to look towards Mecca, with the aim and the hope of establishing some sort of rapproachment with the Quraish, his antagonized kinsmen and the people from whom he and his little band of seekers after righteousness had been virtually excommunicated.

18. But, above all, he had to be cautious. During eight months each year, Mecca was closed to him. A visit in any but the Four Sacred Months was bound to meet with a violent reaction. The gradually subsiding antagonism would only be reactivated, Mecca-Medina relations would get a set-back. It was obvious that the *Ḥajj al-Akbar* of August, or the *Ḥajj al-Aṣghar* of March, in both of which periods violence was taboo, were the only two occasions during which some hope of detente may be expected.

19. Fain would he visit Mecca during the *Ḥajj al-Akbar* in August the very event of the year after which he had left his city with his band of believers only five years earlier. But the *Major Ḥajj* would attract too large and massive a gathering. Even if he were allowed to participate in it, such participation might be dangerous. Insignificant, even negligible, frictions might start off a conflagration amidst

"(Remember) how He imbued you with tranquillity and confidence in Him. He sent you rain from the skies so that it refreshed you, relieved you from the demon (of desert thirst), unified your hearts and strengthened your resolves..."

This Qur'ānic evidence is further supported by local records Climatological data recorded in our own times at a mining station no far from Badr shows that even the little rain that the region receiv comes in the form of a few showers in the spring season of March April-May and again in November-December. The latter period i ruled out in this case because during winter the Meccan trade carava went to the warmer south; the caravan which the Muslims faced Badr was thus obviously that which was returning with merchandis from the north for disposal in the *Ḥajj al Akbar* that convened i the August-September season of the solar year. Apparently, the showe of rain mentioned in the Qur'ān was of the late spring mont of May 624.

11. And yet, William Muir, Caetani and other European writers—even Shibli Nu'mani in his *Sirat un-Nabī*—all place this event fiv month later in December 624. Let us, therefore, try and clarify little more the relations existing between the Julian and the loca calendars.

D. Studies of Julian versus Local Calendars

12. Discrepancies, like those found in the seasonal placement of th *Bi'thah*, the *Hijrah* and Badr, continue to be found in the historic recording of most events in the Medinan decade. They have confuse and confounded many scholars over more than a century sinc Perceval's premature annunciation. Several divergent theories hav been put forward to reconcile these discrepancies, individually an collectively. But so far none has proved convincing to all concerne

13. At least two contemporary scholars are still working on th problem. One is M. Hamidullah, my fellow citizen of Hyderaba and now associated jointly with the Sorbonne in France and th University of Istanbul in Turkey. I have been in friendly conta with him ever since I too started on this quest way back in 194 I still have with me the daily temperature and rainfall records which kindly maintained at my request and sent me from Hijāz during 194 More recently he kindly sent me the off-prints of an article and in

personal letter bearing the postal stamp dated January 26, 1972, (he, of course, dates it 9th Dhulhijja 1391), he says :

"My opinions have naturally been in course of evolution since I first formulated them in 1935. Then I had thought that the intercalation took place regularly every third year (obviously on the basis of Perceval's hypothesis). Now in the article on *Nasi* (1968)† I hesitated...in my present stage of research, intercalations were made at the end of 3rd, 4th, 6th and 9th years of the Hijrah..."

His main difficulty still seems to be an uncertainty in the precise placement of the *Nasi* months which he admits as having been intercalated during that decade. Curiously enough, I have profited much from his findings in the several contributions he has made in periodicals and other writings; but so far I have never been able to see eye to eye with him, nor he with me !

14. The other seeker is a little-known, amateur scholar of *Ḥadīth* and *Sīrah*, Isḥāq un-Nabi 'Alavī, of another erstwhile Muslim State in India, known as Rampur and now incorporated as a district of the Uttar Pradesh. His findings on the calendrical history of the Medinan decade were presented in the Urdu monthly, *Burhān* of Delhi during the half year May to December 1964. Summarized and translated into English by our friend, Dr. Abid Reza Bedar, they are available in a little volume of 48 pages. I have underscored this booklet more than any book I have ever read. 'Alavī and I have also corresponded and discussed this problem in Delhi and in Rampur. We have expressed unqualified delight and satisfaction at each other's long and honest search. I cannot say if he has learnt anything from me, but I am happy to admit that from the details of what he calls the "Meccan Calendar" I have, during my visit to Rampur in 1972, profited by accepting the autumnal equinox as the approximate commencement of the old Arab year. What I have not been able to accept is the final conclusion to which he has arrived. He believes that *two divergent calendars were concurrently prevalent among the Muslims throughout the Medinan decade*—one luni-solar adjusted by the *Nasi*, the other consisting only of twelve lunar months unadjusted to the seasons, and both having the same month-names. The first he believes, was current in Mecca the second in Medina. This theory seems to satisfy him; but, however much I might try, I find it difficult to accept this even as a remote possibility.

15. My own thesis, seemingly little but basically very different from his, is that two calendars do throw their beams of light (or shadows

B. Believers and Hyprocrites

3. In Medina the small group seeking freedom from persecution and opportunities of righteous endeavour, found itself torn from its native habitat and exposed to a strange environment. The bonds of brotherhood which the Prophet soon established between the residents and the immigrants did much to make the newcomers feel at home. Nonetheless, identification with a new environment takes time and there are always individuals and families who resent any intrusion of outside elements into their barricades, no matter how harmless and friendly these strangers might be.

4. One of such local elements in Medina was the Jewish community that was prominent in the region. The Prophet was most anxious to bring about mutual accommodation and even assimilation between (a) the *muhājirīn* or 'refugees' who had been virtually driven away from their homes just because they had begun to search for Divine guidance, (b) the *Anṣār*, the helpers who had given shelter and sustenance to these refugees, and (c) those who not only called themselves the *Yahūd* but also claimed to be, literally, "the Divinely Guided." At first, these "already guided" too had welcomed the Muslims in the hope that their leader, Muhammad, might be the "Prophet," promised in their own traditions. But very soon they were disillusioned. No matter how much the new Prophet was proclaimed to be the "Confirmer" and "Rejuvenator" of Judaism and Christianity, they would not accept him unless he confirmed the Judaism and Christianity not of the erstwhile pristine brand, but the Judaism and Christianity *current in Medina in their own times.*

5. Because the Prophet had gradually risen in tribal stature through his increasing number of followers there were among the pagans, the Jews, and the Christians several individuals who found their own leadership in their respective communities threatened by his teaching. Very soon these petty vested interests came to be known as the *munāfiqīn*, the foes in the garb of friends. In guise, some of them even accepted Islam; but inwardly they strove to cast out Islam from their midst :

When face to face with the believers,
they say, 'Believe we !'
But when in conclave
with their instigators
they say, 'We are with you;
them, we were only fooling...
(*Baqarah* 2 : 14)

6. The small group of genuine Muslims, those who sincerely aimed at submission to the One and Only Allah, had necessarily to be wary of these unreliable double-talkers; they had to stand firm and united, they had to build up invisible fences around their nascent community lest its roots be weakened through subterfuge and it be blown away at the first blast of a tribal hurricane.

7. These local interests were not the only danger. The vested interests in Mecca too had not forgotten that Muhammad's teaching had started to undermine their prestige and power; nor had they forgiven him for taking away some of their clients and slaves to establish a growing community in another city which might in time become a rival to their own. Fain would they conspire with the disgruntled in Medina and even with the other tribes of the region to uproot the very idea of this new-fangled, and exclusively emphasized, Allah as well as His Messenger.

8. The Prophet, on whom the righteous among both the *Muhājirīn* and the *Anṣār* depended for security and welfare, had to plan and organise both vigilance and defence. He had occasionally to take police action both internal and external.

9. The slow and steady spread and coverage of Islam during the first six years after the *Hijrah* provides remarkable proof of the Prophet's genius and the guidance he received in answer to his sincere prayers throughout this period.

C. Badr : Its Seasonal Placement

10. The Badr episode, within two years of the *Hijrah* was the first manifestation of this seemingly dormant antagonism both internal and external. Incidentally, the chronological placement of this event, like that of the *Bi'thah*, fifteen years earlier, provides us another opportunity to examine the nature and form of the needed recasting of Islamic chronology. Coincidentally, this Badr episode too occurred in the month of *Ramaḍān* which, as mentioned earlier, oscillated between the May-June period of the Julian year. Here also the Qur'ān is witness to the fact that this skirmish occurred in a particularly hot spell which was as usual, followed by a little rain that reduced the temperature and thereby revived the drooping spirits of animals and men. A reminiscence of this experience is to be found in Sura *Anfāl*, 8 : 11, where it reads :

Tishri/Muharram corresponding to the 20th of September, 622 J. C. Finding the Jews of Yathrib preparing for the fast of *'Ashura*, the tenth day of that moon-month, he suggested to all his followers that they too should observe that fast as a gesture of goodwill towards their neighbours. All in all, it was an exodus more carefully planned and more successfully executed than the exodus of the Israelites from the land of the Pharaohs.

65. Several of you, familiar with *Sirah* literature, will find the above chronological details contrary to the traditional accounts. You will be inclined to correct me by reminding me that it was not in *Muharram* but in *Rabi' al Awwal* that the *Hijrah* had taken place. But at this stage of my presentation all I ask you is to please keep this contradiction in mind. Partly tomorrow, and fully in the last of these three lectures you will learn how the overlapping of *Muharram* and *Rabi' al Awwal* can be explained. It is this 'reconciliation,' or 'reconstruction' that constitutes the basis of my thesis.

66. Thank you for your attention. It makes me look forward to our next two meetings.

LECTURE II

From Hijrah to Wafāt

A. Recapitulation

. Yesterday we prefaced our recasting of Islamic chronology by lefining the scope of historiology in relation to history. We then ook a bird's eye view of pre-Islamic pagan culture and noted four of its cultural patterns synchronizing their year with that of the ews and the Hindus : (a) the two assemblages of autumn and spring, nown as the *Ḥajj al Akbar* and *Ḥajj al Aṣghar*, corresponding with he *Dasehra* and the *Holi* respectively, (b) the seasonal trade aravans to the north in summer and to the south in winter, (c) the our Sacred Months in which violence was taboo, and (d) the adjusing *Nasi* which made the moon-months correspond approximately vith the seasons and served as a king-bolt for keeping all the four atterns in place. We emphasized that all these patterns had contriuted to a fairly harmonious rhythm of life and had continued to do o throughout the life-time of the Prophet. Then we referred to the eak link in this chain and explained that this *Nasi*, generally a lessing, sometimes became a curse.

. Next, we showed how the worship of several different tribal leities had led to cleavages, and the pulverizing of Arab tribal ociety. How the *Bi'thah* of the Prophet, when he had reached the nature age of forty, had made him strive against obstacles and ersecution for thirteen long years until, despairing of Meccan society, e had carefully arranged for the safe exodus of his band of followers to Medina where some groups had responded to his message of righteous ndeavour. The seasonal placement of these two cardinal events of arly Islam—the *Bi'thah* and the *Hijrah*—gave us an idea of the nature of recasting of Islamic chronology that is called for. After this rief recapitulation, let us continue the narrative analysis of the levelopments in Medina and the entanglements between what we hall call the 'Downstream' and 'Upstream' calendars.

probably during a beauteous night when the heat of the day had been completely overcome that Muhammad experienced the glories of the night of enlightenment.

56. It is on the basis of such diverse evidence and reasonable conjectures that the Chronology of Islam has to be recast. What problems we meet in this recasting will be gradually unfolded as we proceed.

E. The Meccan Period

57. The next twelve years and three months—May 610 to September 622—constitute a saga of incessant striving, opposition, persecutions and frustrations on the one hand, and, on the other hand, the indomitable persistence of the Prophet in fulfilling the mission entrusted to him during the glorious night on a hillside close to the holy city in the valley of Mecca. In all these twelve years he could never forget the realization, the command and the commitment :

NO OTHER LORD IS THERE BUT THE LORD, NO STONE OR TREE, NO ANIMAL OR MAN DESERVES SELF-OBLITERATING REVERENCE AND OBEDIENCE. LORDSHIP IS DUE ONLY TO THE CREATOR AND SUSTAINER OF THE COSMOS AND ALL THAT LIES IN IT.

58. That *Iman*—faith—combined with *'amal*—action—controlled and guided by that faith, this two-sided message the Prophet continued to preach throughout those twelve years in the magic words and passages which the Qur'ān brought to him.

59. Engrossed in their little vested interests the leaders of the Quraish could not perceive that, instead of ruining them economically as they thought it would, the acceptance of this twofold truth would have brought to them all the good which life can bestow on any people at any period of time. They ridiculed him, called him "parrot mad" (Sura *Dukhān* 44 : 14), reviled him, heckled him; their women threw dirt and rubbish over him in the streets. All that they were made to refrain from doing, at least during the four Sacred Months—the *Ashhur ul Ḥurum*—was to inflict personal injury. It was only during these periods of non-violence that he was able to convey his message year after year and even during the three years of boycott and confinement in the *Shi'b Abi Ṭalib*.

F. The Seasonal Placement of the Hijrah

60. It was during one of these *Ḥajj* periods (Aug.-Sept. 621 J. C.) that a few pilgrims from Yathrib were attracted to his teaching and

-wed obedience to his Faith by formally placing their hands beneath as a token af allegiance. This oath of fealty later came to be own as the *First Pledge of 'Aqaba*. One of the early followers of Prophet was sent with the pilgrims to Yathrib to guide them ther in the principles and practices enjoined by the new Faith. was to return and report when the party revisited Mecca during next *Hajj al Akbar*.

A whole year intervened. In August 622, the day of the *Hajj*, 10th of the moon-month of *Dhu'l Hajj*, corresponded with Friday, d August. On the next day, Saturday, 24th August, late in the ning, the Prophet again met the expanded delegation from Yathrib the same place. Having received a favourable report from his issary to that city, the *Second Pledge of 'Aqaba* couched in the lowing terms was given to the Prophet :

"WE WILL RECOGNISE NONE BUT THE ONE AND ONLY ALLAH AS ERVING OF EXCLUSIVE WORSHIP.

"WE WILL NOT STEAL NOR FORNICATE, NOR DO AWAY WITH OUR WANTED BABIES, NOR INDULGE IN CALUMNIES.

"WE WILL OBEY THE APOSTLE IN WHATEVER IS REASONABLE AND WILL BE FAITHFUL TO HIM IN WEAL AND WOE."

It was decided that, owing to unceasing persecution the small nmunity of Muslims should abandon their homes in Mecca and air to the city of Yathrib—200 miles to the north. That city was nceforth to be known as *Madinat un-Nabi*, the Abode of the ostle.

Within two or three days the moon would begin to wane, but antage could be taken of this lantern of the sky for night travel he still-warm nights and while the immunity from violence still vailed over the next five or six weeks. The exodus commenced ost on the following night. During the next two weeks of :'l *Hajj* all but the Prophet and his closest adherents had emigrated m Mecca to Medina. There is no mention of any one of them ing been hindered, much less molested.

In the last few nights of *Dhu'l Hajj*, perhaps on the New Year's , the night preceding the 1st of *Muharram* (13th September, 622 .), after having entrusted to 'Ali the little valuables which several r Meccans had entrusted to the *al-Amin* the Prophet himself arted from Mecca with one of his earliest followers, Abu Bakr, in the evening. These two finally reached Medina on the 8th of

his vision, this realization, this enlightenment to all people—to Jews and Gentiles, Christians and Pagans, yes, to all mankind. Thenceforth, all his thoughts, all his efforts and endeavours would be governed by his one realization.

16. Where was he to begin ? He rushes to his faithful partner in life Khadija. She becomes the first Muslim; he was the first man; she became the first woman to submit her ego implicitly to the will of the Almighty, the One and the Only. Later, he is directed to invite the members of the Quraish, his own clan, and those with whom he identifies himself (Sura *An'ām* 6 : 214). He meets a mixed reaction. Some laugh at him outright. Others observe non-committal silence.

D. Seasonal Placement of the *Bi'thah*

17. This first call to Prophethood which we have just discussed is known as the *Bi'thah* and constitutes the point of take-off in the history of Islam. Let us examine it a little closely.

18. We claim that other religions belong to periods of which we know very little; that the scarcity of factual knowledge in their cases lends itself to legends and mythological hypotheses. We claim that the injunctions of Islam are corroborated both by its conformity to the laws of Nature and the records of history. We take pride in the minute details with which the life and mission of our Prophet is recorded in the *Hadīth* and *Sīrah* literature. In the light of all this, would it be impertinent or irrelevant to ask, What was the season of the year in which Muhammad was blessed with his first revelation, the exact seasonal setting of his investiture, the nature of the night during which he was, so to say, honoured with the mantle of Prophethood ?

19. No one was able to enlighten me when, way back in 1944, I put this question in writing to several savants of Islam well-known all over India. None could help me. After two years of intense search I found access to an article in the Journal Asiatique of Paris† wherein a footnote to an article by Perceval published more than a hundred years ago, in 1843, offered the following information :

> "The mission of Muhammad commenced in the month of Ramadan – 23rd December 610 A. D."

50. Strange conclusion indeed ! The month-name *Ramadān* signifies a period of intense heat; and yet, this month of intense heat corresponded exactly with the Winter Solstice !! Stranger still, a [illegible]

man of forty had chosen a cave on a hillside for meditation during a *night of desert winter* !!!

51. Wonder of wonders, despite this glaring incongruity, and for more than a hundred years, from Perceval in 1843, and William Muir in the 1860's right down to Montgomery Watt in 1977, the European savants on Islam have expressed no doubts on the veracity of this finding. Caetani, an Italian, has cast his chronology of all Islamic history in his *Annals*† covering ten volumes on the basis of Perceval's thesis that the pagan Arabs, not aware of the astronomical basis of intercalation followed by their neighbouring Jews, had been stupid enough to go on intercalating a thirteenth month not when needed, but regularly every third year over more than two centuries ! No European scholar, at least as far as I have been able to ascertain, has even cast a doubt on this audacious assumption.

52. When renowned scholars of enlightened and science-oriented Europe could have been so credulous, what wonder that Shibli, from Victorian India, should have based his entire *Sirat un-Nabi* blindly on the findings of Perceval ?

53. And yet, it must in honesty be admitted that these European students of Islam are not the only ones who have been led astray. It is the early Muslim historians, the Ibn Ishaqs, the Waqidis, the Ibn Hishams of the early Abbaside days, who are also to be blamed for their failure to fathom this sphinx-like mystery permeating Islamic chronology even in those early days.

54. It is obvious that they worked under many limitations. The most crushing and compelling burden on them was primarily the overriding deductive method according to which every statement had to be based on the statement of some predecessor. They were strangers to the inductive method of science in which logical and circumstantial evidence could find at least tentative acceptability. This limitation has hampered Islamic scholarship even upto our own times.

55. A simple explanation is that the *Ramaḍān*, in which the Prophet received his first revelation, had run concurrent with the Jewish month of Sivan.† In 610 J. C. this moon-month had corresponded with the period between Friday, 29th May and Sunday 27th June, when Arab summer was at its height, and resorting to a hillside was the only means of escaping from the suffocating valley in which Mecca lies with hills rising all round it.

56. The nights in Mecca, at least on the surrounding hillsides are cool and pleasant even during the hottest part of the year and it was

proximity to this central Citadel, the holy sanctuary around which thousands gathered each spring and each autumn to garner what knowledge and guidance they could get, and acquire, through sale and barter, what necessities they could secure for their subsistence.

37. By and large, new ideas were conveyed only through word of mouth emanating from this central source. And for this to be effective the word of mouth had to be couched in the language of poetry—in words that had tendrils which cling to the mind, passages that had mnemonic values which made them unforgettable. It was this necessity that had developed the linguistic effectiveness of the Arab culture and had endowed social values to excellence in verbal expression.

C. The Prophet Is Ordained

38. It was in this milieu that Muhammad was born in about the year 570 of the Julian Calendar—the year known to the locals as 'the year of the elephant.' This was a year in which Mecca had received a deep shock but had been saved from conquest and humiliation through what seemed to be a miracle indeed. Abraha's hordes had approached Mecca to destroy the Sanctity enfolding the Ka'ba so that a sanctuary of their own might flourish without a rival. Miraculously, their aim had been frustrated and the portentious hordes had suddenly disappeared in the mist of history.

39. As a child, the Prophet-to-be must have heard mention of this miraculous event, and the legends that had grown around it, in awe and with wide open eyes. Did he, at this tender age, resolve to make the Ka'ba impregnable when he grew up ?

40. Perhaps, but what we do know with certainty is that in his youth he had joined, and later, perhaps led, a sort of 'eagles' band' to succour and aid the weak, the needy and the unprotected during the two annual Spring and Autumn pilgrimages to the Holy Sanctuary. History also records how, by mobilizing the representatives of the several tribes who claimed special rights over the holy shrine, he had raised a tribally cherished stone and placed it shoulder high in a wall of the Ka'ba when it was being reconstructed.

41. A thoughtful young man who had already earned the title of *al-Amin*, 'the Trustworthy,' one who had had experience in trade both before and after his marriage to Khadija—a widow in prosperous circumstances—he had been chiselled by Divinity for the mantle of pro-

phethood. Given to deep meditation, he had come to see clearly what his people needed—a Leader, an Awakener endowed with vision and foresight, tact and power of effective speech, one who would not be easily ruffled and could suffer calumny and ridicule without being perturbed. But where was such an Awakener to be found ?

42. The long and lonely search for an answer to this ever-present question, his ponderings over the legendary roles of *Ibrāhīm* and *Mūsā* and *'Īsa* must have induced in him during the hot summer nights, with the holy city spread before him in the moonlight, visions of himself as the person most capable of filling this human void.

43. But, humility, they say, is the first attribute of genius. The moment he emerged from this deep reverie his humility must have re-asserted itself. How could he, a humble dreamer, assume the power of controlling and guiding his people as *Ibrāhīm* was said to have done ? How could he command the powers of speech which *Mūsā* himself had prayed for ? Where was he to find the magic words of Jesus that could transform lumps of inert clay into soaring birds freed from hunger and fear (Sura *Āl-i 'Imrān*, 3 : 49).

44. This struggle between an impelling urge and an innate humility has come down to us in different forms and versions. Through discriminating imagination alone can one discern what a glorious struggle that must have been. In the language of Sura *Qadr* (No. 97) describing the Night of Glory, we read :

Verily, We had bestowed it
  in the Night of Glory
The Night of Glory more gracious
  than a thousand moons
When angelic revelations
  waft down by the Glory
  of their Lord
In every way 'tis full of peace
  until the spreading
  of the DAWN !

45. That spreading of the Dawn was an answer to all his hesitating questions : The Oneness of the Creator, *that* was the explanation of all discernible phenomena ! It was the realization of this Oneness, accompanied by the resolve to subject all thought and speech and action to this realization, wherein lay the hope and salvation of man ! And lo ! it was he, yes even his humble self, who had been given this glorious vision with such vividness. It was now his duty to convey

Now, logically, an intercalary *Nasi* should come between two years; therefore, its right place would be between the third and fourth of the sacred months mentioned above. But it is just this logical placement that raised a thorny question : Would this month of *Nasi*, intervening between two sacred months be itself inviolable or otherwise? If it was regarded as inviolable the number of inviolable months would either be raised to five, or, the *Muḥarram* following that inviolable *Nasi* would be deprived of its inviolability ! If it was not inviolable its being open to violence would break the continuity of a sacred period.

30. To deal with such recurring dilemmas, the *Qalammas* was given the choice of declaring the intercalary *Nasi* either to intervene between *Dhu'l Ḥajj* and *Muḥarram*, or to follow *Muḥarram*, that is for the *Nasi* to come *after* the three months of inviolability. This latitude enjoyed by the *Qalammas* provided him with a cultural weapon which he could wield in the favour of one tribe or another according to his own interests.

31. The reference to this latitude entrusted to the *Qalammas* is found in Sura *Bara'ah* (9 : 37) in the laconic style of the Qur'ān, *yuḥillūnahu 'āmman wa yuḥarrimūnahu 'āmman* :

> "One year they announce it
> (the month following *Dhu'l Ḥajj*)
> as "secular" another year as "sacred"
> in order that they may conform to the
> prescribed number of the holy months;
> they sometimes make profane
> what Allah hath made holy !
> Appear to them as virtuous
> the evil of their ways.
> It is not Allah that doth guide
> these infidels. . .

32. It was this weak and fragile link that over and over again broke asunder and led to uncertainty as to whether pillage of the pilgrims returning from the *Ḥajj al Akbar* of the month of *Dhu'l Ḥajj* was permissible or taboo. This ambiguity whether to unsheath, or not dare to unsheath, invariably led to violence and bloodshed. All that was needed to justify this was some real or imaginary infringement of some tribal custom or taboo. In brief, the intercalary *Nasi* was both a blessing which kept the tribes together as well as a curse which often made the hasty and the impetuous to shed each other's blood, almost as if in play.

33. Apart from this intermittent insurgence, they were essentially the products of their environment. Outside the few towns like Mecca, Medina and Ta'if, they were basically nomads of the desert who moved their tents wherever search for pasture took their herds of sheep. The camel provided them transport, shelter, clothing, milk and even meat when needed. The date-palm shed its relished fruit for them in abundance. Wealth was reckoned in terms of the number of camels or date-palms which a clan possessed. They were, therefore, a carefree people—rugged, hardy and unmindful of tomorrow, hospitable to a fault and free with wine and women when freedom from hunger allowed them. The inflorescence of their culture was poetry.

34. What made change, restraint and circumspection difficult and well - nigh impossible was their idolatry, their worship of innumerable tribal deities, always tending to splinter them into groups and counteracting the institutions made to fuse them into a well-knit human community. Years before his call to prophethood, Muhammad, through his concern for his fellow beings and his lonely meditations, had clearly perceived this weakness among his people—the curse inherent in idolatry.

35. But human groups, or the collective egos that each group inherits from its preceding generations, become crystallized in what are called the religions of different peoples and all such crystallized groups are naturally averse to changing their habits of thought or action. Even today, most of us are apt to meet every need for change and reform with the old retort : "We found our fathers doing this and we shall go the way of our fathers," (*Baqara* 2 : 170 and in a dozen other verses). Fourteen hundred years ago, this obstinacy, this allergy to change for their own good, this incapacity to visualise the advantage of change for the better, was immensely more difficult to overcome.

36. Yes, it was for the enlightenment of his people, who remembered no Awakener having come to them before, that Muhammad had come as the Messenger, the Awakener, the Harbinger of glad tidings. As a background to his advent, it must also be remembered that, in spite of all the tribal moves and taboos mentioned earlier, tribal Arabia was governed by no central Authority. In those relatively primitive days and in a region where people were scattered far and wide there was no written code, no police, no militia, no judiciary, no legislature, not even petty kings to command obedience. The *Ka'ba* alone was their emblem of authority.† There were only elders of independent tribes who derived their prestige according to their respective

23. A third basic means of social control is also confirmed by the Qur'ān in Sura *Baqara* (2:225 and 234), and also in Sura *Barā'ah* (9:2). There prevailed the ancient, unwritten but generally observed, tribal taboo against violence during one month of spring and three months of autumn—the periods of equable climate most conducive to economic activity and social intermingling. In a region of intensely hot days of summer, and biting cold nights of winter, there was relatively little mobility during the heights of both these seasons of extreme heat and extreme cold together covering six months. The imposition of non-violence in four out of the remaining six months of mobility served as an effective control over the impulsive and impetuous nature of the desert Arabs—the *A'rāb* of the Sura *Barā'ah* (9 : 33 and 48). Among these nomadic peoples raids against peaceful habitations were not infrequent, ('Sura *'Ādiyāt'* No. 100), and armed retaliation was, in ordinary times, a tribal duty. But, even if a man were to be faced with his own father's murderer, he did not dare to unsheath his sword if this encounter happened to be during the four Sacred Months (the *ashhur ul ḥurum*). This one-third of every year, two-thirds of the period of mobility, covered the one month of *Rajab* in spring and the three consecutive months of *Dhu'l Qa'd*, *Dhu'l Ḥajj* and *Muḥarram* in the autumn.

24. Their fourth cultural pattern contributing to a stable life-cycle was the intercalation of a thirteenth month, called *Nasī*, for the purpose of keeping their moon-calendar abreast with the solar cycle which governs all human, animal and vegetable life on earth. This adjusting process, everywhere and at all times, was too intricate a phenomenon for the majority of the people of any community to understand. During pre-Islamic and early Islamic times only the hereditary heads of the *Qalammas* family, based in Mecca, were adepts in this reckoning. Every second or third year, as dictated by the relative movements of the seasons—that is when the 1st of *Muḥarram*, their New Year, was about to fall more than a month before the corresponding season, the representative of the *Qalammas* family announced, at the end of the August Ḥajj, that the beginning of the next *Muḥarram* would be delayed by the intercalation of a moon-month—designated as *Nasī* —following the current *Dhu'l Ḥajj*.

25. Strange as it may seem, it is, literally, unknown to historians of Islam that this pagan intercalation of the adjusting thirteenth month of *Nasī* between *Dhu'l Ḥajj* (the last month of their year) and *Muḥarram*† (the first month of their next year), every time preceded a similar intercalation observed by the Jews between their last and first

months of Adar and Nisan respectively. It was owing to this almost parallel intercalation in the chronology of the Jews and the Pagans that, even till the demise of the Prophet, there existed the following concurrences:

1.	Muḥarram	=	Tishri	=	Kārtik	=	Sept-Oct
2.	Rajab	=	Nisan	=	Vishak	=	Mar-Apr
3.	Ramaḍān	=	Sivan	=	Ashad	=	Apr-May
4.	Dhu'l Ḥajj	=	Elūl	=	Aswin	=	Aug-Sep

26. These parallels will show that the intercalation of the thirteenth adjusting month was by no means a calendrical pattern peculiar to the pagan Arabs and the Jews. In fact it was and continues to be a universal practice which the relative movements of the sun and the moon compelled all mankind to adopt throughout the east and the west until the duration of the solar year was established in Egypt by the annual flooding of the Nile.

27. Whether this discovery was carried from Egypt to Iran or whether the Iranians themselves discovered it through some other means, the fact remains that Egypt and Iran were the only regions of the world where a solar year, totally independent of the moon, had presumably been in vogue even before the commencement of what is known as the Christian era, and certainly in the period preceding the advent of Islam. It was only the pagan Arabs and the Jews, lying between these two great realms that had continued to observe the old calendar based on the moon but kept abreast with the solar cycle by means of intercalation. All these four cogwheels of culture dovetailed into each other, and constituted a machinery which ran more or less smoothly in spite of human weaknesses. A people, guided by such relatively advanced institutions of social control, could not have been as barbarous and iniquitous as our historians paint them.

28. There was, however, one fragile link in this cultural chain that bound the Arab tribes into a single people; paradoxically, this was the link that joined the third and the fourth cultural patterns which we have just mentioned : (a) the four sacred months, and (b) the intercalary *Nasi*.

29. The four sacred months, as already mentioned, consisted of

1. *Rajab*, oscillating over March-April;
2. *Dhu'l Qa'd*, July-August;
3. *Dhu'l Ḥajj*, Aug-Sept; the last month of the expiring year; and
4. *Muḥarram*, Sep-Oct; the first month of the new year.

that in the course of these three evenings we shall see, as in a detective story, the gradual disentangling of a knot in the thread of time that has confused the academic sleuths for a millennium.

14. With this aim clearly in view we shall begin with a review of the cultural background in which commences the chronology of Islam.

B. The Foundations of Pre-Islamic Culture

15. Every writer mentioning early Islamic history—even non-Muslims—who generally limit their analyses to Muslim sources—paint the period immediately preceding the advent of Islam as inordinately dark. At most, the poetic talents of the pagan Arabs are sometimes given recognition.

16. This somewhat biased treatment of pre-Islamic times veils the cultural background of the *Sīrah* itself. It is this gap in history—this sudden change from the unrelieved black to the pure white—that hides for later generations the grey perspective in which the advent of Islam needs to be viewed.

17. The first step in reconstructing Islamic chronology, therefore, is to establish the fact that there were undoubtedly some aspects of pre-Islamic life and institutions of social control which, so to say, minimised friction and oiled the cogwheels of social existence. We are unaware of them because, despite some of them having continued to exist throughout the life-time of the Prophet, they, as we shall see later, went into oblivion immediately after his demise; no vestige of theirs remains even in Muslim memory.

18. The most outstanding, and almost deliberately effaced, feature of pre-Islamic pagan culture was its close synchronization with the seasons. Their new year began with the new moon of *Muḥarram* and coincided with the new moon of *Tishri* in the old Jewish calendar as well as the new moon of *Kārtik* in India; also, it commenced more or less with the autumnal equinox—22nd September of the Julian calendar.

19. The last month of their year, named *Dhu'l Ḥajj* commenced with the 'Ten Nights' culminating in the Festive Night so laconically pictured in the opening verses of the Sura *Fajr* (No. 79). Every year, in August that noisy night would follow the performance of the *Ḥajj al-Akbar* for which thousands assembled in Mecca from far and near. This pagan festival coincided with the *Dasehra* in both time and features; as in India, it was also followed twenty days later by the New

Year commencing with the new moon of *Muharram*.

20. Again, at the time of the vernal equinox—21st March—there gathered the Minor Assemblage, their *Ḥajj al-Aṣghar*,† which was relatively a smaller gathering but coincided more or less with the *Passover* of the Jews, the *Easter* of the Christians, the *Now Roz* of Iran and the *Holi* of India.

21. The second feature of their culture was the intervening of their trade caravans between the two above mentioned religio-commercial assemblages. After the *Ḥajj al-Akbar* in August, a trade caravan made a tour to the south during winter and returned in time for the *Ḥajj al-Aṣghar* in Spring. After this Minor Assemblage in spring another trade caravan made a tour to the north in summer and returned long before the autumn equinox for the *Ḥajj al-Akbar*. These two seasonal caravans carried the Quraish, the merchant princes of Mecca, to most of the trade centres lying within reach of the means of travel then available—to Yemen and even Abyssinia in the south, to Jerusalem and Damascus, even Constantinople and, perhaps, Ctesiphon in the north. Both caravans enriched the mother city, Mecca, the locale of the Ancient Sanctuary, the *Bait al-'Atīq*.

22. The Qur'ān itself is witness to my above statements. Chronologically a very early Sura, entitled *Quraish*, (No. 106), throws a bouquet, by name, at this leading clan of pre-Islamic pagans by eulogizing this adjustment of their economic life with the seasons of the year, their *riḥlat ash shitā' waṣ ṣaif*—caravans of winter and summer, and the *īlaf*—the treaties they had entered into with the tribes of the north and the south for the guarantee of safety of life and commerce during their itinerant journeys. This Sura ends with the words *at'amahum min jū'in wa āmanahum min khawf*, i. e., 'feeds them in hunger and insures them immunity from violence'. In other words, the people of Mecca—the locale of the Sanctuary—did not themselves have to labour for the production of their nourishment; they were fed by the tributary offerings brought to them by the tribes of the region and the tithes† levied on the goods and animals brought there twice a year for sale and barter during the two Pilgrimages of March and August respectively. In addition to this the inviolability of the *Ḥaram* provided them protection of life and property. It was this orbital functioning around a social nucleus, this synchronisation between the seasons of nature and the cycles of commerce, this inter-tribal understanding for peaceful co-existence and symbiosis that had contributed so much to the prestige of the Quraish as the guardians of the *Ḥaram*—the sacred sanctuary of Allah, the Deity Supreme, symbolized in the *Ka'ba*.

minating the Umayyads. Obviously, these accounts present the earl history of Islam as the historians under the Abbasides saw it; perhaps even as they wanted posterity to see it. Must we accept whateve they have said as final and unchangeable ? Is there no alternative fo us but to see events in *their* particular perspective ? Suppose we ar confronted with anomalies and contradictions : cannot informatio garnered subsequently in different branches of knowledge justify u in correcting their perspective of a past which was a past to then also ?

6. Such being the limitations of history, that branch of learning cannot always be trusted by itself; support for, and weaknesses in its propositions must be sought for in allied branches of knowledge geography, archaeology, climatology, linguistics, semantics, all these can help to evaluate history. The more such sciences develop and are made use of, the more accurate and trustworthy will be our history, more and more clear will the images of the past become.

7. To illustrate still more clearly what I mean, let me here give an actual example of how such historiology, such probing into allied sciences, can add new meaning to age-old impressions which we tend to take as unquestionable truths. Every schoolboy knows that this is the 1977th year of what has come to be known as the 'Christian' calendar. Naturally, he becomes certain that it is the 'Christian' element in this calendar which has taken mankind a step higher in the spiral of civilization, and opened new vistas for man's development; otherwise, why should this calendar be called 'Christian' ?

8. It is only historiological analysis which, reviewing the history of western civilization at a later stage, can arrive at the conclusion that, while the message of love and compassion brought by Jesus certainly served as a milestone in the history of the human race, it was a pagan, Julius Caesar, to whom we are indebted for his having introduced the purely solar calendar which gradually emancipated the millions of Europe from the vagaries of the moon-based calendars and provided a scale of time measurement by which human activity could be better synchronized with the seasons of our terrestrial sphere.

9. Jesus, or Christianity, had nothing whatsoever to do with its advent. On the contrary we find that, in spite of this sun calendar, it was the Christian church that had, more than a millennium later, persecuted Copernicus (d. 1543) and Galileo (d. 1642) for their findings on the subordinate place of the earth in relation to that of the sun.

And, even today, the calendar of the Roman Catholic Church continues to be a priestly maze with its 'Advent', its 'Octaves', its 'Epiphany', its 'Lent', and its 'Pentecost'. At least all dates connected with Easter have yet to be emancipated from the phases of the moon.

10. The purely solar reckoning happened to be carried from Egypt, the land of the ancient Pyramids, to the capital of the pagan Roman Empire only about half a century before the estimated birth of Jesus. This proximity was merely a coincidence. But, when, more than a century later, Christianity found a foothold in Rome, this solar calendar, imported by Julius Caesar (J. C.), was appropriated and became almost an emblem of Jesus Christ (another J. C.). Paradoxically, it was the Christian Pope, Gregory XIII (1572-85) who, on the one hand, made this calendar more accurate and, on the other, transferred its New Year from March to January; it is owing to this that *September* (i, e., the seventh month) became the 'ninth', *October* the 'tenth', *November* the 'eleventh' and *December* the 'twelfth' month !

11. In the light of the industrial revolution of the 18th and 19th centuries, the scientific value of the purely solar reckoning, the so-called 'Christian' calendar, began to be appreciated and, despite the fumblings of the Christian church, the change from the moon to the sun, as the sole reckoner of the year, came to be interpreted as the outcome of a change from demonology to Christology. Today, this mix-up of two thousand years ago continues to inflate the ego of every Christian youth; it deflates, however little, the egos of all school children who do not happen to be Christians.

12. Happily for me, this is not a study involving the faith of Christianity, nor the faith of Islam. I have used the above illustration only to emphasize the importance of the solar reckoning of the year in comparison with the moon reckoning which goes back to the earliest and most primitive history of man. Similarly, I have based some of my statements on the Qur'ān; but even these are non-controversial. As far as possible I have avoided religious polemics as such; little room therefore will be found for controversy. What I present before you is more akin to the arithmetical 'rule of three', an algebraical analysis, a series of logical syllogisms rather than religious dogmas or their denials.

13. These lectures, in short, constitute an attempt at presenting before an audience of the intelligentsia an analysis of early Islamic history, and some chronological adjustments which are needed in the light of new findings in allied branches of knowledge. Let us hope

LECTURE I

From Jahiliya to Hijrah

1. Introduction : The Limitations of History

story is, essentially, an evaluation of the past in the light of sent; as the light of the present changes, becomes bright or dim, ge of the past too, changes with it.

et me tell you a story that will illustrate to you the underlying of these lectures. A famous comedian was visiting his old when the students happened to be answering their examina- pers in history. He picked up a question paper and beamed tudents. "Exactly the same questions as had been put to me years ago !" he exclaimed, "Even now I could get a first "Yes," said the Principal who was taking him around, "but me to time we expect different answers !"

u see what I mean ? History is not written once for all time. icularly poignant experience illustrating this changeability of once made even a prosaic like me break out into verse :

کل راگ کسی کا گاتی تھی، کل راگ کسی کا گائیگی
تاریخ بدلتی آئی ہے، تاریخ بدلتی جائیگی

' course such anecdotes, like cartoons, exaggerate the points nt to emphasize. So, if there are students or professors of amongst you, let me assure them that I am as much aware of ispensability of history as of its weaknesses.

you have read several versions of the early history of Islam appreciate the validity of the above remarks.† If histories en compiled, say, in the lifetime of the Prophet himself, and ll extant, they would have given us a very different image of mative period. As it happens, we have only the accounts left y Ibn Ishāq, Wāqidī, Ibn Hishām and Ibn Sa'd, all com- the late second century when more than a hundred years had and the Abbasides were consolidating themselves after eli-

Khuda Bakhsh Annual Lectures, 1977

Khuda Bakhsh Annual Lectures
are delivered every year
by some eminent scholar of
Persian, Arabic or Islamic
Studies.

Mr. Qazi Abdul Wadood,
Dr. Md. Zubair Siddiqui,
Prof. A. A. A. Fyzee,
Dr. Nazir Ahmad,
Dr. S. A. H. Abidi and
Dr. S. H. Askari
were the forerunners
in the series to which
Dr. Hashim Amir Ali
Contributed in 1977.

LECTURE I

From Jāhiliya to Hijrah

A. Introduction : The Limitations of History

1. History is, essentially, an evaluation of the past in the light of the present; as the light of the present changes, becomes bright or dim, the image of the past too, changes with it.

2. Let me tell you a story that will illustrate to you the underlying theme of these lectures. A famous comedian was visiting his old college when the students happened to be answering their examination papers in history. He picked up a question paper and beamed at the students. "Exactly the same questions as had been put to me twenty years ago !" he exclaimed, "Even now I could get a first class !" "Yes," said the Principal who was taking him round, "but from time to time we expect different answers !"

3. You see what I mean ? History is not written once for all time. A particularly poignant experience illustrating this changeability of history once made even a prosaic like me break out into verse :

کل راگ کسی کا گاتی تھی، کل راگ کسی کا گائیگی
تاریخ بدلتی آئی ھے، تاریخ بدلتی جائیگی

4. Of course such anecdotes, like cartoons, exaggerate the points they want to emphasize. So, if there are students or professors of history amongst you, let me assure them that I am as much aware of the indispensability of history as of its weaknesses.

5. If you have read several versions of the early history of Islam you will appreciate the validity of the above remarks.† If histories had been compiled, say, in the lifetime of the Prophet himself, and were still extant, they would have given us a very different image of that formative period. As it happens, we have only the accounts left to us by Ibn Isḥāq, Wāqidi, Ibn Hishām and Ibn Sa'd, all compilers of the late second century when more than a hundred years had intervened and the Abbasides were consolidating themselves after eli-

"فلخصت من كتابه (اى كتاب الكفوى) تراجم الفقهاء من دون هذه مما يتعلق بها الخ ثم قال: ثم زدت معلما بقولى "قال الجامع" بعد الفراغ من التلخيص من كتب اخرى صنفت فى هذا الباب من الفوائد التى يستحسنها اولو الالباب.

وهذا الكتاب طبع من الهند سنة ١٢٩٣ وبهامشه "التعليقات السنية على الفوائد البهية" للمؤلف المذكور - وهى غير مختصة بالحنفية

(٣٦) رفيع الدين الشروانى العلامة له[ل] "طبقات الحنفية"

قال مرتب الفهرس لدار الكتب المصرية (٥/٢٤٨): "طبقات الحنفية تأليف العلامة رفيع الدين الشروانى كما ذكر فى اول "طبقات الفقهاء والعباد والزهاد" جمع فيها جملة تراجم اصحاب الامام ابى حنيفة فى عصره ومن جاء بعده ورتبها على احدى وعشرين طبقة وبين فيها ان اول الطبقة الاولى هو الامام ابو حنيفة النعمان ومن افراد الطبقة الاخيرة المولى احمد بن سليمان بن كمال باشا المتوفى سنة ٩٤٠" وفى الدار نسختان منها وقطعة من النسخة الثالثة.

والظاهر ان الشروانى صنف كتابا فى تراجم الحنفية كما قال صاحب طبقات الفقهاء والعباد والزهاد ولكن النسخ الثلاثة المحفوظة فى الدار لابن الحنائى المذكور تحت الرقم ١٦ بلا شك لاسباب التى بيّنا سابقا كما ان مرتب الفهرس ايضا شك حيث قال: وفى كشف الظنون ما يفيد انه مختصر المولى على بن امر الله الحنائى رتبه على احدى وعشرين طبقة.

ل[ل] لم اعثر على ترجمته. وطبقات الفقهاء والعباد والزهاد ومشائخ الطريقة والصوفية والمؤرخين والقراء والنحاة واللغويين، لاحمد امين بن حبيب بن الله بكر بن خيضر. فرغ من تاليف جزء منها فى التاسع عشرين جمادى الاولى سنة ١١٣٥ - طبع فهرس الدار ٥/عدد صفحات ٢٥٨ -

ایک ہوں مسلم حرم کی پاسبانی کے لئے
نیل کے ساحل سے لے کر تا بخاکِ کاشغر

اسی طرح "طلوعِ اسلام" میں یہ شعر ہے:

گماں آبادِ ہستی میں یقیں مردِ مسلماں کا
بیاباں کی شبِ تاریک میں قندیلِ رہبانی

اور یہ شعر ہے:

تمیزِ بندہ و آقا فسادِ آدمیت ہے
حذر اے چیرہ دستاں سخت ہیں فطرت کی تعزیریں

اسی طرح کی بہت سی مثالیں میں نے دی ہیں اور شعر اور نثر کا فرق واضح کیا ہے۔ مجھے گلا یہی ہے کہ کوئی ان باتوں کا جواب نہیں دیتا، صرف برہم ہوتا ہے کہ میں نے اقبال کی خامیوں کو واضح کرنے کی جرأت کیسے کی۔ اور کوئی اس بات کا اقرار بھی ضروری نہیں سمجھتا کہ میں نے سب سے پہلے اقبال کی نظم "شعاعِ امید" کے شعری حسن پر روشنی ڈالی اور یہ بھی کوئی نہیں کہتا کہ "شاہین"، "لالۂ صحرائی" اور خصوصاً "ساقی نامہ" کی شعری اہمیت میں نے بتائی اور یہ بھی بتایا کہ ان نظموں میں خیالات دوسری نظموں سے مختلف نہیں۔ لیکن یہاں وہ خیالات، وہ پیغام، شعری تجربے بن گئے ہیں۔ ان نظموں کے علاوہ میں نے اقبال کی غزلوں کی طرف بھی توجہ دلائی اور کہا کہ انہوں نے خیالات کی دنیا بدل دی اور یہ ایک بہت بڑا کارنامہ ہے۔ ان کی شخصیت کی بزرگی کا ثبوت ہے لیکن ان باتوں کو اَن سُنی کر دیتے ہیں۔

میں نے اقبال کے ساتھ وہی سلوک کیا، جو ایک دیانت دار نقاد کو کرنا چاہیئے۔ یعنی ان کی خوبیوں پر بھی روشنی ڈالی اور ان کی شاعری کی حدود کو بھی واضح کیا۔ اب اسے کیا کیجئے کہ تنقید ایک روشن لیمپ ہے جس کی تیز روشنی میں کسی کی شاعری اپنے اصلی خد و خال میں نظر آنے لگتی ہے۔ ان مصنوعی خد و خال میں نہیں جو ہماری جذبات پرستی نے بنا رکھے ہیں۔ اقبال بالقوہ بڑے شاعر تھے۔ لیکن بالفعل بڑے شاعر نہیں تھے لیکن جہاں تنقید کا مفہوم صرف تحسین ہو، مبالغہ آمیز تحسین ہو، وہاں صحیح تنقید سے چراغ پا ہونا کوئی تعجب کی بات نہیں۔

جوش پر بھی میں نے تفصیل سے لکھا اور جس وقت لکھا اس وقت جوش کا بول بالا تھا۔ اس لئے اس کے خلاف شدید ردعمل ہوا۔ لیکن میں جانتا تھا کہ جوش کی شاعری ہنگامی شاعری ہے، جو نری لفاظی بھی ہے اور میں نے انہیں کے شعروں کو ان پر بہترین تنقید بنائی تھی۔ ان میں سے چند اشعار سن لیجئے:

میری کلاغ شاعری کی غوغو ہی ہنگامہ خیز
ایک سلطانہ طرح ایک مرکز [illegible]

62. *Minhāj ul-Vilāyah*; 340 f. A valuable copy of a Persian commentary on '*Nahj ul-Balāghah*' of Sharīf ur-Raḍī (a scholar of the 5th century A.H.), transcribed in A.H. 1009. (No. 2033)
63. *Pand Nāmah-i-Jahāngīrī*; 10 f. A rare, illuminated and beautifully written copy of a work on moral precepts and good administration, transcribed by 'Abd Ullah 'Mushkīn Qalam' in A.H. 1022. (No. Acc 669)

LOGIC

64. *Asās ul-Iqtibās*; by Abū Ja'far Naṣīr ud-Dīn Ṭūsī (d. A.H. 672 = A.D. 1274) 150 f. A beautiful copy of a work on logic, transcribed in A.H. 981. (No. 1026)

ASTRONOMY

65. *Panjāh Bāb-i-Sulṭānī*; by Rukn bin Sharaf ud-Dīn ul-Ḥusayn ul-Āmulī (d. A.H. 861 = A.D. 1456) 62 f. A rare copy of a work on the science of astrolab, transcribed in the 10th century A.H. (No. 2044)
66. *Risālah-i-Mu'īnīyah*; by Abū Ja'far Naṣīr ud-Dīn Ṭūsī (d. A.H. 672 = A.D. 1274) 99 f. A rare and valuable copy of a treatise on astronomy, transcribed in the 12th century A.H. (No. 2043)
67. *Sharḥ-i-Bīst Bāb Dar Ma'rifat-i-Usṭurlāb*; by Niẓām ud-Dīn 'Abd ul-'Alī ul-Barjandī (a scholar of the 10th century A.H.) 121 f. A valuable copy of a commentary on Abū Ja'far Naṣīr ud-Dīn Ṭūsī's famous manual on the construction and use of astrolab, containing diagrams and interlinear notes, transcribed in A.H. 1165. (No. 1047)
68. *Tarjamah-i-Tashrīḥ ul-Aflāk*; 87 f. A valuable copy of an anonymous Persian translation of Bahā ud-Dīn 'Āmilī's (d. A.H. 1030 = A.D. 1621) famous Arabic work, '*Tashrīḥ ul-Aflāk*' on astronomy, containing diagrams and emendations, transcribed in A.H. 1244. (No. 1053)

MEDICAL SCIENCE

69. *Dhakhīrah-i-Khwārazm Shāhī*; by Ismā'īl bin Ḥusayn Jurjānī (d. A.H. 531 = A.D. 1136) 189 f. An exceedingly valuable and the oldest known copy of the earliest encyclopaedia of medical science in Persian, complete in two volumes. The

یہ عقیدہ ہے کہ خطاء سے معصوم صرف انبیاء کرام کی ذات ہوتی ہے۔ یہ حضرات عمداً و سہواً معصوم ہیں۔

"عصمۃ الانبیاء": ایک مقدمہ اور تین ابواب پر مشتمل ہے۔ مقدمہ کی ابتدا سلیس و بلیغ عربی عبارات سے ہوتی ہے۔ اسلوب میں ندرت اور ادبی ذوق کا اظہار ہوتا ہے۔ چنانچہ "عصمۃ" کا استعمال مختلف جہتوں سے کرتے ہوئے ان الفاظ میں کتاب کی ابتدا ہوتی ہے: "بک اعتصم یا عزیز یا کریم، ومن یعتصم باللہ فقد ھدی الی صراط المستقیم...... و بعد فیقول العبد المعتصم بحبل الباری عبد اللہ بن شمس الدین الانصاری عصمۃ اللہ عن خلف القول.... وسمیتہ بعصمۃ الانبیاء" پھر "العصمۃ" کی تعریف کرتے ہوئے "عصمۃ الانبیاء" کے بارے میں مخدوم الملک بتاتے ہیں کہ ان کا انحصار تین باتوں پر ہے: الاول تتابع الوحی والثانی الاعتراض عن ما یصدر منھم سھواً والثالث العتاب علی ترک الاولیٰ۔

باب اول: فی بیان ان الانبیاء علیھم الصلوٰۃ والسلام معصومون عن الکفر والکبائر: یہ باب ۹ تا ۲۲ اوراق پر مشتمل ہے۔ مخدوم الملک اسلام کے مختلف العقائد فرقوں کے اقوال کا تنقیدی جائزہ پیش کرتے ہیں اور بتلاتے ہیں کہ سوائے خوارج کے چند فرقوں مثلاً ازارقہ اور فضیلۃ، امت مسلمۃ کا اس بات پر اجماع تھا کہ بعثت کے قبل اور بعد انبیاء کرام کفر اعتقادی سے معصوم ہوتے ہیں۔ شیعوں کے غلط آراء کی سخت تنقید پیش کرتے ہیں۔ شیعی حضرات تقیہ کا جواز پیش کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ کفر کا اظہار جائز ہے۔ خصوصیت سے ایسے مواقع پر جب اسلام دوستی قتل کا سبب بنتی ہو، ایسی حالت میں نفس ہلاک ہوتا ہے، جو اسلام میں حرام ہے۔ جیسا کہ اللہ پاک کا قول ہے "ولا تلقوا بایدیکم الی التھلکۃ"۔ لیکن اس کے جواب میں مخدوم الملک دوسری دلیل پیش کرتے ہیں اور بتلاتے ہیں کہ انبیاء کرام ایمان کی خاطر خوف قتل سے آزمائے گئے، جیسے حضرت نوحؑ، حضرت الیاسؑ اور دیگر انبیاء کرام سے، پس اظہار کفر کا جواز ثابت ہو گیا۔ اسی طرح جہاد کا مسئلہ ہے۔ مصلحت دینی کا اظہار کفر کی [illegible]

۱۔ تکمیل الایمان و تقویۃ الایقان، ص ۵۹، ۵۸، [illegible]

rare knowledge of Persian Mss; the third died in early youth; and the fourth is now at college.

His Scholarship. Khuda Bakhsh was one of the greatest authorities on Islamic bibliography. An article from his pen on this subject appeared in the *Nineteenth Century*. But it represents only a small part of his knowledge. I remember how one day he poured out of the copious store of his memory, a full list of Arabic biographers and critics from the first century of the Hijra to the eighth, with running comments on the value of each. Most of their works he had himself collected. But alas ! Arabic has long been a dead language in India. He also compiled a descriptive catalogue of many of his manuscripts, (the *Mahbub ul-Albab*, written in Persian and lithographed at Hydarabad in 1314 A. H.) Next to the acquisition of a rare Ms. what gave him most delight was to see anybody using his library in carrying on research.

The Library Buildings. Khuda Bakhsh had promised to his dying father to erect a house for the library, but the way in which he carried out his promise must have delighted Muhammad Bakhsh's soul in Paradise. This middle-class lawyer,—there are two or three such men in many District Courts of Bengal,—spent Rs. 80,000 on the library buildings. It is a two-storied structure with a spacious hall and two side-rooms on the first floor and a wide shady verandah going all around it. The two staircases, the west verandah and most of the lower rooms are paved with marble or stone mosaics; in the other verandah and room the floor is covered with encaustic tiles. The whole library with its buildings and grounds was made over to the public by a trust-deed, on 29th October, 1891, one of the conditions being that the Mss. should not be removed from Patna. The donor in his unselfishness did not even give his own name to his gift, but called it the Oriental Public Library. The public, however, do not accept this self-effacement, and the Khuda Bakhsh Library is the only name by which it is known in India.

His Devotion To The Library. But Khuda Bakhsh's devotion to the library is not to be measured by the money he spent on it, practically all his earnings. His whole heart was set on it. The library was the subject of his thoughts in walking and sleep alike. His very dreams centred round it. Two of them are here given from his narration; "At first Mss. came in very slowly. But one night a stranger came to me in my dream and said, 'if you want books, come with me ?' I followed him to a grand building like the Lucknow

danger and by which its advantages may be made even more accessible than they now are to the reader and student. I hope that steps may be taken in both of these directions."

January, 1903. CURZON.

Lord Curzon's attention to the library was drawn by my friend Dr. Denison Ross of the Calcutta Madrassah, and I would add that had it not been for Sir Charlies Lyall and Dr. Ross, that valuable store-house of Oriental learning would have remained unnoticed and unknown. The present writer has enjoyed the friendship of the Principal of the Calcutta Madrassah ever since his arrival in this country, and as was expected of him, he was irresistibly drawn to my father's library, where he found more than he had hoped to see and find. He aroused the interest of Lord Curzon in the library; and, as I have stated before, that great scholar, antiquarian, and last but not least statesman, visited the library in 1903.

The sanction for the construction of the reading-hall and the preparation of the descriptive catalogue, under the supervision of Dr. Denison Ross, were the direct outcome of the Viceroy's visit. I would be guilty of the unpardonable sin of ingratitude were I to fail to mention the name of the Hon'ble Mr. J. G. Cumming, the then District Magistrate of Patna (now the Judicial Secretary). To him the library is most deeply beholden. An accomplished scholar, a graceful writer (as his report on the Industries of Bengal abundantly shows), a distinguisned officer, a man of liberal and catholic principles, Mr. Cumming has always taken the keenest interest in the library. It was during his time that the reading-hall was built, the lands adjoining the library were acquired, and the scheme of making a garden matured. But owing to Mr. Cumming's departure from Patna this has been left unfinished. It was my father's dearest wish that the reading-hall should be called after Mr. Cumming; in other words, it should be named 'Cumming Hall,' and the Library Committee would only be carrying out his cherished desire were they so to name it.

The reading-hall is built, and the catalogue of the library—thanks to Dr. Ross, and my esteemed friend Mr. J. A. Chapman—is in a fair way to completion. The first volume of the catalogue, which deals with Persian poetry from Firdausi to Hafiz, has just been published, and it does credit to Dr. Ross, Mr. Chapman and the compiler, Moulvi Muqtadir. It displays an amount of research and erudition which is, indeed, rare in the East, and Dr. Denison Ross